محمد احمد حامد حیاتِ محمد محمود قاسم عاقب

حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

محمد حسین ھیکل

ترجمہ
ابو یحییٰ امام خان

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲۔ کلب روڈ، لاہور

عزیز حریص علیکم رؤف رحیم طٰہٰ مجتبیٰ

طٰسٓ مرتضیٰ حٰمٓ مصطفیٰ یٰسٓ اولیٰ مزمل ولی مدثر متین مصدق طیب

منج ہاد رسول نبی امی تہامی ہاشمی حجازی نزاری قرشی مضری ابطحی

صادق امین عبد الله محمد کلیم الله حبیب الله نجی الله

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

صادق امین عبداللہ محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

صفی اللہ حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی رحمۃ یتیم

اپنے طرف داروں کو ان کے مسلک پر قائم رکھتا ہوا فریق مخالف کو بھی اپنی طرف لانے کی کوشش کرتا۔

اسلام میں حضرت مسیح کی منزلت: مگر اسلام نے مسلمانوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی منزلت قائم رکھنے میں کوئی کمی روا نہ رکھی۔ اس نے آپ کے لیے علی الاعلان فرما دیا کہ ''حضرت مسیح اللہ کا بندہ ہے۔ کتاب اس پر نازل ہوئی۔ اسے نبوت کا خلعت پہنایا گیا۔ وہ ہر محل و مقام پر با برکت ہے۔ خداوند دو جہان نے اسے تا بہ زندگی نماز و زکواۃ کی ہدایت فرمائی۔ وہ اپنی والدہ کے حق میں سرتاسر نیکی ہے۔ وہ سخت گیر اور بدبخت نہیں۔ اس پر سلامتی ہو، اس کے روز پیدائش سے لے کر اس کے یوم وفات تک اور جس دن اس کو حشر میں دوبارہ زندگی بخشی جائے۔''[1]

رسول اللہ کے متعلق مسیحی طرز عمل: مگر محمد رسول اللہ کی ذات کے متعلق عیسائیوں کا طرز عمل مسلمانوں سے بالکل مختلف رہا۔ مسیحی اکثریت کی زبانوں پر حضرت محمد صلعم کے متعلق جو کلمات نوک زبان ہیں، مہذب انسان کسی ادنیٰ بشر کے لیے بھی انہیں گوارا نہیں کر سکتا۔ جس سے ان کے درون سینہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس میں آن حضرت کے متعلق کتنا زہر بھرا ہوگا، اور وہ بھی دنیوی منافع حاصل کرنے کے لیے۔

کہنے کو صلیبی جنگیں صدیوں سے ختم ہو چکی ہیں مگر جناب محمد صلعم کی ذات سے کلیسائی تعصب ان جنگوں کے بعد بھی بہ دستور ابھرا رہا حتیٰ کہ ہمارے اس دور [۱۹۴۰ع کے قریب (م)] تک اس تعصب کے نمو کا وہی عالم ہے۔ اگر اس میں اضافہ نہیں ہوا تو اتنا ضرور ہے کہ تخفیف بھی نہیں ہوئی۔

قرون سابقہ میں مسیحی نقاد جس عریاں طریق پر حضرت محمد صلعم کی توہین کا فریضہ ادا کرتے، موجودہ دور میں اس کا عنوان بدل لیا گیا ہے۔ پہلے تو صرف کلیسائی احبار و رہبان کے ہاتھ میں یہ مہم تھی یا ان کے وابستگان اس میں منسلک تھے مگر اب یورپ اور امریکہ کے اہل قلم، فلاسفر اور مستشرقین علمی تحقیقات کی آڑ میں آن حضرت کی مذمت کا حق ادا کر رہے ہیں اور یہ ایسے اہل قلم ہیں جن کا کلیسا اور مسیحی

۱۔ مؤلف کے یہ اشارے سورۃ مریم کی آیات ۳۰ تا ۳۴ پر مبنی ہیں [م]:

قال انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا وجعلنی مبارکا این ما کنت واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا و برا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا ذالک عیسی ابن مریم قول الحق الذی فیہ یمترون۔

(جناب عیسیٰ نے) فرمایا میں خود خدا نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہوں جس نے مجھے نبوت بخشی، مجھے دونوں جہان میں برکت بنایا اور مجھے نماز اور پاکیزگی کی نصیحت تا بہ زیست فرمائی اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی، مجھے سخت گیری کی عادت سے دور کر دیا، میرے لیے زندگی اور دنیا سے الوداع کے زمانے میں بھی سلامت رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ اے لوگو! یہ ہے عیسیٰ بن مریم کی واردات جو خدا کا کلام ہے، جس میں تم باہم مناقشہ کرتے ہو۔

عبادت گاھوں سے به ظاھر کوئی تعلق نہیں ۔

تعجب ھے که یہی مغربی اھل قلم موجودہ دور کو نور علم سے روشن تر اور ترقی یافته دور بھی ثابت کرتے ھیں ، مگر حضرت محمد صلعم کے معاملے میں ان کی نکته چینی کس کورانه حد تک ھے ۔

ھمارے اس تعجب میں اور بھی اضافه ھو جاتا ھے جب کوئی دیدہ ور مسلمانوں دور اول پر نظر ڈالتا ھے که ان مسلمانوں نے مجوس فارس کے مقابلے میں مسیحیان روم کی کامیابی پر کس درجه مسرت کا اظہار کیا ۔ یه زمانه ھے جب به عہد حضرت محمد صلعم روم کے مسیحی بادشاہ ھرقل کے ھاتھوں کسریٰ ایران کی شہنشاھیت کا آتش کدہ ٹھنڈا ھو رھا تھا حالانکه ایران کی جنوبی طرف میں اچھا خاصا اثر و نفوذ تھا ۔ خصوصیت سے یمن سے حبشیوں کے نکال دینے کے بعد تو اس نے اپنی طاقت کہیں بڑھا لی تھی ۔

اسی کسریٰ نے ۶۱۴ع میں ''شہر براز،،[1] نامی سردار کی سپه سالاری میں بادشاہ روم کی سرزنش کے لیے ایک جرار لشکر بھیجا جس نے رومیوں کو رگید کر ان کے آباد اور پر رونق شہروں کو کھنڈر بنا دیا ، ان کے سدا بہار زیتون کے باغ کاٹ کر چٹیل میدان کر دیے ، اور انھیں سر به فلک قلعوں اور سر سبز و شاداب وادیوں سے ڈھکیل کر شام کے اس علاقے میں محصور کر دیا جو اذرعات و بصریٰ سے موسوم اور عرب سے ملا ھوا ھے ۔

اس وقت مسلمان نہایت قلیل تعداد میں تھے اور مکه میں قریش کا تختۂ ستم بنے ھوئے تھے ۔ تاھم ان کی دلی ھمدردی اپنے ھمسایه ایرانیوں کی بجائے روم کے دور افتادہ عیسائی اھل کتاب سے تھی ، جس طرح کفار مکه کی محبت اھل ایران کے ساتھ ان کے منکر وحی و کتاب ھونے اور مسیحیان روم سے عداوت ان کے حامل کتاب ھونے کی وجه سے تھی ۔ اس لیے جب مسلمانوں نے رومی عیسائیوں کی مذکورہ شکست کا ماجرا سنا تو ھاتھ مل کر رہ گئے ۔

اس عہد کی مشہور شه زور حکومتوں میں مجوس ایران اور (یه) رومی مسیحی بھی تھے ۔ عرب کا ایک حصه (جنوبی افریقه) کی طرف سے ایران سے ملتا تھا ، دوسرا حصه (شمال مشرق) رومیوں کے جوار میں تھا اور عرب کا جو حصه دونوں سلطنتوں میں جس کے قرب میں تھا وہ اس سے دبا دبا رھتا ۔ اس پر بھی مکه کے مسلمان برملا ایرانیوں کے دشمن اور رومیوں کے دوست دار تھے ۔

کفار مکه ، جو کفر و انکار میں مجوس ایران کے مائل تھے ، رومیوں کے اھل کتاب ھونے اور انھیں مسلمانوں کی طرح آسمانی مذھب کے پرستار ھونے کی وجه سے برملا ان کی مخالفت کرتے ۔ جس وقت انھیں اس جنگ میں عیسائیوں کی ھزیمت کی خبر ملی ، کفار مکه کے ھاں خوشی کے شادیانے بجنے لگے لیکن مسلمانان مکه اس سانحے سے بہت متاثر تھے حتیٰ که یه

---

[1] ''ڈاکٹر بٹلر،، اپنی تالیف ''فتح العرب لمصر،، (صفحه ۳۰) میں لکھتے ھیں : ''اس سپه سالار کا نام 'خوریام' ھے ۔ جس کے القاب مختلف کتابوں میں یه ھیں : شہربز ، شہر براز ، شراوزیه وغیرہ ، مگر یه تینوں الفاظ (القاب) فارسی لفظ 'شہرورز' کی تحریف ھیں جس کے معنی 'الخنزیر البری للملک' کے ھیں یعنی 'جنگل کا بہادر خنزیر' ۔ شاھان ایران کی مہر پر اسی وجه سے خنزیر کی تصویر کندہ ھوتی ۔ انھی کی اقتدا آرمینیا نے بھی کی ،، ۔

محمد احمد حامد حیاتِ محمد محمود قاسم عاقب

طیب مصدق متین مدثر ولی مزمل اولیٰ یٰس مصطفیٰ حبیب مرتضیٰ طٰس

حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد حسین ہیکل

مترجم
ابو یحییٰ امام خاں

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲ ۔ کلب روڈ ۔ لاہور

عزیز حریص علیکم رؤف رحیم طٰہٰ مجتبیٰ

منج ناد رسول نبی امی تہامی ہاشمی حجازی نزاری قرشی مضری ابطحی

صادق امین عبداللہ محمد ﷺ کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

جملہ حقوق محفوظ

۲۹۷۰۹۹۲۱
۱۰۹۱۱ صیک
۳۱۹۹۲
c/2

بار پنجم : ۱۹۹۰ء

ناشر : سراج منیر
ناظم ادارۂ ثقافت اسلامیہ
۲، کلب روڈ، لاہور

طابع : سید اظہار الحسن رضوی
مطبع : اظہار سنز پرنٹرز، لاہور

قیمت ۳۵۰/- روپے

عزیز حریص علیکم رؤف رحیم طٰہٰ مجتبیٰ

فہرستِ مضامین

مقدمہ مؤلف (طبع اول)		۱
مقدمہ مؤلف (طبع ثانی)		۲۹
۱۔ ملکِ عرب قبل از اسلام		۷۱
۲۔ مکہ معظمہ، کعبۃ اللہ اور قریش		۹۱
۳۔ عہدِ ولادت اور طفولیت	✓	۱۱۷
۴۔ متاہل زندگی سے لے کر ابتدائے بعثت تک		۱۳۷
۵۔ از بعثت تا بہ اسلام عمرؓ	✓	۱۵۱
۶۔ واقعہ "غرانیق"		۱۸۳
۷۔ قریش کی ایذا رسانیاں	✓	۱۹۵
۸۔ نقضِ صحیفہ (قرارداد) سے لے کر اسراء تک		۲۱۳
۹۔ بیعتِ عقبہ		۲۳۱
۱۰۔ واقعاتِ ہجرت	✓	۲۴۷
۱۱۔ مدینہ منورہ کا ابتدائی زمانہ		۲۵۹
۱۲۔ سرایا اور ابتدائی جھڑپیں		۲۸۹
۱۳۔ غزوۂ بدر		۳۰۷
۱۴۔ بدر اور احد کا درمیانی وقفہ		۳۳۷
۱۵۔ غزوۂ احد		۳۵۱

۱۶۔ اُحُد کے نتائج ۳۷۳
۱۷۔ تذکرہ ازواجِ مُطہّرات ۳۹۱
۱۸۔ جنگ خندق (یا احزاب) اور یہود بنو قریظہ ۴۰۹
۱۹۔ بنو قُریظہ کے استیصال سے لے کر صُلح حُدیبیہ تک ۴۲۹
۲۰۔ حُدیبیہ ۴۵۳
۲۱۔ شراب کی حُرمت اور غزوہ خیبر سے لے کر عُمرۃُ القضاء تک ۴۷۳
۲۲۔ عُمرۃُ القضاء سے لے کر خالد بن ولیدؓ کے اسلام لانے تک ۴۹۵
۲۳۔ غزوۂ موتہ و غزوہ سلاسل اور دیگر غزوات اور سرایا ۵۰۳
۲۴۔ فتح مکہ و تطہیر کعبہ ۵۱۳
۲۵۔ غزوہ ہوازن و طائف ۵۳۵
۲۶۔ مراجعت مدینہ ۵۵۱
۲۷۔ غزوۂ تبوک اور وفات ابراہیمؑ ۵۶۷
۲۸۔ سالِ وُفود ۵۸۱
۲۹۔ عرب کے اہل کتاب سے لے کر خطبہ حجۃ الوداع تک ۶۰۵
۳۰۔ از علالت تا بہ ارتحال ۶۲۳
تکملہ : رسالت مآب کی تدفین ۶۴۱
خاتمہ : فصل اوّل : اسلامی تمدّن، قرآنی نقطہ نظر سے ۶۵۷
فصل دوم : اسلامی تمدّن اور مستشرقین ۶۹۷
حرفِ آخر ۷
مآخذ ۷۴

مقدمہ مؤلف

(طبع اوّل)

صادق امین عبد الله محمد ﷺ کلیم الله حبیب الله نجی الله

مزمل جواد خاتم عادل مشهود شهید اول آخر ظاهر باطن [illegible] [illegible]

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ مؤلف

(طبع اوّل)

(حضرت) محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام): یہ ہے وہ مبارک نام جو ہر روز کروڑوں لبوں پر آتا اور کروڑوں دلوں کو سرور و تازگی سے مالا مال کرتا ہے۔ ہمارے یہ لب اور ہمارے یہ دل اسی نام سے ساڑھے تیرہ سو برس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ یہی نہیں، لبوں اور دلوں کی یہ بہرہ مندی قیامت تک جاری رہنے والی ہے۔

اذان پنجگانہ میں: ادھر صبح صادق نے رات کی سیاہی پر نور چھڑکا، موذن نے ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' پکار کر بنی آدم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے میں سر رکھنے کی تلقین کی اور اس کے ساتھ ہی کرۂ ارض کے چپے چپے پر کروڑوں انسانوں نے درود و سلامتی کے تحفے پیش کیے۔

اسی دن جب مہر درخشاں زوال پذیر ہوا، مؤذن نے ظہر کی نماز کے لیے پکارا تو ربع مسکوں پر بسنے والے ان گنت افراد نے پھر اس نام کے مسمیٰ کے لیے تحفۂ سلام مرتب کیا۔

اسی طرح عصر، مغرب اور عشاء کے وقت مسلمان آں حضرت کا نام انتہائی احترام و عقیدت سے لیتے ہیں جو اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

آں حضرت سے مسلمانوں کی محبت و عقیدت کا یہ حال ہے کہ نمازوں میں جب بھی آں حضرت کا ذکر آیا، دل فرط مسرت سے پہلو میں اچھل اچھل پڑا۔ آں حضرت کی ذات کے ساتھ احترام و محبت کے یہ جذبات ہمیشہ وابستہ رہے ہیں اور آئندہ بھی ہمیشہ سی طرح وابستہ رہیں گے، یہاں تک کہ اسلام دنیا کے ذرے ذرے پر غالب آجائے۔

اسلام کو دنیا کے کناروں تک پھیلانے کے لیے آں حضرت کو زیادہ عرصے تک زحمت نتظار برداشت کرنا نہیں پڑی، بلکہ ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی ہی میں اسلام کی تکمیل فرما دی۔[1] آپ نے اسلام کی توسیع و اشاعت میں کسریٰ، ہرقل اور دوسرے امراء کی طرف دعوتی خطوط لکھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈیڑھ صدی کے اندر مغرب میں اندلس اور مشرق میں ہندوستان، ترکستان، افغانستان اور شام تک اسلام پھیل گیا۔ ادھر عرب اور

---

[1] قران مجید: ۵ : ۳ [م]۔

چین کے درمیانی ملکوں میں ہر خطے کے رہنے والے جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ مصر، برقہ، تونس، الجزائر اور مراکش پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ یورپ، افریقہ اور عرب (آں حضرت کا مولد و گہوارہ) تینوں کے دائرے میں کوئی ایسا خطہ نہ تھا جہاں اسلا نے نفوذ نہ کیا ہو۔ اندلس کے سوا ان تمام ملکوں پر ہنوز اسلام کا علم لہرا رہا ہے مگ اندلس میں عیسائیوں کے مظالم نے (لاکھوں) مسلمانوں کو ختم کر دیا۔ کہیں تعذیب سے انھیں ملیامیٹ کیا اور کسی جگہ تخویف سے، جس سے ان کی کچھ تعداد اپنے سر سب و شاداب وطن کو چھوڑ کر افریقہ جیسے بے آب و گیاہ ملک میں پناہ گزیں ہونے پر مجبو ہوگئی اور جو مسلمان ان دشمنوں کے مظالم برداشت نہ کر سکے وہ جان کے خوف سے بپتسمہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ اندلس کی بربادی سے مسلمانوں کو جو سیاسی خسارہ ہوا، اس کی تلافی عثمانیوں کی فتوحات سے ہوگئی۔ انھوں نے قسطنطنیہ کو بزور شمشیر زیر نگیں کیا اور اس پورے علاقے میں دین محمدی کو پھیلایا۔ یہاں سے اسلام کا آوازہ بلقان کے کناروں تک وسیع ہوا۔ اس کی روشنی روس اور پولون تک پہنچی اور ہسپانیہ کے اتنے بڑے حصے پر اس کے پرچم لہرائے کہ اس سے قبل اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یہ عجیب معاملہ ہے کہ جب سے اسلام رواج پذیر ہوا ہے، اگرچہ مسلمانوں کو عیسائیوں کے مظالم کی وجہ سے جلا وطن ہونا پڑا تاہم آغاز اسلام سے لے کر آج تک کوئی دین اس پر غلبہ حاصل نہ کرسکا، ماسوائے ازیں کہ بعض ملکوں کے رہنے والے مسلمان دشمنان دین کے ہاتھوں ستم کا نشانہ بنے، مگر ان مظالم کے نتائج میں ان کے ایمان قوت، عزائم میں استقلال اور اللہ کی رحمت و بخشش پر پہلے سے زیادہ یقین ہوتا گیا۔

اسلام اور مسیحیت میں کشمکش: دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کو مسیحیت کے مقابلے میں قوت حاصل ہوگئی جسے دین مسیحی کے پیرو برداشت نہ کر سکے اور دونوں فریقوں میں ناقابل تغیر کشمکش پیدا ہوگئی۔

حضرت محمد صلواۃ اللہ علیہ اپنی زندگی ہی میں بت پرستی کا استیصال فرماتے گئے۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین نے ایران و افغانستان (دونوں ملکوں) پر اسلام کا علم لہرایا اور ہندوستان کے ایک حصے میں بھی اسلام پہنچ گیا۔ ادھر حیرہ، یمن، شام اور مصر میں اس نفوذ حاصل ہوا جہاں کئی صدیوں سے مسیحیت حکم فرما تھی، حتیٰ کہ قسطنطنیہ کے قلب میں اسلام جاگزیں ہوگیا جو عیسویت کا سب سے بڑا سرچشمہ تھا اور قسطنطنیہ میں اس کے اثرو نفوذ سے مسیحیت پر بے حد نازک وقت آگیا۔

کیا مسیحیت کے لیے بھی وہی مقدر تھا جو اسلام کے مقابلے میں بت پرستوں کو پیش آیا؟ بلاشبہ آسمانی کتاب رکھنے کے باوجود جسے بانیٔ اسلام حضرت محمد صلعم بھی الٰہی مذہب ہی تسلیم کرتے تھے، عیسویت کا حشر وہی ہونے کو تھا جو (عرب کے بت پرستوں کا ہوا۔ کیا عرب جیسے بے آب و گیاہ ملک کے صحرا نشینوں کی تقدیر کا ستا اس حد تک سر بلند ہونے کو تھا کہ وہ چمنستان اندلس و بزنطینہ اور ان مسیحی ملکوں پر داد حکمرانی دیں جن سے پہلے حکمران (عیسائی) دست برداری کے مقابلے میں موت کو ترجیح دینا آسان سمجھتے؟

واقعہ یہ ہے کہ اس کشمکش نے فریقین کے درمیان کئی صدیوں تک معرکۂ جدال و قتال جاری رکھا۔ یہ لڑائیاں سپاہ و لشکر اور توپ و تفنگ ہی کی شکل میں نہ تھیں بلکہ فریقین کے درمیان مناظرے کے میدان برپا ہونے اور دونوں فریقوں میں سے ہر ایک گروہ اپنے

فتح و شکست مکہ کے مسلمانوں اور قریش کے درمیان کشمکش کا پیش خیمہ بن گئی۔

عیسائیوں کی حمایت میں مسلمانوں اورکفار کی باہم شرط: ہوا یہ کہ کفار مکہ کے ایک سردار (''ابی بن خلف،،) کی زبان سے حضرت ابوبکر کے بالمواجہہ ایسا جملہ نکل گیا جس سے عیسائیوں کی ہزیمت پر خوشی کا اظہار مقصود تھا۔ ابوبکر کو یہ بات ناگوار گزری۔ انھوں نے (ابی سے) فرمایا ''اس فتح کی خوشی میں عجلت نہ کیجیے۔ عنقریب عیسائی ہی ان مجوسیوں پر غالب آنے کو ہیں''۔ ابوبکر کی زبان پر یہ الفاظ سوچے سمجھے بغیر نہ آئے تھے۔ ابوبکر نہایت درجہ سنجیدہ اور متین تھے۔ ابی بن خلف ان کی زبان سے یہ سن کر آگ بھبھوکا ہوگیا۔ اس نے متکبرانہ انداز میں ابوبکر سے کہا ''تم کاذب ہو''۔ ابوبکر کو بھی اپنی فراست پر اعتماد تھا۔ جواب میں فرمایا ''کذبت انت یا عدو اللہ! (اے دشمن خدا! تو کاذب ہے)۔ اگر تجھے اپنی صداقت پر اس قدر بھروسہ ہے تو میں اس پر دس اونٹوں کی شرط بدتا ہوں کہ اگر عیسائی ان مجوسیوں پر سال بھر سے پہلے غالب نہ آگئے تو میں یہ شرط ہار دوں گا ورنہ تم مجھے دس اونٹ دینا''۔[۱]

شرط کا یہ واقعہ حضرت محمد صلعم نے سنا تو ابوبکر سے فرمایا: ''آپ بے شک زیادہ اونٹوں کی بازی لگائیے مگر مدت میں توسیع ہونا چاہیے،،۔ اس پر ابوبکر نے پھر ابی کو للکارا اور فریقین میں ایک ایک سو اونٹ اور مدت میں نو سال تک توسیع طے ہوگئی جس کے بعد ۶۲۵ع میں مسیحی بادشاہ ہرقل نے ایران پر حملہ کرکے ایرانیوں کو شکست دے کر ان سے اپنا مفتوحہ علاقہ (شام) واپس لے لیا۔ عیسائیوں کی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ لوٹ آئی جس پر حضرت ابوبکر صدیق نے ابی بن خلف سے اپنی شرط جیت لی اور خداوند عالم نے قرآن مجید میں یہ آیات ارشاد فرمائیں:

غلبت الروم فی ادنی الارض و ہم من بعد غلبہم سیغلبون فی بضع سنین للہ الامر من قبل و من بعد ویومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ ینصر من یشاء و ہو العزیز الرحیم وعد اللہ لا یخلف اللہ وعدہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون (۳۰: ۱ تا ۶)۔

روم میں فی‌الحال رومی عیسائی مغلوب ہوگئے مگر وہ عنقریب پھر غالب آجائیں گے اور چند ہی سال تک! اللہ کے ہاتھ میں ہے ہر امر کی ابتدا اور انتہا۔ جس وقت روم کو دوبارہ یہ غلبہ حاصل ہوگا اس روز مسلمان بھی ان کی فتح یابی پر خوش ہوں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے نصرت ہے۔ وہ چاہتا ہے جس کی یاوری فرماتا ہے۔ وہ غالب اور رحیم ہے۔ وہ اپنا وعدہ پورا کرکے رہتا ہے ولیکن اکثر لوگ اسے نہیں سمجھتے!

مسلمانوں اور عیسائیوں میں اشتراک عقائد: اسلام کے اس (ابتدائی) دور میں مسلمانوں کے دلوں میں ہرقل اور عیسائیوں کی نصرت کا جذبہ یہاں تک موج زن تھا کہ حضرت محمد صلعم کے متبعین اور جناب عیسیٰ (علیہما السلام) پر ایمان لانے والے دونوں گروہوں کے درمیان آں حضرت کی زندگی ہی میں مواخات سی قائم ہو چکی تھی۔ اگرچہ کبھی کبھی جدل و بحث

---

[۱] [م] شریعت محمدیہ میں اس وقت تک شرط لگانے کی نہی وارد نہ ہوئی تھی۔ (بحوالہ ''تفسیر معالم التنزیل'')۔

کی معرکہ آرائیاں بھی ہوتی رہیں، بہ خلاف یہود کے کہ اول روز سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف منافقانہ جذبات تھے، جس نے بڑھتے بڑھتے عداوت اور دشمنی کی شکل اختیار کر لی۔ یہی دشمنی تھی جس کے خونیں نتائج یہودیوں کی کلی جلا وطنی کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ قرآن کی اس آیت میں اسی حقیقت کا اظہار ہے:

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا الیہود و الذین اشر کوا ولتجدن اقربہم مودۃ للذین امنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ذالک بان منہم قسیسین و رہبانا و انہم لا یستکبرون (۵:۸۲)۔

(اے پیغمبر!) تم ایمان والوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہودیوں اور (عرب کے) مشرکوں کو پاؤ گے اور ایمان والوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو خود کو ”نصاریٰ“ کہتے ہیں اس لیے کہ ان میں پادری اور رہبان ہیں (یعنی عالم اور تارک دنیا فقیر دونوں طبقے) جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ ان میں گھمنڈ اور غرور بھی نہیں ہے“۔

ذرا دیکھئے مسلمانوں اور عیسائیوں میں کس درجہ توافق پایا جاتا ہے۔ دونوں انسانی زندگی کی آغاز داستان ان لفظوں میں دوہرا رہے ہیں:

”خدا نے آدم و حوا کو خلق فرما کر بہشت ان کا مسکن بنا دیا اور انہیں فرمایا 'مبادا تم شیطان کے بہکانے میں آ جاؤ اور اس درخت کا پھل چکھ لو! اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں بہشت سے نکال دیا جائے گا۔ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے، اسی لیے تو اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا“ (بمطابق قرآن مجید)۔

اس معاملے میں مسیحی صرف اس حد تک مختلف ہیں کہ ”شیطان نے آدم کے حضور سجدہ کرنے کی بجائے خدا کے کلمے کی تقدیس سے انکار کر دیا، اس نے حوا کو بہکایا، ان کے سامنے ایک پر فریب نقشہ قائم کیا۔“

”آدم اور حوا دونوں شیطان کے فریب میں گھر گئے اور دونوں نے اس 'الشجرہ' کا پھل چکھ لیا۔ اس لمحے دونوں کے بدن سے از خود لباس اتر گیا اور دونوں ننگے رہ گئے۔ وہ اپنی یہ حالت دیکھ کر سخت پریشان ہوئے اور دونوں حضور خداوند میں معافی کے طالب گار ہوئے۔ خداوند نے انہیں معاف تو کر دیا مگر دونوں کو بہشت سے ہٹا کر زمین پر پھنکوا دیا جہاں ان کی اولاد ایک دوسرے کی دشمن بن گئی۔

”ادھر فرزندان ابلیس ہمیشہ کے لیے اولاد آدم کے درپئے فریب رہنے لگے جس سے کچھ لوگ گمراہ ہوتے رہے اور بعض اشخاص ان کے مقابلے میں کامیاب، مگر خداوند عالم نے اولاد آدم کو شیطان کے فریب سے محفوظ رکھنے کے لیے نبیوں کا سلسلہ قائم فرما دیا۔ من جملہ ان (انبیاء) کے حضرت نوح، جناب ابراہیم و حضرت موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) ہیں جن پر انہی کی زبان میں کتابیں نازل ہوئیں جو ان کی تصدیق کے ساتھ ماسبق رسولوں پر نازل شدہ آسمانی کتابوں کی بھی مصدق ہیں۔

”اور جس طرح ذریت ابلیس ہمہ وقت فتنہ انگیزی میں مصروف رہے گی اسی طرح ملائکہ ہر لمحہ حمد و تقدیس خداوندی میں منہمک رہیں گے۔“

”اور نسل آدم میں شیطان کے پرستار اور خداوند یکتا کی عبادت کرنے والے دونوں گروہ

جملہ اسباب حیات میں ایک دوسرے سے مصروف پیکار رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت برپا ہو!،،

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ و مریم کا ذکر خیر: قرآن پاک میں حضرت عیسیٰؑ و جناب مریم دونوں کا ذکر جس خوبی سے مذکور ہے اس سے خداوند عالم کی طرف سے دونوں کی تکریم ثابت ہوتی ہے۔ باوجود اس کے یہ سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمان اور عیسائی دونوں قومیں صدیوں سے برسر پیکار کیوں ہیں۔

اختلاف فریقین کے اسباب: کچھ تو اسلام اور مسیحیت کے بنیادی عقائد ہی میں تضاد ہوگیا جس کی وجہ سے عہد رسالت میں بھی فریقین میں مکالمے سے ہوتے رہتے (لیکن یہ بحثیں باہمی دشمنی اور بغض کی حد تک نہ پہنچتیں)۔ نصاریٰ حضرت محمد صلعم کی نبوت سے منکر ہیں مگر مسلمان جناب عیسیٰ کو رسول مانتے ہیں اور یہ کہ نصاریٰ تثلیث کے مقر اور مسلمان توحید پر اس شدت سے قائم ہیں کہ وہ خدا کی ذات میں کسی کی اجارہ داری کا تحمل نہیں کر سکتے مگر مسیحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس پر یہ دلائل پیش کرتے ہیں:

۱۔ مسیح نے گہوارے میں کلام کیا۔
۲۔ مسیح کو جو معجزے دیے گئے کسی اور پیغمبر کو نصیب نہ ہوئے۔
۳۔ حضرت عیسیٰ خدائی کے رتبے تک جا پہنچے۔

اور عہد نبوت کے نصاریٰ مسلمانوں کے ساتھ اس بحث پر قرآن مجید کی یہ آیتیں پیش کرتے ہیں:

اذ قالت الملائکة یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمة منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیہا فی الدنیا والاخرة و من المقربین ویکلم الناس فی المھد وکھلاً و من الصلحین٥ قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر قال کذالک اللہ یخلق ما یشاء اذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون۔

ویعلمہ الکتاب والحکمة والتوراتہ والانجیل ۔ ورسولاً الی بنی اسرائیل انی قد جئتکم بآیة من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئة الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ وابری الاکمہ والابرص و احی الموتیٰ باذن اللہ وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم ان فی ذالک لایة لکم ان کنتم مومنین (۳: ۴۴ تا ۴۸)

اور جب ایسا ہوا کہ فرشتوں نے مریم سے کہا اللہ تجھے اپنے کلام کے ذریعے ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے، اس کا نام مسیح عیسیٰ ہوگا اور وہ مریم کا بیٹا کہلائے گا، دنیا و آخرت دونوں میں ارجمند ہوگا اور بچپنے میں اور بڑی عمر میں یکساں طور پر (وعظ و ہدایت) کا کلام کرے گا، نیز اللہ کے حضور پہنچا ہوا اور اس کے بندوں میں سے ایک صالح انسان ہوگا۔ مریم (نے یہ بشارت سنی تو متعجب ہوکر) بولی ''خدایا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو، حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا تک نہیں؟،، ارشاد الٰہی ہوا کہ ''اسی طرح اللہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے۔ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ 'ہوجا'! اور پھر جیسا کچھ اس نے چاہا تھا، ویسا ہی ظہور میں آجاتا ہے،،۔

اور (اے مریم!) اللہ ہونے والے لڑکے

کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرمائے گا۔ نیز توراۃ اور انجیل کا، اور اسے بنی اسرائیل کی طرف بہ حیثیت رسول کے بھیجے گا۔ (اس کی منادی یہ ہوگی) کہ دیکھو! میں تمھارے پروردگار کی نشانی لے کر تمھارے پاس آیا ہوں۔ میں تمھارے لیے مٹی سے ایسی چیز بنا دوں جو پرند کی سی صورت رکھتی ہو، پھر اس میں پھونک ماروں اور وہ اللہ کے حکم سے پرند ہو جائے اور اللہ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کردوں اور مردوں کو زندہ! اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرکے جمع کرتے ہو سب تمھیں بتلا دوں۔ اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو تو یقیناً ان باتوں میں تمھارے لیے بڑی ہی نشانی ہے۔

اس دور کے مسیحی قرآن مجید کی ان آیتوں کے مطابق اس طرح حضرت عیسیٰ کی خدائی پر استدلال کرتے:

"حضرت مسیح مردوں کو زندگی، مادر زاد اندھوں کو بینائی اور برص زدہ اشخاص کو شفائے کامل بخشتے، مٹی سے پرندوں کی مورتیاں بنا کر ان میں پھونک لگاتے جس سے وہ سچ مچ کا پرندہ بن جاتیں۔ مسیح غیب کی جو جو باتیں فرماتے وہ صحیح ثابت ہوتیں"۔

اور عیسائی کہتے کہ یہ صفات خدا کی ہو سکتی ہیں۔ عہد رسالت کے مسیحی اسی طرح سوچتے اور انہی دلائل و انداز کے ساتھ مسلمانوں سے گفتگوئے مناظرہ کرتے ہوئے بہ تحدی کہتے کہ عیسیٰ بھی خدا ہی ہے۔

تثلیث میں حضرت مریم کا مقام: اس دور کے بعض نصاریٰ نے حضرت مریم کو اس پر خدائی میں شامل مان لیا کہ خدا نے ان کو کلمہ سے نوازا، مگر یہ عقیدہ صرف اس دور کے چند عیسائیوں کا تھا۔ یوں عیسائیت کے کئی فرقے تھے جو جزیرۃ العرب میں ادھر آدھر پھیلے ہوئے تھے۔ یہ اختلاف عقائد کے باوجود آں حضرت سے مسئلۂ تثلیث پر بحث کرتے اور مسیح کو خدا، خدا کا بیٹا اور تیسرا اقنوم قرار دیتے۔

حضرت عیسیٰ کو خدا ماننے والوں کے دلائل ہم اوپر نقل کر چکے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے، انھوں نے گہوارے ہی میں سمجھ بوجھ باتیں کیں۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جو انداز بیان اختیار فرمایا، وہ یہ ہے: ہم نے کہا، ہم نے پیدا کیا اور ہم نے فیصلہ کیا،،۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی معیت میں ایک اللہ کے سوا کچھ اور بھی شریک ہیں، ورنہ پیرایۂ بیان یوں ہوتا: میں نے کہا، میں نے پیدا کیا اور میں نے فیصلہ کیا،،۔

آں حضرت ان کی یہ پوچ باتیں سنتے تو بہ طریق احسن ان کا جواب دیتے۔ اس میں سختی

وہ انداز نہ ہوتا جو بت پرستوں کے ساتھ مخصوص تھا، یعنی آپ وہی کچھ ارشاد فرماتے جو کتب سابقہ کے موافق ہوتا یا وحی اور منطق سے جس کی تائید ہو سکتی، مثلاً قرآن مجید میں ہے:

لقد کفر الذین قالوا ان الله هو المسیح ابن ریم، قل فمن یملك من الله شیئاً ان اراد ان یهلك المسیح ابن مریم و امه و من فی رض جمیعاً، ولله ملك السماوات والارض وما بینهما یخلق ما یشاء والله علی کل شیءٍ دیر۔

وقالت الیهود والنصاریٰ نحن ابناء الله و باؤه قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم ر ممن خلق، یغفر لمن یشاء و یعذب ن یشاء (۵: ۱۷ تا ۱۸)۔

یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا ”خدا مریم کا بیٹا مسیح ہے“۔ (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو (یہ کیسی بے عقلی کی بات ہے جو تم کہتے ہو) اگر خدا مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو (اور اتنا ہی نہیں بلکہ) روئے زمین پر جتنے انسان بستے ہیں سب کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اس کی بادشاہی میں دخل دینے کی جرأت کر سکتا ہے؟ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اور (دیکھو!) یہودی اور عیسائی کہتے ہیں ”ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں (ہم جو کچھ بھی کریں ہمارے لیے نجات ہی نجات ہے)“۔ تم کہہ دو اگر ایسا ہی ہے تو پھر خدا تمہاری بد اعمالیوں کی وجہ سے تمہیں (وقتاً فوقتاً) عذاب کیوں دیتا رہا؟ (جس کا خود تمہیں بھی اعتراف ہے اور تمہاری کتاب خدا کی سرزنشوں اور عذابوں کی سرگذشتوں سے بھری ہوئی ہے) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے پیدا کیے ہوئے انسانوں میں سے تم بھی انسان ہو۔ (اور انسان کی بخشش و نجات کا سررشتہ اللہ کے ہاتھ میں ہے) وہ جسے چاہے بخش دے، جسے چاہے عذاب دے“۔

اور یہ کہ:

لقد کفر الذین قالوا ان الله هو المسیح ابن مریم وقال المسیح یا بنی اسرآئیل اعبدوا الله ربی و ربکم انه من یشرك بالله فقد حرم الله علیه الجنه و ماواه النار وما للظلمین من انصار۔ لقد کفر الذین قالوا ان الله ثالث ثلاثه۔ وما من الٰه الا اله واحد وان لم ینتهوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منهم عذاب الیم (۵: ۷۲ تا ۷۳)۔

یقیناً وہ (حق سے) منکر ہوئے جنہوں نے کہا ”خدا مسیح مریم کا بیٹا ہے!“ اور خود مسیح کی تعلیم تو یہ تھی کہ اس نے کہا تھا ”اے بنی اسرائیل! خدا کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا (یعنی) سب کا پروردگار ہے، بلا شبہ جس کسی نے خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا تو اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آتش دوزخ ہوا اور ظلم

کرنے والوں کے لیے کوئی نہیں جو مددگار ھوگا۔

یقیناً وہ لوگ (حق سے) منکر ھوئے جنھوں نے کہا ”خدا تین میں کا ایک ھے“ (یعنی باپ! بیٹا اور روح القدس) حالانکہ کوئی معبود نہیں مگر وھی معبود یگانہ۔ اور (دیکھو) جو کچھ یہ کہتے ھیں اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے انکار حق کیا ھے، انھیں عذاب دردناک پیش آئے گا۔

اور :

و اذ قال الله یا عیسیٰ ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی و امی الٰھین من دون الله قال سبحانک ما یکون لی ان اقول مالیس لی بحق، کنت قلته فقد علمته، تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسك انك انت علام الغیوب۔ ماقلت لھم الا ما امرتنی به ان اعبدوا الله ربی و ربکم وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم و انت علی کل شیءٍ شھید۔ ان تعذبھم فانھم عبادك و ان تغفرلھم فانك انت العزیز الحکیم (٥:١١٦ تا ١١٨)۔

اور (پھر) جب ایسا ھوگا کہ الله کہے گا ”اے مریم کے بیٹے، عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو؟“ عیسیٰ جواب میں عرض کرے گا ”تیرے لیے پاکی ھو۔ بھلا مجھ سے یہ بات کیسے ھو سکتی ھے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ کہا ھوگا تو ضرور تجھے معلوم ھوگیا ھوگا۔ تو میرے دل کی بات جانتا ھے مگر مجھے تیرے ضمیر کا علم نہیں۔ تو ھی غیب کی ساری باتیں جاننے والا ھے۔ میں نے تو صرف وھی بات کہی جس کے کہنے کا تو نے حکم دیا تھا یعنی الله کی بندگی کرو، میرا اور تمھارا سب کا پروردگار وھی ھے۔ جب تک میں ان میں رہا ان کا نگران حال تھا۔ جب تو نے میرا وقت پورا کر دیا تو پھر توھی ان کا نگہ بان تھا اور تو ھر چیز کا دیکھنے والا اور اس کی نگہ بانی کرنے والا ھے۔ اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ھیں، تجھے اختیار ھے اور اگر انھیں بخش دے تو تو سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ھے!

مسیحی حضرات نے الوھیت کے معاملے میں تثلیث کے معتقد ھونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کو ابن الله کے درجے پر پہنچا دیا، مگر اسلام میں یہ پابندی ھے کہ خدا کے

ھاں اولاد ھو ھی نہیں سکتی -

قل ھو اللہ احد - اللہ الصمد - لم یلد - ولم یولد - ولم یکن لہ کفوا احد (۱۱۲: ۱تا۴)	اعلان عام کردو کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ھے ، بے نیاز ھے ، نہ وہ کسی کا ولد ھے ، نہ اس کی اولاد اور نہ ھی کوئی اس کا ھم پلہ ھے -

اور:

ماکان للہ ان یتخذ من ولد سبحانہ (۱۹ : ۳۵)	خدا تعالیٰ کا صاحب اولاد ھونا اس کے شایاں نہیں - وہ اس محتاجی سے بالا تر ھے -

اور فرمایا :

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون (۳ : ۵۸)	اللہ کے نزدیک تو عیسیٰ ایسا ھی ھے جیسے آدم، (جسے) مٹی سے پیدا کیا ، پھر اس کی بناوٹ کا حکم فرمایا کہ ھو جاؤ اور (جیسا کہ خدا کا ارادہ تھا اسی کے مطابق) ھوگیا -

عیسائیت کے برعکس اسلام سراسر توحید کا علم بردار ھے - اس میں پوری صفائی اور پوری قوت کے ساتھ یہ عقیدہ جلوہ گر ھے - صفائی اور قوت کے پہلو بہ پہلو، سادگی اور وضاحت کا بھی یہی حال ھے - یہ عقیدہ اتنا نکھرا ھوا اور صاف ھے کہ اس پر ادنیٰ پرچھائیں بھی گوارا نہیں - اسلام اس کو عین کفر سے تعبیر کرتا ھے کہ اس پر شرک کا سایہ بھی پڑے - اسلام پوری شدت کے ساتھ اس سے ابا فرماتا ھے -

ان اللہ لا یغفر ان یشرك بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء (۴ : ۴۸)	اللہ یہ بات کبھی بخشنے والا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی دوسری ھستی کو شریک ٹھہرایا جائے (جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اپنے احبار اور رھبان کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا ھے)، ھاں اس کے سوا اور جتنے گناہ ھیں وہ چاھے تو بخش دے -

ممکن ھے کہ عیسائیت کا قدیم بت پرستانہ مذاھب سے تاریخی تعلق ھو مگر حضرت محمد صلعم کے مسلک میں اس کی وقعت پر کاہ کے برابر نہیں - آپ کے عقیدے میں خدائے یگانہ وحدہ لاشریک اور "لم یلد ولم یو لد ولم یکن لہ کفواً احد" ھے -

نصاریٰ اور مسلمانوں کے اس بنیادی اختلاف (تثلیث و توحید) کی وجہ سے عہد نبوی میں فریقین کے باھمی مناظرے ھونا کوئی تعجب خیز نہیں مگر ایسے مواقع میں آں حضرت صلعم "جادلھم بالتی ھی احسن" (۱۶ : ۱۲۶) کی ھدایت کے مطابق گفتگو فرماتے اور وحی الٰہی اس بارے میں آپ کی موید ھوتی جیسا کہ قارئین نے متذکرۃ الصدر آیات سے اندازہ فرما لیا ھے -

صلیب مسیح کا واقعہ : دوسرا مسئلہ حضرت مسیح کی صلیب کا ھے جس پر عہد نبوی میں فریقین کی بحثیں ھوئیں - نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ حضرت عیسیٰ نے تمام عالم کی نجات کے لیے اپنے گلے میں پھانسی کی رسی پہن کر خود کو قربان کر دیا مگر مسلمان اسے

تسلیم نہیں کرتے۔ اس واقعہ کے متعلق ان کا یہ اعتقاد ہے:

ؤ- نہ تو یہودیوں نے انہیں قتل ہی کیا۔

ب- اور نہ وہ انہیں دار پر چڑھا سکے۔

بہ مصداق:

وقولهم انا قتلنا لمسیح ابن مریم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولکن شبه لهم وان الذین اختلفوا فیه لفی شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه یقیناً بل رفعه الله الیه وکان الله عزیزا حکیماً (۴: ۱۵۷ تا ۱۵۸)

اور (نیز) ان کا یہ کہنا کہ ہم نے مر کے بیٹے عیسیٰ کو جو خدا کے رسول (ہو کا دعویٰ کرتے) تھے (سولی پر چڑھا کر قتل کر ڈالا، حالانکہ (واقعہ یہ ہے کہ نہ تو انھوں نے انہیں قتل کیا اور نہ سولی چڑھا کر ہلاک کیا بلکہ حقیقت حا ان پر مشتبہ ہوگئی (یعنی صورت حا ایسی ہوگئی کہ انھوں نے سمجھا ہم مسیح کو مصلوب کر دیا، حالانکہ نہیں کر سکتے تھے) اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا (یعنی عیسائیو نے، جو کہتے ہیں مسیح مصلوب ہوگئ لیکن اس کے بعد زندہ ہوگئے) تو بلاشب وہ بھی شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ظ و گمان کے سوا کوئی علم ان کے پاس نہیں اور یقیناً یہودیوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ سب پر غالب رہنے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب تسلیم کرتے ہوئے آپ کا بنی آدم میں سے ہ ایک گنہ گار کی طرف سے کفارے کا عقیدہ چاہے جس قدر خوش نما ہو، جس پر نظم میں اچھو اسالیب سے داد سخن دی جا سکتی ہو اور اخلاقیات و نفسیات میں بھی اسے زیب داستان بنا لیجیے، مگر اسلام کے اس اصول کے مطابق کوئی شخص کسی کا بارگنہ اپنے ذمے نہیں لے سکتا۔ ان دونوں میں کوئی تطبیق نہیں دی جا سکتی۔

لاتزر وازرةً وزریٰ اخریٰ (۳۵: ۱۸)

کوئی شخص کسی اور کا بارگنہ خود پ نہ اُٹھا سکے گا۔

قیامت میں ہر فرد بشر اپنی ہی نیکی کی جزا سے بہرہ مند اور اپنی ہی معصیت کی سزا کا مکلف ہوگا، حتیٰ کہ:

لایجزی والد عن ولده ولا مولود هو جاز عن والده شیئاً (۳۱: ۳۳)

اس نازک دن سے ڈرو جس میں باپ اور فرزند دونوں ایک دوسرے کی ذ بھر اعانت نہ کر سکیں گے۔

۱- ''ترجمان القرآن،، ابوالکلام آزاد [م] -

رومی اور مسلمان: کیا کسی عیسائی نے ان دنوں سوچا کہ ان دونوں عقیدوں میں توافق کی کیا صورت پیدا کی جا سکتی ہے، اور اسلام کے عقیدۂ توحید اور مسیح کی تعلیمات میں توافق کی راہیں کیوں کر ڈھونڈنا ممکن ہے؟ عیسائیوں کو بہ حیثیت جماعت کے توفیق نصیب نہیں ہوئی کہ وہ اس پر غور کریں؛ ہاں چند لوگوں نے البتہ اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔

مگر ان رومیوں کو دیکھیے جن کی فتح و نصرت کی مسلمانوں نے تمنا کی، جن کی کامیابیوں پر یہ خوش ہوئے، توافق و محبت کی راہیں تو یہ کیا تلاش کرتے، الٹا مسلمانوں کے ہی خلاف صف آرا ہوگئے۔ انھوں نے اسلام پر سیاسی نقطۂ نظر سے غور کیا اور یوں سوچا کہ اگر یہ جدید مذہب اپنے ارادوں میں کامیاب ہو گیا تو ان کے اقتدار کو کس درجہ نقصان پہنچے گا اور ان کی وسیع و عریض سلطنت کو کس درجہ فتادگی اختیار کرنا پڑے گی؟ اس غور و فکر کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا شروع کیں اور بالآخر ایک لاکھ یا ایک دوسری روایت کے مطابق دو لاکھ کا لشکر جرار مسلمانوں کے مقابل لا کھڑا کیا۔ یہ معرکہ ''غزوۂ تبوک'' سے موسوم ہے۔ اس میں آں حضرت مسلمانوں کے سربراہ تھے اور دفع ظلم کے لیے میدان جہاد میں اترنے پر مجبور ہوئے تھے۔ مسیحیوں کے دل میں اسی روز مسلمانوں سے سیاسی کینہ جاگزیں ہوگیا۔ آئے دن باہم لڑائیاں ہونے لگیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب میں مسلمانوں نے مسیحی حکمرانوں سے اندلس چھین لیا اور مشرق میں اسلامی فتوحات کا دائرہ ہندوستان اور چین تک وسیع ہوگیا، جس سے مغرب و مشرق دونوں سمتوں کے لوگ کثیر تعداد میں مسلمان ہوگئے اور اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے ان ملکوں میں عربی زبان بھی مقبول ہوگئی۔

حروب صلیبیہ کا آغاز: تاریخ نے پھر اپنا رخ پلٹا۔ عیسائیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے ہاتھ سے اندلس واپس لے کر غرور پیدا ہو گیا اور انھوں نے باضابطہ صلیبی جنگیں لڑنا شروع کر دیں۔ ان لڑائیوں کے لیے مسیحی مناد صلیب کے پرستاروں کو ابھارنے کے لیے مسلمانوں کے دین پر برملا طعن و تشنیع کرتے، ان کے نبی کی شان میں فحش قسم کے کذب و افترا سے اپنی زبانیں آلودہ کرنا مسیحیت کا فریضہ سمجھتے۔ تعجب اس پر ہے کہ یہ لوگ حضرت محمد صلعم کے فرمودات اور قرآن پاک میں نازل شدہ ان آیات کو بالکل نظر انداز کر دیتے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی منزلت کا تذکرہ آپ کے رفع الی السماء (آسمان پر زندہ پہنچا دینے) تک منقول ہے۔

مسیحی مصنفین کی نظر میں حضرت محمد صلعم کا مقام: (کتاب) ''فرہنگ لاورس فرانسیسی'' میں آں حضرت صلوات اللہ علیہ کی ذات کے متعلق عیسائی مصنفین کی زہر چکانی کے چند نمونے نقل کیے جاتے ہیں۔ یہ کتابیں نویں صدی (عیسوی) کے نصف اول میں لکھی گئیں۔

۱۔ ''ان... خوبیوں کے باوجود (حضرت) محمد بداطوار، جادوگر، لٹیرا، ریاکار اور کاردینال تھا جو ان طریقوں سے پوپ کا مقام حاصل کرنا چاہتا تھا مگر جب اس کی تمنا پوری نہ ہوئی تو اس نے اپنے حریفوں سے بدلہ لینے کے لیے ایک جدید دین کی طرح ڈالی جس میں اس نے خیالی داستانیں بھر دیں۔ (حضرت) محمد کی سیرت پر جو کتابیں یورپ میں لکھی گئی ہیں، یہ حکایتیں ان میں بھی موجود ہیں۔

۲۔ (حضرت) محمد کے جو واقعات یورپ میں ۱۸۳۱ میں اینو اور فرانسیسک میشل نے اپنی اپنی تصانیف میں لکھے ہیں وہ بھی اس امر کا ثبوت ہیں کہ قرون وسطیٰ کے مسیحی

اہل قلم نے آں حضرت صلعم پر کس بے باکی سے حرف گیری کی ہے۔

۳۔ سترھویں صدی (عیسوی) میں بیل مسیحی مصنف نے قرآن مجید کے تاریخی واقعات کی تخریج کرتے ہوئے وہ زہر پوری طرح آگل دیا ھے جو محمد رسول اللہ کے خلاف اس کے دل میں بھرا ہوا تھا ۔ تاہم اس نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ھے کہ حضرت محمد نے اخلاق اور اجتماعی نظام جس خوبی سے پیش کیا، اگر اس (نظام) میں ''قصاص'' اور ''تعدد ازدواج'' نہ ہوتا تو مسیحی نظام اجتماعیت اور اسلام کے نظام میں کوئی فرق نہ تھا ۔

۴۔ امیل درمنگہم (فرانسیسی) ان مصنفین میں سے ھے جنھوں نے حضرت محمد صلعم کے متعلق کسی حد تک انصاف کا دامن نہیں چھوڑا ۔ اس سیاق میں درمنگہم نے بے انصاف مسیحی مصنفوں کی بعض عبارتیں تمہید کے ساتھ نقل کی ہیں۔ درمنگہم لکھتا ھے: ''مسلمانوں اور عیسائیوں کی جنگ شروع ہوتے ہی دونوں فرقوں میں اختلاف و بدگمانی کے شعلے بھڑک اٹھے ۔ یہ آگ دن بدن تیز ہوتی گئی اور اہل مغرب نے اپنے دامن سے ہوا دے کر اسے اور بھی مشتعل کر دیا حتیٰ کہ:..

(و) مغربی مصنف تحقیق کیے بغیر اسلام پر الزام تراشی میں حد سے بڑھ گئے ۔

(ب) ان مصنفین کے ساتھ مسیحی شاعروں نے بھی مسلمانان اندلس کے ساتھ ناروا انداز میں نکتہ چینی کی ۔ ان شاعروں نے (حضرت) محمد کو لٹیرا، رہزنوں کا سردار، ریاکار، عیاش، ہوس ناک اور جادوگر کہنے میں بھی باک نہ کیا ۔

(ج) بعض مغربی اہل قلم نے (حضرت) محمد کو ایسے رومی راہب سے تشبیہ دی جو اپنے لیے پوپ کا مقام حاصل نہ کر پانے کی وجہ سے مخلوق خدا پر پھر اٹھا ہو۔

(د) ایک ایسے ہی مصنف نے (حضرت) محمد پر ایسا خدا بن بیٹھنے کا افترا باندھا جس (خدا) کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے اس کے پیرو انسان کی قربانی پیش کرتے ۔

۵۔ چیرونوچن، جو ان میں زیادہ سنجیدہ ھے، لکھتا ھے ''(حضرت) محمد نے شراب کی مستی میں جان دی ۔ اس کی لاش میلے کے ڈھیر پر ملی۔''[1]

۶۔ ہجوگو شعرا نے آں حضرت کو طلائی مورتی کی شکل میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں (حضرت) محمد کی مورتی اور تصویر قبلہ کی طرف رکھتے ہیں۔

(ر) ایک انطاکی شاعر نے ان لوگوں کی شہادت سے (حضرت) محمد کی ہجو قلم بند کی ھے جنھوں نے آپ کی ایسی مورتی دیکھی جو سونے اور چاندی سے بنی ہوئی اور ہاتھی کی عماری میں جلوہ فرما تھی۔

(ح) اولان نے اپنی نظم میں جو واقعہ بیان کیا ھے اس میں ہسپانوی عیسائی فوجیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے اصنام توڑے جا رہے ہیں جو تین خداؤں پر مشتمل ہیں: (۱) ترخا جان ، (۲) محمد ، (۳) اپولون

کتاب ''قصۂ محمد'' کا مصنف لکھتا ھے کہ اسلام میں ایک عورت کے لیے متعدد شوہر جائز ہیں۔

الغرض ان کینہ پرور، ہذیان گو مسیحی مصنفین کے ایسے ہزلیات مسلسل نشو و نما پاتے رہے؛ خصوصاً ان اہل قلم کے دور سے: (۱) زولف ولوہیم (۲) نیکولادیس ،

---

[1] اصل کتاب میں اس کے بعد جو افسانہ طرازی کی گئی ھے ، اس کو نقل کرنا مسلمانوں کے ذوق ایمانی پر زیادتی کے مترادف ہوگا۔

(۳) وقیقس (۴) مراتشی ، (۵) هوتنکر ، (٦) ببلیاندر ، (۷) پریدو وغیره ، جو یک زبان (حضرت) محمد کو دجالؑ اسلام کو مجموعهٔ الحاد و اعمال شیطان کا نتیجه ، مسلمانوں کو وحشی اور ان کی کتاب قرآن کو مبتذل لکھتے هیں۔ ان مصنفین کی شوخی اور بھی حیرت انگیز ھے جب وه اسلام کے متعلق اس قسم کے هزلیات بکنے کے بعد اظہار معذرت کرنا بھی ضروری سمجھتے هیں۔

(۸) اپن پرونر ابل جس نے قرآن کے لاطینی ترجمے کی صورت میں اسلام کو مسخ کرنے کی سب (مسیحی مصنفین) سے پہلے کوشش کی۔

(۹) پھر چودھویں صدی (عیسوی) پر بامسکل نے اسلام کے ابتدائی نشوونما پر قلم اٹھایا۔

(۱۰) انوسان هشتم نے اپنی تصنیف میں (حضرت) محمد کو مسیح کا دشمن ثابت کرنے میں داد سخن دی۔

(۱۱) قرون وسطیٰ کے اکثر مسیحی مصنفوں نے (حضرت) محمد کو لامذهب ثابت کرنے کا مسیحی فرض ادا کیا۔

(۱۲) بارھویں، چودھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں ایمون لیون اور گیوم باستل (علی الترتیب) نے اسلام کو آرائے مختلفه و متضاد عقائد کا مجموعه ثابت کر دکھایا۔

(۱۳) البته مندرجه ذیل علمائے مغرب نے اپنی تصانیف میں کہیں کہیں اسلام کے متعلق انصاف سے کام لیا ھے : (۱) یولنتلیبه (۲) شول، (۳) کوسان وپرشعال، (۴) دوذی، (۵) اسپرنگر، (٦) بارتلمی سانتلر، (۷) دکستری، (۸) کارلائل وغیره ' لیکن (حضرت) محمد کی دشمنی کا یه لاوا مغرب کے اندر ۱۸۷٦ میں پھر به نکلا

(۱۴) ذروق نے اسی سال (۱۸۷٦) میں (حضرب) محمد کے متعلق انصاف کا دامن یہاں تک چھوڑ دیا که آپ کو ''منافق و ناپاک عرب'' لکھ کر بھی شاید اس کا کلیجه ٹھنڈا نه هوا هو ، جس طرح که اس سے قبل فوستربر نے ۱۸۲۲ میں (حضرت) محمد پر لب کشائی سے اپنے ارمان نکالے اور یه سلسله دیر تک (تابه حیات رودلف ولوهیم) جاری رها۔

ان مغربی مصنفوں کی دنایت انهیں کہاں لے پہنچی ۔ انھوں نے سینکڑوں برس سے مسلسل فرزندان آدم میں باهم دشمنی اور کینے کی آگ کس بے جگری سے مشتعل کر رکھی ھے۔ خود اپنے اس ادعاء کے باوجود که وه اپنے اس زمانے کو علم و تحقیق اور آزادئی فکر و مساوات کا دور قرار دیتے هیں جیسا که درمنگھم نے بھی ان کی اس برائی کی طرف اشاره کرتے هوئے ان (مصنفین) کو ملامت کی ھے۔

البته (الف) ان (مغربی مسیحی مصنفوں) میں بعض علماء آں حضرت صلعم کے متعلق اتنا اعتراف کرتے هیں که ''(حضرت) محمد کو خود پر نازل شده رسالت پر صدق قلب سے ایمان تھا اور یه جو خدا نے وحی کے توسل سے انهیں اپنے احکام کی تبلیغ پر مامور فرمایا تو اس پر بھی ان کا پورا یقین تھا'' ۔

(ب) بعض مصنفین نے آں حضرت صلعم کی مافوق الفطرت روحانیت کے ساتھ آپ کے حسن کردار اور علو مرتبت میں آپ کے به همه صفت نمونهٔ خلق عظیم هونے کا اعتراف بھی کیا۔

(ج) بعض علماء نے آپ کو اخلاق حمیده کا دلکش مجسمه هونے کی وجه سے بھی سراها ھے!

اس پر بھی سر زمین مغرب اسلام اور بانیٔ اسلام کے ساتھ دلی دشمنی سے نجات نه پا سکی۔ مغرب نے اسلامی ممالک میں اپنے مبلغین بھیجے تا که مسیحیت کی نیابت میں اسلام پر ناروا

الزام لگا کر مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرکے عیسویت کی طرف کھینچ لا

مسیحیوں کی اسلام دشمنی کے اسباب: اسلام کے متعلق عیسائیوں کی اس دشمن تجزیہ کرنا ضروری ہے جس کی وجہ سے انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مسلسل تبلیغی فوجی جنگیں جاری رکھیں۔

اول ۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اسلام کی حقیقت اور اس کے بانی کی سیرت سے عیسا کی ناواقفیت ہے۔ ظاہر ہے کہ اپنے حریف کے سوانح و کوائف سے بے خبری تعصب و عد کا اہم اور مضبوط ترین منبع ہے۔ ان کی یہ بے خبری مسلسل کئی صدیوں تک رہی جس نتیجے میں اسلام اور اس کے بانی کی دشمنی عیسائیوں کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ان کے دلوں میں اسلام سے نفرت دلانے والے بت مختلف صورتوں اور مجسموں میں مت ہوگئے جن کے استیصال کے لیے اسلام ایسے مذہب کی ضرورت تھی۔

دوم۔ ہماری رائے میں اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کے علاوہ ایک اور سبب بھی ہے جس مغرب کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب پر ابھارا۔ ہمارا ذہن اس سلسلے میں س لڑائیوں کی طرف منتقل نہیں ہوتا، کیونکہ ہم ان کو نتیجہ قرار دیتے ہیں، علت نہیں۔ سبب یہ ہے کہ مغرب کا مزاج عیسائیت کے ساتھ کسی قسم کی سازگاری نہیں رکھتا میں عفو کی تعلیم ہے، زہد کی تلقین ہے اور دنیا سے کنارہ کشی کا وعظ ہے؛ یہی نہیں، میں اونچے روحانی لطائف سمو دیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے یہ چیزیں اس مغرب کے لیے ق سازگار نہیں ہو سکتی تھیں جو ہزاروں برس سے بت پرستی کا شکار چلا آرہا تھا اور جس طبعی و جغرافیائی حالات یعنی بلا کی سردی اور اقتصادی بدحالی کا تقاضا یہ تھا ک ان کے خلاف بر سر پیکار ہو۔ گویا لڑائی اس کی طبعی و جغرافیائی مجبوری تھی۔ پھر جب کو چار و ناچار عیسائیت کو قبول کرنا ہی پڑا تو اس نے اس عفو و مغفرت کی تعلیم بھی جنگ و پیکار کے سانچے میں ڈھال لیا اور اس روحانی تربیت کو بگاڑ کر رکھ جس کو جسم و جان اور عقل و جذبہ کے درمیان ایسی متوازن زنجیر قرار دیا جا سکتا تھا جس کی آخری لڑی ہونا اسلام کے مقدر میں لکھا تھا۔

یہ تھا اصل سبب جس کی وجہ سے مغرب میں اسلام کے خلاف متعصبانہ افکار پ اور یہی سبب تھا کہ مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو دشمنی اور عداوت کا م اختیار کیا، وہ شاہ حبشہ کے اس موقف سے بالکل مختلف ہے جو اس نے مہاجر مسلمانوں معاملہ میں اختیار کیا، حالانکہ وہ بھی عیسائی تھا۔

یہ امر کہ اہل مغرب دین داری اور الحاد میں غلو کے اس حد تک عادی ہو گئے اعتدال و تسامح دونوں کا امتیاز ان کی نظر سے اوجھل ہوگیا، تو اس کا سبب بھی عیسائیت سے ان کی ناسازگاری تھی۔ یوں ان میں ایسے دین دار زاہد و عابد اشخاص موجود تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کی صحیح پیروی کرتے، ل اس قسم کے چند افراد کو چھوڑ کر مغرب کے تمام لوگ ایسے جنگی حملوں کی فکر میں م ہو گئے جو بظاہر مذہب کے نام سے کیے جاتے، لیکن ان کی تہ میں صرف سیاست کار ہوتی۔ میدان جنگ کے ذوق تماشا اور اقتدار کی ہوس نے انھیں اس قدر وارفتہ کر دیا غیر مسیحی حریف تو یک طرف انھوں نے آپس میں بھی ایک دوسرے فرقہ کے ساتھ جنگیں کرنے میں تامل نہ کیا!

عیسائیوں کی ان جنگوں میں دونوں طرف سپہ سالاری کا مقدس فریضہ ہر فریق کے پو

(اسقف) بجا لاتے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جو فریق آج غالب آیا وہ کل دوسروں کے ہاتھوں مغلوب ہو کر رہا۔ ان جنگوں کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ انیسویں صدی عیسوی میں جب دنیاوی حکومت کلیسا پر غالب آگئی تو اس نے علم کے نام سے روحانی زندگی کو ختم کر دینے کی ٹھانی۔ اس نے یہ سمجھا کہ علم و عرفان کی روشنی اس روحانی پیاس کو بھی بجھا سکے گی جس کو بجھا دینا صرف مذہبی اقدار ہی کے ذریعے ممکن ہے، لیکن آج ایک طویل کشمکش کے بعد مغرب کو اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے اور وہ سمجھ رہا ہے کہ علم و عرفان کے دعوے روح کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ آج مغرب کے ہر ہر گوشے سے آواز بلند ہو رہی ہے کہ اس نے روحانیت سے منہ موڑ کر بدترین غلطی کا ارتکاب کیا ہے اور یہی وہ غلطی تھی جس کی وجہ سے اہل مغرب ازخود مذہب عیسوی سے گھبرا اٹھے۔ وہ سمجھنے لگے کہ مسیح کی تعلیم میں سکون خاطر کا فقدان ہے۔ انہوں نے برملا صلیب کا قِلادہ (گلے سے) اتارنے کی مہم شروع کر دی اور دنیا کے تمام مروجہ آسمانی ادیان کی طرف دیکھنا شروع کر دیا مگر کسی مذہب میں انہیں اپنے اضطراب قلب کا مداوا نہ ملا۔ آخر ان اہل مغرب نے ”تھیاسوفیکل سوسائٹی“ کی طرف رجوع کیا اور اس میں اپنے سکون دل کا پورا سامان متصور کرکے امریکہ و یورپ کے مسیحی جوق در جوق اس سوسائٹی میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ اگر مسیحیت ان کے طبائع کے موافق ہوتی اور اس میں جہاد و مقابلے کی اس ضرورت کو محسوس نہ کیا جاتا جو ان حالات میں بالکل فطری تھی، تو تم دیکھتے کہ مغرب اپنی اس رائے سے قطعی دست بردار اور دستکش ہو گیا ہے کہ زندگی کا مادی تصور ان کو روحانیت سے مالا مال کر سکتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ لوگ اگرچہ اسلام کی طرف مائل نہ ہوتے تاہم عیسائیت سے گریز نہ کرتے، اور اس روحانیت کی تلاش میں ہندوستان کا رخ نہ کرتے جو کہ انسانیت کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ تنفس، نہیں نہیں، جو انسانی فطرت کا ایک ناگزیر جز ہے، جو اس کی رگ و پے میں جاری و ساری ہے اور جس سے کہ اس کی روحانی زندگی عبارت ہے۔

ہوس استعمار میں اسلام کے خلاف تبلیغ: چونکہ مغربی شاطروں کے لیے استعمار کا لہو حاصل کرنے میں اسلام کا وجود بہت بڑی رکاوٹ تھی، انہوں نے اسلام اور حضرت محمد صلعم دونوں کی مذمت سے اپنے عوام کو اس طرح بھڑکایا۔ جس طرح رسالت کے آغاز میں قریش نے اپنے ہم پیشہ ایرانی مشرکین دوستوں کی طرف داری میں ہرقل اور رومیوں کی پس پائی کو اپنے کفر و شرک کی دلیل میں پیش کیا، اسی طرح مغرب کے سیاسی شعبدہ گروں نے اپنے اپنے حلقوں میں یہ خیال راسخ کر دیا کہ ”مسلمانوں کی ذلت کا سبب صرف اسلام ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری قوموں کی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں“۔

اسلام پر یہ مکروہ بہتان! کیا اہل مغرب اتنی جلدی بھول گئے؟ صدیوں تک وہی دنیا کے ہر خطے میں تہذیب و تمدن کا مینار تھے۔ علم و دانش نے انہی کے دامن میں پرورش پائی ہے۔ تمام عالم انہی کی ضیائے علم و حکمت سے منور ہوا۔

کل کی بات ہے، اسی مغرب نے ہمیشہ کی جہالت و تباہ حالی کے بعد کروٹ بدلی، مگر آج وہ اسلام پر حرف گیری کرنے بیٹھ گیا۔ یہ الزام مغرب پر عائد ہو سکتا ہے جو دین عیسوی اختیار کرنے کی پاداش میں اتنی مدت علوم و تمدن سے محروم رہا، نہ کہ اسلام پر جس نے صحرا نشینوں کو علم و دانش اور سیاست و سلطنت کا مرصع تاج پہنا کر دنیا کو حیران

کر دیا، حتیٰ کہ اسی مغرب کا ایک حصہ (اندلس) صدیوں تک اس کے زیرنگین رہا۔

سیرت نویسی میں دوست نما دشمنوں اور نادان دوستوں کا معاملہ: لیکن مغربی اہل قلم جو مسلمانوں کے سیاسی زوال کا سبب اسلام کو بتاتے ہیں، کسی حد تک معذور ہیں اس لیے کہ ان کی تصانیف کی ماخذ یہ دو قسمیں ہیں:

(ا) اسلام کے دوست نما دشمنوں کے تصنیفات۔

(ب) اسلام کے نادان دوست مسلمانوں کی تالیفات۔

دوسری قسم نے خدا کے دین میں وہ باتیں داخل کر دیں جنھیں خدا اور اس کا رسول کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔ اس طائفے کی جسارت کا یہ حال ہے کہ جس کسی نے ان کے مخترعات سے انکار کیا اس کے حق میں کافری کا حکم صادر فرما دیا۔ یہ موقعہ اس گفتگو کی تفصیل کے لیے موزوں نہیں۔

اس سے قطع نظر، جب ہم آں حضرت صلعم کی سیرت پر مسلمانوں ہی کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھتے ہیں تو ہمارے تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی۔ ان اسفار میں بے شمار اسی قسم کی کتابیں ہیں جن میں حضرت محمد صلعم کے دامن میں وہ کچھ بھر دیا گیا ہے جسے دیکھ کر عقل سمٹ جائے۔ طرفہ یہ کہ اسلام کے ان نادان دوستوں نے ان مخترعات و مزعومات کو اثبات رسالت میں مددگار سمجھ رکھا ہے، حالانکہ ان سے نبوت کی نفی ہونا چاہیے۔ یہی مخترعات ان مستشرقین کی دستاویزیں ہیں جو اسلام، بانیٔ اسلام اور مسلمانوں پر طعن کرنا وظیفۂ استشراق سمجھتے ہیں۔ کاش! وہ ان بے اصل باتوں پر اکتفا نہ کرتے جو نادان مسلمان مصنفوں نے اندھی عقیدت میں سیرت کی کتابوں میں داخل کر دیں تو ہمیں اتنا گلہ نہ ہوتا۔ مگر مغربی اہل قلم نے ان مندرجات کے نوک پلک بنانے میں ایسی فسوں کاری سے کام لیا کہ اس پر اصل کا دھوکہ ہونے لگا۔ اس پر انھوں نے اپنے اس انداز تصنیف کو ”تحقیق جدید“ کا عنوان بخشا جس (تحقیق جدید) کا مقتضا یہ تھا کہ جس مبحث پر قلم اٹھائیے اس کی تنقیح ایسی دقت نظر سے کیجیے جیسے کوئی عادل زیر تفتیش معاملے کی چھان بین کر کے غیر متعلق اجزا کو ایک طرف رکھ دیتا ہے اور اصل متعلقات سے بحث کرتا ہے۔ لیکن مستشرقین کی تحریروں میں اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق جدل اور عیب جوئی اسی حد تک صاف دکھائی دے گی۔ وہ اپنا مدعا ایسے پر فریب انداز میں بیان کرتے ہیں جس سے ان کے یاران طریقت اسے عین حقیقت سمجھ لیں۔ ان خود غرض حسد پیشہ مغربی مصنفوں کا مقصد مسخ حقیقت تو نہ ہونا چاہیے تھا۔

یہ سب کچھ سہی مگر خدائے برتر نے طمانیت و سکون خاطر کی دولت ان میں سے بھی چند آزاد فکر مسیحی مصنفوں کے حصے میں لگا ہی دی جو اسلام اور اس کے بانی صلوات اللہ علیہ کے بارے میں انصاف سے زیادہ دور نہیں رہے۔

مسلمان مصنفین اور مغربی افترا باز مستشرقین: مسلمان اہل قلم نے مختلف اوقات میں ان سراسر بہتانوں کے ازالے کی کوشش جاری رکھی جو مغربی مستشرقین نے اسلام اور اس کے بانی پر لگائے۔ ان میں سب سے نمایاں شیخ محمد عبدہ (مصری) نظر آتے ہیں جن کی شہرت اقصائے عالم میں پھیل چکی ہے، لیکن بد قسمتی سے اس طبقے کی طرف سے مدافعت کے صحیح تسلیم کرنے میں دو مانع پیدا ہوگئے:

(الف) یہ مسلمان اہل قلم جدید اسلوب تحقیق کے مطابق پوری طرح اپنا مافی الضمیر تحریر میں نہ لاسکے جس کی آڑ میں مسلمانوں کے ازلی و ابدی مستشرق دشمنوں نے (مسلمانوں) کی

تحریروں کو ٹھکرا دیا۔

(ب) مسلمان اهل قلم کے ایک گروہ کو، جس میں شیخ محمد عبدہ مقدمہ" الجیش کی حیثیت سے نمایاں هیں، مغربی مستشرقین کی دسیسہ کاریوں سے مسلمانوں کے اندر الحاد و بے دینی سے متہم کر دیا گیا جس سے مغربی اهل قلم کے لیے مسلمانوں کی تحقیق کو نا مقبول و غیر مستند سمجھنے کا بہانہ مل گیا۔

اس گروہ پر الزام الحاد کا اثر: مسلمان نوجوانوں نے جب یہ دیکھا کہ همارے قدیم مدارس کے علماء نے شیخ محمد عبدہ اور ان کے هم خیال غیور اهل قلم مسلمانوں پر الحاد وزندقہ کا فتویٰ صادر فرمایا دیا ہے (اور یہ ایسے نوجوان تھے جو پہلے سے ان روشن خیال اهل قلم مسلمانوں کے عقلی استدلالات سے متاثر تھے) تو انهیں یہ شک گزرنے لگا کہ همارے قدیم علمائے دین هر اس بات کو الحاد و زندقہ سے تعبیر فرماتے هیں جس کا محور منطق اور دائرہ فلسفہ هو، تو ان نوجوانوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ علماء قدیم جس بات کو الحاد کہیں گے وهی بات اجتہاد سے اس طرح قریب تر هوگی جس طرح ایمان اجتہاد سے بے نیاز ہے۔

مستشرقین کی تصانیف پر مسلم نوجوانوں کا انعطاف: مسلم نوجوان مستشرقین کی تصانیف پر اس لالچ میں آکر مائل هوگئے کہ اسلام کی جس جس حقیقت سے مسلمان اهل قلم آشنا نہیں کر سکے اسے مغربی اهل قلم نے روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔

پرسشِ لطف ظاهری حائل مدعا هوئی
دام فریب یار میں عاشق خام آ گیا

مسلمان نوجوانوں کی فریب خوردگی کا دوسرا پہلو: مستشرقین سے قبل کلیسائی اهل قلم نے اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق جو زهر چکانی کی، مسلمان اسے پاپائی تعصب سمجھ کر قبول کرنے سے ابا کرتا تھا، مگر جب مسلمانوں کا یہ تنفر مغرب کے شیوا بیان مستشرقین نے محسوس کیا تو انهوں نے کلیسائی هلاهل سے کہیں تیز تر زهر تحقیق کی شیرینی میں گھول کر پیش کیا جسے کبھی خالص فلسفہ، ادب کے عنوان سے ان کی رگ ایمان میں اتارا اور کبھی ادب و شعر کے دل فریب روپ میں ان کے دلوں میں سمویا۔ انسان دلائل کے نام سے هر ایک شے کے سامنے جھک هی جاتا ہے۔ جب بھی مسلمانوں کے دل میں خیال گزرا کہ ان مشکلات کو اپنے علمائے قدیم کے سامنے پیش کرکے ان کا حل دریافت کریں تو وہ علماء کی جمعیت اور اپنی قلت کے خوف سے خاموش هو گئے کہ ان (علماء) کے اعیان وانصار تو هر طرف سے نکل آئیں گے مگر همارا مددگار کون هو گا۔ نتیجہ یہ هوا کہ وہ پہلے تو نفس مذهب میں شک کرنے لگے اور اس کے بعد اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق ان کے دل میں وسوسوں نے گھر بنا لیا۔

اسلام اور مذهب سے ان کی برگشتگی کا یہ بھی سبب ہے کہ مذهب کے بے شمار مسائل ان کی موجودہ وضعی منطق کے اصولوں پر پورے نہیں اترتے، نہ اسلام کے وہ مسائل ان کے معیار کے مطابق علمی طور پر درجہ صحت تک پہنچتے هیں جن کی آمیزش ماوراء الطبیعیات کے ساتھ (مذهباً) بتائی جاتی ہے۔ اس قسم کے مسلمان ان مغربی اهل قلم کی تصانیف میں استغراق کے زمانے میں یہ بھی سامنے رکھتے هیں کہ مغربی ملکوں میں کلیسا اور حکومت وقت دونوں ایک دوسرے سے متغائر هیں۔ اگر کسی عیسائی ملک میں مذهب کو حکومت میں دخل ہے تو صرف اس قدر کہ کلیسا کی طرف سے حکومت کی تصدیق کر دی جائے، عام اس سے کہ وہ پروٹسٹینٹ کلیسائی هوں یا کیتھولک؛ اس کے سوا پوپ کو حکومت میں کوئی دخل نہیں۔

لیکن مسلمانوں کی سادہ لوحی نے مغربی قوموں کے اس تقسیم حقوق (کلیسا وارباب نفوذ و

سیاست) سے بھی الٹا سبق حاصل کیا۔ مسلمان پوری فراخ دلیؒ سے مغربی حکومتوں کی اس علم دوستی پر ایمان لے آئے کہ وہ اسلام کے متعلق تحقیق پر کس فراخ دلی سے خرچ کرتی ہے، بالخصوص جب کہ مغربی حکومتیں اپنی مذہبی تقریبات و رسوم میں رسماً کوئی حصہ نہیں لے سکتیں۔ اس قسم کے بے شمار وجوہ ہیں جن کی بنا پر مستشرقین کی تصنیفات کے مطالعے میں کئی قسم کے محرکات و موثرات مسلمانوں کے دماغوں پر سوار رہتے ہیں اور وہ مغربی اہل قلم کو منصف مزاج سمجھ لینے کے بعد پوری توجہ کے ساتھ ان کے مرتب کردہ فلسفہ و ادب میں ڈوب جاتے ہیں جس کا ایک ایک جزو اسلام و بانیٔ اسلام سے تنفر پیدا کرنے میں تیر بہدف ہے۔

مستشرقین کی تصانیف کا مطالعہ: صدیاں گزریں مشرق پر تعصب و جمود طاری ہے جس کی وجہ سے اس کے انداز فکر اوز ذوق سلیم پر جہل و نادانی کی کئی تہیں جم گئی ہیں۔ ان کے ازالے کے لیے ضروری ہے کہ اس دور کی تازہ ترین معلومات سے استفادہ کیا جائے تا کہ عصر حاضر اور ماضی کی عظمتوں میں پھر سے ربط پیدا کیا جا سکے اور اپنے قدیم ورثے کو پھر سے دنیا کے سامنے سجا اور سنوار کر پیش کیا جا سکے۔

مستشرقین کی محنت کا اعتراف: مغربی اہل قلم نے جس محنت کے ساتھ اسلام اور مشرق کے مسائل جمع کیے ہیں، ہمیں ان کی کوششوں کا اعتراف ہے، مگر ابھی ان کی یہ تصانیف تمہید و مبادی کے درجے پر ہیں جنھیں مسلمان اہل قلم اور مشرق کے رہنے والوں کے سامنے انھوں نے صفحات قرطاس پر پھیلایا ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ پہلے تو اہل مغرب کی تصانیف کے اغلاط و زوائد پھٹک کر انھیں صاف کریں؛ اس کے بعد انھیں مناسب اور ضروری اضافات سے مکمل کریں، کیونکہ جس قوم اور ملک کے مسائل ہوں طبعاً وہی قوم اور اسی ملک کے رہنے والے ان مسائل کو مناسب طریق پر سمجھ سکتے ہیں۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو سکے تو ہم روح اسلام اور روح مشرق دونوں کی حفاظت کا فریضہ ادا کر سکیں گے؛ نہ اس لیے کہ ہم مغربی اہل قلم کے اسلام اور مشرق پر عائد کردہ الزامات و طریق استدلال اور انداز فکر کی تردید و تغلیط کر کے بیٹھ جائیں، بلکہ اس لیے کہ اسلام ہماری میراث ہے اور اپنے ورثہ کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ ہمیں پوری تن دہی سے اس ترکے کی حفاظت کرنا چاہیے جو نورانی مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمیں اپنے موروثی نور سے خود روشنی حاصل کرنے کے بعد دوسروں کو بھی منور کرنا ہے۔ غنیمت ہے کہ دور حاضرہ میں بیشتر ایسے مسلمان اسلام کی قلمی اعانت میں منہمک ہیں جو مغربی فکر جدید کے اسلوب پر لکھ سکتے ہیں اور جن کی محنت و اصابت کی داد مغربی اہل قلم بھی پیش کرتے ہیں۔

وہی کلیسائی نیش زن: مشرق اور مغرب دونوں کے جدید الفکر علماء اسلام کی قلمی اعانت میں کمر بستہ ہیں۔ امید ہے کہ فریقین کی مساعی ایک دوسرے کے لیے بارآور ثابت ہوں گی، لیکن کلیسائی طبقہ اسی طرح اسلام اور حضرت محمد صلعم کے متعلق تہمت تراشی میں مصروف ہے جس طرح ان کے اسلاف عمل پیرا تھے۔ ان اتہامات کا تذکرہ اوائل (مقدمہ الکتاب) میں کیا گیا ہے۔

اسلام پر کلیسائی طعنہ زنوں کی حمایت کا یہ طریق ملاحظہ فرمائیے جو مغربی جمہوریت کے صدقے میں کلیسا کو قانون کی صورت میں ملا ہے اور جسے ان کی حکومتیں آزادیٔ فکر سے تعبیر کرتی ہیں، حالانکہ ان کلیسائی احبار کو ان کی حکومتوں نے سلطنت میں دخل درآمد سے اس طرح نکال کر پھینک رکھا ہے، جیسے دودھ سے مکھی۔

۲۱۹۹۲

مغربی استعمار نے اسلام اور بانیٔ اسلام پر زبان درازی جاری رکھنے کے لیے صرف یسا ہی گوشہ نہیں دے رکھی بلکہ مسلمانوں میں سے بھی اس نے ایسے جامد علماء اور ج رو مصنف اپنی بغل میں لے رکھے ہیں جن کی فکر سے خود اسلام شرمندہ ہے۔ ان علماء نے آں حضرت صلعم کی ذات سے جو خرافات منسوب کر رکھے ہیں، نہ صرف روح محمد صلوات اللہ علیہ) ان سے نالاں ہے بلکہ عقل بھی ان سے گریزاں اور ذوق سلیم بھی اپنا نوچ رہا ہے۔

کتاب "حیات محمد" کی ضرورت: علمی زندگی طے کرنے کے بعد میں نے عملی دور میں رکھا ہی تھا کہ دنیا کے ہر گوشے میں بسنے والے مسلمانوں کو ان مسائل سے متاثر کھا جو اسلام اور اس کے بانی کے متعلق پیدا کیے جا چکے تھے، کیا اسلامی ممالک اور یا ان ملکوں کے اندر جہاں مسلمان رعایا کی حیثیت سے زیر نگین تھے۔ میں ان مسائل کی تحقیق میں ڈوب گیا جن کی غلط بیانی اور فریب دھی کے چکر میں آ کر مسلمان اور مشرق ںوں پریشان تھے۔ مغرب کے عیار اہل قلم اور اسلام کے جامد علماء کی اس کج روی سے صرف ہی کو خطرہ نہ تھا بلکہ یہ علمی حادثہ تمام عالم کے لیے مصائب کا پیش خیمہ تھا ونکہ مسلمان جو صدیوں تک دنیا کے ہر خطے میں علم و تمدن کے نقیب رہے، اگر انہی عقائد اور ان کے بانی کے اطوار و کردار میں ظلم و جہالت کی تیرگی ثابت ہو جائے تو جن وموں نے ان کی برکت سے علم و دانش کے خزانے حاصل کیے، وہ تہذیب و فنون میں س حد تک کامیاب ہوئیں۔ تو میں اپنا فرض سمجھ کر ان مسائل کی تحقیق و مطالعے میں نہمک ہوگیا حتیٰ کہ کتاب "حیات محمد" صاحب الرسالہ الاسلامیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تدوین پر میری توجہ مرکوز ہو گئی جس میں مندرجہ ذیل دو طریقے پیش نظر ہیں:

(الف) مسیحان کلیسا اور مستشرقین کے ان مطاعن کی تحقیق جو انہوں نے از روئے حسد اسلام اور آں حضرت صلعم پر چسپاں کیے۔

(ب) ان برخود غلط انداز اور جامد مسلمان مصنفوں پر گرفت جنھوں نے غلو اور جوش عقیدت سے اسلام اور آں حضرت صلعم کے دامن میں بدنما دھبے لگا دیے ہیں۔ اس کتاب کی تدوین و تحقیق جدید مغربی نہج میں ضبط (تحریراً) کرنے کا عزم ہوا۔ میری یہ تمام کوشش ف اثبات حق و تغلیط باطل کے لیے ہے، نہ کسی اور مقصد کے پیش نظر۔

طریق کار: اس منزل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے متعلق تمام سار کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد مندرجہ ذیل کتابیں مکرر حرفاً حرفاً پڑھیں۔

(۱) "سیرت ابن ہشام"
(۲) "طبقات ابن سعد"
(۳) "مغازی محمد الواقدی"
(۴) "روح الاسلام" سید امیر علی

سیرت کے متذکرۃ الصدر اساطین اربعہ کے بعد مستشرفین ان تالیفات کا مطالعہ یا:

(۱) درمنگھم کی "سیرت محمد"۔
(۲) "ارفنج"۔

ان مصنفین کی کتابوں کی مراجعت کے بعد موسم سرمائے ۱۹۳۲ کا پورا زمانہ میں نے

اقصر میں گزارا اور وهیں (کتاب) ''حیات محمد'' کی طرح ڈالی ۔ اسی دوران میں یہ اندیشہ لاحق هوا کہ مبادا میرے انداز جدید اور اسلوب ترتیب کی سن گن پا کر جمود پرور خرافاتی مسلمان میرے خلاف هنگامہ برپا کر دیں تو میری همت ٹوٹ گئی اور میں نے قلم هاتھ سے رکھ دیا ۔

مگر علمی اداروں کے سربراہ (جو میرے انداز فکر سے متاثر اور کتاب کے ابتدائی نقوش ان کے ملاحظے سے گزر چکے تھے) التوا کی خبر پاکر بضد هوئے کہ میں ''حیات محمد'' اسی اسلوب (جدید) سے لکھوں ۔ اس سے میرے ارادہ میں پھر جنبش پیدا هوئی اور قلم هاتھ میں لے لیا ۔

قرآن مجید میں سیرت محمد صلعم کا پورا نقشہ هے: مشیت نے رهنمائی فرمائی کہ آں حضرت صلوات اللہ علیہ کی سیرت کا مکمل مرجع قرآن کریم هی هے جس میں نبی عربی کی زندگی کے تمام واقعات پر ایسے اشارے موجود هیں جن کی روشنی میں آپ کے سوانح و کوائف مرتب کرنے کے لیے صحیح راستہ مل سکے۔ قرآن مجید هی کو اساس قرار دے کر آپ کی حیات طیبہ مدون کرنے کے لیے احادیث و سیر کی کتابوں سے استشهاد کیا جا سکتا هے اور قرآن کو موضوع قرار دے کر میں نے آیات کا استخراج شروع کر دیا ۔

آقائے احمد لطفی کا احسان: میری اس مهم کی اطلاع پر آقائے احمد لطفی، ناظم دارالکتب المصریہ' نے اس موضوع کی تمام آیات کا ایک جا مجموعہ عنایت فرما دیا جس سے مجھے اس محنت سے نجات مل گئی ۔ میرے لیے ضروری تھا کہ ان میں سے ایک ایک آیت پر میں پورا غور و فکر کر سکوں اور مجھے اس کے بغیر مفر نظر نہ آیا کہ ایسی هر آیت کے شان و اوقات نزول اور مناسبات کی تلاش کر لی جائے لیکن کتب تفسیر کی کوتاہ قلمی نے مجھے تھکا دیا کیونکہ مفسرین آیات کے شان نزول کا پورا استقصا نہیں کرتے ماسوائے ان دو حضرات کے :

۱ ۔ واحدی ''در کتاب اسباب النزول'' ۔

۲ ۔ ابن سلامہ ''در کتاب الناسخ والمنسوخ'' ۔

دونوں حضرات نے مختصراً مگر سلیقہ اوز دقت نظر سے شان نزول کا استقصا فرمایا هے۔ راقم السطور نے دوسرے اسفار تفسیر اور سیرت کی کتابوں کے ساتھ انهی دونوں پر اپنی تحقیق کا مدار رکھا هے ۔

تنبیہ: لیکن اسے فراموش نہ کیا جائے کہ واحدی اور ابن سلامہ اور تفسیر و حدیث کے دوسرے دفاتر میں تنها کوئی ایسا مجموعہ نہیں جس پر کسی مسئلے کی بنیاد تحقیق و تدقیق کے بغیر رکھی جا سکے ۔

مراجعت کے دوسرے ذرائع :

(۱) جامعہ ازهر

اس ممتاز درس گاہ کے اکابر نے میری معلوماتی مشکلات میں پوری طرح هاتھ بٹایا جن میں ازهر کے شیخ الجامعہ شیخ محمد مصطفیٰ المراغی کی عنایات عمیم کے شکریہ سے کبھی عهدہ برا نہیں هو سکتا ۔

(۲) دارالکتب المصریہ

استاد عبدالرحیم نگران ادب کے الطاف پیهم نے مجھے بندۂ حلقہ بگوش بنالیا اور خزانۂ الکتب

کا دروازہ میرے لیے کھول دیا ۔ اس دارالکتب کے عہدہ داروں میں سے آشنا اور نا آشنا دونوں نے اپنے علمی احسانات سے ممنون فرمایا ۔

(۳) جعفر پاشا

متعدد کتابیں خصوصاً ’’صحیح مسلم‘‘ و تواریخ ہائے مکہ معظمہ عاریتاً عنایت فرمانے کے ساتھ کئی اہم مسائل میں میری رہبری فرمائی ۔

(۴) عبید پاشا

(ا) ’’حیات محمد‘‘ (سر ولیم میور)
(ب) ’’الاسلام‘‘ (پادری لامنس)
عنایت فرمائیں ۔

اور بقیہ اہم مصادر (جن سے استفادہ کیا) :

(۵) ’’فجر الاسلام‘‘ استاد احمد ۔
(۶) ’’قصص الانبیاء‘‘ استاد عبدالوہاب النجار ۔
(۷) ’’الادب الجاہلی‘‘ ڈاکٹر طٰہٰ حسین ۔
(۸) ’’الیہود فی البلاد العرب‘‘ اسرائیل و نفنسن ۔

دوران ترتیب و تہذیب ’’حیات محمد‘‘ میں ہر عقدہ کشائی کے بعد ایسی گرہ آجاتی جس کے سلجھانے کے لیے پہلی گرہ کے بند کھولنے کے طریق کے سوا کوئی دوسرا انداز کارگر نہ ہو سکتا تھا ۔ اسی طرح اس رشتے کا ہر ایک عقدہ اپنے گونا گون الجھاؤ لپیٹے ہوئے سامنے آیا ۔

جس طرح اپنے ہاں کے اسفار تفسیر و سیرت سے میری مشکلات کا حل ہوتا گیا ، اسی طرح مستشرقین میں سے بھی بعض اہل علم کے دفاتر میری مہم میں نفع بخش ثابت ہوئے ۔

اس راہ میں نئی دشواری یہ سامنے آئی کہ سیدالعرب والعجم کے سوانح کے ساتھ اکثر و بیشتر آپ کے اصحاب و انصار کے کوائف بھی ملے جلے سامنے آئے ، لیکن میں نے ان میں سے رسالت مآب کے واقعات زندگی اخذ کرنے پر اکتفا کیا ورنہ ضخامت بہت زیادہ ہو جاتی ۔

اس جگہ کوسان اور پرسفال کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا ، ’’رسالہ تاریخ عرب سے متعلق‘‘ کے نام سے جنھوں نے تین جلدیں لکھیں اور میں نے ان سے استفادہ کیا ۔ اس کے ابتدائی دو حصے آں حضرت صلوات اللہ علیہ کے سوانح اور تیسری جز شیخین (حضرت ابوبکر و عمر) کے حالات پر مشتمل ہے ، جس طرح ’’طبقات ابن سعد‘‘ کی پہلی جلد رسول پاک صلعم کی سیرت پر اور ماباقی حصے آپ کے صحابہ کے سوانح و کوائف پر پھیلے ہوئے ہیں ۔

ابتدائے تسوید ہی میں مدنظر رہا کہ آں حضرت صلعم کے بیان سیرت سے تجاوز نہ ہونے پائے ورنہ مقصد سے دور رہ جانے کا خطرہ ہے ۔

سیرت پاک کے سلسلے میں صحابۂ کرام کے سوانح شامل نہ کرنے میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلعم کی بے نظیر عظمت و نورانیت کے سامنے کسی اور پر نگاہ نہیں ٹھہرتی ، اسی طرح حضرت ابوبکر و جناب عمر اپنے اپنے عہد خلافت میں جلال و جمال کے اس قدر بلند مینار تھے جن کے مقابلے میں دوسروں کی رفعت در خور اعتنا نہ تھی ۔ اسی طرح ان دونوں (شیخین) کے بعد سابقین اولین کی منزلت ہے جن کے علو کا مقابلہ صحابہ میں سے کسی سے نہ ہو سکا حتیٰ کہ بعد میں آنے والوں نے ان کے کارناموں پر اپنے فخر و امتیاز کی عمارت قائم کی ۔

نہ صرف حضرت ابوبکر و عمر اور سابقون اولون بلکہ تمام صحابہ آں حضرت صلعم کی زندگی میں

آپ کی ضیا سے مستنیر تھے، اس لیے ہر مصنف کے آداب تصنیف میں داخل ہے کہ وہ رسول پاک کی زندگی کے بیان میں دوسری شخصیتوں کو داخل نہ ہونے دے، خصوصاً جب کہ جدید طرز تحقیق کے مطابق اس بحث کو پھیلایا جائے۔ ''حیات محمد'' کا یہی اسلوب ہے اور یہی واحد ذریعہ ہے جس سے مسلم اور غیر مسلم دونوں کے دل و دماغ میں فخر دوعالم حضرت محمد صلعم کی عظمت و جلال کا پرتو منعطف ہو سکتا ہے اور اسی انداز سے قوت ایمان و ایقان میں اضافہ ممکن ہے، ان وعظ پیشہ عیسائی مبشرین سے قطع نظر جنھوں نے اپنی حماقت سے آں حضرت کی توہین و تذلیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

اگر آں حضرت صلعم کی سیرت ان علمائے مستشرقین کی نظر سے دیکھی جائے جنھوں نے آپ کے سوانح حیات اس طرز سے سپرد خامہ کیے جس سے ایک طرف سرور کائنات کی عظمت و جلالت آشکار ہوتی ہے تو دوسری جانب اپنی قوت ایمان میں اضافہ ہوتا ہے (اور ایسے مستشرقین میں یہ علماء قابل ستائش ہیں) -

(۱) کارلائل ''ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' (کتاب الابطال) در ۱۸۴۶ - اس کتاب کی ایک پوری فصل میں تقدیس خداوندی کا نور اپنے پورے جلوے کے ساتھ مشعل ہدایت حضرت محمد کے نور کے ساتھ برای العین منعکس ہوتا ہوا نظر آتا ہے - کارلائل نے کس حکمت سے اس نور کا سراپا قلم بند کیا۔

(۲) سرولیم میور در کتاب ''سیرت محمد'' (در ۱۸۶۱) -

(۳) ارفنج در ''سیرت محمد'' ۱۸۵۱ -

(۴) اسپرنگر ''سیرت محمد'' در ۱۸۵۱ -

(۵) ویل در کتاب ''محمد پیغمبر'' در ۱۸۴۵ -

ہر ایک نے اس سراپائے صداقت کی نورانی تصویر کے خد و خال میں کیسی دل کشی پیدا کی ہے۔

اگرچہ ان میں سے بعض مصنفین نے چند امور میں فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی سے احتراز نہیں کیا، بظاہر جس کی وجہ یہ ہے کہ معترض علیہ مسائل میں ان علماء کو دقت نظر سے مطالعے کا اتفاق نہیں ہوا، انھوں نے ایسے روایات مضطربہ پر اعتماد کر لیا جو تفسیر و سیرت کی ان کتابوں میں پھیلی ہوئی تھیں جو پہلی دو صدیوں میں مدون ہوئیں، جن میں اسرائیلیات نے نہ صرف سیرت پاک بلکہ دوسرے اسلامی مسائل میں بھی خلط ملط کر کے انھیں مسخ کر دیا - یہی دو صدیاں (پہلی اور دوسری) ہیں جن میں دشمنان اسلام کی راہ سے ہزاروں حدیثیں مسلمانوں نیں پھیل گئیں جس کا اقرار خود مستشرقین بھی کرتے ہیں، مگر اس اعتراف کے باوجود مستشرقین نے ان روایات کے استعمال سے اپنا دامن آلودہ کر لیا حالانکہ وہ معمولی توجہ سے ضعیف و قوی روایات میں امتیاز کر سکتے تھے۔ ان (روایات) میں من جملہ اور افسانوں کے مندرجہ ذیل حکایتیں ہیں:

(الف) داستان غرانیق۔

(ب) اتہام ار واقعہ حضرت زید و جناب زینب علیہا السلام۔

(ج) افترا در تعدد ازدواج رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔

کاش یہ مصنفین ان مسائل کے صحیح مصادر تلاش کرتے اور وہ اسلام پر تہمت تراشی کے الزام سے سلامتی کے ساتھ بچ جاتے۔

راقم نے بہ شمول دوسرے ایسے مسائل کے ان روایات کو علمی تحقیق کے ساتھ

منکشف کر دیا ہے۔

به این همه میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ حضرت محمد صلعم کی سیرت بیان کرنے میں راقم نے اپنا فرض پوری طرح ادا کر دیا ہے، ماسوائے ازیں کہ اس مبحث میں بطرز نو (راقم نے) تحقیق کی ایسی طرح ڈال دی ہے جس سے اسلام پر علمی طریق سے بحث کی گئی ہو۔ میری رائے میں جس طرح علماء اور مورخین کے ایک گروہ نے تاریخ کے بعض مباحث کی چھان بین کے لیے زندگیاں وقف کر دیں، جیسے مثلاً اولارے نے انقلاب فرانس کی تفصیلات کو بڑی جان فشانی سے مرتب کیا، ٹھیک اسی طرح آں حضرت کی زندگی کو اجاگر کرنے کے لیے علماء کو اپنی تمام تر صلاحیتوں کو وقف کر دینا چاہیے: خصوصاً اس نہج پر کہ عرب کی جغرافیائی اور ملی حیثیت بیان کرتے ہوئے دنیا کے دوسرے خطوں اور قوموں کے ساتھ بھی موازنہ کیا جائے۔ یہ کام نہ صرف اسلام کی همه گیری میں کار آمد ہو سکے گا بلکہ تمام عالم کے لیے نفع بخش ثابت ہو گا۔ یہ انداز تحقیق دنیا جہاں کے بے شمار روحانی اور نفسیاتی مسائل کو اجاگر کر سکے گا، قوموں کے اجتماعی و اخلاقی نظام کو واضح کرنے میں معاون ہو گا۔ اسلام اور مسیحیت جن مناقشات کو ابھی تک طے نہیں کر سکے، اس کے اثر سے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ مسیحی منادوں کا یہ ذوق ختم ہو جائے گا کہ یا تو مسلمانوں کو مغربی نظر و فکر کا حامل بنا دیا جائے یا انہیں بپتسمہ قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔

اسلام ہی موجودہ دور تمدن میں قابل قبول ہے: انسانیت کی فلاح و بہبود کا یہی واحد ذریعہ ہے جسے انسان موجودہ دور تمدن میں دنیا کے گوشے گوشے میں ڈھونڈ رہا ہے، بجز مسیحیت کے جو تعصب و کینے کے غلبے سے دب کر اسلام اور حضرت محمد صلعم کی طرف دیکھنے کی بجائے تھیاسوفیکل یا ہندو ویدانت کو ترجیح دینے پر تلی ہوئی ہے۔ مشرق کے مسلمان ارباب فکر اور یہود و نصاریٰ کے روشن خیال علماء کا فرض ہے کہ اسلام اور بانیٔ اسلام جیسے جلی موضوعات پر ایسے انصاف و بے تعصبی سے قلم اٹھائیں جس سے دنیا کو صحیح راستہ مل سکے۔ اگر اسلام کو جدید اسلوب تحقیق میں پیش کیا جائے تو یہی انسان دنیا اور خالق دونوں کے نزدیک متاع گرامی بن سکتا ہے۔

اور طبعاً اسلام ہی کے مسائل میں یہ خوبی ہے کہ وہ روحانی اور معنوی ہر دو صورتوں میں انسان کے شرف و بزرگی کو اس طرح درخشاں کر سکتا ہے جسے دیکھ کر محض علم اس کے سامنے ایک طرف حیران ہو کر کھڑا رہ جائے، یعنی وہ علم جو تنہا کسی شے کی نفی یا اثبات نہیں کر سکتا۔ اسلام کو اس طریق پر پیش کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ہر دور اور عہد کے مطابق انسان کی زندگی اور اس زندگی کے مصالح میں اسے قوت بخش سکتا ہے۔

چند قابل حل علمی مسائل اور حضرت محمد صلعم کی سیرت و تعلیم کا عملی پہلو۔ مثلاً:

١ - زندگی کیا ہے۔
٢ - انسان اور دنیا کا باهمی رابطہ۔
٣ - طمع زیست۔
٤ - وہ عقائد جن پر عمل کرنے سے قوموں کی ہمت سلب ہو جائے۔
٥ - وجود باری تعالیٰ۔
٦ - وحدت وجودی۔

۷ - ’’وجود‘‘ (٥) کی مسلک میں کون سا انسان منسلک ہے۔

٨ - وحدت الوجود (٦) میں کون سا شخص محلول ہے ۔

ان میں سے ہر ایک مسئلے پر منطقی طریق سے بحثوں نے ادب میں معتدبہ اضافہ کیا اور مسلمانوں نے ان بحثوں میں منطق و فلسفہ کا سیلاب بہا دیا ۔ کہنا یہ ہے کہ اگر عقل و حکمت کی یہی قوت جو عباسی عہد سے لے کر اب تک متذکرۃ الصدر مسائل میں مصروف عمل ہے، اسے حضرت محمد صلعم کی سیرت اور آپ کی تعلیم کی افادی خوبیوں پر صرف کیا جاتا تو آج دنیا کا یہ نقشہ کسی اور صورت میں نظر آتا ۔ اس نوع میں خود مغرب کی رفتار یہی ہے جو سولھویں صدی سے لے کر انیسویں صدی عیسوی تک مسلمانوں ھی کی طرح لاطائل مسائل کے حل میں مصروف رہا ۔ مشرق اور مغرب کے ان دونوں زمانوں میں بے چارہ علم اپنی جگہ حیران تھا کہ میری ذات تو انسانیت کی رفعت کا ذریعہ ہے مگر مسلمان اور یورپ کے مدعیان علم کن چہ میگوئیوں میں الجھ کر رہ گئے ۔

ظاہر ہے کہ علم کا مفید ترین پہلو انسان کی اس سعادت و خوش نصیبی کی صورت ھی میں نمایاں نظر آ سکتا ہے جس سے خالق اور اس کے بندوں کے درمیان ایسا واسطہ پیدا ہو سکے جس (واسطہ) سے پوری انسانی برادری وحدت میں منسلک نظر آ سکے اور یہ سبق صرف حضرت محمد صلعم کی سیرت میں ہے بہ شرطیکہ آں حضرت کی زندگی پر علمی طریق سے بحث کی جا سکے جس کے ثمرات میں دنیا کو موجودہ مادہ پرستی کی مشکلات سے (بھی) نجات حاصل ھو سکتی ہے ۔

بہ ظاہر اس مقصد تک رسائی محال نظر آتی ہے لیکن جو ارباب بصیرت موجودہ دور میں مادے کی فرماں روائی کو معرض زوال میں سمجھ رہے ھیں وہ اگر ان مسائل کو حضرت محمد صلی اللہ و آلہ وسلم کی سیرت کو سامنے رکھ کر حل کریں جن کی شعاع سے اجتماعیت کے مسائل ظلمت کے دھندلکے سے نکل کر روشنی میں آنا شروع ھو چکے ھیں، تو ان حضرات کو مادہ پرستی کی بے برکتی کا اندازہ آسانی سے ھو سکے گا اور امید ہے کہ نوع بشر اپنے گم شدہ فوز و فلاح کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ھو سکے گی۔

حرف آخر: جیسا کہ ابتدائے مقدمہ میں عرض ھوا ، یہ کتاب ’’حیات محمد‘‘ **ان توضیحات** پر ھنوز حرف اول ہے، تاھم میری یہ توقع بے محل نہیں کہ طالبان حقیقت کو اس کے مطالعے سے تسکین حاصل ھو سکے گی اور اس موضوع پر بالغ نظر محققین آں حضرت صلعم کی سیرت پر تلاش و جستجو سے قلم اٹھائیں گے۔

(الف) اھل قلم محققین اس راہ میں اپنی کاوش صرف کریں ۔

(ب) حضرت محمد صلوات اللہ علیہ کی سیرت کی ضیا میں انسانیت کے اضمحلال اور تکان کا مداوا تلاش کریں۔

اگر ان میں سے ایک مقصد بھی حاصل ھو سکا تو راقم اسے اپنی کامیابی تصور کرے گا۔

مُقدّمہ مؤلّف

(طبعِ ثانی)

صادق امین عبدالله محمد کلیم الله حبیب الله نجی الله

عزیز حریص علیکم رؤف رحیم طٰه مجتبیٰ

مُقدّمہ مُؤلّف

(طبعِ ثانی)

طبع اول کی مقبولیت: اس کتاب کا پہلا ایڈیشن دس ہزار کی تعداد میں چھپا۔

(الف) ایک ثلث کی فرمائش اثنائے طباعت میں آگئی۔

(ب) بقیہ طبع ہونے سے تین ماہ بعد تک ھاتھوں ھاتھ نکل گئی جس سے قارئین کے شوق مطالعہ کا اندازہ کیا جا سکتا ھے۔ اس لیے طبع ثانی کے موقعع پر مزید غور و تفحص کی ضرورت لاحق ھوئی اور سب سے پہلے اپنی ھی ذات سے استصواب کیا کہ:

(۱) طبع ثانی کو نقش اول ھی کی صورت میں شائع کر دیا جائے؟

(۲) یا پہلے ایڈیشن کی فروگزاشتوں کی تنقیح و تصحیح پر اکتفا کافی ھے؟

(۳) یا طبع اول میں جو مباحث قلم انداز ھو گئے ھیں ان کے استدراک پر قناعت؟

احباب کا مشورہ: ان امور (ثلاثہ ۱، ۲، ۳) کا تذکرہ علم دوست احباب سے کیا۔ جن قدر دانوں کے مشورہ کی میرے نزدیک اھمیت ھے (انھوں نے) فرمایا اگر دوسرا ایڈیشن بعینہ طبع اول کی صورت میں شائع کر دیا جائے تو اس میں دو فائدے ھیں:

(الف) دونوں اشاعتوں میں یکسانیت کی صورت میں جن اصحاب کے پاس طبع اول کے نسخے موجود ھیں وہ اپنے نسخوں میں کمی پاکر بددل نہ ھوں گے۔

(ب) اور اس (طبع ثانی) کے بعد آپ سکون کے ساتھ تیسرے ایڈیشن کے لیے تصحیح اور اضافات کر سکیں گے۔

میں ان مشوروں پر عمل پیرا ھونے کے لیے آمادہ بھی ھوگیا اور اس صورت میں موجودہ ایڈیشن (طبع ثانی) آج سے کئی مھینے پیشتر قدر دانوں تک پہنچ جاتا لیکن مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر یہ ارادہ ترک کر کے ذیل کی تنقیح و اضافے پر متوجہ ھونا پڑا۔

(الف) استاد محمد مصطفیٰ (المراغی) کی تنقیحات جو ممدوح پہلی طباعت کے دوران میں ایک ایک تختہ کاغذ چھپنے پر ساتھ کے ساتھ اپنے قلم سے لکھتے گئے، جنھیں پہلا ایڈیشن شائع ھو جانے کے بعد ھی آپ نے میرے حوالے فرما دیا۔

(ب) طبع اول شائع ھو جانے کے بعد اھل قلم حضرات نے اخباروں، ماھانہ رسالوں اور ریڈیو میں تبصرے فرمائے جن میں دل کھول کر کتاب کی تعریف کی گئی۔ یہ تبصرے بھی میرے زیر نظر تھے۔

موقت رسائل اور اخباروں کے مقالات کے اندر میری سعی و کاوش کے مقابلے میں ایک طرف میری تعریف کا دامن حد سے زیادہ پھیلا دیا گیا، تو دوسری جانب محققین و اھل علم نے یہ خواھش ظاھر فرمائی کہ نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان و علو کا تقاضا ھے کہ طبع ثانی میں کوئی کمی نہ رھنے پائے۔ مختلف حضرات نے جو مشورے دیے وہ یہ تھے:

(الف) بعض کے نزدیک کچھ مطالب وضاحت کے محتاج ہیں۔

(ب) بعض کو یہ شکوہ تھا کہ حروف صبر کے استعمال میں زیادہ دقت نظر سے کام لینا چاہیے تھا۔

(ج) بعض کی رائے یہ تھی کہ مندرجہ لفظوں کو کسی معنی پر منطبق کرنے میں تکلف ہوتا ہے لہٰذا ایسے الفاظ کی ضرورت ہے جو زیادہ واضح ہوں۔

یہ اشارے میرے لیے از سرنو غور و مراجعت کا باعث ہوئے، حتیٰ کہ جن مباحث کا تذکرہ مضمون نگاروں نے (رسائل و اخبارات کے مقالات میں) نظر انداز کر دیا تھا، ان مسائل پر بھی نظر ثانی ضروری سمجھی گئی تاکہ دوسرا ایڈیشن پوری طرح تسکین کا ذریعہ بن سکے، اگرچہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں یہ کتاب علمی اور تحقیقی حیثیت سے ہنوز حرف اول ہے، جیسا کہ پہلی اشاعت کے مقدمہ میں عرض کیا گیا۔

طبع ثانی میں مزید تحقیق و اضافے کا باعث یہ بات بھی ہوئی کہ دوستوں نے جو مشورے دیے تھے میں نے انھیں بغور دیکھا۔ ان مشوروں سے میں اگرچہ پہلے بھی ناواقف نہیں تھا، تاہم میں نے اس بنا پر دوبارہ تحقیق و زیادت کی ضرورت محسوس کی تاکہ ان حضرات کو اپنا نقطۂ نظر سمجھا سکوں۔ اس مقصد کے لیے میں نے آں حضرت کی سیرت کے بارے میں جن نکات پر توجہ صرف کی وہ اس لائق ہیں کہ ہر سیرت نگار ان کو نظر و بصر کے سامنے رکھے۔ بحمدللہ جہاں میں اس بات پر خوش ہوں کہ میں نے پہلے ایڈیشن میں غیر شعوری طور پر ان تمام مشوروں کو ملحوظ رکھا تھا، اب اس سے ہم کنار ہوں کہ دوسرے ایڈیشن میں میں نے اس عظیم انسان کے بارہ میں زیادہ توسیع سے کام لیا ہے، ہدایت و رہنمائی کی تاریخ میں جس کی مثال نہیں پائی جاتی۔ یعنی دوسری اشاعت میں ان مسائل کی مزید وضاحت کی گئی جو طبع اول پر معرض بحث و نقد میں آئے۔

مزید بر آں کتاب کے آخر میں دو فصلیں بڑھا دی گئیں جن میں ایسے مباحث کو بسط کے ساتھ بیان کیا گیا جو پہلی اشاعت میں مجمل طور پر ذکر میں لائے گئے۔

نیز جو مسائل پہلے سے مفصل تھے اور اہل علم نے ان میں مزید وضاحت کی خواہش ظاہر فرمائی ہے ان میں بھی تعمیل ارشاد کر دی گئی۔

عود الی المقصود

ایک مصری مضمون نگار کی داد تنقید: سب سے پہلے مجھے ایک مصری مضمون نگار کی حماقتوں کو واشگاف کرنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کا یہ تنقیدی مضمون اس مقالے کا ترجمہ ہے جو انھوں نے مستشرقین المانیہ کے ایک رسالہ میں چھپنے کے لیے بھیجا۔ میں ان کا یہ احمقانہ مضمون عربی اخبارات میں اس لیے نہیں چھپوا رہا ہوں کہ یہ ایسے بے سند اور بے سروپا الزامات پر مشتمل ہے جن کا کوئی ثبوت نہیں۔ میں ان کا نام بھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ ممکن ہے میری اس تنقید کے بعد ان کو خود ہی شرم محسوس ہو۔ ان کی تنقید یہ ہے:

۱ - زیر بحث کتاب (”حیات محمد“) جدید علمی طریق پر نہیں لکھی گئی۔

۲ - مصنف نے اپنی کتاب میں جرمن مستشرقین مثلاً ثیل، جولد زہر اور نولد کی وغیرہم کے افادات کی ریزہ چینی کیوں نہیں کی۔

۳ - مصنف نے اس تالیف میں قرآن (مجید) جیسی کتاب کو کیوں اساس بنا لیا جس کی

صحت میں جرمن کے مقدس مستشرقین فرماتے ھیں کہ ”پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد اس کتاب (قرآن مجید) میں تحریف و تغیر ھوگیا اور جن امور میں تصحیف ھوئی' ایک ان میں ان کے نبی کا نام بھی ھے جو اصل میں یا 'قثام' تھا اور آخر میں 'محمد' بن گیا جس کا ثبوت آیۂ 'و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد' ھے جو محمد (صلعم) کی بجائے اس نبی کا نام ھے جس کا نشان انجیل نے اس مفہوم میں دیا ھے کہ وہ (نبی) حضرت عیسیٰ کے بعد آئے گا“۔

۴۔ ”ان مستشرقین نے یہ بھی فرمایا ھے کہ آں حضرت صلعم جن باتوں کو وحی بتاکر اپنے مسلمان پیرووں کی ھدایت کرتے وہ ان کے مرض صرع کا کرشمہ تھا جس کے دورے سے وہ لرزنے لگتے اور منہ سے جھاگ اگلنا شروع کر دیتے لیکن ھوش میں آنے کے بعد وحی خداوندی کے نام سے کلام سنا کر فرماتے کہ اس بے ھوشی میں مجھ پر یہ کلام نازل ھوا ھے“۔

یہ مضمون نگار اگر مصری اور مسلمان نہ ھوتا تو میں ان بہتانوں پر توجہ نہ کرتا۔ اگر یہ اعتراض مستشرقین یا مسیحی مناد کرتے' تب بھی میں انھیں قابل اعتنا نہ سمجھتا اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا کیونکہ طبع اول کے مقدمے میں مسیحی معترضین کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ھے اس میں اضافے کی ضرورت نہیں' لیکن مصری مضمون نگار آخر تو اپنے ھی بھائی ھیں جنھوں نے اس طرح سوچا جس طرح ھمارے ان نوجوانوں اور دوسرے اشخاص کا حال ھے جو اسلام پر مستشرقین کی تصانیف کا مطالعہ اس عقیدت مندی کے ساتھ کرتے ھیں جیسے ان کی تحقیق علم صحیح پر مبنی اور ان کی تعبیر خطا سے پاک ھے۔

اسلام کے متعلق مستشرقین کی تحقیق پر آنکھ بند کرکے آمنا و صدقنا کہنے والے مسلمانوں کے لیے چند باتوں کی وضاحت ضروری ھے۔

مستشرقین میں اسلام کے متعلق اگر بعض اھل علم کی نیت صالح ھے تو ان کا علم ناقص ھے جو عربی لغت پر حاوی نہ ھونے کی وجہ سے اس لائق نہیں رہتا کہ حقائق کا احاطہ کر سکے۔ پھر ان پر یہ جنون بھی سوار ھے کہ کسی ایک مذھب یا تمام مذاھب کے مقررہ عقائد کی تردید کی جائے۔ اس جنون میں ان کو وہ غلو ھے کہ الامان۔ علماء کا یہ شیوہ نہیں کہ اس کا شکار ھوں۔ اس غلو و اسراف نے تحقیق کی کن خطرناکیوں کا مظاھرہ کیا ھے اس کا اندازہ اس سے کیجیے۔ بعض عیسائی محققین نے مسیح کے تاریخی وجود ھی کو ماننے سے انکار کر دیا ھے۔ کچھ لوگ اسراف و غلو کی حدود سے اس حد تک متجاوز ھوگئے کہ انھوں نے مسیح کو مجنون تک کہنے میں تامل نہ کیا۔

یہ غلو و اسراف دراصل نتیجہ ھے اس آویزش کا جو مغرب میں کلیسا اور ارباب علم و معرفت کے درمیان برپا رھی۔

اسلام کا دامن چونکہ اس نوع کے جھگڑوں سے کبھی آلودہ نہیں ھوا اس لیے انھیں بحث و فکر میں یہ انداز اختیار نہیں کرنا چاھیے اور ان تمام افکار و نظریات کو آمنا و صدقنا کہ کر قبول نہیں کر لینا چاھیے، جو مغرب کے دار الضرب سے ڈھل کر آئیں' کیونکہ ان سب پر صدیوں کی اس آویزش کی چھاپ بہر حال موجود ھے۔

مصری معترض سے: موصوف نے جس نوعیت کے اعتراض کیے ھیں ان کی ایک ایک نکتہ چینی اس قابل ھے کہ اسلام پر مغربی علماء کے اسفار آنکھیں موند کر نہ پڑھے جائیں' مثلاً یہ اعتراض کہ ”راقم نے اپنی تصنیف میں اسلام اور عربی مصادر کو اساس قرار دینے

کا گنہ کیوں کیا"۔ بلا شبہ مجھے تسلیم ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا مگر اس معصیت کو کم کرنے کی نیت سے میں نے مستشرقین کے اسفار پر بھی نظر ڈال لی جیسا کہ اشاریہ میں ان کی تصانیف کا تذکرہ موجود ہے۔ البتہ مجھے اس اعتراض کے تسلیم سے انکار نہیں کہ میں نے عربی مصادر کو اساس اور اہل مغرب کے نوشتوں کو ثانوی درجہ دیا۔ خود مغربی ارباب تصنیف بھی تو اسلام پر تحقیقات میں قرآن اور عربی مصادر ہی کو بنیاد قرار دیتے ہیں؛ اور اس سے کسی مصنف کو مفر ہی نہیں کہ وہ سیرت نبی اکرم پر قلم اٹھانے کے مقصد پر قرآن کو اساس قرار نہ دے، خصوصاً جب کہ جدید علمی نہج پر تدوین مقصود ہو۔ یہی گنہ نول دیکی نے کیا؛ اسی معصیت میں جولد زہر آلودہ ہوا؛ یہی ارتکاب ٹیل سے ہوا۔ اسی طرح اسپرنگر اور میور نے رسول عربی کی سیرت نویسی میں سب سے پہلے قرآن مجید ہی کو سامنے رکھا۔

کہنا یہ ہے کہ نقد و تمحیص کا جو اسلوب مستشرقین نے اختیار کیا اسی نہج پر میں نے اپنی کتاب کی بنیاد رکھی جس میں نہ صرف اسلام کے مصادر بلکہ وہ مسیحی اسفار کتب بھی سامنے رکھے جو اسلام پر لکھتے ہوئے مستشرقین کے پیش نظر ہیں۔ البتہ میں نے مسیحی مصادر کی پڑتال جدید علمی تحقیق کے مطابق کرنے میں اغماض و تساہل سے کام نہیں لیا۔ یہ دفاتر وہ ہیں جنہیں مسیحی تلبیسات کا گھناؤنا تودہ کہیے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس پر اگر طعنہ دیا جاتا ہے کہ میں نے مستشرقین کے نتائج سے اتفاق کیوں نہیں کیا یا ان کی تحقیق کو بحث و نقد سے مستثنیٰ کیوں نہیں رہنے دیا تو ایسے معترضین کا کیا مداوا ہے۔

معترض ایسے علمی جمود کی دعوت میں مصروف ہیں جو عقل و فرزانگی سے مختلف اور ابتذال و رجعت پسندی کے موافق ہے، جس کی توثیق مستشرقین کی ہمت سے بھی باہر ہے۔ البتہ جسے علم میں جمود گوارا ہو سکتا ہے اس کے لیے دینی جمود گوارا کر لینا بھی آسان ہے، لیکن علم اور دین دونوں ایسے تاریخی مسائل ہیں کہ میں ان میں سے کسی ایک کے ساتھ جمود کا روادار نہیں اور اس باب میں اپنے اور دوسروں میں مجھے کوئی امتیاز نہیں۔

جس طرح میں اپنا حق سمجھتا ہوں کہ دوسرے اہل علم کی تحقیق پر اپنی تشفی کیے بغیر اکتفا نہ کروں، اسی طرح اپنی تحقیق پر دوسروں کا یہ استحقاق تسلیم کرتا ہوں کہ اگر نقد و بحث کے بعد میری تحقیق کو صحیح پائیں تو شرف قبول بخشیں ورنہ اسے ٹھکرا دیں۔ اس کے ساتھ مسئلہ زیر تنقید میں اپنی تحقیق پر عمل پیرا ہوں۔ یہ طریق عمل ان نوجوانوں اور ایسے حضرات کے لیے بجائے خود سود مند ہے جو (اسلام کے متعلق) صرف مستشرقین کی تحقیق پر تکیہ لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ راقم مولف نے کتاب کے دوران تالیف میں اسی پر عمل کیا جس میں اگر میں کامیاب ہوں تو عند اللہ ماجور ہوں اور اگر کسی بحث میں مجھ سے خطا ہوگئی ہو تو پاداش سے بری کیے جانے کا حق دار! بہر دو صورت میری نیت فتور سے پاک ہے۔

مستشرقین اور اصول دین: ہم نے کہا تھا کہ مستشرقین کی کج روی کا ایک باعث ان کا یہ جذبہ بھی ہے کہ اصول دین کو غلط ثابت کیا جائے۔ اس پر سب سے بڑی دلیل اس مسلمان مضمون نگار کا یہ مضمون ہے جس میں کھلے بندوں یہ کہا گیا ہے کہ قرآن بجائے خود ایسا معتمد وثیقہ نہیں جس میں تحریف و تغیر نہ ہو بلکہ اس میں نبی (صلعم)

کی وفات کے بعد تحریف کی گئی اور اس میں کئی ایسی آیات بڑھا دی گئیں جن سے دین اور سیاست میں رھبری مقصود سمجھی گئی - میں اس مسئله میں اپنے مصری معترض سے کیا معارضه کروں خصوصاً اس لیے که وه خود کو مسلمان بھی کہتا ھے اور جس اسلام کا وه مقر ھے وھی اس قرآن کے متعلق دعویٰ کرتا ھے که ''لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه''[1] (۴۱: ۴۲) -

معترض کے ان اعتراضات میں ان ''مخرب'' مستشرقین کی دسیسه کاری اپنا کام کر رھی ھے جو برملا کہتے ھیں که قرآن (حضرت) محمد کی اپنی تخلیق ھے جسے وه خود بھی وحیء خداوندی سمجھ کر اس پر ایمان لے آئے۔

لہٰذا میں اسی کے انداز اور زبان میں جواب دینا چاھتا ھوں کیونکه اس نے مسلمان ھونے کے باوجود تحقیق و تفحص کا وھی طریقه اختیار کیا ھے جو مستشرقین کا جانا بوجھا طریق ھے۔

مصری مقاله نگار کا یه تکیه مغرب کے ان محققین پر ھے جو برملا کہتے ھیں که قرآن مجید میں سورۂ صف کی آیت ''وَمُبَشِّرًا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد''[2] (۶۱: ۶) پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد بڑھا دی گئی تاکه حضرت محمد کی رسالت پر سابقه کتب مقدسه [تورات و انجیل] سے دلیل لائی جا سکے۔

کاش! تحقیق کے مدعی مستشرقین قرآن پر الزام عائد کرنے سے پہلے یه غور کر لیتے که حضرت محمد صلی اللہ وسلم کی تصدیق رسالت پر ان کے وه موجوده مقدس صحیفے تورات و انجیل بھی ناطق ھیں جنھیں یه حضرات (ارباب استشراق) خود بھی غیر محرف مانتے ھیں۔ اگر وه انصاف سے عاری نه ھوتے تو قرآن کو بھی تورات و انجیل کی طرح تحریف سے پاک سمجھتے، ورنه تسلیم کرنا پڑے گا که اگر قرآن اضافات و الحاق سے ملوث ھے تو تورات و انجیل کا دامن بھی تصحیف سے مبرا نہیں۔ اس لیے مستشرقین کا موجوده تورات و انجیل کو اس بارے میں قرآن کی تغییر کا مبنیٰ قرار دینا سراسر بے بنیاد ھے که رسول اللہ کی وفات

---

[1] - ''اس [قرآن] کے اندر باطل کے در آنے کی کوئی گنجائش نہیں'' [م] -

[2] - مستشرقین کے لیے که مذھباً مسیحی عقائد پر ھیں سورۂ صف کی آیت ما فی المتن (یاتی من بعدی اسمه احمد'') میں لفظ ''احمد'' بحر ناقابل عبور بن گیا جس سے انھوں نے رسول اللہ کی وفات کے بعد اسے الحاق آیت کہه کر اپنی سلامتی کے لیے دوسری طرف رخ پھیر لیا۔

اس (لفظ ''احمد'') کا پس منظر انجیل مقدس کی وه آیت ھے جس میں مسیح علیه السلام نے اپنے بعد آنے والے نبی کی پیشگوئی فرمائی جو انجیل کی اپنی زبان میں ''فارقلیط'' اور اس کے قدیم عربی ترجمه میں ''احمد'' ھے۔ اگر مسیحی مستشرقین اسی طرح تسلیم کر لیتے تو جس طرح ان کے نزدیک حضرت موسیٰ کے بعد جناب مسیح پر ایمان لانا ضروری تھا اسی طرح حضرت مسیح کے بعد ''احمد'' کو بھی نبی تسلیم کرنا لازم قرار پاتا، مگر ان کا ایسا تسلیم کر لینا اسلام کا اقرار کرنا تھا جس سے ان کی روح ابا کرتی ھے! قارئین کی سہولت کے لیے عرض گزار ھوں که ''فارقلیط'' یعنی ''احمد'' کی بحث سرسید مرحو کی کتاب ''الخطبات الاحمدیه'' کے دسویں خطبه میں ملاحظه فرمائیے [م] -

کے بعد صحابہ کرام نے قرآن میں آیت ''یاتی من بعدی اسمه احمد'' (٦١: ٦) اس لیے بڑھا لی تا کہ اس کی قوت سے مسلمان دینی اور سیاسی مفاد کو حاصل کر سکیں۔ ایسی تضاد بیانی سے علم و دانش کیوں نہ تبرا کریں!

تاریخی استدلال: کیا وہ صحابہ قرآن میں اضافہ کرنے کے لیے انجیل سے ایک آیت کی بھیک مانگتے جن کی سطوت نے چشم زدن میں قیصر و کسریٰ کو ان کے آبائی تخت سے دھکیل کر خود اس پر تسلط جما لیا، جن کے سامنے بے شمار ملکوں کے مسیحی باشندے بطیب خاطر صلیب کا پھندا گلے سے اتار کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، وہ صحابہ جنہوں نے عیسائیوں کے ساتھ دوسرے ملکوں کو بھی اپنا مطیع فرمان بنانے میں وقت کی طنابیں اپنے ہاتھ میں لے لیں؟ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسیحی ملکوں پر مسلمانوں کا سیاسی اقتدا علمی طور پر مستشرقین کے اس الزام کا بہترین رد ہے۔

صدر اول میں عیسائیوں پر مسلمانوں کا سیاسی عروج علمی اور تاریخی دونوں حیثیتوں سے ناقابل تردید ہے۔ بخلاف ازیں تورات و انجیل کی تقدیس اور قرآن کی تحریف ایسا دعویٰ ہے جس کی تائید کسی منطقی دلیل سے نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح ان دونوں کتابوں کے زو بیان سے قرآن میں اضافہ و تصحیف کے دعویٰ پر نہ تو تاریخ سے شہادت پیش کی جا سکتی ہے نہ عقل و دانش اس کی تائید کرتے ہیں۔

مستشرقین کی رائے در باب اضافہ قرآن: اس طبقہ میں دو گروہ ہیں:

(الف) وہ مدعیان اضافہ جو مذہباً مسیحی اور عادتاً نہایت متعصب، لیکن تعداد میں کم تر ہیں۔

(ب) مسلکاً عیسائی اور عدم اضافات کے مقر، لیکن تعداد میں اول الذکر گروہ سے بہت زیادہ ہیں۔

آخرالذکر طبقہ برملا کہتا ہے کہ آج جو قرآن ہمارے سامنے ہے حضرت محمدؐ نے اپنی زندگی میں یہی مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ ان علماء کو آیات اور سورتوں کی ترتیب میں ضرور کلام ہے مگر یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ البتہ جن مسلمان اہل قلم نے علوم قرآنی کی شرح و تفسیر پر قلم اٹھایا ہے انہوں نے ترتیب آیات اور سورتوں کی بحث کو بھی تشنہ نہیں رہنے دیا۔

اس موقعہ پر ہماری ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ ایسے مستشرقین کی تحقیق کا ملخص پیش کر دیا جائے جو مسئلہ ما بہ النزاع میں ہمارے مؤید ہیں کیونکہ مصری ناقد اور ان کے ہم خیال صرف مستشرقین ہی کے وسیلہ سے مطمئن ہو سکتے ہیں۔

اس نزاع میں سر ولیم میور نے اپنی تالیف ''حیات محمد'' میں جو کچھ لکھا ہے ان لوگوں کے لیے سرمایہ تسکین ہو سکے گا جو تحریف قرآنی میں تاریخ کے ساتھ اپنی ذات کو بھی بے انصافی سے مستثنیٰ نہیں رکھنا چاہتے۔ سر ولیم میور مستشرق ہونے کے باوجود مسیحیت کے اتنے بڑے پرچارک ہیں کہ اگر ان کا بس چلتا تو پورے عالم کے گلے میں صلیب لٹکا دیتے جیسا کہ ان کی تصانیف سے واضح ہے۔ جہاں تک ہو سکا میور نے اسلام اور بانیٔ اسلام پر حرف گیری کی گنجائش پیدا کرنے میں کاوش ترک نہیں کی۔ بایں ہمہ (ولیم میور) لکھتے ہیں:

''ارکان اسلام کی بنیاد اس 'مقدس وحی' پر مبنی ہے جس کا کوئی حصہ روزانہ کی ہر ایک نماز میں پڑھنا واجب ہے۔ نماز کے بعض ارکان میں اس 'مقدس وحی' کی تلاوت فرض

اور بعض میں سنت ہے اور صدر اول ہی سے مسلمانوں کا اس پر اجماع تھا جس کے احکام وہ اس ’مقدس وحی‘ سے مستنبط کرتے ہیں۔

’’اسی ضرورت (نماز میں قرآن پڑھنے) کے لیے صدر اول کا ہر ایک مسلمان قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کر لیتا جسے وہ اپنی زندگی کا گراں بہا سرمایہ متصور کرتا۔ عرب کے رہنے والوں کے لیے، جنھیں اشعار و انساب و روایات حفظ کر لینے کی جاہلیت سے عادت پڑی ہوئی تھی، قرآن کی آئتیں حفظ کر لینا اور بھی سہل تھا، اس لیے بھی کہ وہ نوشت و خواند کے طریقوں سے عموماً قاصر تھے۔ حضرت محمد کے ساتھی بھی ان صفات سے متصف تھے جنھیں قرآنی آیات ان کے محل نزول کے ساتھ اس طرح حفظ تھیں کہ وہ جب چاہتے تھے ان کا اعادہ بھی کر سکتے تھے۔

’’مگر ہم اہل عرب کی اس مافوق العادت قوت حافظہ کے باوجود تسلیم نہیں کر سکتے کہ اسی ایک طاقت کے بل بوتے پر پورا قرآن محفوظ رہ گیا، بلکہ ہمارے سامنے ایسے دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد کے اصحاب میں اکثر افراد نے اپنے پیغمبر کی زندگی ہی میں قرآن کی مکی متفرق سورتیں املا بھی کر رکھی تھیں جس کے مجموعہ میں تقریباً سارا قرآن سمٹ آیا۔

’’اور نبوت سے قبل اہل مکہ کا نوشت و خواند سے واقف ہونا بھی ثابت ہے۔ جنگ بدر میں مکہ والوں میں سے جو لوگ گرفتار ہو کر آئے ان میں سے کچھ ایسے مفلوک الحال اسیر بھی تھے جو اپنی رہائی کا فدیہ مال کی صورت میں ادا کرنے سے قاصر تھے مگر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ (حضرت) محمد (صلعم) نے مکہ کے ایسے اسیروں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ ان میں سے ہر شخص اتنے مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ ایسا ہی ہوا اور مسلمانوں کے بے شمار افراد نے ان سے نوشت و خواند سیکھ لی‘ کیونکہ اہل مدینہ تہذیب و تمدن میں مکہ والوں سے بہت پیچھے تھے، اگرچہ ان میں سے بھی اکثر افراد اسلام لانے سے قبل کتابت سے واقف تھے۔

’’یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ قرآن کی جو آئتیں اور سورتیں مسلمانوں کے حافظہ میں منقوش تھیں وہ کتابت کی شکل میں بھی مسطور ہوتی گئیں۔

’’پھر یہ بھی ثابت ہے کہ (قبائل) بدوی میں سے جو لوگ اسلام لاتے (حضرت) محمد ان کی تعلیم و رہبری کے لیے اپنے اصحاب میں سے ایک یا زیادہ اشخاص (بہ حسب ضرورت) ان قبائل میں بھجوا دیتے اور یہ بھی ثابت ہے کہ (حضرت) محمد کے مبلغین اپنے ہمراہ ایسی تحریریں بھی لے جاتے جن میں قواعد و اصول اسلام لکھے ہوتے۔ ظاہر ہے کہ ان مبلغین کی تحریری دستاویزوں میں قرآن بھی تحریری صورت میں ہی ہوتا‘ خصوصاً وہ آیات جو شعار اسلام کے لیے مختص ہیں اور وہ آئتیں بھی جن کا نماز میں دوہرانا ضروری ہے۔

’’قرآن خود بھی اپنی کتابت پر نص فرماتا ہے اور کتب سیرت میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے جیسا کہ (حضرت) عمر کے اسلام لانے کا واقعہ ہے کہ ان کی ہمشیرہ کی تحویل میں قرآن کی سورۂ طٰہٰ املا شدہ شکل میں موجود تھی اور (حضرت) عمر ہجرت سے تین یا چار سال قبل اسلام لائے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت سے قبل جب مسلمان تعداد میں بالکل قلیل اور مظلومیت کا بری طرح شکار تھے، قرآن کی املا پھر بھی ان میں رائج تھی۔ اس کی تسلیم میں کیا عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ (حضرت) محمد کے زمانۂ عروج و اقتدار میں انھوں نے قرآن کے متعدد نسخے کتابت نہ کرا لیے ہوں، خصوصاً جب کہ قرآن

ہی (حضرت) محمد کا قانون بھی تھا، اور ان اوراق کو اطراف و اکناف ملک میں نہ بھجوا دیا ہو۔

''حضرت محمد کی زندگی میں قرآن ان دونوں شکلوں میں موجود تھا اور ان کی رحلت کے ایک سال بعد تک اسی طرح رہا، یعنی:

(الف) حفاظ کے سینوں میں۔

(ب) مختلف لکھے ہوئے اجزاء میں۔

اور دن بدن ان دونوں طریقوں میں توسیع ہوتی گئی۔ پس کیونکر تسلیم کر لیا جائے کہ قرآن کی ان دونوں صورتوں (حفظ و تسطیر) میں تطابق نہ ہو جب کہ وہ (قرآن) (حضرت) محمد کا عزیز ترین سرمایہ تھا۔ مسلمان اپنے نبی کی زندگی میں خدا کا کلام سمجھتے کہ اگر کسی کو اس کے متن میں شبہ ہوتا تو فوراً رسول سے مراجعہ کیا جاتا جیسا کہ عمرو بن مسعود اور ابی بن کعب کا معاملہ ہے۔

''اور نبی کی رحلت کے بعد اگر صحابہ کا قرآن کی آیات میں اختلاف ہوتا تو وہ اس کا حل تین صورتوں سے کرتے:

(۱) کتابت شدہ اجزاء سے۔

(۲) اقرب الی الرسول صحابہ کے باہم مذاکرہ سے۔

(۳) کاتبین وحی سے مراجعہ کی صورت میں۔

''غزوۂ یمامہ جو حضرت ابوبکر کی خلافت کے آغاز ہی میں ہوا من جملہ دوسرے مسلمانوں کے بے شمار حفاظ قرآن شہید ہوگئے۔ یہ دیکھ کر عمر نے ابوبکر سے کہا 'مبادا بقیہ حفاظ (قرآن) کسی ایسے حادثہ سے جام شہادت نوش کر لیں ضروری ہے کہ آپ قرآن کو یک جا کرا دیں'۔

''ابوبکر نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے جو افراد (حضرت) محمد کی ہدایت کے مطابق کتابت وحی پر مامور تھے یک جا کیے اور زید بن ثابت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا 'آپ مرد عاقل اور نوجوان ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو آپ پر اعتماد ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آں حضرت کی ہدایت کے مطابق وحی الٰہی کی کتابت کرتے رہے ہیں۔ براہ کرم پورے قرآن کا تتبع فرما کر اسے یک جا کرا دیجیے گا'۔

''مگر زید یہ سن کر گھبرا اٹھے۔ انھیں خیال گزرا 'کیا یہ کام مجھے کرنا چاہیے اور کیا یہ مشروع ہے؟ کیونکہ رسول اللہ صلعم نے اس طریق سے تو اسے کرایا نہیں؟'

''لیکن ابوبکر اور عمر کے پیہم اصرار سے زید اس پر راضی ہوگئے اور انھوں نے یہ مہم اس طرح جاری کر دی کہ جس شخص کی تحویل میں جو جو اجزاء تھے ان سے لے کر یک جا کر لیے جن کی مندرجہ ذیل صورتیں تھیں:

(۱) کچھ املا کی صورت میں پتوں پر تھے۔

(۲) کچھ املا کی صورت میں سفید پتھر پر تھے۔

(۳) کچھ حفاظ کے سینوں میں تھے۔

اور بعض روایات کے مطابق

(۴ و ۵) چمڑے اور ہڈیوں پر لکھے ہوئے تھے۔

''زید نے ایک ایک تحریر کو سمیٹ لیا اور حفاظ قرآن کو اپنے گرد و پیش بٹھا کر دو یا تین سال میں یہی قرآن جو ہمارے ہاتھ میں ہے مرتب کر دیا۔

''یہی نسخہ اس ترتیب کے مطابق ہے جو زید لکھ کر (حضرت) محمد کے بالمواجہہ آپ کو سنایا کرتے۔

''زید کا مرتب کیا ہوا یہ نسخہ عمر نے حفاظت کی غرض سے اپنی صاحبزادی اور اپنے نبی کی بیوی (ام المومنین) حفصہ کی سپردگی میں دے دیا، تاآنکہ (حضرت) عمر نے زمام خلافت ہاتھ میں لی اور اسی نسخہ کو مدار صحت و اکمال قرار دیا۔

''البتہ (حضرت) زید کے جمع قرآن سے قبل چند آیتوں میں یا تو اختلاف قرأت یا نسخ کی وجہ سے تفاوت تھا جس سے بعض مسلمانوں کو خیال گزرا کہ قرآن تو ایک ہی ہے پھر یہ اختلاف کیوں ہے۔ حتیٰ کہ (حضرت عثمان کے عہد خلافت میں) جناب ابوحذیفہ آرمینیہ اور آذربائی جان کی لڑائی میں شریک ہوئے جہاں شام اور عراق کے مسلمان بعض آیات کی مختلف طریقوں سے قرأت کرتے۔ ابوحذیفہ اس اختلاف سے تلملا اٹھے اور عثمان سے درخواست کی کہ اس بارے میں مسلمانوں کی نگہداشت کیجیے مبادا وہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں تغیر و تبدل کا سبب بن جائیں۔ اس پر عثمان نے زید بن ثابت (کاتب وحی بعہد رسالت وجامع قرآن بہ عہد خلیفۂ اول) سے استمداد کی اور ان کی اعانت کے لیے قریش کے دو اور ارباب بصیرت کو مقرر فرما دیا۔ اس کے ساتھ ہی (ام المومنین حضرت) حفصہ کی تحویل میں جو نسخہ تھا آپ سے حاصل کرکے وہ بھی اس جماعت کے سپرد کر دیا۔

''اس نظر ثانی میں ان علمائے قریش نے مروجہ آیات اور قرائتوں میں سے ایک ایک آیت کا پہلے نسخہ سے مقابلہ کیا۔ جہاں (حضرت) زید اپنے دوسرے رفقاء سے مختلف ہوتے حق ترجیح آپ ہی کو حاصل ہوتا۔

''صرف قریش کو اس مہم پر مامور کرنے کا سبب یہ تھا کہ قرآن انہی کے لب و لہجہ میں نازل ہوا تھا، اگرچہ کہنے کو کہا جاتا ہے کہ قرآن سات قرائتوں[1] میں نازل ہوا۔

---

[1] سر سید مرحوم نے (''الخطبات الاحمدیہ'' میں بضمن عنوان ''نازل ہونا قرآن کا سات قرائتوں یا قرائت مختلفہ میں'') اس کی جو مناسب وضاحت کی ہے اسے مختصراً لکھا جاتا ہے:

اس دور میں عربی حروف پر نقطے نہ لگائے جاتے۔ عربی کے مضارع کے بعض صیغوں کے اول میں ت (تفعلون و تحکمون) آتی ہے اور بعض میں ی (یفعلون و یحکمون) تی ہے۔ نقطے نہ ہونے کی وجہ سے ان صیغوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اسی طرح مثلاً بعض حروف کے مخارج میں اختلاف تھا، جیسے اردو میں اہل پنجاب ق بھی ک کے مخرج سے ادا کرتے ہیں یعنی قول کو کول کر کے بولیں گے۔ اسی طرح بعض الفاظ کے حرف آخر کی اعرابی شکل میں بھی اختلاف تھا اور سب کو معلوم ہے کہ عربی لفظوں کا یہ اعراب ہر لفظ کے پہلے لفظ یا حرف کا نتیجہ ہو سکتا ہے، مثلاً واؤ ایسا حرف ہے جو اسم کو جر بھی دیتا ہے اور اسم پر کوئی اعرابی اثر نہیں بھی ڈالتا۔ اول الذکر حرف جر اور دوسرا حرف عاطفہ ہے۔ اس مسئلہ میں بحث پر عبور کے لیے سر سید ہی کی زبان سے ''خطبات الاحمدیہ'' میں پڑھ لیا جائے تو اردو دان طبقہ کے لیے زیادہ مفید ہو گا [م]۔

آخر (عہد عثمانی میں) قرآن پر پھر نظر ثانی ہوئی اور عثمان نے اس کی تکمیل کے بعد نسخہ٬ مصححہ کی کئی نقلیں کرا کے تمام ممالک محروسہ اسلام میں بھجوا دیں۔

"اس کے ساتھ ہی عثمان نے ان تمام نسخوں کو بھی جلوا دیا جو (حضرت) حفصہ کے نسخہ سے مختلف تھے تاکہ تعارض کا خدشہ نہ رہے۔[۱]

"آخری اعتراض عقل کے سراسر خلاف ہے٬ خصوصاً بنو امیہ اور دوستداران علی کے مناقشات پر نظر کرتے ہوئے کہ اتنے شدید اختلافات کے باوجود سب اسی قرآن پر متفق رہے جسے بعد میں لوگوں نے صحیفہ٬ عثمانی سے نامزد کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ آج تک تمام فرقے قرآن کی صیانت و عصمت پر متفق ہیں۔

"پھر (حضرت ابوبکر و جناب عثمان) دونوں عہدوں میں اسی قرآن پر اتفاق کیا گیا اور (حضرت) علی بھی موجود تھے مگر آپ نے کوئی معارضہ نہیں فرمایا۔

"آخر حضرت عثمان کے لیے تحرف (قرآنی) میں کون سے مفاد وابستہ تھے٬ خصوصاً جب کہ ایسے اقدام کی صورت میں انہیں مسلمانوں کی برہمی کا اندیشہ بھی ہو سکتا تھا۔

"پھر (حضرت) عثمان کے عہد میں جب قرآن پر نظر ثانی ہو کر اسے شائع کیا گیا تو ان مسلمانوں کی بھی کثیر تعداد موجود تھی جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں آن حضرت سے اسی طرح قرآن کو سنتے رہے جس طرح عثمان نے دوبارہ حضرت زید وغیرہم کو دکھا کر شائع کرایا اور ان صحابہ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

"اگر (حضرت) علی کی عصمت پر قرآن کی آئتیں نازل ہوئی ہوتیں جن پر خود (جناب) علی بر بنائے مصلحت خاموش ہوگئے تو لازم تھا کہ علی کے انصار و اصحاب ہی عثمان کی اس زیادتی پر فریاد کرتے۔

"پس! ہمارے (سر ولیم میور) ان ہر دو معارضات سے ثابت ہے کہ موجودہ قرآن سے کوئی ایسی آیت نظر انداز نہیں کی گئی جو (حضرت) علی کی عصمت پر دال ہو۔

"جب عثمان کی وفات کے بعد علی کی بیعت ہوئی جو (حضرت) علی کے غلبہ کی بین دلیل ہے کیا عقل باور کر سکتی ہے کہ اصحاب علی ناقص قرآن پر صبر کر لیتے اور ناقص بھی ایسا جس سے ان کے امام (علی) کی فضیلت کی آیات قلم زن کر دی گئی ہوں؟ آخر محبان علی ایسے قرآن پر کیوں متفق ہوگئے جو ان کا مخالف اور ان کے پیشواؤں کے مقاصد بیان کرنے میں ناقص رہ چکا تھا؟ بلکہ اصحاب علی اسی قرآن کو دینی دستاویز سمجھ کر پڑھتے جیسے ان کے مخالف پڑھتے اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرتے۔ نہ صرف یہ بلکہ (حضرت) علی نے اپنے عہد امارت میں اسی قرآن کے پھیلانے کا فرمان جاری

۲- (الف) یہ واقعہ "صحیح بخاری کتاب" ابواب فضائل القرآن کے باب 'جمع القرآن' میں تقریباً اسی طرح منقول ہے الا یہ کہ (۱) حضرت عثمان نے زید کی اعانت کی٬ (۲) قریش کا تقرر فرمایا٬ (۳) ان کے اسمائے مبارک جناب عبداللہ بن زبیر و سعید بن العاص و عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام ہیں [م]۔

(ب) حضرت ابوحذیفہ سے لے کر آخر تک یہ واقعات مزید شرح و بسط کے ساتھ "شمس التواریخ" جلد ۴ مؤلفہ حکیم محمد مظہرالحق مطبوعہ آگرہ کے دو مقامات پر منقول ہیں (زیر عنوان "جمع قرآن" (۲) بہ عنوان "طعن یازدھم متعلق بہ قرآن مجید متضمن بر مباحث متعددہ" [م]۔

کیا اور اس کے متعدد نسخے نزدیک اور دور بھجوائے حتی کہ خود بھی اپنے قلم سے اسے بارہا لکھا۔

''البتہ یہ اعتراض صحیح ہے کہ (حضرت) عثمان نے اپنے مجمع علیہ نسخہ کے سوا دوسرے تمام مصاحف تلف کر دینے کا حکم دیا جسے بے انصافی کہا جا سکتا ہے؛ لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ اس دور میں کسی نے عثمان پر یہ الزام نہیں لگایا کہ انہوں نے قرآن میں تحریف و تصحیف کی ہے؟ اگر حقیقت میں عثمان ایسا ہی کرتے تو یہ راز ضرور آشکار ہو کر رہتا؛ مگر عثمان پر یہ اتہام متاخرین شیعہ نے اپنے اغراض کے لیے وضع کر لیا۔

''بنا بریں ہم پوری طمانیت کے ساتھ کہ سکتے ہیں کہ مصحف عثمان اور زید بن ثابت کے اس نسخہ میں اصلاً تعارض نہ تھا جس میں زید نے قرأت کی مختلف صورتوں میں سے صرف قریش کے لہجہ کو ملحوظ رکھا۔ اس کے بعد ایک سوال اور قابل حل رہ جاتا ہے: کیا زید کا مرتبہ قرآن بعینہ وہی تھا جو (حضرت) محمد (صلعم) پر بصورت وحی نازل ہوا؟ اس کا مفصل جواب آگے آنے والی چار صورتوں میں ہے کہ زید کا مدونہ نسخہ اس حد تک ضرور صحیح ہے جس حد تک اکمال و صحت دونوں کا امکان ہو سکتا ہے۔

''صورت اول: زید نے یہ نسخہ ابوبکر کی نگرانی میں مرتب کیا اور ابوبکر (جناب) محمد (صلعم) کے ایسے مخلص پیرو تھے جن کا ایمان یہ تھا:

(الف) قرآن آسمان سے نازل شدہ مقدس کلام ہے۔

(ب) وہ نبی (پاک) کے عہد رسالت میں مسلسل بیس سال شب و روز ان کی 'معیت، میں رہے۔

(ج) انہوں نے اپنے دور خلافت میں بے طمع سادگی اور امت کی اصلاح و بہبود کے لیے پر اسرار حکمت سے اپنا منصب سر انجام دیا۔

''یہ ایسی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ان کے قرآن جمع کرانے میں ان پر کسی بدگمانی کا امکان نہیں ہو سکتا۔ ابوبکر صدق ایمان سے جانتے تھے کہ قرآن خداوند عالم کی طرف سے ان کے پیغمبر پر وحی کی صورت میں نازل ہوا۔ ان کا یہ عقیدہ محرک تھا کہ وہ قرآن کے جمع و ترتیب و اکمال اور صحت پر پوری توجہ دیتے۔ یہی عقیدہ (حضرت) عمر کا تھا اور اسی کے مطابق قرآن (موجودہ صورت میں) مدون ہوا۔ جس عہد میں قرآن مدون ہوا اس عہد کے ہر مسلمان کا یہی ایمان تھا۔ جن مسلمانوں نے کاتبین وحی (حضرت زید بن ثابت و غیرہم) کی امداد ہر اس شکل میں کی جو ان کے قبضۂ اختیار میں تھی کہ جن حضرات کو صرف زبانی (قرآن) یاد تھا انہوں نے مذکورہ مجلس میں حاضر ہو کر اسی طرح انہیں سنا دیا؛ جن کی تحویل میں ہڈیوں یا درخت کے پتوں پر جو آیات لکھی ہوئی تھیں انہوں نے وہ ٹکڑے اسی طرح زید کے سامنے رکھ دیے۔ ابوبکر کی طرح یہ مسلمان بھی اپنے دلوں میں پوری رغبت لیے ہوئے تھے کہ ان کے سامنے نبی (صلوات اللہ علیہ) نے جو کچھ وحی الٰہی بتا کر پڑھا ہے اس کے اظہار میں کمی بیشی نہ ہونے پائے۔ ان کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ ہو چکا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز قرآن کے ہم پلہ نہیں؛ کیونکہ وہ اسے صدق دل سے خدا کا مقدس کلام سمجھتے تھے۔

''پھر جب یہی قرآن ایسے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے جو خدا پر افتراء باندھیں تو قرآن کو وحی الٰہی تسلیم کرنے والے لوگ اس میں کمی بیشی کی جرأت کیسے کر سکتے تھے! ایسا کرنا تو ایمان کی نفی ہے۔

''صورت دوم: (حضرت) محمد کی وفات سے دو یا تین سال بعد قرآن کے انہی قاریوں کو خلفائے اربعہ قومی سرمایہ سمجھتے اور انہیں ممالک محروسہ اسلام میں اقامت دین و تبلیغ کے لیے بھیجتے - کیا عہد نبوی کے ان حفاظ قرآن اور زید بن ثابت کے درمیان جمع قرآن کے مقصد میں کوئی واسطہ نہ رہا ہوگا؟ یہ ایسے واقعات ہیں جن سے نہ صرف مسلمانوں میں سے ہر فرد کی بے غرضی اور خلوص واضح ہوتا ہے بلکہ تمام ایسے وسائل و ذرائع ان کے قبضہ میں تھے جن سے انہوں نے اپنی کتاب پوری صحت و تکمیل کے ساتھ مرتب کرلی -

''صورت سوم: قرآن کی صحت و اکمال ہر دو صفات کے متعلق ہمارے سامنے یہ دلیل بھی ہے کہ (حضرت) محمد (صلعم) کے پیروؤں نے اپنے نبی کی زندگی میں قرآن کے کسی نہ کسی حصہ کی املا کر لی تھی جس کی دوسری نقلیں ایک دوسرے مسلمان کے پاس ہونا قابل تسلیم ہے - گمان غالب ہے کہ اس دور کے جو مسلمان نوشت و خواند سے واقف تھے ان کے سامنے قرآن کے یہ تحریری اجزاء ضرور رہے ہوں گے -

''اس دلیل کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن کے ایسے اجزاء زید بن ثابت کے جمع کردہ نسخہ میں ضرور شامل ہوئے ہوں گے - پس ظاہر ہے کہ زید کا مرتبہ نسخہ اس دور میں قرآن لکھنے اور پڑھنے والوں کے دلوں پر منقش اور مادی چیزوں مثلاً ہڈیوں اور درختوں کے پتوں وغیرہ پر پہلے سے لکھا ہوا تھا - یہی وجہ ہے کہ ان کے مرتبہ نسخہ پر اس دور کے جاننے اور پڑھنے والوں نے پورا اتفاق کیا حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس قرآن کا کوئی لکھا ہوا جزو رہ بھی گیا تو اس نے یہ دیکھ کر کہ وہ قرآن میں شامل ہو چکا ہے اس کی جگہ زید ہی کا جمع کردہ نسخہ قابل وثوق سمجھا - صحابہ (کرام) میں سے کسی شخص نے یہ نہیں کہا کہ زید اور اس کے رفقائے جامعین نے قرآن کے فلاں ٹکڑے یا اس آیت اور لفظ کو جو ہمارے پاس محفوظ ہے نظر انداز کر دیا ہے - نہ صرف یہ بلکہ صحابہ میں سے کسی نے زید کے مرتبہ قرآن سے کوئی اختلاف نہ کیا - اگر اختلاف ہوتا تو احادیث کی ان کتابوں میں یہ تذکرہ بھی ضرور مل سکتا جن میں (حضرت) محمد کے ایسے اقوال و افعال تک کی حکایت موجود ہے جن کا تعلق زیادہ اہم امور سے نہیں ہے -

''صورت چہارم: قرآن کی ترتیب خود اس کی شاہد ہے کہ جامعین نے اس میں پوری دقت نظر کا لحاظ رکھا - اس کی مختلف سورتیں اس سادگی سے ایک دوسری کے ساتھ مربوط کر دی گئیں جن کی ترتیب دیکھ کر کسی تصنیفاتی تکلف کا شائبہ تک نہیں ملتا - یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ جامعین قرآن میں تصنیف کی شوخی سے زیادہ ایمان و اخلاص کا جذبہ کارفرما تھا اور اسی ایمان کے ولولہ میں وہ نہ صرف سورتوں بلکہ آیتوں کی ترتیب میں بھی تصنع سے اپنا دامن بچاتے ہوئے نکل گئے -

''نتیجہ: ہم پورے شرح صدر کے ساتھ کہ سکتے ہیں کہ عہد عثمان میں زید بن ثابت نے قرآن کی جس صورت میں نظر ثانی کی وہ نہ صرف حرفاً حرفاً صحیح ہے بلکہ اس کے جمع کرنے کے موقعہ پر جو اتفاقات یک جا ہوتے گئے ان کی رو سے بھی یہ نسخہ اس قدر صحیح ہے کہ نہ تو اس میں سے کوئی آیت وحی اوجھل ہو سکی اور نہ جانبین نے از خود کسی آیت کو قلم انداز کیا -

''پس یہی قرآن ہے جسے (حضرت) محمد (صلوات اللہ علیہ) نے پوری دیانت و امانت کے ساتھ دوسروں کو سنایا[1]'' -

---

[1] - از کتاب ''حیات محمد'' مولفہ سر ولیم میور، صفحہ ۱۳ تا ۲۹ -

سر ولیم میور کی تالیف ''حیات محمد'' کا طویل ٹکڑا نقل کر دینے کے بعد ہم ان مستشرقین کی رائے نقل کرنے سے مستغنی ہو چکے ہیں جنھوں نے قرآن کی صیانت و اکمال کے متعلق میور ہی کی تائید کی ہے، ازاں جملہ پادری لامنس اور ون ہامر ہیں جن میں ایک ایک مولف قطعیت کے ساتھ مصدق ہے کہ یہی قرآن ہے جسے (حضرت) محمد نے اپنے رب کی ''وحی صادقہ'' سمجھ کر دوسروں کو سنایا۔

البتہ ان مسیحی مستشرقین کی قلیل تعداد ایسی بھی ہے جو قرآن کی تحریف پر تو مائل ہے لیکن ان لوگوں کے پاس سر ولیم میور اور ان کے سوا دوسرے کثیر التعداد مستشرقین کے دلائل کا کوئی جواب نہیں جو انھوں نے تاریخ اسلام اور مسلمان علماء کے ذریعے حاصل کیے۔

اسلام پر اپنوں کا الزام: ان لوگوں کی کج کا کیا مداوا کیجیے جو اسلام اور ''صاحب رسالت اسلامیہ'' کے خلاف دلی کینہ سے بے بس ہو کر ایسے اتہام لگانے میں پیش پیش ہیں جو نہ علمی تحقیق کے زور سے یہ ارتکاب کر سکتے ہیں اور نہ اپنے ان بے تحقیق نظریوں سے عام مسلمانوں ہی کو فریب میں لاسکتے ہیں، ماسوائے ان چند بے راہ رو مسلمان نوجوانوں کے جنھوں نے یہ گرہ باندھ رکھی ہے کہ تحقیق جدید کو اس ڈھب پر لانا چاہیے جس سے اپنے قدیم مسلمات کا آسانی سے انکار ہو سکے، وہ بھی محض فرضی دلائل اور دور از کار اوہام کی سرپرستی میں جن کے بل بوتے پر وہ دیدہ دلیری کے ساتھ اسلام پر ایسی تہمتیں تراش لیتے ہیں جن پر علم اور تاریخ سر پیٹ لیں۔

مسلمان علماء کی توثیق پر غیروں کی رائے: قرآن کی صیانت و اکمال پر سر ولیم میور اور دوسرے مستشرقین کی بجائے تاریخ اسلام اور مسلمان ارباب علم کے استدلال بھی پیش کیے جا سکتے ہیں مگر اس بارے میں ہم نے ان کی بجائے ایک مستشرق کو اس لیے پیش کیا ہے کہ ہمارے عالم نوجوان مسئلہ، زیر بحث میں ان علمائے مغرب کی تحقیق سے تسکین حاصل کر سکیں جن کی رائے کو وہ بلا چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں، اگرچہ ہر مسئلہ میں دقت نظر اور حسن نیت کے ساتھ حقیقت تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اہل تحقیق اس ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتے کہ ہر قسم کے اغراض و مفاد سے علیحدہ ہوکر اس راہ میں گامزن ہوں تاکہ خارجی اثرات کے بغیر منزل مقصود پر پہنچا جا سکے۔ سو مستشرقین کبھی تو اس راہ میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کبھی ادھر ادھر بھٹک کر نشان منزل کھو بیٹھتے ہیں، خصوصاً ایسے مسائل جن کا تعلق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہے اور جنھیں ہم نے اپنی اس کتاب میں پوری دقت نظر سے واضح کیا ہے۔

اس مقام پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ محقق کو خود کسی بحث میں نفیاً یا اثباتاً اس حدتک مطمئن ہو جانا چاہیے کہ اسے اپنی تحقیق پر کوئی شبہ نہ رہے۔ یہی ایک مورخ کا بھی علمی فریضہ ہے کہ دوسرے علوم و فنون میں جس طرح تحقیق کا دامن پھیلانا واجب ہے اسی طرح وہ بھی امر واقعہ کی تنقیح و تمحیص میں تمام اطراف و جوانب پر نظر ڈال کر ایک رائے اختیار کر لے۔ اس معاملہ میں مستشرقین کی تالیفات کے ساتھ خود علمائے اسلام کی تصانیف بھی شامل ہیں، عام اس سے کہ وہ طب و ہیئت اور کیمیا (وغیرہ) کسی عنوان پر کیوں نہ ہوں۔ ارباب نقد کا فرض ہے کہ ان دونوں طبقوں میں جس فریق کی تحقیق میں جو نقص نظر آئے اس کے اظہار میں کوتاہی نہ کریں اور پیش نظر بحث کے مصدقہ مسائل کی تصدیق میں تامل نہ ہونے پائے۔

یہی طریق بحث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر غور کرنے پر مجبور کرتا ہے نہ یہ کہ مورخ ناقلِ محض ہونے کے سوا اور کچھ نہیں، بلکہ مورخ پر نقل کے ساتھ تنقید کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے تاکہ اس (نقد) کی قوت سے حقیقت منکشف ہو سکے کیونکہ تمحیص کا مدار تنقید پر ہے اور علم و معرفت کا عرفان نقد و بحث سے حاصل ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید کی صحت و تکمیل پر جو کچھ ہم نے سر ولیم میور کے حوالے سے نقل کیا اس کے بعد ہمارا یہ خیال ہے کہ ہم ہر طرح کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے ہیں اور اس میں اس مصری مسلمان کے اس انداز کے اعتراضات کا جواب آگیا ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے یا یہ کہ آں حضرت صلعم کا اسم مبارک ''قثم'' یا ''قثامہ'' تھا۔ الزام کی یہ نوعیت ہوائے نفس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

مصری نوجوان کا جواب: اب ہم مصری مسلمان کا خلجان دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس دوسرے نقطہ کو ہدف تنقید ٹھہراتے ہیں جس میں موصوف مستشرقین کی زبان میں یوں رقم طراز ہیں: ''آں حضرت جن باتوں کو وحی بتا کر اپنے مسلمان پیروؤں کی ہدایت کرتے وہ دراصل ان کے مرض صرع کا کرشمہ تھا جس کے دورہ سے وہ لرزنے لگتے اور منہ سے جھاگ اگلنا شروع کر دیتے لیکن ہوش میں آنے کے بعد وحی خداوندی کے نام سے کلام پیش کرتے حالانکہ یہ سب مرض صرع کا اثر و نتیجہ تھا''۔

صرع اور وحی کے اثرات میں فرق: حضرت محمد صلعم پر وحی کی کیفیتوں کو صرع سے تعبیر کرنا علمی طور پر نابکارانہ خطا ہے کہ اگر صرع کے حملہ میں مریض کے ذہن میں کچھ آتا بھی ہے تو وہ اسے ہوش میں آنے کے ساتھ قطعاً بھلا بیٹھتا ہے۔ اس دوران میں کوئی بات مصروع کی زبان پر آتی ہی نہیں اس لیے کہ اثنائے حادثہ میں اس کا شعور و فکر بالکل معطل ہو جاتا ہے جیسا کہ صرع کی علمی تحقیقات سے ثابت ہوا۔ صرع کو نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ورود وحی سے کوئی مشابہت نہیں۔ برعکس ازیں وحی کے دوران میں آں حضرت کی قوت مدرکہ جس طرح بیدار رہتی دوسرے انسانوں کے اندر کسی عالم میں اس کے شائبہ تک کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نبی صلعم کے ذہن میں وحی کے تمام واردات پوری طرح محفوظ رہتے، بعد میں آپ جن کا بیان اپنے اصحاب کے سامنے فرماتے۔ یہ ہے وحی الٰہی جو رسول اللہ پر نازل ہوتی۔

پھر نزول وحی کے ہر موقعہ پر غنودگی لازم ہی تو نہ تھی بلکہ بعض اوقات بالکل بیداری اور معمولی حالات میں بھی اس کا نزول ہوتا، جیسا کہ سورۂ فتح کا ماجرا ہے جس کا تذکرہ ہم شروع میں کر چکے ہیں جو حدیبیہ کی قرارداد صلح کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب کہ آں حضرت صلوات اللہ علیہ اپنے مسلمان ہمراہیوں کے ساتھ مراجعت فرمائے مدینہ منورہ ہو رہے تھے۔

وحی خداوندی کے متذکرۃ الصدر اثرات کی بنا پر حضرت محمد صلعم کا دامن ان الزامات سے قطعاً مبرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ افتراء بھی ان چند کور چشم مستشرقین نے وضع کر لیا جو ہر قیمت پر حقیقت کو چھپانا چاہتے ہیں تاکہ اس فریب سے مسلمانوں کے دلوں میں نبی عربی کی وقعت کم ہو جائے اور منزل من اللہ وحی کی شان میں یہ عیب لگا کر وہ کامیابی حاصل کر سکیں کہ حضرت محمد نے جسے وحی الٰہی بتایا ہے وہ صرع کا کرشمہ ہے! افسوس! علم کی یہ توہین کہ وحی الٰہی کو صرع سے ملتبس دکھایا جائے!

گروہ کے رہبران مغرب اگر نیک نیت ہوتے تو ایسی بات زبان ہی پر نہ لاتے جو

علم کے سراسر خلاف ہے- یہ عیاری اس لیے کی گئی کہ عوام جو صرع کے اسباب و نتائج دونوں سے بے خبر ہیں ہمارے منہ سے نکلی ہوئی بات اس لیے صحیح سمجھ لیں گے کہ وہ ہمیں پہلے سے استاد محقق مان چکے ہیں- ہمارے کہنے کے بعد انہیں اطباء و کتب طب کی طرف رجوع کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی۔

ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ خوش اعتقاد اگر تحقیق کے خوگر ہوتے تو خود مرشدان مغرب کی ان عیاریوں کا پردہ چاک کرکے کہتے کہ روحانی نشاط اور عقلی اہزاز کی کیفیتیں صرع کے عالم میں بالکل پردۂ اختفاء میں رہتی ہیں اور مصروع کو اس طرح بے اختیار اور بے بس کر دیتی ہیں کہ گویا وہ مرض کے ہاتھوں کٹھ پتلی ہے- اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر حملہ شدید ہے تو دوسروں کی اذیت رسانی میں مصروف ہو جاتا ہے‘ خود اسے احساس نہیں رہتا کہ وہ کیا کر رہا ہے‘ نہ حملہ کے وقت اور نہ ہوش میں آنے کے بعد! جیسا کہ نیند کے ماتے جنہیں بیدار ہونے کے بعد نیند کی حالت میں سرزد شدہ نقل و حرکت یا کلام کسی کا تصور نہیں رہتا۔

لیکن وحی کا کیف و کم صرع و نیند دونوں سے مختلف ہے- اس سے یک سو ہو جانے کے بعد اثنائے وحی کی ہر کیفیت ذہن و قلب پر پوری طرح منقش رہی آتی ہے اور اس لیے منقش رہی آتی ہے کہ صاحب وحی کو ان واردات کا ابلاغ ایسے اشخاص سے کرنا ہے جنہیں ان کیفیات سے براہ راست کوئی واسطہ نہیں۔

مرگی (صرع) انسانی ادراک و شعور کو معطل کرکے مریض سے وہ مُقام بھی چھین لیتی ہے جس پر وہ حملہ سے قبل جاگزین تھا، مگر وحی— انسانی روح کا وہ بلند مقام ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے صرف انبیاء کو چن لیا، جنہیں اس غرض سے فائز کیا گیا کہ وحی کے ذریعہ حاصل شدہ یقینی حقائق کو دوسروں تک پہنچا سکیں، جن کے بعض اجزاء تو ایسے ہیں کہ صدیوں کی علمی کاوش سے ان کی کنہ و حقیقت کا سراغ مل جاتا ہے اور کچھ ایسے ہیں کہ قیامت تک ان کی گرہیں کھلنے والی نہیں‘ تاہم یہ ایسے حقائق ہیں جن سے صاحب ایمان حضرات تو لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں، مگر جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے وہ کیونکر فیض یاب ہو سکتے ہیں؟

اگر مستشرقین وحی کے متعلق یہ عذر پیش کریں کہ ”اب تک کوئی ایسا مسئلہ ہمارے سامنے نہیں آیا اس لیے ہم علمی طور پر وحی کے تجزیہ سے قاصر ہیں“ تو ان کی توجیہ کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ جس طرح علم کے بعض اور اجزاء و افراد ابھی تک تشنۂ تحقیق ہیں اسی طرح وحی کے تجزیہ میں بھی کچھ اور وقت درکار ہوگا۔ اس صورت میں علم کو کسی الزام کا مورد نہیں ٹھہرایا جا سکتا، خصوصاً جب کہ دن رات کے مشاہدات اور دنیا جہان کے یہ موجودات ہر لمحہ ہمارے سامنے ہیں- ان کی ماہیت کے چہرے سے ابھی تک پردہ نہیں ہٹایا جا سکا، مثلاً سورج، چاند، ستارے اور آسمان! جن کی ماہیت پر دفتر کے دفتر لکھے جا چکے ہیں مگر اس پر بھی ان (کروں) کے متعلق یہ انکشافات ذہنی اور فرضی نتائج کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتے، حالانکہ ہم آسمان کو برأی العین دیکھ رہے ہیں اور اب تو دوربین کی مدد سے اس کے بعض مخفیات بھی دیکھنے میں آنے لگے ہیں۔

اسی طرح جو ایجادیں ایک صدی پیشتر محض ہمارے متخیلہ میں پنہاں تھیں آج وہ محسوس شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں مگر ایسے مسائل پر کیا روش اختیار کی جائے جن کا تعلق محض وجدان سے ہو اور ابھی تک اہل علم ان کی کشف حقیقت میں سرگردان

رہ کر یہ اعتراف کرتے ہوں کہ ان کا تجزیہ قطعیت کے قریب ہے کہ نہیں ہو سکتا ۔

علمائے تحقیق کی تصانیف میں اس قدر مطالعہ کا ہمیں ضرور اتفاق ہوا ہے کہ وہ وحی کے انکشاف کے قریب پہنچ کر پھر یہ اعتراف کر اٹھے کہ علمی طور پر اس مسئلہ کا تجزیہ نہیں ہو سکتا ۔

لیکن وحی کے تجزیہ پر اہل تحقیق کا اعتراف بھی اسی قسم کا عجز ہے جو ابھی تک بے شمار مادیات کی ماہیت کے متعلق ان کا گلوگیر ہے ! پس اگر ہم اسی طرح زندگی کے ایک ایک جزو کا تجزیہ کرنے میں ڈوبے رہیں تو علمی طور پر اس محنت کا نتیجہ نامرادی کے سوا کچھ نہ ہو گا !

وحی کا تجزیہ موجودہ آلات سے نہیں ہوسکتا: حضرت محمد صلعم پر نزول وحی کے زمانہ میں جو مسلمان موجود تھے جب کوئی آیت قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر نازل ہوتی تو ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوتا ۔ اس دور کے مسلمانوں میں بعض افراد نہایت دیدہ ور اور صاحب فراست بھی تھے ۔ یہو و نصاریٰ میں سے بھی کچھ ایسے علماء مسلمان ہو چکے تھے جو ایمان لانے سے قبل پیغمبر اسلام کے ساتھ مناظرہ کرتے رہتے ، مگر مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے بھی قرآن کے وحی ہونے سے انکار کا دامن نہیں چھوا ۔ ابتدا میں قریش کے جو افراد آں حضرت صلعم کو ساحر اور دیوانہ بتاتے ، آخر اپنے کیے پر نادم ہوکر دین محمدی کے پیرو ہوگئے اور وحی الٰہی پر تسلیم و رضا کے خلاف ان کی زبان سے کوئی کلمہ نہیں نکلا ۔ ان تمام صورتوں کی موجودگی میں علم گوارا نہیں کر سکتا کہ وحی کو اس کی اصلیت سے ہٹا کر کسی اور نام سے موسوم کرے یا حضرت محمد کو رسالت کے بلند ترین مقام سے اتار کر کسی اور جگہ بٹھائے ۔

جس نیک نہاد مصنف کا مقصد حقیقت کی جستجو ہو وہ اسی قدر کہ سکتا ہے کہ علم جس طریق سے مادیات کی تحلیل کر سکتا ہے اس انداز سے وحی کا تجزیہ نہیں کر سکتا ۔ علم میں یہ قدرت نہیں کہ وحی کی جو صفت اصحاب نبی صلعم نے متعین کی اور جو مرتبہ اسے صدر اول کے کاتبین قرآن نے دیا اس سے سرمو انکار کر سکے ، لیکن جو شخص وحی کا منکر اور اپنے انکار کو علم و تحقیق کی آڑ میں غلط وسائل سے کام لینے پر مائل ہو ، اس کے دروغ گو ہونے میں کیا شبہ ہے کیونکہ علم اور دروغ دونوں یک جا تو نہیں سما سکتے ؟

حاسدان اسلام کے آں حضرت صلعم پر طعن کی وجہ: حاسدان اسلام کا یہ پیچ و تاب کہ اسلام کی بجائے بانئ اسلام کی ذات پر حرف گیری کر اٹھے اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام کی سر بلندی اور اس کے اصول کی سادگی اور ہمہ گیری کی وجہ سے وہ دین کے حصار میں نقب زنی نہ کر سکتے تھے ۔ اس لیے انھوں نے دھوکے باز حریف کی طرح ادھر سے کاوا لے کر آں حضرت کی طرف رخ پھیر لیا جو ایک کمزور مقابل حریف کا حربہ ہے ، نہ صرف ارباب علم کی شان کے منافی بلکہ طبعی انسانی دستور کے بھی خلاف ۔ انسانی جبلت کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ وہ اپنی ایسی منفعت کو مقدم سمجھے جو اس کے لیے خیر و برکت کا اندوختہ ہو سکے ، نہ یہ کہ جو شے اس کے نفع کے لیے کارآمد ثابت ہو رہی ہے اس کا منبع اور وسیلہ تلاش کرنے میں درد سر مول لے بیٹھے ، مثلاً کسی نے درخت پر پھل لگا دیکھا ۔ اسے پھل پسند آ گیا ۔ اب وہ پھل حاصل کرنے کی بجائے درخت تو زمین پر نہ گرائے گا تاکہ اس کے ریشوں سے پھل کے ذائقہ کی مناسبت معلوم کر سکے ۔ یہی مثال افلاطون اور اس کے فلسفہ ، شیکسپیر اور اس کے فن ڈرامہ اور رفائیل اور اس کی صنعت و حرفت کے کمال میں

پیش کی جا سکتی ہے کہ اگر آپ لوگ مذکورہ علما و اہل فن جن کے کمالات انسانیت کے شرف و بزرگی میں رہبری کا ذریعہ ثابت ہو چکے ہیں کی ذات پر حرف گیری کا اقدام نہیں کرتے اس لیے کہ مصنف یا موجد کا ذاتی نقص اس کی تصنیف و ایجاد میں طعن کا سبب نہیں اور اگر کوئی نکتہ چین یہ دلیری کر بیٹھے تو اپنے مقصود تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا ' الا یہ کہ ایسا حاسد اپنی ساکھ خود کھو بیٹھتا ہے ' اسی طرح ذاتی کینہ تحقیق کے غلاف میں لپیٹ کر دوسروں کے سامنے لانے کا نتیجہ ہے ' جس سے وہ حقیقت کو معدوم کرنا چاہتا ہے ' حقیقت میں یہ استعداد بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ اپنے خلاف حسد کا پردہ چاک کر کے صاف جلوہ فرما ہو جاتی ہے۔

دوستو ' اسی قسم کا حسد کار فرما ہے ایسے مستشرقین کے دل میں جو نبی عربی خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہ کی ذات پر بے محابا زبان کھولے بیٹھے ہیں مگر ایسی مقدس ہستی پر اس قسم کے زبان دراز طائفہ کی بات پر کون اعتبار کرے گا ؟

مصری دریوزہ گر مستشرقین کے بعد: اس کے اعتراضات کا مصدر مغربی حاسدان اسلام ہیں جن کے مطاعن کا اصولی جواب ہم نے پیش کر دیا۔ اب ان مسلمان دیدہ وروں کے رفع خلجان کا مداوا پیش نظر ہے جو علوم دینیہ کی تدریس و تلقین میں مصروف ہیں اور اس مہارست کے زعم میں انہوں نے کتاب ''حیات محمد،، کے پہلے ایڈیشن پر تعاقب کا فریضہ ادا کیا۔

ہمیں امید ہے اس طرح کی دریدہ دہنی اور الزامات کا اعادہ اب نہیں ہوگا۔ ہم مانتے ہیں کہ ان مستشرقین نے محض عیسائی دنیا کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے ایسے الزامات تراشے ' مگر آج جب کہ ایک طرف ریڈیو نے تمام روئے زمین کو اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے ' دوسری طرف صحافت اور پریس کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ امریکہ و یورپ میں شائع ہوا ذرا دیر میں مشرق کے چپہ چپہ پر پہنچ گیا ' ان دونوں ملکوں کے لکھنے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لکھنے سے پہلے اپنے دلوں کو ٹٹول لیا کریں اور جب لکھیں تو قومی اور دلی تعصبات سے بالا ہو کر لکھیں کہ ان کے تعصب اور غلط گوئی سے وہ لوگ ان کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے جو خود بھی تحقیق سے بہرہ ور ہیں اور ایسے لوگ دنیا کے ہر خطہ میں موجود ہیں۔ ہر مصنف کا فرض ہے کہ وطنیت اور مذہب و مسلک کی عصبیت سے دامن بچا کر لکھے تاکہ بنی نوع آدم کے درمیان رشتہ ' محبت استوار رہے جو انسانیت کے لیے وجہ کمال و باعث رفعت ہے۔

مصنف پر مسلمانوں کے اعتراضات: ماتم اسی کا نہیں کہ مغربی اہل قلم اسلام پر کس طرح طعنہ زنی کرتے ہیں بلکہ ان کی چیرہ دستیوں کے ساتھ اپنوں کی بے فہمی پر بھی ماتم کرنا واجب ہے جو فرماتے ہیں کہ ہم نے کتاب (''حیات محمد،،) میں مستشرقین کے اعتراضات کے رفع کرنے میں مغربی اہل قلم کی بجائے صرف عربی مصادر ہی پر تکیہ کیوں رکھا۔ مسلمان اہل قلم کا وہ گروہ جو علوم دینی سے دستگاہ رکھتا ہے ان کا یہ اعتراض ہے کہ مصنف نے نبی عربی صلعم کے سوانح بیان کرنے کے لیے سیرت اور احادیث کی کتابوں کے نوشتوں کو بلا چون و چرا تسلیم کرنے میں کیوں تامل برتا۔ اس گروہ کی دو قسمیں ہیں:

(الف) جس نے خوش گوار انداز میں اپنا مدعا پیش کرتے ہوئے (آیت) ''جادلہم بالتی ہی احسن،، (۱۶ : ۱۲۵) پر عمل فرمایا۔

(ب) علمائے جامدین جنھوں نے اس انداز سے اعتراض کیا کہ جس کسی کو علم سے دور کا واسطہ بھی ہو ایسی سختی آمیز جہالت کے ساتھ زبان نہیں کھول سکتا۔

فریق (الف) کا اعتراض: یہ گروہ ہے جس نے آں حضرت کے سوانحِ مبارک پر صرف اپنے ہاں کی کتب سیرت و حدیث کی قدغن لگا دی یا ان کے نقص کا اصل محور یہ الفاظ ہیں جنھیں میں نے کتاب (''حیات محمد'') میں لکھا ہے (مع اضافہ این سخن کہ میں نے اپنی اس کتاب میں ان تمام معجزوں کو شمار نہیں کیا جو سیرت و حدیث میں منقول ہیں):

''فحیاۃ محمد حیاۃ انسانیہ" بلغت اسمی ما یستطیع انسان ان یبلغ و لقد کان صلی اللہ علیہ وسلم حریصاً علی ان یقدر المسلمون انہ بشر مثلھم یوحی الیہ حتیٰ کان لا یرضی ان تنسب الیہ معجزۃ غیر القرآن ویصارح اصحابہ بذلک''[1]

(حضرت) محمد صلعم کا کردار ایسے کامل انسان کی سیرت کا مظہر تھا جو اس رفعت تک جا پہنچے جس کی ہمسری کسی اور انسان کی زندگی نہ کر سکے۔ آں حضرت صلعم کی تمنا یہ تھی کہ مسلمان آپ کو ایسا بشر تسلیم کریں جو بشریت کے ساتھ وحی الٰہی کی خلعت سے مزین ہو، یہاں تک کہ آپ اپنی ذات کے ساتھ بجز قرآن کے دوسرے معجزات کا انتساب کرنا پسند نہ فرماتے۔ یہ نکتہ آپ نے اپنے صحابہ پر واضح فرما دیا تھا۔

اسی طرح تذکرۂ شق القمر کے متعلق میں نے طبع اول میں لکھا تھا:

''انما یدعو المستشرقین و یدعو المفکرین من المسلمین الی ھذا لموقف من ذلک الحادث ان حیاۃ محمد کانت کلھا حیاۃ انسانیہ" سامیہ" وانہ لم یلجاء فی اثبات رسالہ" الی مالجاء الیہ من سبقہ من اصحاب الخوارق و ھم فی ھذا یجدون من المورخین العرب والمسلمین العرب والمسلمین سنداً حین ینکرون من حیاۃ النبی العربی کلھا مالا یدخل فی معروف العقل و یرون ما ورد من ذلک غیر متفق مع ما دعا القرآن الیہ من النظر فی خلق اللہ و ان سنہ" اللہ لن تجد لھا تبدیلا، غیر متفق مع تعبیر القرآن للمشرکین انھم یفقھون، ان لیست لھم قلوب یعقلون بھا''[2]

مستشرقین اور مفکرین اسلام اس معجزہ کے بارے میں یہ موقف اس بنا پر اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ جس طرح حضرت محمد صلعم سے قبل یہ پاک نہاد گروہ ثبوت رسالت و نبوی میں خوارق کا محتاج تھا ان کی مانند آں حضرت صلعم اس منصب کی تصدیق کے لیے کسی خارجی معجزہ کے دست نگر نہ تھے جو آپ کی سیرت اور کردار کا علو اور جامعیت کا سبب ہے۔ اور جب یہ لوگ غیر معقول معجزات سے انکار کریں گے تو اس کی تائید میں انھیں مورخین اسلام کی کتابوں میں سند بھی ملے گی اور یہ بھی دیکھیں گے کہ جو روایات اس ضمن میں مذکور ہیں وہ قرآن کی اس روح کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتیں جن میں یہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ کائنات میں غور کرو اور یہ کہ اللہ

---

[1] ۔''حیات محمد''، مقدمہ، مولف، طبع ثانی، صفحہ ۴۵۔

[2] ۔ ایضاً۔

کے اور قاعدوں میں کوئی تبدیلی ہونے والی نہیں، نیز یہ کہ قرآن نے مشرکین کو اس بنا پر ہدف طعن ٹھہرایا ہے کہ وہ سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے"۔ [٢]

فریق (الف) کو رسول اللہ کی ذات سے محبت کی بنا پر شکوہ بھی ہے کہ مستشرقین نے آں حضرت (صلعم) پر جو اعتراض کیے ہیں میں نے انہیں کتاب میں جگہ ہی کیوں دی۔

اور فریق (ب) کو جو پہلا ایڈیشن برسر عام آنے سے پہلے ہی میرے خلاف صف آرا ہو گئے سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ کتاب کو درود و سلام کے بغیر کیوں موسوم کیا گیا۔ راقم مولف نے متن میں رسول اللہ پر بارہا درود و سلام سے اجر دارین حاصل کیا حتی کہ کتاب کے سرورق طبع اول میں آیت:

"ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما" (۳۳:۵٦)	اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام پڑھتے رہو۔

لکھ دی۔ خیال تھا کہ لوح کتاب کی یہ تزئین دیکھ کر ایسے لوگ کچھ مہربان ہو جائیں گے لیکن ان کا غیظ مجھ پر بدستور جاری رہا جو ان کے حقائق اسلام سے بے خبری اور اپنے ایسے ہی مرشدوں کی کورانہ تقلید کا نشان ہے۔

درود و سلام کے عدم تکرار کا جواب: سب سے پہلے ہم اس اعتراض پر توجہ کرتے ہیں تاکہ ایسی تحریروں پر نکتہ چینی کا دروازہ بند ہو جائے۔ اس بحث میں ہمارا مرجع ائمہ اسلام کی تصریحات ہیں جن سے ثابت ہے کہ اسلام لفظی قیود سے بالا تر ہے۔ اس بارے میں ذیل کی حدیث ملاحظہ ہو:

"ان ھذا الدین متین فادغل فیہ برفق فان المنبت لاارضاً قطع ولا ظہراً ابقیٰ"	اسلام سنجیدہ طریق ہے؛ اس میں اعتدال ملحوظ رہے (معنی مرادی)۔

۱۔ تحریر میں درود و سلام کی ابتدا دولت عباسیہ کے عہد سے شروع ہوئی: ابوالبقا (اپنی تالیف) "کلیات" میں لکھتے ہیں:

"کتابۃ الصلوۃ فی اوائل الکتب قد حدثت فی اثناء الدولۃ العباسیہ ولہذا وقع کتاب البخاری وغیرہ عاریاً عنہا"	ابتدائے کتابت میں درود نویسی کی رسم دولت عباسیہ کے عہد میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب بخاری اور دوسری تصنیفات کے شروع میں یوں سلام لکھا ہوا نہیں ملتا۔

۲۔ بے شمار ائمہ دین کا یہ مسلک ہے کہ تمام عمر میں ایک مرتبہ درود پڑھ لینا کافی ہے جیسا کہ ابن نجیم (کتاب) "بحر الرائق" میں لکھتے ہیں:

"واما موجب الامر فی قولہ تعالیٰ "صلوا علیہ" (۳۳:۵٦) فہو افتراضہا فی العمر مرۃ واحدۃ فی الصلوۃ لان الامر لا یقتضی لتکرار وھذا بلا خلاف"	آیت صلوا علیہ (۳۳:۵٦) میں امر کا صیغہ اس حد تک واجب کرتا ہے کہ تمام عمر میں ایک مرتبہ درود بھی کفایت کر سکتا ہے، عام اس سے کہ نماز میں پڑھا جائے یا نماز سے باہر، بلا اختلاف

صیغۂ امر تکرار کا مقتضی ھی نہیں۔

رہا امام شافعی اور دوسرے ائمہ (مسالک) کا وجوب صلواۃ میں اختلاف ، تو یہ صرف اثنائے نماز کے متعلق ھے (کہ نماز صلواۃ کے بغیر کامل ھو جاتی ھے یا نہیں—م)۔ اس اختلاف کی نوعیت ھمارے مبحث سے مختلف ھے، ماسوائے ازیں کہ صلواۃ بھی تو از قسم دعا ھی ھے جس کا مقصد خدا تعالیٰ کے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر التجائے ترحم ھے۔ یہ ھے علمائے اسلام اور ائمۂ دین کی رائے کا خلاصہ جو غالی حضرات کے اس نظریہ کی تردید کر رہا ھے کہ جہاں بھی آن حضرت کا اسم گرامی ذکر میں آئے یا تحریر میں لایا جائے ضرور ھی صلواۃ پڑھیے جس کے خلاف سب سے بڑا ثبوت محدثین کبار کی تصنیفات ھیں جن کے شروع میں انہوں نے درود لکھا ھی نہیں۔

مستشرقین کے اعتراضات نقل کرنے پر خفگی : مسلمانوں کے ایک گروہ کا مجھ پر یہ گلہ ھے کہ مستشرقین کے اعتراضات نقل کرنا نبی کریم (صلواۃ اللہ علیہ) کی منزلت کے منافی ھے۔ ان کے دینی جذبہ کی وجہ سے یہ قابل تعریف تو ضرور ھے مگر علمی اور دینی طور پر اس کے لیے کوئی سند نہیں جب کہ قرآن کریم مشرکوں کے وہ اعتراض نقل کرتا ھے جو انہوں نے نبی صلعم پر کیے اور (قرآن) انہیں اس لیے نقل کرتا ھے کہ مدافعت کی جائے۔ ظاھر ھے کہ کتاب اللہ تادیب کے لیے سب سے بہتر اور اعلیٰ رہبر ھے۔ بایں ھمہ کیا ماجرا ھے کہ وہ قریش کی طرف سے آن حضرت کو مسحور و مجنون تک کا اعادہ کر گزرا ؟ حتیٰ کہ قریش نے مندرجہ ذیل افتراء لگایا اور قرآن نے اسے بھی بیان کر دیا :

”ولقد نعلم انهم یقولون انما یعلمه بشر لسان الذی یلحدون الیه اعجمی وهذا لسان عربی مبین“ (۱۶ : ۱۰۵)۔	اور ھم جانتے ھیں جو کچھ کافر کہتے ھیں کہ ”جسے وہ (نبی) کلام الٰہی کہتا ھے وہ کلام اسے ایک عجمی شخص نے سکھایا ھے“۔ قرآن جو فصیح عربی زبان میں ھے وہ غیر عرب کیسے بول سکتا ھے۔

بلکہ ایسے اور اعتراض بھی ھیں مگر دیانت علمی اس کی متقضی ھے کہ معترض کا الزام پوری طرح نقل کر دیا جائے۔ راقم مولف کا مقصد کتاب کو علمی حیثیت کے ساتھ پیش کرنا ھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم اھل علم کو بھی اس کے نظریہ اور نتائج سے تسکین ھو سکے اور یہ مقصد اس کے بغیر حاصل نہیں ھو سکتا کہ صداقت جہاں سے بھی مل سکے اس کے لیے ھاتھ پھیلانے میں عار نہ کیجیے۔

دینی ماخذ کا معاملہ : متذکرۃ الصدر طبقات میں فریق ”الف“ نے جو علوم اسلامیہ میں دستگاہ رکھتا ھے اور انداز بحث میں اصولوں کو ملحوظ رکھتا ھے [”جادلهم بالتی هی احسن“ (۱۶ : ۱۲۶) (مناظرہ کرتے وقت خوش کلامی کو ھاتھ سے مت دو!)] کا مصداق ھے، فرمایا کہ راقم مولف نے کتب سیرت و حدیث سے استناد کیا اور نہ مورخین اسلام و محدثین کبار کے نہج پر گفتگو کی۔ جواب یہ ھے کہ میرا روئے سخن ان مصنفین کی طرف ھے جو تدوین و تبیین مسائل میں جدید اسلوب کے مطابق گفتگو کرتے ھیں اور اس پیرائے میں وہ دوسروں سے بھی مطمئن ھو سکتے ھیں۔ نہ صرف تاریخ بلکہ جملہ علوم و فنون میں ان کا یہی انداز قائم ھو گیا ھے۔ پس نہ تو میرے لیے اس کے بغیر کوئی اور راہ تھی اور نہ مجھے یہ گوارا ھو سکا کہ میں اپنی تدوین اس قدیم اسلوب پر رکھوں جس کا موجودہ طریق بیان سے کمزور سا واسطہ بھی نہیں رہا۔ کیا ھماری سابقہ کتابوں میں بیان کردہ

مطالب پر آج کی ضرورتوں کے مطابق تنقید ناجائز ہے جب کہ وہ کتابیں صرف (یک طرفہ (–م) اپنے مقاصد کے پیش نظر مرتب کی گئیں لیکن ہر دور کا مصنف مختار ہے کہ وہ ازسرنو علمی طور پر تنقید کر سکے۔ امید ہے کہ اس قسم کے اعتراضات پر یہی جواب کافی ہوگا۔

اضافه در بحث نقد روایات: لیکن یہ بحث تشنہ رہ جائے گی اگر ہم مسلمانوں کے قدیم اور زمانۂ حال دونوں گروہوں کی اس احتیاط کا تذکرہ قلم انداز کر دیں جو احتیاط انھوں نے اپنے اپنے دور مقتضیات کے مطابق روایات سیرت و حدیث میں اپنے سامنے رکھی جس کے دامن میں انھوں نے ہر امکانی لغزش و فتور سے نجات حاصل کی۔

ازاں جملہ آں حضرت صلعم کے مولدو وفات کی تعین و خوارق میں عدم توافق کی حقیقت ہے جن میں یکسانیت نظر نہیں آتی۔ ان مسائل میں تفاوت کا سب سے بڑا سبب ایسی کتابوں کے جمع و تدوین کے زمانے پر منحصر ہے جیسا کہ نہ صرف قدیم مولفات میں خوارق و معجزات بعد کے اسفار سے کم پائے جاتے ہیں بلکہ صدر اول کی تالیفات کے بیان کردہ معجزے عقل و دانش کے زیادہ قریب ہیں۔ متاخرین کے جمع کردہ عجائبات خوارق سے، مثلاً سیرت کی قدیم تالیفات میں ''سیرت ابن ہشام'' ہے جس کی روایات پر آج بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

متاخرین میں ابوالفدا قاضی عیاض مولف ''کتاب الشفا'' اور دوسرے ارباب سیرت ہیں جن (سب) کے مقابلے میں ابن ہشام نے کم تر معجزوں کا تذکرہ کیا۔

یہی حال حدیث کی کتابوں کا ہے۔ بعض میں قصص ملتے ہیں اور بعض ان قصوں کے بیان سے مہر بہ لب! حدیث میں بھی بعض ایسی کتابیں ہیں جن میں قصوں کی خوب بھرمار ہے۔ ان مشکلات کی وجہ سے ہر ناقد اور صاحب فن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان روایات کے رد و قبول کا کوئی پیمانہ مقرر کرے۔ پھر جن روایات کو اس کے مطابق پائے ان کو بلا دریغ قبول کر لے، اور جن کو اس کے مطابق نہ پائے ان میں بحث و نظر کی گنجائش رہنے دے۔

داستان غرانیق: ان وضعی قصوں میں غرانیق کی یہ داستان بھی ہے جسے ہمارے ایسے ہی اسلاف نے اپنے دفاتر میں درج کرنے سے ہاتھ نہیں روکا یعنی جب رسول اللہ (صلعم) نے قریش کی موجودگی میں سورۂ نجم تلاوت فرمائی تو آیت: افرأیتم اللات والعزیٰ ومناة الثالثة الاخریٰ[1] (۵۳: ۱۹-۲۰) پر پہنچ کر مندرجہ ذیل (غیر وحی) لفظ ''الاخریٰ'' (۵۳: ۲۰) - کے بعد ملحق کر دیا۔ ''تلك الغرانيق العلاء و ان شفاعتهن لترتجیٰ'' اور رسول اللہ یہ ٹکڑا قرأت کرنے کے ساتھ ہی سجدۂ تلاوت میں چلے گئے اور مشرکین جو اس موقعہ پر موجود تھے وہ بھی (اپنے معبودوں) کی مدح سن کر سجدہ ریز ہو گئے۔ یہ واقعہ مندرجہ ذیل علمائے تصنیف نے بیان فرمایا ہے:

۱ - ابن سعد نے ''طبقات کبریٰ'' میں، مگر اس واقعہ پر کوئی تنقید نہیں کی۔

۲ - بعض کتب حدیث میں صحیح روایت کے طریق پر لفظ ''الغرانیق'' میں اختلاف و اتفاق کے ساتھ منقول ہے۔

---

۱ - ترجمہ: تم نے ان کے معبودان باطل میں لات و عزیٰ اور ان کے تیسرے رکن مناة کو بھی دیکھا ہے [م]۔

۲ - ''امید ہے کہ ان پر شکوہ اصنام کی شفاعت بھی عنداللہ مقبول ہو سکے گی!'' [م]

۳ - ابن اسحاق نے ''غرانیق'' سے اختلاف کے ساتھ اور به اضافهٔ ''انها من وضع الزنادقه'' (یه لفظ زنادقه کا داخل کرده هے) نقل کیا هے -

۴ - ابن کثیر (مشهور مفسر) نے اپنی (تاریخی) کتاب ''البدایه والنهایه'' میں اس اضافه کے ساتھ درج کیا هے لیکن هم نے اس اندیشه سے اسے نظر انداز کر دیا هے که مبادا کوئی اس کو غلط انداز میں نه پیش کرے: ''غرانیق کی داستان (بعض) کتابوں میں موجود هے لیکن همیں اس کی تکرار نامرغوب هے اگرچه اس واقعه کی اصل صحیح میں منقول هے'' -

اس کے بعد ابن کثیر نے بخاری کی یه حدیث (اور واقعهٔ غرانیق) بیان کرنے کے بعد لکھا هے که ''صحیحین'' میں سے ''صحیح'' بخاری میں منقول هے اور ''صحیح'' مسلم اس کے ذکر سے خاموش هے -

مولف کا فیصله دربارهٔ قصهٔ غرانیق: لیکن همیں اس واقعه کے انکار میں کوئی تردد نهیں اور ابن اسحاق (نمبر ۳) کی یه رائے بالکل صحیح هے که ''غرانیق کا واقعه زنادقه نے بڑھا دیا هے'' اور اس مبحث میں همارے پاس بهت سے دلائل هیں جن کی روشنی میں اس قسم کے واقعات کا وجود اس عصمت رسالت کے منافی هے جس کی قوت کے بغیر انبیائے کرام تبلیغ رسالت کی مهم سر انجام نهیں دے سکتے۔ اس مبحث پر راقم مولف نے جدید علمی طریق نقد سے بھی گفتگو کی هے - فصل ششم (از صفحه ۱۸۵ تا ۱۹۳)

جمع حدیث کا زمانه: سیرت النبی کی بحث میں دوسرا سبب اس زمانه کے اثرات هیں جس (زمانه) میں منتشر روایات کے یک جا کرنے کی مهم شروع هوئی جس پر نقد و تمحیص کے بغیر آگے بڑھنا دشوار هے -

کتب سیرت میں سب سے پهلی کتاب نبی کریم صلعم کی وفات سے ایک صدی یا کچھ اور زیاده مدت گزرنے پر جمع کی گئی جس کے مدون کرنے سے قبل مسلمان بادشاهوں میں باهم سیاسی کشمکش کا آغاز هو چکا تھا اور روایات واحادیث کا دامن اس سیاست کے اثرات سے محفوظ نه ره سکا۔ وضع حدیث پر صدر اول هی میں یه موثرات کار فرما تھے تو بعد کے زمانه کا کیا ذکر! جب که حکومت هی فتنوں کی آماج گاه بن گئی۔ اس عهد میں جامعین کتب نے کیا کیا صعوبتیں جھیلیں، نقد و انتخاب روایات میں انهوں نے کس قدر جاں فشانی فرمائی - اس نوع میں امام بخاری کی محنت پر نظر ڈالیے۔ حدود اسلام کی وسعت کے ساتھ راویان حدیث بھی اقطار عالم میں پھیل چکے تھے۔ امام بخاری کو دنیائے اسلام کے گوشه گوشه میں حصول روایات کے لیے سفر کرنا پڑا - امام نے اس محنت کے باوجود اپنی کتاب کے لیے چھ لاکھ احادیث جمع کیں جن میں سے خود بخاری کے نزدیک بھی ان میں صرف چارهزار احادیث صحیح تھیں۔ جن چار لاکھ میں سے بخاری نے اپنی کتاب ''صحیح'' میں دوهزار احادیث درج فرمائیں جس کے یه معنی هیں که بخاری کے نزدیک ایک سو پچاس روایات میں صرف ایک روایت قابل قبول قرار پائی۔

امام ابوداؤد (از ۲۰۲/۸۱۷ تا ۲۷۵/۸۸۰) نے پانچ لاکھ احادیث میں سے صرف ۴۸۰۰ احادیث اپنی ''سنن'' (ابوداؤد) میں رکھیں۔ اسی طرح حدیث کی بقیه دوسری کتابوں کے جامعین کا ماجرا هے جن میں سے اکثر حضرات نے ایسی حدیثوں کو صحیح سمجھ کر اپنے مولفات میں درج کر لیا جو دوسرے مولفین (حدیث) کے نزدیک حد صحت سے ساقط تھیں۔

نتیجہ بحث: یہی صورت واقعہ غرانیق کی ہے جسے بعد کے آنے والے جامعین نے اپنی تالیفات میں داخل کر لیا لیکن جب صدر اول کے جامعین نقد و بحث سے محفوظ نہیں تو متاخرین کا کیا حال ہوگا اور وہ بھی سیرت کی روایتوں میں! آخر ان کی روایات بغیر تحقیق و نقد کے کیونکر قبول کرلی جاتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صدر اول کے بعد اسلام کے سیاسی خلفشار سے روایات اور احادیث بھی موثرات سے خالی نہ رہ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ بنو امیہ کے آخری دور تک حدیث کی کوئی کتاب مدون نہ ہو سکی، ماسوائے ازیں کہ خلیفہ (اموی) عمر بن عبدالعزیز [۱۰۱/۷۱۹] نے یہ خواہش ضرور کی مگر اس کی تکمیل بنو عباس کے حکمران مامون الرشید [۲۱۸/۸۳۳] کے زمانہ میں ہوئی۔ بقول (امام) دارقطنی [۳۰۶/۹۱۸] اس زمانہ میں صحیح حدیث کی تعداد سیاہ رنگ گائے کے بدن پر سفید بال کی سی تھی! (الحدیث الصحیح فی الکذب کالشعرۃ البیضاء فی جلد الثور الابیض،، — متن)۔

صدر اول میں عدم جمع حدیث: رہا یہ سوال کہ صدر اول میں حدیث کی تدوین کیوں نہ ہونے پائی۔ اس کا سبب شاید رسول اللہ صلعم کی یہ حدیث ہو۔

''لا تکتبوا عنی شیئا غیر القرآن ومن کتب شیئا غیر القرآن فلیمحہ''

رسول اللہ نے فرمایا میری سند کے ساتھ قرآن مجید کے سوا کوئی اور بات املا مت کرو! اگر کسی نے کچھ لکھ لیا ہے تو وہ اسے قلم زن کر دے۔

باوجودیکہ حدیثیں لوگوں کی زبانوں پر جاری تھیں لیکن اس وقت بھی روایات میں اختلاف تھا۔

عدم جمع حدیث بعہد فاروق اعظم: پہلے تو حضرت عمر نے جمع حدیث کا اس خیال سے ارادہ ظاہر فرما دیا کہ احادیث یک جا ہو جانے سے آئندہ مسائل میں اختلاف پیدا نہ ہو سکے گا اور اسی خیال کی بنا پر آپ نے اپنے رفقا سے استصواب رائے کیا جس کی سب نے تائید بھی کی مگر جب حضرت عمر نے اس کے خلاف پہلو پر نظر کی تو مسلسل ایک مہینہ استخارہ کرتے رہے۔ آخر ان کی رائے تبدیل ہوگئی اور بر سر عام فرمایا:

''انی کنت اریدان اکتب السنن و انی واللہ لا اشوب کتاب اللہ بشی ابدا''

پہلے تو میرا یہ عزم تھا کہ احادیث کی املا بھی کرا لی جائے مگر اب یہ ارادہ ترک کر دیا گیا ہے مبادا کتاب اللہ اور احادیث دونوں میں خلط ملط ہو جائے۔

اس ارادہ کے مطابق آپ نے تمام مفتوحہ ملکوں میں تحریری فرمان بھیج دیا کہ فی‌الحال اگر کسی کے پاس کوئی حدیث املا کی صورت میں ہو تو اسے قلم زن کر دیا جائے۔

صدر اول کے بعد تدوین حدیث کا آغاز: لیکن آیات قرآن و احادیث رسول صلعم میں باہم اختلاط کا خطرہ ٹل جانے کے بعد اور زمانہ مامون الرشید [۲۱۸/۸۳۳] میں تدوین حدیث کا آغاز ہو گیا مگر جامعین حدیث کے التزام صحت کی کوشش کے باوجود محدثین نے ان کی صحیح تسلیم کردہ احادیث پر بھی جرح کی جیسا کہ نووی (محی الدین ابو ذکریا یحییٰ) ''صحیح'' مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''قد استدرك جماعتہ علی البخاری و مسلم احادیث اخلا بشرطہا فیہا و نزلت علی

ایک جماعت نے بخاری اور مسلم دونوں کی ایسی احادیث پر گرفت کی ہے

درجہ" ما التزما"

جو دونوں نے اپنے دعوای شرط صحت کے باوجود اپنی اپنی کتاب میں درج کر دی ہیں اور ان کے نزدیک وہ التزام صحت سے خالی ہیں۔

کیونکہ جامعین (حدیث) نے قبول حدیث میں صرف اتصال سند اور راوی کی ثقاہت ہی پر اعتماد کیا ہے جو اپنے اپنے مقام پر پوری قیمت رکھتا ہے۔ لیکن صرف انہی دونوں باتوں کا ہونا کافی نہیں۔ ہمارے نزدیک حدیث و خبر کا بہترین معیار اس حدیث میں مذکور ہے:

"انکم ستختلفون من بعدی فما جاءکم عنی فاعرضوہ علی کتاب اللہ! فما وافقہ فمنی و ما خالفہ فلیس عنی"

اے مسلمانو! میرے بعد تم گونا گوں اختلافات میں مبتلا ہو جاؤگے لیکن جب بھی کوئی حدیث میرے نام سے بیان کی جائے کتاب اللہ کے ساتھ اس کی جانچ کرنا۔ اگر وہ قرآن کے مطابق ہے تو سمجھنا کہ میں نے ہی فرمایا ہے اور اگر قرآن کے خلاف ثابت ہو تو اسے میرا فرمان نہ سمجھنا۔

تنقیح روایات کا یہی معیار متقدمین کے پیش نظر رہا اور اسی اصول پر آج تک ارباب فکر کا عمل ہے جیسا کہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

"وانني لا اعتقد صحہ" سند حدیث ولا قول عالم صحابی یخالف ظاهر القرآن و ان وثقوا رجالہ فرب داو یوثق الاغترار بظاهر حالہ وهوسيء الظن ولو انتقدت الروایات من جهہ" فحوی متنها کما تنقد من جهتہٖ سندها لقضت المتون علی کثیر من الاسانید بالنقض وقد قالوا ان من علامہ" الحدیث الموضوع مخالفہ" بظاهرالقرآن او القواعد المقررة فی الشریعہ" او للبرهان العقلی او العیان و سائر الیقینات"

مجھے کسی ایسی حدیث یا قول صحابی پر صحت کا یقین نہیں جس میں ظاہر قرآن سے خلاف مترشح ہو اگرچہ اس کے راوی ثقاہت میں معروف ہی کیوں نہ ہوں، اس لیے کہ بعض راوی اپنے ظاہر حال کی وجہ سے ثقہ متصور ہو جاتے ہیں، لیکن ان کا باطن بہتر نہیں ہوتا۔ اگر سند کے ساتھ متن حدیث کی تنقید کی جائے تو بے شمار متون ایسے ہوں گے جو سند کے اتصال و ثقاہت کے تار پود کو بکھیر دیں گے۔ مقتن اصول حدیث ہی فرماتے ہیں "موضوع حدیث کا معیار یہ ہے کہ وہ مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک دفعہ کے ضمن میں آسکے (یعنی) (۱) ظاہر القرآن کے خلاف ہو، (۲) شریعت کے مقررہ قواعد کے منافی ہو، (۳) برہان عقلی کے خلاف ہو، (۴) حس و مشاہدہ اور ہر انداز کے تعینات کے منافی ہو۔

حدیث نبی صلعم کے قبول و رد کا یہی معیار صحیح ہے اور جو حدود ابن خلدون نے متعین کی ہیں انہی کے اندر جدید علمی تنقید پوری طرح محصور ہے۔

وضع حدیث کے محرکات: ہوا یہ کہ نبی صلعم کی وفات کے بعد مسلمانوں کے اندر باہمی اختلاف کی خلیج پیدا ہوگئی۔ ہر شخص نے اپنے اپنے مسلک و رجحان کی تائید کی خاطر حدیثیں وضع کرنا شروع کر دیں اور ایک دو نہیں ہزاروں کی تعداد میں موضوع حدیثیں پھیل گئیں۔ ادھر لولو (بن مغیرہ) کے ہاتھ سے حضرت عمر نے شہادت پائی اور جناب عثمان کی خلافت پر اجتماع ہوا۔ ادھر بنو ہاشم اور بنو امیہ کی وہ رقابت باہمی عود کرآئی جو بعثت نبی صلعم سے پہلے دونوں کے درمیان موجزن تھی حتٰی کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ایک طرف حضرت عائشہ ہیں۔ ان کے مقابلہ میں جناب علی صف آرا ہوئے اور حدیث سازی کا میدان بھی گرم ہوتا گیا جس پر حضرت علی سے یہ روایت منقول ہے کہ:

”ما عندنا کتاب نقروہ علیکم الا ما فی القرآن و ما فی ہذہ الصحیفہ" اخذتہا من رسول اللہ و فیہا فرائض الصدقہ" “	میرے سامنے صرف دو تحریریں ایسی جن سے میں آپ لوگوں کے ساتھ معارضہ کر سکتا ہوں: ا۔ کتاب اللہ ہے۔ ب۔ اور میری ذاتی تحویل میں یہ بیاض ہے جس کے اندر رسول اللہ کے فرمودات میں نے نقل کر رکھے ہیں اور یہ فرمودات صرف صدقات کے مسائل پر تھے۔

لیکن حضرت علی کی اس تحدی کے باوجود واضعین حدیث نے وضع روایات سے ہاتھ نہ کھینچا کیونکہ اس کے بغیر وہ کسی کو اپنے موافق نہ بنا سکتے تھے۔

مناقب رسول صلعم میں حدیث سازی کا جذبہ: وضع حدیث کی ایک وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کا رجحان آں حضرت صلعم کے اتباع کی جانب مائل کرنے کے لیے آپ کے اقوال و افعال کی حکایت میں اضافہ ضروری سمجھ لیا گیا۔

طرف داران بنو امیہ اور دوستداران علی کی احادیث مناقب میں دوڑ: حتٰی کہ بنو امیہ کے دور تغلب میں ایک طرف ان کے طرف داروں نے حضرت علی کی منقصت کو جزو عمل بنا لیا اور دوسری طرف دوستداران علی نے اپنے مقتدا اور اہل بیت کے فضائل پر روایات سازی شروع کر دی جنہیں دونوں گروہ نزدیک و دور ہر سمت میں پھیلاتے گئے۔ اس مشغلہ کا مشہور لطیفہ ابن عساکر نے ابوسعد اسمٰعیل بن مثنیٰ کی حکایت میں اس طرح نقل کیا ہے:

”ابوسعد دمشق میں وعظ فرما رہے تھے (جہاں دوستداران علی ہی رہتے تھے)۔ حاضرین مجلس میں ایک شخص نے واعظ (ابو سعد) سے پوچھ کہ رسول اللہ کی حدیث ”انا مدینہ" العلم و علی بابہا،، [میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ ہے] کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ ابوسعد کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد یوں گویا ہوئے کہ اس حدیث کو صدر اول کے مسلمانوں کے سوائے کوئی نہیں جانتا بلکہ یہ روایت ان لفظوں میں ہے: ’انا مدینہ" العلم و ابوبکر اساسہا و عمر حیطانہا و عثمان سقفہا و علی بابہا‘ [میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر اس کی بہتر بنیاد ہیں، عمر اس کی فصیل، عثمان سقف اور علی دروازہ ہیں]۔ حاضرین بہت محظوظ ہوئے اور ابوسعد سے

درخواست کی کہ اس روایت کے راوی کون کون حضرات ہیں ۔ مگر ابوسعد اس کا کوئی جواب نہ دے سکا بلکہ شرمندہ سا ہو کر بیٹھ گیا“ ۔

حدیث سازی اسی سیاسی غلبہ کے اثر میں فروغ اصل کرتی رہی جس سے مسلمانوں کی پریشانی بڑھتی گئی کیونکہ ایسی روایات کی زیادہ تر تعداد قرآن کے خلاف تھی لیکن راسخ الاعتقاد مسلمانوں کی پوری جد و جہد کے باوجود صحیح اور وضعی احادیث میں امتیاز نہ کیا جا سکا ۔

عباسی د: کی روایات بیں عدم تنقیح ۔ ہ امیہ کے انحطاط کے بعد جب بنو عباس سریر آرائے سلطنت اسلام ہوئے تو خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں (جو آں حضرت صلعم سے دو صدی بعد کا ہے) ہزاروں کی تعداد میں ایسی وضعی حدیثیں عالم اسلام میں پھیل چکی تھیں جن میں باہم ایک دوسری روایات سے کوئی مماثلت نہ تھی بلکہ ایسا تضاد تھا کہ اس کے تصور سے لرزہ طاری ہوتا ہے ۔ اس دوز میں جامعین حدیث نے سیرت کے متعلق روایات جمع کرنے کا کام شروع کر دیا ۔ ان ... واقدی ہیں، ابن ہشام اور المدائنی ہیں جنھوں نے مامون الرشید کے اثر میں رہ کر اپنی اپنی کتابوں کی تدوین کی جس میں یہ لوگ اور اس عہد کے دوسرے جامعین روایات بھی خلیفۂ وقت کے ایما سے سر مو انحراف نہ کر سکتے تھے ۔

پس حدیث کا ایک ہی معیار ہے ۔ اگر رسول اللہ صلعم ہی سے مروی اور قرآن کے مطابق ہے تو اسے رسول اللہ ہی کا ارشاد سمجھیے اور جو روایت قرآن کے خلاف ہو اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیجیے!

اگر قبول حدیث میں ایسی دقت نظر سے کام لیا جاتا تو ہمارے اسلاف کی تصانیف کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا ۔ قبول حدیث میں ہمارا پیش کردہ اصول (روایت و قرآن میں باہم مطابقت) جدید علمی طریق تحقیق کے بھی خلاف نہیں لیکن ہمارے اسلاف (جامعین سیر) زمانہ کے حالات سے متاثر ہوکر اس اصول پر پوری طرح عمل نہ کر سکے ۔ ہوا یہ کہ اگر بعض مسائل میں انھوں نے اس کی پابندی کر بھی لی تو دوسرے مسائل میں اس (اصول) پر پورے نہ اتر سکے جب متاخرین نے سیرت (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) پر قلم اٹھایا تو انھوں نے بغیر نقد و تمحیص سلف کی کتابوں سے اخذ و استنباط شروع کر دیا ۔ کاش یہ مصنفین اسلاف کی روایات پر اعتبار کرنے کی بجائے تاریخ کے ساتھ انصاف فرماتے اور بلا استثنا ایک ایک روایت کو قرآن پر عرض کرنے کے بعد ردو قبول کا فیصلہ کرتے!

البتہ سلف میں ایسے مسلمان بھی گزرے ہیں جنھوں نے اپنی تصانیف میں صرف وہی روایات داخل کیں جو قرآن کے مطابق تھیں اور ان کے سوا کسی اور روایات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا ۔

معجزات اور ہمارے اصول کا مبنیٰ مسلمان علمائے سلف کی رائے ہے جس پر دور حاضرہ کے مسلمان ارباب علم و دانش بھی متفق ہیں:

شیخ محمد مصطفیٰ المراغی (شیخ الازہر) فرماتے ہیں:

۱ ۔ قرآن مجید کے سوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اہم معجزہ نہ تھا اور یہ معجزہ عقل کے نزدیک بھی قابل تسلیم ہے ۔

۲ ۔ بوصیری فرماتے ہیں:

”لم یمتحنا بما تعیا العقول به حرصاً علینا فلم نرتب ولم نہم“

[خلاف عقل خوارق پیش کرکے آں حضرت نے ہمیں آزمائش میں نہیں ڈالا۔ یہ آں حضرت کی عنایت تھی جس کی وجہ سے ہمارے دل میں شکوک و حیرت کے جذبات کبھی نہیں ابھرے۔]

۳۔ سید محمد رشید رضا مرحوم مدیر مجلہ ''المنار'' (مصر) قرآن کی صداقت پر ایک معترض کے جواب میں فرماتے ہیں:

''علمائے ازہر اور صوفیاء کوھیکل کی کتاب ''حیات محمد'' پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ مولف نے اس میں خوارق و معجزات کا تذکرہ نہیں کیا چہ جائے کہ خود میں اپنی تالیف 'الوحی المحمدی' میں لکھ چکا ہوں کہ قرآن مجید تنہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ہے حتیٰ کہ سابقہ انبیائے کرام جن کی تصدیق نبوت کے لیے آج ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں، قرآن مجید ان کی صداقت کا بھی موید ہے''۔

''پھر معجزہ بجائے خود دلیل کا قائم مقام نہیں بلکہ وہ ایک نشان کے درجہ میں ہے جو (نشان) گزشتہ زمانوں کی طرح ہمارے اس زمانہ میں بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ بات بات میں معجزہ اورکرامت ٹٹولنے والے ہر دور اور جماعت میں نمودار ہوئے اور میں نے 'الوحی المحمدی' میں عوام کی خوارق و کرامات پر فریفتگی کی عقلی اور رسمی دونوں حیثیتوں سے بحث کی ہے''۔

۴۔ شیخ محمد عبدہ کتاب ''الاسلام والنصرانیہ'' میں فرماتے ہیں:

''خداوند عالم اور اس کی وحدانیت پر اسلام کے ذخیرہ میں وہی عقلی اور طبعی دلائل ہیں جن سے نظام عالم کی حقیقت و تربیت پر دلیل قائم کی جا سکتی ہے نہ کہ معجزات و کرامات سے! اور ان ہی پر وہ بھروسہ بھی کرتا ہے۔ چنانچہ تم دیکھوگے کہ اسلام نہ تو خوارق کے ذکر سے تمہیں حیرت زدہ کرتا ہے۔ نہ تمہاری آنکھوں میں غیر مادی چیزوں کے ذکر سے دھول ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، نہ تمہاری گویائی کو ان آسانی ڈراووں سے محروم کرتا ہے اور نہ فکر و نظر کو خدائی چیخ پکار کے ذریعہ حرکت و جنبش سے روکتا ہے۔

''چند بے فہم افراد کےسوا دنیا کے ہر ذی شعور انسان کا اس پر اتفاق ہے کہ خدا پر ایمان لانا نبوت کی تصدیق سے مقدم ہے لیکن ایمان باللہ کے بغیر نبوت کی تصدیق ممکن نہیں۔ پس یہ غلط ہے کہ خدا پر ایمان لانے کے لیے انبیاء کے کلام کا سہارا ضروری ہے یا ان پر نازل شدہ کتابوں سے استقامت لازم! عقل اسے باور ہی نہیں کر سکتی کہ جب تک خدا پر آپ کا ایمان نہ ہو، آپ اس کی بھیجی ہوئی کتاب پر یقین کرلیں، البتہ اگر خدا پر پہلے سے ایمان ہے تو اس کے مرسل رسول اور منزل کتاب پر بھی ایمان لایا جا سکتا ہے''۔

اغلب ظن یہ ہے کہ سلف اپنے زمانہ کی ضروریات کے مطابق اس پر مجبور تھے کہ وہ معجزات جو قرآن میں موجود نہیں انہیں اپنی تالیفات میں جمع کر دیں مگر متاخرین نے اس لیے ایسے خوارق کا اعادہ ضروری سمجھا کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان مستحکم ہوگا حتیٰ کد ان (معجزات) کے تکرار و بیان میں ان کے نزدیک نقصان کی بجائے صرف نفع ہی متصور تھا۔ اگر انہیں یہ مد نظر نہ ہوتا تو یقیناً وہ ان کے بیان سے اپنا دامن بچاتے۔ کاش! ہمارے یہ اسلاف (مولفین) آج زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ دشمنان اسلام معجزات کی

آڑ میں اسلام پر کس طرح حرف گیری کر رہے ہیں تو وہ غیر قرآنی معجزات کو کبھی اپنی تصانیف میں جگہ نہ دیتے۔ ہمارے یہ مصنفین امام غزالی، شیخ محمد عبدہ اور مراغی وغیرہ محققین کی ہم نوائی میں اپنا فخر سمجھتے جو اس وقت زندہ ہیں (ماسوائے غزالی) اور دیکھ رہے ہیں کہ معجزات کی روایات ایمان کو تازہ کرنے کی بجائے دلوں میں اضطراب اور عقائد میں تزلزل پیدا کر رہی ہیں اور یہ مصنف بھی انہی دلائل کے ذکر تک اکتفا کرتے جو صرف قرآن میں مذکور اور حجت قاطعہ کا درجہ رکھتے ہیں۔

خلاف عقل روایات (ایسی روائتیں جو عقل اور علم کے خلاف ثابت ہو چکی ہیں):

جو شخص خود پر یہ فرض عائد کرنا چاہتا ہے کہ اپنے علم و تحقیق کے ساتھ مخلوق کی خدمت اسلام اور نبی عربی (صلعم) کے سوانح پیش کرکے سر انجام دے، اسے آں حضرت صلوات اللہ علیہ کی سیرت اس تحقیق کے ساتھ لکھنا چاہیے جس سے انسان کو رہبری حاصل ہو۔

اگر سیرت اور احادیث کی ایسی روایات کو قرآن (مجید) پر عرض کیا جائے تو ان علمائے محققین کی رائے سے اتفاق کرنا پڑے گا جو بر بنائے قرآن ان روایات کی صحت سے انکار کرتے ہیں جیسا کہ اہل مکہ نے اپنے ایمان لانے کی شرط آں حضرت (صلعم) سے معجزات کے ظہور کے ساتھ پیش کی مگر قرآن نے ان کا یہ مطالبہ مختلف دلائل سے ٹھکرا دیا:

وقالوا لن ثؤمن لك حتى تفجر لنا من ''الارض ينبوعا او تكون لك جنه" من نخيل و عنب فتفجر الانهر خللها تفجيرا۔ او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا او تاتی بالله والملئكه" قبيلا''

''او يكون لك بيت من زخرف او ترقى فى السماء ولن نؤمن لرقيك حتى تنزل علينا كتابا نقرؤه۔ قل سبحان ربى هل كنت الا بشرا رسولا'' (۱۷: ۹۰ تا ۹۳)

اہل مکہ نے رسول اللہ سے ان الفاظ میں مطالبہ کیا کہ ''ہم ان امور کے بغیر ایمان نہیں لا سکتے ہیں:

(۱) (یا) زمین میں بہتے ہوئے پانی کی نہر بنا دیجیے!

(۲) (یا) اپنے لیے خرما و انگور کا ایسا باغ دکھائیے جس کے اندر پانی کی نالی جاری ہو!

(۳) (یا) جس طرح تم بات بات پر ہمیں ڈراتے ہو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہم پر گرا دیجیے!

(۴) (یا) خدا اور فرشتوں کو بر ملا ہمیں بالمواجہ دکھا دیجیے!

(۵) (یا) آپ کے لیے سونے کا محل ہی ہم دیکھ سکیں!

(۶) (یا) آپ ہمارے سامنے آسمان پر تشریف لے جائیں!

(۷) مگر صرف یہ صعود ہی کافی نہ ہوگا بلکہ وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب بھی اپنے ہمراہ لائیے جسے ہم پڑھ کر بھی دیکھ لیں!''

(اے نبی!) ان سے فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ میں بشر ہوں اور اس کا رسول ہوں!

اسی طرح یہ بھی فرمایا :

"واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاءتھم ایۃ لیومنن بھا قل انما الایت عند اللہ وما یشعرکم انھا اذا جاءت لا یؤمنون ۔ و نقلب افئدتھم وابصارھم کمالم یؤمنوا بہ اول مرۃ و نذرھم فی طغیانھم یعمھون ۔ ولو اننا نزلنا الیھم الملئکۃ وکلمھم الموتی وحشرنا علیھم کل شیء قبلا ماکانوا لیؤمنوا الا ان یشاء اللہ ولکن اکثرھم یجھلون"

اور منکرین کس دیدہ دلیری سے قسمیں کھا کر کہتے ھیں کہ اگر ان کے سامنے کوئی نشان آجائے تو وہ ایمان لانے میں تامل نہ کریں گے۔ اے پیغمبر ان سے فرمائیے کہ ''نشانات میری قدرت میں نہیں،،! اور اے مسلمانو! تم ان منکروں کی طاقت لسانی کی حقیقت نہیں جانتے کہ اگر ان کے تقاضے پر نشانات آجائیں تب بھی یہ ایمان لانے پر مائل نہ ھوں گے بلکہ منکرین کی شقاوت کا یہ عالم ھے کہ اگر ھم ان کے دل اور بصیرت میں یہ میلان پیدا کر دیں تب بھی وہ ایمان لانے پر آمادہ نہ ھوں گے جس طرح وہ پہلی مرتبہ اس سے بھاگتے پھرے۔ وہ جانیں اور ان کی سرکشی اور جس طرح چاھیں اپنے تمرد میں ڈوبے رھیں! (کیونکہ) وہ تو اس حد تک گئے گزرے ھیں کہ اگر ھم خود انہی پر فرشتے اتار دیں یا مُردوں کو ان سے ھم کلام کرا دیں حتیٰ کہ دنیا کے تمام گزرے ہوئے عجائبات ان کے سامنے لے آئیں جو خود اپنے اعجاز پر بول اٹھیں، پھر بھی وہ ایمان نہیں لا سکتے۔ یہ دوسری بات ھے کہ خود ذات باری انہیں یہ توفیق ارزانی فرما دے، لیکن حالت یہ ھے کہ ان میں بیشتر افراد معجزات سے بھی متاثر ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

قرآن مجید خود ھی اپنے گوناگوں صفات کی وجہ سے حضرت محمد (صلعم) کی رسالت کے ثبوت میں معجزہ در معجزہ کا متضمن ھے لیکن اس کے سوا پوری کتاب میں کوئی ایسا خارجی معجزہ مذکور نہیں جو تمام جہان اور رہتی دنیا تک کے لیے آں حضرت کی توثیق رسالت کا وسیلہ ثابت ھو سکے۔

اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ (حضرت) محمد سے پہلے جو انبیاء گزرے ھیں ان کے معجزوں کی حکایت قرآن مجید میں ضرور مروی ھے جیسا کہ آں حضرت (صلوات اللہ علیہ) پر انعامات خداوندی اور آپ سے حسن خطاب وغیرہ کا تذکرہ ھے، مگر جہاں تک آں حضرت کا تعلق ھے قرآن میں کوئی ایسی بات مذکور نہیں جو فطرت کے خلاف ھو۔

معجزات کے ساتھ فریفتگی کا سبب: سوال یہ ھے کہ جب قرآن (مجید) اور وہ احادیث جو کتاب اللہ کے منافی نہیں دونوں اس بات میں خاموش ھیں تو سلف سے لے کر آج تک

مسلمان آں حضرت صلی اللہ و سلم کے ذمہ قرآن (کریم) کے ماسوا دوسرے معجزے کیوں لگاتے رہے۔

مسلمان قرآن مجید سے سابقہ انبیائے کرام کے معجزات کی حکایت سے متاثر ہوکر حضرت (محمد) صلعم کے لیے بھی انہیں ضروری سمجھنے لگے۔ ان کے نزدیک مادی معجزات کے بغیر رسالت کا اکمال نہ ہو سکتا تھا۔ انھوں نے خوارق میں روایات کو قابل قبول سمجھ لیا اور اس پر کوئی اعتناء نہ کیا جو کچھ روایات کے ذریعہ آرہا ہے وہ قرآن میں تو ہے نہیں! انھوں نے گمان کرلیا کہ رسول عربی (صلعم) کے معجزوں کی فراوانی لوگوں کے ایمان بالرسالت میں اضافہ کا سبب ہوگی مگر انھوں نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ آں حضرت کا معاملہ دوسرا ہے۔ آپ کو دوسرے انبیاء پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ آں حضرت ''خاتم الانبیا'' اور ''خاتم المرسلین'' ہونے کے ساتھ وہ پہلے رسول ہیں، خداوند عالم نے جنھیں تمام عالم کی طرف ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا، دوسرے انبیاء کی مانند اپنی ہی قوم کے لیے نہیں۔ اسی بنیاد پر اللہ نے آپ کو ایسا معجزہ عطا فرمایا جو سرتاسر طبعی اور عقلی ہے جس کی ہم سری کا دعویٰ جنوں ہے اور بنی آدم میں سے کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ''ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا'' (١٧ : ٩٠)۔ آں حضرت کا یہ معجزہ قرآن مجید ہے جو اپنی پوری جنس میں ممتاز ہے جسے اللہ نے ایسی حجت قاطعہ کی حیثیت میں پیش کیا تاکہ خود رسالت پناہ اپنی زندگی میں اس (معجزہ قرآن) کی قوت سے نصرت حاصل کرسکیں اور ایسا ہی ہوا۔ اگر آں حضرت صلعم کی تائید رسالت کے بارے میں کوئی ایک بھی مادی معجزہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو اپنی کتاب میں اس کا تذکرہ کرنے میں کیا مانع تھا۔ چونکہ بعض طبائع صرف وہی حقائق تسلیم کر سکتی ہیں جن کا ربط عقل کے ساتھ ہو اس لیے رسالت محمدیہ کے لیے ایسی دلیل پر اکتفا کیا گیا جس کے سامنے بڑے سے بڑا فلسفی بھی سر جھکالے۔ اس لیے خداوند عالم نے قرآن مجید کو نبی امی صلعم کے لیے دلیل ''حجۃ بالغہ'' کے ساتھ نازل فرمایا جس ''حجۃ بالغہ'' نے اپنے ظہور کے بعد اپنے ہی جیسے دو حسی براہین خلق فرما دیے:

١ - دین الٰہی کی نصرت کے سامان۔

٢ - مومنین کے دلوں میں ایمان کی فراوانی۔

جس دین کی بنیادیں اس حد تک مستحکم ہوں اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ہر شخص کو بلا قید مکان و زمان و لسان اور رہتی دنیا تک اپنی طرف آنے کی دعوت دے سکے۔

آج بھی اگر ایک غیر مسلم جماعت اسلام قبول کرے اور وہ معجزہ کے باب میں قران (مجید) کے ماسوا کسی اور اعجاز کو تسلیم نہ کرے تو اس انکار پر اس کے ایمان میں کوئی طعن روا نہیں، نہ اس کے اسلام میں کوئی نقص! کیونکہ وحی الٰہی نے قرآن کے سوا کسی معجزہ کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اس لیے جو شخص خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے اسے حق حاصل ہے کہ وہ قرآن ہی کی رائے کے مطابق معجزوں پر بحث و تمحیص کر سکے جس کے بعد اگر دلیل قطعی سے کوئی امر اس کے نزدیک ثابت ہو تو اسے تسلیم کرنے میں تامل نہ کرے ورنہ ایسے شخص پر کوئی ملامت نہیں کیونکہ خدائے وحدہ لا شریک پر ایمان لانا کسی معجزہ کا محتاج نہیں بلکہ کون و مکان اور اس کے گوناگوں عجائبات دو حقیقتوں کی حجیت کے لیے کافی ہیں:

١ - خالق علی الاطلاق کی ہستی کا اقرار۔

۲ - رسالت محمدیہ کی تصدیق ۔

جس (رسالت) نے تمام دنیا کو اپنے رب کی تابعداری کر کے ان کے دلوں کو شرک کی آلائش سے پاک کر دیا جس کا ذریعہ قران مجید ھے ، آج اگر اغیار میں سے کوئی فرد اسلام لائے تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ قرآن (مجید) کے سوا کسی اور معجزہ کی تصدیق کرے ۔ نوواردان حلقۂ اسلام دو حالات میں کسی ایک حالت کے مصداق ھوں گے : یا تو ابوبکر کی حالت کے کہ اسلام کی دعوت سنتے ھی اس خلوص سے ایمان قبول کرلیا کہ ان کے دلوں میں شک و ریب کا کوئی شائبہ نہ تھا ، یا پھر وہ ایسے مسلمان ھوں گے جن کے ایمان لانے کے محرکات عالم کون و مکان کی وہ وسعتیں ھیں جن کی مکانی و زمانی حدود کے ادراک سے ھم قاصر ھیں ۔

وسعت کے باوجود اس عالم کا ھر ایک ذرہ ایک مقررہ نظام کے مطابق مصروف عمل ھے ۔ ایسے حضرات کے نزدیک قیام عالم اور اس کا نظام عمل دونوں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے دو معجزے ھیں اور خرق عادت کی یہ طبعی قسم اکثر ممتاز علمائے اسلام کے استحکام ایمان کا سبب ثابت ھوئی ۔

مومنین کی ایک اور قسم ھے جو بر بنائے اخلاص عذاب کے خوف اور ثواب کے طمع دونوں سے دامن بچا کر حلاوت ایمان سے لطف اندوز رھتی ھے ۔ ان کا مشغلہ عین ذات میں محویت ھے کہ مقصود تو وھی ھے بمصداق آیت : انا للہ و انا الیہ راجعون (جس کی ملکیت ھم سب ھیں اور جس کی طرف ھمیں لوٹنا ھے) ۔

موجودہ دور کے مسلمان جنھوں نے معجزات کا وقوع اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور ایمان پر ثابت قدم ھیں ان کی مثال ان مومنین اولین کی ھے جو نبی عربی صلعم کی زندگی میں آپ پر ایمان لائے اور جن کے قبول اسلام کی حکایت میں ان کے معجزات دیکھ کر ایمان لانا تاریخ میں مذکور نہیں، بلکہ مندرجہ ذیل دو محرکات ھیں:

۱ - اللہ تعالیٰ کی وہ ”حجۃ“ جو عنوان وحی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان گرامی سے ادا ھوئی ۔

۲ - رسول کریم صلوات اللہ تعالیٰ علیہ کی شبانہ روز کی زندگی میں آپ کے ”اسوۂ حسنہ“ کا وہ اعلیٰ نمونہ جس کے خدوخال اس حد تک جاذب توجہ تھے کہ ھر صاحب فراست کے لیے وجہ ایمان ثابت ھوئے ۔

واقعۂ معراج سبب ارتداد بن گیا : سیرت کی تمام کتابوں نے بالاتفاق ذکر کیا ھے کہ کچھ لوگ جو آں حضرت پر پہلے پہل ایمان لا چکے تھے، جب انھوں نے نبی صلعم کی زبان سے معراج کے بارے میں یہ سنا کہ ”آپ کو راتوں رات مسجد الحرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک لے جا کر وھاں کے متبرک مقامات کی سیر کرائی گئی ھے“ تو یہ سننے کے ساتھ ھی اکثر مرتد ھوگئے ۔

سراقہ بن جعشم کا معجزہ دیکھ کر ایمان نہ لانا :- سراقہ بن جعشم کا واقعہ ھے کہ جب آں حضرت صلعم ھجرت فرما ھوئے تو اھل مکہ نے آپ کو زندہ یا مردہ (خاکم بدھن — م گرفتار کرنے پر انعام کا اعلان کیا تو سراقہ نہ صرف رسول اللہ کے تعاقب میں کامیاب ھوگیا بلکہ ارباب سیر نے اس تعاقب میں سراقہ کے اسپ کا معجزانہ طور پر گرنے کا جو واقعہ بیان کیا ھے مجھے اس میں یہ کہنا ھے کہ سراقہ یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان کیوں نہیں لایا ۔

معجزات اور حدیث و سیرت کی کتابیں: جن (کتابوں) میں معجزات کی حکایات منقول وہ روایات دو حال سے خالی نہیں:

۱ ۔ اختلاف متن۔

۲ ۔ محل نقد و بحث ۔

نمبر ۲ میں مثلاً ''غرانیق العلیٰ'' کی روایت ہے جس کے متعلق ہم نے مقدمہ اور متن دونوں میں اجمال و تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

شق صدر درعہد رضاعت: کا جو واقعہ (جناب) حلیمہ (آں حضرت کی رضاعی والدہ) نے آپ کی حقیقی والدہ (حضرت سیدہ آمنہ) سے بیان کیا ۔ اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ شق صدر کے وقت آپ کے سن مبارک کی روایات بھی مختلف فیہ ہیں۔

در واقعہ حضرت زید و جناب زینب: اسی طرح جناب زید اور ام المومنین زینب کے اسباب طلاق میں اختلاف روایات ہے جس پر ہم نے متن میں تفصیلاً بحث کی ہے (م ــ فصل ۱۷ در بحث ازواج النبی)۔

تبوک میں چشمہ کا پانی: اسی طرح جیش العسرۂ تبوک کا یہ واقعہ جسے مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں معاذ بن جبل سے روایت کیا:

''قال معاذ انکم ستاتون ان شاء اللہ غدا عین تبوك و انکم لن تاتوھا حتی یضحی النھار فمن جاء منکم فلا یمس من ماءھا شیئاً حتی آتی فجئناھا وقد سبقنا الیھا رجلان والعین مثل الشراک تبض بشیٔ من ماء قال فسالھما رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ھل مسستما من ماءھا شیئاً؟ قالا نعم افسبھا، النبی صلے اللہ علیہ وسلم وقال لھما ماشاء اللہ ان یقول قال ثم غرفو اباید یھم من العین قلیلاً قلیلاً حتی اجتمع فی شیٔ قال و غسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ یدیہ و وجھہ ثم اعاد فیھا فجرت العین بماء منھمر او قال غزیر شك ابو علی ایھا قال حتی استقا الناس ثم قال یوشك یا معاذان طالت بك الحیاۃ ان تری ماھا ھناقد ملی جناناً''

از معاذ بن جبل: میدان تبوک سے مراجعت کے موقعہ پر آں حضرت (صلعم) نے فرمایا: انشاء اللہ کل چاشت کے وقت تم لوگ تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے مگر خیال رہے کہ میرے وہاں آ جانے سے پہلے کوئی شخص اس چشمہ کا پانی نہ چھوئے۔ مگر ہم دو ایسے عجلت پسند آدمی نکلے جنھوں نے آتے ہی اس چشمہ کا پانی استعمال کر لیا۔ اس وقت یہ چشمہ پانی کی پتلی لکیر سا تھا، رسول اللہ تشریف لائے اور دریافت فرمانے پر یہ واقعہ سنا تو دونوں کو بہت تنبیہ فرمائی۔ پھر ہمیں اس چشمہ سے اوک سے پانی اولیچ اولیچ کر ایک جگہ جمع کرنے کا ارشاد فرمایا۔ معاذ فرماتے ہیں اس جمع شد پانی میں سے آں حضرت نے اوک بھر کر چہرہ مبارک پر چھڑکا، دوسرا اوک بھر کر چشمہ کی اس پتلی دھار پر انڈیل دیا جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک کلابے کی طرح بہنے لگا۔ اس حدیث کی راوی ابو علی فرماتے ہیں: معاذ نے ''منھمر'' کہا یا ''غزیر (معناً دونوں یکساں ہیں) حتٰی کہ لوگوں نے اپنی پیاس کے

مطابق اس میں سے پانی پی لیا ۔ پھر رسول اللہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے معاذ ! اگر تم کچھ دن زندہ رہے تو یہاں سر سبز و شاداب گلستان دیکھوگے۔

قصهٔ تبوک در کتب سیر: لیکن سیرت کی کتابوں میں تبوک کا ذکر جس عنوان سے مذکور ہے اس میں نہ تو معجزہ کی حکایت ہے نہ "صحیح" مسلم کی متذکرۃ الصدر روایت کا سا کوئی اشارہ، جیسا کہ "سیرت ابن ہشام" میں منقول ہے ۔

براویت ابن اسحاق :

"فلما اصبح الناس ولا ماء معهم شكو اذلك الى رسول الله صلے علیه وسلم فدعا رسول الله صلے الله علیه وسلم فارسل الله سحابه" فامطرت حتي ارتوي الناس فاحتملوا حاجتهم من الماء"

دوسرا دن ہوا اور لوگوں کو پانی نہ ملا۔ تب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مصیبت کا اظہار کیا جس پر آں حضرت صلعم نے دعا کی۔ آسمان پر بادل منڈلائے ۔ مینہ برسا ۔ لوگوں نے جی بھر کر پانی پیا اور راستے کے لیے بھی بھر لیا ۔

"قال ابن اسحاق فحدثنی عاصم بن عمر بن قتاده عن محمود بن لبید عن رجال من بنی الاشهل قال قلت لمحمود هل كان الناس يعرفون النفاق فيهم ؟ قال نعم ! ان كان الرجل ليعرفه من اخيه و من عمه و فی عشيرته ثم يلبس بعضهم بعضاً علی ذلک"

ابن اسحاق (مولف سیرت) فرماتے ہیں مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے محمود بن لبید سے بحوالہ نا معلوم الاسم اشخاص جو قبیلہ بنو عبدالاشہل سے ہیں روایت کی اور میں نے ان سے پوچھا کیا اس فوج کے منافقوں کو لوگ جانتے تھے ؟ محمود نے کہا ہاں ! ہاں ! منافقوں کے حقیقی بھائی اور عم زاد اور قبیلہ والے اپنے اپنے منافق قرابت داروں کو پہچانتے تھے ۔

"ثم قال محمود قد اخبرنی رجال من قومي عن رجل من المنافقين معروف نفاقه" كان يسير مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث سار فلما كان من امر الماء بالحجر ما كان و دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم حين دعا فارسل الله السحابه" فامطرت حتی ارتوی الناس قالوا اقبلنا علیه نقول و يحك ! هل بعد هذا شی ؟ قال سحابه" مارة"

پھر محمود نے کہا مجھے میری قوم کے بعض افراد نے ایک ایسے مشہور منافق کی بھی خبر دی جو اس سفر میں بھی آں حضرت کے ساتھ تھا ۔ پھر جب پتھر سے پانی بہنا شروع ہوا تب رسول اللہ صلعم نے مینہ کی دعا کی ۔ ابر اٹھے اور اس قدر مینہ برسا کہ لوگوں نے جی بھر کر پانی پیا ۔ ہم سب اس پر ٹوٹ پڑے اور اس سے کہا کہ کیا واقعہ کے بعد بھی نفاق کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے ۔ کہا کہ ابر کا ایک ٹکڑہ ہے جو اتفاقاً برستا ہوا نکل گیا ۔

١- "صحیح" مسلم، باب فی معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد ١—م ۔

''صحیح'' مسلم اور ابن اسحاق کے اختلاف روایت پر تحقیقی نظر: مگر ان دونوں اختلاف روایات نے واقعہ کی حقیقت میں علمی مشکل پیدا کر دی ہے۔ بہتر ہے کہ ترجیح روایت کی بجائے حقیقت الامر کی نظر سے مطالعہ کیا جائے کیونکہ محض روایات میں راجح و مرجوح سے امر واقعہ کی صحت متعین نہیں کی جا سکتی بلکہ اگر راجح روایت صحت امر میں حائل ہو تو اس سے نظر ہٹا کر غور کریں کہ حقیقت کس راہ پر چلنے سے منکشف ہو سکتی ہے ورنہ ظنیات پر واقعہ چسپاں کرنا مفید نہ ہوگا۔

یہی علمی اسلوب ہے جس کے مطابق میں نے کتاب ''حیات محمد،، کی تبییض شروع کی اور اسے جدید علمی تحقیق کے اصولوں کے مطابق مدون کیا جس سے میرا مقصد صرف تحقیق ہے اور جس کا ذکر راقم (مولف) نے مقدمۂ طبع اول کے خاتمہ پر کر دیا ہے یہی امید مولف کی طرف سے کتاب کی تکمیل تک ہے۔

نیز ہر موضوع (متعلقہ کتاب) پر غائر نظر ڈالنے کے بعد سیر حاصل بحث کی گئی ہے تاکہ زیر تحقیق مسائل کی نفسیاتی تحلیل سے کشف حقیقت میں مدد حاصل ہو سکے اور انسانیت جو صدیوں سے جدید تمدن کی جستجو میں سرگردان ہے فخردو عالم حضرت محمد صلعم کی شخصیت اور ان کی رہبری سے منزل مقصود تک جا پہنچے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اگر اس مبحث میں پورے تفحص سے کام لیا جائے تو اس کی مدد سے ایسے بے شمار مسائل حل ہو سکتے ہیں جن کی تحلیل سے اہل علم ابھی تک قاصر ہیں حتیٰ کہ ان (حل شدہ مسائل) کی روشنی سے کئی اور ایسے مسائل کی تحلیل ہو سکے گی جن کی وضاحت تاہنوز ہماری دسترس سے باہر ہے۔

نہ صرف یہ بلکہ جدید تمدن کو جس قدر ارتقاء حاصل ہوتا جائے گا حضرت محمد صلعم کے کردار سے انسانیت کا واسطہ اسی قدر مربوط ہوتا جائے گا جیسا کہ مادیات میں ''کھربا،، اور ''اثیر،، کی دست گیری نے ان انجانی قوتوں کو بیدار کر دیا ہے۔

یہی نکتہ ہے جس پر پوری توجہ مرکوز رکھنے کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نہ صرف مسلمان بلکہ تمام انسانی برادری کے لئے مفید ہو سکتی ہے، کیونکہ آں حضرت صلوٰت اللہ علیہ کی بعثت کا مقصد کسی متعین دین ہی کا فروغ نہیں جیسا کہ بعض حضرات کا گمان ہے، بلکہ آپ کی مقرر کردہ راہ پر چل کر انسانی زندگی میں ارتقاء حاصل کرنا ہے۔ ناممکن ہے کوئی شخص اس راہ پر گامزن ہوئے بغیر منزل پر پہنچ سکے۔

فراست اور نور قلب معرفت اور علم صحیح کے منبع ہیں۔ جو شخص ان دونوں کی دراست کے بغیر اس راہ پر قدم رکھے اس کا منزل تک پہنچنا معلوم! اگر فکر کا مبنیٰ علم صحیح نہ ہو اور علم کی منزل کو اس کی راہوں سے ہٹ کر دوسرے راستوں سے طے کیا جائے تو اس راہ میں جو قدم اٹھے گا اس میں لغزش یقینی ہے اور تحقیق (علمی) کا انحصار اختلاف طبائع پر مبنی ہے مثلاً:

۱ - ایسے دو ارباب تحقیق و فکر جو علم و اخلاص میں مساوی مگر مزاج میں مختلف ہیں اور ایک ہی مسئلہ میں داد تحقیق دے رہے ہیں، ظاہر ہے کہ دونوں کی فکر کا نتیجہ بھی مختلف ہوگا۔

۲ - سوداوی مزاج اور عجلت پسند اہل علم! ایسے حضرات کے ذہن میں پہلی مرتبہ جو کچھ آگیا اسے دوسروں کے سامنے رکھ دیا مگر یہ بھی نتیجہ رس تو نہیں ہو سکتا۔

۳ - صوفی منش، رقیق القلب یا دنیا جہان سے دل برداشتہ اہل علم! ان کی کاوش فکر

کا جہاز جس ساحل پر لنگر انداز ہوگا وہ ظاہر ہے۔

۴۔ محض مادہ پرست اہل تحقیق! جن کی قوت فکر صرف مادیت کا طواف کرنے میں مصروف ہے۔ یہ حضرات مادہ سے خارج کسی شے کو اپنے نتائج افکار سے بہرہ اندوز ہونے ہی نہیں دیتے۔

۵۔ جو پہلی چار قسموں سے مختلف اور عام ہے۔ یہ لوگ دوسری حیثیتوں سے باہم مختلف المزاج ہیں اور ایسے ارباب کاوش کی فکر میں یگانگت کا تصور ناممکن ہے۔

اختلاف طبائع نعمت بھی ہے: لیکن اختلاف طبائع جہاں صنعت و ایجاد میں نعمت عظمیٰ ہے کہ اس کی بدولت گونا گون ایجادات وجود میں آتی ہیں وہاں یہی اختلاف علمی تحقیق کے لیے باعث صد زوال بھی ہے کہ علمی تحقیق میں ایک نظریہ تو متعین ہو سکتا ہے مگر طبائع کا اختلاف انداز فکر کی رنگا رنگی سے نتائج میں یک جہتی پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اس لیے تاریخ میں تحقیق کے لیے قدم اٹھانے سے پہلے ذاتی میلان اور انفعال مزاج سے بچتے ہوئے خود پر ان علمی قواعد کی پابندی لازم کر لیجیے جن کی مدد سے آپ حقیقت کے ماسوا کسی اور شے پر اپنا سفر ختم نہ کر دیں۔

جس طرح بعض مسلمان اہل قلم دوران تصنیف میں اپنے عقیدہ کے تاثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے اسی طرح مستشرقین میں بھی ایسے ارباب قلم ہیں جو علمی تحقیقات میں ذاتی رجحانات کی دخل اندازی سے اپنا دامن نہیں بچا سکتے۔ یہ مصیبت اس وقت اور بھی سوا ہو جاتی ہے جب ارباب تحقیق اپنی تصنیف کا مبنیٰ ان خواہشات کو بنا لیتے ہیں جن کا سراسر تعلق ان کے مزاج کی طرفہ طرازیوں سے ہے۔ پھر یہ حضرات جب لکھنے بیٹھتے ہیں تو صحت و سقم میں تمیز کیے بغیر استشہاد شروع کر دیتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ غلط بنیاد پر تعمیر کردہ عمارت میں جابجا دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔

کاش! علمی تحقیقات میں اپنے رجحانات کو دخل اندازی کا موقعہ نہ دیا جائے، نہ دوسروں کی غیر منتج اور خلاف تحقیق عبارتوں پر بھروسہ کیجیے۔ تحقیق کا مقصد تو یہ ہے کہ دوسروں کی غلطی کی اصلاح کرتے ہوئے خود کو اس لغزش سے روکا جائے۔ تحقیق و تنقیح اگر اس انداز سے ہو تو ظاہر ہے کہ یہ انداز اپنا اثر لائے بغیر نہ رہے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس اجمال کی تفصیلات پر چند اور حروف سپرد خامہ کروں۔ امید ہے کہ میری طرف سے اس حرف گیری میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جائے گا!

اسلام کی تحقیقات میں مستشرقین کے حسن نیت اور دقت نظر دونوں قابل ستائش ہی سہی، مگر اس راہ میں ان کے سامنے جو موانع حائل ہیں ان کے ہوتے ہوئے ناممکن ہے کہ وہ منزل سے سلامتی کے ساتھ نکل سکیں اور اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مستشرقین کی عربی لغت میں عدم دسترس جس کی وجہ سے وہ عربی عبارات کے اسرار و رموز پر ادراک سے قاصر ہیں۔

۲۔ نقطۂ نظر کی یہ خامی کہ مستشرقین جس طرح عیسائی تاریخ میں علم و دین میں ایک طرح کی آویزش دیکھتے ہیں، چاہتے ہیں کہ اسی آویزش کی مثالیں اسلامی تاریخ میں بھی تلاش کریں۔

۳۔ جدید علوم کی روشنی کی بدولت یورپین اقوام کا نفس مذہب سے تنفر جس نے کلیسا اور مستشرقین دونوں کو چراغ پا کر رکھا ہے، اگرچہ ان الزامات سے اکیلے مستشرقین ہی آلودہ نہیں بلکہ ہر ایک انسان اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہی ہے۔ البتہ اس باب میں

ان یورپی اہل قلم کو یہ مزید امتیاز حاصل ہے کہ اسلام پر قلم اٹھاتے وقت ان کی عصبیت میں اور بھی جولانی پیدا ہو جاتی ہے حتیٰ کہ حقیقت اور ان کی تحقیق دونوں میں بعد المشرقین کی مسافت بڑھ جاتی ہے۔

اہل قلم مسلمانوں سے اپیل: ہر اس اہل قلم مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو بلاد اسلامیہ میں بود و باش رکھتا ہو، عام اس سے کہ ان کے مشاغل صرف دینی علوم تک محدود ہوں یا وہ علوم دین کے ساتھ علم جدید کی راہوں سے بھی آگاہ ہوں، کہ اسلامی مسائل پر خامہ فرسائی کے دوران میں نہ تو انصاف کو ہاتھ سے دیا جائے اور نہ علمی تحقیق سے اپنا دامن بچایا جائے۔

مسلمان اہل قلم جو عربی زبان کے ادراک اور عرب کی معاشرت سے پوری طرح آگاہ ہیں اگر ان مسائل پر دقت نظر سے قلم اٹھائیں گے تو مستشرقین میں سب نہ سہی چند ایک اہل قلم ایسے نکل ہی آئیں گے جو ان مصادر (اسلام کے صحیح ماخذ) کی بنا پر اپنے نظریات کی اصلاح کر سکیں اور مسلمان ارباب تحقیق کے نتائج تسلیم کرنے سے احتراز نہ کریں! یہ امر ناممکن الحصول نہیں، البتہ مسلسل جد وجہد اور تحقیق کے مطالعہ کے بغیر کامیابی محال ہے اور مسلمانوں ہی کی طرف سے ایسی تصانیف شائع ہوجانے سے اسلام اور انسانیت دونوں کا مستقبل درخشاں ہو جائے گا۔

اسلام کے متعلق تحقیقات علمی میں تقسیم عمل: اگر اسلاف (اسلام) کی تاریخ دو حصوں میں منقسم کر دی جائے:

ا۔ دور اول: اوائل اسلام سے لے کر شہادت عثمان تک۔

ب۔ دورثانی: عثمان کی شہادت سے لے کر اجتہاد کامل کے ختم ہونے تک۔

خلافت اولیٰ وثانیہ میں مسلمانوں کا اتحاد: دور اول (ا) میں مسلمان باہم اس قدر متحد رہے کہ نہ تو خلافت (اولیٰ) کے انعقاد پر ان میں اختلاف پیدا ہوا نہ خلیفہؑ اول کی طرف سے ان جنگوں میں جو ان کے عہد میں مرتدین کے خلاف لڑی گئیں؛ باہم اختلاف رونما ہوا اور نہ خلیفہ ثانی کے عہد میں ان حملوں کے مواقع پر کوئی اختلاف ہوا جو (حملے) دوسرے ملکوں کے فتح کرنے کی غرض سے کیے گئے۔

شہادت عثمان مسلمانوں میں خانہ جنگی کا باعث ہو گئی: مگر حضرت عثمان کی شہادت کے ساتھ ہی مسلمانوں میں اختلاف وانشقاق کی رو چل نکلی جس کا سب سے بڑا ہولناک حادثہ حضرت علی اور امیر معاویہ کی لڑائی ہے جن کے بعد یا تو مدتوں خفیہ سیاسی تحریکیں مسلمانوں کی وحدت میں خلفشار کا موجب رہیں یا علانیہ جنگیں، حتیٰ کہ دین پر سیاست چھا گئی۔

خلیفہؑ اول اور عباسی حکمران منصور: ان دونوں حضرات کے ابتدائی خطبے بتا رہے ہیں کہ جہاں حضرت ابوبکر نے خود کو مسلمانوں کے حضور رضا کارانہ طور پر پیش کیا وہاں عباسی بادشاہ (منصور) نے اپنی ذات کو مسلمانوں کے مالک الرقاب کی صورت میں جلوہ آرائی کی۔

حضرت ابوبکر کا خطبہ:

''ایہاالناس! انی قد ولیت علیکم ولست	حضرات! مجھے آپ لوگوں کا امیر تو بنا دیا
بخیر کم فان حسنت فاعبنونی وان اسات فقومونی	گیا ہے مگر آپ لوگوں پر مجھے کوئی
الصدق امانۃ والکذب خیانۃ والضعیف	فضیلت نہیں۔ اگر میں بہتر طریق پر چلوں

فیکم قوی عندی حتیٰ ریح علیه حقه ان شاءالله والقوی فیکم ضعیف عندی حتیٰ اخذ الحق منه ان شاءالله لایدع قوم الجهاد فی سبیل الله الا ضربهم الله بالذل ولا تشیع الفاحشہ" فی قوم الا عمهم الله بالبلاء اطیعونی ما اطعت الله و رسوله فان عصیت الله و رسوله فلاطاعه" لی علیکم قوموا الی الصلوٰة یرحمکم الله"

تو اس میں میری اعانت کیجیے اور جب مجھ سے غلطی ہو تو مجھے راہ راست پر لائیے (حضرات) یاد رکھیے صدق امانت ہے اور کذب کا دوسرا نام خیانت۔ میری امارت میں ضعیف شخص طاقتور ہے کیونکہ میں جب تک اس کا حق اسے نہ دلوا لوں مجھے چین نصیب نہ ہوگا۔ انشاء اللہ اسی طرح قوی شخص میرے نزدیک اس قدر کمزور ہے کہ جب تک میں (انشاء اللہ) اس سے کمزور کا حق نہ دلوا دوں مجھے تسکین نہ ہوگی۔ (حضرات) یاد رکھیے کی جو قوم جہاد فی سبیل اللہ سے قدم ہٹا لیتی ہے اللہ اسے ذلیل کرکے دھتکار دیتا ہے اور جب کسی قوم میں فواحش عام ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر کوئی ان جانی مصیبت نازل فرما دیتا ہے۔ (اے مسلمانوا) اسی وقت تک میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرتا ہوں۔ اگر میں ان کی بے فرمانی کروں تو تم بھی میری اطاعت سے آزاد ہو۔ اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔

عباسی حکمران منصور کا خطبہ: منصور ۱۳۶ تا ۱۵۸ھ میں حضرت ابوبکر کے ۱۲۳ سال بعد سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کے خطبہ کا ایک ایک حرف مسلمانوں پر بزور شمشیر حکمرانی کا فرمان سنا رہا ہے

ایها الناس! انما انا سلطان الله فی ارضه اسوسکم بتوفیقه وتائیده وحارسه علی ماله اعمل فیه بمشیه" و ارادته واعطیه باذنه فقد جعلنی الله علیه قفلا ان شاء یفتحنی! لا اعطاکم وقسم ارزاقکم وان شاء یقفلنی علیها اقفلنی"

حضرات! اللہ نے مجھے آپ لوگوں پر دنیا میں حکمران بنایا ہے۔ میں اس کی یاوری سے تمھیں سیدھی راہ پر چلا سکتا ہوں۔ اس نے اپنے مال کی نگہبانی مجھے تفویض فرما دی ہے جسے میں اس کی مشیت کے مطابق صرف کر سکتا ہوں کیونکہ اللہ نے مجھے اپنے مال کا محافظ قرار دیا ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو میں اس کا دیا ہوا مال تم پر خرچ کروں گا۔ اگر اس کا منشا نہ ہوگا تو یہ مال روک لوں گا۔

اگر ہم ان دونوں خطبوں کا موازنہ اسلام کی ابتدا سے لے کر دوسری صدی کے آخری حصہ کے احوال سے کریں تو ہمارے سامنے یہ افسوس ناک حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ

اسلامی جمہوریت کتنی جلدی شخصی اقتدار میں منتقل ہو کر ختم ہو گئی ، اور کس طرح اسلام کی یک جہتی میں بتدریج انحطاط آنا شروع ہوا حتیٰ کہ حضرت عثمان کی شہادت کو ابھی دو صدیاں بھی نہ گذری تھیں کہ اس زوال کا اثر اپنا رنگ لے آیا جس کے بعد ایک وقفہ تک اکثر نئے نئے ملک مغلوں اور سلجوقیوں کی وجہ سے اسلامی قلمرو میں داخل ہوئے۔

صدر اول سے لے کر تا بہ عہد عثمان قوم کے خد و خال میں اسلامی معاشرہ کا اثر غالب تھا جو اس امر کا ثبوت تھا کہ مسلمانوں کی حیات عمومی پوری طرح جاذب و پر شکوہ نظر آتی، مگر یہ اثرات اموی خصوصاً عباسی عہدوں میں شعوبی (قبائلی) اثرات میں جذب ہو کر غائب ہو گئے ۔ باوجودیکہ ان دونوں عہدوں میں علوم و حکمت کی فراوانی تھی کیونکہ یہ نئے اثرات دوسری قوموں سے آئے تھے مگر اسلامی اصوُل کے بالکل منافی تھے ۔

یہود و نصاریٰ کے مسلمان ہونے پر نئی آفت کا ورود : یہود ونصاریٰ اور عجمی لوگوں میں جو لوگ بظاہر مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے قصر اسلام میں عجیب زاویوں سے رخنہ اندازی شروع کر دی ۔ یہ طائفے نئے اصول وضع کرتے اور ان کی تائید و ترویج کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے حدیثیں وضع کرتے اور بعض باتوں کی نسبت خلفائے راشدین سے کرتے مگر حقیقت میں ان احادیث و اقوال کو نبی صلعم اور خلفائے کرام سے قولاً و فعلاً کوئی نسبت نہ ہوتی۔ اس دور کی بیشتر احادیث ذاتی رجحانات کا نتیجہ ھیں اس لیے ان کے قبول بیں عجلت سے کام نہ لیا جائے ۔ اس بارے میں سب سے مقدم اصول یہ ھے کہ جو حدیث قرآن مجید سے متفق نہ ہو رسول اللہ سے منسوب ہونے کے باوجود اُسے رد کر دیا جائے۔

صدر اول تا بہ دور عثمان کی روایات : مگر (تاریخی) واقعات کے متعلق جو روایات ھیں ان کے قبول میں تامل نہ کیا جائے بلکہ عہد عثمانی سے بعد کے مرویات کی صحت کے لیے اسی دور کی روایات کو معیار قرار دیجیے۔ اگر مسلمان اس کام کو دقت نظر سے پورا کر سکیں تو اسلام کے اصول اور اس کا نظام زندگی جن کی بدولت عرب کے بادیہ نشین بیس سال سے کم مدت میں عالم پر چھا گئے عقلی اور نفسیاتی طور پر دنیا کے سامنے پیش کرکے اسے پھر سے اسلام کی طرف راغب کر سکیں گے۔ اگر ہم اس مہم میں کامیاب ہو گئے تو تاریخ کے ان عظیم الشان واقعات سے ہم دنیا کو جو سبق پڑھا سکیں گے عوام کے لیے ایسی دعوت عام ہوگی جسے قبول کرنے سے انسانیت کا معیار زندگی اسی طرح بلند ہوگا جس طرح ''کہربا،، اور ''اثیر،، جیسی مادی قوت سے دنیا نے گوناگوں فوائد اور منافع حاصل کیے ھیں بلکہ ان دونوں سے کہیں زیادہ رفاہیت انسان کو حاصل ہوگی جس سے انسان کے روح اور قالب دونوں تسکین حاصل کر سکیں گے۔ میں پھر اعادہ کرتا ہوں کہ اگر مسلمان اہل قلم یہ زحمت گوارا فرما سکیں تو انہیں اسلام کو اس طرح دنیا جہان کے سامنے پیش کرنا چاہیے جس طرح وہ عرب کے بدوؤں کے سامنے پیش ہوا جنہوں نے اسلام پر عمل پیرا ہو کر بے شمار ملکوں کو اپنے حضور سرنگوں کرلیا۔

حیات محمد صلعم دنیا کے لیے نمونہ ھے : اس مقصد کے لیے سب سے مقدم رسول صلعم کی ایسی سیرت کی تدوین کرنا ھے جو علم و معرفت کے طریقوں پر مرتب کی جائے تاکہ جناب محمد صلوات اللہ علیہ کی زندگی دنیا کے ہر تمدن میں نمونہ ثابت ہو ۔ مگر خیال رہے کہ رسول اللہ کی سیرت کا سب سے بہتر (''اصدق،،) ماخذ قرآن مجید ھے جس میں باطل اور

ریب کا شائبہ تک نہیں۔ قرآن کی صداقت کا یہ بدیہی ثبوت ہے کہ وہ دنیا میں ساڑھے تیرہ سو سال سے موجود ہے اور روز اول سے لے کر اب تک اس کے کسی شوشہ و نکتہ میں تغیر نہیں ہوا۔ اس کا یہ دوام و عدم تغیر اس امر کا پیش خیمہ بھی ہے کہ جب تک نظام عالم مربوط ہے قرآن مجید بھی باقی رہے گا جو اس کے محفوظ اور من جانب اللہ ہونے کی نص ہے جیسا کہ

ہم (اللہ) ہی نے قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی صحت و دوام کے نگہبان ہیں۔	انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (۹:۱۵)

قرآن مجید کی تعلیم اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ وہ معجزہ ہے جو حضرت محمد صلوات اللہ علیہ کو دیا گیا۔ اس کے انداز اور ہمہ گیری سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانۂ نزول سے لے کر اس وقت تک دنیا میں جلوہ آرا رہے گا جب تک یہ نظام مربوط ہے۔ اس لیے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی سیرت کو قرآن مجید پر عرض (پیش) کریں اور آپ کے متعلقہ روایات میں جو چیز قرآن مجید کے موافق ہو اسے قبول کرنے میں تامل نہ کریں، مگر قرآن کے سوا دوسرے ذرائع سے جو ایسے امور آں حضرت کی سیرت کے متعلق منقول ہوں کہ وہ قرآن کے معیار پر پورے نہ اتر سکیں ان سے انکار میں انہیں تردد نہ کرنا چاہیے۔

حرف آخر: راقم السطور سے جہاں تک ہوسکا یہ نکتہ پیش نظر رکھا اور جب ”حیات محمد،، کا پہلا ایڈیشن طبع ہوا تو میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس نعمت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دعا کی کہ مجھے اس راہ میں مزید تحقیق و تعمق کی توفیق عنایت فرمائیو جو دوسروں کے لیے ہدایت و گمراہی سے دور رکھنے کا ذریعہ ہو سکے!

” ربنا علیک توکلنا و الیک انبنا و الیک المصیر“ (٦٠ : ٤)

صادق امین عبداللہ حیاتِ محمد ﷺ کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

صفی اللہ حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی رحمۃ یتیم

ملکِ عرب قبل از اسلام

صادق امین عبداللہ حیات محمد ﷺ کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

صفی اللہ حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی الرحمۃ یتیم

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک عرب قبل از اسلام

دنیا میں تمدن کا اولین گہوارہ: پہلے پہل دنیا کے کس خطہ پر تہذیب نے جلوہ آرا ہو کر ارتقاء کے لیے قدم اٹھائے؟ جب سے تاریخ کے ابتدائی تعیین پر بحث شروع ہوئی ابھی تک اس کی تنقیح نہیں ہو سکی ما سوائے ازیں کہ آج سے چھ ہزار برس قبل خطۂ مصر کو تہذیب انسانی کا اولین گہوارہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

آثار قدیمہ کے ماہرین عراق و شام کے آثار کی تلاش میں مصروف ھیں تاکہ آشوری اور فنیقی تمدن کا کھوج لگا کر تمیز کی جا سکے کہ عہد فراعنہ کا مصر آشوری اور فنیقی قوموں سے پہلے تمدن سے فیض یاب ہوا یا یہ قومیں (یعنی آشوری اور فنیقی) مصر سے قبل تہذیب سے بہرہ مند ہوئیں۔ ماہرین آثار (قدیمہ) تاریخ کے اس گوشے کو جس حد تک بے نقاب کر سکیں (اس کے متعلق قبل از تحقیق کچھ نہیں کہا جا سکتا)، مگر جس طرح ابھی تک چین اور مشرق اقصیٰ کے متعلق مزید تحقیق کے دامن تک ہاتھ نہیں پہنچ سکا اسی طرح مصر اور عراق و شام کی تخصیص میں بھی کسی مزید امر کا انکشاف نہیں ہو پایا۔

لیکن تحقیق اس نتیجہ پر پہنچ چکی ھے کہ مصری فراعنہ اور عراق و شام کی آشوری و فنیقی قومیں جو دریائے روم (''ابیض،،) کے ساحل پر پھیلی ہوئی تھیں ان کی بستیوں میں تہذیب کا سب سے بڑا مرکز عہد فراعنہ کا (خطہ) مصر ھی تھا جس کی تہذیب نے یونان اور روم تک کو اپنے دامن میں پناہ دی۔ اس کے ساتھ ھی یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ھے کہ موجودہ مصر کے تمدن سے بھی اس کے اولین عہد کی تہذیب کا پرتو منفک نہیں۔

مصر کی تہذیب پر اسلامی تمدن کا اثر: ماہرین آثار کی تحقیق کا قدم اس تنزل تک آ پہنچا ھے کہ مصر و آشوری اور فنیقی اقوام اور یونان و روم کا تمدن ایک حد سے آگے قدم نہ بڑھا سکا مگر جونہی اسلام نے اپنے گہوارہ سے باہر قدم رکھا ان ملکوں کے قدیم تمدن نے ایک نئی کروٹ بدلی اور دیکھتے ھی دیکھتے

ع نقطۂ اوج تام پر ماہ تمام آگیا
یعنی وہ چاند حسن کا برسر عام آگیا

اور متذکرۃ الصدر خطے اسلامی تمدن سے بہرہ ور ہو کر دنیا کے اور اور حصوں میں بھی تہذیب میں اصلاح و ارتقاء کا سبب بنے۔

بحر قلزم کے نواحی اور روم کا قدیم تمدن: دریائے روم کے ساحلی علاقوں اور ان کے گردو پیش حصوں میں تمدن کی جو ارتقائی حالت آج سے ہزاروں سال پیشتر بام عروج پر تھی اس پر ابھی تک اهل نظر حیران هیں که ان قوموں کو علوم صنعت ، حرفت ، تجارت زراعت و اسلحه سازی اور جنگی طریقوں پر کس قدر عبور حاصل تھا لیکن ان قوموں کے اس تمدن کے پیچھے بھی مذهب اور اس کا ولوله کار فرما تھا جس کی تاثیر سے ان کا تمدن نه صرف بر قرار بلکه ترقی پذیر حالت میں قائم رہا کیونکه وہ اپنے علم اور صنعت و حرفت اور حرب (جمله امور میں) پہلے مذهب سے فتویٰ حاصل کرتے۔

نفس تمدن کا مذهب سے واسطه: زمانۂ قدیم میں اهل مصر تین مختلف معبودوں اور یونانی بتوں کی پرستش میں مقید تھے۔ اگرچه مختلف عہدوں میں ان دونوں قوموں کے خداؤں میں عمل تغییر جاری رہا لیکن یه کبھی نہیں ہوا که شبانه روز کی کسی ساعت میں بھی ان (دونوں) ملکوں کے رہنے والوں نے مذهب سے نجات حاصل کی ہو یا کسی اور ایسی کوشش میں ایک لمحه بھی صرف کیا ہو۔ یه اس امر کی دلیل ہے که بنی نوع انسان کو جس تمدن نے بام ترقی پر پہنچایا وہ (تمدن) نه صرف خود مذهب کی گود میں پروان چڑھا بلکه ابھی تک مذهب هی کی تربیت میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اگرچه دور حاضر میں وہ (تمدن) مذهب سے مخلصی کی کوشش میں ہاتھ پیر مار رہا ہے لیکن اس کی جد و جہد کا ثمرہ یه نظر آتا ہے که وہ رستگاری کی بجائے خود پر مذهب کی گرفت اور زیادہ کر رہا ہے جسے دیکھتے ہوئے یه کہنا بے جا نہیں که مستقبل میں بعجلت یا به تعویق تمدن از خود مذهب کے حضور سرتسلیم خم کر دے گا۔

مرسلین کا ظہور: کہنا یه ہے که دنیا کے جن خطوں کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے اور جن کا ایک دوسرے ملک سے ہاتھ کی انگلیوں کا سا واسطه ہے ان ملکوں میں چند ہزار سال پیشتر تمدن کی جو تعمیر مذهب کی بنیادوں پر قائم ہوئی اسی سلسله کی ایک کڑی مرسلین خدا کا ظہور بھی ہے جو اس سرزمین میں رونما ہوا جس میں حضرت موسیٰ علیه السلام نے اسی (مصر) کے ایک بادشاہ فرعون (نام) کی گود میں پرورش پائی جس (بادشاہ) کے دربانوں میں وہ کاهن اور پیشوایان دین بھی تھے جن کی گفتگو سے حضرت موسیٰ نے وحدت خداوندی اور عالم کون و مکان کی تخلیق کے سربسته اسرار سے ایسے نتائج اخذ کیے جن سے درباری بے خبر تھے حتیٰ که خداوند ہر دو سرا نے جناب موسیٰ کو اس قوم کی ہدایت کے لیے مامور فرمایا جو فرعون ہی کی سلطنت میں دن رات کاٹ رہی تھی مگر جب فرعون نے خدا کے اس فرستادہ کا یه نعرہ سنا تو اس نے ''انا ربکم الاعلیٰ'' که کر اپنی فرضی خدائی کا اعلان کرنا ضروری سمجھا۔ فرعون مصر اور حضرت موسیٰ کی باہمی کشمکش نے بہت طول کھینچا یہاں تک که خدا کا فرستادہ نبی فرعون کے جادوگروں سے آخری مقابله کے بعد اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو همراہ لے کر مصر سے فلسطین کی طرف ہجرت فرما ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیه السلام کا ظہور: اسی طرح سرزمین فلسطین میں حضرت عیسیٰ کا ظہور ہوا جنہیں خداوند دوجہان نے ''کلمة الله'' اور ''روح الله'' کے خطاب سے مشرف فرمایا۔ خدا کے یه فرستادہ نبی (حضرت عیسیٰ) تبلیغ مذهب میں مصروف رہے حتیٰ که الله نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا جس کے بعد آپ کے حواریوں نے حضرت عیسیٰ کے دین کی اشاعت کے لیے خود کو وقف فرما دیا جس کی پاداش میں وہ بھی گوناگوں سختیوں کا مورد بنے۔

مسیحیت اور دین زردتشت کا مقابلہ : مسیحی دین جس کی حمایت میں روما کی سطوت کار فرما تھی ایران کے زردتشت سے دو چار ہوا جس میں ایران کے ہم نوا مشرق وسطیٰ اور ہندوستان بھی تھے مگر ان دونوں کا مقابلہ جنگ سے یک طرف رہ کر صرف ایک دوسرے دین سے تجنب تک محدود تھا۔ ادھر ایک طویل مدت تک مصر اور اس کی ہم عقیدہ آشوری و فنیقی اقوام جو عراق و شام میں آباد تھیں مغرب کے رومی عیسائیوں اور مشرق میں رہنے والے زردتشی ایران کے درمیان حائل رہے۔ انھوں نے دونوں میں جنگی مقابلہ کی نوبت نہ آنے دی۔ یوں ان دونوں کی اس عدم آویزش کا سبب ایک دوسرے کے ملک سے مسافت کا طویل بعد بھی تھا۔

مگر اب آکر مصری اور فنیقی بھی دین مسیحی کے حلقہ بگوش ہوگئے جس سے ایران اور روم کا فاصلہ اس لحاظ سے ختم ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زردتشت اور مسیحیت میں لڑائیاں شروع ہوگئیں جن کا سلسلہ صدیوں تک قائم رہا۔ لیکن فریقین اب بھی ایک دوسرے کے دین کی تخفیف کے روادار نہ تھے بلکہ جہاں تک ہوسکا دونوں گروہوں نے مخالف دین کی تعظیم و تکریم کرکے اپنے کردار کا ثبوت پیش کیا۔ اگرچہ دونوں فریق طبعاً ایک دوسرے کے مسلک سے دور تھے مگر نہ تو عیسائی ایرانیوں کے سامنے اپنے دین کو پیش کرتے اور نہ زردتشت عیسائیوں کے حلقوں میں اپنے عقیدہ کا پرچار۔ دونوں کا مذہبی عقیدہ اور اس کی تبلیغ اپنے اپنے حدود مملکت میں محصور تھی۔

اب ایران نے روم، شام اور مصر پر اپنا پرچم لہراتے ہوئے قسطنطنیہ کے دروازہ پر دستک دی مگر ایران کے فاتح امراء نے اب بھی مفتوحہ ممالک میں دین زردتشت کے پرچار سے نہ صرف اپنا دامن بچائے رکھا بلکہ انھوں نے مغلوب قوم کے عقیدہ کے احترام میں قابل تعریف نمونہ قائم کیا۔ دوران جنگ میں مفتوحین کی جن عبادت گاہوں کو گزند پہنچا تھا ان کی تعمیر کے بعد رعایا کو ان میں آزادی سے اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی اجازت دی۔ اس بارے میں ایرانیوں کا سب سے زیادہ قابل تعریف یہ رویہ تھا کہ صلیب کا وہ خاص ہیکل جو صدیوں سے مسیحی اقوام کا مرجع تھا اور ان جنگوں میں ایرانیوں کے قبضہ میں تھا اہل ایران نے اپنی طرف سے اس ہیکل کی تعظیم میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ الغرض دین زردتشت اور عیسوی مذہب دونوں کی باہم لڑائیاں جو مغرب میں ہوئیں یا مشرق میں دونوں جگہ دونوں اہل مذہب کا یہ معمول تھا کہ ایک دوسرے کے دین سے طبعاً تجنب کرتے مگر دوسرے کے مسلک پر حرف گیری میں لب کشائی سے بھی پاک دامن تھے۔

رومی مسیحی اقتدار کا قسطنطین اعظم کی طرف انتقال : چھٹی صدی عیسوی تک زردتشت اور عیسویت دونوں اسی طرح اپنی اپنی جگہ برقرار رہے مگر اب قسطنطنیہ اور روما میں اقتدار کی جنگ چھڑ گئی (باوجودیکہ دونوں بادشاہ مسیحیت کے پیرو تھے) اور روما کی سطوت، جس کا ڈنکا شام سے لے کر انگلستان تک بج رہا تھا اور روما کے شاہنشاہ جولیئس کے دور حکومت تک اسی طرح گونجتا رہا، بتدریج اس میں انحطاط شروع ہوگیا۔

ادھر روما اور قسطنطین اعظم کی آویزش کی آخری ساعتوں میں روما کے خلاف ارد گرد کی وحشی قوموں نے بادشاہت کے حقوق میں دست اندازی شروع کردی۔ ادھر روما کی ظاھری سطوت اور مذہبی اقتدار دونوں قسطنطین اعظم کے باجگذار بن گئے حتیٰ کہ روما کی تباہی کے اثر سے وہ مسیحی جان فروش بھی متاثر ہونے سے نہ رہ سکے جن کی شمشیر آبدار نے سلطنت کی حفاظت و استحکام میں اپنے جوہر دکھانے میں کوئی کمی نہ رکھی تھی۔

مسیحی وحدت کا فرقہ دارانہ بٹوارہ: آخر چھٹی صدی عیسوی کے بعد مسیحی وحدت مختلف فرقوں میں منقسم ہوگئی اور جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ان فرقوں کے عقائد میں تنوع بڑھتا گیا یہاں تک کہ دین کے اساسی عقائد کا توحد بھی ختم ہوگیا۔ اب ان کا یہ اختلاف مذہبی بنیادوں کی بجائے ایک دوسرے فرقہ کی ذاتی دشمنی پر مبنی تھا۔ ہر فرقہ عقیدہ کی بنا پر دشمنی قائم رکھنے کا پابند اور فریق مخالف کے عقائد کا دل سے دشمن! جیسا کہ قوموں کی اخلاقی پستی کے زمانوں میں ہوتا ہے۔ ان مسیحی فرقوں کے بعض عقائد یہ تھے:

ایک گروہ کا عقیدہ: مسیح کے جسد ظاہری کی حیثیت ایک انسان سے زیادہ نہیں اور دیدۂ بینا سے اس کا ادراک محال!

دوسرے گروہ کا ایمان: مسیح کی روح اور کالبد دونوں ایک ہی جوہر کا کرشمہ ہیں اور اس کا احاطہ دیدہ ظاہر کے لیے ناممکن!

تیسرے گروہ کا: مریم عذرا کی عبادت واجب ہے۔

چوتھے فرقہ کا: ولادت مسیح تک مریم کی بکارت محفوظ رہی مگر بعد میں انہوں نے تزویج سے خود کو ملوث کر لیا۔

مصیبت یہ آ پڑی کہ ان اختلافات پر ہر طرف بحث و جدل کے لفظی ہنگامے برپا رہنے لگے جو قوموں کے ضعف وانحطاط کے موقعوں پر رونما ہو جاتے ہیں اور ان سے دماغی تفریح کے سوا اس قوم کی فرد عمل میں کوئی حرف نہیں لکھا جاتا۔ ایسی نزاعوں پر عقل دور کھڑی ہوئی اپنا منہ نوچ لیتی ہے۔

ایک مسیحی رہبان کا قول: ''اس دور میں عیسائیوں کا ذوق مناظرہ (شہروں کے) گلی کوچوں سے نکل کر بازاروں میں آ پہنچا جہاں جدل و بحث کا یہ عالم تھا کہ اگر آپ نے صراف کے ہاتھ پر سونے کی ڈلی بیچنے کے لیے رکھی ہے تو وہ اس کی خرید و فروخت کی بات چیت کی بجائے پہلے آپ سے یہ دریافت کرے گا کہ آپ کے نزدیک مادہ قدیم ہے یا حادث؟ اور اگر کسی نے نان پز سے روٹی کی قیمت پوچھی ہے تو وہ روٹی کی قیمت بتانے کی بجائے خریدار سے یہ پوچھے گا کہ 'بیٹے (مسیح) کے مقابلہ میں باپ (اللہ) کا مرتبہ کیوں زیادہ ہو گیا؟ اور بیٹے کے ذمہ باپ کی فرماں برداری کی کیا علت ہے؟' اور اگر آقا اپنے غلام سے دریافت کرتا کہ حمام میں پانی گرم ہوا ہے یا نہیں، تو خادم اس کے جواب میں آقا سے سوال کرے گا کہ حضور یہ تو فرمائیے کہ بیٹا (مسیح) کس طرح عدم سے وجود میں آیا؟''

مسیحیوں کے بحث و جدل کے اس ہیجان سے سلطنت بالکل بے پروا تھی بلکہ روم کے بادشاہ کا اقتدار اور شوکت رعایا کے اس مشغلہ سے دن بدن مستحکم ہوتا گیا کہ ماتحت فرقے ایک دوسرے گروہ سے مصروف پیکار تھے۔ نزاع صرف لفظی سہی مگر بادشاہت ان کی اس غفلت سے دن بدن بر سر عروج تھی۔ ان بحثوں کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ یہ مقررہ حدود سے آگے نہ بڑھیں یا کبھی کبھی اگر بہت پھیلتیں تو ایسی مذہبی مجالس منعقد کی جاتیں جن میں فیصلہ کیا جاتا کہ کون مسئلہ صحیح ہے اور کون صحیح نہیں ہے۔ ان کا انداز مناظرہ تو اس قدر بے کار تھا کہ کبھی ایک فریق دوسرے گروہ کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہی نہ ہوتا کیونکہ ان میں دوسروں کی اصلاح کی بجائے اپنی ضد کا احترام زیادہ تھا۔

حکمران شاہنشاہ روم کا چتر شاہی مناظرین اور ان کے ہم خیال افراد پر پوری طرح سایہ فگن تھا ۔ دونوں فریق یہ سمجھتے کہ بادشاہ سلامت کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ہمارا دستور ایمان ہے، بلکہ بعض اوقات یہ گمان کر لیا جاتا کہ در پردہ ظل اللہ بھی ان کے عقیدہ کی سر پرستی فرما رہے ہیں کیونکہ سلطنت کی طرف سے ان مناظروں پر کوئی پابندی نہ تھی ۔

ملک حبشہ ، دریائے روم اور بحیرۂ قلزم کے ساحلوں پر مسیحیت کا نفوذ: روم کا عیسائی بادشاہ اپنے محبوب و مختار مسیحی مذہب کے پرچار میں ہمہ تن منہمک تھا ۔ مصر کو زیرنگین کرنے کے بعد اس ملک کے باشندوں کو تثلیث کے حضور میں بھی سرنگوں کر کے چھوڑا ۔ حبشہ کو مصر کے قرب مکانی کی وجہ سے مسیحیت کے اثر میں آنا ہی تھا اور یہی ہوا ۔ ان ملکوں میں عیسوی مذہب کے نفوذ کے بعد مسیحیت نے بحیرۂ قلزم سے لے کر دریائے روم کے ساحلوں پر مضبوطی سے اپنے قدم جما لیے ۔ شام و فلسطین جس کے قدیم باشندے بپتسمہ کے شرف سے پہلے ہی ممتاز ہو چکے تھے (ان کے ملک میں عیسائی قبائل پناہ گزین تھے) اس خطہ کے اثر سے اہل حیرہ اور قبائل لخم و مناذرہ[1] کو بھی مسیحیت کے اصطباغ لیے بغیر چارہ نہ رہا جو کسی زمانہ میں صحرائے عرب کی باد صرصر کے تھپیڑوں سے منہ پھیر کر دریائے فرات کی ساحلی پر بہار بستیوں میں آباد ہوگئے تھے لیکن ان تمام مسیحی آبادیوں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ ان کے محبوب ملکوں پر ایران کے مجوسی قبضہ کرنے والے ہیں ۔

اس دور میں ایرانی اہل زردتشت کے مشاغل: بادشاہ روم کے زیر نگین ملکوں میں مسیحی باشندے جس قسم کے مذہبی جنون میں گرفتار تھے اس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے ۔ اسی زمانہ میں ایران کے رہنے والے ''یزدان،، و ''اہرمن،، کے پرستار مجوسی بھی اسی قسم کی شرعی دیوانگی میں سرگردان تھے ۔ (یہاں کا) ہر فرقہ دوسرے گروہ سے اختلاف عقیدہ کی بنا پر دست بگریبان ، مگر صرف لفظی بحث و جدل کی صورت میں جیسا کہ اس عہد کے رومی عیسائیوں کا وطیرہ تھا (مگر جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں !) اور جس طرح روم کی سلطنت اپنے ماتحت (عیسائی) رعیت کے مذہبی مناقشات کے اثر سے محفوظ تھی ، اسی طرح ایران کی مجوسی بادشاہت بھی اپنی رعایا کے ان مناظروں کے اثر سے امن میں تھی بلکہ جس طرح روم نے اپنے زیر نگین باشندوں کے بحث و جدل میں ہمہ وقت کی مصروفیات سے ریاست کو مستحکم بنا لیا تھا اسی طرح ایرانی عوام کے ان مذہبی مباحثوں میں انہاک سے ایران کی مجوسی سطوت کو بھی دن دونی رات چوگنی برکت حاصل ہوتی گئی ۔

اس دور میں جزیرہ نمائے عرب: اوائل چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ جب جزیرہ نمائے عرب دو پر ہیبت سلطنتوں کے درمیان دبا ہوا نظر آتا ہے مغرب میں روم کی سطوت اور مشرق میں ایران کی شوکت اسے خوف زدہ رکھنا چاہتی ہے۔ جن دونوں حکومتوں کا اپنی اپنی مملکت کی توسیع میں ہمہ وقت ''در بند اقلیمے دگر،، کا منصوبہ بنتا رہتا ہے۔

پھر روم کے عیسائی اور ایران کے مجوسی (باشندوں) میں ہر ایک گروہ اپنے اپنے مذہب کے پرچار کا سودا سر میں لیے ہوئے تھامگر خطۂ عرب میں دونوں کے اثر و نفوذ کی یہ عد

---

[1] ظہور اسلام کے وقت ایرانیوں کے ماتحت ایک عرب خاندان مناذرہ یہاں کا فرمانرو تھا ۔ اس کا پایۂ تخت کوفہ کے متصل شہر حیرہ تھا ۔

پذیرائی اس نخلستان کی طرح اپنے تمام قومی و روایتی امتیازات کے تحفظ میں کامیاب جس کی سر سبز و شاداب وادیوں میں کسی اجنبی نے قدم تک نہ رکھا ہو بجز ان علاقوں کے جو اس (عرب) کے کناروں پر واقع ہیں (اور جن کا تذکرہ اوپر ہوچکا ہے اہل حیرہ و قبیلہ بنی لخم وغیرہ) جہاں عیسویت یا مجوسیت کو برائے بیت پناہ مل سکی۔

خطۂ عرب کی یہ خاصیت تاریخی لحاظ سے حیرت ناک ہے کہ روم اور ایران دونوں کے اس قرب مکانی اور شوکت و ہیبت کے باوجود نہ یہاں کسی کے مذہب کو قبولیت حاصل ہوئی اور نہ کسی کی سطوت اہالیان عرب کو متاثر کر سکی۔ عرب کے رہنے والے صدیوں سے جس وضع و قماش پر زندگی بسر کر رہے تھے کوئی خارجی قوت اس کے رد و بدل میں کامیاب نہ ہو سکی۔

جزیرہ نمائے عرب اور اس کی جغرافیائی حالت: ملک عرب جغرافیائی حیثیت سے غیر متوازی الاضلاع مستطیل سی ہے جس کے حدود (اربعہ) یہ ہیں:

شمال میں: فلسطین و صحرائے شام
مشرق میں: حیرہ، دریائے دجلہ و فرات اور خلیج فارس
جنوب میں: بحر ہند اور خلیج عدن
مغرب میں: بحیرۂ قلزم

پورا ملک ایسے محفوظ قلعہ کی صورت میں ہے جس کے مغرب اور جنوب میں سمندر، مشرق اور شمال میں صحرا اور خلیج فارس نے گھیر رکھا ہے لیکن غیر ملکی حکومتوں کے استعمار سے نجات کا سبب اس ملک (عرب) کا صرف محل وقوع ہی نہیں بلکہ اس کی یہ بے کراں وسعت بھی ہے۔

عرب کا رقبہ[1]: طول (تقریباً) ایک ہزار کیلو میٹر سے زائد[2]۔ ملک کی یہ طبعی حالت بھی دوسری قوموں کی دخل اندازی میں مانع ہے۔ تمام ملک میں بے آب و گیاہ صحرا پھیلے ہوئے ہیں جن میں نہ کوئی دریا بہ رہا ہے نہ بارشوں کا کوئی موسم معین، نہ وقت پر پانی برسنے کی توقع جس کے بل بوتے پر کاشت کی جا سکے۔ صنعت و حرفت بھی نابود! یمن کے سوا جو ملک کے جنوب میں واقع ہے اور جہاں کی زمین سدا سر سبز و شاداب اور بارش کا گہوارہ ہے۔

ان طبعی غیر ہمواریوں کے ساتھ اس سر زمین میں تو بہ تو پہاڑوں کا سلسلہ بھی ہے۔ کہیں بلند اور کہیں چھوٹی پہاڑیاں جن میں خشک اور بے منفعت درے ہیں یا ان کے ارد گرد لق و دق صحرا اور اگر کہیں زمین کا کوئی قطعہ ابھر بھی آیا ہے تو ”غیر ذی زرع“ (”ناقابل زراعت“) (۱۴ : ۳۰) انسان کسی ایک مقام پر زیادہ مدت سکون سے قیام کر ہی نہیں سکتا، تمدن اور اس کے ارتقاء کا سوال کیسا؟ آج جس نے یہاں ڈیرا ڈال رکھا ہے کل کسی اور جگہ! صحرا گویا ان لوگوں کا دریا ہے اور اونٹ اس دریا کی کشتیاں جو صحرا کی ایک چراگاہ سے لنگر اٹھا کر دوسرے نخلستان میں پہنچ جاتے ہیں۔ صحرا کے یہ

۱۔ عرب کی پیمائش باقاعدہ اب تک نہیں ہوئی (شبلی نعمانی: ”سیرۃ النبی“ جلد ۱، ص ۱۰۷)۔

۲۔ طول تقریباً پندرہ سو، عرض چھ سو میل اور مجموعی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے (شبلی نعمانی: ”سیرۃ النبی“ جلد ۱، ص ۱۰۵) [م]۔

نخلستان بھی پانی کے ان چشموں کے صدقہ میں اپنی بہاریں دکھا رہے ہیں جو آسمان پر بہکے ہوئے بادلوں کی کرم گستری سے ریگستان میں آبیاری کا اتفاقی ذریعہ بن جاتے ہیں۔ جن چشموں کے ارد گرد روئیدگی کچھ جاذبیت پیدا کر دیتی ہے صحرا کے خانہ بدوش ان نخلستانوں کو انسان کا عارضی مستقر بنا لیتے ہیں۔ عرب کی یہ حالت افریقہ کے صحرائے اعظم کی طرح ہے، انسانی سکونت کے لیے ناموافق! ظاہر ہے کہ جو شخص ان صحراؤں میں قدم رکھے گا وہ انھیں عجلت سے عبور کرنے میں جان کی سلامتی سمجھے گا۔ ایسے بڑے ریگستان میں صرف گنتی کے نخلستان ہیں جن میں انسانوں کی معمولی ضروریات اور ان کے مویشی کے لیے تھوڑی سی مدت کے لیے چارہ پیدا ہوجاتا ہے۔ انہی وجوہ کی بنا پر دوسرے ملکوں کے باشندوں نے یمن کے سوا اس سر زمین سے بے خبری میں ایک زمانہ گذار دیا

زمانۂ قدیم میں مشرق و مغرب کی تجارت کا راستہ: سر زمین عرب میں جہاں تہذیب و تمدن کو جلو میں رکھ کر زندگی بسر کرنا ناممکن ہے وہاں یہ بھی غنیمت ہے کہ انسانوں کی قلیل سے قلیل تعداد کسی نہ کسی مقام پر چلتی پھرتی نظر آجاتی ہے!

عرب کے باشندے تجارت کے لیے بحری سفر موت کا مرادف سمجھتے۔ اس کا بدل حاصل کرنا بھی لازمی تھا۔ مشرق و مغرب کے درمیان سوداگروں کی گذر گاہوں سے ملحقہ شہروں میں تجارت جاری تھی۔ تاجر مال لاتے اور لے جاتے۔ اس دور میں سوداگروں کے جو قافلے مصر اور خلیج فارس کی راہوں سے آتے انھیں حجاز سے ہوکر گذرنا پڑتا۔ مسلم ہے کہ تاریخ کے اس دور میں حجاز کے ان صحراؤں پر عرب کے بادیہ نشین ہی حکمران تھے جس طرح سمندروں پر کشتی رانی کے ابتدائی زمانوں میں ان ملاحوں کی حکومت تھی جو اپنی کشتیاں سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے ادھر سے ادھر لے جاتے اور یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کشتیوں کے لیے سمندروں میں جہتیں معین تھیں۔ اسی طرح صحرا کے سفر کرنے کے راستے بھی مقرر تھے۔

صحرائی نخلستانوں میں اسباب قیام: ”صحرائے عرب میں قافلوں کے راستے متعین ہی نہ ہو سکتے تھے جو خود بخود قائم ہوتے گئے۔ مسافروں کو ان وسیع ریگستانوں سے گذرتے وقت تکان دور کرنے کے لیے آرام کی ضرورت ہوتی۔ جہاں انھیں کھجور کے درخت اور میٹھے پانی کا چشمہ نظر آتا، خود پانی پیتے، سواریوں کو پلاتے اور تکان دور کرنے کے لیے ٹھہر جاتے۔ اسی طرح یہ مقامات رفتہ رفتہ تاجروں کا مرجع بن گئے۔ مسافروں میں خوش عقیدہ لوگوں نے ان جگہوں پر کہیں کہیں بت خانے اور عبادت گاہیں بھی بنالیں۔ سوداگر یہاں اترتے تو ان بتوں سے اپنی تجارت کی ترقی کے لیے الحاح کرتے اور دوسرے ضرورت مند ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے“۔[۱]

ریگستان ہائے عرب کی مشہور گذرگاہیں: ان صحراؤں میں بے شمار راستے تھے لیکن ان میں دو گذرگاہوں پر بہت زیادہ آمد و رفت رہتی۔

۱۔ خلیج فارس اور دریائے دجلہ سے ملتی ہوئی راہ: از صحرائے شام تا بہ فلسطین۔ یہ راہ عرب کے مشرقی حدود پر واقع ہونے کی وجہ سے ”طریق الشرق“ (مشرقی گذرگاہ) سے موسوم کی جا سکتی ہے۔

۲۔ بحیرۂ قلزم کے قریب سے نکلتی ہوئی راہ بحیرۂ قلزم کے عرب کے مغرب میں واقع

---

[۱] بحوالۂ سر ولیم میور درکتاب ”حیات محمد“ (از مولف)۔

ہونے سے اسے طریق الغرب (مغربی گذرگاہ) سے نامزد کیا جا سکتا ہے۔ انہی دونوں راستوں سے مغرب و مشرق کے درمیان تجارت کا سلسلہ قائم تھا۔ عرب کے صحرا نشین بدو انہی سوداگروں سے ضروریات زندگی حاصل کرتے۔ بایں ہمہ مغرب کے دوسرے لوگ تاجروں کے ان دونوں مشہور راستوں سے قطعاً ناواقف تھے۔ کیونکہ ان میں سے بہت کم لوگوں کو ان گذرگاہوں سے ہوکر نکلنے کا اتفاق ہوتا۔

یہاں کے صحراؤں اور ان کے راستوں سے خود عرب کے بھی وہی لوگ عہدہ برا ہوسکتے تھے جنھیں طفولیت سے ان کا تجربہ تھا اور زندگی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان لوگوں میں بے شمار اشخاص نے کسی مقصد کے بغیر اپنی زندگی ان صحراؤں کی بھینٹ چڑھا دی۔

سوال یہ ہے: کیا سدا بہار زندگی کے خوگر شہری کے لیے ممکن تھا کہ جس زمانہ میں سفر کرنے کے لیے اونٹ کی سواری سے بہتر کوئی دوسری سواری نہ ہو وہ عرب کے ان بے آب و گیاہ صحراؤں اور چٹیل پہاڑوں کے ان خشک و بھیانک دروں اور تمازت آفتاب سے تپتی ہوئی چوٹیوں سے گذرنا پسند کرے؟ جو شخص مدنی آسائش و راحت کا عادی ہو اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ایسے صحرا میں سفر کر سکے جس کے اندر اگر چند انسان کہیں بود و باش بھی رکھتے ہوں تو ہر قسم کے اجتماعی ضابطہ سے آزاد ہوں؟ کیا ایسے لوگوں کے قریب سے سلامت نکل جانا آسان ہے؟

عرب کے صحرا جن میں مختلف قبیلے اور خاندان باہمی قرابت داری کے بل بوتے پر جی رہے تھے جس میں اگر بعض ایسے بے پر متفرق افراد ہوں جو ان قبیلوں کے رحم و کرم پر زندگی کی منزل پر چل رہے ہوں اور جن قبیلوں کا اصول معاشرہ تمام معاصر ملکوں اور قوموں کے نظام معاشرت سے اس قدر مختلف ہو کہ کبھی تو قصاص کے نام سے مجرم کی معمولی سزا پر اکتفا کیا جائے، کبھی اسی قسم کے جرم پر ایک دوسرا قبیلہ باہم پوری قوت کے ساتھ صدیوں نبرد آزمائی کرتا رہے اور ان میں رہنے والے دوسرے قبیلوں کے متفرق افراد ان کے قربانی کے بکرے بنے رہیں اور اگر کبھی کسی نے لطف و کرم فرمایا ہو تو برائے نام داد رسی ہوگئی اور بس!

جو لوگ ان حالات میں زندگی بسر کر رہے ہوں دنیا کے متمدن لوگ ان کے قریب ہوکر بھی نکل سکیں ناممکن ہے۔ یہ اسباب ہیں جن کی بنا پر زمانۂ قدیم میں جزیرہ نمائے عرب کو دنیا میں کوئی اہمیت حاصل نہ ہو سکی۔

ظہور اکبر: تاآنکہ اسی ملک میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا جن کا چرچا انہی گذرگاہوں پر آنے جانے والوں کی زبان سے دوسرے ملکوں میں اس طرح جا پہنچا، جیسے:

خود بخود بوئے یار پھیل گئی   کوئی منت کش صبا نہ ہوا

اور اسی ظہور کے تذکرہ کی بدولت باہر کی دنیا جزیرہ نمائے عرب کے وجود سے باخبر ہوئی۔

زمانۂ قدیم میں یمن کی طبعی حالت: جس زمانہ میں عرب کے غیر متمدن ہونے کی وجہ سے دنیا کی کوئی قوم اس (ملک) سے متعارف نہ تھی اس دور میں یمن اور اس کے نواحی خطے جو خلیج فارس کے قرب و جوار میں تھے انہیں اطراف عالم میں پوری شہرت حاصل تھی۔ ان خطوں کی شان و شوکت صرف اسی وجہ سے نہ تھی کہ انہیں خلیج فارس، بحر ہند اور بحیرۂ قلزم کا قرب و جوار حاصل تھا۔ یمن عرب کے دوسرے قطعوں کی طرح بے آب و گیاہ ریگستانوں سے اٹا ہوا نہ تھا جن کی وجہ سے باہر کے ملک اس کی طرف سے نگاہ ہٹانے

رکھیں اور اس کے همسایه ملک اس کی دوستی کے خواهاں نه هوں ، بلکه سر زمین یمن طبعی طور پر سرسبز و شاداب تھی ۔ اسے موسم به موسم بارش سیراب کرتی ، وه قدرتی طور پر تمدن کا مرکز اور اپنے دامن میں ایسے پر رونق شہروں کو لیے هوئے جن (شہروں) میں سربفلک عبادت گاهیں بھی تھیں اور ملک کا ممتاز قبیلهٔ حمیر ذهنی طور پر عقل و فرزانگی سے بہره مند!

سد (آب بند) مآرب: قبیلهٔ حمیر کے دیده وروں کو قدرت نے مختلف علوم و فنون سے بہره مند فرمایا ۔ ان کی سب سے بڑی صفت سد مآرب ہے (مآرب[1] نام شہر کے قریب پانی کا بند)۔ قدرت نے انهیں بارش کا پانی کام میں لانے کی طرف متوجه فرمایا جسے انهوں نے سمندر میں جاکر کھو جانے کی بجائے اپنے باغات اور کھیتوں کے لیے ذخیره بنا لیا ۔

پہاڑوں سے پانی کے وه ڈل جو شہر مآرب کے نشیب سے گذرتے حمیر (قبیله) کے صناعوں نے انهیں روکنے کے لیے ۴۰ کیلومیٹر لمبا ایک بند[2](آب) تعمیر کیا جس کے دونوں کنارے دونوں طرف کے پہاڑ سے ملا دیے گئے ۔ بند میں نیچے اور اوپر دهانے رکھ دیے گئے تا که پانی ضرورت کے مطابق لیا جائے ۔ اس پانی سے کھیتوں اور باغوں میں آبپاشی کی جاتی مگر آج یه شہر مآرب[3] اور اس کا مشہور بند آب (سد مآرب) دونوں حوادث کے شکار هو چکے هیں اور ماهرین آثار اس کے کھنڈروں میں غوطے کھا رهے هیں ۔ تھوڑے بہت حالات کی تحقیق هو سکی ہے اور ابھی یه سلسله جاری ہے ۔ ان کتبوں سے قبیلهٔ حمیر کے جوهر تہذیب و تمدن کی تابانی نے اهل علم کو حیران کر رکھا ہے ۔

یمن کی تروتازگی اور اس کا تمدن لوگوں کو باهر سے کھینچ لایا: یمن کی شادابی اور

۱۔ سد مآرب کا دوسرا نام ''سد عرم'' ہے ۔ سد مآرب ؟ اسی سلسله عمارات میں ایک چیز ''بند آب'' ہے جس کو عرب حجاز ''سد'' اور عرب یمن ''عرم'' کہتے هیں ۔ عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں صرف سلسلهٔ کوهستان ہے ۔ پانی پہاڑوں سے به کر ریگستانوں میں خشک اور ضائع هوجاتا ہے اور زراعت کے مصرف میں نہیں آتا ۔ سبا مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے که پانی رک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے مصرف میں آئے ۔ مملکت سبا میں اس قسم کے سینکڑوں بند تھے ۔ ان میں سب سے زیاده مشہور سد مآرب تھا جو خود دارالحکومت کے اندر واقع تھا'' (''ارض القرآن'' سید سلیمان ندوی جلد ۱ ، صفحه ۲۵۵) — م ۔

۲۔ ''شہر مآرب کے جنوب میں داهنے بائیں دو پہاڑ هیں جن کا نام کوه ابلق ہے ۔ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وادیٔ اذنیه ہے ۔ پہاڑوں سے اور نیز ادهر ادهر سے پانی جمع هوکر وادی اذنیه میں ایک دریا جاری هو جاتا ہے ۔ سبا نے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً ۸۰۰ ق م سد مآرب کی تعمیر کی تھی ۔ یه بند تقریباً ۱۵۰ فٹ لمبی اور ۵۰ فٹ چوڑی ایک دیوار ہے ۔ اس کا اکثر حصه تو اب افتاده ہے تاهم ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے'' (''ارض القرآن'' سید سلیمان ندوی جلد ۱ ، ۲۵۵) — م ۔

۳۔ قرآن مجید ' سوره سبا ' آیت ۱۴ ، ۱۵ میں شہر مآرب ، اس کی شادابی اور تباهی کے تذکره میں لفظ ''سیل العرم'' مسطور ہے — م ۔

تمدن اس کی ہمسایہ قوموں کو اپنی طرف کھینچنے کا ذریعہ بن گئے۔ عرب کے دوسرے خطوں کے خلا جو اپنی قدرتی بے سر و سامانی کی وجہ سے توجہ کے قابل نہ تھے کہ جس ملک کا سرمایۂ دولت لق و دق ریگستانوں کے سوا کچھ نہ ہو اس کی طرف کیوں کوئی نظر اٹھائے۔ یمن کئی پشتوں سے شاہان حمیر کے زیر نگین تھا اور مذہباً بت پرست۔ اب ذو نواس (حمیری) کو یمن کی بادشاہت ملی جو بت پرستی سے طبعاً متنفر تھا۔ اسی زمانہ میں باہر سے یہودی ہجرت کرکے یمن میں آباد ہوگئے۔ ذو نواس نے بھی یہی (دین موسوی) اختیار کر لیا جیسا کہ اہل تاریخ نے قصص قرآنی میں سے اصحاب الاخدود کے واقعہ میں لکھا ہے:

”قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود اذ هم عليها قعود وهم على مايفعلون بالمومنين شهود وما نقموا منهم الا ان يومنوا بالله العزيز الحميد“ (۸۵: ۴)

ان کو خندق میں بھر کر اوپر سے ان پر آگ جلا دی گئی۔ آگ جلانے والا طبقہ خندق کے کنارے پر کھڑا ہوا ان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ مومنوں کے ساتھ انہوں نے جو بے رحمانہ سلوک کیا اس سے خود ان کے دل بھی متاثر تھے۔ دشمنوں کا ان مومنوں پر یہ الزام تھا کہ وہ ایک خدائے برتر و قابل ستائش پر ایمان کیوں لے آئے!

واقعہ اخدود کا پس منظر: روم سے ایک خدا پرست عیسائی راہب یمن کے قصبہ نجران میں آکر آباد ہوگیا جس کی للہیت سے بستی والوں نے رفتہ رفتہ عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ جب بادشاہ ذو نواس نے یہ سنا تو خود نجران پہنچا اور عیسائیوں کو دوبارہ قبول یہودیت ورنہ قتل کی دھمکی دی مگر انہوں نے مسیحیت سے دست کش ہونے سے انکار کر دیا اور ذو نواس نے انہیں خندق میں جھونک کر ان پر آگ مشتعل کر دی۔ جو کوئی اس آگ سے بچ گیا اس کا مثلہ کر کے اسے قتل کروا دیا گیا۔ کتب سیرت کی روایات میں ان شہیدوں کی تعداد بیس ہزار ہے۔[1]

شہدائے اخدود کی اطلاع پر بادشاہ روم کا رد عمل: یہودی بادشاہ ذو نواس کے نجرانی مظلوموں میں سے ایک عیسائی زندہ بچ نکلا جو روم کے مسیحی بادشاہ جوستینان کے حضور آکر فریادی ہوا مگر روم اور یمن کے درمیان طویل بعد مسافت کی وجہ سے جوستینان براہ راست (یمن کے یہودی بادشاہ) ذو نواس سے انتقام لینے سے قاصر تھا۔

یہ چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ ہے، جب روم اور حبشہ دونوں سلطنتیں پورے عروج پر تھیں۔ ان کے ملحقہ سمندروں (بحیرۂ روم اور قلزم) پر انہی دونوں کا قبضہ تھا اور دونوں ملکوں کے باشندوں کی بحری تجارت فروغ پر تھی۔ روم اور حبش کی ہمسایہ قوموں میں سے بعض روم کی باجگذار تھیں، بعض بزنطیہ کی۔ قیصر روم اور فرمانروائے بزنطیہ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ اس نے مدیترانہ کے ساحلی علاقوں اور اس نے بحیرۂ قلزم کے ملحقات میں دین مسیحی کا پرچار اپنا اپنا دستور بنا رکھا تھا۔

قیصر روم کا فرمان بنام بادشاہ حبش: نجران کے عیسائی فریادی کی داستان سن

---

[1] یہ واقعہ عرب روایات اور رومی بیانات میں ۶۲۵ع (۶۴۰ حمیری) کا ہے۔ (”ارض القرآن“ سید سلیمان ندوی، جلد اول، ”حمیری کا زمانہ“) — م۔

کر قیصر روم نے یمن سے طول مسافت کی وجہ سے حبشہ کے عیسائی بادشاہ کو لکھا یہ ''وہ (یمن کے بادشاہ) ذو نواس یہودی سے عیسائی شہیدوں کا بدلہ لے'' - اس نجاشی (بادشاہ حبشہ) نے قیصر روم کے سفیر کی معیت میں لشکر جرار بھیجا جس پر اریاط (نام) کو سپہ سالار مقرر کیا - ابرھہ الاشرم نامی سپاہی بھی اس لشکر میں تھا اریاط نے یمن فتح کرکے اسے حبشہ کی بادشاہت میں ضم کرلیا -[1] کچھ عرصہ تک یہی اریاط یمن پر بطور گورنر حکمران رہا مگر بعد میں ابرھہ مذکور نے اسے قتل کرکے یمن پر اپنی حکومت قائم کرلی - یہی ابرھہ وہ ''صاحب الفیل،، ہے جس نے کعبۃ اللہ کو نیست و نابود کرنے کے لیے مکہ معظمہ پر ھاتھیوں کی فوج سے چڑھائی کی اور ناکام پھرا[2] جیسا یہ فصل ثانی میں تفصیلاً مذکور ہے-

ابرھہ کے بعد: اس کے بیٹے (یمن پر) حکمران ہوئے مگر وہ انصاف قائم نہ رکھ سکے - ملک کے باشندے ان کے مظالم سے گھبرا اٹھے جس پر قبیلہ حمیر کے باوجاہت سردار

---

[1] ۱- مولف نے اس مقام پر طویل حاشیہ لکھا ہے (ملخص) - یہ روایت بہت سی کتابوں میں ہے - ''انسائیکلو پیڈیا آف برطانیہ''، *Historians' History of the World* اور مشہور مستشرق درمنگھم نے اپنی تالیف ''حیات محمد'' میں تاریخ طبری اس روایت کی مبنیٰ قرار دیا ہے جو کہ ھشام بن محمد سے مروی ہے: ''یمنی عیسائی پہلے نجاشی سے فریادی ھوا اور اسے انجیل کے سوختہ اوراق دکھائے - نجاشی نے کہا یہ چڑھائی کشتیوں کے بغیر نہیں ھو سکتی - میں قیصر روم سے استمداد کرتا ہوں کہ وہ کشتیاں مہیا کر دیں - نجاشی نے سوختہ انجیل کے اوراق بھیج کر قیصر سے درخواست کی اور روم سے کشتیوں کا ایک بیڑا آگیا،، - مولف لکھتے ھیں کہ طبری نے ھشام بن محمد کی روایت میں یہ اضافہ بھی فرمایا ہے: ''یہ بیڑا آنے پر نجاشی نے اپنی فوجیں روانہ کر دیں جو ساحل المندب پر اتریں،، (بحوالہ طبری، المطبعۃ الحسینیۃ، جز ۲، صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۸) -

[2] ۲- حاشیہ از مولف: کتب تاریخ میں حبشہ اور یمن کی آویزش کا ایک اور سبب بھی بیان کیا گیا ہے - نوآباد کاران عرب (عرب مستعربہ) اور یمن و حبشہ تینوں میں تجارتی کاروبار جاری رھتا مگر ان میں حبشہ کے بحیرۂ قلزم کے طویل ساحلوں پر قابض ہونے سے اس کا پلہ بھاری تھا - ادھر قیصر روم عرصہ سے تاک میں لگا ھوا تھا کہ کسی طرح یہ رشک ارم اس کے قبضہ میں آجائے - ایک مرتبہ قیصر نے مصر کے ماتحت حکمران ایلیاس جالس کو یمن پر چڑھائی کا حکم بھی دیا جس نے سمندری بیڑہ کی وساطت سے نجران پر حملہ کیا مگر اس کی فوجیں نجران کے طبعی امراض کا مقابلہ نہ کر سکیں اور جالس وھاں سے ناکام لوٹ آیا - اب نجاشی (بادشاہ حبشہ) کی نگاہ یمن پر لگائی اور اس نے یمن کے ساتھ عرب کے دوسرے صوبوں سے بھی جنگیں شروع کر دیں لیکن ان لڑائیوں کا نتیجہ جالس گورنر مصر سے مختلف ثابت نہ ھوا - آ کر یمن کو زیر نگیں کرنے کے لیے یہودیت و دین عیسوی کے مناقشہ کا روپ بھرا گیا - نجاشی کے سپہ سالار اریاط کو یمن پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا جس نے اسے فتح کرلیا اور وہ برسوں یمن میں داد حکومت دیتا رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اریاط کو ایرانیوں نے یمن سے دھکیل کر اس پر اپنا قبضہ کر لیا (حاشیہ متن صفحہ ۷۵) -

سیف بن ذی زن نے قیصر (روم) کے حضور فریادی ہو کر درخواست گذاری کہ سلطنت کی طرف سے کوئی حکمران یمن بھیج دیا جائے مگر قیصر روم اور بادشاہ حبشہ سے باہم معاہدہ کی بنا پر روم کا بادشاہ وہاں اپنا نائب بھیجنے سے قاصر تھا۔

سیف ابن ذی زن کا نعمان بن منذر کے دربار میں جانا: ابن ذی زن یہاں سے مایوس ہو کر نعمان منذر کے حضور باریاب ہوا جو حیرہ اور اس کے نواحی علاقہ عراق پر کسریٰ ایران (خسرو پرویز) کی طرف سے گورنر تھا مگر نعمان اپنے بادشاہ کے حکم کے بغیر کچھ نہ کر سکتا تھا وہ سیف کو اپنے ہمراہ لے کر دارالسلطنت ایران میں حاضر ہوا۔

دربار خسرو کی شان و شوکت: خسرو پرویز کے دربار کی شان و شوکت کا نقشہ سر دربار دارا کا وہ تخت جس کے نقش و نگار میں ہیرے اور جواہرات استعمال کیے گئے سرما میں جاڑے کی شدت کم کرنے کے لیے چاروں طرف قیمتی پوستینوں کے پردے لگا دیے جاتے، شاہی تاج میں رنگا رنگ کے جواہرات از قسم یاقوت و زمرد و مروارید، سونے اور چاندی کی تاروں سے ٹکے ہوئے جو تخت اور سقف ایوان کے برزخ میں طلائی زنجیر کے سہارے لٹکا رہتا۔ بادشاہ زربفت کی پوشاک زیب تن کیے گلے میں سونے کے بیش بہا زیورات پہنے ہوئے۔ جب نو وارد یہ شان و شوکت دیکھتا تو ششدر رہ جاتا۔ یہی اثر سیف بن ذی زن (حمیری) پر ہوا وہ دیر تک مبہوت و سراسیمہ کھڑا رہا۔

یمن پر ایران کا تسلط: ابن ذی زن کچھ دیر بعد سنبھلا اور شاہنشاہ کے اشارے پر اس نے حبشیوں کے مظالم کی سرگذشت عرض کی۔ پہلے تو خسرو تردد ظاہر کرتا رہا مگر بعد میں اس نے درخواست منظور کر لی اور ایران کے ''ہرز،، نامی امیر زادہ کو جو شجاعت و جواں مردی کے ساتھ سپہ گری کے فن میں بھی فرد یگانہ تھا اس مہم کے لیے نامزد فرمایا۔ ''ہرز،، نے حبشیوں کو جو دو سال سے یمن پر مسلط تھے نکال کر ملک کو ایران کے زیر نگیں کر لیا۔ عرب اور اس کے نواحی ملکوں پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے تک وہ ایران کا باجگذار بنا رہا۔

ایران در عہد شیرویہ پسر پرویز: لیکن یمن کے ایرانی گورنر کبھی مرکز کے پوری طرح مطیع فرمان نہ رہے، خصوصاً جس زمانہ میں شیرویہ نے اپنے باپ ابرویز کو قتل کرا دینے کے بعد خود تخت شاہی پر قبضہ کر لیا اور رعایا کے سود و بہبود کی بجائے شاہی خزانے اپنی ہوا وہوس میں لٹانے شروع کر دیے۔ اس کے دماغ میں سودا سا گیا تھا کہ مملکت کے یہ خزانے صرف اسی کی ہوس پرستی کے لیے ہیں۔ وہ ملکی معاملات سے بے پروا رہ کر اپنے نفس کی داد رسی میں لگ گیا۔ شیرویہ دن رات رنگ رلیوں میں رہتا۔ شکار کے موقعہ پر بھی جلوداری کا یہ عالم ہوتا کہ دائیں بائیں نوجوان سپاہیوں کے دستے قرمزی قبائیں پہنے ہوئے جن کے حاشیوں پر بنفشی بیلیں ٹنکی ہوتیں، شاہی مرکب کے پیچھے برقندازوں کے دستے جن کے ہاتھوں پر شکاری باز ہوتے۔ ان کے بعد دوسری ٹولی شکاری چیتوں کی جن کے گلے میں ریشمی ڈوریاں ہوتیں۔ خاصہ دار شہنشاہ کے ساتھ عطر کے بھرے ہوئے بلوری کنٹر ہاتھوں میں لیے ہوئے معمولی سے وقفے کے بعد کجکلاہ پر عطر کا ترشح ہوتا رہتا۔ خوش گلو پری زادوں کے طائفے شاہی سواری کے مقدمۃ الجیش کے قائم مقام جن کے سرود و نغمہ سے عالم کون و مکان تک وجد میں آجاتے اور سرما میں خزاں کا نعم البدل اس صورت میں فرمایا گیا کہ بہت بڑا قالین تیار ہوا جابجا پھولوں کی کیاریاں اور گلدستے ابھرے ہوئے، کہیں ہرے بھرے درختوں کا

جھنڈ نظر آتا ، چپے چپے پر شفاف پانی کے فوارے ابلتے دکھائی دیتے، چمن کی روشوں کے ساتھ ساتھ نہروں میں پانی کی بہتی ہوئی دھاریں محسوس ہوتیں - شیرویہ ان طریقوں سے ایران کی دولت لٹا رہا تھا مگر مملکت کے خزانوں میں پھر بھی کمی نہ آئی!

دولت ایران کا سب سے بڑا رقیب ، قیصر روم ، شیرویہ کی یہ رنگ رلیاں دیکھ رہا تھا اور مسیحی اقوام اس کے چشم و ابرو کے ایک اشارے پر جان دینے کے لیے تیار تھیں ، مگر اسے ایرانی سطوت کےساتھ پنجہ لڑانے کی جرأت نہ تھی - اس پر بھی شیرویہ دولت ایرانیاں کی تباہی کا مقدمۃ الجیش بن کر رہا کہ جب مسلمانوں نے بساط عالم پر نظر ڈالی تو ایران کا یہ ضعف دیکھ کر اس پر بھی حملہ کر دیا اور وقت سے بہت پہلے ایران کی صدہا سالہ سطوت خاک میں مل کر فنا ہوگئی -

سد مآرب کی تباہی: چوتھی صدی عیسوی سے یمن کو جن سیاسی حوادث نے اپنا گھر بنا رکھا تھا رنگ لائے بغیر نہ رہ سکے- (یہاں کے) بدنصیب باشندے وطن چھوڑ کر دوسرے خطوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے - تاریخ کی ایک روایت میں مسطور ہے کہ ''سد مآرب جو حمیری کاریگروں کی صنعت و محنت کا ثمرہ اور ملک کی سرسبزی و شادابی کا وسیلہ تھی سیل عرم سے بیکار ہوگئی اور یمن میں متواتر طوائف الملکی کی وجہ سے اس کی اصلاح و درستی پر توجہ نہ کی جا سکی-

سد مآرب کی تباہی کی دوسری روایت: قیصر (روم) نے یمن اور ایران کی باہمی سیاسی کشمکش سے اپنے لیے وہ کمی پوری کرنا چاہی جو یمن پر ایران کی سر براہی سے روم کی تجارت میں نقصان کا باعث بنی ہوئی تھی - قیصر نے تجارت کے لیے کشتیوں کا بیڑا تیار کرایا اور اسے بحرۂ قلزم میں مصراور دوسرے دور از دست مشرق علاقوں میں بار برداری پر لگا دیا- یہ بیڑا ان ملکوں سے روم کے لیے ضروری سامان خرید کر مہیا کرتا جس کی بدولت روم باہر سے سامان لانے والے سوداگروں کی راہ تکنے سے بے پروا ہوگیا - قیصر کی اس تدبیر نے یمن کی اقتصادی حالت پر خاصا اثر ڈالا -

تیسری روایت: مورخین جس کے وقوع اور اس کے سبب دونوں میں مختلف الرائے ہیں یوں بیان کی جاتی ہے کہ یمن کے آزدی قبائل ملک کے جنوب سے شمال میں منتقل ہوگئے جس کی دو وجہیں ہیں-

ا- یمن کی تجارتی کساد بازاری
ب- سد مآرب کی تباہی

دونوں میں کوئی سبب سہی مگر یہ مسلم ہے کہ آزدی قبیلہ کے لوگ یمن سے ھجرت کرکے عرب کے دوسرے حصوں میں آباد ہوگئے جس سے نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اھل یمن عرب کے دوسرے خطوں میں منجذب ہوگئے مگر تاریخ ابھی تک ان قبیلوں اور خطوں کی پوری تعیین نہیں کرسکی جن میں یمن کے آزدی قبائل نے بسیرا کر لیا-

اس دور میں یمن کے سوا بقیہ عرب ممالک کی سیاسی حالت: جس زمانے میں یمن کا قدیم سیاسی نظام اس طرح تہ و بالا ہو رہا تھا کہ حمیر کے متمدن شہر اس خلفشار کا مرجع اور ان (شہروں) کی وادیاں رزم گاھیں بنی ہوئی تھیں، اس دور میں (یمن کے ماسوا) بقیہ عرب نظام سیاسی کی ابجد سے بھی ناآشنا تھا ، یعنی یہ نظام حیات، جسے آج ہم (سب) سیاسی نظم و نسق سے تعبیر کر رہے ہیں تہامہ ، حجاز ، نجد اور عرب کے خطے اور قبیلے اس نظام سے بےگانہ محض تھے- ان خطوں کے باشندوں کا زیادہ حصہ شہروں اور بستیوں کی

بجائے ریگستانوں میں زندگی بسر کرتا (حتیٰ کہ اج تک ان کا یہی دستور ہے) ۔ انہیں شہری زندگی بسر کرنے کا موقعہ کبھی نہ ملتا ، نہ اسے وہ ترجیح دیتے۔ وہ اپنے مویشیوں کے چا کی مجبوریوں سے کسی ایک جگہ زیادہ مدت تک پڑاؤ نہ رکھ سکتے تھے ۔ پھر ریگستان کی تند ہواؤں کے اثر سے ان کی جولان گاہ بے پایاں صحراؤں کی بجائے حصار شدہ بستیاں کیونک ہو سکتی تھیں ؟

بدوی طریق حیات کا قانونی سہارا اپنے اپنے قبیلہ میں مل کر رہنا تھا۔ عرب کے بادیہ نشین جو آج یہاں اور کل وہاں نظر آتے ہوں ان کے لیے اجتماعی قوانین کا سوال کوئی معنی نہیں رکھتا (جو قوانین ہمارے آج کے معاشرہ کے لیے بمنزلہ روح کے ہیں) ۔ ان عربوں کا قانو حیات فرد، قبیلہ اورخاندان کے لیے پوری پوری آزادی کی بنیادوں سے استوار تھا ۔

بادیہ نشین عربوں کے برعکس تمدن کی حریص قومیں اپنے آرام و آسائش کے لیے اپنی آزادی کا معتدبہ حصہ ان قوانین کے عوض گروی رکھ دیتی ہیں جن کے صدقے میں و دوسروں کے تصرف سے اپنی جان و مال کی حفاظت کا انتفاع متصور کر لیتے ہں، مگ بدوی عرب اس دھوکے میں آنے والے نہیں تھے ۔ وہ کسی قیمت پر بھی اپنی اور اپنے قبیلے کی آزادی سے دستکش ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتے ۔ ان کے ضابطہ میں ایک قبیلے کے تمام افراد کا درجہ حفاظت جان و مال میں مساوی ہے۔ کسی قبیلے کو دوسرے قبیلے پر جان و مال کے تحفظ و ضیاع میں کوئی تفوق نہیں جیسا کہ قوانین مدن کے کلیات میں قانون بقائے نفس و حفظ جان اور دفاع اس (قانون) کے اصل الاصول ہیں۔ انہی پر عرب کے بادیہ نشین قبیلوں کا تعامل ہے ۔ بدوی قبائل ان قوانین کا احترام پوری طرح کرتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ خود پر مظالم کی تلافی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے ۔ اگر وہ دشمن سے انتقام لینے میں قاصر ہوں تو نہ صرف اپنا پڑاؤ بدل دیتے ہیں بلکہ عرب ہی سے ہجرت کر جاتے ہیں ، کیونکہ ان قبائل کے لیے اصول شرف و عزت وتحفظ اس قدر ضروری ہے کہ اگر ان کے باہمی تنازعات کا فیصلہ نہ ہو سکے تو اس کی خاطر مقاتلہ میں وہ ذرا تامل نہیں کرتے ۔

صحرا نشینی کے برکات : عرب کے بادیہ نشین شجاعت میں بے مثل ہونے کے ساتھ ہمسایوں کی حمایت کے لیے بھی سربکف اور دشمنوں کو معاف کرنے میں بھی فیاض ہیں ۔ یہ ایسے صفات ہیں جو صحرائی زندگی میں نمایاں مگر شہری بود و باش سے ماند پڑ جاتے ہیں ۔

عربوں کی اس مردانگی اور ان کی اپنے شرف و مجد کی حفاظت ، ان کی صحرا نشینی کی حفاظت اور صحرا نشینی کی وجہ سے نہ تو روم نے ان کے ساتھ جنگ کرنے میں اپنا اقتصادی یا سیاسی فائدہ دیکھا اور نہ ایران نے ان کو اپنے زیر نگین کرنے میں کوئی مصلحت سمجھی ۔ ان دونوں (ایران و روم) کو اس قسم کے منافع یمن سے حاصل ہو سکتے تھے جسے دونوں حکومتیں اپنے اپنے قابو میں رکھنے کے لیے مصروف عمل رہیں ۔ اگرچہ بدوی اخلاق ان باشندوں میں بھی سرایت کر چکے تھے جو ملک بھر میں گنتی کے چند شہروں میں بود و باش کیے ہوئے تھے ۔ ان (شہروں) میں بیرون عرب سے جو تاجر آتے سفر کی کلفت دور کرنے کے لیے ان میں اتر پڑتے اور ان کے عبادت خانوں میں دیوتاؤں سے بیابان کے خطرات میں اپنی حفاظت کے لیے استمداد بھی کرتے ۔ یہ شہر (مثلاً) مکہ ، طائف ، اور یثرب (وغیرہ) ہیں جو کسی زمانہ میں پہاڑوں کے مختصر دروں یا صحرا کے دامن میں

کسی بڑے نخلستان کے سہارے آباد ہو گئے ۔ ان شہروں میں رہنے والے اگرچہ ایک ہی جگہ پر مستقل قیام کر چکے تھے مگر بدوی تہذیب و تمدن اور عزت نفس و قیام حریت وغیرہ جملہ فضائل و عادات میں اپنے بادیہ نشین ہم وطنوں کے ساتھ پوری طرح متشابہ تھے جس کا تذکرہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ آئندہ فصلوں میں (مکہ و یثرب کے ضمن میں) پیش کیا جائے گا۔

قدیم عربوں کا مذہب: اس وسیع ملک کے رہنے والے جس طرح اخلاق ' سیاسی اور اجتماعی عادات و اطوار میں ایک ہی نہج پر گامزن تھے، اسی طرح مذہب میں بھی ان کا عمل اور عقیدہ ایک دوسرے سے مشابہ تھا۔ اس موقعہ پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے: کیا یمن پر مسیحی روم اور مجوسی ایران کے غلبوں سے وہاں کے باشندوں نے ان دونوں قوموں کے عقائد کا اثر قبول کر لیا اور عرب کے دوسرے خطے بھی ان دونوں (روم و ایران) کے عقیدوں سے متاثر ہوئے؟ سب سے پہلے ذہن میں یہی خیال گذرتا ہے۔

مسیحیت اور عربستان: اور خصوصاً قبائل عرب کے اندر مسیحی اثر و نفوذ کے بارے میں: عیسائی مبلغین جس طرح آج دنیا کے چپہ چپہ پر اپنے دین کی تبلیغ کے لیے سرگردان ہیں اسی طرح قدیم زمانوں میں بھی وہ عیسویت کی ترویج کے لیے ہر جگہ پہنچ جاتے۔ پھر صحرائی زندگی پر مذہب کے اثر و نفوذ کی یہ بھی وجہ ہے کہ کھلی فضا میں رہنے والے کو قدرت کے ان لامتناہی فیوض کے ادراک کا آسانی سے موقعہ مل سکتا جو فضا پر ہر طرف نمایاں نظر آتے ہیں۔ شہری طرز زندگی کے خلاف جن میں بسنے والے ادھر انفرادی ضروریات کی تکمیل میں سرگردان اور ادھر نظام اجتماعیت کی اطاعت و فرماں برداری میں پابجولاں کہ اگر قوی تر فرد اس کے جائز حقوق میں دخل اندازی کر گذرے تو وہ اجتماعیت کے سلطان سے اپنی داد رسی کرکے اپنے حقوق واپس لینے میں کامیاب ہو جائے۔ لیکن بادیہ گرد قبائل قدرت کے فراخ دامن یعنی بیابان میں بود و باش کی برکتوں سے ان قیود سے آزاد اور اجتماعیت کے جھمیلوں سے یک طرف رہتے ہوئے طبعاً مذہبی تصورات سے دو چار رہنے پر مائل ہیں۔

مسیحیت جو اپنے ظہور ہی سے (اپنی) تبلیغ میں مصروف ہے، کیا اس نے عربستان میں بھی اپنے پرچار کی طرح ڈالی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسیحی مبلغوں نے عرب میں تبلیغ کی مہم جاری کرنے میں کسی کوتاہی سے کام نہیں لیا لیکن پورے عرب میں (بشمول یمن) اسے برائے نام کامیابی حاصل ہوئی اور ملک کا غالب ترین عنصر اپنے آبائی بت پرستانہ مذہب ہی پر قائم رہا۔

اس عہد میں بحیرۂ روم و قلزم دونوں کے ساحلی خطوں پر تمدن اپنا پورا عروج دکھا رہا تھا اور ان علاقوں کے یہودی اور مسیحی دونوں ایک دوسرے کے دوش بدوش آباد تھے جن میں باہم سماجی روابط تو قائم تھے مگر یہودی اپنے عیسائی ہمسایوں کے خلاف ہر وقت غصے سے دانت پیستے رہتے۔ انہیں عیسائیوں کے ہاتھوں اپنی ارض مقدس سے نکالے جانے کا اس قدر قلق تھا کہ ان سے انتقام لینے کے لیے ہمیشہ بے قرار رہتے اور وہ یہودی بھی جو مسیحی قیصر روم کی رعایا تھے اس غم سے گھلتے رہتے۔

ادھر عربستان میں بھی یہودی آباد تھے۔ یمن اور یثرب میں تو ان کی کئی نو آبادیاں تھیں مگر اس طرف یعنی مجوس ایران نے اپنے ملک میں فرات سے لے کر ادھر مسیحیت کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ ایران کے باشندے عیسائیوں کی بجائے عربوں کے ساتھ

اپنی طرح بت پرست ہونے کی وجہ سے دلی محبت کرتے۔

اور جب (سلطنت) روم کے زوال سے عیسویت کا پرچم اور یہاں کا تمدن دونوں قسطنطین اعظم کے حضور باجگذار ہوئے تو روم کے عیسائی باشندوں کی ذہنیت مختل ہوکر ان کا توحد فرقوں میں منجذب ہوگیا (جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے) ۔ ان میں باہم فروعی مسائل پر میدان مناظرہ گرم رہتا، مثلاً ’’حضرت مریم مسیح کے تولد کے باوجود بھی کنواری رہیں یا نہیں؟‘‘ ’’حضرت مسیح مریم سے بہترہیں یا حضرت مریم ان سے افضل؟‘‘

مسلم ہے کہ اہل مذاہب کی باہم لفظی نزاعیں ان میں ضعف و نامرادی لائے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ مذہب کی اصل حقیقت ان سے چھپ جاتی ہے اور وہ مغز کے بجائے چھلکے (قشر) کو مقصود سمجھ کر اسی پر قناعت کر بیٹھتے ہیں۔

اس معاملہ کے دونوں پہلوؤں پرنگاہ ڈالیے:

۱ - جب شام، حیرہ، اور حبشہ تینوں ملکوں کے عیسائی (باشندے) اپنے اپنے مقام پر ایک دوسرے کے ساتھ یوں مناظرہ میں الجھے ہوئے ہوں تو ان ملکوں میں رہنے والے یہودی طبعاً اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ ان معرکہ آرائیوں میں ثالثی کے فرائض انجام دے سکیں اور مناظرات اور متاقشوں کے اس زور کو کم کر سکیں ۔

۲ - مشرکین عرب بھی چونکہ ان کی معرکہ آرائیوں کو آئے دن دیکھتے رہتے تھے، اس لیے اپنی جگہ مطمئن تھے کہ ان کا شیوۂ بت پرستی ہی صحیح ہے۔ جس کو انہوں نے باپ دادا کے تتبع میں اختیار کر رکھا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ بت پرستی کو ان کے ہاں خوب خوب فروغ حاصل ہوا، یہاں تک کہ اس کے اثرات سے نجران کے عیسائی اور یثرب کے وہ یہودی بھی اپنا دامن نہ بچا سکے جنھوں نے بت پرستی کے معاملہ میں رواداری سے کام لیا تھا، بلکہ کسی حد تک اس پر اطمینان کا اظہار بھی کیا تھا ۔ اس کی وجہ وہ تجارتی تعلقات تھے جو ان قوموں میں اور عرب کے ان بت پرستوں میں ابھر آئے تھے، جو بتوں کی پوجا اس خوبی سے کرتے تھے کہ یہ ان کے لیے تقرب الٰہی کا وسیلہ ثابت ہوں گے ۔

اور ادھر قدیم مصر اور یونان دونوں کی بت پرستی دوسرے مذاہب کے عقیدوں میں دبی ہوئی پہلو بدل رہی تھی - خصوصاً عیسویت کے بعض فرقے جو مدرسۂ اسکندریہ اور اس کا فلسفہ دونوں کے عقائد پر متاثر تھے اگرچہ بطلیموس اور مسیحیت کے ابتدائی دور کی تاثیر کے مقابلہ میں اب آکر اس فلسفہ کی تاثیر میں بہت اضمحلال آچکا تھا تاہم اس کا اثر ذہنوں میں ابھی تک کروٹیں بدل رہا تھا ۔ اس فلسفہ کے فرسودہ و سفسطائی دلائل ہی کے سہارے تو بت پرستی کا جواز منتج کیا جاتا اور سمجھا جاتا کہ بتوں کی قوت آخر عام انسانی قوت کے برابر تو ہے ہی! جہاں تک وجدان کی رسائی ہے ہر دور میں کمزور طبائع اسی قسم کے ظن سے متاثر ہوکر بتوں کی پرستش پر جھک جاتے ہیں۔ ضعیف انسانوں کا کیف و کم اپنی کمزوری کی وجہ سے پستی ہی کی جانب تو مائل ہوتا ہے، باوجود اپنی ذات میں بلندی کی طرف بڑھنے کی اہلیت کے جس کے سہارے وہ اس ذات واجب الوجود خداوند ذوالجلال کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کر سکتا ہے، انسان الٹا پستی میں گر پڑتا ہے۔ ایسے ضعیف انسانوں کی مثال میں سورج یا چاند یا آگ کی مثال پیش کی جا سکتی ہے جو ایک معینہ بلندی کی حد تک پہنچ کر اور اوپر کی طرف بڑھنے کی ہمت چھوڑ چکے ہیں۔ اس قسم کے انسان اگر اس سے سبق لیتے تو ذرا سے اقدام کے بعد وحدت الوجود کے اس

راز سے آگاہ ہو سکتے جس کے صدقہ میں تمام عالم کون و مکان برپا ہے، وہ وجود کلی و ابدی جس کی وحدت و نور ارض و سماء کے ذرہ ذرہ میں زندگی کا وسیلہ ہے۔ ضعیف طبائع نے اسے تو چھوڑ دیا اور (اس کی جگہ) بے جان بتوں کو اس (خدائے برتر) کی پدوی بخش دی۔ اس پر یہ طرفہ کہ آج جب کہ علم و تمدن کی سرپرستی جاری ہے بت پرستی کے نشان ابھی تک پوری طرح نمایاں ہیں۔ انسان ان (بتوں) کی خدائی کی داد دینے میں آج بھی اپنی سعادت سمجھ رہا ہے۔

کلیسائے روم میں پطرس کی پرستش پر ایک اعجوبہ: اصنام کی پرستش میں کلیسائے روم کی سرگذشت میں دیکھا گیا کہ زائرین پطرس کے مجسمہ کے قدموں کو بوسہ دیتے، جس (بوسہ) کی ضرب سے اس مجسمہ کا حصہ اسفل کچھ عرصہ بعد گھس جاتا اور ارباب کنسیہ یہ گھساھوا بت ہٹا کر اس کی جگہ (پطرس کا) نیا مجسمہ نصب فرما دیتے ہیں۔ مگر آج مسیحی طبقہ کی یہ لغزش نظر انداز کرنے کے قابل ہے کیونکہ ان میں توحید خالص کا ذوق ہی نہیں رہا۔ ان عیسائیوں کے ساتھ وہ اہل مذاہب بھی قابل عفو ہیں جو ان کے جوار میں رہنے سہنے سے ان کی دیکھا دیکھی بت پرستی کے خوگر ہوتے گئے، اور بت پرستی سے اغماض کیوں برتا جائے جب کہ یہ رسم ابھی تک دنیا میں کسی نہ کسی طبقہ میں مروج ہے حتیٰ کہ توحید کے گھوارہ میں جھولنے والے مسلمان بھی آج کسی نہ کسی عنوان بت پرستی پر مائل ہیں، وہی مسلمان جو بت پرستی کے خلاف جہاد کرتے اور جن کا طغرائے امتیاز صرف ایک خدائے وحدہ لا شریک کی پرستش تھا۔

بتان عرب اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم: عرب میں خداوندان محسوس (بتوں) کی اتنی قسمیں تھیں جن کا استقصا محال ہے۔ نبی صلعم نے ان بتوں کو اپنے ہاتھ سے بھی توڑا اور اپنے اصحاب کو بھی ان کے توڑنے کا حکم دیا، یعنی انھیں جہاں بھی دیکھیں۔ صدر اول کے مسلمان بتوں کے وجود سے دنیا کو پاک کرنے کے بعد ان کے نام اور حکایت بھی زبان پر لانے کو گناہ سمجھ کر اس سے پرہیز کرتے جیسا کہ تاریخ و ادب سے ثابت ہوتا ہے، اور یہ جو قرآن (مجید) نے (برسبیل تنبیہ) کچھ تذکرہ فرمایا یا احادیث میں جن کی روایت دوسری صدی ہجری میں ہوئی، ان (بتوں) کی حکایت بیان ہوئی، مگر جس دور میں روایات نے ان کی حکایت کی اس عہد میں مسلمانوں کے اندر بتوں کی پرستش کا اعادہ محال تھا اور ان روایات میں قبل از اسلام بتان عرب کی تقدیس و اقسام میں جو کچھ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عربوں کے اندر ان کی منزلت قدوسیت کے درجہ تک مسلم تھی، ہر ایک قبیلہ کا بت جدا جدا تھا اور ان کے تین مختلف روپ تھے:

۱۔ صنم: انسان کی شکل پر لکڑی یا دھات سے بنے ہوئے

۲۔ وثن: انسان کی شکل پر پتھر سے ترشے ہوئے!

۳۔ نصب: بغیر تجسیم، پتھر کے ٹکڑے، اگر یہ پتھر چقماق کی قسم سے ہے یا اس میں کوئی اور طبعی ندرت ہے تو اس کے منزل من السماء ہونے کا عقیدہ قائم کر لیا جاتا۔

خطۂ یمن کی بت تراشی: عرب کے بتان معبود میں یمن کے تراشے ہوئے مجسمے کاری گری کا حیرت انگیز کرشمہ تھے کیونکہ حجاز و نجد و کندہ کے مقابلہ میں یمن کا تمدن عروج پر ہونے کی وجہ سے وہاں صنعت بھی بے مثل تھی۔ افسوس یہ ہے کہ جن کتابوں میں عرب کے بتوں کی حکایت ملتی ہے وہ پوری طرح ان کے خد و خال کے بیان سے قاصر ہیں۔ ایک ”ہبل“ کے ماسوا جو عقیق سے انسانی شکل میں تراش کر کعبہ میں رکھا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو قریش (مکہ) نے اسے سونے کی تاروں سے جوڑ دیا۔ ''ہبل'' عرب کے بقیہ تمام بتوں سے منزلت میں بھی بالا سمجھا جاتا۔ دور و نزدیک ہر مقام سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے اور بندگی کے جملہ رسوم اس کے حضور ادا کرتے۔ ''ہبل'' کے سوا کئی اور چھوٹے معبود بھی بتوں کی صورت میں جلوہ گر تھے۔ یہ بت گھروں میں بھی نصب تھے۔ دستور یہ تھا کہ گھر سے باہر نکلتے وقت اور باہر سے گھر میں داخل ہوتے ہوئے ان کو ڈنڈوت کیا جاتا۔ سفر میں جانا ہوتا تو پہلے ان سے التجائے رخصت کی جاتی، پھر انہیں بھی اٹھا کر ہمراہ لے جایا جاتا۔ یہ بت کعبہ کے اندر یا مکہ معظمہ میں رکھے ہوئے تھے یا ایسے بت تھے جو عرب کے دوسرے شہروں اور خانہ بدوش قبائل میں موجود رہتے۔ ان کے پوجنے والے بظاہر انہیں اپنے اور خدا تعالیٰ کے درمیان وجہ تقرب بتاتے لیکن فی‌الحقیقت یہ لوگ خدائے برتر کو بھول کر انہی کو مقصود حقیقی سمجھ چکے تھے۔

مکہ معظمہ کی مرجعیت: جزیرۃ العرب میں خطۂ یمن اپنے تمدن و شادابی اور ذرائع آب پاشی کی وسعت کی وجہ سے ممتاز تھا۔ پھر بھی عرب کے صحرا نشینوں کو اس کی قسمت پر ذرہ برابر رشک نہ آتا اور نہ وہ یمن کی سر بفلک عبادت گاہوں کی زیارت کرنا فخر سمجھتے۔ ان کے لیے تو عرب کی ''واد غیر ذی زرع'' (۱۴: ۴) کی وہ بستی مرجع تھی جس کا نام مکہ ہے اور اس بستی کا وہ گھر انہیں پسند تھا جو اسماعیل نے حاجیوں کی زیارت کے لیے تعمیر فرمایا، جس کی زیارت کے لیے ان کی آنکھیں ہمیشہ ترستی رہتیں اور وہاں پہنچنے کے لیے وہ ہمہ وقت پا برکاب رہتے۔ خصوصاً سال کے ان چار[1] مہینوں میں جن میں باہمی جنگ و جدال حرام سمجھا جاتا۔ ان مہینوں میں تجارتی اور مذہبی سفر کا چکر جاری رہتا۔ مکہ ان خصوصیات کی وجہ سے تمام عرب کا مرجع تھا اور قدرت نے مکہ کی انہی خوبیوں کی بنا پر اسے محمد صلعم کا مولد بننے کے لیے منتخب فرما لیا تاکہ یہ شہر نہ صرف عرب کے بسنے والوں بلکہ ہر ملک کے باشندوں کے لیے ذریعہ کشش ثابت ہو اور اس کا بیت اسماعیل ہمیشہ کے لیے تقدیس کا حامل بنا رہے، مکہ معظمہ اور کعبہ (مکرمہ) کی برتری کے صدقہ میں قریش کا مقام بھی بلند رہے باوجودیکہ حضرت محمد صلوات اللہ علیہ کی ولادت تک قریش کی قدیم سادہ اور بدوی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا جس پر وہ صدیوں سے عمل پیرا تھے۔

---

[1] ذی‌قعدہ، ذی‌الحجہ، محرم، رجب [م]۔

۲

مکہ معظمہ کعبۃ اللہ اور قریش

۲

مکہ معظمہ، کعبۃ اللہ اور قریش

مکه کا محل وقوع : وه عام شاهراه جو بحیرۂ قلزم (''الاحمر'') کی مشرق جانب سے گذرتی ہے اس راه سے ملتا هوا یمن اور فلسطین کے درمیان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسله چلا گیا ہے جو سمندر سے ۸۰ کیلومیٹر (تقریباً ۵۰ میل) کے فاصله پر واقع ہے اسی (پہاڑی) سلسله میں ایک دره یمن، وجده اور فلسطین تین مشہور خطوں کا سنگھم ہے۔ یہی دره مکه معظمه کا محل وقوع ہے۔

بنائے مکه : یه بستی (مکه) آج سے هزاروں سان پیشتر آباد هوئی مگر اس کا زمانه متعین نہیں هو سکا، اس کے سوا که عہد قدیم میں جو قافلے فلسطین اور یمن کے درمیان سفر کرتے وه (قافلے) ان اطراف میں پہنچ کر اسی مقام پر پڑاؤ کرتے جہاں مکه (معظمه) واقع ہے۔ یہاں انھیں پینے کے لیے ٹھنڈے اور میٹھے چشموں کا پانی افراط سے مل جاتا اور تمام مکینوں سے پہلے حضرت ابراهیم کے فرزند جناب اسماعیل (علی نبینا و علیهما السلام) نے اس سر زمین کی خوبیوں کی وجه سے اسے اپنی مستقل قیام گاه بنالیا۔ حضرت اسماعیل کے استقرار سے قبل یه مقام ان قافلوں کی وجه سے تجارتی منڈی بن چکا تھا جو یمن و فلسطین سے ادھر هو کر نکلتے۔

حضرت ابراهیم خلیل الله : (جیسا که اوپر گذرا) حضرت اسماعیل کے توطن مکه سے قبل بنائے کعبه کی تاریخ نہیں ملتی۔ یه ممکن ہے که ان کی تشریف فرمائی سے قبل یہی مقام عبادت گاه بن چکا هو جس کی وضاحت کے لیے جناب ابراهیم علیه السلام کا قصه بیان کرنا ضروری ہے۔

حضرت ابراهیم کے والد نجار تھے اور وطن عراق۔ نجار لکڑی کے بت تراش کر بسر اوقات کرتے۔ جب ان کے فرزند حضرت ابراهیم سن رشد کو پہنچے تو اپنے باپ کا پیشه دیکھ کر حیران ره گئے مگر جب لوگوں کو دیکھا که وه ان کے والد کی کارگاه کے تراشے هوئے بتوں کی تقدیس میں مگن پڑے هیں تو حضرت ابراهیم اس گومگو میں پڑ گئے که یه سلسله ہے کیا چیز! پہلے تو انھوں نے اپنے والد هی سے دریافت کیا ''یه بت جو آپ تراش کر فروخت کرتے هیں معبودیت کے قابل کیونکر هو سکتے هیں؟'' اور والد انھیں مطمئن نه کر سکے۔ اب حضرت ابراهیم نے ان لوگوں سے گفتگو کی جو ان بتوں کی پوجا کرتے تھے (اور وه بھی ان کی معبودیت کو انھیں نه سمجھا سکے)۔ یه حال دیکھ کر ان کے والد کو فکر دامن گیر هوئی، مبادا میرے فرزند کی اس قیل و قال سے میرا کارخانه برباد هو جائے۔ اس لیے اپنے لخت جگر کو سمجھانا چاہا مگر حضرت ابراهیم خود صائب الرائے تھے۔ ان کے اندر داعیه محرک تھا که دوسروں کو اپنے نظریات سمجھا سکیں۔ انھوں

نے ایک موقعہ حاصل کیا۔ وہ عوام کی نظروں سے بچ کر ان کے بڑے مندر میں تشریف لے گئے اور مندر کے بڑے بت کے سوا وہاں کی تمام مورتیوں کو تہس نہس کر دیا۔ لوگوں نے معلوم کر ہی لیا کہ یہ کس کی کاروائی ہے اور حضرت ابراہیم سے ایک بڑے مجمع کی موجودگی میں یوں استصواب کیا گیا:

”ءانت فعلت هذا بالهتنا یا ابراهیم“ (۶۳:۲۱)	اے ابراہیم! ہمارے ان خداؤں کی یہ درگت آپ ہی نے تو نہیں بنائی؟

آپ نے جواب میں فرمایا۔

”بل فعله کبیرهم هذا فسئلوهم ان کانوا ینطقون“ (۶۴:۲۱)	جس نے بھی کیا ہو! ان میں بڑا خدا تو ابھی سلامت ہی ہے اس سے دریافت کر لیجیے۔ اگر بت بول سکتے ہیں تو وہ بتا بھی دے گا۔

مگر حضرت ابراہیم نے ان (بتوں) کے ساتھ یہ برتاؤ اس وقت کیا جب بت پرستوں کی ضلالت اور معبود برحق کی یکتائی پر انہیں پورا یقین ہو گیا جیسا کہ قرآن مجید میں منقول ہے:

فلما جن علیه اللیل راکوکبا قال هذا ربی! فلما افل قال لا احب الافلین“ (۷۶:۶)	آخر جب حضرت ابراہیم کو رات کی تاریکی نظر آئی تو انہوں نے آسمان پر ایک چمکتے ہوئے ستارے کو دیکھ کر کہا ”ارے میں اسے اپنا رب بنا لوں!“ جونہی وہ ستارہ ڈوب گیا فرمایا ”میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا“۔
فلما را القمر بازغا قال هذا ربی! فلما افل قال لئن لم یهدنی ربی لاکونن من القوم الضالین فلما را الشمس بازغة قال هذا ربی هذا اکبر! فلما افلت قال یقوم انی بریء مما تشرکون انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا و ما انا من المشرکین (۷۹-۷۸:۶)	ابراہیم نے چاند کی طرف دیکھا تو فرمایا ”کیا میں اسے اپنا پروردگار سمجھ لوں!“ جونہی قمر غائب ہو گیا فرمایا ”اگر میرا رب مجھے راہ راست نہ دکھاتا تو میں بھی انہی گمراہوں کا ساتھی ہوتا“۔ دن چڑھا اور سورج طلوع ہوا تو ابراہیم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا ”کیا اسے میں اپنا پرورندہ تسلیم کرلوں! اس لیے کہ یہ سب ستاروں سے بڑا ہے؟“ آخر آفتاب بھی روپوش ہو گیا۔ تب انہوں نے فرمایا ”اے میری قوم! میں اس فعل سے مبراء ہوں جو تم شرک کی صورت میں کر رہے ہو بلکہ میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر اس ذات کی طرف اپنا رخ کر لیا جو آسمان اور زمین کا خالق ہے اور میں مشرک نہیں ہوں“

حضرت ابراہیم کا ابتلاء: ولیکن حضرت ابراہیم قوم کو راہ ہدایت پر لانے میں

کامیاب نہ ہو سکے۔ اس پر لوگوں نے ان سے برافروختہ ہو کر انہیں جلتی چتا میں ڈال دیا جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح و سلامت بچا لیا۔

آخر حضرت ابراہیم یہاں سے دل برداشتہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ جناب سارہ کو ہمراہ لیا اور فلسطین کے ارادہ سے ہجرت فرما ہو گئے۔ یہاں سے مصر مراجعت فرمائی، اس وقت مصر میں عمالقہ (الہکوس) کی حکومت تھی۔ شاہان عمالقہ رعایا کی شوہر دار حسیناؤں کو ان کے خاوندوں سے چھین کر اپنے حرم میں داخل کر لیتے۔ بی بی سارہ ظاہری حسن و جمال سے آراستہ تھیں۔ حضرت ابراہیم کو خیال گذرا مبادا بادشاہ ہم سے یہی برتاؤ کر کے قتل کرا دے، آپ نے سارہ کو اپنی بہن بتایا مگر بادشاہ اپنے ارادہ سے باز نہ آیا اور اس نے بی بی کو اپنے محل میں طلب کر ہی لیا۔

جناب ہاجرہ: مگر بادشاہ نے اسی شب کو رویا میں بی بی سارہ کو شوہر دار دیکھا جس سے ڈر کر اس نے حضرت ابراہیم کے حضور افسوس ظاہر کیا اور آپ کی رضا طلبی کے لیے گوناگون تحائف نذر کیے جن میں اپنی ایک لونڈی بھی تھی۔ ان کا اسم گرامی ہاجرہ ہے۔

ادھر طویل مدت تک جناب سارہ اولاد سے محروم رہیں۔ انہوں نے از خود اپنے شوہر (حضرت ابراہیم) سے اصرار کیا کہ ''آپ ہاجرہ کو اپنی زوجیت سے سرفراز فرما لیجیے!'' ایسا ہی ہوا اور انہی سیدہ ہاجرہ کے بطن مبارک سے جناب اسماعیل پیدا ہوئے۔ فیضان خداوندی کے نثار ہو جائیے، اب حضرت سارہ بھی صاحب اولاد ہو گئیں اور آپ کے بطن سے جناب اسحاق متولد ہوئے

ذبیح حضرت اسماعیل ہیں یا جناب اسحاق؟: اس مسئلہ میں مسلمان اور یہود کی روایات مختلف ہیں۔ دونوں میں یہ اختلاف ہے کہ اسماعیل و اسحاق میں پہلوٹا کون ہے۔ فریقین اس میں بھی متفق نہیں کہ جس قربان گاہ پر یہ معاملہ پیش آیا وہ حجاز میں ہے یا فلسطین میں۔ یہودی مورخین حضرت اسحاق کو ذبیح قرار دیتے ہیں مگر اس بحث میں تنقیح موضوع (کتاب) سے خارج ہے۔ اتنا ناگزیر ہے کہ شیخ عبدالوہاب النجار نے اپنی تالیف ''قصص الانبیاء'' میں جناب اسماعیل کو ذبیح گردانا ہے اور ان کی دلیل تورات کے اس نص پر مبنی ہے کہ حضرت ابراہیم کے اکلوتے فرزند اسماعیل ہیں اور جب سارہ کے بطن سے اسحاق متولد ہوئے تو دو فرزند ہونے کی وجہ سے ان کا ''اکلوتا'' ہونا ختم ہو گیا۔ اس روایت کے مطابق ذبیح کا مصداق اسماعیل کو قرار دیا جائے گا مگر قربان گاہ اور فدیہ دونوں کا مقام حجاز تسلیم کرنا پڑے گا اور اگر حضرت اسحاق کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو قربان گاہ اور فدیہ کا تھان فلسطین قرار پائے گا کیونکہ اسحاق کا حجاز جانا ثابت نہیں۔ اس اصول کے مطابق اگر قربان گاہ اور فدیہ کا محل منیٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی حضرت اسماعیل کو ذبیح قرار دینا پڑے گا۔ لیکن قرآن مجید اس حکایت میں ذبیح کا نام نہیں لیتا۔ اس لیے مسلمان بھی حضرت اسماعیل و اسحاق میں ذبیح کی تعیین میں مختلف ہیں۔

قرآن مجید میں فدیہ (ذبح) کا ذکر: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رویاء دیکھا کہ اللہ نے انہیں ان کے فرزند کو قربانی میں ذبح کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ اس پر آپ حضرت اسماعیل کو صبح کے وقت ہمراہ لے کر خیمہ سے باہر ایک طرف چل دیے۔ (قرآن مجید میں یہ واقعہ ان لفظوں میں منقول ہے:)

- فلما بلغ معه السعی قال یا بنی انی اری　　الغرض، جب ابراہیم اپنے کم سن فرزند کو

فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یا ابت افعل ما تومر ستجدنی ان شآء اللہ من الصابرین فلما اسلما وتله للجبین و نادینہ ان یابراھیم قد صدقت الرؤیاء انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا لھوا لبلوا المبین وفدینہ بذبح عظیم" (۳۷ : ۱۰۱ - ۱۰۷)

مشہد کی طرف لیے جا رہے تھے تو ان سے فرمایا ، اے فرزند من! مجھے رویاء میں من جانب اللہ تمھیں راہ خدا میں ذبح کرنے کا حکم ہوا ہے۔ تم اپنے متعلق کیا کہتے ہو؟ فرزند نے عرض کیا اے والد بزرگوار! آپ تعمیل حکم کیجیے، مجھے آپ امتثال امر میں انشاء اللہ صابر پائیں گے۔ حضرت ابراہیم نے انھیں زمین پر الٹا پچھاڑ لیا تو ہم (اللہ) نے آواز دے کر فرمایا اے ابراہیم، تم نے اپنی طرف سے رویاء کی تکمیل میں کمی نہیں کی، ہم احسان کرنے والوں کے لے اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ یہ طریقہ ہماری طرف سے ان کے لیے ایک امتحان سا ہوتا ہے اور ہم (اللہ) نے ان کے فرزند کی قربانی کے بالعوض "ذبح عظیم" بطور فدیہ ان کے سامنے پیش فرما دیا۔

بعض روایات نے اس قصہ کی جس حد تک شاعرانہ نقاشی کی ہے وہ اس کی مقتضی ہے کہ اس کو بجنسہ نقل کیا جائے۔ اگرچہ نفس سیاق کو اس درجہ تفصیلات سے چنداں سروکار نہیں۔ قصہ یہ ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رویاء میں اپنے فرزند کو من جانب اللہ ذبح کرنے کا حکم دیا گیا جس پر انھوں نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا اے پسر من! رسی اور چھری لے لو تاکہ ہم دونوں جنگل سے ایندھن توڑ لائیں - دونوں جنگل کی طرف جا رہے تھے کہ ابلیس نے صاحبزادہ کی والدہ کے پاس آکر یوں رونا شروع کر دیا: بی بی! آپ کو معلوم ہے کہ ابراہیم آپ کے لخت جگر کو کہاں لے گئے ہیں؟ فرمایا دونوں جنگل میں ایندھن توڑنے گئے ہیں- ابلیس نے کہا آپ کو مغالطہ میں رکھا گیا ہے۔ ابراہیم تو اس غریب کو ذبح کرنے کی نیت سے لے گئے ہیں۔ فرمایا وہ تو اس کے مہربان باپ ہیں، ایسا نہیں کر سکتے۔ اب اس نے یہ چغلی کھائی کہ ابراہیم کو یہ مغالطہ ہوا کہ ان کے ذبح کرنے کا حکم انھیں خدا نے دیا ہے! بی بی نے فرمایا تب انھیں اپنے رب کی اطاعت کرنا ہی چاہیے! یہ سن کر شیطان ندامت سے لوٹ آیا۔

اب اس نے اسماعیل کا تعاقب کیا اور ان سے بھی وہی چغلی کھائی مگر صاحبزادے بھی ابلیس کی باتوں میں نہ آئے۔ اب وہ حضرت ابراہیم سے ملاقی ہوا اور کہا حضرت! آپ کا رویاء من جانب اللہ نہیں، بلکہ یہ تو شیطانی وسوسہ ہے، اپنے نور نظر کو ذبح کرنے کے بعد بے حد پچھتاوا ہوگا، اور وقت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کچھ بنائے نہ بنے گا۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم نے شیطان پر لاحول پڑھا اور وہ اپنا منہ لے کر واپس لوٹ گیا۔ وہ ان تینوں میں سے کسی کو اپنے دام تزویر میں نہ لاسکا بلکہ الٹا نادم ہوا۔

اس شاعرانہ تخیل کا یہ حصہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

پسر نے التجا کی، اے پدر بزرگوار! ذبح کے وقت میرے ھاتھ پاؤں باندھ لیجیے مبادا خون کے چھینٹے آپ پر پڑیں اور میرا اجر کم ھو جائے! اے والد مہربان! آپ بھی جانتے ھیں کہ موت تلخ نوالہ ھے ۔ آپ چھری تیز کر لیجیے تاکہ وہ اپنا کام جلدی ختم کر سکے ۔ اے والد مشفق! باپ کی محبت اپنے فرزند کی تکلیف گوارا کرنے میں بہت کمزور واقع ھوئی ھے اور یہ باپ کا بیٹے کو اپنے ھاتھوں ذبح کرنے کا سانحہ ھے ۔ اگر آپ نے مجھے پہلو پر لٹایا تو ممکن ھے کہ میرا چہرہ دیکھ کر شفقت پدری ابھر آئے اور تکمیل نہ ھو سکے ۔ آپ مجھے منہ کے بل گرا لیجیے اور میری قمیض میری والدہ ماجدہ کو دے دیجیے جو میری یادگار کے طور پر ان کے لیے وجہ تسلی ھو سکے ۔ یہ سن کر حضرت ابراھیم نے ان سے فرمایا اے فرزند! تم نے کس دلیری اور خوبی کے ساتھ میرے خدا کی رضامندی کے لیے میری نصرت کی ھے! اس واقعہ کے بعد حضرت ابراھیم نے بچے کو الٹا پچھاڑ کر چھری اس کے گلے پر رکھی ھی تھی کہ آواز آئی:

''یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا'' (۳۷: ۱۰۶) (اے) ابراھیم! تم نے اپنے رویاء کی تعبیر پوری کر دکھائی ۔

اس کے بعد غیب سے اس بچے کے عوض میں ایک تر و تازہ مینڈھا پیش ھوا جسے حضرت ابراھیم نے ذبح کر کے جلا دیا ۔ یہ فدیۂ ذبیح کا قصہ ھے جس سے مقصود سخت سے سخت ابتلاء پر بھی رضاء و تسلیم کی تعلیم دینا مقصود ھے ۔

حضرت ابراھیم کی مکہ کی طرف ھجرت: اسحاق اور اسماعیل دونوں بھائی یک جا رھتے ۔ دونوں پر باپ کی شفقت یکساں تھی مگر (اسحاق کی حقیقی والدہ جناب) سارہ کو حضرت ابراھیم کی دونوں بھائیوں پر مساویانہ شفقت گوارا نہ تھی ۔ سارہ کے خیال میں اسماعیل ان کی خدمت گار (ھاجرہ) کا فرزند تھا جس کی وجہ سے وہ دونوں میں مساوات کی روادار نہ تھیں ۔ اسی دوران میں اسماعیل نے کسی بات پر اسحاق کے منہ پر طمانچہ مار دیا ۔ سارہ تو پہلے ھی سے دل میں خلش لیے بیٹھی تھیں، انھوں نے قسم کھا لی کہ اب وہ ھاجرہ کے ساتھ یک جا نہ رھیں گی ۔ حضرت ابراھیم نے زندگی کی یہ تلخی محسوس کی تو ھاجرہ اور اسماعیل کو ھمراہ لیا اور یہاں سے جنوب کی سمت روانہ ھو گئے اور یہ سفر انھوں نے اس درۂ کوہ میں آ کر ختم کیا جہاں آج مکہ (معظمہ) آباد ھے اور جس کا تذکرہ ھم نے اس فصل کے شروع میں کیا ھے کہ اس درہ میں کوئی مستقل آبادی نہ تھی، صرف شام و یمن سے آنے جانے والے سوداگروں کے قافلے یہاں آرام کرنے کے لیے پڑاؤ کر لیتے جن کے چلے جانے کے بعد وھی پہلی خلا رہ جاتی ۔ ھاجرہ نے یہاں ایک مختصر سی رھائشی جھونپڑی بنالی ۔ حضرت ابراھیم ان کے لیے جو تھوڑا بہت سامان معیشت لے کر گھر سے نکلے تھے وہ انھیں سونپ کر الٹے پاؤں وطن واپس تشریف لے گئے، لیکن یہ توشہ اور پانی جلدی ختم ھو گئے اور ھاجرہ نے چاروں طرف گردش فرمائی کہ آب و طعام کہاں سے حاصل کیا جائے ۔ وہ درہ کے دوسرے کنارے تک چلی گئیں ۔ اسی تلاش میں صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں کے ٹیلوں پر انھوں نے ادھر سے ادھر سات مرتبہ گردش فرمائی اور پانی کا نشان تک نظر نہ آیا ۔ آخر ایک مرتبہ مایوس ھو کر اپنے کم سن بچے کو دیکھنے کے لیے لوٹیں تو یہاں یہ ماجرا نظر آیا کہ بچہ اپنے پیر زمین سے رگڑ رھا ھے اور اس کی ایڑیاں پانی سے شرابور ھیں ۔ ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا تو انھیں پانی کی اور زیادہ مقدار ملی ۔ انھوں نے یہ پانی اسماعیل کو پلایا، خود بھی پیا اور چشمہ کے چاروں طرف مینڈ بنا دی تاکہ پانی ریت میں جذب نہ ھونے پائے ۔

اس دوران میں حضرت هاجره کهانے کا سامان ان سوداگروں سے خرید لیتیں جو (اس) در میں پڑاؤ کرتے۔[۱]

جناب هاجره اور اسماعیل کی مستقل اقامت گاه: یه دره جو صدیوں سے قافلوں کی شاهرا عام پر واقع تها اور جهاں تاجر آرام کرنے کے لیے پڑاؤ کرتے پانی کا چشمه پهوٹ آنے سے اور بهی زیاده کشش کا باعث هوگیا۔ عرب کے بعض قبائل یهاں آکر اقامت گزیں هوگئے جن میں اولیت قبیله جرهم کو هے اور دوسری روایت کے مطابق یه قبیله (جرهم) یهاں حضرت اسماعیل اور ان کی والده کی اقامت سے بهی قبل آباد تها۔

حضرت اسماعیل کا بلوغ و تزوج: حضرت اسماعیل جب بالغ هوئے تو اسی قبیله (جرهم) کی ایک بی بی کے ساتھ عقد فرما لیا اور بدستور قبیله جرهم کے دوش بدوش سدا یهیں سکونت فرما رهے تاآنکه ان کی قیام گاه کے ارد گرد آبادی بڑهتی گئی۔ اطراف سے اور قبائل بهی آکر آباد هوتے گئے۔ بعد میں یه آبادی مکه کے نام سے موسوم هوئی۔

حضرت ابراهیم کی تشریف آوری: آپ نے اپنی اهلیه جناب ساره سے اسماعیل اور اس کی والده کو ایک مرتبه وهاں جا کر دیکھ آنے کا اراده ظاهر کیا۔ ساره نے اس میں مداخلت مناسب نه سمجهی۔ جب حضرت ابراهیم یهاں پهنچے تو اسماعیل گهر میں نه تهے۔ آپ نے ان کی بیوی سے دریافت فرمایا تو اس نے کها ''وه شکار کے لیے تشریف لے گئے هیں، جو همارا آزوقه هے''۔ حضرت نے اپنے لیے طعام کی فرمائش کی تو بی بی نے کها ''همارے گهر میں کهانے پینے کی کوئی شے نهیں!'' اس کے بعد حضرت ابراهیم اسے پیغام دے کر واپس تشریف لے گئے که اپنے شوهر کو سلام کے بعد میری طرف سے یه کهنا که وه اپنے دروازه کی چوکهٹ بدل لیں۔

حضرت اسماعیل کی واپسی پر ان کی اهلیه نے واقعه اور سلام و پیام من و عن بیان کر دیا۔ یه سن کر انهوں نے اس بیوی کو طلاق دے کر اسی قبیله (جرهم) کی دوسری بی بی بنت مضاض (بن عمرو) سے عقد فرما لیا۔

اس صالحه کے دور میں حضرت ابراهیم پهر یهاں تشریف لائے اور ان سے بهی اسی انداز بیگانگی میں مکالمه فرمایا اور مراجعت کے موقعه پر بی بی سے فرمایا ''اپنے شوهر کو سلام کے بعد میرا پیام دینا که وه اپنے دروازه کی یه چوکهٹ بحال رهنے دیں''۔[۲] جب اسماعیل واپس لوٹے تو بی بی نے تمام واقعه حرف بحرف عرض کیا۔ فرمایا ''یه میرے والد (ابراهیم) تهے اور تم میرے گهر کی چوکهٹ هو۔ میرے والد نے مجهے حکم دیا هے

۱۔ اس تقدم و تاخر میں بخاری کی حدیث قابل ترجیح هے ''لیس یومئذ بمکة احد لیس بها ماء'' (''صحیح بخاری'' کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی) (جب اسماعیل کی والده انهیں اپنے همراه لے کر اس دره میں آباد هوئیں تو اس مقام پر نه تو آبادی هی تهی اور نه پانی) [م]۔

۲۔ اس سعادت مند خاتون نے عرض کیا که هم بڑی اچهی زندگی بسر کر رهے هیں اور عمده پیرائے میں رحمت الٰهی کو سراها۔ حضرت نے دریافت فرمایا کهانے میں کیا دستیاب هوتا هے؟ عرض کیا گوشت! فرمایا پینے کے لیے؟ عرض کیا، پانی! یه سن کر حضرت ابراهیم نے دعا کی: اللهم بارک لهم فی الطعام والماء (''صحیح بخاری'' کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی) [م]۔

کہ میں تمھیں سدا اپنی زوجیت میں رکھوں،،[1]

عرب مستعربہ: اسی بی بی کے بطن سے حضرت اسماعیل کے ہاں بارہ فرزند پیدا ہوئے جو اپنے گرامی منزلت والد کے نسب کی وجہ سے عرب مستعربہ مشہور ہوئے۔ ان کی والدۂ عالیہ کے مورث اعلیٰ کا نام نامی یعرب بن قحطان ہے۔ اس وجہ سے فرزندان اسماعیل عرب عاربہ سے بھی موسوم ہیں۔ حضرت اسماعیل اپنی والدۂ محترمہ کی وجہ سے مصر سے منسوب ہیں[2] اور حضرت ابراہیم نے دوران ہجرت میں عراق و فلسطین کے جن علاقوں میں جہاں جہاں قیام فرمایا ان سے بھی منتسب ہیں۔

اختلاف جزئیات در قیام اسماعیل در وادیٔ مکہ: مورخین حضرت ابراہیم کے اپنے فرزند اسماعیل کو ہمراہ لا کر یہاں پر ان کی مستقل اقامت کے بارے میں تو متفق ہیں مگر واقعہ کی جزئیات میں بعض محققین کو یہ اختلاف ہے:

أ- یہاں پہلے سے چشمہ جاری تھا۔

ب- قبیلۂ جرہم ان کے قیام سے قبل یہاں آباد ہو چکا تھا جس نے حضرت ابراہیم کی تشریف آوری پر آپ کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور ہاجرہ اور ان کے لخت جگر کے ساتھ اقامت گزین ہونے سے دلی مسرت کا اظہار فرمایا (حتیٰ کہ) حضرت اسماعیل کے بالغ ہونے پر اسی قبیلۂ جرہم کو آپ کی مصاہرت کا شرف حاصل ہوا۔ اس بی بی کے بطن سے ان کے ہاں کئی فرزند پیدا ہوئے جن کی رگوں میں ان کے والد گرامی (حضرت ابراہیم) کا عبرانی خون موجزن تھا اور اسماعیل کی والدۂ عالیہ کے مصری النسب ہونے کی مناسبت سے ان کی رگوں میں مصری خون موجزن تھا۔ اور زوجۂ اسماعیل (بنت مضاض جرہمی العربی) کے عربی خون کی آمیزش سے ان کی اولاد میں عزیمت، شجاعت و قوت اور ہیبت، حضرت اسماعیل کی اولاد میں ان سہ گونہ اوصاف (عبرانی، مصری، عربی) نے چار چاند لگا دیے۔

ج- پس نہ تو اس مقام پر پانی کے فقدان کا سوال پیدا ہو سکتا ہے نہ سیدہ ہاجرہ کے پانی کی طلب میں صفا و مروہ پر بے تابانہ گردش ہی کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے [م: اور نہ قرآن مجید کی آیہ "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" (۲ : ۱۵۳) کے کچھ معنی !!!)۔ چونکہ ان امور میں کوئی امر حقیقت پر مبنی نہیں اس لیے زمزم کا ماجرہ بھی مشکوک ہے۔

یہ شکوک پیدا کرنے والوں میں سر ولیم میور ہیں: جو حضرت ابراہیم کا اسماعیل اور ان کی والدہ کے حجاز لے جانے کے واقعہ ہی سے منکر ہیں۔ (سر ولیم میور) لکھتے ہیں:

"اسرائیلی سخن بافوں نے یہ فسانہ ظہور اسلام سے قبل گھڑ لیا کہ حضرت ابراہیم نے اپنے فرزندوں کو عرب میں آباد کر دیا۔ ان (یہود) کا مقصد یہ ہے کہ عرب کے "اسماعیل کی نسل میں ہونے کی وجہ سے یہودی خود کو بھی اولاد اسحاق کی صورت میں پیش کریں تاکہ عربوں کے ساتھ عم زادگی کے وسیلے سے اس ملک میں اپنی تجارت کو فروغ دے سکیں"۔

اس تمہید کے بعد (میور) فرماتے ہیں:

"اہل عرب کو حضرت ابراہیم کے دین سے کوئی نسبت نہ تھی۔ وہ بت پرستی کرتے تھے اور ابراہیم خدا پرست موحد تھے"۔

---

[1] "صحیح بخاری" کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان [م]۔

[2] جناب ہاجرہ کے مصری الاصل ہونے کی وجہ سے [م]۔

لیکن معترض کی تنہا یہ دلیل ایک مسلمہ تاریخی واقعہ کی نفی کے لیے کفایت نہیں کر سکتی کہ حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند اسماعیل کی وفات کے صدیوں بعد عربوں کا بت پرست بن جانا اس امر کی دلیل بن سکتا ہے کہ جس زمانہ میں ابراہیم نے اپنے اہل بیت کو حجاز میں آباد کیا اس وقت سے لے کر ان دونوں باپ بیٹوں کی تعمیر کعبہ کے وقت تک عرب کے رہنے والے بت پرست ہی تھے۔

بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ لوگ بت پرستی کرتے تھے تب بھی سر ولیم میور کے لیے یہ دلیل موید نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت ابراہیم نے اپنے وطنی ہم قوموں کو بت پرستی سے منع فرما کر خدائے واحد کی عبادت پر لانا چاہا مگر انہوں نے آپ کی ہدایت کو نہ مانا۔ اسی طرح حجاز آکر بھی انہوں نے وہی دیکھا اور ان کو بھی توحید کی دعوت دی مگر یہ بھی آپ کی تعلیم سے منحرف ہی رہے۔ آخر اس میں کون سا ایسا پہلو نکلتا ہے جس کی بنا پر حضرت ابراہیم کے حجاز آنے سے انکار ضروری سمجھ لیا جائے، خصوصاً جب کہ عقل صریح اور نقل صحیح دونوں ہماری تائید اور میور کی تردید میں پیش پیش ہوں یعنی:

۱۔ جب حضرت ابراہیم عراق سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے تو پہلے فلسطین میں وارد ہوئے اور سفر کی زحمت اور صحرا نوردی ان کی عزیمت پر اثر انداز نہ ہو سکتی تھی۔ یہاں انہوں نے شام سے آنے والے تاجروں کو حجاز کی سمت جاتے ہوئے دیکھا تو خود کو بھی اپنے قافلہ کے ساتھ

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسہا[1]

کہ کر اسی راہ پر ڈال دیا۔ ہماری دلیل میں ان مورخین کی حکایت بھی موید ہے جو حضرت ابراہیم کا فلسطین سے حجاز تشریف لانا بیان کرتے ہیں۔

سر ولیم میور اور ان کے ہمنوا یہ بھی لکھتے ہیں: حضرت ابراہیم اور اسماعیل کی وفات کے بعد ان کی اولاد فلسطین سے حجاز میں آ کر آباد ہوگئی جن کی نسل میں عراق و حجاز دونوں کے خون کی آمیزش ہوگئی۔

میں کہتا ہوں اگر ان کی اولاد کا حجاز منتقل ہونا ممکن ہے تو خود حضرت ابراہیم اور اسماعیل کے یہاں آنے میں کیا اشکال رہ جاتا ہے، خصوصاً جب کہ تاریخ ان کی حجاز میں تشریف آوری کی پشتی بانی کر رہی ہو اور قرآن مجید کے ساتھ دوسری آسمانی کتابیں بھی اس واقعہ کی تائید میں ہوں کہ حضرت ابراہیم نے اپنے نور نظر اسماعیل کو اپنے ہمراہ لے کر کعبہ تعمیر فرمایا۔ (قرآن فرماتا ہے:)

”ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا و ہدی للعلمین فیہ ایت بینات مقام ابراہیم ومن دخلہ کان امناً“ (۳: ۹۰ تا ۹۱)

بلا شبہ انسان کے لیے خدا پرستی کا پہلا معبد و مرکز بنایا گیا وہ یہی عبادت گاہ مکہ ہے، ایک با برکت گھر اور جملہ بنی نوع انسان کے لیے ہدایت کا سبق آموز! جس میں دین حق کے تو پرتو نشانات ہیں۔ ازاں جملہ وہ مقام جہاں ابراہیم کھڑے

۱۔ بفحوائے آیۂ در واقعہ حضرت ابراہیم ”و قال انی ذاهب الی ربی سیہدین“ (۳۷: ۹۹)[م]

ہوکر عبادت کرتے تھے۔ اس گھر میں یہ وصف بھی ہے کہ جو کوئی اس کے حدود میں جا پہنچا وہ امن و حفاظت کے حصار میں آگیا!

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامناً واتخذوا من مقام ابراھیم مصلے۔ وعھدنا الی ابراھیم واسماعیل ان طھرا بیتی للطائفین والعکفین والرکع السجود و اذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا بلدا امناً وارزق اھلہ من الثمرات من امن منھم باللہ والیوم الاخر قال و من کفر فامتعہ قلیلا ثم اضطرہ الی عذاب النار۔ وبئس المصیر۔ اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم“ (۲:۱۱۹ - ۱۲۱)

(ذرا اس پر توجہ کیجیے)۔ جب ہم نے کعبہ کو انسانوں کے لیے یمن اور بار بار آنے جانے کا مقام مقرر کر دیا اور ہم نے حکم دیا کہ جس جگہ پر ابراہیم کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہیں تمام لوگ ان کے بعد اسے اپنی نماز گاہ سمجھیں اور جب ہم نے ابراہیم اور اسماعیل دونوں کو حکم دیا کہ ”اس گھر کو طواف و عبادت اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا“ اور جب ابراہیم نے ہمارے حضور یہ دعا کی: الٰہی! اس بستی کو امن کا شہر بنا دیجیو! اس میں رہنے والوں میں جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان لائیں انہیں ہر پیداوار سے مستمند فرماتے رہیو! اس دعا پر اللہ نے فرمایا اے ابراہیم! اور تو سب کچھ منظور ہے مگر جو شخص کفر کی راہ اختیار کرے گا ہم اسے بھی کھانے کو دیتے رہیں گے۔ البتہ آخرت میں اس سے کفر کا محاسبہ ضرور ہوگا اور اسے ناچار دوزخ میں جانا پڑے گا جو بہت برا ٹھکانا ہے۔ اور جب ابراہیم (اپنے فرزند) اسماعیل کو ہمراہ لے کر خانۂ کعبہ کی بنیادیں تعمیر کر رہے تھے جن دونوں کی زبان پر یہ کلمات دعائیہ تھے کہ خداوند! ہماری سعی قبول فرمائیو! تو سننے والا اور مصالح عالم کا جاننے والا ہے۔

کعبۃ اللہ میں بت پرستی کا دور دورہ: حضرت ابراہیم نے اس نیت سے کعبۃ اللہ کو تعمیر کیا کہ یہاں لوگ توحید کا تصور لے کر آئیں گے اور یہاں چند روز رہ کر خدائے واحد لاشریک کی عبادت کریں گے۔ لیکن خدا کا یہ گھر کس طرح بتوں کی آماجگاہ بن گیا؟ اس کے اندر علانیہ بت پرستی کس طرح شروع ہوگئی؟ یہ برائی حضرت ابراہیم اور اسماعیل کی وفات کے بعد بیت اللہ میں کس راہ سے دخل انداز ہوئی؟ ایک اللہ کی عبادت پر بتوں کی پرستاری غالب آگئی؟ افسوس! تاریخ ان سوالات کے حل میں

ہماری مدد نہیں کر سکی اور اگر کسی شخص نے اس پر قلم اٹھایا ہے تو محض فرضی تصورات اور ان پر خود ساختہ جوابات سے اپنے لیے تسکین کا سامان جمع کر لیا ہے۔

عرب میں ستارہ پرستی کا عروج: گذشتہ زمانہ میں عرب کے اندر ستارہ پرستی کو پورا عروج حاصل ہوا جس کی فرضیت پر کہا جاتا ہے کہ اس سے ہمارا اصل مقصد خدا کی پرستش ہے۔ مگر ستاروں کو دوسری مخلوق پر خدا کی عظمت اور جلال کا سب سے بڑا مظہر سمجھ کر ان کی تعظیم کرنا ضروری ہے۔ لیکن عام لوگ جن کے ذہن الوہیت کے ادراک و حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے انہوں نے رفتہ رفتہ ستاروں ہی کو خدا کا ہم پلہ سمجھ کر ان کی پرستش شروع کر دی۔

مکہ میں بت پرستی کی ابتداء: بعد میں ان لوگوں نے سنگ چقماق میں آگ کا کرشمہ دیکھ کر تصور کر لیا کہ آسمان سے جو پتھر ہمارے معبود ستاروں کی بھینٹ کے لیے گرائے گئے ہیں وہ یہی پتھر تو ہیں! نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے ستارہ پرستوں نے پہلے خداؤں کو ان پتھروں سے بدل لیا - ازاں بعد ان کا یہ ولولہ اس جد تک ترقی کر گیا کہ انہوں نے کعبہ" اللہ میں نصب شدہ حجر اسود کے تعظیمی بوسہ پر اکتفا کرنے کی بجائے کعبہ کے گرد و نواح میں بکھرے ہوئے پتھروں کو سفر میں اپنے ساتھ لے جانا شروع کر دیا جن سے ہر کام کے ابتدا میں اس کی اجازت طلب کی جاتی یعنی بندگی کے جو رسوم ستاروں سے وابستہ تھے ان میں سے ایک ایک معاملہ بتوں کے ساتھ استوار کر لیا گیا، حتیٰ کہ ان پتھروں کے مجسمے بنا کر ان کی تقدیس اور ان کی رضاء کے لیے قسم قسم کی قربانیاں شروع ہو گئیں۔

مورخین نے کعبہ کی ابراہیمی تعمیر کے بعد، جس سے مقصود ایک اللہ کی پرستش تھی عرب میں بت پرستی کی ابتداء اور ترقی مذکورۃ الصدر صورتوں میں سپرد خامہ فرمائی ہے جیسا کہ تاریخ کے سب سے بڑے مصنف ہیرودت (جو ابوالتاریخ کے لقب سے مشہور ہے) نے ''عرب میں لات کی پرستش،، کے ضمن میں اور دیودور صقلی نے ''وہ بیت مکہ جس کی تمام عرب تعظیم کرتا،، کے عنوان سے وضاحت کی ہے۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جزیرۃ العرب میں بت پرستی کا نفوذ کس طرح ہوا جس کے سامنے اس خطہ میں دین ابراہیمی زیادہ مدت تک مقبول نہ رہ سکا۔

حضرت ابراہیم کے بعد جزیرۃ العرب میں دوسرے نبیوں کا ظہور: ان عہدوں میں بھی عرب میں پے بہ پے انبیائے کرام تشریف لائے جنھوں نے خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت پیش کی مگر عرب کے باشندے انبیاء کی دعوت کو ٹھکرا کر بدستور بت پرستی پر قائم رہے۔

حضرت ہود علیہ السلام: ازاں جملہ حضرت ہود قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے جو حضرموت[1] کے شمال میں آباد تھی لیکن ان میں قلیل تعداد کے سوا غالب حصہ

---

[1] ''حضرموت،، ساحل بحر ہند پر واقع ہے۔ یہ نہایت قدیم آبادی ہے۔ قحطان یا یقطان جو یمن کا پدر اول تھا اس کے بارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام تورات (تکوین ۱ : ۲۶) نے حضرت ماوت بتایا ہے۔ اس بناء پر اہل تاریخ یقین کرتے ہیں کہ یہ قطعۂ ملک اپنے باشندۂ اول حضرماوت ابن قحطان کے نام سے منسوب ہے - اہل حضر موت نے ایک مستقل حکومت بھی قائم کر لی تھی جس کی

بدستور اپنے تکبر پر قائم رہا، انہوں نے خدا کے نبی کو یہاں تک کہ دیا کہ

''یهود ما جئتنا ببینة و ما نحن بتارکی الهتنا عن قولك و ما نحن لك بمومنین'' (۱۱: ۵۶)

اے ہود! آپ کے پاس بت پرستی کے خلاف کوئی دلیل تو ہے نہیں پھر ہم آپ کی باتوں میں آکر اپنے خداؤں سے کیسے منہ موڑ لیں! اور آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں!

حضرت صالح علیه السلام: ان کے بعد حضرت صالح تشریف لائے۔ ان کی دعوت اس قوم کی طرف تھی جو حجر[1] میں آباد تھی اور یہ مقام حجاز و شام کے وسط میں خلیج عقبہ کے اس کنارے پر واقع ہے جو مدین کی سر زمین حجر کے نام سے موسوم تھا لیکن آپ کی دعوت بھی بار آور نہ ہو سکی۔

حضرت شعیب علیه السلام: پھر حضرت شعیب مبعوث ہوئے۔ آپ نے مدین[2] کے پہاڑی علاقوں کے باشندوں کو دعوت دی لیکن انہوں نے بھی سنی ان سنی ایک کر دی اور اپنے پیشروؤں (قوم) عاد و ثمود کی طرح عذاب خداوندی سے دو چار ہوئے۔

اسی طرح اور اور انبیائے کرام تشریف لاتے رہے جن کے تذکار مقدس اور ان کی دعوت کے نتائج و عواقب قرآن مجید میں جا بجا مذکور ہیں کہ ان کی دعوت سے انکار کرنے والوں کا کیا حشر ہوا، کیونکہ وہ سب کچھ سن کر بھی بتوں کی پرستش پر قائم رہے۔ ان کے دلوں میں ان کی عظمت اس طرح بس گئی کہ وہ کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے بتوں کے حج کی غرض سے ملک (عرب) کے دور دراز خطوں سے آتے۔ اسی بارے میں آیۃ: وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (۱۷: ۱۶) نازل ہوئی (ہم کسی شخص کو عذاب سے دو چار نہیں کرتے جب تک اسے ہمارے رسول کی دعوت نہ پہنچ جائے)۔

قصی (بن کلاب) کی سیادت واعزازات: قصی[3] بن کلاب وہ پہلے شخص ہیں جنہیں تعمیر کعبہ سے لے کر ان کی مکہ پر سیادت کے ساتھ مندرجہ ذیل اعزازات حاصل ہوئے (نصف صدی پنجم عیسوی ان کا زمانہ ہے: تقریباً[4] ۴۴۰ع) یعنی:

۱- حجابت کعبہ: اور وہ تعبیر ہے بیت اللہ کی کلید برداری سے۔

مختصر تاریخ مورخ ابن خلدون (جلد ۲، صفحہ ۱۴) نے بیان کی ہے۔ عاد و ثمود کا اصلی مسکن بھی یہی تھا، بالفعل حضر موت مستقل قطعہ ملک کی حیثیت سے ایک مستقل امام کے ماتحت ہے'' (''ارض القرآن'' سید سلیمان ندوی، جلد اول، صفحہ ۹۴ و ۹۵ — م)

[1] ثمود کے ملک کا دارالحکومت حجر تھا۔ یہ شہر اس قدیم راستہ پر واقع ہے جو حجاز سے شام کو جاتا ہے۔ اس راستہ پر ثمود کا ایک دوسرا مقام ''فج الناقة'' ہے جس کو یونانیوں نے بہ تلفظ Badncila لکھا ہے۔ لیکن اصل شہر حجر ہی تھا۔ اب عموماً اسی شہر کو ''مدائن صالح'' کہتے ہیں (''ارض القرآن'' سید سلیمان ندوی، جلد اول، صفحہ ۱۸۸ — م)

[2] حاشیہ (۱) ملاحظہ ہو۔

[3] قصی بن کلاب حضرت رسالت مآب کی پانچویں پشت میں ہیں ''(۱) صلعم بن عبداللہ، (۲) بن عبدالمطلب، (۳) بن ہاشم (۴) بن عبد مناف، (۵) بن قصی ابن کلاب'' سیرة ابن ہشام [م]۔

[4] ''رحمة للعالمین'' قاضی سلیمان منصورپوری، جلد ۲ بر حاشیہ (تذکرہ) قصی [م]

۲ ۔ سقایت :	یہ خدمت ہے حاجیوں کے لیے آب شیریں فراہم کرنا جو اہل مکہ کا لذیذ ترین مشروب تھا اور ان کے لیے کھجوروں کا عصارہ بہم پہنچانا جو شرب و اکل دونوں کا بدل ہے ۔
۳ ۔ رفادت :	مفلوک الحال حاجیوں کی دعوت طعام اور ان کی واپسی پر انہیں زاد راہ پیش کرنا ۔
۴ ۔ ندوہ :	اہل مکہ کی روز مرہ کی مجلس مشاورت کی صدارت ۔
۵ ۔ لواء :	وہ علم جو دشمنوں کے ساتھ معرکہ آرائی کے لیے نکلنے پر لہرایا جاتا ہے ۔
۶ ۔ قیادت :	جنگی لشکر کی سپہ سالاری ۔

اور یہ عہدے کعبہ کی عظمت کا ثمرہ تھے جو اسے عرب کے باشندوں میں مرکزی عبادت گاہ ہونے کی وجہ سے حاصل تھی ۔ یہ عہدے قصی کے حسن خدمات کے باوجود ایک ہی ساعت میں تفویض نہیں ہوئے ، ایک منصب کے بعد دوسرا عہدہ اور دوسرے اعزاز کے بعد تیسرا ۔ قصی کے اعزاز میں پیش کردہ عہدوں میں بعض کعبہ کے دینی شرف کی بنا پر اور بعض کعبہ کے جغرافیائی اور عام شاہ راہ پر واقع ہونے کی وجہ سے تمام قریش و اکابر مکہ کی جانب سے قصی بن کلاب کو تفویض ہوئے ۔

اور ہماری تحقیق کے مطابق تعمیر کعبہ کے وقت ان مناصب کا وجود عمل میں نہ آیا تھا بلکہ جوں جوں ضرورتیں پیدا ہوتی گئیں عہدے بڑھتے گئے ۔ مذکورہ عہدوں میں بعض ایسے مناصب بھی ہیں جنہیں کعبہ کی دینی عظمت کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں لیکن اہل مکہ کے مزاج کے ساتھ انہیں ضرور مناسبت حاصل ہے ۔

قصی سے قبل مکہ کی تمدنی حالت : تعمیر کعبہ کے زمانہ میں مکہ کا تمدن اس قدر جاذب نہ تھا کہ وہ اس دور کے دو معروف قبائل عمالقہ و جرہم کی توجہ کے قابل ہو سکتا لیکن جب حضرت اسماعیل نے اس مقام کو اپنی اقامت کا شرف بخشا اور بعد میں جناب ابراہیم و اسماعیل دونوں نے مل کر کعبہ کی تعمیر فرمائی تو ان دوگونہ صفات کی وجہ سے اس سر زمین میں انسان کی مستقل اقامت گاہ بننے کی صلاحیت عود کر آئی ۔ ہر سمت سے قبائل آتے گئے اور یہاں سکونت پذیر ہوتے گئے ۔ رفتہ رفتہ یہ مقام شہر کی صورت میں منتقل ہو گیا مگر آج (دشمنان مکہ) یہ طعنہ دیتے ہیں کہ مکہ کے ان قبائلی باشندوں کے کردار سے بدویت زائل نہ ہو سکی ۔ دوسرے اہل تاریخ یوں نکتہ چینی فرماتے ہیں کہ کم از کم قصی بن کلاب کی سیادت (۴۴۰ع) تک مکہ کے باشندوں میں بدویت پوری طرح جلوہ فرما رہی ۔

لیکن عقل یہ باور کرنے سے قاصر ہے ۔ مکہ جیسی آبادی جسے ایک طرف کعبۃ اللہ کی وجہ سے ہر قسم کا تفوق حاصل ہو ۔ دوسری طرف اس قبیلہ جرہم کا مسکن بننے کا موقعہ نصیب ہو جسے حضرت اسماعیل کی مصاہرت نے دنیا میں اور بھی ممتاز کر دیا ہو ، یہی مکہ صدیوں سے ان تاجروں کی منزل استراحت بنا ہوا ہو جو یمن ، حیرہ ، شام اور نجد سے آتے جاتے رہتے ، یہ بستی ساحل قلزم سے بھی قریب ہو جہاں سے اطراف و اکناف عالم کے سوداگر تجارت کا سامان لے کر آتے جاتے ہوں ۔ کیا ایسا شہر اتنی متمدن اقوام کا مرجع رہنے کے باوجود خود مدنیت سے ناآشنا رہ سکتا ہے ؟ اس کے متمدن ہونے کے یہی وجوہ نہیں بلکہ جس بستی کا نام حضرت ابراہیم نے مکہ تجویز کیا اور جس کی فلاح

و بہبود کے لیے خدا کے اس برگزیدہ رسول نے اس میں سدا امن اور دوسروں کے لیے اس کے مأمن ہونے کی دعائیں کی ہوں اور وہ دعائیں شرف قبول سے سرفراز بھی ہو چکی ہوں کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے کہ یہ شہر قصی بن کلاب (در ۴۴۰ع) سے پہلے تمدن کا گہوارہ نہ بن چکا ہو، جس میں ”تقریباً دو ہزار قبل مسیح حضرت ابراہیم نے اپنے گرامی قدر فرزند حضرت اسماعیل کو لا کر آباد کیا)“ ۔[۱]

مکہ معظمہ پر قریش کا غلبہ: قبیلہ جرہم نے عمالقہ کو شکست دے کر مکہ پر قبضہ کر لیا جو مضاض (بن عمرو بن الحارث) کے عہد تک قائم رہا ۔ جرہم کے پورے دور میں مکہ کی تجارت کو فروغ رہا جس سے جرہم کی زندگی ناز و نعمت کی عادی ہوگئی۔ وہ بھول گئے کہ اس بستی جیسی ناقابل کاشت سر زمین (”واد غیر ذی زرع“) پر رہ کر محنت شاقہ کے بغیر روزی کا دستیاب ہوتے رہنا محال ہے۔ اور تو اور وہ تعیش کے نشہ میں (چاہ) زمزم کی صفائی اور اس کی دیکھ بھال سے بھی بے پروا ہوگئے یہاں تک کہ اس کے سوتے بند پڑگئے ۔

خزاعہ کی عملدر آمد: جرہم کی اس غفلت اور نالائقی سے قبیلہ خزاعہ نے اس کے اقتدار و مناصب پر تصرف کا ارادہ کر لیا جس کے عواقب سے مضاض نے اپنے ساتھیوں کو ہر چند آگاہ کیا مگر ان کی آنکھیں نہ کھلیں ۔ مضاض کے دل میں جرہم کی ذلت کا احساس بڑھتا گیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ اب یہ اقتدار خزاعہ کا انتظار کر رہا ہے۔ اس نے پیش بندی کے طور پر کعبہ کے خزانہ میں سے بیش قیمت سامان اور سونے کے دو ہرن جو کبھی کعبہ کے لیے ہدیہ کے طور پر رکھے گئے تھے دوسروں کی نظر سے چھپا کر انھیں زمزم میں دفن کر دیا تاکہ جب دوبارہ وہ مکہ پر قابض ہوں تو انھیں اپنے کام میں لائیں۔ اس مہم سے فارغ ہوکر مضاض اپنے قبیلہ اور بنو اسماعیل کو ہمراہ لے کر مکہ سے نکل آیا۔ اب یہاں بنو خزاعہ کی حکمرانی تھی جو قصی (بن کلاب) کے دور تک رہی ۔ قصی کا رسول اللہ صلعم سے نسبی علاقہ پانچویں پشت میں ہے ۔

اور قصی: قصی کی والدہ کا نام فاطمہ ہے (بنت سعد بن سیل)۔ ان کے بطن سے دو فرزند پیدا ہوئے ۔ دوسرے کا نام زہرہ ہے۔ یہ قصی سے بڑے تھے۔ کلاب کے انتقال کے وقت قصی اپنی ماں کی گود میں تھے ۔ فاطمہ نے ربیعہ بن حرام سے عقد فرما لیا۔ ربیعہ وطن چھوڑ کر شام میں منتقل ہوگئے۔ یہاں آکر ان کے بطن سے ایک اور فرزند پیدا ہوا ۔ اس کا نام دراج رکھا۔ قصی نے ہوش سنبھالا تو وہ ربیعہ ہی کو اپنا حقیقی والد سمجھنے لگے لیکن ایک مرتبہ قصی اور ربیعہ کے خاندان والوں میں چپقلش ہوگئی تو انھوں نے قصی کو اپنے غیر کفو ہونے کے طعنہ میں کہا تم ہمارے ہمسایہ ہو نہ کہ ہم نسب! قصی نے یہ قصہ اپنی والدہ کو سنایا تو اس نے کہا ”اے فرزند من! تم اپنے باپ کے نسب کی وجہ سے ان کے مقابلہ میں زیادہ معزز ہو۔ تمھارے باپ کلاب بن مرہ ہیں اور تمھارا خاندان بیت الحرام کے جوار میں رہنے سے مشرف ہے“! آخر قصی مکہ معظمہ میں چلے آئے ۔ یہاں ان کی دقت نظر و اصابت رائے نے تمام خاندان میں انھیں محترم بنا دیا ۔

قبیلہ خزاعہ میں قصی کی مصاہرت: اس موقعہ پر کعبہ کی تومیت حلیل بن خبشہ کے قبضہ میں تھی۔ یہ نسباً خزاعی تھے اور صاحب فراست! قصی نے ان کی صاحبزادی (حبی)

۱۔ ”ارض القرآن“ سید سلیمان ندوی ’جلد اول‘ صفحہ ۹۸ در ”تذکرہ حجاز“ — م۔

کے لیے خطبہ (درخواست نکاح) کیا جسے حلیل نے منظور کرلیا اور شادی ہوگئی۔ قصی کو تجارت میں بڑا ملکہ تھا۔ کاروبار کرنے سے کبھی غافل نہ رہتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ مالدار ہوگئے۔ خدا کی دین کہ مال کے ساتھ اولاد نرینہ میں بھی افزائش ہوگئی۔ یہ دونوں نعمتیں اپنے معاصر میں قصی کے احترام مزید کا باعث ہوگئیں۔

قصی اور کلید کعبہ: حلیل نے اپنی آخری علالت میں کعبہ کی کلید اپنی صاحبزادی حبی کے لیے وصیت کر دی۔ بی بی نے اتنی ذمہ داری اپنے سر رکھنے کی بجائے چابی ابوغبشان خزاعی کے حوالہ کر دی ابوغبشان شراب کا اس قدر متوالہ تھا کہ اس نے ایک مشکیزہ شراب کے بالعوض کلید کعبہ قصی بن کلاب کے ہاتھوں بیچ دی! بنو خزاعہ اس حادثہ سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ قصی مرد تونگر ہے اور اس کا قبیلہ تنومند، اگر کلید کعبہ اسی کے قبضہ میں رہی تو مکہ معظمہ کے تمام مناصب و اعزازات انہی کے لیے ہو جائیں گے خزاعہ نے قصی سے چابی کا مطالبہ کیا۔ اس پر دونوں قبیلوں میں کشمکش بڑھ گئی۔ قصی کا قبیلہ (قریش) اپنے سردار کی یاوری میں آگے بڑھا۔ دوسرے قبائل جو قصی کی دیانت و فراست کا سکہ مان چکے تھے انہوں نے بھی نصرت کا ہاتھ بڑھایا۔ جنگ ہوئی آخر خزاعہ نے شہر کو بنو جرہم کے لیے خالی کر دیا¹۔ بیت اللہ کی سیادت اور اعزازات پر قصی بن کلاب کا قبضہ ہوگیا۔

تعمیر مکہ کی ابتدا: (جیسا کہ شروع میں مذکور ہوا) بعض کا یہ خیال ہے کہ قصی کی تولیت سے قبل کعبہ کے گرد و نواح میں کوئی بساوٹ نہ تھی۔ بنو جرہم اور بنو خزاعہ دونوں قبیلوں کے اعتقاد میں کعبہ کے قریب بساوٹ بے ادبی سمجھا جاتا جس کی بنا پر وہ شب کو کعبہ کے حدود (حرم) سے ہٹ کر حل (جہاں شکار کرنا اور اس جگہ کا گھاس اور درخت وغیرہ کاٹنا جائز ہو) میں آباد تھے۔ وہیں شب باش ہوتے بعض نے اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی کر دیا ہے کہ جب قصی کو مکہ کی سیادت حاصل ہوئی تو اس نے قریش کو جمع کرکے حرم میں رہائشی مکانات تعمیر کرنے کی تحریک کی۔ اس پر سب سے پہلے وہ چوپال کھڑی کی گئی جسے بعد میں دارالندوہ سے موسوم کیا گیا اس میں بیٹھ کر بستی کی بساوٹ بڑھانے کے مشورے ہوتے کیونکہ ان کی تہذیب میں مشترکہ کام اتفاق رائے کے بغیر طے نہیں ہو سکتے تھے۔ انفرادی امور یعنی نکاح و تزویج بھی اسی (دارالندوہ) میں طے پاتے۔ اس پنچائتی گھر کی تعمیر کے بعد قصی کے حکم سے کعبہ کے قرب و جوار میں ایسے رہائشی مکان بنائے گئے جن کی حدود چھوڑ کر کعبہ کا طواف کرنے کے لیے کافی خلا چھوڑ دی گئی اسی طرح بساوٹ کی حدود کے بعد مطاف (عمارت کعبہ کا

۱۔ یہاں مولف نے یہ ٹکڑا نظر انداز کر دیا ہے ”دونوں جانب سے کچھ لوگ ضائع ہو گئے آخر یعمر بن عوف کو فریقین نے اپنا منصف مان لیا، یعمر نے فیصلہ کیا کہ

(۱) بنو خزاعہ کے جتنے آدمی مارے گئے ہیں قصی ان سب کا خون بہا ادا کرے۔

(۲) بنو خزاعہ شہر کی حکومت چھوڑ کر مکہ سے باہر چلے جائیں۔ آئندہ حکومت قصی کرے اسی فیصلہ پر عمل ہوا،، (رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان منصور پوری جلد ۲ تذکرۂ قصی،،) م:

وہ خلا جو طواف کے لیے چھوڑا گیا) کے لیے بھی کعبہ کے چوطرفہ زمین کا مناسب حصہ چھوڑ دیا گیا۔

قصی کے بعد اس کی نیابت: قصی کے فرزندوں میں عبدالدار سب سے بڑے اور عبدمناف ان سے چھوٹے (فرزند) تھے لیکن قبیلہ اور دوسرے خاندانوں میں عبدمناف کا وقار زیادہ تھا۔ قصی کے قویٰ کمزور ہونے لگے تو انہوں نے کلید کعبہ کے ساتھ تمام دوسرے اعزازات بھی عبدالدار کو تفویض کر دیئے۔ ان میں رفادت بھی تھی جس کے لیے تمام قریش کے ذمہ سالانہ ٹیکس تھا جو قصی کے ہاں جمع ہوتا اور اس میں حج کے موتعہ پر مفلوک الحال حاجیوں کو کھانا اور زاد راہ بھی مہمانی کے طور پر دیا جاتا جس کا آغاز قصی نے کیا تھا جب کہ اس نے خزاعہ کو مکہ سے باہر دھکیل دیا تھا۔ اس وقت قصی نے قریش کے جلسہ میں ان سے بایں الفاظ خطاب کیا تھا۔

”یا معشر قریش! انکم جیران اللہ و اہل بیتہ و اہل حرمہ و ان الحاج ضیف اللہ وزوار بیتہ و ہم احق الاضیاف بالکرامہ" فاجعلوا لھم طعاما و شرابا ایام الحج حتی یصدروا عنکم“

برادران قریش! آپ حضرات اللہ کے جوار میں رہنے کی وجہ سے اس کے اہل بیت اور اس کے حرم کے ساکنین سے ہیں۔ یہاں آنے والے حاجی اللہ کے مہمان اور اس کے گھر کے زائر ہیں۔ ان کی مہمان داری آرام و لطف کے ساتھ کرنا چاہئیے۔ اس لیے ان کے یہاں رہنے تک ہم سب کو ان کے لیے کھانے پینے کا انتظام کرنا ضروری ہے!

بنو عبدالدار اور ابنائے عبد مناف کا مناقشہ: عبدالدار اپنے باپ (قصی) کی طرح بدستور اپنے فرائض ادا کرتا رہا اور عبدالدار کے بعد اس کے بھائی عبد مناف کے بیٹوں کا بھی قریش میں بڑا وقار تھا۔ ایک مرتبہ وہ چاروں (ہاشم، عبدشمس، مطلب، نوفل) بنو عبدالدار سے بیت اللہ کی چابیاں لینے پر مصر ہوئے اس پر قریش میں دو گروہ ہوگئے۔ ادھر بنو عبد مناف نے حلف المطیبین کی صورت میں اپنی انگلیاں اس عطر کے اندر ڈبو دیں جسے وہ گھروں سے لائے تھے۔ پھر اس حلف کی تاکید میں انہوں نے ایک اور حلف اٹھایا کہ وہ اسے پورا کرکے رہیں گے!

بنو عبدالدار نے ”حلف الاحلاف“ اٹھا کر کمر باندھ لی۔ اگر جنگ شروع ہو جاتی تو قریش کی تمام پود پامال ہو جاتی لیکن ان میں سے چند دور اندیش اشخاص دونوں کے بیچ میں کھڑے ہوگئے اور مصالحت اس پر قرار پائی کہ

(بنو عبد مناف کے لیے)	اور	(بنو عبدالدار کے لیے)
سقایت و رفادت		کلید برداری، علم اور ندوہ کی صدارت

اور فریقین کے اخلاف انہیں ظہور اسلام تک مناسب طریق سے نباہتے رہے۔

ہاشم بن عبد مناف: ہاشم اپنے (چاروں) بھائیوں میں بڑے تھے۔ گھر میں مال و منال وافر تھا۔ سقایت و رفادت ہر دو کا بار انہوں نے خود پر لیا اور اپنے دادا قصی کی طرح قریش سے حاجیوں کی دعوت کے لیے ذخیرہ جمع کرنے کی درخواست میں کہا ”حاجی بیت اللہ کے زائر اور اس گھر کے زائر ہونے کی وجہ سے اللہ کے مہمان ہیں اور خدا کے مہمانوں کی ضیافت کرنا سب سے بڑا شرف ہے“، ہاشم زائرین بیت اللہ کی ضیافت ان کی

مکه سے واپسی تک کرتے اور نه صرف زائرین کعبه بلکه مکه کے مفلوک الحال باشندوں کی دست گیری بھی ان کا معمول تھا۔ ایک مرتبه مکه میں قحط رونما ہوا تو ہاشم نے غریبوں کے لیے اپنا دسترخوان اس فراخی کے ساتھ وسیع کر دیا که انہیں اپنے لیے غذا بہم پہنچانے کا کوئی فکر نه رہا۔ وہ ان کے لئے ثرید (شوربے میں بھیگے ہوئے نان) بہم پہنچاتے۔

اطراف حجاز میں ہاشم کی وجاہت: ہاشم سال بھر میں دو مرتبه تفریحی سیرو سیاحت کے لیے مکه سے نکلتے گرمی کے موسم میں یمن اور سردیوں میں شام کی طرف جاتے جس سے ان کی وجاہت کے ساتھ ان کے زاد بوم (مکه) کی شہرت بھی اطراف حجاز میں پھیل گئی۔

بنو عبد مناف (ہاشم اور ان کے بھائی) کا اطراف و جوانب کے سرداروں سے معاہده: عبد مناف کے بیٹوں نے وقت کو پہچان کر اپنے قرب و جوار کے امرا کے ساتھ باہمی امن و سلامتی کے معاہدے کر لیے ہاشم نے قیصر روم اور امیر (قبیله) غسان کے ساتھ اس معاہده میں اول الذکر سے یه شرط بھی طے کرلی که اپنے اپنے ملک کے اندر دوران سفر میں وہ قریش کی جان و مال کی سلامتی کے ذمه دار ہیں اسی قسم کا معاہده ہاشم کے برادر صغیر عبدشمس نے حبشه کے بادشاہ نجاشی کے ساتھ کر لیا (دوسرے دو بھائیوں) نوفل اور مطلب نے فارس اور یمن کے تاجداران قبیله حمیر سے یہی معاہدات تسلیم کرا لیے!

مکه معظمه کی مرفعه حالی: ان معاہدوں سے مکه کی وجاہت و ثروت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی گئی۔ اہل مکه کی تجارت میں دن بدن مہارت بڑھنے لگی۔ معاہد ممالک کے سوداگر مکه میں اپنا مال لے کر آنے لگے شہر مکه سے باہر پینٹھ کے بازار قائم ہوگئے۔ ان کے ملکوں میں سوداگری کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں میں جاتے، دیکھتے ہی دیکھتے اہل مکه تجارت کے ہیر پھیر میں تمام نواحی ممالک کے سوداگروں سے بازی لے گئے۔ وہ تجارت کے اصولوں میں نسیه (اودھار پٹه) اور سود کی صورتوں سے آشنا ہوگئے۔ اور ان تمام معاملات کو جان گئے جن کا تجارت سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

ہاشم معمر ہو جانے کے باوجود منصب سیادت کو نباہتے رہے۔ اس دوران میں صرف ایک مرتبه ان کے برادر زادہ امیه (بن عبد الشمس) نے انہیں معزول کر کے اپنے تمکن کا اراده کیا مگر وہ کامیاب نه ہوسکے اور الٹا اس ندامت سے پریشان ہو کر وہ شام کی طرف نکل گیا جہاں اس نے دس سال گذار دیے۔

تزویج ہاشم: ہاشم ان سفروں کے دوران میں ایک مرتبه شام سے لوٹتے ہوئے یثرب میں وارد ہوئے جہاں ان کے قریب سے ایک خوش جمال بی بی نکلیں یه قبیله خزرج کی باعصمت سلمیٰ (بنت عمرو) تھیں جن کے مال سے مدینه کے کئی اشخاص تجارت کر کے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے۔

ہاشم نے اس (بی بی) کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا نجیب الطرفین خاتون ہیں اور مطلقه ہیں۔ اس شخص سے عقد کرنے پر راضی ہوسکتی ہیں جو حق طلاق انہیں تفویض کر سکے۔ ہاشم اس پر بھی آمادہ ہوگئے اور انہیں خطبه کیا وہ ان کی شہرت کی وجه سے انہیں پہچان گئیں اور عقد کے بعد سلمیٰ اپنے شوہر کے ہمراہ مکه معظمه آگئیں لیکن جب فلسطین سے ہاشم کے انتقال کی خبر آئی تو وہ اپنے میکے یثرب تشریف لے گئیں یہاں ان کے بطن سے فرزند تولد ہوا جس کا نام شیبه رکھا۔ سلمیٰ نے اپنے مولود کا زمانه رضاعت میکے ہی میں گذارا بلکه اس کے اور بعد تک بھی وہ یثرب ہی میں رہیں۔

ہاشم کی وفات اور ان کے بعد: ہاشم نے دوران سیاحت میں فلسطین کے شہر غزہ

میں وفات پائی (یہ گرمی کا موسم تھا) باپ کے تمام مناصب اور اعزازات ان کے برادر خورد مطلب کو تفویض ہوئے (مطلب اپنے دوسرے بھائی عبد شمس سے چھوٹے تھے) جن کی فضیلت و سخاوت کا سکہ اس قدر عام تھا کہ انہیں قریش ''الفیض،، کہہ کر پکارتے جس کی بنا پر یہ نیابت انہی کے لیے سزا وار ہو سکتی تھی مطلب نے اپنے فرائض اسی خوبی سے ادا کیے جس کی طبعاً ان سے توقع تھی۔

عبدالمطلب (یعنی شیبہ) نائب عم خویش: کچھ عرصہ بعد مطلب (برادر ہاشم) کو اپنے مدنی نژاد بھتیجے شیبہ کی یاد نے ستایا اور وہ یثرب تشریف لے گئے۔ اپنے برادر زادہ کو جو اس وقت عنفوان شباب میں قدم رکھ چکے تھے ان کی والدہ (سلمیٰ) کی ناقہ پر رضامندی سے اپنے ہمراہ مکہ لے آئے۔ جس وقت مکہ میں ان کی سواری داخل ہوئی تو شیبہ ان کے عقب میں بیٹھے تھے۔ اہل مکہ نے سمجھا کہ یہ نوجوان مطلب کا غلام ہے اور ان میں سے کسی نے باآواز بلند کہہ بھی دیا ''عبدالمطلب،، مطلب نے فوراً کہا یہ میرا غلام نہیں بلکہ ''ابن ہاشم،، ہے! لیکن اتفاق کی بات کہ شیبہ عبدالمطلب (نام) سے مشہور ہو گئے اور ان کا اصل نام شیبہ لوگوں کے ذہن سے اتر گیا۔

مطلب نے اپنے برادر زادہ (شیبہ) کو مکہ میں لے آنے کے بعد چاہا کہ ان کے والد کا مال اور اسباب ان کے حوالے کر دے مگر اس ادائیگی میں نوفل (برادر مطلب) حائل ہو گئے اب شیبہ کے لیے بغیر اس کے چارہ نہ تھا کہ وہ یثرب سے اپنے ننھیال کو اپنی نصرت کے لیے طلب کرے، اس پر اسی (۸۰) خزرجی نوجوان سر سے کفن باندھ کر آئے۔ نوفل نے یہ رنگ دیکھا تو چپ چاپ اپنے بھائی کا ترکہ ان کے فرزند (شیبہ) عبدالمطلب کے حوالے کر دیا!

مطلب کی وفات کے بعد عبدالمطلب کو تفویض مناصب: مطلب کی وفات کے بعد ان کے جملہ اعزازات و مناصب انہی عبدالمطلب کو تفویض ہوئے لیکن رفادت و سقایت دونوں کا نباہ ان کے لیے بار ہوتا گیا ان کی کمک کے لیے تنہا ان کا ایک فرزند (حارث) ہی تو تھا!

زمزم کو مضاض بن عمرو جرہمی نے پاٹ دیا تھا جس کی وجہ سے قریب سے پانی حاصل ہونا ناممکن تھا اس لیے سقایت (حاجیوں کے لیے آب شیریں کی فراہمی) کے لئے انہوں نے اپنی مشکلات کم کرنے کی تدبیر میں کعبہ سے بالکل ملا ہوا ایک وسیع حوض تعمیر کیا۔ جس میں اطراف مکہ کے کنوؤں سے پانی جمع کرنے کی تجویز تھی ظاہر ہے کہ اتنا بڑا کام اسی وقت سر انجام پاسکتا ہے جب کہ صاحب منصب کے ساتھ اس کے دوسرے قبیلہ دار بھی ہوں اور خود اس کے بیٹے بھی تعداد میں زیادہ ہوں۔ عبدالمطلب کے بھائی بند اس میں ان کے معاون ہوئے، عبدالمطلب اتنے بڑے کام کا بوجھ اٹھانے میں اپنے ساتھ بیٹے کو بھی پریشان دیکھ کر کھوئے کھوئے سے رہنے لگے۔

زمزم کی دوبارہ صفائی: عربوں کو ابھی تک یاد تھا کہ جو کنواں کعبہ کے پائیں میں واقع تھا اسے فلاں صدی میں مضاض بن عمرو نے پاٹ دیا تھا اور سب کی یہ تمنا تھی کہ کاش! وہ کنواں پھر ابھر آئے اور اس کے سوتے پھوٹ نکلیں دوسروں سے کہیں زیادہ یہ تمنا عبدالمطلب کے دل میں تھی لیکن زمزم کے محل وقوع کے بارے میں کسی کو صحیح علم نہ تھا کہ وقت نے مساعدت کی خواب میں عبدالمطلب کو اس نقطہ کا وقوع بتا دیا گیا اور وہ تنہا اپنے نور نظر حارث کو اپنے ہمراہ لے کر کھدائی میں مصروف ہو گئے۔

عبدالمطلب کے ساتھ ان کے صاحبزادہ (حارث) کے سوا قریش میں سے کوئی اور اس محنت میں ان کا مددگار نہ تھا لیکن جب سونے کے ہرن، مضاض کی طلائی شمشیریں اور دوسرے زر و مال نکلے جو مضاض بن عمرو نے اس میں دفن کر دیے تھے تو سب قریش اپنا اپنا حصہ لینے کے لیے دوڑے آئے اور بقیہ حصہ کی کھدائی کے لیے بھی آمادگی ظاہر کرنے لگے، مگر عبدالمطلب ان کے ساتھ متفق نہ تھے انھوں نے قریش کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اس طرح تیروں کی قرعہ اندازی کی جائے!

ا - کعبہ کے نام سے دو تیر ہوں
ب - قریش کے نام سے دو تیر ہوں
ج - عبدالمطلب کے نام سے دو تیر ہوں

قریش اس پر رضامند ہوگئے خداوند ہبل کے بالمواجہ قرعہ اندازی ہوئی جس میں قریش کے دونوں تیر خالی گئے۔ تلواریں عبدالمطلب کے نام پر نکلیں اور ہرنوں پر کعبہ کا نام نکلا عبدالمطلب نے اپنے نام کی تلواریں بیچ کر کعبہ کا دروازہ تعمیر کرا دیا، دونوں ہرن کعبہ کی زینت کے لیے اس کے اندر رکھ دیئے اور زمزم میں پانی نکل آنے سے عبدالمطلب کو آب رسانی کی زحمت سے نجات مل گئی!

عبدالمطلب کی نظر اور ایفا: عبدالمطلب پر دن بدن قلت اولاد کا اثر بڑھتا گیا۔ اس کے ذہن میں نقش ہوتا گیا کہ اگر آج میرے دس بیٹے ہوتے تو مجھے زمزم کی کھدائی میں یہ مصیبت پیش نہ آتی، عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر میرے ہاں دس فرزند پیدا ہوں تو ان میں سے ایک کو کعبہ کے سامنے اللہ کی نذر کر دوں۔ خدا کی شان کہ عبدالمطلب کی یہ امید بر آئی اور جب تمام بچے سن رشد تک پہنچ گئے تو عبدالمطلب نے اپنی نذر کا ماجرا ان سے بیان کیا۔ یہ سن کر سب نے بیک زبان عرض کیا کہ ہماری گردنیں آپ کی ایفائے نذر کے لیے حاضر ہیں ! لیکن باپ نے انتخاب میں ترجیح سے ہٹ کر یہ راستہ اختیار کیا کہ تمام فرزندوں کے نام ایک ایک تیر کے پھل پر لکھ کر کعبہ کے پجاری کے حضور قرعہ اندازی کے لیے لے گیا تاکہ وہ ہبل کی توجہ سے امر متنازعہ میں تصفیہ کر سکے جیسا کہ عرب میں مشکلات پر کیا جاتا وقت کی بات قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلا جو اپنے سب بھائیوں میں کم سن مگر باپ کو سب بیٹوں سے زیادہ محبوب تھے۔ عبدالمطلب عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر انھیں اس قربان گاہ کی طرف لے گئے جو زمزم کے قریب اساف و نائلہ (دو بتوں) کے درمیان نصب تھی جہاں عرب قربانی کے جانور ذبح کرتے، قریش کے کانوں میں بھی یہ بھنک پہنچ چکی تھی۔ وہ پہلے ہی سے قربان گاہ پر جمع تھے انھوں نے بڑی سختی کے ساتھ عبدالمطلب کو اس کام سے روکا اور ان سے کہا ”آپ ہبل کے حضور معذرت کر لیجئے یہی کافی ہے“! لیکن عبدالمطلب اس پر مطمئن نہ ہوئے اور کہا اگر اس کے سوا کوئی اور ایسی تدبیر ہو سکے جس سے ہمارے خدا ہم پر مہربان رہیں تو میں اپنا ارادہ بدل سکتا ہوں، مغیرہ بن عبداللہ مخزومی نے کہا اگر مالی فدیہ ہوسکے تو آپ کی بجائے ہم لوگ فراہم کر دیں گے! اس مشورہ پر گفتگو ہوتے ہوتے بات یہاں تک آپہنچی کہ یثرب کی مشہور عرافہ (کاہنہ) سے دریافت کیا جائے۔ یہ لوگ عرافہ کے پاس آئے تو اس نے تمام واقعہ سننے کے بعد بات کل کے لیے اٹھا رکھی، دوسرے روز عرافہ نے (ان سے) دریافت کیا کہ اہل مکہ کے ہاں خون بہا (دیت) کی کیا صورت ہے؟ انھوں نے کہا ہمارے ہاں دیت میں دس اونٹ ہیں! عرافہ نے کہا آپ حضرات واپس تشریف لے جائیں اور اسی

طریق پر دوبارہ اس طرح قرعہ اندازی کریں کہ تیروں کے قدح کے قریب ایک طرف وہ لڑکا اور دوسری جانب دس شتر کھڑے ہوں دونوں کے ناموں سے قرعہ ڈالا جائے۔ اگر اس مرتبہ بھی قرعہ لڑکے ہی پر نکلے تو اونٹوں کی جس حد تک تمہیں تحمل ہو ان کی تعداد بڑھاتے جائیے اور پھر قرعہ ڈالیے! یہاں تک کہ تمہارا خدا تم پر راضی ہو جائے۔

دوبارہ قرعہ اندازی: قاصد کے واپس مکہ لوٹنے پر اسی طرح قرعہ اندازی شروع ہوئی۔ پہلی مرتبہ پھر عبداللہ ہی کا نام آیا جس سے اونٹوں میں اور اضافہ ہوا مگر اس مرتبہ بھی پہلی اور دوسری نوبت کی طرح ہوا حتیٰ کہ پے درپے ۹۹، اونٹوں تک عبداللہ ہی قرعہ کی زد میں آتے رہے، بارے جب ایک سو اونٹ جمع کر لیے گئے تب عبداللہ کی بجائے اونٹوں پر قرعہ نکلا یہ دیکھ کر حاضرین کا جم غفیر جو عبداللہ کی سلامتی کے لیے دست بدعا تھا خوشی سے اچھل پڑا اور سب نے بیک زبان پکارا کہ بس ہمارا خدا اس فیصلے پر راضی ہو گیا اے عبدالمطلب! اب عبداللہ کو چھوڑ دیجئے اور اونٹوں کو قربان گاہ کی طرف لے آئیے!

مگر عبدالمطلب اس پر قانع نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا واللہ! جب تک مسلسل تین مرتبہ اسی طرح اونٹوں پر قرعہ نہ نکلے میں اسے تسلیم نہ کروں گا! اور عبداللہ تینوں مرتبہ قرعہ کی زد سے بچ گئے! اب عبدالمطلب مطمئن تھے اور تمام اونٹ قربان گاہ پر لا کر انہیں ذبح کر کے چلے آئے تاکہ انسان اور درندوں میں سے جو چاہے ان کا گوشت اپنے استعمال میں لا سکے۔

عرب کی سیرت اور بیت اللہ کی منزلت: یہ واقعہ جس سے عربوں کے رسوم و عادات اور عقائد کی نوعیت واضح ہوتی ہے سیرت کی کتابوں میں منقول ہے۔ اس واقعہ سے اہل مکہ کے دلوں میں بیت اللہ کی منزلت اور حفظ مرتبت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ طبری نے اس حادثہ کی تائید میں دور اسلام کا یہ ایک فتویٰ پیش فرمایا ہے۔

ایک مسلمان عورت نے نذر مانی کہ اگر میری فلاں مراد پوری ہو جائے تو میں اپنا لخت جگر اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گی! جب اس عورت کی مراد بر آئی تو وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس حاضر ہوئی اور ماجرا عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا ”اس نذر میں کوئی چیز قابل عمل نہیں!“، مگر بی بی اس پر مطمئن نہ ہوئیں اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے استفتاء کیا۔ انہوں نے فرمایا ”جس طرح (جاہلیت میں) عبداللہ بن عبدالمطلب کا فدیہ ایک سو شتر دیا گیا تھا یہی فدیہ تم پر واجب ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں مروان کی حکومت تھی۔ مروان نے یہ فتویٰ سن کر کہا ”جس نذر میں معصیت کا پہلو ہو اس کی تکمیل ناجائز ہے“۔

مکہ معظمہ کی مخصوصیت: ارد گرد کے رئیس اور سردار مکہ معظمہ کی منزلت دیکھ کر تلملا اٹھے۔ ہر ایک کے سر میں ایک ہی سودا تھا کہ مکہ جو اپنے معبد (کعبہ) کی وجہ سے ممتاز ہے ہم بھی اپنے اپنے ملک میں ایسی عبادت گاہ کیوں نہ بنوادیں جو کعبہ سے بڑھ کر خوشنما ہو اور جس کی شان و شوکت کعبہ کے زائرین کو اپنی طرف مائل کر لے۔

شمال (عرب) میں قبیلہ غسان کے امیر نے حیرہ میں اور جنوب (ملک) میں ابرہہ والی یمن نے اپنے اپنے ہاں سربفلک عبادت گاہیں تعمیر کرائیں۔ ابرہہ نے تو اپنے معبد کو اس طرح جواہرات سے مرصع کیا جسے دیکھ کر ماہ و انجم بھی شرم سے منہ چھپالیں! لیکن

کعبہ ابراہیمی کے فدائیوں نے ابرہہ کے بت سیم تن کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ

ہمیں معلوم ہے سب حال ان کے حسن برہم کا
غرور اتنا نہ دکھلائے یہ زلف پر شکن اپنا

ان کے دلوں میں تو

یکے بین و یکے خواہ و یکے جو

کے مطابق صرف کعبہ بسا ہوا تھا۔ کعبہ کے شیدائیوں نے حیرہ اور یمن کے معبدوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی وجدان کے منافی سمجھا۔ اہل عرب کی اس معصیت کوشی میں یمن کے وہ رہنے والے بھی ان کے دوش بدوش تھے جن کے والی نے اپنے ہاں ایسا معبد تیار کیا جس کی ظاہری شوکت کے سامنے کعبہ ابراہیمی کی فطری سادگی کی کوئی بساط نہ تھی۔ ابرہہ نے برسبیل تنزل چاہا کہ مملکت یمن ہی کے باشندے اس معبد کا حج کرتے رہیں لیکن کعبہ کی سمت سے ان کا رخ بھی نہ پھر سکا اور جب حج کا موسم آتا تو یمن کے حمیر اور ان کے دوسرے حاشیہ نشین قبائل کعبہ ابراہیمی کی زیارت و طواف کے شوق میں شدّ رحال کرنا اپنی سعادت سمجھتے۔

ابرہہ کی شوخی: یہ دیکھ کر ابرہہ کے دل پر حسد کے شعلے لپک اٹھے اور اس نے انہیں ٹھنڈا کرنے کے لیے کعبہ کو منہدم کر دینے کے بغیر کوئی مداوا نہ دیکھا۔

کعبہ پر ہاتھیوں کے ساتھ حملہ در ۵۷۰ء: ابرہہ حبشی (والیء یمن) لشکر جرار لے کر مکہ پر چڑھائی کے ارادہ سے نکلا وہ خود ایک کوہ پیکر ہاتھی پر سوار تھا اور اس کا لشکر بھی ہاتھیوں ہی پر سوار، شدہ شدہ یہ خبر بجلی کی طرح تمام عرب میں پھیل گئی۔ قریش نے سنا تو ششدر رہ گئے ''خدا وندا! ایک حبشی نژاد ہماری عبادت گاہ اور خداؤں کو مٹانے کے لیے آرہا ہے!'' کعبہ کی نصرت کے لیے اس کے یمنی معتقدوں میں سے دو شخص اپنے اپنے ساتھ مختصر سے جتھے لے کر نکلے، ایک کا نام ذانفر، اور دوسرے کا نفیل (بن حبیب الخشعمی تھا) نفیل کے ہمراہ اس کے قبیلہ کی دونوں شاخوں شہران وناہس کے نوجوان تھے لیکن ذانفر اور نفیل دونوں راستے ہی میں ابرہہ کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے، اور نفیل نے تو صحرا میں ابرہہ کے لشکر کی اطاعت بھی منظور کرلی!

ابرہہ اپنے لشکر سمیت طائف میں پہنچا۔ یہاں کے باشندوں کو یہ خطرہ پیدا ہوگیا کہ مبادا وہ کعبہ کی بجائے ہمارے معبود ''لات'' ہی کو تہس نہس کر دے۔ اہل طائف کا ایک وفد ابرہہ کے پاس آیا اور اسے کعبہ و طائف کا فرق سمجھا کر مکہ کی راہ بتانے کے لیے ایک رہبر کو اس کے ہمراہ کر دیا۔

ابرہہ کی فوجوں کا وادی مکہ میں پڑاؤ: ابرہہ نے اپنا لشکر وادی مکہ میں ٹھہرا کر سواروں کا ایک دستہ نامزد کیا جو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والوں کے دلوں میں لوٹ مار سے ہراس پیدا کرے۔ وہ دستہ دوسرے لوگوں کے ساتھ عبدالمطلب (بن ہاشم) کے ایک سو اونٹ بھی گھیر کر لے آیا۔ قریش نے یہ حالات دیکھ کر مقابلہ کرنے کے لیے باہم مشورہ کیا لیکن وہ ابرہہ کے لشکر جرار سے مقاتلہ کے لائق نہ تھے۔ انہوں نے مدافعت کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔

ابرہہ کا آخری فرمان: ابرہہ نے اپنے ایک لشکری حتاطہ (حمیری) کو عبدالمطلب کے پاس یہ فرمان دے کر بھیجا کہ ''ہم صرف کعبہ ہی کو پامال کرنے کے لیے آئے ہیں اگر اہل مکہ ہماری راہ میں حائل نہ ہوں تو ہمیں ان کی جان و مال سے کوئی تعرض نہیں

یه سناؤنی سن کر عبدالمطلب اور اهل وطن کے دل بیٹھ گئے وه اپنے صاحبزادوں اور دوسرے چند سرداروں کو لے کر سفیر کے همراه ابرهه کے پاس پهنچے ابرهه نے اس وفد کی بهت تعظیم کی اور عبدالمطلب کے تمام اونٹ واپس کر دئے۔

عبدالمطلب نے ابرهه کے سامنے یه تجویز پیش کی که تمام اهل تهامه کے اموال کا ایک ثلث تاوان میں لے لیجیے اور کعبه سے تعرض نه کیجیے ابرهه نے اس کے ماننے سے انکار کر دیا تو عبدالمطلب اپنے ساتھیوں کے همراه واپس تشریف لے آئے۔ انهوں نے مکه میں پهنچ کر تمام لوگوں کو متنبه کر دیا که وه ارد گرد کی پهاڑیوں میں چلے جائیں تاکه دشمن کا لشکر انهیں نقصان نه پهنچا سکے یه ایک تاریک شب تھی لوگ شهر سے نکلنا شروع هوگئے آخر میں عبدالمطلب اپنے چند ساتھیوں کے همراه کعبه میں حاضر هوئے اور اس کی چوکھٹ کے بازوؤں پر دونوں هاتھ رکھ کر اپنے خداؤں سے دعا کی که ”همیں ابرهه کے دست تظلم سے نجات دلانا تمهارے هی اختیار میں هے“ اس کے بعد یه جتھه بھی شهر سے نکل کر ایک پهاڑی میں چھپ گیا۔

ادھر ابرهه یه چاهتا تھا که جلدی اپنا کام ختم کر کے واپس چلا جائے که اس کے لشکر میں اچانک چیچک پھوٹ پڑی جس میں لشکر کا ایک ایک سپاهی مبتلا هوگیا۔ انهوں نے کبھی یه مرض دیکھا سنا نه تھا۔ یه وبا بحیرهٔ روم سے آنے والی هواؤں کے دوش پر آئی هو! سب کا یهی خیال تھا ابرهه بھی چیچک میں گھر جانے سے ڈر گیا اور کعبه پر حمله کرنے کی بجائے فوجوں کو واپس لوٹنے کا حکم دے دیا۔ فوج کے رهبر پهلے هی بھاگ گئے تھے۔ فوجیں واپس لوٹیں تو بھی سپاهی قدم قدم پر مرتے جاتے۔ باقیوں پر لمحه به لمحه مرض کی گرفت بڑھتی جاتی۔ صنعا پهنچنے سے پهلے ابرهه کی فوج کا کثیر حصه طعمه اجل هوگیا۔ خود اس کا جسم بھی آبلوں سے اس قدر چھلنی هوگیا که ابرهه جلدی اپنی سپاهیوں کے پهلو میں جا سویا۔

اهل مکه تاریخی حیثیت سے اس واقعه کو عام الفیل سے موسوم کرتے هیں۔ اسی واقعه سے مکه کی مستقل اور مسلسل تاریخ کا آغاز هوتا هے۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق مکه معظمه کی حکایت تقدیس پر یه سورهٔ نازل هوئی:

”الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل الم یجعل کید هم فی تذلیل و ارسل علیهم طیراً ابابیل ترمیهم بحجارة من سجیل فجعلهم کعصف ماکول“ ۔(۱۰۵:۱-۵)

اصحاب فیل کا انجام دیکھو تمهارے خدا نے ان کی تدبیریں کس طرح ناکام کر دیں ان پر ابابیل پرندوں سے ایسی کنکریوں کی بوچھاڑ برسوائی جن میں سے ایک ایک کنکری نشان زده تھی جن کی زد سے ان کا لشکر خشک گھاس کی طرح پامال هوگیا۔

مکه کی دینی اهمیت اور باشندوں کی بدمستی دونوں میں اضافه: ”اصحاب الفیل“ کی اس صورت میں ناکامی اور بربادی سے مکه کی دینی عظمت میں اور اضافه هوگیا اور اس کی تجارت کو دن بدن فروغ حاصل هوتا گیا اب مکه والوں کو محض یه فکر تھی که اپنے شهر پر کسی دشمن کی نظر نه پڑنے دیں اور اگر یه موقعه آبھی جائے تو جان و مال نثار کرنے میں دریغ نه کریں مگر اس سے بھی کهیں زیاده انهیں اپنے عیش و ترفه کا سودا تھا جس میں وه بے طرح ڈوبے رهتے ان کے دلوں سے یه خیال مٹ گیا تھا که مکه جیسی

بستی، جسے ہر طرف سے بے آب و گیاہ صحرا گھیرنے ہوئے ہیں اس میں بسنے والوں کی یہ بے راہ روی رنگ لائے بغیر نہ رہے گی۔

اہل مکہ کو اس بادۂ ناب سے رغبت تھی جسے وہ خرمے سے نچوڑتے اور منہ سے لگاتے ہی بدمست ہو جاتے و فور مستی میں کبھی تو کنیزوں کے گلے میں باہیں ڈال دیتے اور گاہے ان امرد غلاموں سے مختلط ہو جاتے جو سینکڑوں کی تعداد میں اموال تجارت کی شکل میں جمع رہتے یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اب وہ صرف اپنے اسی تنعم کے استمرار کے لالچ میں اپنے مرکزی شہر (مکہ) کو دشمنوں سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے

کعبہ کے سامنے بادہ نوشی اور متعہ کی محفلیں: اہل مکہ کے ان مشاغل میں کعبہ ہی کے سامنے ایسی بزم آرائیاں ہوتیں بادۂ ناب کی گردش کے ساتھ باتوں کی ہوائیاں چھوٹتیں کعبہ کا حاشیہ جو تین سو بتوں سے نگار خانہ بنا ہوا تھا ان میں:

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا

ان بتوں کے تصرفات پر جو جس نے صحرا نشینوں، یمن کے رہنے والوں حیرہ کے منذر (قبیلہ) اور شام کے غسانی قبیلوں سے سن رکھا تھا انہی محفلوں میں اس کی حکایت عرب کے معمولات کے مطابق سند سے بیان کی جانی ضروری نہیں کہ مخاطبین میں سے کوئی سن بھی رہا ہے بلکہ ایک لاسلکی (آلہ خبر رسانی) ہے جو اپنی طرف سے خبروں کو فضا میں دھکیل رہی ہے!

ان واقعات کے ساتھ ہمسایوں کے حالات، اور بادیہ نشینی کے حادثے بھی بیان کیے جاتے محفلیں بدمستی کے عالم میں اور بھی شباب پر آجاتیں، اور عقل و خرد کی گم گشتگی کی آخری حالت میں اپنی کسی کنیز یا امرد کے ساتھ ایک دوسرے جوڑے کے سامنے ہی، جو وہاں پہلے سے موجود رہتے جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے یہ تماشے ان کے معبود اپنی پتھر کی بنی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے جس سے یہ لوگ سمجھتے کہ ہمارے خدا نہ صرف ہماری تفریحات کو استحسان کی نظر سے دیکھتے ہیں بلکہ وہ ان مشاغل میں ہمارے حامی و ناصر بھی ہیں کیونکہ خانہ کعبہ محترم اور شہر مکہ ماوائے امن ہے اس لیے یہاں جو بھی کیجیے مواخذہ اور پشیمانی کا خطرہ نہیں!

فتویٰ دیا ہے ساقی ابر بہار نے
توبہ کا خون بادہ کشوں پر حلال ہے

اصنام کعبہ کے بالمواجہہ تفریحات پر بتوں کے لئے معاوضہ: اہل مکہ نے خود یہ سمجھ رکھا تھا کہ نہ تو اہل کتاب میں سے کوئی شخص مکہ میں اقامت گزیں ہونے پائے نہ یہاں آکر وہ اپنے دین اور کتاب کی حکایت بیان کر سکے وہ یہاں صرف مزدوری کرنے کے لئے (عارضی طور پر) قیام کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مکہ نہ تو نجران کی طرح نصاریٰ کا وطن مالوف بننے پایا نہ یثرب کی مانند اس کے ارض یہود بننے کی نوبت آئی بلکہ وہ (کعبہ) ان بتوں کی برکت سے حریم قدس بن گیا جو دوسروں کی یلغار سے مکہ کی حفاظت کرتے جس طرح عرب کے بادیہ نشین ایک دوسرے کے تغلب سے خود اپنے محافظ تھے جن کی سب سے بڑی سلطنت اپنا استقلال تھا انہیں نہ تو دو قبائل کا باہم تصادم گوارا تھا نہ ان کے رسوم میں یہ دخل دیتے نہ قبائل میں گٹھ جوڑ کرکے اپنے ہمسایہ ملک روم یا فارس کی طرح دوسری قوموں اور ملکوں کو اپنے زیر نگیں کرنے کی مہمیں جاری رکھیں یہی وجوہ ہیں کہ ان سب کی ذہنیت یکساں اور سب کا دستور

صحرا نشینی کی وہ زندگی تھی جس کے مطابق وہ ایک نخلستان سے اپنے ناقہ کی مہار موڑ کر دوسرے نخلستان میں پڑاؤ ڈال لیتے ان کی زندگی کا جہاز صحراؤں میں قدم قدم پر صعوبت کے تھپیڑوں سے ٹکراتا رھتا لیکن وہ اپنی آزادی قائم رکھنے کے لئے ان مصیبتوں کا استقبال خندہ پیشانی سے کرتے۔

شہر مکہ کی تقسیم آبادی کے تین درجات: ان کے سکونتی مکانات کعبہ سے قرب اور بعد کی صورت میں ان کے مناصب کی ترتیب پر تین نقطوں میں واقع تھے۔

پہلا نقطہ: قریش کے مناصب سقایت ورفادت اور کعبہ سے متعلقہ جملہ اختصاصات کی بنا پر ان کی حویلیاں کعبہ کی دیواروں سے ملی ہوئی تھیں اور معلوم ھے کہ بعض اوقات ان مناصب کے لیے باھم جنگوں کا خطرہ بھی بڑھ جاتا جیسا کہ کعبہ کے تذکرہ میں (قبل ازین) گذر چکا ھے حتیٰ کہ بتان کعبہ کے بالمواجہہ بیٹھ کر اھل مناصب کی تقرری پر ایک دستاویز لکھ کر کعبہ میں محفوظ کر دی گئی تاکہ خلاف ورزی کرنے والے انھی خداؤں کے قہر و غضب سے دوچار ہوں۔

دوسرا نقطہ: قریش کی حویلیوں کے بعد ان لوگوں کے مکانات تھے جو وجاھت میں ان (قریش) سے دوسرے درجے پر تھے مگر اپنے سوا اوروں سے افضل!

تیسرا نقطہ: یہودی اور نصرانی مزدوروں اور غلاموں کی جھونپڑیاں تھیں جن کا دوسرا رخ صحرا کا دامن تھا! انھیں شہر کے بیرونی رخ پر اس لیے آباد کیا گیا کہ ان کی مذھبی بات چیت کی آواز قریش اور اھل بستی کے کانوں تک نہ پہنچے تاکہ اھل کتاب میں سے کسی کے دین کی طرف ان کا میلان نہ ھونے پائے باوجودیکہ اھل مکہ اپنی سیروسیاحت اور تجارتی سفروں میں ان کے کلیساؤں اور کنیساؤں کے پاس سے گذرتے ھوئے یہ باتیں سنتے چلے آئے تھے۔

ابوسفیان کی آنے والے نبی کے تصور سے برھمی: لیکن قریش کا اھل کتاب کو شہر سے باھر ایک کنارے پر آباد کرنے کا یہ منشا نہ تھا کہ وہ ان کی باھمی گفتگو سے اپنے یہودی یا نصرانی ھو جانے سے ڈرتے، بلکہ یہ دونوں (یہودو نصاریٰ) آنے والے پیغمبر کی تشریف آوری کے منتظر تھے جس کا ظہور سر زمین عرب میں ھونے کو تھا جس کے تذکرے ان کی زبانوں پر اکثر و بیشتر آتے یہ بات قریش کے کانوں میں بھی پڑ چکی تھی ایک روز امیہ بن ابی الصلت یہی تذکرہ کسی رھبان کی حکایت میں کر رھے تھے کہ ابوسفیان نے سن لیا اور ان سے خفا ھوکر کہا:

آپ کو تو معلوم نہیں کہ مسیحی رھبان یہ تذکرہ اپنے دین سے ناواقف رہ جانے کی وجہ سے کرتے ھیں تاکہ ایک اور نبی آئے، اور پھر انھیں ان کا دین سمجھائے

لیکن ھمیں نبی کی کیا ضرورت ھے ھم اپنے بتوں کے حضور سر نگوں ھیں
''لیقربونا الی اللہ زلفی'' (۳۴ : ۴) (تاکہ ھمارے یہ معبود ھمیں خدا سے قریب کر دیں)

اس لیے ھمیں ایسی بات کی مخالفت کرنا چاھیے جس میں کسی نبی کے آنے کی حکایت ھو ابوسفیان جو اپنے زاد بوم (مکہ) اور معبود بتوں کی محبت میں سرشار تھے انھیں یہی کہنا چاھیے تھا، کاش! انھیں علم ھوتا کہ ھدایت کا زمانہ کس قدر قریب اور ظہور اکبر کا وقت آھی پہنچا ھے جس نور کے سامنے بتوں کی تاریکی اپنا منہ چھپائے گی نہ صرف مکہ اور عرب بلکہ تمام عالم اس نور ھدایت سے فیض یاب ھوگا! دنیا میں توحید کی ضیا

پھیلے گی کلمہ" الحق سے لوگوں کو قوت ایمان نصیب ہو گی۔

ادھر قریش کے نونہال عبداللہ بن عبدالمطلب نے شباب کی منزل میں قدم رکھا شہر کی عورتوں میں ان کے حسن و جمال کے چرچے شروع ہوگئے خصوصاً جب وہ (مکہ کی عورتیں) یہ تصور کرتیں کہ ہمارے بڑے معبود ''ہبل،، کے حضور عبداللہ کی جان کس قدر محبوب تھی کہ انھوں نے اس کے فدیہ میں ایک سو شتر سے کم پر سودا نہیں کیا تو ان کے دل میں عبداللہ کی عظمت اور بھی سوا ہو جاتی بایں ہمہ عبداللہ کے اوصاف میں ایسے فرزند کے باپ ہونے کا اضافہ بھی مقدر تھا جن کا نام تاریخ نے ہمیشہ فخر کے ساتھ دوہرایا اور قریش کے اس نونہال کی ماں ہونے کا امتیاز آمنہ (بنت وہب) کی تقدیر میں لکھا تھا (ان) دونوں کا عقد ہوگیا لیکن عبداللہ بن مطلب تزویج سے چند ماہ بعد ایسے بیمار ہوئے کہ اب آکر انھیں موت کے منہ سے بچانے کے لیے فدیہ کی کوئی نوعیت بھی کارگر نہ ہو سکی آہ! عبداللہ آسودہ ہوگئے جناب آمنہ اپنے نور نظر (جناب) محمد (فداہ ابی و امی) کے ظہور تک زندگی کے گہوارہ میں جھولتی رہیں مگر اجل کا فرشتہ ان کی تاک میں بھی لگا ہوا تھا اور وہ بھی اپنے فرزند کے عہد طفولیت میں قبر میں جا سوئیں!

شجرۂ مبارک!

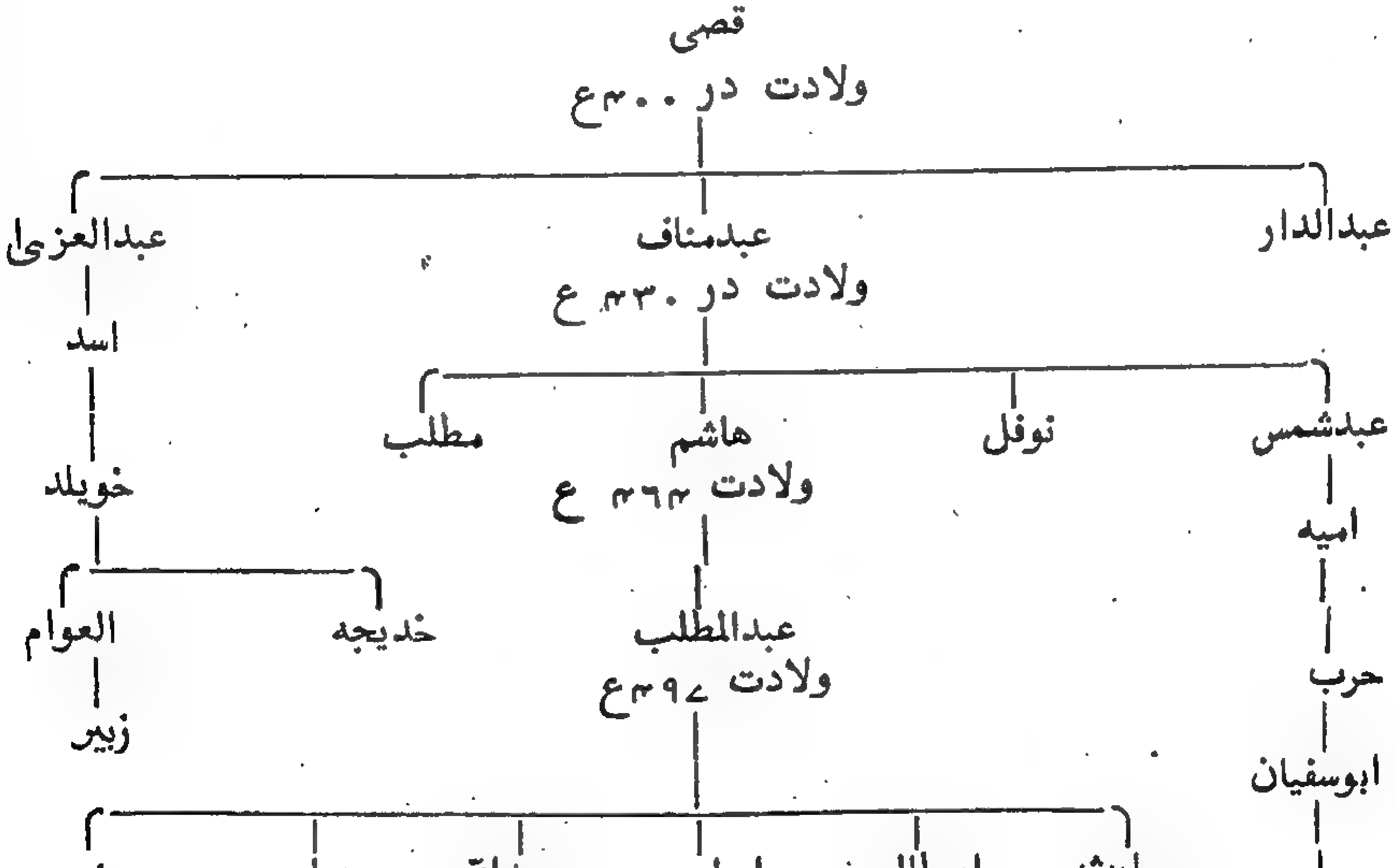
قصی
ولادت در ۴۰۰ع
عبدالدار
عبدمناف
ولادت در ۴۳۰ ع
عبدالعزیٰ
اسد
خویلد
خدیجہ
العوام
زبیر
عبدشمس
نوفل
ہاشم
ولادت ۴۶۴ ع
مطلب
امیہ
حرب
ابوسفیان
معاویہ
عبدالمطلب
ولادت ۴۹۷ع
حارث
ابوطالب
ابولہب
عبداللہ
ولادت ۵۴۵ع
عباس
حمزہ
جعفر
علی
عقیل
حسن
حسین
مسلم
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ولادت ۵۷۰ع

۳

عہدِ ولادت اور طفولیت

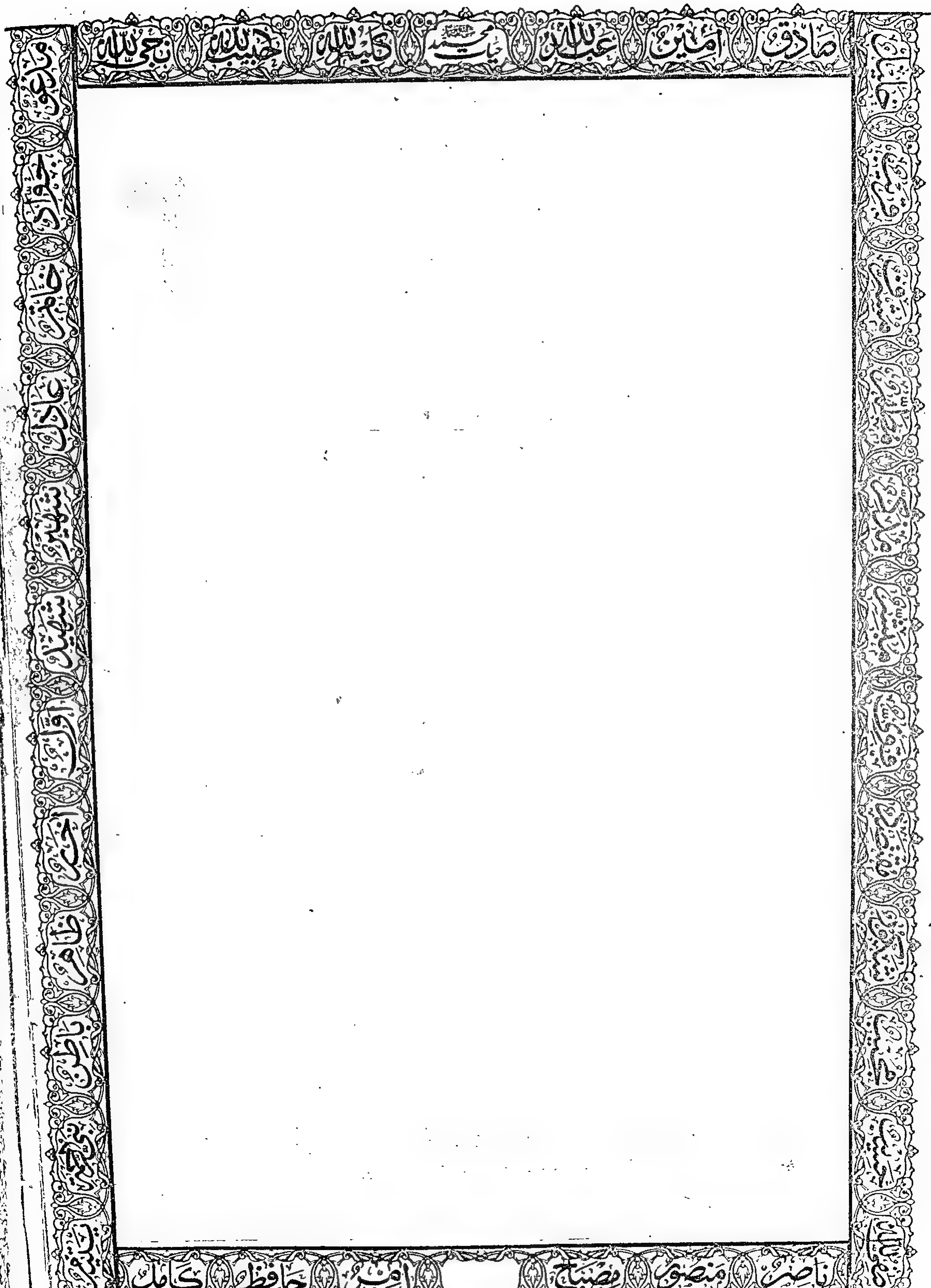
صادق
امین
عبد اللہ
محمد
خلیل اللہ
حبیب اللہ
نجی اللہ
ناصر
منصور
مصباح
امر
حافظ
کامل
جواد
خاتم
عادل
شهید
اول
آخر
ظاهر
باطن

۳

عہدِ ولادت اور طفولیّت

عبدالله بن عبدالمطلب کی تزویج: مکه پر ابرهه حبشی (والیء یمن) کی چڑھائی کے زمانه یں عبدالمطلب کا سن مبارک ستر سال کے قریب تھا اور ان کے نونهال (سیدنا عبدالله) گلستان زندگی کی چوبیسویں بہار دیکھ رہے تھے۔ باپ نے ان کی شادی کا اراده کیا جو سیده منه بنت وهب سے قرار پائی ۔ سیده آمنه بھی قبیله قریش هی سے هیں شجره مبارک یه هے۔

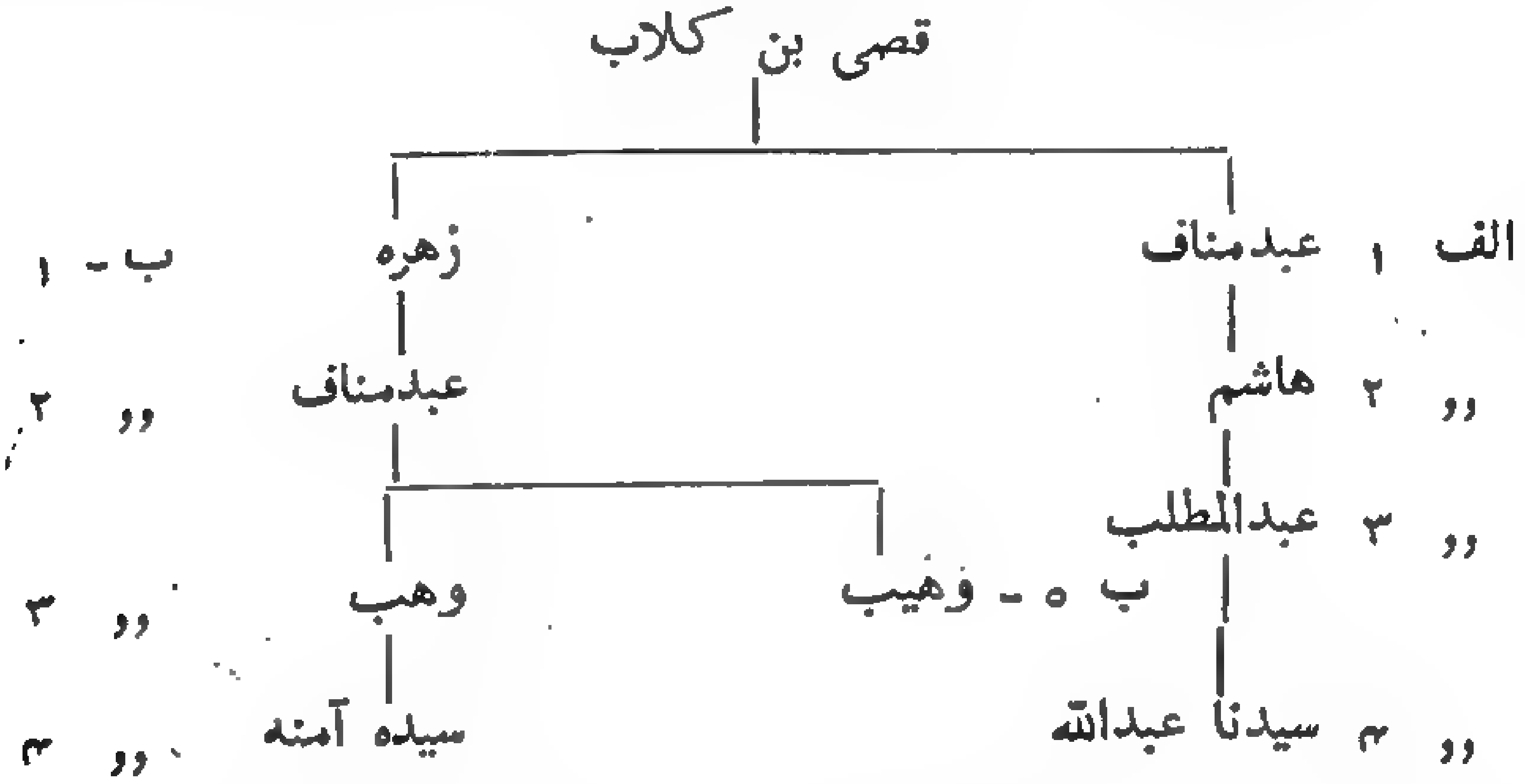

هوا یه که ایک روز جناب عبدالمطلب اپنے نور نظر عبدالله کو اپنے ساتھ لے کر بنو زهره (ب ۱) کے هاں تشریف لے گئے اور وهب سے ان کی صاحبزادی آمنه کا عبدالله سے خطبه فرمایا (بعض مورخین کے نزدیک اس وقت وهب کا انتقال هو چکا تھا ۔ عبدالمطلب نے یه درخواست ان کے بھائی وهیب (ب ۵) سے کی تھی جو سیده آمنه کے عم بزرگوار اور سرپرست بھی تھے) ۔ تکمیل مناکحت کے بعد سیدنا عبدالله مسلسل تین روز تک بی بی آمنه کے دولت خانه پر فروکش رهے۔ عرب میں رسم تھی که تزویج کے بعد دولھا یه دن سسرال میں گذارے چوتھے روز دونوں (دولھا اور عروس) عبدالمطلب کے دولت خانه میں تشریف لے آئے۔

جس روز عبدالله کی رسم تزویج مکمل هوئی اسی روز عبدالمطلب نے جناب آمنه کی پھوپھی اهاله (همشیرۂ وهب و وهیب) سے عقد کیا ۔ اور جس سن میں حضرت محمد صلی الله علیه وسلم کی ولادت هوئی، اسی سال میں بی بی اهاله کے بطن سے بھی فرزند پیدا هوئے۔ ان کا نام حمزه هے (سیدالشهداء)، رسول الله کے عم بزرگوار اور برادر رضاعی بھی هیں۔

اس کے کچھ عرصه بعد جناب عبدالله تجارت کے لیے شام کی طرف تشریف لے گئے ۔ اس وقت تک سیده (آمنه) کا نخل امید بار آور هو چکا تھا ۔ جناب عبدالله بھی اس سفر میں یه بشارت اپنے همراه لے گئے ۔ سیدنا عبدالله کا دوسری بیوی سے (آمنه کے سوا) تزویج یا کسی عورت کا از خود اپنا نفس ان کے لیے هبه کرنے کی روایات میں اختلاف هے۔

جناب عبدالله خوش جمال نوجوان تھے عورتوں کا ان کی طرف رجوع طبعاً ممکن هے لیکن

تاریخ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ سیدہ آمنہ کے ساتھ عقد کے موقعہ پر عبداللہ کے گھر میں کوئی اور بیوی بھی تھیں، اگرچہ یہ دوئی کم از کم مدت ھی کے لیے کیوں نہ رہی ہو! یہ بھی متوقع ہے کہ عبداللہ کے حسن و جمال کی مشتاق عورتیں ان کی زوجیت سے مشرف ہونے کے لیے ان کے سفر شام سے واپسی کی راہ تک رہی ہوں!

جناب عبداللہ کا شام سے واپسی پر مدینہ میں قیام اور وفات: سیدنا عبداللہ نے کچھ عرصہ غزہ (فلسطین) میں رہنے کے بعد واپس لوٹتے ہوئے مدینہ میں ایک منزل کرنا چاہی۔ یہاں ان کی ننھال تھی اور سفر کی کلفت بھی دور کرنا مقصود تھا۔ وہ یہاں بیمار پڑگئے اور ان کے ساتھی چند روز تک ان کی صحت کا انتظار کر کے مکہ روانہ ہوگئے۔ عبدالمطلب نے اپنے فرزند کی علالت کا ماجرا سن کر فوراً اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا۔ مگر عبداللہ اپنے ساتھیوں کے مدینہ سے جانے کے ایک ماہ بعد آسودہ لحد ہو چکے تھے۔ حارث یہ سناؤنی لے کر مکہ واپس پہنچے تو بی بی آمنہ جو اپنے شوہر کے انتظار میں گھڑیاں گن رہی تھیں دم بخود ہوکر رہ گئیں۔

عبدالمطلب بھی اس خبر سے دل پکڑ کر بیٹھ گئے۔ عبداللہ انہیں کس قدر محبوب تھے! یہ پہلی مثال ہے کہ عرب میں اس وقت تک ان کے سوا کسی کے فدیہ میں ایک سو اونٹ کی قربانی نہ کی گئی تھی۔

عبداللہ کے بعد ان کا اثاث البیت: انہوں نے اپنے بعد (پانچ) اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ اور ام ایمن کو بطور کنیز کے چھوڑا۔ جناب آمنہ کی وفات کے بعد اسی بی‌بی کو آں حضرت کی کھلائی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ عبداللہ بن عبدالمطلب کا اتنا اثاثہ ان کی تونگری پر دلالت نہیں کر سکتا۔ لیکن ان کے فقر و فاقہ میں گھرے رہنے کی نفی کے لیے تو کافی ہے۔ پھر ابھی ابھی جناب عبداللہ نے زندگی کے اس دور میں قدم رکھا تھا جس میں ایک نوجوان معیشت کے لیے اپنی سعی کا دامن وسیع کر سکتا ہے۔

ولادت مبارک (در سن ۵۷۰ع): سیدہ آمنہ کے بطن سے ولادت مبارک ہوئی۔ یہ خبر فوراً جناب عبدالمطلب کو پہنچائی گئی۔ انہیں اپنے مرحوم فرزند عبداللہ کی نسل جاری ہونے سے بے حد مسرت ہوئی۔ وہ جلدی محل سرائے میں تشریف لائے، مولود کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر کعبہ میں لے گئے (جہاں) ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا۔ اس نام میں ندرت یہ تھی کہ اہل عرب اس لفظ سے آشنا تو ضرور تھے مگر آج سے پہلے کسی نے یہ نام نہ رکھا تھا۔

سن، ماہ، یوم اور وقت تولد میں اختلاف:

	دوسرا گروہ	تیسرا گروہ	چوتھا گروہ	پانچواں گروہ	چھٹا گروہ
سال ولادت لبن عباس ابرھہ کے مکہ پر حملہ کا دن	ابرھہ کے حملہ کا سال (۵۷۰ع) میں	اس (سال) سے (۱۵) روز بعد	اس سال میں چند یوم سے لیکر ۲ سال بعد تک!	اس سال کے تین ماہ بعد!	اس سے (۷۰) ماہ بعد!
ماہ ولادت اکثر مورخین ربیع الاول	ماہ محرم	ماہ صفر	ماہ رجب	ماہ رمضان	

ماہ ربیع الاول میں ولادت مبارک کے مویدین اس ماہ کی تاریخ میں ۳، ۹، ۱۰، ۱، اور ابن

اسحاق مولف سیرہ کی روایت میں ۱۲ ہے۔

اسی طرح وقت تولد میں (دن تھا یا شب) بھی دو مختلف آراء ہیں کوسان برسقال "تاریخ عرب" میں ۲۰ اگست ۵۷۰ (عام الفیل) اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے دولت خانہ میں تقریب ولادت باسعادت کا تذکرہ کرتے ہیں۔[1]

رسم عقیقہ اور اسم گرامی کی مناسبت: عبدالمطلب نے آپ کی ولادت سے ساتویں روز اونٹ ذبح کر کے قریش کو دعوت پر بلایا، مدعوین نے مولود کا نام (نامی) سن کر عبدالمطلب سے پوچھا۔ "آپ نے محمد نام میں کیا خوبی دیکھی جو اپنے تمام بزرگوں کے نام نظر انداز کر دیے؟"، فرمایا۔ "اس توقع پر کہ ارض و سما دونوں جگہوں میں میرے فرزند کی تعریف ہو!"

دایہ: اشراف عرب میں شیرخوار بچوں کے دایہ کی سپردگی میں دینے کا رواج شدت سے تھا۔ ولادت کے سات روز بعد بچہ دایہ کے حوالے کر دیا جاتا اور آٹھ سے لے کر دس سال کے سن سے قبل والدین کے پاس نہ لوٹتا۔ دودھ پلانے والی بی بیاں بادیہ نشین قبائل سے تھیں جو ہر سال مکہ معظمہ میں اسی غرض سے آتیں۔

سیدہ آمنہ قبیلہ بنی سعد کی (کسی) دائی کی راہ تک رہی تھیں، جن کی بی بیوں کو بچوں کے رکھ رکھاؤ میں خاص ملکہ تھا اس وقفہ میں سیدہ آمنہ نے صاحبزادہ کو بی بی ثوبیبہ کی رضاعت میں دے دیا یہ ثوبیبہ ابولہب کی کنیز تھیں۔ انھوں نے جناب حمزہ کو بھی دودھ پلایا ہے جو آں حضرت کے عم (بزرگوار) تھے اور آج سے دودھ میں شرکت کی وجہ سے برادر رضاعی بھی ہوگئے۔

ثوبیبہ نے آپ کو چند ہی روز دودھ پلایا تھا مگر مولود مسعود کی محبت ان کے دل میں راسخ ہوگئی۔ وہ جب تک زندہ رہیں آپ کے دیکھنے کے لئے تشریف لاتی رہیں' آں حضرت ان کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے۔ ثوبیبہ کا انتقال ہجرت کے ساتویں سال میں ہوا۔ ان کے بطن سے ان کے ایک فرزند (مسروح: م:) تھے جنھوں نے آپ کے ساتھ دودھ پیا تھا۔ رسول اللہ نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد مسروح کی مالی امداد کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہوچکا ہے۔

حلیمہ سعدیہ: بنو سعد کی دایہ عورتیں اس سال شہر (مکہ) میں پہنچ گئیں۔ مگر وہ یتیم بچوں کے لینے کی روادار نہ تھیں کہ ان کی بیوہ مائیں ان کا معاوضہ کہاں سے پورا کریں گی۔ جن بچوں کے باپ ان کے سر پر موجود تھے ان میں سے ایک ایک بچہ انھوں نے لے لیا۔ بی بی آمنہ کے جائے کی طرف ان کے یتیم ہونے کی وجہ سے کسی دایہ نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا ان میں حلیمہ سعدیہ (بنت ابوذویب) بھی تھیں جو پہلی مرتبہ آپ کو یتیم جان کر چھوڑ گئیں۔

لیکن جب حلیمہ کو یہ حادثہ پیش آیا کہ انھیں کوئی دوسرا شیرخوار بچہ بھی نہ مل سکا اور اہل قافلہ نے صحرا کی طرف لوٹنے کے لئے سامان باندھ لیا تب انھوں نے اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ (جو اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے) سے کہا۔ "مکہ سے خالی ہاتھ

---

[1] حتیٰ کہ ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰؑ کے عہد تزویج میں بھی "وکانت خدیجۃ تکرمہ" (اصابہ ابن حجر فی ترجمۃ ثویبہ) م

جانا بے حد ندامت کا باعث ہے۔ اگر آپ مشورہ دیں تو میں بنوهاشم کے یتیم ہی کو لے لوں؟،، حارث نے جواب دیا۔ ’’لاعلیك ان لا تفصلی! عسی اللہ ان یجعل لنا فیہ برکہ،، (اس بچے کو ضرور لے لو! امید ہے کہ اس میں خدا ہمارے لئے برکت کرے گا) حلیمہ آئیں اور بی بی آمنہ کے یتیم فرزند کو لے کر اپنے قافلے کے ہمراہ صحرا کی طرف روانہ ہوگئیں۔

ابتدائے برکات: حلیمہ فرماتیں جونہی میں نے انہیں گود میں لیا برکات کا نزول شروع ہوگیا۔ گھر پہنچی تو میری بکریاں پہلی غذا ہی سے فربہ ہوتی گئیں اور ان کے تھنوں میں دودھ نے ٹھاٹھیں مارنا شروع کر دیا۔

آپ نے زمانہ شیرخوارگی کے ابتدائی دو سال صحرا کے گہوارہ میں بسر کئے۔ بی بی حلیمہ انہیں اپنا دودھ پلاتیں۔ ان کی صاحبزادی شیما انہیں اپنی گود میں کھلاتی رہیں۔ بیابان کی کھلی فضا اورگرم ہوائیں ان کے جسم کی نشوونما میں معاون رہیں۔ صحرا کی زندگی بسر کرنے سے ان کی زیبائی اور اعضا مین تنا سب پوری طرح ابھر آئے، رضاعت کے دو برس پورے ہو جانے کے بعد حلیمہ آپ کو ان کی والدہ کے پاس لے آئیں۔ مگر سیدہ آمنہ کے الحاح پر حلیمہ انہیں پھر اپنے ہمراہ واپس لے گئیں۔ اس میں دوسری روایت کے مطابق جناب آمنہ کی بجائے سیدہ حلیمہ ہی نے یہ اصرار کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ذرا اور بڑے ہو جائیں اور شہر (مکہ) کی وبا سے بھی محفوظ رہیں جو اس وقت مکہ میں انسانی جانوں کو تلف کر رہی تھی! اسی طرح دوسرے دو سال بھی آپ نے صحرا ہی کے وسیع دامن میں گزارے جس سے آپ کی توانائی اور بھی سوا ہوگئی کیونکہ کھلی فضا کی زندگی بسر کرنے سے ہر قسم کے مادی و معنوی قیود سے رستگاری حاصل تھی۔

شق صدر اور اختلاف روایات: ۱۔ ایک روز آپ صحرا ہی میں عقب خیمہ اپنے برادر رضاعی کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ کے اندر کھیل رہے تھے۔ آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا خیمہ میں آیا اور اپنے والدین سے عرض کیا ’’آئیے میرے قرشی بھائی کو دیکھئے، دو شخص سفید پوشاک پہنے ہوئے آئے ہیں جنھوں نے انہیں زمیں پر لٹاکر ان کا سینہ چیر دیا ہے اور انہیں ادھر ادھر لوٹا رہے ہیں!،،

۲۔ حلیمہ اپنا اور اپنے شوہر دونوں کا چشم دید واقعہ ان لفظوں میں روایت فرماتی ہیں۔ ’’جس وقت ہم وہاں پہنچے تو آپ کھڑے تھے اور چہرے پر ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔ پہلے میں نے اور پھر ان کے باپ نے انہیں چھاتی سے چمٹایا اور دونوں نے بیک زبان دریافت کیا۔ ’’اے ہمارے فرزند! کیا معاملہ ہے؟،، جواب دیا۔ ’’سفید براق پوشاک پہنے ہوئے دو اجنبی شخص آئے اور مجھے زمین پر لٹاکر میرا سینہ چیر دیا۔ وہ میرے سینے کی خلا میں کچھ تلاش کر رہے تھے مگر مجھے یہ علم نہیں کہ کون سی شے تلاش کر رہے تھے۔ اس کے بعد حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں اپنے خیمے میں لوٹ آئے۔ شوہر نے خوف زدہ حالت میں کہا، ’’مبادا ہمارے بچے کو آسیب ہو!،، اور وہ آپ کو سیدہ آمنہ کے پاس (مکہ) میں لے آئے۔ یہ روایت ابن اسحاق نے بیان کی ہے مگر وہ خود اس کی تحلیل میں فرماتے ہیں کہ ’’آپ کا مکہ معظمہ میں لے جانا تو ثابت ہے لیکن شق صدر کی وجہ سے نہیں بلکہ حلیمہ نے جناب آمنہ سے عرض کیا اے بی بی! اب ہمارے لئے صاحبزادہ کو اپنے پاس رکھنے میں بڑی دشواری ہوگئی ہے اس روز حبشہ کے نصاریٰ کا ایک قافلہ ہمارے خیموں کے قریب سے گذرا تو صاحبزادہ کو دیکھ کر سب نے اپنے اپنے اونٹوں کی مہاریں کھینچ لیں، صاحبزادہ کی طرف نہایت غور سے دیکھنے کے بعد کئی سوال مجھ سے بھی کیے۔

آخر میں مجھ سے کہا ہمیں اس بچے کو اپنے ملک میں لے جانے کی اجازت دیجئے اس بچے کی ذات کے ساتھ ایک عظیم‌الشان ظہور وابستہ ہے جسے ہم (اهل کتاب) سمجھتے ہیں !"

اسی طرح طبری نے شق صدر کا واقعہ بیان کرنے کے باوجود اس میں شک پیدا کر دیا ہے کہ وہ (طبری) ایک موقعہ پر تو اسی کم سنی میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور دوسری مرتبہ یہی واقعہ آپ کے (۴۰) سال کے سن میں بعثت سے ذرا قبل!

(بقول مصنف) مستشرقین اور مسلمان دونوں کا شق صدر سے انکار! : لیکن شق صدر کی روایت پر نہ تو (م: رسول اللہ کی رسالت کے بڑے مصدق!) (مسیحی) مستشرقین مطمئن ہیں، اور نہ کچھ مسلمان ہی اسے تسلیم کرتے ہیں! اسی طرح ان دو سفید براق پوشاک والے فرشتوں کی روایت پر بھی ہمارے مستشرقین کا اعتماد ہے نہ بعض مسلمانوں کا اس پر ایمان، کیونکہ یہ دونوں طبقے اس روایت کو سنداً ضعیف سمجھتے ہیں۔

ارباب سیرت کہتے ہیں کہ واقعہ شق صدر آپ کی صغر سنی میں اس وقت پیش آیا جب سن مبارک دو سال سے کچھ ہی متجاوز ہوا تھا۔

مگر دوسری روایتوں میں آپ کا بنی سعد میں (۵) سال تک رہنا بیان کیا گیا ہے۔ پس اگر شق صدر پہلے دو سال میں رونما ہوا تو بی بی حلیمہ کا آپ کو فوراً مکہ لے جانا! (ان) دونوں روایتوں میں تناقض پایا جاتا ہے اس بنا پر بعض اہل قلم کہتے ہیں جناب حلیمہ کا آپ کے تیسری مرتبہ مکہ لانے پر بھی سیدہ آمنہ نے پھر آپ کو واپس لوٹا دیا۔

مگر سرولیم میور دو سفید پوش مردوں کا قصہ بیان کرنے سے پہلو تہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

شاید یہ کسی ایسے عصبی مرض کا اچانک حملہ ہو جس کا اثر آپ کے مضبوط بدن پر تو نہ ہو سکا مگر اس واقعہ سے گھبرا کر حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں صاحبزادے کو آمنہ کے پاس لے گئے کہ آپ انہیں واپس ہی لے لیجئے!

شق صدر میں ایک اور وجہ انکار: اہل علم کا ایک (اور) گروہ کہتا ہے کہ جب اللہ نے آپ کو رسالت ہی کے لئے خلق فرمایا تھا تو شق صدر کی کیا ضرورت باقی رہ گئی؟

درمنگھم لکھتے ہیں واقعہ شق صدر اس آیت کی بنا پر وضع کر لیا گیا۔

الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك (۹۴: ۱-۳)	کیا ہم نے تمہارا سینہ فراخ نہیں کر دیا اور وہ بھاری وزن نہیں ہٹا دیا جس نے تمہاری کمر جھکا رکھی تھی۔

مسلّم ہے کہ آپ روحانی کمالات کا حیرت انگیز نمونہ تھے البتہ شق صدر سے آپ کے قلب کی پاکیزگی مطلوب ہو سکتی ہے تاکہ تمام دوسرے کاموں سے اپنا دامن بچا کر صرف رسالت کے مقدس فریضہ کی تبلیغ میں مصروف ہو جائیں۔

مستشرقین اہل تحقیق اور مسلمان ارباب علم (دونوں) شق صدر کے اس لئے بھی خلاف ہیں کہ آپ کی پوری زندگی جن مصائب و حوادث کی آماج گاہ بنی رہی ان کی برداشت سے آپ کے انسان کامل ہونے کا اندازہ آسانی سے ہو سکتا ہے کہ جن کی وجہ سے آپ رسالت کی قابلیت اور تکمیل کے لئے دوسرے انبیا (کرام) کی طرح کسی معجزہ کے دست نگر نہ تھے۔ ان (حضرات) کے پاس عرب وعجم ہر جگہ کے مسلمان مورخوں کی یہ سند بھی موجود ہے کہ "سیرة نبی (صلعم) میں جو بات خلاف عقل ہو اسے تسلیم نہ کیجئے"، کیونکہ آپ کی ذات کے ساتھ جن خوارق کا تعلق پیدا کیا گیا ہے نہ تو ان کی روایت میں تمام راوی متفق

هیں اور نه وه ان معجزات کو "خلق،، میں اصول قرآنی : ولن تجد لسنت الله تبدیلا (۳۳ : ٦۲) هی کے مطابق پاتے هیں۔ اور قرآن تو مشرکین کی اسی وجه سے مذمت کرتا هے که یه سوجھ بوجھ سے کام نهیں لیتے۔

افلم یسیروا فی الارض فتکون لهم قلوب یعقلون بها او اذان یسمعون بها فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (۲۲ : ۴۶)

منکرین توحید زمین پر تو چلتے پھرتے هی هیں ان کے پهلو میں دل بھی موجود هیں مگر وه عقل سے کام نهیں لیتے ان کے کان بھی هیں مگر وه آوازۂ حق سنتے هی نهیں، بات یه هے که ظاهری آنکھیں تو خطا نهیں کرتیں ان کے دل هی اندھے هوگئے هیں۔

منشائے خداوندی (اس آیت کے مطابق) یه هے که لوگ فهم و ادراک سے کام لینے میں کیوں پهلو تہی کرتے هیں!

صحرائی بودوباش میں جسم کی توانائی: آپ نے (قبیله) بنی سعد میں زندگی کے ابتدائی (۵) سال جو بسر کئے تو اس سے صحرا کی کھلی اور پاکیزه فضا نے آپ کے بدن میں استقلال کی بنا مستحکم تر کر دی، بنی سعد کی زبان عرب کے فصیح لوگوں کی بولی تھی جس میں آپ کو پورا ملکه هوگیا جیسا که ایک مرتبه اپنے صحابه سے فرمایا،

انا اعربکم انا قرشی واسترضعت فی بنی سعد بن بکر

میں عرب هونے کی حیثیت سے تم سب سے کامل تر هوں مجھے اپنے قرشی هونے پر بجا طور پر فخر هے اور اس پر بھی نازاں هوں که میری رضاعت بنی سعد میں هوئی

صحرا کی ابتدائی زندگی کے پنج ساله قیام نے آپ پر کیا اثر کیا حلیمه اور انکا پورا خاندان آپکی محبت و تکریم کا ماویٰ بنے رهے۔ ایک مرتبه مکه اور اس کے نواح میں قحط نمودار هوا جناب حلیمه آپ کے هاں تشریف لائیں اس وقت سیده خدیجه کے ساتھ مناکحت هو چکی تھی۔ آپ نے اپنی بیوی کے مال میں سے ایک اونٹ (جس پر پانی کے بھرے هوئے مشکیزے چھلک رهے تھے)، چالیس بکریوں کا ریوڑ اپنی رضاعی والده کو تحفتہً پیش کئے۔ جناب حلیمه جب بھی تشریف لاتیں ان کی نشست کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے۔ حلیمه کی صاحبزادی شیما (قبیله) هوازن کے اسیروں میں گرفتار هوگئیں (جن کا معامله طائف کے حصار میں پیش هوا) آں حضرت نے شیما کو ان کی درخواست پر عزت و اکرام کے ساتھ رها کردیا (زمانه رضاعت میں شیما آپ کو کھلاتی تھیں)۔

اکمال رضاعت کے بعد: بنی سعد میں پانچ سال بسر کرنے کے بعد حلیمه آپ کو سیده آمنه کے حواله کرنے کے لئے مکه کی طرف روانه هوئیں تو راسته میں ایک مقام پر آکر آپ گم هوگئے۔ حلیمه چاروں طرف دوڑی دوڑی پھریں جب کهیں سراغ نه ملا تو مکه آکر عبدالمطلب کو اطلاع دی۔ انهوں نے کئی اشخاص بھجوا دیئے اور ورقه بن نوفل آپ کو تلاش کرکے عبدالمطلب کے پاس لے آئے۔

عبدالمطلب کی توجه: عبدالمطلب نے اپنے پوتے کی تربیت اپنے هی ذمے رکھی اور اس میں کوئی کمی نه آنے دی وه قریش کے سردار اور مکه کے فرماں روا تھے۔ کعبه کے سامنے قریش کے لئے جو فرش بچھائے جاتے وسط میں عبدالمطلب اور حاشیه پر ان کے صاحبزادے ادب و قرینه کے ساتھ بیٹھتے۔ مگر جب (حضرت) محمد (صلعم) تشریف لاتے تو بے درنگ حلقه

سے گذر کر اپنے دادا کے پاس چلے آتے جو انھیں اپنے قریب فرش پر جگہ دیتے، عبدالمطلب تازیست آپ کے ساتھ نہایت لطف و محبت سے پیش آتے رہے۔

کامل یتیمی: اس حادثہ نے عبدالمطلب کے دل میں آپ پر شفقت کا احساس اور بھی سوا کر دیا کہ جب (سیدہ) آمنہ آپ کو ھمراہ لے کر اپنے میکے قبیلہ بنی نجار میں لائیں اور اس سفر میں بی بی ایمن (کنیز) بھی ھمرکاب تھیں تو مدینہ پہنچ کر آپ کی والدہ نے پہلے آپ کو وہ مکان دکھایا جہاں آپ کے گرامی قدر والد نے داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ اس کے بعد ان کے مزار پر لے گئیں جس سے آپ کے دل میں پہلی مرتبہ اپنی یتیمی کا احساس موجزن ھوا۔ جناب آمنہ پہلے بھی آپ کے والد کے حالات اور موت کا سانحہ آپ کو سنایا کرتیں۔ آں حضرت نے اپنے اس پہلے سفر کے سب واقعات صحابہ کرام کو اپنی زبان مبارک سے سنائے۔

مدینہ سے واپسی اور سیدہ آمنہ کی رحلت: مدینہ میں (اپنے ننہال) کے ھاں ایک سہینہ قیام فرمانے کے بعد جناب آمنہ مکہ مراجعت فرما ھوئیں، مگر ابوا پر پہنچ کر بیمار پڑ گئیں۔ (یہ مقام مدینہ سے ۲۳ میل پر مدینہ اور جحفہ کے درمیان واقع ھے)۔ افسوس کہ سیدہ آمنہ اس مرض سے جاں بر نہ ھو سکیں انھیں ابوا ھی میں سپرد خاک ھونا پڑا۔ ابوا میں صرف ام ایمن باقی رہ گئی تھیں۔ تنہا وھی آپ کو مکہ میں لائیں۔ والدہ کو اپنے سامنے دفن ھوتا دیکھ کر تمام دنیا تاریکی سے بھر گئی، آج سے یتیمی کی ھیبت نے آئینۂ دل پر کیسی ٹھیس لگائی، کل تک انہی مرنے والی کی زبان سے اپنے والد کی موت کے نتائج سنا کئے ان حوادث میں آج سے صد گنا اضافہ ھو گیا۔

مصائب میں مشیت کی دستگیری: اس حادثہ سے عبدالمطلب کے دل میں آپ کے لئے جذبۂ شفقت اور بھی زیادہ ھو گیا مگر باپ اور اس کے بعد ماں دونوں کے مرنے کا داغ ایسا نہ تھا جو یونہی دل سے مٹ جائے۔ ان مصائب میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی تشفی کے سامان فراھم کئے قرآن مجید ان میں سے دو ایک واقعات کے تذکرہ میں بایں الفاظ رطب اللسان ھے۔

الم یجدک یتیما فاوی ووجدک ضالا فھدیٰ (۹۲ : ۸)	اے پیغمبر! کیا خدا نے تمہیں یتیم دیکھ کر اپنی حمایت میں نہ لے لیا تھا اسی طرح آپ گم نہیں ھو گئے تھے۔ پھر اللہ نے راہ سجھائی۔

ایک اور داغ: بظاھر اگر آپ کے مہربان دادا کچھ دن اور زندہ رہتے تو آپ کے دل صد چاک چاک کا کچھ نہ کچھ مداوا جاری رہتا لیکن جب عبدالمطلب کی زندگی کا شہوار ۸۰ ویں منزل میں دم توڑ کر بیٹھ گیا تو اس وقت حضرت محمد (صلعم) نے گلزار حیات کی آٹھویں بہار ھی میں قدم رکھا تھا۔ ماں باپ کا سایہ پہلے سر سے اٹھ چکا تھا۔ جد بزرگوار آج دنیا سے منہ موڑ رہے ھیں خداوندا یہ کیا ھو رھا ھے! اس بے پر یتیم کے سر پرست ذرا ذرا وقفے کے بعد کیوں بدلے جا رھے ھیں!

آپ نے جس طرح اپنی والدہ ماجدہ کو اپنے سامنے دم توڑتے دیکھا اسی طرح شفیق دادا کی روح آپ کے دیکھتے دیکھتے ان کے دامن حیات سے ھاتھ جھٹک کر غائب ھو گئی۔ ابھی والدہ کے صدمہ سے آنسو بند نہ ھونے پائے تھے کہ دادا کی مفارقت سے غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ رونے کے سوا کوئی کام نہ تھا، با دیدۂ گریاں میت کے ھمراہ گئے اور لحد میں رکھنے تک اس ”پیر لاشہ“ کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھا کئے۔

ابوطالب کی کفالت: عبدالمطلب کی رحلت کے بعد ان کے نامور صاحبزادہ اور جانشین ابوطالب نے (حضرت) محمد (صلعم) کو اپنی کفالت میں لیا جن کی گونا گوں شفقت کی وجہ سے آپ کو دادا کا غم بھول جانا چاہیئے تھا لیکن شاید کوئی گھڑی آتی ہو جس میں آپ نے اپنے دادا کا ذکر خیر نہ کیا ہو۔

اور نہ صرف آپ کے زمانہ طفولیت بلکہ بعثت و تبلیغ رسالت کے ابتدائی عہد تک ابوطالب کی شفقت و محبت بہر عنوان آپ پر منعطف رہی۔ یہاں تک کہ وہ (ابوطالب) بھی قبر میں جا سوئے۔

ادھر عبدالمطلب کے دنیا کو چھوڑ جانے سے بنو ہاشم کے وقار پر ایسی کاری ضرب لگی کہ گویا وہ بہاریں انہی کی زندگی سے وابستہ تھیں، مگر آج دنیا ان کی نظر میں تیرہ وتار ہوگئی اور زندگی کے وہ تمام سہارے ٹوٹ گئے جن پر خاندان اپنا فخر محسوس کرتا تھا۔

عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے نہ تو کسی میں باپ کا سا عزم و قوت تھی، نہ ان کی سی اصابت رائے، نہ ویسی سخاوت و بخشش، نہ کسی کا ان کی طرح عرب پر اقتدار و رعب۔ عبدالمطلب حاجیوں کو دعوتیں کھلاتے، ان کے پینے کے لئے آب شیریں بہم پہنچاتے، اہالی مکہ پر ان کی شفقت و پرورش کا یہ عالم تھا کہ جب ان پر بری گھڑی آتی تو عبدالمطلب ان کی حمایت میں سینہ سپر ہو جاتے مگر ان کے بیٹوں میں کوئی بھی باپ کا پوری طرح جانشین نہ بن سکا۔ بعض اپنے نادار ہونے کی وجہ سے بے بس تھے، تو مالدار اپنی دولت کے اور بڑھانے میں کوشاں، ان لوگوں کی یہ کمزوری دیکھ کر ان کے خاندانی حریفان بنو امیہ جو کبھی سے ان کے مناصب پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے مگر وقت نے آج ان کے لئے مساعدت کا ہاتھ بڑھایا وہ کسی مزاحمت کے بغیر ہاشمیوں کے ان اعزازات پر قابض ہوگئے جو مدت سے ان کے لئے وقف تھے۔

فرزندان عبدالمطلب میں:

۱۔ ابوطالب تھے سب بھائیوں میں چھوٹے اور غریب الحال، مگر اپنے برادر زادہ کی کفالت کا بار خندہ پیشانی سے اٹھا لیا۔

۲۔ حارث تھے سب میں بڑے اور دولت میں متوسط الحال۔

۳۔ عباس صاحب ثروت تھے مگر ہمہ وقت دولت بڑھانے کے لئے حریص، اسی ذوق کی وجہ سے باپ کے مناصب میں سے صرف سقایت (حاجیوں کے لئے آب شیریں بہم پہنچانا) قبول کی مگر رفادت (دعوت حجاج) سے مالی خرچ کی بنا پر دامن بچا لیا۔

۴۔ ابوطالب غربت کے باوجود قریش میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے۔ اسی باعث عبدالمطلب نے (حضرت) محمد (صلعم) کی سرپرستی آپ کے ذمہ عائد کر دی۔

ابوطالب نے تھوڑی سی مدت میں دیکھ لیا کہ ذہانت، نیکی، شرافت نفس اور حسن کردار میں سے کوئی ایسا جوہر نہیں جس میں ان کے بھائی کی یہ نشانی ابوطالب کے حقیقی فرزندان سے نمایاں نہ ہو اور آپ کے یہ اوصاف اپنے عم شفیق کے ازدیاد رحم کا سبب بنتے گئے۔

سفر اول در ملک شام: ابوطالب نے تجارت کی غرض سے شام کا ارادہ کر لیا اور سفر کی صعوبتوں اور عبور صحرا میں دشواریوں کے خوف سے آپ کو ہمراہ لے جانا مناسب نہ سمجھا۔ سن مبارک بھی ہنوز ۱۲ سال سے زیادہ نہ تھا مگر آپ نے عم مہربان کے تمام خدشات دور کر دیے۔ حتیٰ کہ یہ قافلہ بصرہ آ پہنچا۔

عیسائی راهب بحیریٰ سے ملاقات: اس ضمن میں سیرة کی کتابیں دو روائتیں بیان کرتی هیں -

۱ - بصره میں راهب موصوف نے دیکھتے هی کہا که سیدنا مسیح کے بعد آنے والے نبی کی پوری نشانیاں ان کی ذات میں جمع هیں -

۲ - راهب (بحیریٰ) نے ابوطالب سے اصرار کیا که آپ انهیں شام میں نه پھرائیے مبادا یهودی ان کے اندر علامات نبوت دیکھ کر در پئے آزار هو جائیں -

سفر شام کے قدرتی مناظر: شام کا صوبه مکه سے بہت دور واقع هے، اس طویل اور مہینوں کے سفر میں آپ نے صحرا کی بیکراں وسعت اور فلک دوار پر چمکتے هوئے تاروں کی جھلملاهٹ دیکھی، راه میں مدین[1] (شهر) سے گذرے، وادی القریٰ[2] کے قریب هوکر نکلے، قوم ثمود کی تباه شده بستیوں کے کھنڈر کا عبرت ناک حشر دیکھا، منزل به منزل بادیه نشین قبائل کی پر لطف بولی ”عربی مبین،، (۱۶ : ۱۰۵) میں انهی کی زبان سے ان کے ماضی و حال کی داستانیں آویزۂ گوش هوئیں، سرزمین شام کے گھنے اور میوه دار باغوں نے طائف کے پر بہار بغیچوں کی قدرو منزلت دل میں پہلے سے کئی حصه کم کر دی ، لیکن چمنستان شام کے مقابله میں مکه کی ”واد غیر زرع،، (۱۴ : ۴۰) اس کی خشک اور بے آب و گیاه پہاڑیاں اور گردوپیش کے لق و دق صحرا جن میں آپ کے لئے بہشت کا سا منظر تها انهیں آپ کسی مقام و منظر پر فراموش نه کر سکے -

شام کی مذهبی تقریبات کا ملاحظه: شام میں آکر آپ نے سب سے پہلے مسیحی پیشواؤں کو دیکھا اور آتش پرست زرتشت علما کے ساتھ ان کے مکالمات سنے - باره سال کے سن میں روحانی ملکه، وفور ذکاوت، کمال فراست، دقت نظر اور قوت حفظ هر ایک صفت اس حد تک پہنچ چکی تهی جو رسالت جیسے اهم منصب کے مقدمات کے بغیر کسی ایک شخص میں جمع نہیں هو سکتی، (حضرت) محمد (صلعم) هر شے کی طرف غائر نظر ڈالتے، هر بات کو پوری طرح جانچتے اور قدم قدم پر فطرت سے حقیقت کا مطالعه فرماتے -

مراجعت مکه: کچھ عرصه بعد سیدنا ابوطالب اس سفر سے واپس لوٹ آئے مگر اس مرتبه انهیں تجارت میں زیاده نفع حاصل نه هوا نه اس کے بعد کبھی تجارتی سفر کا اراده کر سکے - مکه هی میں ره کر اپنی پونجی کے سہارے اپنے کثیرالتعداد کنبے کی سرپرستی فرماتے رهے (حضرت) محمد (صلعم) نے بھی اسی حالت میں اپنے عم بزرگوار کے زیر سایه قناعت کی زندگی کا یه زمانه بسر کیا اور جو کام آپ کے کرنے کا هوتا اس میں اپنے عم بزرگوار کا هاتھ بٹانے سے پہلوتہی نه فرماتے -

ماه هائے حرم (حرمت والے ۴ مہینے، ذی قعده ، ذوالحجه ، محرم ، رجب ؛ ۹:م) میں کبھی تو سیدنا ابوطالب گھر هی میں رهتے کبھی ایسا هوتا که شهر سے باهر (ان مہینوں میں) جو موسمی پینٹھیں لگتیں ان میں سیر و گشت کے لئے تشریف لے جاتے - اس تفریح میں

---

[1] ”یه شهر زیاده تر اپنے پیغمبر صالح علیه السلام کے نام سے مدائن صالح کہلاتا هے -“ (ارض القرآن : سید سلیمان ندوی : جلد ۱ ۱۰۰) :م

[2] ”مدینه سے کچھ آگے بجانب شمال وه میدان واقع هے جهاں ثمود کا قبیله آباد تها - یه ”جوف،، اور ”وادی القریٰ،، کے نام سے مشهور هے - پایه تخت کا نام حجر تها - جس کا قرآن میں بھی ذکر آیا هے،، (ارض القرآن : سید سلیمان ندوی : جلد ۱ ۱۰۰) -

من جمله اور عزیزوں کے برادر زاده گرامی منزلت بھی اپنے عم بزرگوار کی معیت میں ہوتے۔ یه بازار (پینٹھیں) تین مقامات پر لگتے۔

۱ - سوق العکاظ : (مقام) نخله اور شہر طائف کے وسط میں (واقع ہے) یکم ذی قعده سے لے کر بیسویں تک رہتا۔[1]

۲ - سوق ذی المجاز : عرفات سے ایک فرسخ پر موضع کبکب کے جوار میں۔[2]

۳ - سوق المجنه۔

نواحیء مکه کے ان بازاروں میں عرب کے مشہور راوی[3] اور نامور شعرا جمع ہوتے۔ راوی اپنے اسلاف کے گن گاتے اور شعرا اپنا اپنا کلام! جن کا مصرعه مصرعه سننے والوں کی روح میں اس طرح اهتزاز پیدا کرتا جیسے

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمر رفته کو آواز دینا

ان خاموش مجمعوں سے بادیه نشینوں کے ساده ترنم کی هلکی پھلکی لہریں پردۂ گوش سے ٹکراتیں تو سننے والوں کی حالت نه پوچھئے! گویا

کوئی دھیمے سروں میں گا رہا ہے
کلیجه ہے که منه کو آرہا ہے

عرب کے شعرا کو اپنے فرضی عشق کی داستان مرتب کرنے میں عجیب ملکه تھا۔ وه اپنے اس شاهکار کی نمود کا سب سے بہتر موقع سوق العکاظ، مجنه اور ذوالمجاز کو سمجھتے، جن میں اپنی فرضی محبوبه کے راز و نیاز کی خود ساخته سرگذشت جھوم جھوم کر سناتے اور سننے والے دل پکڑ کر رہ جاتے اسی طرح انهیں اپنی بہادری اور مبارزت طلبی کے مبالغه در مبالغه میں اس قدر طلاقت لسانی حاصل تھی جس سے سامعین کی رگ رگ میں خون کھول اٹھے۔ یہی لن ترانی وه اپنے اسلاف کی محبت و شجاعت اور شرافت و نجابت اور سخاوت و بخشش کی حکایت میں کرتے۔ جناب محمد (صلعم) اس سیرو گشت میں ان تمام عجائبات کے قریب ہو کر نکلتے اور ان محفلوں کی معقول باتوں کو ذهن نشین کر لیتے۔ فاما الزبد فیذهب جفاء[4] (رہے حشوو زوائد تو وه آپ سے آپ ایسے قلب صافی میں در آنے سے کترا جاتے)۔

ان بازاروں میں یہود و نصاریٰ کے علما بھی اپنے مسلک کی تبلیغ کرتے۔ ان خطبوں میں بت پرستی کی مذمت اور تورات و انجیل کی تعلیم پر زور دیا جاتا۔ (سیدنا) محمد (صلعم) یه خطبے بڑے غور سے سنتے جن سے بت پرستی کی قباحت کے مقابله میں ان کی تعلیم آپ کو نسبتاً غنیمت نظر آتی۔ مگر آپ کا وجدان اهل کتاب میں سے کسی کی تعلیم سے پوری طرح اطمینان حاصل نه کر سکتا۔ لیکن (بچپنے کے) ان مبادی نے آپ کو یوم بعثت کی ابتدائی اور ان جانی کیفیت کے تحمل کے قابل بنا دیا۔ جب الله تعالی نے آپ کو اپنی اس رسالت کی تبلیغ کے لیے مامور فرمایا جس کے سہارے آپ نے تمام عالم کو رہتی دنیا تک راه هدایت

---

[1] ''تجتمع قبائل العرب فیتعاکظون ویتنا شدون،، (منتهی الادب)۔ (عرب قبائل جمع ہوتے اور جگه به جگه روایت اور شعر گوئی کے چرچے رہتے) :م

[2] منتهی الادب (ترجمه) :م

[3] ''کسے که قصیدۂ شاعر بالحان وخوش آوازی پیش ملوک خواند،، (غیاث اللغات) :م

[4] قرآن مجید (۱۳: ۱۸) :م

پر چلنے کا پیغام پہنچایا۔

جس طرح (حضرت) محمد (صلعم) کو عہد بلوغ سے قبل اپنے عم بزرگوار کی معیت میں عرب کے لق و دق بیابانوں سے گذرتے ہوئے ان کی بے جا صلابت سے سابقہ پڑا اسی طرح عرب کے مشہور شعرا کی شیریں بیانی سے اپنے کام و دھن کی تلخیاں کم کرنے کا موقعہ ملا اور اسی طرح اہل کتاب (یہودونصاریٰ) کے فصیح خطیبوں کے وعظ و تذکیر سے سامعہ آشنا ہوئے (اور اوپر گزر چکا ھے کہ یہ مواقع ان موسمی بازاروں میں پیش آتے جو ماہ ھائے حرم میں حوالیٔ مکہ میں لگتے۔)

اور! اسی طرح سن رشد سے متصل آپ کو ایک جنگ میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا جس میں ایک طرف آپ کے جدی (قریش) تھے۔ یہ خونی معرکہ ''حربالفجار،، سے موسوم ھے، جو ان حرمت والے مہینوں میں سے ایک مہینہ میں شروع ہوا جس میں ہر قسم کی جنگ اور تکرار عرب کے دستور میں حرام تھی۔ انہی مہینوں میں عکاظ و مجنہ" و ذوالمجاز کے موقت بازار مکہ سے باھر کھلی فضا میں عرفات و نخلہ کے میدانوں میں لگتے جن میں ایک طرف سودا سلف کی گرم بازاری ھے دوسری جانب شعر و سخن کا ھنگامہ بپا، ایک مجمع میں اپنے اپنے قبیلہ کی سخاوت و بخشش کی داستان سرائی اور دوسرے حلقہ میں اپنے اپنے اسلاف کی شجاعت و غارت گری کے فسانے بیان ہو رھے ھیں۔ کیا بزم شاعری اور کیا حکایت جودوسخا کی محفل اور کیا رزم کی داستان سرائی جن میں ھر ایک اپنے حریف سے بازی لے جانے میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا رہا ھے۔ یہ صفیں الٹنے کو ھوتیں تو ان کا آخری عمل بتان کعبہ کا حج تھا جس کے بعد اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹ جاتے۔

ان میلوں میں سب سے زیادہ شرف قبول عکاظ کے بازار کو حاصل تھا۔ عرب کے بلند پایہ شعرا اسی میں اپنے قصیدے سناتے۔ (اپنے عہد کا) مشہور جادو بیان خطیب قس (بن ساعدہ) اپنے سحر آفرین خطبے عکاظ ھی میں سناتا۔ یہود و نصاریٰ کے واعظین اسی بازار میں اپنے اپنے مسالک کی تائید و تقویت میں آزادانہ گفتگو کرتے۔ اسی بازار میں بتوں کے پجاری اپنے عقائد اور اپنے خداؤں کے تصرفات پر حاشیہ آرائی سے اہل کتاب پر فوقیت حاصل کرنے کی سعی فرماتے۔ اور عکاظ میں ایسی تفریحات و تفاخر اس لیے گوارا کر لیے جاتے کہ یہ بازار ان ایام حرمت میں لگتا جن میں ھر قسم کی لڑائی یا تکرار حرام تھی۔

حرب الفجار: لیکن براض بن قیس (کنانی) نے حرمت والے مہینوں کی پاسداری نظر انداز کر کے عروۃ الرحال (بن عتبہ) ھوازنی کو قتل کر دیا (مقتول کا تعلق قبیلہ ھوازن سے تھا)۔

حرب الفجار کا مبنیٰ نعمان بن منذر (والیٔ غسان) کی طرف سے ایک قافلہ ھر سال مشک لے کر عکاظ کے بازار میں آتا اور ادھر سے چمڑا، رسی اور یمن کے بنے ہوئے زربفتی کپڑوں کے تھان خرید کر (حیرہ میں) لے جاتا۔ براض بن قیس مذکور نے لقمان کی طرف خط بھیجا کہ ''وہ اپنے اس قافلہ کی نگرانی کا قبالہ انہیں لکھ دیں،،۔ ادھر عروہ بن عتبہ ھوازنی (مقتول مذکور) نے امیر غسان سے اس کے قافلہ پر اپنی نمبرداری کی تحریک میں لکھا کہ ''میں اسے نجد کی راہ سے حجاز میں پہنچا دیا کروں گا،،۔ نعمان نے براض کی درخواست رد کر دی اور عروہ ھوازنی کو چوپانی تفویض کر دی۔ براض نے اس رقابت پر طیش کھا کر عروہ کو اس کی غفلت میں قتل کر دیا اور قافلہ کا تمام مال و اسباب اس کے افراد سمیت اپنے قبضہ میں لے لیا۔

براض نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بشر بن ابوخازم کی زبانی قریش مکہ کو مخبری

کردی کہ عروہ کے قبیلہ دار (ہوازن) اپنے مقتول کا بدلہ لینے کے لئے قریش پر دھاوا بولنے کو ہیں۔ ادھر قریش کو یہ خبر پہنچی ادھر عکاظ میں ہوازن کا ایک دستہ قریش پر پل پڑا۔ مگر قریش اس مقابلہ کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ چشم زدن میں عکاظ سے نکل کر حدود حرم میں داخل ہوگئے۔ ہوازن کا حملہ ناکام رہ گیا (م: حدود حرم کی تعظیم جنگ وجدال کے مانع تھی) لیکن ہوازن واپس لوٹتے ہوئے قریش کو آئندہ سال عکاظ کے موقعہ پر جنگ کا الٹی میٹم دیتے گئے اور ایسا ہی پیش آیا! یہ لڑائی سال میں چند روز مگر مسلسل چار برس تک جاری رہنے کے بعد بادیہ نشین قبائل کے ان پیش کردہ شرائط پر ختم ہوگئی:

فریقین کے مقتولین کی برابر برابر تعداد میں سے زائد منہا کرنے کے بعد ان مقتولین کی دیت فریق قاتل کے ذمہ پڑے۔

شمار کرنے کے بعد ہوازن کے مقتول بیس کی تعداد میں زائد تھے قریش نے جن کی دیت ادا کر دی مگر آج سے براض شقاوت و بدبختی میں ضرب المثل بن گیا اور قریش کے حریفوں کے فاجرانہ رویہ کی وجہ سے اس لڑائی کا نام حرب الفجار پڑ گیا۔

حرب الفجار میں آں حضرت کا سن مبارک: اس موقعہ پر آپ کا سن مبارک دس سال کا تھا یا بیس کا؟ اس میں دو رائے ہیں۔ تاریخ قطعیت کے ساتھ ایک رائے پر اعتماد کرنے سے ساکت ہے لیکن (پندرہ اور بیس برس) دونوں میں صورت تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ جب لڑائی شروع ہوئی تو آپ کا سن مبارک دس سال کا ہو چکا تھا اور جنگ کا آخری سال سن مبارک کا بیسواں برس تھا۔ یہ لڑائی چار سال تک مسلسل جاری رہی۔

جنگ میں شرکت: آپ نے بھی اس لڑائی میں شرکت فرمائی؟ اس میں بھی دو علیحدہ علیحدہ رائے ہیں۔

۱ - ہوازن کی طرف سے جو تیر ادھر آتے آپ انہیں چن چن کر اپنے بزرگوں کے حوالے فرما دیتے تاکہ وہ ان (تیروں) کو ہوازن کے سینوں میں پیوست کرائیں۔

۲ - آپ نے خود بھی ہوازن پر تیر برسائے۔

ان دونوں صورتوں میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ آپ ابتدائے جنگ میں عدم بلوغ کی وجہ سے لڑائی میں حصہ نہ لے سکے، صرف تیر جمع کر کے اپنے بزرگوں کو پیش کرتے رہے مگر جنگ کے آخر زمانہ میں جو چار سال تک مسلسل رہا عمر پختہ ہوگئی۔ اب آکر خود بھی لڑائی میں حصہ لینے لگے جیسا کہ عہد رسالت میں حرب الفجار کے تذکرہ میں فرمایا

قد حضرته مع عمومتی و رمیت فیه بأسهم وما احب انی لم اکن فعلت	"میں خود بھی اپنے عم ہائے بزرگوار کے ساتھ حرب الفجار میں شریک رہا اپنے ہاتھوں دشمنوں پر تیر برسائے اور مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں!"

حلف الفضول: قریش نے حرب الفجار سے نجات حاصل کرنے کے بعد اپنے گریبان میں منہ ڈالا تو خاندان کے بعض افراد میں ہوس جاہ و مناصب کا سودا نظر آیا جسے قوم زوال کا پیش خیمہ سمجھ کر دل گرفتہ ہو کر رہ گئے۔ قریش میں یہ بدذوقی ہاشم عبدالمطلب کے بعد پیدا ہوئی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اغیار کس بری نظر سے مکہ طرف دیکھ رہے ہیں۔

ایک روز عبدالمطلب کے صاحبزادہ زبیر کی تحریک پر تمام قریش کو جمع کیا گیا۔ اس

عبداللہ بن جد عان کے دولت کدہ پر ہوئی ۔ تناول طعام کے بعد سب نے یک زبان ہو کر عہد کیا ''ہم ہر مظلوم کی اس وقت تک نصرت کریں گے جب تک اسے اپنا حق نہ مل جائے'' اور سب نے اس پیمان پر خدائے ذوالجلال کی قسم کھائی[1] کہنا یہ ہے کہ اس معاہدہ میں (حضرت) محمد (صلعم) بھی شریک تھے جیسا کہ عہد رسالت میں فرمایا ۔

ما احب ان لی بحلف حضرتہ فی دار ابن جدعان حمر النعم ولو دعیت لا جبت[1]

میں ابن جدعان کے ہاں جس معاہدہ میں شامل تھا اگر اس میں شرکت سے منع کرنے پر مجھے سرخ اونٹوں کا ریوڑ دیا جاتا تو اسے قبول نہ کرتا ۔ آج بھی اس قسم کا معاہدہ ہو اور مجھے شرکت کی دعوت آئے تو میں قبول کرنے میں تامل نہ کروں گا ۔

اس دور کے مشاغل: حرب الفجار جو چار سال جاری رہی پورے سال میں چند روز تک یہ شعلے بھڑکتے اور سال تمام کے بقیہ ایام میں مکہ کے رہنے والے تجارت اور سودی کاروبار میں لگے رہتے، عیش و عشرت کی محفلیں گرم ہوتیں، شراب کے دور چلتے، باندیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منائی جاتیں اسی طرح اور مشاغل ہوتے ۔

سوال یہ ہے کہ اس ماحول میں رہنے کی وجہ سے (حضرت) محمد (صلعم) بھی انہی کی طرح دنیوی لذات میں ڈوبے رہے؟ یا اپنے عم بزرگوار سیدنا ابوطالب کے زیرِ سایہ غریبانہ زندگی بسر کرنے کی وجہ سے کسی حسرت زدہ کی طرح دور رہ کر یہ تماشے دیکھا کئے؟

(حضرت) محمد (صلعم) اسی شہر (مکہ) اور انہی لوگوں کے ساتھ رہنے سہنے کے باوجود ان مشاغل سے بے تعلق تھے۔ وہ ان لوگوں کی دیدوشنید سے بالاتر کسی ایسی طرف لو لگا بیٹھے تھے جس میں استغراق کی وجہ سے انہیں کسی اور طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی فرصت ہی نہ تھی ۔ ان کی ذات میں قدیم اشراف قریش کی وضعداری اور سلیقہ تھا، جس میں ذی شعور حضرات قریش کی تربیت نے اسے اور مجلّی کر دیا ۔ آپ کے اس دور زندگی کا یہ ایسا حصہ ہے جس کی شہادت تاریخ میں موجود ہے کہ آپ کے لئے دوسروں کی سی زندگی بسر کرنے میں تنگ دستی ہی کا اثر نہ تھا مکہ میں بے شمار ایسے مفلوک الحال موجود تھے جو سامان ہائے تعیش فراہم کرنے کی صورتیں پیدا کر ہی لیتے۔ ان میں کچھ لوگ اتنے شاطر تھے جنھیں چاروں طرف سے مفلسی نے گھیر رکھا تھا مگر داد عیش دینے میں اشراف قریش کو بھی مات دے دیتے ۔

جناب محمد (صلعم) کا نفس عظمت و شرافت کا وہ نمونہ تھا جس نے بعد میں ایسا ممتاز مقام حاصل کرلیا کہ اس وقت سے لے کر آج تک اس کا پرتو ساری دنیا میں نظر آتا ہے۔

---

[1] - اس معاہدہ کے عنوان (الفضول) کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں ۔

ا - قریش سے پہلے بھی قبیلہ جرہم اور قطورا نے مل کر اس قسم کا معاہدہ کیا تھا جس میں تین ایسے اشخاص شریک تھے جن کے ناموں میں لفظ ''فضل،، کا کوئی ایک صیغہ پایا جاتا تھا یعنی فضل بن حرب، فضل بن واعہ اور مفضل ۔

ب - قریش کے اس معاہدہ میں ہر شخص کی اصل فضیلت اس کے لیے محفوظ کی گئی

(ملحض از سیرۃ النبی : شبلی نعمانی جلد اول) :م

(حضرت) محمد (صلعم) اپنی عظمت نفس کی تاثیر سے اہلِ مکہ کے ان محبوب مشاغل سے اپنی توجہ ہٹا کران مظاہر زندگی کی طرف دیکھتے جو ایسے صاحب نظر کے شایان تھی۔ ان مظاہر کی کنہ تک پہنچنے کے اشتیاق میں کھوئے کھوئے سے رہتے۔ یہی اسباب تھے جن کی بنا پر طفولیت ھی میں صیانت و مردانگی اور امانت و دیانت کے جوہر آپ کی ذات میں پرورش پاتے رہے اور اہل مکہ نے آپ کو ''امین،، کے خطاب سے پکارا۔

چوپانی: جن مشاغل سے آپ کی قوت فکر و تامل میں تقویت حاصل ہوئی ان میں چوپانی بھی ہے۔ اس سے آغاز رشد میں سابقہ پڑا۔ قریش اور دوسرے اہالی مکہ کی بکریاں مزدوری پر چرائیں اور عہد رسالت میں اپنے اس شغل کی داد میں فرمایا۔

مابعث اللہ نبیاً الا راعی غنم بعث موسیٰ وھو راعی غنم، بعث داؤد و ھو راعی غنم وبعثت وانا ارعی غنم باجیاد۔	اللہ نے جس کسی کو نبوت سے سرفراز فرمایا اس نے بکریوں کی چوپانی بھی کی۔ حضرت موسیٰ اور جناب داؤد نے یہ کام کیا۔ میں بھی اپنے خاندان کی بکریوں کے ریوڑ کی چوپانی مکہ کی اجیاد نامی پہاڑی پر کرتا رہا

گلہ بانی ھی سہی، دل حساس ہے تو اس مشغلہ میں بھی صحیفۂ فطرت پر فکر و تعمق سے قدرت کے گونا گوں مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ آبادی سے دور روز روشن میں کھلی فضا اور شب میں گنبد وقار پر تاروں کے درخشندہ نقوش جن کا ایک ایک شوشہ

شاہد بزم خود آرائی تیری نیرنگیاں
مطلع عالم پہ یوں چھائیں کہ پنہاں ہوگئیں

کی غمازی کر رہا ہو۔ یہ ظاہری نقوش تخلیق عالم کے سربستہ راز کی تہ تک پہنچنے میں کس حد تک رہنمائی کر رہے ہیں ذکی‌الحس دانشور ایسی فضا میں رہ کر آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ انہی مظاہر اور ان کے نتائج سے اس کی ذات کا بھی اسی طرح ربط ہے (جس طرح دوسرے عجائبات عالم سے) اسے محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس کے اپنے وجود کی بقا سانس کی آمد و رفت کے سہارے پر اس طرح منحصر ہے کہ اگر تنفس رک جائے تو اس کی زندگی کا تمام نظام دزہم برہم ہوکر رہ جائے۔

کیا کھلی فضاؤں میں چلتے پھرتے دن میں مہرتاباں کی روشنی اور شب ماہتاب میں نور کا پھیلاؤ کسی ان دیکھی قوت کے سمجھنے میں ایسے چوپان کے تصورات میں رفعت پیدا نہیں کر سکتے؟ اس کے لئے یہ سمجھنا دوبھر ہے کہ یہ وسیع فلک اور اس کے نیچے دوسرے مظاہر جو ہر وقت اس (چوپان) کے سامنے اپنے فرائض کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں سب کے سب ایک دوسرے کے آسرے پر اس طرح قائم ہیں کہ

لا الشمس ینبغی لہا ان تدرك القمر ولا اللیل سابق النہار (٣٦ : ٤٠)	آفتاب چاند کی گردش میں حائل نہیں ہو سکتا نہ رات دن پر غالب آسکتی ہے

اور جس طرح بکریوں کا یہ ریوڑ (حضرت) محمد (صلعم) کی چوپانی کا اس قدر محتاج ہے کہ مبادا کسی بکری کو بھیڑیا اٹھا کر لے جائے یا صحرا میں گم ہو جائے اسی طر آپ اس تصور میں ڈوب جاتے کہ آخر اتنے بڑے عالم کی چوپانی کے لئے کوئی طاقت ہی تو ہے جو مہرو ماہتاب اور لیل و نہار کو آپس میں ٹکرانے نہیں دیتی جس شخص کے فک نے اسے مظاہر فطرت کے قیام و ربط پر ایک ماورائی ہستی کے تصرف پر اپنی طرف منعطف

کر رکھا ہو اس کی یہی قوت فکر و تامل اسے ان پست شہوات پر متوجہ ہونے کی فرصت ہی کب دے سکتی ہے بلکہ اس کی قوت فکر و تامل اسے بے کیف لذتوں سے ہٹا کر اس کا رخ ایک اور طرف پھیر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے نام (محمد صلعم) اور کردار میں باہم اس قدر مناسبت پیدا کرلی کہ اہل مکہ نے آپ کو اسی مناسبت کے مطابق اس لفظ کے ساتھ پکارا جو ہمیشہ آپ کے نام کے ساتھ غیر منفک رہا ''امین''۔

(اس) عہد چوپانی کا ایک واقعہ عہد رسالت میں بیان فرمایا جس میں آپ نے ایک شب بستی (مکہ) ہی کے اندر بسر کرنے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں کے ہنگاموں سے دل بہلایا جائے اور بکریوں کا ریوڑ اپنے دوسرے ساتھی کی نگرانی میں چھوڑا۔ جونہی بستی میں قدم رکھا ایک مقام پر جشن عروسی کا ہنگامہ برپا تھا جسے دیکھنے کے لئے رک گئے لیکن دفعتہً نیند نے آگھیرا۔ اسی جگہ محو استراحت ہو گئے اور کچھ نہ دیکھ پائے۔ دوسری رات پھر شہر میں تشریف لائے۔ اس وقت موسیقی کی ایک محفل شباب پر تھی۔ خوش گلو گانے والیوں کی سروں پر ملاء اعلیٰ کی راگنی کا گمان ہوتا مگر اس موقعہ پر بھی خواب شیریں کے جھونکے آنے لگے اور سو گئے۔ آج بھی صبح سے پہلے آنکھ نہ کھلی۔ ظاہر ہے کہ اہل مکہ کے جشن عروسی اور بزم سرود کی یہ محفلیں آپ کے پاکیزہ جذبۂ فکر و تامل کے منافی تھیں۔ چہ جائے کہ کم درجہ اشخاص بھی ایسے زہد شکن خرافات سے پرہیز کرتے ہیں اس لئے آپ جیسے نفس مزکی کے مزاج کی کیسے موافقت کر سکتے ہیں۔ اس جذبہ کی سرشاری میں آپ ایسے ہنگاموں سے یک طرف رہ کر اپنی قوت فکر و تامل کو ایک اور مصرف پر منعطف رکھتے۔

پھر گلہ بانی کی اجرت کا اندازہ کیجئے، مادی طور پر اس کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ لیکن آپ دنیا کے تمام مادی میلانات سے بے تعلق تھے۔ اس لیے ثروت کے واسطے ادھیڑ بن کی مناسبت ہی نہ تھی۔ جب تک زندہ رہے مایحتاج کے سوا دولت سے کنارہ کش رہے۔ عہد رسالت میں ایک موقع پر فرمایا

نحن قوم لا ناکل حتیٰ نجوع و اذا اکلت لا نشبع

ہمارا تعلق اس طبقہ سے ہے جو اشتہا سے پہلے کھانے پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور کبھی شکم سیر ہوکر نہیں اٹھتے۔

نہ اس سے انکار ممکن کہ آپ نے خود بھی تمام زندگی سختیوں اور مصیبتوں میں گزاری اور دوسروں کو بھی اسی قسم کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دی، بخلاف ان لوگوں کے جو دولت کے پیچھے بھاگتے ہیں تاکہ ثروت کے سہارے اپنی نفسانی خواہشوں کی تکمیل کریں، وہ خواہشیں جن کی طرف محمد (صلعم) نے جھانک کر بھی نہ دیکھا۔ جو شخص مظاہر فطرت کی زیبائی کا فریفتہ اور اس کے پس منظر پر غور و فکر کا خوگر ہو جس سے عام لوگ محروم ہیں اس کی نظر ایسے حسن کے نظارے کے لیے رک سکتی ہے نہ وہ اس قسم کے جہاں سے تسکین حاصل کرنے کے لئے ثروت کے ذرائع پر غور کر سکتا ہے۔ اس کی دولت اور اس کی ذات کا فخر اسی میں ہے کہ وہ ایسی لذتوں سے آنکھیں موند کر آگے نکل جائے۔

آپ کو مصائب و آلام میں لطف حاصل ہوتا جن کا درد آپ زندگی کے ساتھ لے کر آئے۔ جب اپنے والد بزرگوار کی رحلت کا مرثیہ اپنی والدہ ماجدہ کی زبان سے سنا اس وقت کیا گزری ہوگی! مگر والد گرامی کی دائمی مفارقت میں صبر و رضا کی بدولت آپ کے نفس میں طمانیت و سکون نے گھر کر لیا باپ کے سانحہ وفات کا حرف آخر ابھی آپ کی والدہ کی زبان پر

تھا کہ موت کا جھونکا آیا اور سیدہ آمنہ کی شمع حیات کی لو گل کرتا ہوا غائب ہوگیا ۔ اس سانحہ کے بعد جناب عبدالمطلب (آپ کے جد بزرگوار) نے اپنے پوتے کی کفالت کا ذمہ لے لیا مگر ایک وقفہ گزرنے کے بعد وہ بھی قبر میں جا سوئے ۔

ان مصائب پر سکون و تحمل نے آپ کی روح کو کس قدر بالیدگی بخشی اور دنیا کے مکدرات لذائذ سے دل برداشتگی کے لئے آپ کے عزائم میں کس قدر پختگی بڑھتی گئی۔ ان حوادث نے آپ کا مزاج اس طرح کا بنا دیا کہ مال و ثروت کی اہمیت نظر سے اوجھل ہوگئی اور ان حضرات کی طرح اپنے نفس کی چوپانی میں مصروف ہوگئے جو آپ سے پہلے اس معاملہ میں دنیا کو حیرت میں ڈال چکے تھے یہی لوگ ہیں جو دنیا کے انمول ذخائر صرف اپنے نفس میں جمع کئے رہتے ہیں !

شغل تجارت : آپ کے عم بزرگوار ابوطالب کثیرالعیال اور قلیل المال تھے ۔ انہوں نے دیکھا کہ برادر زادہ جوان ہوگئے ہیں اور ہر قسم کی صلاح ورشد سے بہرہ مند ہیں۔ گلہ بانی میں اتنا منافع نہیں جو بسر اوقات میں پوری مدد مل سکے۔ اگر انہیں کسی اور کام پر لگایا جائے تو متعلقین کے آزوقہ میں سہارا مل سکے گا!

خویلد کی دختر بی بی خدیجہ قریش کے بعض اشخاص کو وکیل تجارت کے طریق پر سوداگری کے لئے باہر کے ملکوں میں بھجواتیں ، شرافت مند اور متمول خاتون تھیں ۔ خاندانی تعلق قبیلہ اسد (قریش) سے تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے دو مردوں کے گھر کی زینت بنیں مگر ان کے دونوں شوہر حیات مستعار سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ دونوں قبیلہ بنو مخزوم سے تھے جن کے ترکہ سے بی بی کو بہت سا مال حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنے باپ خویلد اور دوسرے معتمدین قریش کی وساطت سے تجارت شروع کر دی ۔ سیدہ خدیجہ کے ہاں کئی اکابر قریش نے نکاح کا پیغام بھیجا مگر انہوں نے کسی کی درخواست اس لیے منظور نہ کی کہ ''ان لوگوں کی نظر میرے مال پر ہے !،، حتیٰ کہ سیدہ نے اپنی تمام توجہ تجارت پر لگا دی ۔

جناب ابوطالب نے سنا کہ بی بی خدیجہ کچھ لوگوں کو مزدوری پر مال دے کر شام کی طرف بھیج رہی ہیں ۔ انہوں نے اپنے برادر زادۂ گرامی (جناب) محمد (صلعم) سے فرمایا ۔ اے برادر زادۂ من ! میری تنگ دستی اور زمانہ کی نامساعدت ظاہر ہے۔ بی بی خدیجہ نے ہر مزدور کا معاوضہ دو دو شتر مقرر کیا ہے۔ اگر یہ کام کر سکو تو میں بی بی خدیجہ سے دریافت کروں؟ لیکن ہم اتنے معاوضے پر معاملہ نہ کریں گے۔ صاحبزادہ نے عرض کیا ۔ عم بزرگوار! آپ مختار ہیں۔ مجھے کام کرنے میں کوئی عذر نہیں ۔''

سیدنا ابوطالب بی بی خدیجہ کے ہاں تشریف لائے ماجرا بیان کیا اورفرمایا ۔ ''دوسروں کی طرح ہم دو شتر پر مزدوری نہیں کر سکتے اگر تم میرے برادر زادہ کے لئے چار شتر اجرت منظور کر لو تو وہ بھی چلے جائیں گے '' سیدہ خدیجہ نے عرض کیا ۔ اے سردار قریش ! اگر آپ کسی ایسے شخص کے لئے فرماتے جو میرا دشمن اور قبیلہ غیر سے ہوتا تب بھی میں تعمیل حکم سے انکار نہ کرتی۔ یہ تو ہمارے ہی قبیلہ کے فرد ہیں اور تمام خاندان کے نزدیک پسندیدہ ۔'' ابوطالب نے گھر آ کر تمام واقعہ آپ سے بیان کر دیا ۔ عرض کیا ۔ ''آپ کو یہ ذریعۂ رزق اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حاصل ہوا ہے ،،

روانگی سفر: اس سفر میں بی بی خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو آپ کے ہمراہ کر دیا ۔ جناب ابوطالب نے آپ کے متعلق ضروری ہدایات میسرہ کے ذہن نشین کر دیں اور قافلہ روانہ ہوگیا ۔

راستے میں صحرائے شام، وادی القریٰ، مدین اور قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈروں کے قریب ہو کر گزر ہوا جہاں سے ہو کر ایک مرتبہ ۱۲ سال کے سن میں اپنے بزرگوار کے ساتھ بھی گذرے تھے۔ پہلے سفر کے نقوش بعینہ آپ کے ذہن پر مرتسم تھے، جن کی مطابقت قدم قدم پر فرماتے گئے ان کے ساتھ ہی وادیٔ مکہ کے موسمی بازاروں (عکاظ و ذوا لمجاز و مجنہ) کے ہنگامہ ہائے شعر و سخن، ان میلوں میں اہل کتاب اور بت پرستوں کے اپدیش، اہل مکہ و اہالی شام دونوں کے عقائد و عبادات میں اختلاف مذاق، غرض اب تک یہاں اور وہاں جو کچھ دیکھا اور سنا تھا ذہن میں گردش کرتا گیا۔

بصریٰ میں تشریف لائے تو نصاریٰ کو قریب سے دیکھا۔ ان کے رہبان و علما سے باتیں ہوئیں۔ آتش پرستوں کے ایک راہب سے بھی گفتگو کا اتفاق ہوا۔ یہ جو آپ کے اس سفر میں مناظرہ کی روایت مشہور ہے شائد اسی مجوسی راہب سے ہوئی ہو۔ بعض کے نزدیک آپ کا یہ مباحثہ ایک مسیحی عالم کے ساتھ تھا جن (نصاریٰ) کی وحدت کئی فرقوں میں تقسیم ہو چکی تھی (جیسا کہ ہم نے مقدمہ کتاب میں واضح کر دیا ہے)۔

منافع تجارت: اس سفر میں آپ نے تین قسم کے منافع حاصل کئے۔

ا۔ مالی منفعت اس قدر زیادہ حاصل ہوئی کہ بی بی خدیجہ کے سابقہ اور اس سال کے وکلائے تجارت میں سے کسی نے اس قدر نفع نہ کمایا۔

ب۔ خدمت گذار میسرہ کی اپنے حسن سلوک اور لطف و مہربانی سے آپ کے ساتھ محبت۔

ج۔ سفر سے واپسی پر بی بی خدیجہ کی مالی منفعت دیکھ کر آپ پر مزید توجہ۔

مراجعت مکہ: اس سفر سے مکہ کی طرف لوٹے۔ شہر سے قریب مقام مرالظہران پر سواری پہنچی تو میسرہ نے مشورہ دیا کہ "صاحبزادہ گرامی قدر! جہاں تک ہو سکے بی بی خدیجہ سے جلدی کاروبار میں منافع کا تذکرہ فرمائیے۔ وہ اس انتظار میں راہ تک رہی ہوں گی! (جناب) محمد (صلعم) میسرہ کے اس مشورہ پر دوپہر کی شدت ہی میں بی بی کے ہاں روانہ ہوئے۔ وہ خود بھی قافلہ کے انتظار میں بالاخانہ کے دریچے میں بیٹھی ہوئی راہ تک رہی تھیں۔ دیکھا کہ (سیدنا) محمد (صلعم) شتر پر سوار ہیں اور انہی کے ہاں تشریف لا رہے ہیں۔ دروازہ پر آکر استقبال کیا۔ بی بی اپنے مال میں نفع کی بات چیت سننے کے لئے بے قرار تھیں جسے آپ نے اپنی روئداد سفر اور شام کے واقعات و اتفاقات کے ساتھ اپنے فصیح و بلیغ انداز میں ان کے گوش گذار کیا۔ ممدوحہ پوری توجہ اور سکوت کے ساتھ سنتی رہیں۔ اتنے میں میسرہ بھی آگئے جنہوں نے اپنے مخدوم کے حسن اخلاق و کمال ادراک اور تجارتی معاملہ فہمی کے واقعات اپنی مالکہ سے بیان کئے جن سے سیدہ خدیجہ کو آپ کی عظمت و تفوق کا پہلی مرتبہ احساس ہوا۔

عقد مناکحت: بی بی نے اپنے وکیل تجارت مکہ کے نوجوان شریف زادے میں حلم و فراست اور شرافت نجابت کے جوہر گراں بہا پا کر ایک فیصلہ کر لیا جسے وہ (تین ماہ تک) زبان پر نہ لا سکیں۔ اس وقت خدیجہ نے زندگی کی چالیسویں منزل میں قدم رکھا تھا۔ اور جب ان کے دوسرے شوہر آسودہ لحد ہو گئے قریش ہی میں سے چند مقتدر اشراف کی درخواست عقد رد فرما چکی تھیں۔ لیکن اب انہوں نے التوائے عقد مناسب نہ سمجھا اور اپنی ہمشیرہ یا (بروایت دیگر) ایک منہ بولی بہن نفیسہ[1] سے اپنا ارادہ[2] ظاہر فرما دیا۔ وہ ان کا پیغام عقد لے

---

[1] ۔ نفیسہ (بنت منیہ) بھی نعمت ایمان سے بہرہ مند ہوئیں (اصابہ جلد ۸۔ نمبر ۱۰۵۸) :م

[2] ۔ (شام سے) واپس آنے کے تقریبا تین مہینے کے بعد حضرت خدیجہ نے آپ کے پاس

کر (حضرت) محمد (صلعم) کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا - آپ کو نکاح کر لینے میں کیا مانع ہے؟

فرمایا : تنگ دستی!

نفیسہ : اگر آپ ایسی شریف زادی کی درخواست عقد منظور فرما لیں جو اس قسم کے اخراجات کی کفالت خود کر سکے ؟

فرمایا : وہ کون بی بی ہے؟

نفیسہ : (صرف ایک لفظ میں) خدیجہ!

فرمایا : وہ میرے ساتھ کیوں عقد کرنے لگیں ؟

چہ جائے کہ آپ بھی دل سے خواهش مند تھے مگر خطبہ کی سبقت اس لئے نہ کر سکے کہ جناب خدیجہ کئی اشراف قریش کے پیغام رد فرما چکی تھیں- بی بی نفیسہ نے آپ کے اس ارشاد پر عرض کیا - ''ان کی طرف سے میں ذمہ داری لیتی ہوں،، اور آپ نے منظور فرما لیا -

سیدۂ خدیجہ نے اپنے خاندان کو دعوت بھیج کر جمع کیا، اور ان کے عم بزرگوار عمرو بن اسد نے ولی کے فرائض انجام دیے- اس وقت تک بی بی کے باپ خویلد بن اسد حرب الفجار میں طعمۂ اجل ہو چکے تھے جن کے بارے میں کذب پیشہ راوی کہتے ہیں کہ خویلد زندہ تھے مگر وہ اس پر خوش نہ تھے اور صاحبزادی نے باپ کو شراب پلا کر نشہ کی حالت میں اجازت حاصل کرلی -

الہی یہ افترا!

اس عقد کے بعد جناب محمد (صلعم) کی زندگی کا نیا باب شروع ہوا - وہ کبھی اپنی صلبی اولاد کو گود میں لے کر باپ ہونے کے تصور سے لطف اندوز ہوتے اور کبھی اس گود میں کھیلے ہوئے لخت جگر کو اپنے سامنے موت کے چنگل میں گرفتار دیکھ کر زار و نزار آنسو بہاتے -

---

شادی کا پیغام بھیجا - ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے - عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کرلیں اور اس میں بالغہ نابالغہ کی قید نہ تھی - حضرت خدیجہ نے چچا کے ہوتے ہوئے خود براہ راست تمام مراتب طے کیے -

(شبلی نعمانی از سیرۃ النبی جلد اول تزویج خدیجہ) م:

۴

مُتاہل زندگی سے لے کر ابتدائے بعثت ﷺ تک

صادق امین عبدالله محمد کلیم الله حبیب الله نجی الله

عزیز حریص علیکم رؤف رحیم طٰہٰ مجتبیٰ

۴

متاہل زندگی سے لے کر ابتدائے بعثت تک

متاهلانه زندگی: آپ نے بیس شتر حق مہر میں ادا کر دیے اور سیدہ خدیجہ کی درخواست پر انہی کے ہاں بودو باش اختیار فرمالی۔

آج سے شوہر بننے اور باپ ہونے کے دونوں رخ سامنے آ گئے۔ کتاب زندگی کا وہ باب شروع ہوا جس میں آپ پچیس سالہ پر سکون شباب میں خود کسی بے عنوانی کے قریب ہو کر نکلے نہ اس پر فتن عہد جوانی کے شعلوں نے آپ کی ذات پر کوئی اثر ڈالا۔ آج سے وہ بے لوث شباب بھی اپنی رفیقۂ حیات کی نذر کر دیا۔

سیدۂ خدیجہ کے بطن سے دو[1] فرزند قاسم اور عبداللہ پیدا ہوئے جن کے القاب طاہر و طیب تھے۔ مگر دونوں کی دائمی مفارقت سے ان کی طفولیت ہی میں دو چار ہونا پڑا، ان دونوں کے بعد چار صاحبزادیاں جناب خدیجہ کے بطن مبارک سے متولد ہوئیں جن پر شفقت و الطاف پدری کا دامن کسی فرزند کی شرکت کے بغیر پھیلا رہا اور اس طرح ان کے دلوں میں بھی اپنے باپ کے متعلق تکریم و اعزاز کے جذبات پرورش پاتے رہے۔

حلیہ مبارک: خوب رو بوٹا سا قد نہ زیادہ طویل القامت نہ اس قدر پست، سر بڑا، اس پر سیاہ گھنگریالے بال، جبیں کشادہ، بھنویں بالوں سے بھری ہوئیں اور خمیدہ سی، دونوں بھنوؤں کے اندرونی کنارے ایک دوسرے سے پیوست، آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی جن کی سیاہی کے بعد نہایت کھلی ہوئی سفیدی اور سفیدی کا حلقہ سرخ مدور ساہالہ جس نے جاذبیت میں اور بھی اضافہ کر دیا، آنکھوں سے زود فہمی کے آثار نمایاں، لمبی اور سیاہ پلکیں، ناک ستوان اور سیدھی، دانتوں میں ریکھیں جیسے باریک خط کھینچ دیا گیا ہو، ریش گھنی، گردن لمبی مگر خوبصورت، سینہ کشادہ، بدن کی رنگت کھلی ہوئی، ہاتھ کی ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے نرم و گداز، بدن ذرا آگے کو جھکا ہوا، رفتار میں تیزی مگر ہر قدم اپنی جگہ پر جم جاتا، بشرے سے۔ تفکر کے علامات ظاہر، نگاہوں میں حاکمانہ انداز جو دوسروں کو اپنے سامنے جھکا لے۔

ان صفات کے ہوتے ہوئے تعجب نہ تھا اگر (جناب) خدیجہ کے دل میں رسول خدا کی محبت اور آپ کی رسالت پر ایمان لانے کا جذبہ پیدا ہو جائے اور آئندہ کے لئے آپ کو اپنے مال و تجارت کی وکالت سے سبکدوش فرما کر (سابق کی طرح) کسی اور شخص کو اس کام کا ذمہ دار بنا دیں تاکہ رسول خدا یک سو ہو کر امر رسالت کے لیے غور و فکر فرما سکیں۔

---

[1] ۱ - بعض ارباب انساب سے تین اور بعض سے چار فرزندوں کی روایت بھی ہے (حاشیہ از مولف)۔

وقار: (جناب) محمد (صلعم) جس طرح نسب میں ممتاز تھے ازدواج کے بعد اسی طرح ثروت میں بھی مقتدر ہو گئے۔ اہل مکہ پہلے بھی آپ کی طرف رشک و احترام کی نظر سے دیکھتے جس میں اب اور بھی اضافہ ہو گیا۔ ارباب وطن کی طرف سے آپ کے لئے یہ اضافہ قابل فخر نہ تھا۔ آپ کو تو اپنے گھر بار پہ ناز تھا۔ رفیقۂ حیات نے آپ کو نوید تولید سے خوش بخت بنا دیا اور آپ کی تمنا یہی تھی کہ اولاد کی خوشی سے دل بہلایا جائے۔

لیکن بایں اعزاز و تکریم اپنے ہم چشموں کے ساتھ برتاؤ میں کسی فخر و امتیاز کا اظہار نہ فرماتے جس سے ہم وطنوں کی نظر میں روز بروز وقار بڑھتا گیا اور ادھر آپ کی طرف سے ان کی تواضع اور ملنساری میں اضافہ ہوتا گیا۔

ذکاوت فہم اور شرافت نفس بیش از بیش ہونے کی وجہ سے دوسروں کا درد دکھ توجہ سے سنتے۔ اپنی کم گوئی کے باوجود لوگوں کی طویل در طویل کہانی پر دل میں میل نہ لاتے۔ گفتگو میں مزاح بھی تھا لیکن یہ مزاح حقیقت کے خلاف نہ ہوتا۔ ہنسنے پر کبھی دندان مبارک نظر نہ آتے اور غصے میں کبھی زبان پر سخت الفاظ نہ آنے پاتے۔ صرف پیشانی پر ابروؤں کے کنارے پسینے کے دو ایک قطرے ابھر آتے جو غصے کا تلخ گھونٹ پی جانے کا نتیجہ ہوتا۔

الغرض آپ پرشکوہ، صاحب ارادہ، نمونۂ وفا، از سر تاپا خیر و برکت، جود و کرم میں ابرنیساں، عزیمت و استقلال اور روحانی کمالات میں ایسی مثال جس کے خد و خال کی تردید پر جرأت بھی نہ کی جا سکے۔ ان صفات نے آپ کی رفیقۂ زندگی سیدۂ خدیجہ کی محبت و وفا میں بیش از بیش اضافہ کر دیا۔

اس دور میں کسی کو آپ کی ذات سے عداوت تو ایک طرف ہر شخص فریفتہ تھا مگر خود جناب کے دل میں عمارت کعبہ کی کہنگی کا غم سر سُرارہا تھا جو کسی وقت دور نہ ہوتا۔ یہ حادثہ اس طرح سے پیش آیا کہ کعبہ کے ارد گرد دیوار یا اوٹ نہ ہونے سے سامنے کی پہاڑیوں سے سیلاب کا پانی پھسل کر اس کی دیواروں سے ٹکراتا جس سے عمارت دن بدن کھوکھلی ہوتی گئی اور عمارت کی خرابی کے ساتھ کعبہ میں جمع شدہ تحائف کے سرقہ کا خوف بڑھنا شروع ہو گیا۔

آج سے پہلے ایک مرتبہ قریش نے کعبہ کو مسقف کرنا چاہا تو اسے بدعۂ سیئہ سمجھ کر عذاب الٰہی کے خوف سے ہاتھ روک لیا گیا کیونکہ جاہلیت سے کعبہ کے متعلق اس قسم کے اقدام پر آسمان سے نازل شدہ آفتوں کی داستانیں زبان زد خاص و عام تھیں۔ یہ لوگ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ اچانک سیلاب آیا جس نے کعبہ میں ایک بڑا شگاف ڈال دیا۔ ہر چند تعمیر کی صورت میں عذاب خداوندی کا خطرہ تھا لیکن عمارت کے پیوست زمین ہو جانے کے خوف سے انہیں کچھ کرنا ہی پڑا۔ مکہ میں خبر مشہور ہوئی کہ مصر کے ایک تاجر کی کشتی سمندر کے تھپیڑوں سے کھل کر ساحل جدہ پر آپڑی ہے۔ اس کا مالک باقوم نامی ابھی وہاں موجود ہے۔ اہل مکہ نے قریش کا ایک جتھ ولید بن مغیرہ کی سر کردگی میں باقوم کے پاس بھیجا جس نے کشتی کے تمام تختے خرید لیے۔ باقوم نجاری بھی جانتا تھا۔ تعمیر کے لیے معاملہ طے کر کے اسے بھی اپنے ہمراہ لے آئے۔ مکہ میں ایک قبطی نجار پہلے سے موجود تھا اسے باقوم کی اعانت کے لیے اس کا شریک کر دیا۔

شکست و تعمیر اور تقسیم کار: قریش نے اطراف کعبہ کے چار حصے کر کے گروہ گروہ میں تقسیم کر دیے۔ لیکن تعذیب خداوندی کے خوف سے گرانے میں پیش

قدمی کرنے میں کسی کے قدم نہ اٹھتے۔ بے حد تردد و تامل کے بعد ولید بن مغیرہ (مذکور الصدر) اپنے دیوتا کو پکار کر آگے بڑھا اور رکن یمانی کا کچھ حصہ گرا دیا ادھر چاروں طرف کھڑے ہوئے اشخاص ولید پر اللہ کی گرفت کے منتظر تھے لیکن ولید کی سلامتی دیکھ کر سب کے حوصلے بڑھ گئے۔ ہر طبقہ نے اپنا حصہ گرا کر سلیں ہٹانا شروع کر دیں ان میں جناب محمد (صلعم) بھی شریک تھے اچانک زمین میں گڑا ہوا سبز رنگ کا اتنا بڑا پتھر نمودار ہوا جس پر کدال لگانے سے وہ اچٹ کر پیچھے کو لوٹتی۔ اس پتھر کا زمین سے نکالنا اور دوسری جگہ ہٹا کر رکھنا ناممکن تھا۔ آخر اسے ہی بنیاد قرار دے کر اس پر تعمیر شروع کر دی گئی۔ دیوار اٹھانے کی غرض سے قریب کی ایک پہاڑی سے نیل گوں پتھر کی سلیں تراش تراش کر لائی گئیں۔

حجر اسود کے نصب پر اختلاف: جب دیواریں قد آدم تک جا پہنچیں تو حجر اسود کے نصب کرنے میں مقدم و غیر مقدم پر اختلاف پیدا ہوگیا۔ ایک قبیلہ اپنے لیے یہ اختصاص چاہتا دوسرا اپنے لئے، اسی طرح تیسرا اور چوتھا اور اسی طرح پانچواں قبیلہ، حتیٰ کہ جنگ کے شعلے بلند ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ بنو عبدالدار اور بنوعدی ہر دو خاندان کے افراد نے اس پر حلف اٹھائے کہ اگر ہمارے سوا کسی اور نے یہ پیش قدمی کی تو ہمیں گوارا نہ ہوگا۔ نہ صرف حلف پر اکتفا کیا بلکہ معاہدہ کو مضبوط کرنے کے لیے جاہلیت کی پرانی رسم کے مطابق ایک پیالے میں خون بھر کر ہر ایک نے اس میں اپنے پور نے ڈبو دیئے یہ حلف (قدیم سے) ''لعقۃ الدم'' سے موسوم ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر (ستر سالہ) ابوامیہ بن مغیرہ نے جن کا احترام قریش کا ہر ایک فرد کرتا تھا، ان لفظوں میں اپنا مشورہ پیش کیا:

اجعلوا الحکم فیھا بینکم اول من یدخل من باب الصفا	کل صبح پہلا جو شخص ''باب الصفا'' کی جانب سے کعبہ میں داخل ہو اس کا فیصلہ تسلیم کر لیا جائے

جسے سن کر سب نے اپنی اپنی تلواریں میان میں کر لیں۔ دوسرے روز صبح کے وقت سب سے پہلے ''باب الصفا'' کی راہ سے (جناب) محمد (صلعم) تشریف لائے۔ لوگ چشم براہ کھڑے تھے۔ دیکھتے ہی بیک زبان کہہ اٹھے:

ھذا لامین! رضینا بحکمہ!	اہاہا! امین! ہمیں ان کا فیصلہ بسروچشم منظور ہے

آپ نے ہر فریق کا بیان غور سے سنا۔ سب نے اپنا اپنا حق تفوق پیش کیا۔ دیکھا ہر قبیلے کے دل میں دوسرے خاندانوں کی دشمنی کی آگ سلگ رہی ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد فیصلہ صادر فرمایا کہ ''ایک چادر لائیے!''، جو حاضر کی گئی۔ تب آپ نے چادر زمین پر بچھا کر حجر اسود اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اس پر رکھ دیا اور فرمایا۔ ''ہر خاندان کا سردار چادر کنارے سے پکڑ کر محل نصب کے قریب لے آئے''، اور اسی طرح تعمیل کی گئی۔ حجر اسود اپنے مقام کے قریب پہنچ گیا تو جناب محمد (صلعم) نے اسے اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے محل پر رکھ دیا۔ اتنا بڑا فتنہ آپ کے حسن تدبیر سے فرو ہوگیا۔

کعبہ کی تعمیر جدید میں آپ کی منزلت: جس زمانہ میں کعبہ از سر نو تعمیر ہوا اور (سیدنا) محمد (صلعم) کے دست مبارک سے حجر اسود اس کے محل نصب پر رکھا گیا اس وقت آپ کا سن کیا تھا؟ مورخین کی دو روائتیں ہیں، پچیس یا پینتیس برس۔ دونوں میں

کوئی مدت سہی اصل مبحث کو اس سے تعلق نہیں، لیکن یہ واقعہ بلا اختلاف مسلم ہے کہ حجر اسود کے نصب کرنے کے لئے قریش کا یہ فیصلہ تھا کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے ''باب الصفاء،، کی راہ سے حدود کعبہ میں داخل ہو اس کے سر پر عزت کا تاج رکھ دیا جائے۔ اسی طرح یہ امر بھی بلا اختلاف مسلم ہے کہ مشیت نے یہ اعزاز (جناب) محمد (صلعم) کو بخشا جن کے حکم سے زمین پر چادر پھیلا کر حجر اسود اس میں رکھا گیا اور آخر میں چادر پر سے اٹھا کر اسے (سیدنا) محمد (صلعم) ہی نے اس کے محل پر نصب فرمایا جس سے اہل مکہ کے نزدیک (جناب) محمد (صلعم) کی عظمت کے ساتھ فراست بھی واضح ہو گئی۔

تعمیر کعبہ کے اس دور میں قریش کے باہمی اختلاف کی رو: اس دور میں قریش کے باہمی اختلاف کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ حجر اسود کے معاملہ میں الجھاؤ پڑ جانے سے قریش نے کیا کیا ارادے کر لیے، ایک فریق نے خون میں پورے تر کر کے اپنی موت کا قبالہ خون رگ جان سے لکھ دیا۔ حالات نے یہاں تک کروٹ بدل لی تھی کہ پوری قوم میں کسی ایک شخص کو حق سیادت حاصل نہ تھا۔ ان کے جد اعلیٰ قصی کی عظمت ہاشم کی وجاہت اور عبدالمطلب کا دبدبہ ایک ایک کر کے ان سے دامن جھٹک جھٹک کر علیحدہ ہو چکے تھے۔

عبدالمطلب کی رحلت کے بعد تو یہ خطرات اور بھی سوا ہو گئے۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں میں اقتدار کی کشمکش نے زور پکڑ لیا۔ اہل مکہ کے لیے یہ حوادث مصائب در مصائب کا پیش خیمہ بنتے گئے۔ نواحی ملکوں میں کعبہ کی تقدیس کا سکہ دلوں پر نہ ہوتا تو کوئی نہ کوئی حریف مکہ کو اپنے زیر نگیں کر لیتا۔

جس شہر (مکہ) میں کل تک اہل کتاب کا یہ قانون عائد تھا کہ وہ اپنے اپنے مسلک کی تائید و نصرت میں زبان کو جنبش نہ دے سکتے آج اسی شہر میں یہود اور نصاریٰ برملا بتوں کی مذمت کر رہے ہیں، جس سے قریش کے بے شمار افراد اپنے آبائی خداؤں سے باغی ہو گئے اور صرف وہ لوگ قدیم مذہب پر رہ گئے جو کعبہ کے مناصب پر قابض تھے جن کے عقیدے میں ابھی تک بتوں کے تصرفات کا تصور بھی قائم تھا وہ گرہ لگائے بیٹھے تھے کہ اہل مکہ کا فروغ تجارت بتوں ہی کی مہربانی پر منحصر ہے۔ کیونکہ یہاں تجارت پیشہ افراد ابھی تک سوداگری میں خوب خوب ہاتھ مارتے۔ تا ہم اس طبقہ کے عقائد میں بھی پہلے کی سی شدت نہ تھی۔

قریش کا قدیم عقیدے سے تبرا: عقیدہ کے اسی تغیر کے ثبوت میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ عید عزیٰ (بت کا نام) کے موقعہ پر مقام نخلہ میں قریش کا اجتماع ہوا اس میں یہ چار اشخاص ایک طرف خلوت میں جا بیٹھے (م: یہ مجلس خفیہ تھی)

(۱) زید بن عمرو (۲) عثمان بن حویرث (۳) عبیداللہ بن جحش (۴) ورقہ بن نوفل۔

ہر ایک نے اپنے عقیدہ پر ندامت کا اظہار کیا۔ ایک صاحب نے کہا:-

''ہم کس گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جن پتھروں کا ہم طواف کرتے ہیں وہ نہ سننے پر قادر ہیں نہ انہیں دیکھنے کی توفیق ہے اور نہ وہ کسی قسم کے ضرر و نفع کے مختار! اور ہماری ان کے ساتھ وابستگی کا یہ عالم کہ وہ ہماری طرف سے قربانی کے خون میں تیرتے رہتے ہیں! آؤ! سب مل کر کسی اور دین کی پناہ لیں،،

اور ان چاروں کا تبدیل مذہب: (ان میں سے) ورقہ بن نوفل عیسوی مذہب میں داخل

ہو گئے اور ان کا کارنامہ انجیل کے کچھ حصہ کا عبرانی سے عربی ترجمہ ہے، دوسرے صاحب (عبیداللہ بن جحش) اوائل اسلام میں کچھ دیر تک متردد رہنے کے بعد مسلمان ہوگئے اور مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے مگر وہاں جا کر نصرانی ہوگئے اور اسی پر ان کا خاتمہ ہوا ۔ اس سفر میں ان کی اہلیہ سیدہ ام حبیبہ (بنت ابوسفیان) بھی اپنے شوہر کے ہمراہ تھیں جو حبشہ سے واپس تشریف لے آئیں اور حرم نبوی میں داخل ہوکر امہات المومنین کے مقدس گروہ میں داخل ہوگئیں۔

تیسرے صاحب زید بن عمرو ہیں۔ یہ اپنی اہلیہ اور چچا سے ناراض ہو کر گھر سے نکل گئے کچھ عرصہ شام و عراق میں گھومتے پھرے مگر نہ صرف ان ملکوں کے مروجہ مذاہب اہل کتاب (یہودیت و نصرانیت) سے کنارہ کش رہے بلکہ اپنے قدیم مذہب (بت پرستی) سے بھی دامن بچا کر ایک طرف ہوگئے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ انہوں نے دیوار کعبہ کے سائے میں یہ دعا کی تھی کہ

”یا اللہ! اگر مجھے علم ہو جائے کہ تو فلاں دین سے خوش ہے تو میں اسی مذہب میں داخل ہو کر تیری عبادت کروں لیکن مجھے کچھ علم نہیں کہ تو کس دین سے خوش ہے۔“

ان میں چوتھے عثمان ابن حویرث ہیں جو سیدہ خدیجہ کے قرابت دار تھے۔ یہ مکہ کی سکونت چھوڑ کر روم چلے گئے اور وہاں پہنچ کر نصرانی ہو گئے۔ قیصر روم نے انہیں اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا ۔ اب عثمان کو یہ شرارت سوجھی کہ اہل مکہ کو قیصر روم کا باج گذار بنا کر خود وہاں کا گورنر بن جائے لیکن قریش ان کے فریب میں نہ آئے ۔ عثمان روم چھوڑ کر حیرۂ شام میں امیر غسان کے پاس چلا گیا اور اسے مکہ جانے والے تاجروں کی ناکہ بندی پر اکسایا۔ قریش نے یہ سنا تو امیر غسان کو تحائف بھیج کر اپنی طرف مائل کر لیا اور عثمان کو اسی خطہ میں زہر دے کر مار دیا گیا۔

اولاد: (سیدنا) محمد (صلعم) نے زندگی کے کئی سال اپنے ہم وطنوں کے ساتھ گذارے۔ اس دور میں انہیں اپنی رفیقۂ حیات (سیدۂ خدیجہ) کی گود ہری بھری دیکھنے کا بے حد اشتیاق تھا ۔ ان کے بطن سے دو فرزند اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ صاحبزادوں میں ایک کا نام قاسم اور دوسرے کا عبداللہ اور دونوں کے القاب طاہر اور طیب تھے۔ بیٹیوں کے نام زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ ہیں دونوں صاحبزادے بچپن ہی میں بعثت سے قبل اللہ کو پیارے ہو گئے جن کی موت کا ماں اور باپ دونوں کو بے حد صدمہ ہوا ۔

باپ اپنی جگہ ان کی مفارقت میں دل گرفتہ اور مامتا کی ماری ماں کے کلیجے میں بیٹوں کی موت کے غم سے دو رستے ہوئے ناسور بن گئے۔ بلا تردید کہا جا سکتا ہے کہ ان حوادث کے اثر میں ہر موقعہ پر سیدہ خدیجہ نے بتوں کے حضور یہی فریاد کی ہوگی کہ ۔

”اے میرے معبودو! تم نے مجھ پر کیوں رحم نہیں کیا اگر اسے مجھ سے جدا ہی کر لیا تھا تو میرے دل کو ڈھارس دی ہوتی جسے اس کی جدائی کے غم میں کسی وقت چین نصیب نہیں۔“

اور اسی طرح باپ بھی فرزندوں کی موت پر ہراساں سے رہتے ہوں گے۔

اس دور میں لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کی رسم پر نظر کرنے سے بآسانی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ عرب میں فرزندوں کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز سمجھا جاتا ہوگا۔ بیٹوں کے متعلق اس جذبہ کی تاثیر کو دیکھتے ہوئے آں حضرت کا دو فرزندوں کو یکے بعد دیگرے

لقمہ اجل بنتے ہوئے دیکھنے سے دل پر کیا نہ گذری ہوگی۔

فرزندوں کی موت پر زید کو متبنیٰ بنانا: اس صدمہ کے نتائج پر مزید غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ (سیدنا) محمد (صلعم) بھی زندگی کے اس دور میں اپنے لیے بیٹے کی جگہ خالی دیکھنا پسند نہ کرتے تھے جیسا کہ زید (ابن حارثہ) کے واقعہ سے اندازہ کیا جاتا ہے، جن کی خریداری پر آپ نے اپنی رفیقہ زندگی سے اشارہ فرمایا اور بعد میں زید کو آزاد کرکے اپنا متبنیٰ قرار دیا، جس کے بعد وہ ابن حارثہ کی بجائے زید بن محمد سے شہرت پذیر ہوئے۔ یہی زید آں حضرت کے مخلص ترین صحابی اور بہترین پیرو تھے۔

پھر آپ کے تیسرے فرزند ابراہیم بھی طفولیت ہی میں طعمۂ اجل ہوگئے۔ اس صدمہ نے دل حزیں کو اور بھی مجروح کر دیا ابراہیم کی رحلت کا یہ حادثہ اس وقت پیش آیا جب اسلام میں دختر کشی کو حرام قرار دے کر عورت کا مرتبہ بلند کر دیا گیا تھا، جس میں عورت کی ادنیٰ ترین منزلت اس کے ماں ہونے کی حیثیت سے جنت کا اس کے قدموں میں ہونا بھی ہے۔

مسلم ہے کہ فرزندوں کی موت کے صدمہ سے آں حضرت کی زندگی کس کس طرح غم و آلام کا ملجا بن گئی ہو گی۔ اور یہ بھی ناقابل انکار ہے کہ سیدہ خدیجہ نے اپنے پارہ ہائے جگر کو خاک میں ملتے ہوئے دیکھ کر بتوں کے سامنے جس طرح واویلا کیا ہوگا (جناب) محمد (صلعم) نے اس سے دل پر کیا اثر لیا ہوگا۔ ان حوادث سے قبل بھی عرصہ سے آں حضرت اپنی رفیقہ حیات کو بتان کعبہ کے حضور سر نیاز زمین پر رکھتے دیکھا کیے آپ نے اپنی اہلیہ کو ہبل، لات، منات اور عزیٰ میں سے ہر ایک کے چہرے پر قربانی کے خون سے غازہ کرتے دیکھا۔ (جناب) محمد (صلعم) جان گئے کہ ان کی اہلیہ کا ان بتوں کی ناز برداری سے مقصد تو اپنے غم کی تلافی تھا۔ ولیکن

اگر ہوا بھی تو الٹا اثر دعا میں ہوا
سکون یاس ملا اضطراب کے بدلے

آپ نے محسوس کر لیا کہ سیدہ خدیجہ کو نہ تو بتوں کے تقرب سے کچھ حاصل ہوا اور نہ انھیں قربانی کے خون میں تیرانے پر بی بی کے آلام میں کمی واقع ہوئی۔ اپنی رفیقۂ زندگی کا ان کے معبودوں کے لیے نیاز مندی پر یہ صلہ دیکھ کر (حضرت) محمد (صلعم) کی قوت فکر کہیں سے کہیں جا پہنچی۔

صاحبزادیاں اور ان کے رشتے: اپنی بیٹیوں کے ناطے مناسب اشخاص کے ساتھ کیے۔ سب سے بڑی صاحبزادی زینب کا عقد ابوالعاص بن ربیع (ابن عبد شمس) کے ساتھ ہوا یہ سیدہ خدیجہ کے ہمشیرہ زاد تھے اور معزز تاجر، سیدہ زینب کو ان کے ہاں کبھی تکلیف نہ پہنچی ماسوا اس موقعہ کے جب بی بی زینب ہجرت فرما کر مدینہ جانے لگیں، جس کی تفصیل دوسرے مقام پر آئے گی۔

دوسری اور تیسری صاحبزادی بی بی رقیہ اور ام کلثوم کا عقد عتبہ اور عتیبہ سے ہوا۔ یہ دونوں آپ کے چچا ابولہب کے فرزند تھے لیکن ابولہب کی اسلام دشمنی اور کفر پر نوازشوں کی وجہ سے دونوں رشتے منقطع ہوگئے اور ان سے ایک طرف ہو جانے کے بعد دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے جناب عثمان بن عفان کے گھر کی زینت بنیں۔ چوتھی صاحبزادی خاتون جنت سیدہ فاطمہ کی شادی سیدنا علی ابن ابی طالب سے ظہور اسلام کے بعد ہوئی۔

اور آں حضرت کی زندگی کا یہ زمانہ آپ کی رفیقۂ حیات کی طرف سے مہرو وفا اور ان کے

بطن سے اولاد پیدا ہونے پر محبت پدری کی خوشگواری سے نہایت پر سکون تھا ، بشرطیکہ فرزندوں کی موت کے صدمہ سے دو چار نہ ہوتے ۔ ان صفات سے متصف ذات گرامی کا ہر معاملہ میں فکر و تامل میں غرق رہنا محال نہیں ۔ جناب محمد ہرحادثہ پر غورو تعمق فرماتے ۔ اپنے قرب و جوار میں رہنے والوں سے ان بتوں کی ستائش بھی سنتے جنھیں وہ خدائی کے درجہ پر فائز سمجھے بیٹھے تھے اور انہی بتوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی حرف گیری سے بھی آپ کے کان آشنا ہوتے مگر آپ اپنے تمام ہم صفیران زندگی سے کہیں زیادہ ان مسائل کی تحقیق میں ڈوبے رہتے ۔ قدرت نے آپ کو اسی مقصد کے لیے تخلیق فرمایا تھا کہ اس قوت وحی کی برداشت کا ملکہ کامل ہو جائے جس کے سہارے تمام عالم کو اس قعرضلالت سے نکالنا مقصود ہے جس میں وہ سر سے لے کر پاؤں تک ڈوبے ہوئے ہیں ۔ ایسی قوی روح صبح و شام غورو تدبر میں مصروف رہتی ۔ کیونکہ آپ کو اللہ کا پیغام پہنچانا تھا ۔ اور دنیا کو حق و صواب کی راہ دکھانا تھی ۔ ناممکن تھا کہ آپ بت پرستی کی اس صورت حال پر قانع رہتے اور غور و تدبر کی صلاحیتوں کو کام میں نہ لاتے ۔ آپ کے لیے ضروری تھا کہ کائنات میں ہدایت و روشنی کی تلاش میں سرگرداں رہیں ۔ مگر خاص توجہ اور بایں طلب ۔ آپ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ آپ کا شمار عرب کے کاھنوں میں ہو ۔ اور نہ آپ کا نصب العین ورقہ بن نوفل کی طرح کا حکیم و فیلسوف بننا تھا ۔ آپ کا عزم و ارادہ اس سے کہیں بلند تھا ۔ آپ حق اور صرف حق کے طالب تھے ۔ اس لیے صبح و مسا فکر و تدبر اور غور و خوض میں ڈوبا رہنا بالکل فطری امر تھا ۔ آپ سب کچھ سوچتے ، مگر کسی سے بھی اپنے دلی اضطراب کا حال نہ کہتے ۔

تحنث (گوشہ گیری) : اس دور میں رسم تھی کہ متقشف اور مرتاض اشخاص سال بھر میں ایک مرتبہ چلہ کشی کے لیے آبادی سے دور کسی کنج تنہائی میں جا بیٹھتے اور اپنے ڈھب پر عبادت میں مستغرق ہو جاتے ۔ ان کا مقصد بتوں کا تقرب ہوتا جس سے وہ خود کو ان کے کرم و بخشش کا حقدار سمجھتے اس طریق عبادت کو تحنث سے تعبیر کیا جاتا ۔

(سیدنا) محمد (صلعم) نے عبادت کی اس راہ کو فکر و تعمق کے لیے بہترین ذریعہ سمجھا اور جس معرفت کے لئے وہ اپنے بدو شعور سے بے قرار تھے اس کے حصول میں اسے مفید جان کر مکہ سے دو میل کے فاصلہ پر اس غار کو پسند کیا جس کا نام ''حرا'' ہے ۔ ریاضت تنہائی میں اس سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی آپ ہر سال رمضان کا پورا مہینہ اس (حرا) میں بسر کرتے ۔ گھر سے مہینہ بھر کے لیے مختصر سا توشہ ہمراہ لے جاتے اور یہاں دنیا ومافیہا سے بے خبر یکسوئی کے ساتھ فکر و تامل میں ڈوبے رہتے ۔ اس حالت میں کھانے پینے حتیٰ کہ اپنی ذات تک کا ہوش نہ رہتا ۔ آپ کے لیے اہل مکہ کے معاشرہ میں دلچسپی نہ ہونے سے ''غارحرا'' کا تحنث بجائے خود ایک انجمن تھی ۔ یہاں اپنے پیدا شدہ تصورات کو مختلف نداز سے گردش میں لاکر کئی کئی طریقوں سے انہیں پرکھتے اور ان کے مقابلہ میں معاشرہ کے ان مذہبی تصورات سے جن میں ظن و تخمین کے سوا کوئی اہمیت نظر نہ آتی خود کو دور لے جاتے ۔

تلاش حقیقت : آں حضرت (صلوات اللہ علیہ و آلہ) حرا میں اس حقیقت کے جویا تھے جو نہ تو آپ کو یہوذ کے اسفار (م : عہد عتیق) میں مل سکی اور نہ مسیحی رہبان کے زاویوں میں اس کا نشان ملا ۔ بلکہ اس قیقت کے ذرائع میں آپ کی نظر کے سامنے یہ وسیع عریض عالم تھا اوپر نظر اٹھا کر دیکھتے صاف نیلگوں آسمان جس میں جھلمل جھلمل

کرتے ہوئے روشن تارے ٹکے ہوئے ہیں ماہتاب درخشاں کی ضیا مصرفانہ طور پر بکھیر دی گئی ہے۔ دن میں دیکھتے تو مہر عالمتاب کی تابانی نے صحرائے بے پایاں پر نور کی چاد بچھا رکھی ہے، اتنی سفید اور براق چادر! جس کی مثال بھی ذہن میں نہیں آ سکتی۔

دن میں اسی آفتاب کے شعلہ ہائے سوزاں چاروں طرف لپک رہے ہیں۔ پھر رات نے دن کو چھپا لیا۔ چاند کی خوشگوار چاندنی سے دل میں سرور ابھر آیا۔ تاروں کی جھلملاہٹ نے رات کے سہاگ کو اور نکھار دیا۔ دریائے نور اور اس کی موجوں کا تلاطم جن کا وجود ایک دوسرے سے اس قدر مربوط ہے کہ ان میں کوئی بھی اپنے ساتھی کے سہارے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ آپ کو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک وحدت وجود ہے جس کے گونا گون مظاہر نوبت بہ نوبت گردش کر رہے ہیں اور (حضرت) محمد (صلعم) ان مظاہر میں ایک ایک کی جبیں پر حقیقت کے خد و خال کی جستجو میں مصروف!

آں حضرت (صلعم) اس خلوت خانہ (غار حرا) میں بیٹھ کر حقیقت کی تلاش میں روح کو اس بلندی پر لے جاتے جہاں سے پائین کی ظلمتوں کا ایک ایک گوشہ نظر سے گزر کر حقیقت منکشف ہو جاتی۔ اسی خلوت میں معاشرہ کے مذہبی تصورات کا جائزہ لیتے اور یاران شہر کی گم گشتگیٔ منزل سے اس حد تک متاثر ہوتے کہ آپ کے نزدیک بت پرستوں کے مسلمات مذہب میں اس سے زائد گنجائش نہ تھی کہ ان کے معبود ایسے بت ہیں جنہیں نفع و ضرر کسی کی توفیق نہیں نہ ان میں خلق و ایجاد کی صلاحیت ہے نہ انہیں روزی رسانی میں درک، وہ تو خود ہی بے حس ہیں! یہ ہبل، لات، عزیٰ جو کعبہ کے وسط میں گڑے ہوئے ہیں اور وہ بت جو کعبہ کے اندر جو طرفہ کور پر نظر آتے ہیں ان میں کسی نے ایک مکھی تک پیدا نہ کی نہ اہل مکہ کی کسی مصیبت میں ان کے کام آئے! حقیقت اگر ان ہی میں ہے تو یہ عجیب ہے! کیا وسیع جہان اور اس کی فراخ زمین، چاروں طرف محیط آسمان اور اس کے ان چمک دار ستاروں میں وہ (حقیقت) پنہاں ہے جن سے شب میں نور اور دن میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور اپنے قرب و جوار میں بسنے والے بادل اپنے زیر نگیں دھرتی اور اس پر رہنے والوں کے لیے مینہ برسانے کا حکم دیتے ہیں؟ کیا وہ (حقیقت) انھی آسمان کے روشن ستاروں میں مستور ہے جو زمین ہی کی مانند کرے کی شکل میں ہیں؟ یا وہ (حقیقت) ان کروں کے سوا اس ذرے (ایثر) میں ہے جس کے جوہر کی کوئی حد نہیں؟ لیکن خود ایثر کی حقیقت کیا ہے؟

یا ہماری یہ زندگی ہی اصل حقیقت ہے؟ جو آج ہے اور کل نہیں۔ چہ جائے کہ زندگی کا معمہ بھی تو قابل حل ہے؟ اور کیا یہ زمین کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ ہے؟ جس کے برگ و بار سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے انسان کا ظہور اور وہ بھی اتفاق سے ہو گیا؟ اور کیا انسان خیرو شر دونوں میں مختار ہے؟ یا ان میں ہر ایک کی انجام دہی پر ایسا مجبور و محکوم جس کا اعمال کے ظہور میں ایک ذرہ کے برابر اختیار نہ ہو؟

(جناب) محمد (صلعم) غار حرا کی ریاضت کے دوران میں اسی قسم کے مسائل پر غور فرمایا کرتے۔ ان کا مقصود حقیقت تک رسائی اور زندگی کے مسائل کا حل تھا (کسی ذریعہ سے سہی)۔ غار حرا کی صبح و شام کے ایک ایک لمحہ میں آپ کی روح و قلب اور وجدان بلکہ جسم کے روئیں روئیں سے انھی مسائل کی جستجو تھی۔

رمضان کا مہینہ ختم ہو جانے پر دولت کدہ میں تشریف لے آتے، لیکن وہ تصورات بدستور ذہن پر چھائے رہتے۔

اپنی رفیقہ حیات (جناب) خدیجہ پر اپنے (اس) فکر و تعمق کی پریشانیاں از خود ظاہر ہونے میں احتیاط فرماتے۔ اس کے لیے آپ بی بی کو اپنا حال دریافت کرنے کی ترغیب دیتے اور ان کے سوال پر فرماتے۔ ''میں خوش و خرم ہوں''۔

غار حرا کی ریاضت کس مسلک پر تھی: آں حضرت (صلعم) غار حرا کی خلوت میں کس معین شریعت کے مطابق عبادت کرتے؟ اس معاملہ میں علما کی مختلف رائے ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ (م: البدایہ" والنہایہ") میں متعدد اقوال نقل فرمائے ہیں۔

۱ - حضرت نوح کی شریعت کے مطابق۔
۲ - حضرت ابراہیم کی شریعت کے مطابق۔
۳ - حضرت موسیٰ کی شریعت کے مطابق۔
۴ - حضرت عیسیٰ کی شریعت کے مطابق۔
۵ - اپنی مقرر کردہ شریعت کے مطابق۔

ان میں آخری قول (نمبر ۵) زیادہ قابل قبول نظر آتا ہے۔ (حضرت) محمد کے فکر و تامل کا یہی مقتضی ہے۔

قدرت مطلقہ کا انکشاف: اسی طرح سال بہ سال رمضان کے مہینہ میں حرا میں خلوت گزینی فرماتے اور فکر و تعمق میں محو رہتے۔ یہ غور ترقی کرتا ہوا آخری درجہ تک پہنچ کر آپ کے نفس کا ہمزاد بن گیا۔ اسی طرح مسلسل کئی سال تک حرا میں آمد و رفت اور اس میں رہ کر ریاضت و تصورات کا تانتا بندھا رہا۔ حتیٰ کہ حرا میں وہ حقیقت منکشف ہوگئی جس کی جستجو میں بدوشعور سے سرگرم عمل تھے اور جس کی ضیا میں دنیا کا جاہ و جلال اور اموال وثروت حقیر نظر آتے۔ ان حقائق کی پوری طرح وضاحت ہوگئی جن کی روشنی میں اہل مکہ کے معاشرہ کی یہ گم کردہ راہی منکشف ہوگئی کہ بتوں کی پرستش ان کے عزائم میں کس حد تک حائل ہے اور یہود و نصاریٰ نے اپنی بے لوث تعلیم کو اوہام و اعاظم پرستی سے کس قدر ملوث کر رکھا ہے، اس کے متعلق بھی یہ نکتہ منکشف ہو گیا کہ وہ دونوں بھی حقیقت مطلق اور بسیط ہر ایک کو واضح کرنے سے قاصر ہیں جو جدال و اہمال سے مبرا ہے۔ آپ اس درجہ یقین تک پہنچ گئے کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس پوری کائنات کو پیدا کرنے اور منصہ شہود پر لانے والا ایک پروردگار ہے جو رحمان اور رحیم ہے۔ نیز جو دو جہان کا پیدا کرنے والا ہے جس کے ہاں ہر شخص کے لیے جزا اور سزا مقدر ہے۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (۹۹: ۸/۷)	نیک اور بد اعمال ایک ذرہ کے برابر کیوں نہ ہوں ان کی جزا و سزا مل کر رہے گی۔

یہ بھی منکشف ہوگیا کہ جنت اور دوزخ دونوں کا وجود برحق ہے اور جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کریں گے ان کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا۔ و انہا ساءت مستقرا مقاما (۲۵: ۶۶) جو نہایت تکلیف دہ مقام ہے۔

حرا میں مکاشفات کا تسلسل: سن مبارک زندگی کی چالیسویں منزل پر گامزن ہوا اور حرا میں عبادت و ریاضت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ رویاء میں جو مکاشفات ہوتے ان سے ایمان میں اور بھی بالیدگی ہوتی باطل پہلے سے کہیں زیادہ نظر میں حقیر ہوگیا۔ اتنے میں پروردگار کی طرف سے اصلاح و تربیت میں توجہ خاص کا زمانہ بھی آ ہی گیا۔ یہ اسی تربیت

کے ثمرات ہیں کہ دل ہمہ تن ایک حقیقت دائمی کی طرف متوجہ ہے۔ اسی کیف میں اللہ سے اپنی قوم کے ضلالت سے نکلنے کی التجا کی۔ اسی لگن میں رات بھر خدا کے حضور کھڑے ہوئے ذہن و قلب کو ان تصورات پر لگا دیتے۔ دن میں روزہ سے رہتے اور اس کے یمن و برکت کے سہارے فکر و تامل کا دامن وسیع کرتے۔ کسی ساعت تنگ و تاریک غار سے نکل کر وسیع و فراخ صحرا میں آجاتے۔ کھلی فضا میں بھی وہی تصورات موجزن رہتے۔ صحرا سے پھر غار میں لوٹ آتے۔ یہاں اور وہاں دونوں مقامات کے مکاشفات کی تطبیق کی کوشش فرماتے۔ اسی طرح حرا میں چھ مہینے گذر گئے۔ معاملہ کے انجام سے خوف زدہ ہو کر آخر دولت خانہ پر تشریف لے آئے اور اس وقفہ قیام کے تمام حوادث اپنی رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ سے ذکر کرتے ہوئے ان سے دریافت فرمایا۔ ''بی بی! یہ کسی جن کی کارستانی تو نہیں؟'' جناب خدیجہ نے کہ سراپا خلوص و وفا تھیں عرض کیا۔ ''صاحب! آپ مرد امین ہیں ایسے برگزیدہ حضرات سے جن تعرض نہیں کرتے'' مگر حیرت ہے کہ اس موقعہ پر دونوں کے دل میں یہ خیال نہ گذرا کہ روحانی ریاضت آپ کو ایسے منصب پر فائز دیکھنے کے لیے بے قرار ہے جس کا یوم ورود دنیا کا سب سے بڑا دن ہے اور اس منصب کی اطلاع تمام عالم کے لیے ''بڑی خبر'' ہو گی، نزول وحی کا وہ پہلا دن جب (حضرت) محمد (صلعم) رسالت سے بہرہ مند ہوں گے!!!

اول وحی (در ۶۱۰ع): نزول وحی کی مبارک ساعت آ ہی گئی۔ آں حضرت صلعم حرا میں محو خواب تھے۔ ایک فرشتہ جس کے ہاتھ میں لکھا ہوا ایک ورق تھا آیا اور اس نے (رویا ہی میں) یہ ورق آپ کے سامنے کھول کر کہا ''اقرأ'' (اسے پڑھیے)۔ آپ گھبرا گئے اور فرمایا ''مااقرأ'' (میں اس میں کیا پڑھوں؟)۔ آں حضرت نے محسوس کیا کہ فرشتے نے آپ سے زور کے ساتھ معانقہ کرتے ہوئے پھر ''اقرأ'' (اسے پڑھیے) کہا اور آپ نے پھر وہی جواب دیا ''مااقرأ'' (میں اس میں کیا پڑھوں؟)۔ فرشتہ نے دوسری مرتبہ پھر اسی زور سے معانقہ کرنے کے بعد ورق سامنے رکھ کر ''اقرأ'' کہا اس مرتبہ آپ ڈر گئے مبادا پھر معانقہ کی تکلیف سے دو چار ہونا پڑے لیکن وہی فرمایا کہ ''ماذا اقرأ (میں اس میں کیا پڑھوں؟)۔ فرشتے نے کہا۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق○ خلق الانسان من علق○ اقرأ و ربك الاکرم الذی علم بالقلم○ علم الانسان مالم یعلم○ (۹۶: ۱ تا ۵)۔

پڑھیے! اپنے رب پیدا کرنے والے کا نام لے کر جس نے انسان کو ''جمے ہوئے لہو'' سے پیدا کیا ہاں پڑھیے کہ آپ کا پروردگار وہ صاحب کرم ہے جس نے قلم کے ذریعہ انسان کو ایسا علم سکھایا جسے وہ پہلے سے نہ جانتا تھا۔

آپ نے فرشتہ کے بالمواجہہ یہ تمام کلمات دہرائے جو فرشتے کے واپس جانے سے قبل آپ کی لوح قلب پر منقش ہو گئے۔

واقعہ نزول وحی سے اضطرابی کیفیت کا ظہور: رویا ختم ہوتے ہی آپ کی آنکھ کھل گئی اور حیرت زدہ ہو کر سوچنے لگے آخر میں نے کیا دیکھا! چاروں طرف نظر دوڑائی۔ یہاں کہیں جن تو نہیں ہے! مگر ایسی کوئی شے دیکھنے میں نہ آئی۔ ہراس بڑھتا ہی گیا اور ذرا دیر بعد بدن پر کپکپی سر سرانے لگی۔ جس غار میں واقعہ پیش آیا اس سے بھی وحشت پیدا ہو گئی۔ یہاں سے چلے جانے میں اپنی خیر سمجھی اور تیز قدمی سے گھر کی طرف چل

نکلے۔ ہر قدم پر خیال گذرتا ''یہ کون تھا جس نے مجھے پڑھنے پر یوں مجبور کیا!'' اس قسم کے سوالات اپنے ضمیر میں کرتے ہوئے پہاڑیوں میں ہو کر چلنا شروع کر دیا۔

واقعہ مکاشفہ سے قبل اسی خلوت کے دوران ریاضت میں فکر و تعمق اور رویائے صادقہ کے پر تو میں قریش مکہ کی بت پرستی کی تاریکی تصور میں آگئی۔ سامنے تابہ حد نظر ایسا نور بکھرا ہوا ہے جس کی تابانی سے بتوں کی تاریکی نے شرم سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔ نور کی رو جس شے کا نشان دے رہی ہے وہ خدائے وحدہ لاشریک کا جلوہ ہے۔

دوسری مرتبہ فرشتہ کا نزول: اس منزل پر آکر تصور نے پھر پلٹا کھایا کہ یہ نصیحت کرنے والا کون تھا؟ جس نے مجھے خدا سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ انسان کا پیدا کرنے والا وہی ہے جس کی منزلت کی کوئی حد نہیں! اور اس کے کیا معنی ہیں کہ خدا ہی نے انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا؟

اسی طرح ڈرے اور سہمے ہوئے دماغ میں گونا گون تصورات تھے۔ حتیٰ کہ پہاڑ کے وسط میں آپہنچے تو کسی نے دفعۃً پکارا۔ آسمان کی طرف ڈرتے ہوئے نظر اٹھائی تو انسان کی شکل میں ایک فرشتہ آپ کو پکار رہا تھا۔ وہیں رک گئے جہاں پہلے سے کھڑے تھے اور فرشتہ کا تصور دماغ سے دور کرنے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن فرشتے کے وجود نے نظر کے سامنے پوری فضا کو گھیر رکھا تھا جو کبھی آگے قدم اٹھاتا ہے کبھی پیچھے ہٹ جاتا ہے فرشتہ کی حسین شکل و صورت نظر سے دور نہ کر سکے اور دیر تک اسی مقام پر کھڑے رہے؟۔

سیدہ خدیجہ کا اضطراب اور تلاش: ادھر سے بی بی نے آپ کی تلاش میں ایک شخص کو حرا میں بھیجا مگر آپ وہاں سے تشریف لے آئے تھے۔ تلاش کنندہ ناکام لوٹ آیا ادھر آپ کی یہ حالت کہ فرشتہ کے غائب ہو جانے سے نئی نئی کیفیتیں رونما ہو گئیں۔ وحی کے کیف سے روح سراپا انبساط و سرور مگر دل ابھی تک کانپ رہا ہے۔

دولت کدہ پر واپسی: دولت کدہ پر تشریف لے آئے اور اپنی مہربان بیوی سے فرمایا۔ ''مجھے جلدی کپڑا اوڑھا دیا جائے!'' بدن پر کپکپی تھی جیسے بخار آ گیا ہو۔ ذرا دیر بعد سکون آجانے اور اہلیہ کی ہمدردی حاصل کرنے کی غرض سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا۔ ''اے خدیجہ! مجھ پر کیا بیتی؟'' اور ان کے سامنے اپنا تمام ماجرا دھرانے کے ساتھ ان لفظوں میں اندیشہ ظاہر کیا۔ ''اے خدیجہ یہ کوئی لغزش یا کسی دشمن کی جادوگری کا کرشمہ نہ ہو؟''

جناب خدیجہ جو آج سے کچھ پہلے حرا ہی کے ایک رویا پر اپنے شوہر کے اسی طرح کے خوف و ہراس میں ان کے لیے فرشتہ رحمت بن چکی تھیں آج بھی اس صاحب فراست بی بی نے سراسیمگی دکھائے بغیر اپنے شوہر کی طرف احترام سے دیکھتے ہوئے عرض کیا۔

ابشر یا بن عم! و اثبت! فواللہ نفس خدیجۃ بیدہ انی لارجو ان تکون نبی ھذہ الامۃ واللہ! لا یخزیک اللہ ابدًا انک لتصل الرحم وتصدق الحدیث و تحمل الکل و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق۔

اے میرے عم زاد! شاداباش! و شاد زی! میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتی ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے امید ہے کہ آپ کو اس امت کی نبوت تفویض ہو گی۔

بخدا! آپ کبھی ناکام نہ ہوں گے اس

لیے کہ آپ انسان کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں - صدق مقال آپ کا دستور ہے مہمان کی تواضع میں آپ پیش پیش ہیں اور دوسروں کی مصیبت اپنے سر ڈال لیتے ہیں -

نیند سے ایک وقفہ کے بعد زندگی کا دوسرا رخ : جناب خدیجہ کی تسکین دہی سے آپ نے راحت حاصل ہونے پر ان کی طرف تشکرو اظہار مودۃ کی نظر سے دیکھا مگر تمام جسم تکان سے چور چور تھا - سو گئے تا کہ آج سے پہلے کی تھکن اتار کر خود کو ایسی زندگی کی راہ پر گامزن کریں جس میں تمام روحانی کمالات اس طرح جمع ہوں کہ جن کا ایک رخ خدا کی رضا جوئی میں سر گرم ہو اور دوسرا پہلو بندوں کے ادائے حقوق میں مصروف عمل، اپنے رب کی عطا کردہ رسالت کی تبلیغ میں جس کی دعوت بنی نوع انسان کو احسن طریق سے دی جائے خدا کے نور سے ہر شخص ہدایت یاب ہو سکے اگرچہ منکرین دل سے انکار ہی کیوں نہ کریں -

واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون (٨:٦١)	اللہ تعالی اپنا نور ہدایت تمام عالم میں پھیلانے کو ہے اگرچہ کفار کو برا کیوں نہ معلوم ہو -

۵

از بعثت تا به اسلام عمر رض

۵

از بعثت تا بہ اسلامِ عمرؓ

اس وقت سید العالمین محمد رسول اللہ گہری نیند میں ڈوب گئے۔ جناب خدیجہ کچھ دیر تک لطف و مہربانی کے جذبہ سے آپ کی طرف دیکھتی رہیں۔ ذرا دیر کے بعد ان کے تصور میں آئندہ کا وہ دور پھرنے لگا جس میں اپنے شوہر کو عرب کے رسول کی حیثیت میں اس حسن و زیبائی کے ساتھ جلوہ آرا دیکھا کہ آپ قوم کو ضلالت سے بچا کر اس دین کی طرف لا رہے ہیں جو صراط مستقیم ہے۔ اسی کے ساتھ سیدہ خدیجہ کے تصور میں کچھ خدشات بھی موجزن ہوئے کہ مبادا اس راہ میں چلنے سے ان کے نیک طینت اور وفادار شوہر ناقابل برداشت مصائب میں گھر جائیں۔ اسی کے ساتھ بی بی خدیجہ نے اس حسین و جمیل فرشتے کو بھی اپنے سامنے دیکھا جس کے تذکرے میں ان کے رفیع المنزلت شوہر نے نزول وحی کی واردات میں اس طرح فرمایا تھا اور اس فرشتہ کا وجود اس صورت میں متشکل تھا کہ ''میں جس طرف نظر اٹھاتا ہوں وہی دکھائی دیتا ہے''! اسی حالت میں سیدہ کے ذہن میں وہ کلمات آنا شروع ہوئے جو اس فرشتہ نے آپ کے رفیق زندگی کے دل پر نقش کر دیے تھے (م: اقرا باسم ربك الذی خلق (۹۶ : تابہ ''بالقلم،،)

اس عالم میں کبھی وہ اپنے مہربان شوہر کی کامیابی کے تصور سے مسرور ہوتیں اور کبھی آپ کے مصیبت میں گھر جانے کے خوف سے دل پکڑ کر بیٹھ جاتیں۔ انہوں نے امیدوبیم کے اس تلاطم سے بچ کر کسی حکیم و دانشمند کے سامنے یہ واردات بیان کرنے کا قصد فرما لیا۔

ورقہ بن نوفل سے گفتگو: اور سید نا خدیجہ اپنے عم زاد برادر ورقہ بن نوفل کے ہاں تشریف لے گئیں جو کچھ عرصہ قبل بت پرستی چھوڑ کر نصرانی ہوگئے تھے اور اپنے وفور علم کے سہارے انجیل کا عبرانی زبان سے عربی میں ترجمہ کرنے کی مہم شروع کر رکھی تھی۔ سیدہ نے ان کے سامنے آں حضرت (صلعم) کی تمام روئداد بیان کی۔ غار حرا کا واقعہ، (تلقین) فرشتہ سے معانقہ اور سوال و جواب، اول وحی کا نزول اور دوسرے تمام حوادث جو بی بی نے رسول اللہ کی زبان سے سنے تھے بیان کر دیے بعد میں آں حضرت کے متعلق اپنی امید و ہراس کا حرف بھی ضبط نہ کر سکیں۔

ورقہ کچھ دیر غور کرنے کے بعد یوں گویا ہوئے۔

قدوس! قدوس! والذی نفس ورقہ بیدہ لئن کنت صدقتنی یا خدیجہ لقد جاء الناموس الاکبر الذی کان یاتی موسیٰ وانہ لنبی ھذہ الامہ فقولی لہ فلیثبت!

سبحان اللہ! سبحان اللہ! جس ذات کے قبضہ میں ورقہ کی جان ہے اسی کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں اے خدیجہ! اگر ایسا ہی رونما ہوا ہے جیسا کہ تم کہہ رہی ہو

تو یہی فرشتہ وہ ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔

اور اے خدیجہ! آپ کے شوہر اس امت کے نبی ہوں گے ان سے عرض کر دیجئے کہ خطروں سے گھبرا نہ جائیں۔

سیدہ دولت خانہ پر واپس تشریف لے آئیں۔ (حضرت) محمد (صلوات اللہ علیہ) ابھی تک محو خواب تھے۔ بی بی نے اپنے شوہر کے چہرے کی طرف خلوص و محبت سے دیکھا۔ ابھی انھوں نے اپنی نظر ہٹائی نہ تھی کہ آں حضرت کے جسد گرامی پر لرزہ طاری ہو گیا۔ پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا اور دفعۃً جاگ اٹھے۔ یہ نزول وحی کی کیفیت تھی جس میں فرشتہ نے مندرجہ ذیل آیات تلقین کیں۔

یا یھا المدثر! قم فانذرo و ربك فکبرo وثیابك فطھرo والرجز فاھجر ولا تمنن تستکثر ولربك فاصبرo (۷۴: ۱ تا ۷)

چادر میں لپٹ کر سونے والے! تیار ہو جائیے تاکہ آپ لوگوں کو عذاب آخرت سے ڈرائیں۔ اپنے رب کی کبریائی بیان کیجیے۔ لباس میں نظافت کا خیال رکھیے۔ خود کو ہر برائی سے بچاتے رہیے۔ کسی پر احسان کر کے اس امید پر اسے نہ جتائیے کہ وہ آپ کو اس احسان کا بہتر معاوضہ پیش کرے اور مصیبتوں میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ دیجیے۔

جناب خدیجہ کا ایمان لانا: سیدہ خدیجہ یہ ماجرا دیکھ رہی تھیں۔ ان کی مہر و وفا نے بانداز لطف و محبت پھر سو جانے کی ترغیب دی تاکہ پوری طرح راحت حاصل ہو مگر آپ نے اپنی رفیقۂ زندگی سے بصد حسرت فرمایا۔

انقضیٰ یا خدیجہ" عہد النوم والراحہ" فقد امرنی جبریل ان انذر الناس و ان ادعو ھم الی اللہ والی عبادتہ فماذا و من ذا یستجیب لی۔

خدیجہ! نیند اور سکھ کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اس وقت جبریل نے اللہ کی طرف سے مجھے حکم دیا ہے کہ لوگوں کو اس کی طرف آنے کی دعوت دوں کہ وہی ذات واحد عبادت کے لائق ہے۔ لیکن خدیجہ! میں یہ کس سے کہوں! میری بات کون سنے گا!

(یہ سن کر) بی بی نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے استقلال پر متوجہ کیا اس کے بعد ورقہ بن نوفل کا ماجرا عرض کرتے ہوئے نہایت اشتیاق و خلوص کے ساتھ آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں۔

سیدہ خدیجہ کے مشاہدات دربارۂ رسالت مآب: ایمان لانے میں بی بی خدیجہ کی سبقت طبعی تھی۔ انھوں نے زندگی کے مسلسل دس سال اپنے شوہر کے ساتھ بسر کئے تھے جن میں آپ کے صدق مقال، علو روحانی اور حسن سلوک سے پیہم سابقہ رہا۔ انھوں نے اس دور میں ایک ہی حالت دیکھی، ذات حق کے ساتھ آپ کا دلی شغف! جب کہ دوسرے لوگ بتوں کی عبادت اور ان کے تقرب کے لیے دیوانے ہو رہے ہیں اپنے ان فرضی خداؤں کو نفع و ضرر دونوں کا مختار سمجھتے ہیں، بتوں کی عبادت فرض جانتے اور انھیں فریاد رس اور حاجت روا

سمجھتے ھیں۔ مگر اپنے شوھر گرامی کی لگن صرف ذات حق کے ساتھ دیکھی۔

بی بی نے طلب حق میں آپ کا قلب اور روح بت پرستوں کے تصورات سے بے انتہا اوج پر دیکھا۔ غار حرا کی خلوت سے پہلے دولت کدہ پر قیام کے دوران میں آں حضرت کے مشاغل بی بی سیدہ کے تصور میں گھوم رہے تھے۔ کس طرح سے زندگی بسر کر رہے ھیں۔ پھر آغاز بعثت کے موقعہ پر اس روز حرا سے واپس تشریف لائے تو سیدہ خدیجہ آپ کو فکر مند دیکھ چکی تھیں۔ نزول وحی کا ماجرا سنا تو خود بھی فرشتہ کے دیکھنے کا شوق ظاھر کیا۔ جس کے بعد (دولت کدہ پر) جبرئیل تشریف لائے تو بی بی نے آپ کو پہلے اپنی بائیں ران پر پھر دائیں جانب اور آخر میں اپنی آغوش میں لے کر اسی فرشتہ کے ساتھ ان کا حال و قال دیکھا اور سنا۔ ان کے تصور سے یہ بھی محو نہ ھوا تھا کہ فرشتہ کی رویت کے موقعہ پر ان کی چادر سر سے اتر آئی جسے انھوں نے فوراً اوڑھ لیا اور جب اس خیال سے فرشتہ کی طرف نظر اٹھائی کہ اس نے آپ کو برہنہ سر تو نہیں دیکھا اس وقت فرشتے کی توجہ کسی اور طرف مبذول تھی اس قدر پے درپے واقعات دیکھ کر بی بی کو اطمینان ھوگیا کہ وحی لانے والا فرشتہ ھی ھے کوئی جن یا شیطان نہیں۔

بعثت کے بعد پہلا طواف اور ورقہ بن نوفل سے ملاقات: اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) طواف کعبہ کے لیے حرم بیت اللہ میں تشریف لے گئے۔ یہاں ورقہ بن نوفل سے ملاقات ھوئی۔ آں حضرت نے انھیں اپنا تمام ماجرا سنایا جسے سن کر ورقہ نے کہا۔

والذی نفسی بیدہ انک نبی ھذہ الامہ" ولقد جاءک النا موس الاکبر الذی جاء موسیٰ ولتکذبن ولتوذین ولتخرجن ولتقاتلن ولئن انا ادرکت ذالك الیوم لانصرن اللہ نصراً بعلمہ

بخدا! آپ اس امت کے نبی ھیں جو ناموس حضرت موسیٰ پر نازل ھوا وھی آپ پر نازل ھوا ھے۔ مگر دیکھیے گا اے صاحب! یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں گے آپ کو تکلیف پہنچائیں گے حتیٰ کہ آپ کو مکہ سے نکال دیں گے اور اس کے بعد اھل مکہ آپ سے جنگ بھی کریں گے۔ اے صاحب! اگر میں ان موقعوں پر زندہ رھا تو ھر قدم پر رضائے الہی کی طلب میں آپ کی نصرت کروں گا۔

یہ کہ کر ورقہ نے فرط عقیدت سے آپ کے سرمبارک پر بوسہ دیا۔

ورقہ کی تصدیق کے بعد مزید تشویش و فکر: ورقہ کی تصدیق اور اظہار تشویش پر آپ گہری فکر میں ڈوب گئے۔ خدا وندا! یہ تو بڑی کٹھن راہ ھے! جب قریش کو دعوت دینے کا خیال گذرا تو اس تصور سے اور بھی کھو گئے۔ قریش کو ان کے باطل مفروضات سے باز رکھنا درکنار انھیں تو اپنے توھمات کی سرپرستی قائم رکھنے کے لیے جان کی بازی لگانے میں بھی تامل نہیں۔ ایسا موقعہ آھی گیا (جیسا کہ ورقہ کا خیال ھے) تو کیا ھوگا! میرے قرابت دار اور خاندان کے لوگ ھیں کیا یہ بھی میرے ساتھ ایسا ھی برتاؤ کریں گے!

دعوت کا اولین نقشہ: آپ نے اپنے ذھن میں قریش کی تبلیغ کا نقشہ کچھ اس انداز سے کھینچا کہ وہ سراسر گمراھی پر ھیں اور میں جس ذات کی انھیں دعوت دوں گا وہ عین حق ھے۔ ان کے روح اور قلب کو اوھام کے ملوثات سے پاک کر کے اس باری تعالی کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی دعوت دوں گا جو ان کا اور ان کے آباؤ اجداد کا خالق ھے۔ ان سے

کہوں گا کہ دلوں سے بتوں کی عظمت نکال کر ذات واحد کی عبادت کریں۔ ان کے حسب و نسب کے وثیقہ پر نہیں بلکہ عمل صالح کی قوت سے اللہ کے ساتھ تقرب کی تلقین کروں گا۔ قرابت داروں کے حقوق کی نگہداشت کی تلقین، مفلس مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت، پتھروں سے بت تراش کر ان کی عبادت کو اپنی نجات کا وسیلہ قرار دینے اور ان بتوں کی پرستش کے بدلے ہر قسم کے فسق و معصیت پر بخشش کی امید سے متنبہ کروں گا۔ کہ بتوں کی عبادت تو دل کو پتھر سے بھی زیادہ سخت اور شقی بنا دیتی ہے۔ میں انہیں سود خوری اور یتیموں کے مال سے پاک دامن رہنے کی ہدایت کروں گا۔ زمین و آسمان اور دوسری مخلوق خداوندی کی طرف غور کرنے کی ترغیب دوں گا جس سے ان کے نفس مین علو پیدا ہو سکے۔ وہ خالق ارض وسما کی عبادت کر کے خود کو ادنی محسوسات کی پرستش سے پاک کر لیں۔ اور جب اس مقام پر پہنچ جائیں تو گمراہوں کے لیے عذاب نہ بن جائیں بلکہ محبت و برہان کے ساتھ انہیں اپنی اختیار کردہ راہ پر لانے کی جد و جہد کریں میں انہیں یتیم و بے کس اور ناتوان کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کروں گا۔

(تصور ہی میں) ”مجھے اللہ نے اسی دعوت کا مکلف فرمایا ہے۔ لیکن آہ! یہ سنگ دل اہل مکہ طہارت نفس سے بیگانے جو اپنے اجداد کی پیروی میں بتوں کی عبادت پر جان چھڑک رہے ہیں، اپنی تجارت کا فروغ اور اطراف ملک سے حاجیوں کا مکہ مین آتے رہنا اپنے انہی خداؤں کی کشش کا کرشمہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ الہی! یہ لوگ اپنے بڑوں کی ڈگر چھوڑ دیں گے! ان کے شہر کو جو مرکزیت بتوں کی وجہ سے حاصل ہے اسے توحید پر قربان کر سکیں گے! جن دلوں میں خواہشات کا ہجوم ہے، اور خواہشات ہیں کہ انسان کو اپنے مقام سے گرا دیتی ہیں، اور مجبور کرتی ہیں کہ نفس کے ہر مطالبہ کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے، ایسے قلوب پاک ہو سکیں گے! انہیں عاقبت سے ڈرانے کے ساتھ شہوات اور بت پرستی سے منع کرنے پر اگر وہ ایمان نہ لائے تو میرا کیا حشر ہو گا! سب سے اہم اور مشکل یہی مرحلہ ہے۔“

التوائے وحی: رسول اللہ وحی کے انتظار میں تھے تاکہ اسی کے مطابق قدم اٹھایا جائے۔ لیکن جبرئیل کے تشریف نہ لانے سے وحی میں تاخیر واقع ہوگئی جس کے اثر سے آپ نے خاموشی اختیار کر لی۔ لوگوں کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ تک ختم کر دیا جیسا کہ وحی اول کے نزول سے قبل (اور حرا میں خلوت گزینی کے بعد) کی حالت بھی۔ سر نبوت کی محرم سیدہ خدیجہ اپنے رفیق حیات کی یہ بے اضطرابی پا گئیں۔ عرض کیا۔

ما اری ربك الا قد قلاک

صاحب! کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ پروردگار نے ناراض ہو کر آپ کو بھلا دیا ہے؟

اس سے آں حضرت کی پریشانی اور بھی سوا ہوگئی۔ دوبارہ حرا میں خلوت گزینی کے لیے تشریف لے گئے اور یکسو ہو کر حضور خدا وندی میں عرض کیا ”لم قلاہ بعد ان اصطفاہ“؟ (خداوندا! اسے اپنی تبلیغ رسالت کے لیے پسند فرما لینے کے بعد ناراض ہو کر بھلا دیا؟) ادھر اس واقعہ کے اثر سے بی بی خدیجہ بھی دولت خانہ میں بیٹھی ہوئی گھبرا رہی تھیں اور رسول اللہ کی تو یہ حالت ہوگئی کہ یاس میں گھبرا کر موت کی تمنا کرنے کے قریب پہنچ گئے۔ مگر دفعۃً اس اعزاز و منصب کا خیال آگیا جس پر آپ کو فائز کیا گیا تھا۔ یہ خیال آنے پر پھر خدا تعالی کی طرف راغب ہوئے ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ

اس یاس میں آپ نے کوہ حرا (یا کوہ ابوقبیس کی چوٹی سے گر کر خود کشی کا ارادہ بھی کر لیا کہ ایسی نعمت ملنے کے بعد اس سے محروم ہو جانے پر زندگی کا کیا لطف ہے!

تجدید وحی: آں حضرت اسی کشمکش میں تھے کہ ان آیات میں نزول وحی ہوا۔

والضحیٰ والیل اذا سجیٰ ما ودعك ربك وما قلیٰ و للاخرة خیر لك من الاولی ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ الم یجدك یتیما فاوی و وجدك ضالا فهدیٰ ووجدك عائلا فاغنیٰ فاما الیتیم فلا تقهر و اما السائل فلا تنهر و اما بنعمة ربك فحدث (۹۳ :۱-۱۱)-

(اے پیغمبر!) روز روشن اور شب تاریک ہر دو کی قسم! پروردگار نے آپ کو ناراضگی سے نہیں بھلایا آخر ابتدا سے بہتر ہی تو ہے! آپ کے لیے جلدی وہ بخشش ہونے کو ہے جس سے آپ کو خوشی ہوگی! (اور اے پیغمبر!) ماضی پر نظر کیجیے جب آپ یتیم تھے! اور اللہ نے آپ کے لیے بہتر سرپرستی کا انتظام فرمایا اور جب آپ نبوت سے آگاہ نہ تھے تو اللہ نے آپ کو اس سے سرفراز فرمایا اور جب آپ ضرورت مند تھے تو اللہ نے آپ کا دل مستغنی کر دیا آپ بھی یتیم کی دل آزاری روا نہ رکھئے اور نہ سائل کو زجر کیجئے بلکہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجا لائیے!

اللہ اللہ! تجدید وحی سے آپ کو کس قدر خوشی حاصل ہوئی روح میں سکینت بس گئی لبوں پر مسکراہٹ، دل مسرور اور یاس و خوف امید و مسرت سے بدل گئے زبان حمد الٰہی اور تقدیس خداوندی میں حرکت کرنے لگی بدن کا رواں رواں شکرو انابت الی اللہ میں مصروف ہوگیا بی بی خدیجہ نے جو خدشہ ظاہر کیا تھا (مبادا اللہ نے آپ کو ناراض ہوکر بھلا نہ دیا ہو!) دل سے اس طرح دور ہوگیا جیسے انہوں نے کہا ہی نہ تھا آج اللہ نے آں حضرت صلعم اور جناب خدیجہ دونوں سے محبت و رحمت کی تجدید فرمائی اس نے رسول اللہ کے دل سے تمام خدشات مٹا دیے اب سے دل میں پہلے کی طرح خود کشی پر میلان کا اندیشہ بھی جاتا رہا۔

اعلان رسالت کا اہتمام: لوگوں کو اس خدائے وحدہ لاشریک کی طرف دعوت دینے کا اہتمام ہونے لگا جس کے سامنے ارض و سما کا ایک ایک ذرہ سربسجود ہے مگر اسے چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا کی جاتی ہے جن کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں! اسی ایک ذات سے لو لگانا چاہیے اور اسی کی اطاعت میں روح کو فنا کر دیجئے یہ خیال ہر لمحہ دماغ میں گردش کر رہا تھا۔

اور یہ جو اس وحی (سورۂ والضحیٰ: نمبر ۹۳ : بر صفحہ : (۳۰۹) میں ''وللا آخرة خیرلك من الاولیٰ،، فرمایا تو یہ اشارہ ہے اس طرف کہ انسان تمام دنیوی علائق و تمتعات سے بے نیاز ہوکر خود کو اس ذات میں فنا کر دے جس میں منجذب ہوکر مکان و زمان اور حیات اعتبار کی کوئی وقعت نہیں رہتی اسی ''آخرت،، میں تو نور ''(ضحیٰ)،، کی تابانی آفتاب درخشاں کے جلووں میں صاف دکھا دیتی ہے یہ خیال بار بار ذہن میں آتا!

اور ''آخرت،، کیا ہے روز روشن، شب تاریک، آسمان، زمین اور پہاڑ جو ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ حقائق نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف روپ ہیں جن کے اندر پاک دل کی روح خوشی سے اٹکھیلیاں کرتی ہے یہی دلکش و پر فرحت مقام (یعنی آخرة) مقصد ہے

اس حقیر زندگی کے سفر کے لیے! یہی حقیقت ہے اور اس کے سوا ہر شے صورت بے معنی! اسی حقیقت نے اپنے پر تو سے (جناب) محمد (صلعم) کی روح کو منور فرمایا اور اسی حقیقت نے آپ کو لوگوں کے لیے رب کی طرف دعوت دینے کے لیے آمادہ کیا!

اور اسی نے امت کی دعوت کے لیے آں حضرت صلعم پر لباس کی نظافت و طہارت واجب فرمائی، اور اسی حقیقت (آخرۃ) نے آپ کو ہر قسم کی برائی سے دور رہنے پر آمادہ کیا اور اسی نے آپ کو راہ حق میں مصائب وآلام پر برداشت و تحمل کا خوگر بنا دیا اور حقیقت ہی نے آپ کو گم کردہ راہوں کے لیے نور علم کی مشعل روشن کرنے کی ہمت بخشی اس حقیقت و مقصد یعنی ''الاخرۃ،، ہی نے رسول کریم کو سائل اور یتیم پر زجر کرنے سے منع کرتے ہوئے جتا دیا کہ آپ کا منصب دنیا جہان کے مال و دولت سے زیادہ بیش بہا ہے اسے فراموش کرنا کیسا! ہمیشہ ہمیشہ اس نعمت (رسالت) پر خداوند عالم کا شکر ادا کرتے رہئیے (بمعنی آیہ : واما بنعمت ربكَ فحدث : سورۂ والضحیٰ) اگر چہ اس نعمت کے بعد دوسری نعمتوں کی فراوانی کی بھی حد نہیں! کہ آپ کو یتیمی میں اپنے دادا (جناب عبدالمطلب) کی سرپرستی حاصل ہوئی اور ان کے بعد عم بزرگوار (جناب ابوطالب) نے آپ کی کفالت فرمائی آپ کی غریبانہ زندگی کا مداوا آپ کی شریک زندگی بی بی خدیجہ نے اپنے مال سے کیا خلوت حرا کے زمانہ سے لے کر بعثت کے بعد اپنی زندگی تک! نہ صرف آپ کے لیے ان کا مال و دولت ہی قربان تھا بلکہ وفادار بیوی ہونے کے ساتھ وہ دانشمند، صائب الرائے اور برمحل مشورہ پیش کرنے میں بھی بے مثل تھیں۔

خدا کی یہ رحمت بھی دیکھئے کہ آں حضرت رسالت جیسی نعمت بے کراں سے آگاہ نہ تھے مگر اللہ نے آپ کو اس سے بھی بہرہ مند فرمایا چاہیے کہ آپ بھی دوسروں پر احسان جتانے کے بغیر انہیں توحید کی طرف آنے کی دعوت پیش کریں۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وہ امر جس کے لیے اس نے (جناب) محمد (صلعم) کو منتخب فرما لیا اور اس (ذات الالہ) نے آپ کو ناراض ہوکر فراموش نہ کیا (بمعنی آیہ ماودعك ربك وما قلیٰ : سورۂ والضحیٰ :)

فرضیت نماز اور اسلام علی: اللہ تعالی نے آں حضرت کو نماز کی تلقین فرمائی تو آپ اور آپ کی رفیقۂ حیات (جناب) خدیجہ اور محمد (صلعم) دونوں نے نماز پڑھنا شروع کر دی فرضیت نماز کے موقع پر علی بن ابی طالب بھی آں حضرت ہی کے دولت کدہ پر آپ کی کفالت میں تھے ہوا یہ کہ قریش کی کاروباری حالت بہت خراب ہوگئی جناب ابی طالب کثیرالعیال ہونے کی وجہ سے اپنے متعلقین کی آسانی سے کفالت پر قادر نہ رہے بنو ہاشم میں آں حضرت کے دوسرے عم بزرگوار سیدنا عباس تونگر تھے رسول اللہ نے جناب عباس سے فرمایا۔

ان اخاك اباطالب کثیرالعیال وقد اصاب الناس ماتریٰ من هذه الازمة! فانطلق بنا فلنخفف من عیاله اخذ من بنیه رجلا و تاخذ انت رجلا فنکفلهما عنه!

(اے عم بزرگوار!) آپ کے بھائی ابوطالب کثیر العیال ہیں اور قریش کی مالی حالت نازک ہو چکی ہے ان کے ہاں تشریف لے چلئے ہم دونوں مل کر ان کا بوجھ ہلکا کرنے کی تجویز کریں ان کے فرزندوں میں سے ایک صاحبزادہ کو میں اپنے گھر لے آؤں اور ایک کو آپ اپنے ہاں لے جائیے!

تب حضرت عباس نے جعفر کا ہاتھ پکڑ لیا اور آں حضرت علی کو اپنے ہاں لے آئے

اور آج سے لے کر آں حضرت کی بعثت کے بعد بھی علی آپ ھی کے دولت خانہ میں رھے! اسی دوران میں ایک روز ایسا اتفاق ھوا کہ علی باھر سے لوٹے تو آں حضرت صلعم اور سیدۂ خدیجہ دونوں نماز گذار رھے تھے علی رکوع و سجدہ اور قراءۃ دیکھ کر بےحد متعجب ھوئے اور جہاں کھڑے تھے وھاں سے قدم نہ ھٹایا نماز ختم ھونے پر علی نے عرض کیا۔

”آپ (دونوں) کس کے آگے سجدہ کر رھے تھے؟؟“

رسول خدا نے فرمایا، اے علی! ھم یہ سجدہ اس خدا کے حضور کر رھے تھے جس نے مجھے نبوت عطا فرما کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کا حکم دیا ھے اور اس کے ساتھ ھی بلا وقفہ کلام (رسول اللہ نے) اپنے عم زاد برادر (علی) سے فرمایا ”اے علی! اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرو! میری نبوت پر ایمان لاؤ! لات و منات اور ان جیسے بتوں کی پرستش سے کنارہ کشی اختیار کرلو!“ اس تلقین کے ساتھ آں حضرت صلعم نے تھوڑا سا قرآن پڑھ کر علی کو سنایا وہ اس کلام کی تاثیر میں گھر گئے اور اپنے برادر بزرگ (جناب رسالت مآب) سے عرض کیا ”اتنا وقفہ تو دیجئے کہ میں اپنے والد سے مشورہ کرلوں!“ علی نے یہ شب گونہ اضطراب میں بسر کی مگر صبح ھوتے ھی انھوں نے اپنے ایمان کا اعلان کرتے ھوئے عرض کیا کہ اس معاملہ میں مجھے اپنے والد سے مشورہ کرنے کی حاجت نہیں!

لقد خلقنی اللہ من غیر ان یشاور اباطالب فما حاجتی الی مشاورتہ لاعبداللہ!

اللہ تعالی نے مجھے ابوطالب سے مشورہ کیے بغیر پیدا کیا میں اس کی عبادت کے لیے اپنے باپ سے کیوں مشورہ حاصل کروں!

اس طرح اظہار ایمان کرنے کی وجہ سے جناب علی مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ھیں۔

زید بن حارثہ کا اسلام: جناب زید بن حارثہ جو بی بی خدیجہ کے زر خرید غلام تھے یہ دوسرے ھیں جو ایمان لائے اب اس زمرہ میں چار مومن داخل ھوگئے (رسول اللہ کے سوا) آپ[2] کی رفیقہ حیات، جناب علی[3] اور حضرت زید،[4] اب رسول الامین کو یہ فکر ھوئی کہ قریش میں اس مہم کا آغاز کس طرح کیا جائے! آپ کو خطرہ تھا کہ وہ آباؤ اجداد کے دین اور بتوں کی پرستاری آسانی سے ترک نہ کریں گے۔

اسلام ابوبکر: ابوبکر (ابن ابی قحافہ تیمی) آں حضرت صلعم کے دلی دوست تھے وہ شروع ھی سے رسول اللہ کی نیک دلی حفظ امانت و صدق مقال کے مداح تھے آں حضرت کو بھی ابوبکر کے اخلاص و یگانگت پر بھروسہ تھا گھر سے باھر سب سے پہلے ابوبکر ھی کے سامنے اپنی دعوت کا اظہار فرمایا جس میں نبوۃ اور وحی کے تمام مراحل کا تذکرہ بھی تھا یار وفادار کسی شک و تردد کا اظہار کیے بغیر آپ کی دعوت پر ایمان لے آئے۔

دنیا میں ایسا حق پرست کون ھے جو پتھر کی بنی ھوئی مورتیوں کو خدائے واحد لاشریک کی عبادت پر قربان نہ کر سکے! اسی طرح اللہ تعالی کی اس ھدایت و رھنمائی سے کون انکار کر سکتا ھے کہ اپنی پوشاک کی طہارت و نظافت میں کوتاھی نہ کیجئے، سائل کا سوال رد نہ کیجئے اور یتیم بچوں کے ساتھ حسن سلوک روا رکھئے (سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتوں کی طرف اشارہ :م:)

مومنین میں سب سے پہلے ابوبکر نے تبلیغ کی: ابوبکر مرد وجیہ اور پیاری شخصیت کے حامل ھونے کی وجہ سے مرجع انام تھے قریش میں انساب (شجرہ ھائے قبائل) میں

اعلم واقفہ تجارت پیشہ ہونے کی بدولت فارغ البال، فراست اور دانشمندی میں ممتاز احسان و مروت کا منبع! قریش میں ان کا بہت وقار تھا۔

وہ توحید کو انسان کے لیے نعمت بے کراں سمجھتے ابوبکر نے اپنے دوستوں کو بھی اس نعمت سے بہرہ مند ہونے کی دعوت شروع فرمادی۔

ابوبکر کی تبلیغ سے عثمان، ابن عوف و طلحہ و سعدو زبیر اور ابوعبیدہ کا ایمان لانا: ان کی دعوت سے قریش کے اکابر میں سے مندرجہ ذیل اصحاب نے اسلام قبول کیا عثمان۱ بن عفان عبدالرحمن ۲ بن عوف طلحہ۳ بن عبیداللہ سعد۴ بن ابی و قاص زبیر۵ بن العوام اور کچھ دنوں کے بعد ابوعبیدہ۶ بن جراح اور مکہ سے باہر بھی ابوبکر کی تبلیغ سے بے شمار لوگ ایمان لے آئے!

عہد اول میں ایمان لانے کے بعد: اہل مکہ میں جو لوگ ایمان لاتے رسول اللہ کی خدمت میں باریاب ہو کر اپنے ایمان کا اظہار کرتے اور آں حضرت سے ضروری مسائل عقائد و اعمال کی تعلیم حاصل کرتے مگر یہ لوگ قریش سے اپنا اسلام مخفی رکھتے مبادا بتوں سے ان کی بے زاری مشرکین کو ان کے درپے آزار کر دے وہ ادائے نماز کے لیے پہاڑیوں میں چلے جاتے اور وہاں چھپ کر نمازیں پڑھتے اس طرح مسلسل تین سال۔ گذر گئے مسلمانوں کی تعداد یوماً فیوماً بڑھتی گئی اور اس دوران میں جو جو آیات نازل ہوئیں ان کی وجہ سے ان کے ایمان و استقلال میں اضافہ ہوتا گیا۔

اسلام کی قبول دعوت میں آں حضرت کے کردار کا اثر: ہر شے سے کہیں زیادہ رسول اللہ کے حسن کردار نے لوگوں کو اسلام پر مائل کیا آں حضرت صلعم تمام برگزیدہ صفات سے متصف تھے جو ہرطینت سے بہرہ مند اور رحم و کرم طبیعت کا خاصہ ہی تھا تواضع اور ملنساری میں نمایاں شجاعت و مردانگی میں بے مثل شیریں گفتاری میں ضرب المثل عدل پسندی اور مراعات حقوق کی نگہبانی میں پیش پیش کمزور مسکین و محتاج اور یتیم پر پدرانہ شفقت کے خوگر دوستوں کے ساتھ احسان و بخشش اور مروت و مودت میں بے نظیر! یہ تو جلوت کے معمولات تھے۔

جونہی شب کی تاریکی دنیا پر چھا جاتی آں حضرت صلعم بستر راحت پر آرام فرمانے کی بجائے عبادت و ریاضت میں مصروف ہو جاتے خود پر نازل شدہ آیات پر غور فرماتے کبھی زمین اور آسمان کی وسعتوں کو دیکھ کر خالق ہر دوسرا کی قدرت پر توجہ، اسی طرح کائنات کے ذرہ ذرہ پرا! اور ایسے ہی خدائے واحد ویکتا کی کبریائی کے تصور میں زندگی کو مفید تر بنانے کے لیے محبوب برحق کی سرپرستی و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے دعائیں کرتے!

اپنے پیشرو کے یہ معاملات دیکھ کر مومنین کے ایمان میں دن بدن اضافہ ہوتا اس اندیشہ کے باوجود کہ مبادا ہمیں اپنے بڑوں کے دین سے منحرف ہونے پر بت پرست ستانا شروع کر دیں! حتیٰ کہ مکہ کے تجارت پیشہ اور اشراف و وجیہ حضرات کے ساتھ کچھ غریب و نادار اور مفلس لوگ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے جن ”سابقین اولین“ میں کئی خوش نصیب بیبیاں بھی تھیں۔

اسلام کے متعلق اہل مکہ کی غلط امیدیں: اور (حضرت) محمد (صلعم) کا چرچا مکہ کے گھر گھر میں ہونے لگا! **اہل مکہ میں جن کے** دلوں پر **شقاوت** کے پردے پڑے ہوئے تھے ان کی محفلوں میں چرچے ہونے لگے کہ اس دین میں بھی قس، امیہ، اور ورقہ کی پذیرائی سے زیادہ قوت نہیں جس طرح دوسرے رہبان و حکما کی محفلیں آج سونی نظر آتی ہیں اسی

طرح مسلمان کہلانے والے بھی چند روز میں اپنے بڑوں کے دین کی طرف لوٹ آئیں گے آخر ہبل جیسا پرہیبت دیوتا! یہ لات و عزیٰ جیسے غیرت مند خدا! اور ان سے بھی بڑھ کر اساف و نائلہ جیسے قہرمان جنہیں قربانی کے خون میں تیرایا جاتا ہے اپنے منکروں کو یونہی آوارہ چھوڑے رکھیں گے! ہرگز نہیں! وہ ان مسلمان کہلانے والوں کو جلدی اپنے حضور سرنگوں کر کے رہیں گے!

افسوس! اہل مکہ کو اس کی ہوا بھی نہ لگی تھی کہ ایمان صادق پر کوئی طاقت غالب نہیں آسکتی، اور کامیابی صداقت کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے۔

دعوت اسلام: تین سال متواتر در پردہ تبلیغ جاری رہنے کے بعد اسلام کی دعوت صلائے عام کے درجہ پر آگئی وحی نازل ہوئی کہ:

۱۔ و انذر عشیرتك الاقربین واخفض جناحك لمن اتبعك من المومنین فان عصوك فقل انی بریء مما تعملون (۲۶: ۲۱۴ تا ۲۱۶)۔	(اے پیغمبر!) اپنے رشتہ داروں کو عذاب آخرت سے ڈرائیے اور اپنے موسن پیروؤں کے لیے حسن سلوک جاری رکھئے جو لوگ آپ کے کہنے پر عمل نہ کریں تو اس عمل میں ان سے بے زاری کا اعلان فرما دیجئے۔
۲۔ فاصدع بما تومرو اعرض عن المشرکین (۱۵: ۹۴)	(اے پیغمبر) اپنی دعوت کو آشکار کر دیجئے اور مشرکین سے رو گردانی کر لیجئے!

تبلیغ کے لیے دعوت طعام: رسول خدا نے اپنے تمام قرابت داروں کو دعوت طعام میں دولت خانہ پر جمع کرکے توحید کی طرف دعوت دی جن میں سے آپ کے چچا ابولہب دوران کلام ہی میں آتش زیرپا ہوکر بڑ بڑا اٹھے اور لوگوں کو بہکا کر اپنے ساتھ لے نکلے۔

رسول اللہ نے اسی قسم کا ایک موقعہ اور نکالا دوبارہ انہیں دولت خانہ پر جمع کیا جب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

ما اعلم انسانا فی العرب جاء قومه بافضل مما جئتکم به قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرة وقد امرنی ربی ان ادعوکم الیه فایکم یوازرنی علی هذا الامر؟	اہل عرب میں سے آج تک کوئی شخص مجھ سے بہتر پیغام نہیں لایا یہ پیام دنیا اور عقبیٰ دونوں کی بھلائی کا راہنما ہے اس پیام میں اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی طرف بلاؤں، آپ میں کون میرا پیام قبول کرتا ہے؟

یہ سن کر تمام حاضرین نے منہ پھیر لیا اور اٹھ کر اپنے اپنے گھر کی راہ لی مجلس میں علی بن ابی طالب بھی تشریف فرما تھے جو ابھی بالغ بھی نہ ہوئے تھے مگر ہمت و جان نثاری کا یہ عالم کہ بھری مجلس میں لبیک کہتے ہوئے عرض کیا:

انا یا رسول اللہ عونك انا حرب علی من حاربك!	یا رسول اللہ! میں آپ کی یاوری کروں گا اور جو شخص آپ سے جنگ کرے گا میں اس سے جنگ کروں گا۔

بنو ہاشم میں سے بعض اشخاص علی کے ان کلموں پر حقارت سے مسکرا اٹھے بعض ہنس دئیے کسی نے ابوطالب کی طرف دیکھا کسی نے علی کے چہرے پر نظریں جمائیں اسی طرح

سب کے سب تمسخر اڑاتے ہوئے اپنے گھروں کی طرف چل دئیے۔

کوہ صفا کی منادی: اس حلقہ کے بعد آں حضرت (صلعم) نے اہل مکہ میں علانیہ دعوت شروع فرما دی، ایک روز کوہ صفا پر کھڑے ہو کر باواز بلند قریش! قریش کہہ کر پکارا انھوں نے سنا تو امنڈ کر آ گئے اور آپ سے پکارنے کی وجہ دریافت کی فرمایا۔

ارء یتم لوا خبرتکم ان خیلا بسفح ھذا لجبل اکنتم تصدقونی؟	(اے قریش!) اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر جرار چھپا بیٹھا ہے تم میری بات صحیح سمجھ لو گے؟

قریش نے جواب دیا۔

نعم! انت عندنا غیر متھم وما جربنا علیك کذبا قط!	ہاں! ہم آپ کی بات کو صحیح تسلیم کریں گے آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں!

پھر فرمایا۔

فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید یا بنی عبدالمطلب! یا بنی عبد مناف یا بنی زھرۃ! یابنی تیم! یا بنی مخزوم! یا بنی اسد ان اللہ امرنی ان انذر عشیرتی الاقربین و انی لا املك لکم من الدنیا منفقۃ" ولا من الاخرۃ نصیبا الا ان تقولوا ”لا الہ الا اللہ،،!	(اے دوستو!) تم پر عذاب نازل ہونے سے پہلے میں تمہیں محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ اے بنو عبدالمطلب! اے خاندان عبد مناف اے ابنائے زھرہ! اے اولاد تیم! اے قبیلہ مخزوم! اے فرزندان اسد! سب حضرات غور سے سنیں! کہ اللہ نے مجھے اپنے یک جدی قرابت داروں کو عذاب آخری سے متنبہ کرنے کا حکم دیا ہے اگر آپ لوگوں نے خدائے واحد لاشریک کی پرستش نہ کی تو میری قرابت داری دنیا و عقبیٰ کسی میں بھی کام نہ آسکے گی!

ابولہب کا شعلہ حسد: ابولہب (از قبیلہ ھاشم) جو اپنے بڑوں کے دین پر مضبوطی سے قائم تھا اور غضب و غصہ میں شعلہ جوّالہ! آں حضرت صلعم کی تنبیہہ پر اس کی زبان سے نکلا:

تبآ لک سائر ھذ الیوم! الھذا جمعتنا؟	(ارے تو سدا برباد رہے ایسے کام کے لئے تو نے ھمیں بلا لیا

اس کی زبان سے یہ کلمات سن کر رسول مقبول حیران رہ گئے (الہی میرا چچا کیا کہہ رہا ہے) ذرا وقفہ کے بعد وحی نازل ہوئی

تبت یدا ابی لھب وتب ما اغنی عنہ ما لہ وما کسب سیصلی ناراً ذات لھب (۱۱۱ : ۱ تا ۳)	(اے پیغمبر!) ابولہب خود ھی سدا کے لئے تباہ ہو گیا اس کا مال اور کوشش کوئی اس کی یاوری نہ کر سکیں گے عنقریب ایسی آگ سے اسے دوچار ہونا ہے جس کے شعلے اسے بھسم کر دیں گے

چنانچہ ابولہب کا غیظ و غضب اور اس کے یاران طریقت کی تدبیریں اہل مکہ کو

اسلام لانے سے نہ روک سکیں ۔ کوئی دن ایسا نہ تھا جب ان میں سے تھوڑے بہت لوگ اسلام میں داخل نہ ہوتے ۔ یہ حضرات سلامتی کے اس حصار میں داخل ہوتے ہی دنیا کی طرف پشت کر کے اسلام پر اس طرح متوجہ ہو جاتے کہ نہ ان کی تجارت انھیں احکام الٰہی کی تعمیل سے روک سکتی اور نہ ان کی بیع و فروخت ان کے خلوص وتقویٰ میں رخنہ انداز ہونے پاتی[1]، انھوں نے اپنے راهنما کی ہر بات پر بلا تردد عمل کرنا اپنا وظیفہ حیات سمجھا۔

دوستداران محمد (صلوات اللہ علیہ) نے اپنے ہادی کو اچھی طرح پرکھ لیا کہ نہ تو آپ کو اپنی رفیقہ حیات کی دولت کی طمع ہے نہ اپنے لئے جمع مال و زر کی ہوس! ان کی دولت دوسروں کے ساتھ محبت و لطف کے ساتھ پیش آنا ، ان کے ساتھ اظہار مودت اور ان کے نقائص سے چشم پوشی کرنا ہے ۔

اور اس پر وحی بھی نازل ہوئی جس میں انفراداً جمع مال و زر کو روحانیت کے لئے روگ بتایا گیا :

الھکم التکاثر حتی زرتم المقابر ۔ کلا سوف تعلمون ۔ ثم کلا سوف تعلمون ۔ کلا لو تعلمون علم الیقین ۔ لترون الجحیم ثم لترونھا عین الیقین ۔ ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم ۔ (۱۰۲ : سورۃ التکاثر)	کثرت اموال و مناصب کے فخر نے تمہیں اس قدر مشغول کر رکھا ہے کہ اسی لگن کو قبروں میں اپنے ساتھ لے جاؤ گے لیکن تم یقیناً عنقریب اس ہوس کا حشر دیکھ لوگے جب تمھیں دوزخ نظر آئے گا اور مال و زر کے مصرف پر تم سے جواب طلب کیا جائے گا ۔

(حضرت) محمد (صلعم) نے جس لازوال نعمت کی دعوت پیش کی اس سے کون سا مال و جاہ بہتر ہو سکتا ہے اور یہ آزادی کی نعمت ہے جس پر نہ کوئی نگران ہے نہ اس کے ارد گرد کوئی حصار! یہ حریت اہل عرب کی عزت نفس و بقائے دوام تھی! کیا آں حضرت نے لوگوں کو شرک کی ادنیٰ سے ادنیٰ قسم سے آزاد نہیں کیا؟ کیا ان بے مایہ بتوں کا واسطہ جو خدائے واحد کی پرستاری میں مانع تھے انھیں ملیا میٹ نہیں کیا؟ لوگوں کے دل سے ہبل و لات و عزیٰ جیسے فرضی خدایان خدایگاں کی ہیبت حرف غلط کی طرح مٹا دی ، مجوس کے آتش کدوں کے صد سالہ الاؤ نم آلودہ ہو گئے ۔ اہل مصر کی آفتاب پرستی کا ولولہ ماند پڑ گیا ۔ ستاروں کے پجاری خدائے برتر کے حضور سجدہ ریز نظر آنے لگے ۔ ان انسانوں

---

[1] مولف علام کا کنایہ ان آیات کی طرف ہے : صدق اللہ ورسولہ :

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاصال رجال لا تلھیھم تجارۃ وبیع عن ذکر اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والابصار (۲۴ : ۳۶/۳۷) ۔	رہائش کے گھر جن میں اللہ نے اپنا ذکر کرنے کا حکم صادر فرمایا وہ لوگ ان گھروں میں بھی اللہ کی تقدیس صبح و شام ہر وقت زبانوں پر جاری رکھتے ہیں ۔ ان لوگوں کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد میں مانع نہیں ہو سکتے ۔ الخ :م:

فرشتوں اور جنوں کی اس تقدیس کا دامن پارہ پارہ کر دیا جن کی پرستش کی جاتی اور جو صدیوں سے خدا اور اس کے بندوں کے درمیان حجاب اکبر بنے ہوئے تھے!

اس نبی نے پرستش اعمال کی مختاری پر صرف ایک ذات مطلق کی تعلیم دی لوگوں کو بتایا کہ ان کی وہ نیکیاں شفاعت کریں گی جن کا وزن خود ان کی ترازو نے راجح قرار دیا ہو! اس نے فرمایا کہ خود انسان کا ضمیر اس کی ایک ایک سانس پر اس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے آخرت کا محاسبہ بھی اسی ضمیر کی روشنی میں ہوگا۔

یہ ایسی حریت ہے جس کی دعوت (حضرت) محمد (علیہ السلام) نے دی۔ اگر اس کی تسلیم میں کسی کو تردد ہو تو اسے اپنی آزادی کے حدود و معاملات کے مقابلے میں جانچ کر دیکھ لے۔ کیا ابولہب اور اس کے ہمدم لوگوں کو اسلام ہی کی متوازن و متساوی آزادی کی دعوت دے رہے تھے! یا لوگوں کو غیر اللہ کی پرستش پر قائم رکھنے کے لیے خود کو بھی ہلاک کر رہے تھے۔ جن کے خرافات ذلائل صدیوں سے نور حق و ضیائے ہدایت کے درمیان حجاب بنے ہوئے تھے۔

نفوذاسلام کے استیصال کی فکر: اسلام کی قوت نفوذ دیکھ کر ابولہب، ابوسفیان اور دوسرے اکابرین قریش دم بخود رہ گئے کہ اگر (حضرت) محمد (صلعم) کو اسی طرح عروج حاصل ہوتا گیا تو ہمیں اپنی سیادت و تونگری اور کھیل تماشوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ قرار پایا کہ رسول اللہ کی مسلسل توہین کی جایا کرے جس سے نبوت کی تکذیب خود بخود ہوتی رہے گی مجلسوں اور گذرگاہوں پر مشہور شعرا سے ہجویہ قصائد پڑھوانے شروع کیے جن میں ابوسفیان بن حارث عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن زبعری جیسے جادو بیان شاعر اپنی شعلہ بیانی سے عوام کو آں حضرت کے خلاف بھڑکاتے ان قصیدوں میں جی کھول کر رسالت مآب کی منقصت ہوتی ادھر سے بعض مسلمان شاعر بھی جواب دیتے لیکن رسول اللہ کو اس معارضہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

معجزہ طلبی: اسی زمانہ میں اہل مکہ میں سے وہ لوگ جو شاعر نہ تھے آں حضرت سے اپنی تعیین کے مطابق ایسے معجزات کے طلب گار ہوئے جن کے ظہور سے آپ کی رسالت کی تصدیق ہو سکے جیسا کہ انہوں نے موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) کے معجزوں کا ذکر سن رکھا تھا اہل مکہ نے مندرجہ ذیل معجزے طلب کیے:

۱۔ کوہ صفا و مروہ دونوں پہاڑیاں سونے کی ہو جائیں!
۲۔ وحی کتابت شدہ شکل میں ہمارے سامنے آسمان سے نازل ہو!
۳۔ جس جبرئیل فرشتہ سے ہم کلامی کی آپ حکایت کیا کرتے ہیں یہ گفتگو اس فرشتے سے ہمارے بالمواجہہ کیجئے!
۴۔ مردوں کو زندہ کر کے دکھایا جائے!
۵۔ یہ پہاڑ جو شہر مکہ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے کھڑے ہیں انہیں یہاں سے اٹھوا کر دور پھنکوا دیا جائے تاکہ اہل مکہ کھلی ہوا میں سانس لے سکیں!
۶۔ پانی کی فراوانی کے لئے مکہ کے چاروں طرف ایسے چشمے ابل پڑیں جن کا پانی زمزم سے زیادہ خوشگوار ہو!

فی الحقیقت یہ تمسخر تھا یہاں تک زیادتی کی گئی، کہ

۷۔ ہمارے فروغ تجارت کے لئے ہمیں روزانہ کے نرخ اپنے خدا سے پوچھ کر بتایا کیجیے!

اهل مکه کے اس مسخره پن کے جواب میں یه آیت نازل هوئی

قل لا املك لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء الله! ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون (۷ : ۱۸۸)

(اے پیغمبر!) ان سے فرما دیجیے که میں الله کی مشیت کے بغیر خود اپنے نفع و ضرر پر بھی قادر نہیں هوں اگر میں اتنا هی مختار هوتا تو خود اپنے لئے بہتری کے ذخیرے جمع کر لیتا اور کوئی تکلیف و مصیبت اپنے قریب نه آنے دیتا مگر ان میں سے کوئی امر میرے اختیار میں نہیں میں تو ایمان لانے والوں کے لیے صرف منذر و مبشر هوں

ذات کبریا نے تو آں حضرت کو ''انذار،، و ''بشارت،، کے لیے مبعوث فرمایا تها مگر یه لوگ آپ سے ایسے مطالبات کرنے پر تلے بیٹھے تھے جن کی تصدیق پر عقل خاموش هے خدا کا رسول اسی قدر بتا سکتا هے جس قدر الله کی طرف سے اس پر کلام نازل هو!

بخلاف منکرین کے که رسول خدا کا ان لوگوں سے مطالبه عین دانش پر مبنی تها جس کی تصدیق ان (منکرین) کی وحی نفس جیسی قوت قدسی نے بھی کی، حیرت هے که قرآن جیسے مرقع هدایت کے هوتے هوئے یه لوگ معجزوں کے طلبگار هوئے! مگر قرآن کی طرف نظر اٹھا کر نه دیکھا! جو خود هی معجزات کا شاهکار هے۔ انهوں نے تصدیق رسالت کے لیے معجزه کو ضروری کیوں سمجھ لیا اور اگر ان کے مطالبه کی تعمیل هو جاتی تو پھر بھی ان کے وسوسے دور هونے کا یقین ناممکن هے (م : فقد سالوا موسیٰ اکبر من ذلك فقالوا ارنا الله جهرة (۴ : ۱۵۲ : حضرت موسیٰ سے تو ان کی قوم نے اس سے بھی بڑھ کر مطالبه کیا که ''اے موسیٰ! آپ هم کو خدا بعینه دکھا دیجیے،،)! بلکه ان کا یه پہلو زیاده نمایاں هے که اپنے مطلوبه معجزات پورے هونے پر انکار کے لیے کوئی اور راه نکال لیں گے۔

سوال یه هے که منکرین نے اپنے مفروضه معبودوں کی خدائی تسلیم کرنے سے پہلے ان کا کون سا معجزه دیکھ لیا تها جنهیں خود هی کاٹھ اور بے مصرف پتھروں سے گھڑ کر بت خانوں میں اٹکا دیا ایسے پتھروں کو تو مختارالکل هی سمجھ لیا جو صحرا میں ایک جگه گڑ کر ره گئے تھے۔ صرف اسی وجه سے انهوں نے معبودیت کے مقام پر فائز سمجھ لیا لیکن ان میں سے هر بت کی یه بے بسی که خود اپنے نفع و ضرر پر قدرت نہیں! کیا ان بتوں کی پرستش انهوں نے بغیر طلب دلیل شروع نہیں کی؟ هاں هم تسلیم کرتے هیں که ان بتوں سے دلیل طلب کرنا بے انصافی تھی۔ اگر یه لوگ ان سے دلیل کے لئے لاکھ التجائیں بھی کرتے لیکن خشک لکڑی اور بے حس پتھر سے جو زندگی کی رمق سے محروم اور نقل و حرکت سے قاصر هوں دوسروں کا نفع و ضرر تو کجا! خود ان پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے تو اسے هٹا نہیں سکتے وه اپنی خدائی کے لیے دلیل کیسے دے سکتے تھے!

بت پرستی کی برملا تردید: ابھی تک آں حضرت کی زبان پر بتوں کی بے چارگی کا چرچا نه آنے پایا تها لیکن اب سے آپ نے ان کی درماندگی کا چرچا عام کر دیا جس سے قریش کے سینے پر سانپ لوٹ گیا اور انهیں رسول برحق کی وجه سے اپنے مستقبل کی فکر پڑ گئی۔ اس سے پہلے وه آں حضرت کی باتوں پر تمسخر اڑانا اپنا دهرم سمجھتے۔ چوپال

(دارالندوہ) میں کعبہ کے پاس بیٹھ کر بتوں کی آرتی لگاتے اور ہر مجلس میں آپ پر تمسخر اڑا کر دل کے پھپھولے پھوڑتے رہتے۔ تنہائی میں رسول اللہ کی روش سے لات و عزیٰ اور دوسرے بتوں کی طرف داری کے غم میں انگاروں پر لوٹنے لگتے ۔ لیکن اب معاملہ ان حدود سے آگے گزر گیا تھا ۔ اب انہوں نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا کہ اگر محمد نے مکہ کے عوام کو قریش کے خلاف ابھار لیا یا اس کے اثر سے اطراف کے رہنے والے لوگ مسلمان ہو کر ہمارے بتوں کو چھوڑ بیٹھے تو اس سے نہ صرف مکہ کی دینی عظمت مٹ جائے گی بلکہ ہماری بیرونی تجارت اور مکہ کی اتنی بڑی منڈی بھی ختم ہو جائے گی ۔

قریش کا ابو طالب سے گلہ : قریش یکے بعد دیگرے تین مرتبہ شوریٰ کر کے ابو طالب کے حضور یہ فریاد لے کر گئے ۔ جناب ابو طالب کی اپنی یہ حالت تھی کہ اسلام سے کنارہ کشی کے باوجود اپنے عزیز از جان برادر زادہ کی نصرت میں کوتاہی نہ کرتے اور قریش کو بھی یہ علم تھا ۔

پہلا وفد : قریش کا پہلا وفد ابوسفیان بن حرب کی صدارت میں ابوطالب کے حضور یوں گلہ گذار ہوا :

اے ہمارے سردار! آپ کے برادر زادہ نے ہمارے خلاف قیامت برپا کر رکھی ہے۔ ہمارے بتوں کی علانیہ توہین ان کا شیوہ ہوگیا ہے ۔ ہمارے دین کی تخفیف سے خود کو روکتے ہی نہیں! قریش کے مرحوم اسلاف کی منقصت انہوں نے اپنا فرض بنا رکھا ہے ۔ انہیں کھلم کھلا وہ نالائق اور بے عقل بتاتے ہیں اور تو اور وہ ہمارے بزرگوں کو گمراہ کہنے میں بھی باک نہیں سمجھتے ۔

اے بزرگ قوم! محمد (صلعم) کی ان باتوں سے ہمارے کلیجے میں ناسور ہوگیا ہے آپ سے درخواست ہے :

(الف) ۔ انہیں منع کر دیجیے (ب) ۔ یا ان کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیجیے
پھر ہم ان سے سمجھ لیں گے ۔
غنیمت ہے کہ آپ ان کی بجائے ہمارے ہی عقیدہ پر ہیں ۔

ابو طالب نے انہیں مناسب جواب دے کر رخصت فرما دیا ۔ ادھر رسول پاک بدستور تبلیغ میں سرگرم اور بتوں کی بے چارگی بیان کرنے میں منہمک رہے جس سے مسلمانوں کی تعداد اور بڑھ گئی ۔ قریش کے دل کا ناسور بھی گہرا ہوگیا ۔

دوسرا وفد :

غصے سے بے قابو قریش نے پھر ایک شوریٰ کیا اور وفد کی صورت میں جناب ابو طالب کی خدمت میں پہنچے ۔ اس مرتبہ وہ قریش کے ایک نونہال عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو اپنے ہمراہ لے گئے ۔ یہ نوجوان شجاعت میں ممتاز ہونے کے ساتھ حسن و زیبائی میں بھی بے مثل تھا ۔ وفد نے سیدنا ابو طالب سے درخواست کی :

محمد (صلعم) کو ہمارے حوالے کر دیجیے ،ور ان کے عوض مین عمارہ کو اپنی فرزندی کی عزت بخشیے۔

مگر جناب ابو طالب نے اس تجویز سے اتفاق نہ فرمایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بدستور تبلیغ میں سرگرم رہے ۔

تیسرا وفد :

پھر شوریٰ ہوا اور قریش کے وفد نے جناب ابوطالب کے حضور یہ مطالبہ پیش کیا :

اے ابوطالب! آپ نہ صرف سن میں ہم سب سے بڑے ہیں بلکہ مرتبہ میں بھی تمام قریش میں ممتاز و سربلند ہیں۔ پہلے بھی آپ سے درخواست کی کہ اپنے برادر زادہ کو ہماری دشمنی سے منع فرما دیجیے مگر آپ نے انہیں ان کے کام سے ابھی تک نہیں روکا۔

اے بزرگ قوم! بخدا، اب ہم سے ضبط نہ ہوگا آپ کے برادر زادہ ہمہ وقت ہمارے بزرگوں کی توہین کرتے رہتے ہیں۔ پہلے ہی کی طرح وہ ہمارے اسلاف کی تذلیل میں منہمک ہیں اسی طرح ہمارے بتوں کی مذمت جاری ہے۔

اگر اب بھی آپ انہیں منع نہ کریں گے تو ہمیں آپ سے جنگ کرنا پڑے گی تاکہ معاملہ ایک طرف ہو جائے۔

آج ابو طالب کو قریش کی دشمنی کا بہت زیادہ احساس ہوا۔ وہ اس فکر میں ڈوب گئے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے، باوجودیکہ ابو طالب اپنے برادر زادہ کے دین میں داخل نہ تھے۔ مگر انہیں اپنے برادر زادہ کی توہین بھی تو گوارا نہ تھی۔ ابو طالب نے آں حضرت کو بلا کر امر واقعہ حرف بحرف سنانے کے بعد کہا:

اے برادر زادہ من! میری اور اپنی دونوں کی بقا کا خیال رکھیے اور مجھے ایسی مصیبت میں نہ ڈالیے جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔

اپنے عم مہربان کی تنبیہ سن کر پہلے تو آپ خاموش ہو گئے لیکن ذرا دیر بعد تخیل میں پہلی سی روانی پیدا ہو گئی۔ جہاں مستقبل کے نقشہ میں دو مختلف راہیں نظر کے سامنے تھیں کامرانی اور ناکامی کی راہیں۔ (۱) انسان دنیا میں سربلند ہو کر زندگی بسر کرے گا۔ یا (۲) راہ حق سے بھٹک کر ہلاک ہو جائے گا! دونوں ہونٹوں میں حرکت ہوئی اور مدھم آواز سے جسے کوئی نہ سن سکے جو الفاظ پیدا ہوئے ان سے دنیا کی آیندہ سرگذشت متعین ہو گئی۔ نہیں ہو سکتا کہ انسان تاریکی میں مارا مارا پھرے۔ پژمردہ اور پریشان حال دین مسیح بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں آتش پرستوں کا قبضہ رہے۔ بت پرستی کے اوہام باطلہ بھی اپنی کھوکھلی بنیادوں کے سہارے سر بلند نہیں رہ سکتے۔ اب حقیقت کا جلوہ توحید کے درخشاں چہرے کو بے نقاب کر کے رہے گا۔ عقل و شعور کو بتوں کی غلامی سے آزاد کرنے کا زمانہ آ گیا۔ دل اوہام کی قید سے رستگار ہوگا۔ اور یہ قوت انسان کی پرواز کو ملاء اعلی کے ہم دوش کر دے گی! بیشک میرے عم مہربان کمزوری کی وجہ سے میری نصرت نہیں کر سکتے۔ وہ مجھے میرے دشمنوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہیں۔ میرے مسلمان ساتھی بھی اپنی بے بسی کی وجہ سے میری حمایت کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ لوگ قریش جیسے جتھہ بند کثیر التعداد اور مال دار گروہ کے مقابلہ میں لڑائی کی جرات کیسے کر سکتے ہیں! نہ سہی! کوئی میری مدد نہ کرے۔ وہ طاقت حقہ تو میری نصرت پر کمر بستہ ہے جس کے ناموں میں سے ایک نام ''نصیر،، ہے جو ہمیشہ ایمان داروں کی طرفداری کرتا ہے اور یہ جو اگلے روز مجھ پر وحی کے ذریعہ ''وللاخرۃ خیر لك من الاولی،، (۹۳: ۴) نازل ہوا تو آخرت کی خیر و برکت سے اسی وقت بہرہ ممکن ہے جب میں تبلیغ رسالت کا حق پوری طرح ادا کر دوں۔ اللہ نے مجھے جس امر کا مکلف فرمایا ہے اس کی ادائیگی میں سر مو غفلت نہ ہونے پائے۔ اس آیت کے مطابق۔ ''خیر،، جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ میں وحی الہی کی تعمیل۔ (:قم! فانذر! : الخ (۷۴: ۲: م:) میں بغیر تردد جان تک نثار کر دوں۔،،

عم بزرگوار کی تنبیہہ کا جواب : رسول کائنات نے تصور میں یہ نقوش قائم کر لینے کے بعد اپنے عم مہربان سے فرمایا :

یا عم! واللہ! لو وضعوا الشمس فی الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علیٰ ان اترک ھذاالامر حتی یظھر اللہ او اھلک فیہ ما ترکتہ

اگر اہل مکہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ کر کہیں کہ مہر و ماہ کے عوض میں تبلیغ رسالت ترک کر دوں مجھے منظور نہ ہوگا اگر اس راہ میں مجھے ہلاکت نظر آئے تب بھی میں پیچھے نہ لوٹوں گا۔

ابو طالب کی استقامت : اللہ! اللہ! حق کی عظمت اور ایمان کا جذبہ بھی کس قدر پر تاثیر ھے۔ اپنے برادر زادہ کے جواب سے سیدنا ابو طالب کے بدن میں مسرت کی رو دوڑ گئی۔ ابو طالب اپنے بالمواجہہ قدسی قوت اور پر شکوہ عزیمت دیکھ رہے تھے جن کے بغیر نہ تو زندہ رہنے میں لطف ھے نہ موت میں کڑواھٹ! یہ کہہ کر رسول اللہ پیچھے ہٹ آئے اور اپنے عم بزرگوار کی غیر متوقع تنبیہ پر آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے مگر عزائم میں وھی جولانی تھی۔ ذرا دیر بعد ابو طالب کے تخیل میں بھی تبدیلی رونما ہوئی وہ اپنے برادر زادہ کے موقف اور ان کے خلاف اپنی قوم کے غیظ و غضب سے تھرا اٹھے آپ کو دوبارہ اپنے پاس بلا کر کہا ”برادر زادہ من! جو بات تمھیں لوگوں سے کہنا ہو! اسے کہ دیا کیجیے۔ بخدا! مجھے تمھاری تکلیف گوارا نہ ہوگی۔“

ادھر ابو طالب نے بنو ھاشم اور بنو عبد المطلب کے تمام افراد کو دولت خانہ پر جمع کر کے ان کے سامنے اپنے برادر زادہ کا موقف پیش کر دیا اور رسول اللہ کے ساتھ ان کے جو سوال و جواب ہوئے تھے وہ بھی ان کے گوش گزار کر دئے۔ حتیٰ کہ وہ کیفیت بھی بیان کر دی جو ابو طالب نے دوران گفتگو آں حضرت صلعم سے ظاھر ہوتی ہوئی دیکھی سیدنا ابو طالب نے سب کچھ بیان کرنے کے بعد ان سے فرمایا کہ جس طرح بن سکے قریش کے مقابلہ میں (جناب) محمد (صلعم) کی حمایت کی جائے۔

(شروع میں) رسول اللہ صلعم قریش کی طرف سے ایذا رسانی میں اسی طرح محفوظ رہے جس طرح خدیجہ کے ھاں فروکش ہونے سے حصول معاش کے فکر و غم سے استغناء حاصل رہا - پھر یہ بی بی اپنے صدق ایمان اور وفادارانہ محبت کی وجہ سے اپنے شوہر کی ایسے دانش مند وزیر کے قائم مقام تھی جو اپنے آقا کی ہر مصیبت کا مداوا تلاش کرنے میں معین و ناصر ہو حتیٰ کہ اگر آپ یا آپ کے اصحاب کسی وقت اپنی کمزوری کی وجہ سے دشمن کی ایذا رسانی سے مصیبت میں گھر جاتے تو (جناب) خدیجہ اس میں بھی اعانت کرنے کی راہ نکال لیتیں۔

مسلمانوں پر ابتلا و محن

ادھر غصے سے بپھرے ہوئے قریش پر راتوں کی نیند حرام ہوگئی۔ مسلمانوں کو اسلام سے لوٹانے کے لیے انھوں نے عیش و عشرت پر لات مار دی، اور تو کیا بس چل سکتا تھا ھر قبیلہ اپنے خویش و قرابت دار مسلمان کی ایذا دھی پر تل گیا۔ حضرت بلال حبشی جو غلامانہ زندگی بسر فرما رہے تھے اسلام ھی کی پاداش میں مبتلائے آلام کیے گئے۔ انھیں چلچلاتی دھوپ میں گرم ریت پر پچھاڑ کر گرم اور وزنی سل سینے پر رکھ دی گئی۔ (حضرت بلال رض) اسلام چھوڑ دیں یا موت قبول کر لیں! مگر

بلال رض نے ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور احد! احد! کے سوا ان کی زبان سے کوئی کلمہ ادا نہ ہوا۔

بلال رض پر یہ مشق کئی روز تک رہی۔ ایک دن ابوبکر رض ادھر سے گذرے تو ان کی مصیبت برداشت نہ کر سکے۔ حضرت بلال رض کو ان کے آقا سے خرید کر آزاد کر دیا اسی طرح جناب ابوبکر نے کئی ایسے اور غلام خرید کر آزاد کئے جو اسلام لانے کے جرم میں اپنے آقاؤں کی دشمنی کا مورد بنے ہوئے تھے۔ ان میں عمر بن الخطاب کی بھی ایک کنیز تھیں! قریش کی ستم رانی کی مشق میں ایک عورت اپنی جان بھی کھو بیٹھی جو اسلام چھوڑنے پر راضی نہ ہو سکی۔

قریش کی طرف سے ایذا رسانی : غلاموں کے سوا آزاد مسلمانوں کی ایذا دہی میں قریش نے کوتاہی نہ کی۔ سرور دوعالم بھی جو بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب دو قبیلوں کی پناہ میں تھے ان کے گزند سے نہ بچ سکے۔ ابو لہب کی بیوی (ام جمیل) نے دستور ہی بنا لیا کہ گھر بھر کی نجاست سمیٹ کر رسول دو عالم کی راہ میں پھیلا دی جائے۔ جس پر رسول اکرم زبان سے کچھ کہے بغیر راستے سے یہ کچرا ایک طرف ہٹا کر نکل جاتے۔

ابوجہل کی طرف سے توہین و ایذا : ابوجہل نے ایک اور طرفہ ستم ڈھایا۔ سید البشر کعبہ کے سامنے نماز ادا فرما رہے تھے۔ ابوجہل نے قربان گاہ سے بکری کا اوجھ اٹھوا کر آپ کی پشت پر رکھ دیا۔ یہ سجدہ کی حالت میں ہوا۔ یہاں سے رسول پاک دولت خانہ پر تشریف لے گئے اور آپ کی صاحبزادی خاتون جنت نے آپ کی پوشاک دھو کر صاف کی۔ قریش کی طرف سے بدنی سزاؤں پہ دل آزار فقروں کی آندھی چاروں طرف چلتی رہی جو راہ چلتے مسلمانوں کو پریشان کرتی مگر قریش کے یہ طریقے مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ دین کی راہ میں یہ ایذائیں اور بھی ثبات قدم کا ذریعہ بنتی گئیں۔ صحابہ رسول اپنے ایمان کی حفاظت میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لئے خوشی محسوس کرتے۔

رسالت کا یہ دور (مکی) تاریخ کا حیرت انگیز مرقع ہے۔ جس دور میں جناب محمد (صلعم) اور آپ کے ساتھی دنیا کی ہر نعمت، مال و منصب حتیٰ کہ بادشاہت کے مقابلہ میں بھی ایمان کے دلدادہ نظر آتے ہیں ان کے نزدیک ایمان اتنی بڑی نعمت تھی کہ جو لوگ انہیں ایذائیں پہنچاتے صحابہ انہیں بھی اسلام میں لانے کی کوشش فرماتے ان کی خوشی اس میں تھی کہ ہمارے ایذا رسان بت پرستی کے آزار سے رہا ہو جائیں جس سے انسان کی روح ہر لمحہ ذلت و پستی میں سرنگوں رہتی ہے۔ عجیب ماجرا ہے کہ جن لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے آں حضرت صلعم نے اصلاح و رشد کا یہ بیڑا اٹھایا انہی کے ہاتھوں نئی نئی تکلیفیں پہنچنے لگیں۔

ان کے شاعر قصیدوں میں رسول دو عالم کی ہجو کرتے۔ قریش نے ایک شخص کو اس پر اکسایا کہ وہ مصلح اعظم کو کعبہ کے سامنے قتل کر دے۔ دولت کدہ پر سنگ باری ہونے لگی۔ پیرو اور انصار دونوں گروہ مصیبت میں گھر گئے مگر تاریخ اسے نہ بھول سکی کہ رسول اللہ کے حوصلوں میں کمی نہ آنے پائی۔ آئے دن ہمت و استقلال میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ اسی طرح رفقائے محمد نے بھی صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ان کی روح میں اپنے ہادی کی وہی گفتار موجزن تھی۔

لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری بخدا! اگر اہل مکہ میرے دائیں

علی ان اترک هذالامر حتیٰ یظهره الله و هاتھ پر سورج اور بائیں هاتھ پر چاند رکھ کر
اهلك فیه ما ترکته کهیں که تبلیغ رسالت ترک کر دوں
تب بھی میں اسے ترک نه کروں گا ۔

اصحاب محمد کو تکلیفوں میں لطف محسوس هونے لگا ۔ اس راہ میں موت کی خلش ان کے دل سے مٹ گئی ۔ جب قریش مسلمانوں کو ایذا پهنچاتے تو یه انهیں توحید کا وعظ سنانا شروع کر دیتے جو ان کے سرور و لطف کی علامت هے ۔

واقعات کس قدر حیرت افزا هیں ۔ مکه کے ان مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کا یه بسیرا! باوجودیکه نه ابھی دین کامل هوا تها نه قرآن کی آیات زیادہ تعداد میں نازل هوئی تھیں! تسلیم کرنا پڑتا هے که ان (مسلمانوں) کے خلوص و ثبات کے محرکات میں رسول امین کا اخلاص و محبت حسن اخلاق راست گوئی قوت ارادی رسوخ قدم اور قوت عزیمت جیسے جوهر الجواهر سرایت کر چکے تھے اور ان کے ساتھ وہ اثرات بھی جن کی روئداد کچھ اس طرح سے بیان کی جا سکتی هے ۔

مکی زندگی کے اس دور کا نظام زندگی: که! جناب محمد (صلعم) نے اس سر زمین میں آنکھیں کھولیں جهاں کا نظام شخصی اطاعت کی بجائے جمهوریت کے مشابه تها رسول الله (اپنی) خاندانی وجاهت کی وجه سے خود بھی ممتاز تھے ۔ ضروریات میں دوسروں کی دست نگری سے بے نیاز ۔ سیادت کے اعتبار سے اس قبیله کے فرد جو کعبه کی حجابت اور حاجیوں کی سقایت (پانی فراهم کرنے) میں تمام هم چشموں میں سرفراز تها ۔ خود سرور کائنات بهر القاب خطابات (''امین،، و ''صادق،، :م) سے بهره مند، اس لئے یه سوال پیدا نهیں هو سکتا که آں حضرت مال و جاہ یا دینی و سیاسی برتری حاصل کرنے کے محتاج هوں بعض سابقه انبیائے کرام کے خلاف ۔

حضرت موسیٰ علیه السلام کی دعوت سیاسی انقلاب پر مبنی تھی: مثلاً حضرت موسیٰ مصر میں ظهور فرما هوئے جهاں کے باشندے فرعون کو خدا تسلیم کرنے پر مجبور تھے اور فرعون نے انهیں اپنی خدائی کے چکر میں گھیر رکھا تها ۔ مصر کے کاهن اور زاویه نشین بھی دنیوی طمع کی وجه سے فرعون کی اس ستم کیشی میں اس کے طرف دار هو گئے ۔ ظاهر هے که خداوند عالم نے حضرت موسیٰ کو جس انقلاب کے لئے مامور فرمایا وہ اصلاً سیاسی انقلاب تها اور ضمناً دینی ۔ حضرت موسیٰ چاهتے تھے که فرعون اور غریب باشندے دونوں اپنے خدا کے سامنے ایک مقام پر کھڑے هوں، مگر اس ملک (مصر) میں امیر اور غریب میں اس وقت تک مساوات قائم نهیں هو سکتی جب تک فرعون کی خدائی ته و بالا نه هو جائے اور اس کے لیے سیاسی نظام میں انقلاب ضروری تها ۔

فرعون نے اپنی خدائی کو انقلاب کی زد سے بچانے کے لئے حضرت موسیٰ کا مقابله پوری قوت سے کرنا چاها مگر خدا کے رسول جو بادشاہ کے سامنے کسی هیبت و شوکت کا مظاهره کرنے سے قاصر تھے ۔ انهوں نے پیغمبرانه شان و انداز سے لوگوں کو اپنی طرف لانے کے لئے ایک معجزہ دکھایا که جب فرعون کے جادو گروں کی رسیاں سنپولے بن کر سرسرانے لگیں تو حضرت موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر لٹا دیا ۔ جو اژدها بن کر ان سنپولوں کو نگل گیا مگر اس پر بھی حضرت موسیٰ کو فرعون کے مقابلے میں پذیرائی نه هوئی ۔ وہ مصر سے هجرت پر مجبور هو گئے اور هجرت هی میں ان سے ایک اور معجزہ کا صدور هوا جب سمندر کی ایک لکیر جناب موسیٰ اور ان کے ایک هم سفر کے لیے پگ ڈنڈی کی شکل

میں پایاب ہوگئی اور اس راہ سے انھوں نے اپنی منزل طے کر لی ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت : حضرت موسیٰ کے بعد فلسطین کے نواح میں سیدنا عیسیٰ کا ظہور قدسی ہوا مولد کا نام ناصرہ بستی ہے اس زمانہ میں فلسطین قیصر روما کے زیر نگیں ہونے کی وجہ سے عمائدین شاہی کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنا ہوا تھا حضرت عیسیٰ لوگوں کو عمال شاہی کے مظالم پر صبر کی تلقین کرتے رہے اور خدائے بے ہمتا کے حضور گناہوں کی معافی اور اس کی نعمتوں کی فراوانی کی دعاؤں پر انہیں ترغیب دیتے رہے لیکن حکومت وقت اور اس کے کارندوں نے مومنین میں اتنی سی تبدیلی بھی اپنی سیاست و اقتدار پر ضرب سمجھی ۔ جناب مسیح نے لوگوں کو تعلیم پر قائم رکھنے کے لئے پے بہ پے معجزے دکھائے ۔ کہیں مردوں کو دوبارہ زندگی بخشی ، کہیں مرگ کے قریب مریضوں کو صحت مند فرما دیا ۔ کئی اور خوارق جن سے خداوند یکتا و بے مثل کے حکم سے روح القدس نے نبی اللہ (مسیح ابن مریم) کی یاوری فرمائی ۔

ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ جناب موسیٰ و حضرت ابن مریم اور رسول آخر الزمان (صلی اللہ علیہم وعلی آلھم) سب کی تعلیم کا اصل ایک ہی جوہر ہے البتہ فرق ان جزئیات کا ہے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ، لیکن ! جناب موسیٰ و حضرت عیسیٰ اور رسول الثقلین سیدنا محمد (صلعم) کی دعوت کے مقدمات مختلف ہیں کہ

الف	ب
حضرت موسیٰ و جناب ابن مریم دونوں کی دعوت سیاسی انقلاب کے لئے تھی	جناب محمد صلعم کی دعوت خالص عقلی و روحانی تھی

دعوت محمدیہ کا ہر پہلو جمال معنوی اور حسن ظاہری کا دلکش مرقع تھا ۔ اس لئے اہل مکہ کے سیاسی و جمہوری انقلاب سے ٹکرانا آپ کے اصل مقاصد میں نہ تھا ۔

دعوت محمدیہ اور جدید علمی تجزیہ : اگر جدید علمی طریق تجزیہ کے مطابق بنظر غائر دیکھا جائے تو حضرت محمد (صلعم) کی دعوت کے نتائج بالکل موجودہ عقلی و فکری تقاضوں کے مطابق ہیں کیونکہ تحقیق کا موجودہ اسلوب یہ ہے کہ پہلے اپنے سابقہ عقائد و نظریات سے یک سو ہو جائیے اور نفس مسئلہ کی ازسر نو تحقیق کیجیے ۔ اس کے مطالعہ و تلاش میں جہاں نظر رکے اس کے مناسب موازنہ و ترتیب کے بعد نتائج نکالئے ۔ آپ کا یہ نتیجہ اس وقت صحیح متصور ہوگا جب تک خود آپ ہی دوسری مرتبہ یا کوئی اور محقق اسی اسلوب سے ترتیب مقدمات قائم کرنے کے بعد اس پہلے نتیجہ کے خلاف استنباط نہ کرے ۔ یہ ہے فکر انسانی کو صحیح طور پر سانچے میں ڈھالنے کی تدبیر اور یہی طریق (جناب) محمد (صلعم) کی اساس دعوت کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ ان کے پیروؤں کے ان کی دعوت پر ایمان لانے کے اسباب کیا تھے؟ انھوں نے اپنے سابقہ عقیدہ سے کیوں اجتناب کیا؟ قبائل عرب جن میں ”قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا۔“ ان بتوں میں سب جھوٹے خدا تھے یا کوئی ان میں حق و صداقت کا پہلو بھی لیے ہوئے تھا؟ عرب اور اس کے اطراف میں کہیں صابی مذہب سرفراز تھا اور کہیں مجوسیان آتش پرست کی گرم بازاری، ان میں بھی کوئی مسلک حق بجانب تھا یا دونوں باطل کے علم بردار تھے؟ آئیے اس تفریق و ترجیح سے یک سو ہو کر لوح دل سے ان حروف کو محو کر کے دقت نظر سے غور کریں کہ روح حقیقت کس مذہب میں پنہاں ہے ۔

ربط کائنات : ناقابل انکار حقائق میں کائنات کے ہر فرد کا ایک دوسرے کے ساتھ حلقہ زنجیر کی طرح وابستہ ہونا ہے اور نوع انسان کا دوسرے حیوانات سے ربط اور دونوں مل کر جمادات سے بعلق تا بہ آخر اسی طرح زمین مربوط ہے۔ مہر و قمر اور افلاک کے ساتھ! سورج، چاند ستارے اور زمین ہر ایک پرکار کی طرح اپنے محور پر گردش میں منہمک! ان میں جس تناسب تک ایک کو دوسرے (کرہ) کے ساتھ ربط اور علاقہ ہے اسے نباہنے میں وہ لامحالہ مجبور! اگر ان (اجرام) میں سے کوئی ایک (فرد) اپنے عمل میں ذرہ برابر کوتاہی (یا زیادتی) کر بیٹھے تو پورا نظام درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً آفتاب معمول کے مطابق زمین کو اپنے نور و تمازت سے فیض یاب کرنے میں بخل کرے تو نتیجہ میں تمام کائنات کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کا ذرہ ذرہ اپنے مقررہ عمل میں سرگرم ہے اسی وجہ سے کائنات میں خلل رونما ہونے نہیں پاتا۔

اور جس طرح حقائق متذکرۃ الصدر مسلم ہیں اسی طرح اس شے بھی انکار ناممکن ہے کہ شمس و قمر اور ان کے دوسرے رفقائے فلکی اور ارض و فلک حتیٰ کہ کائنات کے ہر ذرہ کا جس طرح ایک دوسرے جزو سے ربط ہے اسی طرح ان سب کا ربط ایک ایسی طاقت کے ساتھ ہے جو ان کے نہ صرف ایک دوسرے کے ساتھ ربط و تعلق رکھنے میں پاسبانی کر رہی ہے بلکہ وہ طاقت ایک دوسرے کے تصادم پر نگراں ہے اور یہی طاقت ہے جس کی نگہ کرم کے طفیل اجرام کائنات وجود میں آئے، وہی ذات! جس کی توجہ کے صدقے میں ان اجرام میں سے ہر ایک اپنی اپنی راہ پر گامزن ہے۔

لیکن! ایسا وقت بھی آنے کو ہے جب یہ اجرام اسی ذات میں جذب ہو کر اپنی اپنی ہستی ختم کر بیٹھیں گے۔ اس قطرۂ باران کی طرح جو دریا میں غوطہ لگا کر اپنے اس کل (دریا) کے جلوہ میں محو ہوتے ہی خود کو بھول جاتا ہے۔ انسان کو بھی اسی روح جاودان کی پیروی کرنا چاہئے جس کے حضور تمام کائنات حکماً سر بسجود ہے۔

انسان و کائنات اور زمان و مکان جو بادی النظر میں ایک دوسرے سے شکل و لباس میں مختلف نظر آتے ہیں لیکن قیام و استقراء کائنات میں موثر ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے مربوط رہ کر ایسی ذات کے مظاہر ہیں جو ان تمام (اجرام کائنات فلاں و فلاں) کا مبداء اور مصدر ہے بایں دلیل تنہا وہی ایک ذات قابل پرستش ہے جس کی طرف طبعاً روح اور قلب قطب نما کی سوئی کی طرح اپنا رخ کئے ہوئے ہے بنظر غائر کائنات کی حقیقت پر توجہ کرتے رہئے اس انکشاف حقیقت کے بعد ہر قسم کے اصنام، بادشاہ و فراعنہ آگ اور سورج تک پرستش کے باب میں اس قدر ناکارہ نظر آتے ہیں کہ انسان جیسی پذیرفتہ ہستی پہلے تو انہیں وہم و باطل سمجھ کر ٹھکرا دیتی ہے پھر ذات حقیقی کی پرستش کے لئے اس کے حضور سر بسجود ہونے کے بغیر اسے چارہ نہیں رہتا! چہ جائیکہ انسان کی اس ذاتی منزلت کے ہوتے ہوئے جس میں اسے ”سنۃ اللہ“ میں پوری دقت نظر کا ملکہ حاصل ہے ان چیزوں کی پرستاری کی کوئی مناسبت ہی نہیں۔

دعوت محمدیہ کا یہی جوہر ہے جسے مکہ کے ان خوش نصیب لوگوں نے خوب پرکھ لینے کے بعد قبول کیا جو صدر اول میں مسلمان ہوئے۔ وحی نے (جناب) محمد (صلعم) کی زبان (مبارک) سے ایسے بلیغ پیرائے میں بیان کرایا جسے معجزہ کہئے، اور ذیل کی آیات میں جس کمال بلاغت کے ساتھ صداقت کی حسین و جمیل تصویر کھینچی گئی۔

اسے دیکھ کر مکہ کی ان قدسی ارواح نے اسے اپنے اپنے دل میں اتار لیا۔

(جناب) محمد (صلعم) نے ان پر واضح فرما دیا کہ صرف نیکی اور پاک دامنی سے اس حقیقت تک رسائی ممکن ہے اور جس کسی نے آں حضرت کی بتائی ہوئی صورت میں نیکی اختیار کی وہ اس حقیقت تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا۔ سیدنا محمد (صلعم) نے ان (مسلمانوں) پر یہ بھی منکشف فرما دیا کہ اگر وہ سچے دل سے اس راہ پر گامزن ہوں گے تو انہیں آج بھی اس نیکی کا ثمرہ ملے گا اور اس روز وہ اس کے اثرات سے فیض یاب ہوں گے جب ہر نفس کو اس کے اعمال کی جزا ملے گی (یوم تجزی کل نفس بما کسبت (۴۰ : ۱۷)۔

فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره ومن يعمل (اس روز) ہر شخص کو ذرہ برابر نیک
مثقال ذرة شراً يره (۹۹ : ۸/۷) و بد عمل کی جزا و سزا ملے گی۔

انسانی فروغ کے لیے اس سے زیادہ کمال کیا ہوگا جن گراں بار بیڑیوں نے بنی آدم کے پاؤں برسوں سے جکڑ رکھے تھے ان سے نجات کے لئے اس سے زیادہ موثر کون سا طریقہ ہو سکتا ہے۔ انسان کا اسلام کی تعلیم کو سمجھنا اس کے لئے سود مند اور خدائے واحد لاشریک پر ایمان لانا خود اس کی ذات کے لئے نفع رساں ہے اور اس کی شریعت پر عمل کرنا انسانیت کے اوج کمال تک رسائی ہے، رہیں اس راہ کی ابتدائی مشکلات تو وہ بھی نتائج کے مقابلہ میں خوشگوار اور فرحت بخش ہیں۔

ابوجہل کے ہاتھوں سر راہ توہین حمزہ کے ایمان کا باعث ہوئی: (سیدنا) محمد (صلعم) اور آپ کے ساتھیوں کی استقامت دیکھ کر بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب میں حمایت کا جذبہ اور زیادہ ہو گیا۔ ایک روز ابوجہل نے سر راہ ناشائستہ کلمات سے آں حضرت کی توہین کی۔ رسول پاک بلا تعرض وہاں سے ہٹ آئے۔ حمزہ کہ آپ کے عم بزرگوار اور برادر رضاعی بھی تھے انھیں شکار کا بھی شوق تھا۔ اس میں ان کا یہ معمول تھا کہ صید گاہ سے لوٹتے تو کعبہ کا طواف کئے بغیر دولت خانہ پر تشریف نہ لے جاتے اس روز حضرت حمزہ شکار سے واپس آ رہے تھے۔ کسی شخص نے ابوجہل کی اس زیادتی کا تذکرہ ان سے کر دیا۔ حمزہ راستے میں کسی طرف التفات کئے بغیر سیدھے کعبہ میں پہنچے۔ وہاں ابوجہل پالتی جمائے بیٹھا اپنی مشیخیت بگھار رہا تھا۔ سیدنا حمزہ نے زور سے اس کے سر پر قوس کی ضرب لگائی۔ ابوجہل کی کھوپڑی سے خون بہ نکلا اور اس کے قبیلہ دار (بنو مخزوم) اپنے سردار کی حمایت کے لیے امنڈ آئے مگر ابوجہل نے یہ کہہ کر معاملہ ٹھنڈا کر دیا کہ ابتدا میری طرف سے ہوئی ہے۔

اس کے بعد جناب حمزہ نے اپنے اسلام لانے کا اعلان فرما دیا اور رسول اللہ سے عرض کیا۔ آج سے آپ کی نصرت و یاوری کروں گا اور خدا کی راہ میں مجھے جان فدا کرنے میں بھی تامل نہ ہوگا۔

حضور نبوی میں قریش کی سفارت : رسول خدا کا ثبات قدم اور اسلام کے آئے دن فروغ سے قریش کے دل دہل گئے کہ (حضرت) محمد (صلعم) کے ساتھی ہماری طرف سے اس قدر ایذا دہی پر بھی اسلام کا دامن نہیں چھوڑتے۔ ہمارے سامنے علانیہ نمازیں ادا کرنے سے بھی نہیں جھجکتے۔ قریش نے ایک منصوبہ بنایا شاید اسی سے (جناب) محمد (صلعم) تبلیغ سے رک جائیں۔ اس امر سے بے خبر کہ دعوت محمدیہ کا مطمع نظر روحانیت کا کمال ہے جس کے سامنے سیاست و حکمرانی گرد راہ سے بھی کم حیثیت رکھتی

ہیں کیونکہ قریش کا منصوبہ اسی قسم کا تھا جیسا کہ آگے مذکور ہوگا۔

قریش بیت اللہ میں حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ باہمی مشورہ کے بعد عتبہ بن ربیعہ کو اس سفارت پر مقرر کیا۔ عتبہ وجاہت نسب میں قریش کے اندر ممتاز اور صاحب فراست تھے۔ وہ قریش کی طرف سے (حضرت) محمد (صلعم) کے سامنے مال کی اتنی مقدار اور منصب میں تمام قریش کی سرداری وغیرہ پیش کریں تاکہ آپ دعوت سے دست کش ہو جائیں۔ اس وقت رسول اللہ بھی بیت اللہ میں ایک طرف یکہ و تنہا بیٹھے ہوئے عبادت میں مصروف تھے۔ عتبہ حاضر ہو کر عرض گذار ہوا۔

یا بن اخی! انک مناحیث قد علمت اتیت من المکان فی النسب وقد اتیت قومک بامر عظیم فرقت بہ جماعاتھم فاسمع منی اعرض علیک اموراً لعلک تقبل بعضھا۔	اے برادر زادہ من! آپ تمام قریش میں عالی النسب تو ہیں مگر آپ نے قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔ امید کہ آپ ان میں سے کوئی ایک منظور فرما لیں گے۔
۱۔ ان کنت انک ترید بھذا الامر مالا جمعنا لک من اموالنا حتی تکون اکثرنا مالاً۔	۱۔ اگر اس قسم کی تبلیغ سے آپ کا منشا مال سمیٹنا ہو تو ہم لوگ آپ کے لئے اتنی دولت جمع کر سکتے ہیں کہ عرب میں آپ سے بڑا کوئی تونگر نہ ملے۔
۲۔ و ان کنت ترید تشریفا سودناک علینا فلا نقطع امراً دونک۔	۲۔ اگر یہ نیت ہو کہ آپ تمام عرب کے سردار بن جائیں تو ہم برضا و رغبت آپ کی سیادت قبول کرنے کے لیے حاضر ہیں۔
۳۔ و ان کنت ترید ملکا ملکناک علینا۔	۳۔ اگر آپ بادشاہت کے طلب گار ہوں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔
۴۔ و ان کان الذی یاتیک رئیا تراہ لا تستطیع ردہ عن نفسک طلبناک الطب وبذلنا فیہ اموالنا حتی تبرأ۔	۴۔ اگر آپ آسیب زدہ ہیں اور اس کے معالجہ سے معذور ہیں تو فرمائیے ہم لوگ ازخود طبیب اور اس کا معاوضہ مہیا کر سکتے ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ کی سفارت کا جواب: جب عتبہ خاموش ہو گیا تو رسول اللہ نے فرمایا اے عتبہ! کچھ اور بھی کہنا ہے؟ عرض کیا اسی قدر۔

ارشاد گرامی! رسول کائنات نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ حم السجدہ کی ابتدائی ۳۸ آیات تلاوت فرما دیں۔

حم۔ تنزیل من الرحمن الرحیم۔ کتب فصلت آیتہ، قرآناً عربیاً لقوم یعلمون (از یک تابہ ۳۸ لفظ وھم لا یسئمون تک[1]) (۴۱ : ۱-۳۸)	یہ آیات خدائے رحمان و رحیم کی طرف سے نازل شدہ ہیں ایسی کتاب کی شکل میں جو عربی بولی میں ان لوگوں کے لیے فائدہ رساں ہے جو اسے سمجھنا چاہیں

ادھر سید البشر شاداں و فرحاں مصروف تلاوت تھے اور ادھر عتبہ دونوں ہاتھ **کمر پر رکھے دم بخود:**

---

[1] ۱۔ بحوالہ سیرۃ ابن ہشام :م:

بزم جاں میں اپنے اپنے کام پر ہیں حسن و عشق
ان کے چہرے پر تبسم میرے دل میں ارتعاش

وہ غور سے سنتا رہا اور حیرت سے اس پیکر روحانیت کو دیکھا کیا جسے نہ دولت کا لالچ ہے نہ کسی منصب کی طلب ، فرمان روائی جیسی نعمت بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی ۔ عتبہ شرمسار تھا کہ ایسے قدسی صفات کو آسیب زدہ قرار دیا جائے بلکہ ۔ یہ شخص تو بے بہا حقائق ارشاد فرما رہا ہے ۔ یہ نیکی کا جویا اور حقیقت کی نصرت میں بھی لطف و نرمی ہی استعمال کرنا چاہتا ہے ۔ عتبہ نے سمجھا کہ اس کی تلاوت کردہ آیتیں کمال بلاغت میں اعجاز کا نمونہ ہیں ۔

اور آپ نے عتبہ سے فرمایا میری طرف سے یہی جواب ہے ۔ اس کے بعد رسول الامین ایک طرف تشریف لے گئے ۔ عتبہ اپنے ساتھیوں کے پاس ایسی حالت میں پہنچا کہ جمال نبوۃ اور اعجاز قرآنی کے جلوں سے مسرور تھا ۔ اس نے قریش سے کہا :

ان تترک للعرب محمداً فان تغلبت علیہ استراحت قریش وان اتبعتہ فلھا فخارھا

محمد کو مہلت دی جانا چاہئے اگر عرب ان پر غالب آ گئے تو قریش کو خود بخود اس (رسول پاک) سے نجات مل جائے گی اور اگر عرب ان کے تابع ہو گئے تو فخر قریش کے لئے ہوگا ۔

لیکن قریش کی دشمنی بڑھتی ہی گئی ۔ انہوں نے آپ اور آپ کے ساتھیوں پر ستم رانی کی سہم اور تیز کر دی ۔ البتہ رسول خدا اپنے خاندان اور اپنے عم بزرگوار کے اقبال کی وجہ سے نسبتاً ان کے مظالم سے محفوظ تھے ۔

ہجرت حبشہ : قریش کے مظالم حد سے بڑھ گئے ۔ جب چاہا کسی مسلمان کو زد و کوب کر بیٹھے اور جب چاہا کسی کلمہ گو کو تہ تیغ کر دیا ۔ یہ نزاکت دیکھ کر آں حضرت نے مسلمانوں کو عرب سے باہر پناہ گزیں ہونے کی طرح ڈالی ۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں کون پناہ دے سکتا ہے ۔ فرمایا حبشہ کی مسیحی حکومت میں تمہیں آرام مل سکتا ہے ۔

فان بھا ملکا لا یظلم عندہ احد و ھی ارض صدق حتی یجعل اللہ لکم فرجاً مما انتم فیہ ۔

اس کی بادشاہت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا وہ سر زمین صداقت کا مرجع ہے اصلاح احوال تک آپ لوگ ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیے ۔

اور مسلمان حبشہ میں دو مرتبہ ، ہجرت فرما ہوئے ۔

بار اول : (۱۱) مرد اور (۴) بی بیاں چھپ چھپا کر مکہ سے ترک اقامت کرنے کے بعد حکمران حبشہ کے زیر سایہ امن سے دن گذارنے لگیں ۔ لیکن کچھ مدت بعد یہ افواہ تراش کر وہاں پہنچائی گئی کہ قریش نے مسلمانوں کی ایذا دہی سے ہاتھ روک لیا ہے ۔ یہ سن کر وہ لوگ حبشہ سے مکہ واپس آ گئے (جیسا کہ ہم بعد میں تفصیلاً عرض کریں گے) ۔

لیکن یہاں پہنچ کر انہیں پہلے سے بھی زیادہ ظلم سہنا پڑے ۔

بار دوم : وہ لوگ دوبارہ حبشہ لوٹ گئے اس مرتبہ عورتوں اور بچوں کے علاوہ ۸۰ مرد تھے ۔ یہ گروہ رسول اللہ کی مدینہ میں ہجرت تک حبشہ ہی میں رہا ۔

مسلمانوں کی حبشہ میں پناہ گزینی ہجرۃ الاولی سے ملقب ہوئی۔

ہجرت کا مقصد : آں حضرت صلعم کے سوانح پر تحقیق مقصود ہو تو یہ سوال حق بجانب ہے۔ کہ مسلمانوں کی ہجرت (حبشہ) کفار کی ایذا دھی سے فرار تھا یا رسول پاک کو کوئی مقصد بھی مد نظر تھا؟

آں حضرت صلعم کی سیرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رسالت کی ہر منزل میں اپنے روحانی کمالات کی وجہ سے معاملات میں دور اندیشی اور دقت نظر ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ اس لیے ہمیں ہجرت حبشہ کی مصلحت و نتائج سے چشم پوشی نہ کرنا چاہیے اور اس کی شرح صفحہ ۱۸۰ پر آئے گی۔

مسئلہ زیر بحث کا ایک پہلو تو عام ہی ہے کہ مسلمانوں کے ترک وطن سے بھی قریش کا دل ٹھنڈا نہ ہو سکا اور بیش قیمت تحفوں کے ساتھ ایک وفد[1] نجاشی (بادشاہ حبشہ) کے حضور بھیجا کہ بادشاہ ان مسلمانوں کو قریش کی مشق ستم کے لیے ان کے حوالے کر دے۔

خیال رہے کہ نجاشی اور اس کی ماتحت رعایا دونوں عیسائی تھے۔

اگر قریش کو یہ خطرہ نہ تھا کہ مبادا اہل حبش (حضرت) محمد صلعم کا دین قبول کر لیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر انھوں نے مسلمانوں کو نجاشی سے واپس لینے کے لئیے اپنا وفد کیوں بھیجا؟ یا قریش کو یہ دغدغہ کھائے جاتا تھا کہ مسلمان حبشہ میں رہ کر اتنی قوت حاصل نہ کر لیں کہ وہ گھر لوٹ کر مال اور فوج سے (جناب) محمد (صلعم) کی حمایت میں صف آرا ہو جائیں۔

اہل مکہ کے اس وفد میں اشراف قریش کے دو ممتاز اشخاص عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ربیعہ (المخزومی :م:) تھے۔ یہ دونوں دارالسلطنت حبشہ میں پہنچے تو صوابدید کے مطابق پہلے بادشاہ اور عمال دربار کے تحائف علیحدہ علیحدہ نذر کیے۔ ازاں بعد دربار شاہی میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ۔ اے بادشاہ! ہمارے ہاں کے چند سرپھرے نوجوان اپنی قوم کے دین سے برگشتہ ہو کر آپ کی مملکت میں آ گئے ہیں۔ اگر وہ آپ کا اختیار کردہ مذہب قبول کر لیتے تو بھی غنیمت تھا۔ انھوں نے ایسا مذہب ایجاد کیا ہے جسے ہم اور آپ دونوں سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اے شہنشاہ گیتی! ہمیں قریش مکہ کے ان اصحاب دانش و حکمت نے آپ کے حضور انھیں واپس لے جانے کے لیے بھیجا ہے جو مسلمان کہلانے والوں کی برائی کو خوب سمجھتے ہیں۔

ان سفیروں نے نجاشی کے درباریوں کو تحفے دے کر اپنی تائید پر مائل کر رکھا تھا، لیکن بادشاہ مسلمانوں کی اس طرح کی حوالگی سے متفق نہ ہوا اور اس نے اپنا ایک چوبدار بھیج کر مہاجرین کو طلب کر کے برسر عام ان سے پوچھا ”آپ لوگوں کا کیا مذہب ہے؟ اور آپ لوگوں کو پہلا دین ترک ہی کرنا تھا تو مسیحیت یا سابقہ ادیان میں سے کوئی مذہب کیوں اختیار نہیں کیا؟“

بادشاہ کے سوالات پر حضرت جعفر بن ابی طالب نے برسر اجلاس فرمایا:

---

[1] حبشہ کی دوسری ہجرت کے بعد : م :

”اے بادشاہ! ہم لوگ دور جاہلیت کی وہ یادگاریں ہیں جن کا مذہب بتوں کی پرستش اور ان کی خوراک مردار جانوروں کا گوشت تھا۔ خواہشات کا برملا ارتکاب شیوہ صلہ رحمی اور پڑوسی کے ادائے حقوق سے کوسوں دوری۔ ہم میں سے ہر شخص کمزور کا مال دبا لینے میں بے باک۔ صدیوں سے لوگ اسی طرح کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ یکایک رحمت الٰہی نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سرکشوں ہی میں سے ایک ایسے شخص کو رسالت پر مبعوث فرمایا جس کی خاندانی وجاہت و حفظ امانت اور پاک دامانی کو اس کی رسالت سے پہلے بھی جانتے تھے۔ اس نے ہمیں خدائے واحد لاشریک کی عبادت کے لیے پکارا اور ہم نے اپنے آباو اجداد کے رسوم بت پرستی چھوڑ کر پروردگار عالم کی پرستش کا بیڑا اٹھا لیا۔

”اس نے ہمیں راست گوئی کی تعلیم دی اور ہم نے اس پر عمل کیا۔ اس نے حفظ امانت و صلہ رحم اور حقوق جوار و باہم انصاف اور مہربانی کا حکم فرمایا اور ہم نے اس کی تعمیل سے انکار نہیں کیا۔ اس نے فرمایا ایک دوسرے کی تذلیل اور قتل کرنا ناروا ہے اور ہم نے ان کاموں سے اپنا ہاتھ روک لیا۔ فحش کلامی اور کذب بیانی کو اس نے بدترین افعال سے تشبیہ دی اور ہم نے ان سے اجتناب کر لیا۔ پاک دامن بی بیوں پر بہتان طرازی سے اس نے منع فرمایا اور ہم نے اپنی زبانوں پر مہر لگا لی۔ اس نے مال یتیم پر تصرف ناجائز قرار دیا اور ہم نے ایسے اموال کو امانت سے عزیز تر سمجھ کر اس کی حفاظت کی۔ اس نے ہم پر خدائے بے ہمتا کی عبادت، ادائے نماز کی ہدایت، اموال میں زکوٰۃ اور روزہ داری واجب کر دی، اور ہم نے اس کا ایک ایک حکم سر آنکھوں پر رکھ لیا،،۔

حضرت جعفر نے رسول پاک صلوات اللہ علیہ کی تعلیم میں سے کئی اور امور کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا:

”اے بادشاہ! ہم نے اس رسول کی تصدیق کی۔ اس پر ایمان لائے اور اس نے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں جو کچھ فرمایا اس کی پیروی کی،،

”ہمارے ان یاران شہر کا ہم سے سلوک: بادشاہ سلامت! انہی یاران شہر نے ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ داستان طویل ہے ہمیں طرح طرح کی سزائیں دی گئیں تا کہ ہم اپنے دین سے پھر کر خدائے یکتا کی پرستش سے دست کش ہو جائیں اور ان کی طرح بتوں کی عبادت کے لیے خود کو وقف کر دیں اور ہم پہلے ہی کی طرح شرم و حیا کا دامن چھوڑ کر فواحش کے ارتکاب میں سرگرم ہو نکلیں۔ لیکن نہ ہم اپنے رسول کی تعلیم سے دست کش ہوئے نہ ان لوگوں نے ہمارا پیچھا چھوڑا اور جب ان کی ستم رانی حد سے بڑھ گئی تو ہم نے وطن جیسی محبوب سر زمین چھوڑ کر ہجرت کو ترجیح دی۔ اس فیصلہ پر ہم نے اپنے گرد و پیش کے تمام ملکوں پر نظر ڈالی مگر آپ (نجاشی) کے سوا کوئی دوسرا انصاف پسند حکمران ہمارے ذہن میں نہ آیا جس کے ہاں ہم پناہ لے سکیں! اے بادشاہ! امید ہے کہ آپ کی سلطنت میں ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔،،

حضرت جعفر کی تقریر سننے کے بعد نجاشی نے کہا آپ کا رسول آپ لوگوں کو اللہ کی طرف سے جو فرمان دیتا ہے ہو سکے تو اس میں سے کچھ مجھے بھی سناؤ۔ جعفر نے فرمایا مجھے اس میں سے بہت کچھ یاد ہے اور یہ کہہ کر سورہ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت (سر دربار) شروع کر دی۔

(باختصار :م:) ـــــفاشارت الیه قالوا کیف نکلم من کان فی المهد صبیاً قال انی عبد الله آتنی الکتب وجعلنی نبیاً وجعلنی مبرکاً این ما کنت و اوصنی بالصلوة والزکوة ما دمت حیاً وبراً بوالدتی ولم یجعلنی جباراً شقیاً والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیاً (۱۹: ۲۹-۳۳)

سیدہ مریم سے جب انھوں نے تولد مسیح پر اعتراضاً و استعجاباً پوچھا کہ یہ بچہ کہاں سے آ گیا۔ تب بی بی نے خود جواب دینے کی بجائے بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس بچے ھی سے پوچھ لو! وہ کہنے لگے شیر خوار بچے سے۔ تب مسیح خود گویا ہوئے ہاں میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دینے کا وعدہ فرمایا ہے مجھے نبوت عطا ہوگی اور میں جہاں قدم رکھوں گا وہ جگہ برکت کا مصدر بن جائے گی۔ اور خدا نے مجھے تا بہ زیست عبادت و تزکیہ نفس کی تلقین فرمائی اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا ارشاد ہوا اس نے مجھے شقی القلب سخت گیر نہیں بننے دیا میں ولادت و وفات اور حشر میں ہر جگہ سلامتی سے بہرہ مند رہوں گا۔

نجاشی کا فیصلہ : نجاشی ابھی خاموش ہی تھا کہ اس کے درباریوں کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکل گئے ''بخدا مسیح کا کلام اور ان کلمات کا مصدر ایک ھی ہے'' اور نجاشی نے کہا ''بے شک! موسیٰ اور آپ کے صاحب ہردو کی وحی ایک ھی مشکوۃ نور سے روشن ہوئی ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے عمرو بن العاص سے فرمایا ''آپ یہاں سے واپس چلے جائیے میں ایسے لوگوں کو آپ کے حوالے نہیں کر سکتا'' مگر دوسرے روز عمرو بن العاص نے پھر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر عرض کیا ''بادشاہ سلامت! یہ لوگ مسیح کے بارے میں نہایت غیر شستہ باتیں کہتے ہیں۔ نجاشی نے عمرو کے سامنے حضرت جعفر کو طلب کر کے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا ''ہم حضرت عیسیٰ کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر نے فرمایا کہ ، عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں۔ اس کی رسالت سے فائز ہیں اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جو خدا نے مظہر عصمت کمال جناب مریم پر القا فرمایا''

یہ سن کر نجاشی نے اپنے عصا سے زمین پر لکیر کھینچ کر خوشی کے لہجہ میں کہا : ''اے جعفر! میرے اور آپ کے دین میں اس ایک لکیر سے زیادہ فرق نہیں''۔ اس گفتگو پر نجاشی مطمئن ہو گیا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ کی عظمت کے معترف، نصرانیت مقرر اور خدائے واحد ذوالجلال کے پرستار ہیں! اس کے بعد مسلمان نجاشی کی سلطنت میں امن و امان کے ساتھ رہنے لگے۔ یہ واقعات ہجرت اولی کے دور میں رونما ہوئے جن کے بعد مہاجرین (حبشہ) تک وہ افواہ پہنچائی گئی کہ ''اب مکہ میں مسلمانوں کو نہیں ستایا جاتا'' جسے سن کر وہ سب مکہ لوٹ آئے مگر جب یہاں مظالم کا پہلا رنگ دیکھا تو پھر حبشہ چلے گئے۔

سوال یہ ہے کہ یہ دو مرتبہ کی ہجرات ایذا سے فرار تھا یا کوئی اور مصلحت پیش

نظر تھی؟ اگر کسی تاریخ دان کا ان دونوں ھجرتوں سے رسول اللہ کے مدنظر کوئی سیاسی مقصد ھو سکتا ھے تو مورخ کو پیش کرنے میں تامل نہ کرنا چاھئے۔

اس ھجرت (حبشہ) میں ایک سوال اور بھی پیدا ھو سکتا ھے یعنی حضرت محمد (صلعم) اپنے ساتھیوں کو حبشہ بھیجنے میں ان کی اعتقادی حیثیت سے کیسے مطمئن ھو گئے جب کہ حبشہ میں دین مسیح رائج تھا اور اسلام نے بھی جناب مسیح کی نبوت تسلیم کر لی تھی۔ پھر عرب کے خشک پہاڑوں اور صحراؤں کے مقابلہ میں حبشہ کی سر زمین بھی نسبتاً سرسبز و شاداب تھی۔ کیا (سیدنا) محمد (صلعم) کے دل میں یہ خطرہ نہ تھا؟ حبشہ میں ان کے لیے قریش کا سا دباؤ بھی ناممکن ھے۔ مبادا ان کے ساتھی وھاں کے مذھب اور زمین کی شادابی سے متاثر ھو کر مسیحیت قبول کر لیں۔ چہ جائے کہ ان مسلمانوں میں ایک شخص (عبداللہ بن جحش) نے حبشہ جا کر عیسائی مذھب بھی قبول کر لیا۔ کیا حبشہ پہنچ کر کسی مسلمان کا تبدیل مذھب اس بات کی دلیل نہیں ھو سکتا کہ (جناب) رسول (صلعم) کے ذھن میں یہ اندیشہ ضرور ھو؟ خصوصاً جب کہ آں حضرت (صلعم) اپنے ساتھیوں کی قریش مکہ کے مظالم سے حمایت کرنے میں قاصر تھے؟ (یہ ھے وہ اعتراض جو ایک مؤرخ کی طرف سے کیا جا سکتا ھے۔)

حبشہ کی ھجرت میں سول اللہ کے پیش نظر: آں حضرت صلعم کی ذکاوت، دور اندیشی اور دوسرے صفات کے ھوتے ھوئے یہ امر غیر متوقع نہیں کہ اس موقعہ پر آپ کے ذھن میں یہ خدشات آئے ھوں لیکن خود جناب رسول (صلعم) کو اس موقعہ پر اس سے پہلے اور اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اسلام کی ھمہ گیری اور قوت نفوذ پر اس قدر یقین تھا کہ اس قسم کے خدشات آپ پر اثر انداز نہ ھو سکتے تھے۔ پھر اسلام ابھی ایسا گل ناشگفتہ تھا جیسے نسیم صبح گاھی اپنے جھولے میں کھلا رھی ھو اور ھر قسم کی آمیزش سے پاک و صاف، ادھر حبشہ میں عیسائیت کی زبوں حالی کا یہ عالم، کہ جس طرح نجران و یثرب کے نصاریٰ باھم مذھبی مناقشات میں دست و گریباں تھے۔ عیسائیت کی یہی درگت حبشہ میں ھو رھی ھے۔ ایک طبقہ بی بی مریم کی خدائی کا معتقد ھے تو دوسرا گروہ جناب مسیح کی الوھیت کا معترف۔ ان حالات میں کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ رسالت محمدیہ کے روحانی چشمہ سے سیراب ھونے والے مسلمان ایسے مذھب میں مدغم ھو جائیں گے جس میں اختلاف کا یہ عالم ھو؟

دنیا میں بیشتر مذاھب مرور ایام کی گردش سے اپنے اصل کو چھوڑ کر بت پرستی پر قناعت کر بیٹھے۔ اگرچہ ھر دین میں عرب کی سی برملا بت پرستی نہ سہی مگر ھر ملت میں بت پرستی کا تحت الشعور رجحان واضح طور پر محسوس ھوتا رھا۔

اور اسلام ظاھر اور مخفی دونوں طریقوں کی بت پرستی کا دشمن اور اس نے سختی کے ساتھ بت پرستی سے جنگ لڑی۔

تاریخ اس سے انکار نہیں کر سکتی کہ اس دور (زمانہ رسالت مآب) میں مسیحی طبقہ بت پرستی پر اس حد تک مائل تھا کہ علما و زھاد کو بھی وہ مقام دے رکھا تھا جو بت پرستی ھی کی ایک شکل تھی لیکن اسلام میں کسی شخص کے لیے یہ منزلت روا نہیں بلکہ اس (اسلام) کی روح انسان کو اوھام کے گرداب اور کسی عالم یا پیشوائے دین کے ایسے احترام و تعظیم کی بجائے خود اسے ھی اوج فضیلت پر لے جانا چاھتی ھے۔

اسلامی تعلیم کے مطابق انسان اور خدا کے درمیان احبار و رھبان کی ایسی تعظیم کی

بجائے یہ واسطے ہیں ۔

عمل صالح ، تقویٰ اور جس قسم کی بھلائی مسلمان کو اپنے لیے مرغوب ہو اسی کی مانند دوسروں کے لیے بھلائی میں کوشش جاری رکھنا ۔

اسلامی تعلیم کے مطابق خدا اور اس کے بندوں کے درمیان بتوں ، حاضرات بتانے والوں اور نجومیوں کا واسطہ پرکاہ کے برابر قوت نہیں رکھتا ۔ اس راہ میں ہر وہ عمل جو عرفاً نیکی سے موسوم ہو کام آ سکتا ہے اور بت پرستی وغیرہ میں گناہ اس نیکی کے صلہ سے بھی کئی گنا زیادہ ہے ۔

اعمال حسنہ کا واسطہ انسان کو اس روح حقیقت کے قریب تر لے جاتا ہے جس کے نور کی لہریں زمان و مکان کے حدود سے نکلنے کے لیے انگڑائیاں لیتی رہتی ہیں ۔

اسی روح (حقیقت) تک رسائی کے لیے صلحا نے اپنے اعمال کے واسطہ سے کوششیں جاری رکھیں جن اعمال کے واسطہ سے انسان اور خدا کے درمیانی حجاب خود بخود اٹھ جاتے ہیں اور جس کی رسائی میں صرف خدا کو اختیار ہے کسی ولی یا گوشہ نشین کو نہیں ۔

بت پرستی اور اس قسم کی راہوں پر چلنے میں ارباب ثروت ، قوی ہیکل پہلوان اور شہوت پرست بوالہوس بھی اپنی دولت و قوت اور ارادوں کو معرض خطر میں ڈال کر اپنی جان کو خطرے میں ڈال سکتے ہیں یا نفس کو گزند پہنچانے میں دریغ نہیں کر سکتے لیکن وہ ان طریقوں سے اس روح حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے جو روح مادیت اور زمانہ کے قیود سے آزاد ہے ۔

بلکہ انسان کو اس کے اعمال کا معاوضہ اس روز مل کر رہے گا ، جب کہ ۔

(الیوم!) تجزی کل نفس بما کسبت (۴۰ : ۱۷) : یوماً لا یجزی والد عن ولدہ ولا مولود ھو جاز عن والدہ شیئاً (۳۱ : ۳۳)

آج (قیامت کا دن ہے جس میں) ہر شخص کو اس کے اعمال کی جزا و سزا مل کر رہے گی ۔ (اس روز) نہ تو باپ اپنی طرف اپنے فرزند کے اعمال شامل کر سکے گا نہ فرزند اپنے اعمال میں اپنے والد کے اعمال سے کچھ لے سکے گا ۔

جس روز دولت ، قوت اور طاقت لسانی میں سے کوئی خوبی کام نہ آ سکے گی جہاں نیک و بد اعمال کا عوض لامحالہ ملے گا ۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں ازل سے لے کر دنیا کے آخری انسان یک جا جمع ہوں گے ۔ عدل و حساب کا دن! جس میں کسی پر ظلم نہ ہوگا ہر شخص اپنے کیئے کی سزا و جزا سے بہرہ یاب ہوگا ۔

الیوم تجزون ما کنتم تعملون (۴۵ : ۲۸) ۔

رسول کریم نے جن لوگوں کو اسلام کی تعلیم دے کر ان کے دلوں کو نور ہدایت سے معمور کر دیا ایسے لوگوں سے یہ خطرہ ہو سکتا ہے کہ وہ سرزمین حبشہ کی شادابی اور وہاں کے مروجہ دین سے متاثر ہو کر اسلام سے پھر جائیں ۔ وہ لوگ ، جنھیں اپنے پیشوا کی محبت اپنے مال و اولاد اور خود اپنے نفس سے زیادہ ہو! ایسے عظیم رہنما کی محبت جس نے اسلام کے عقیدے پر ارض و سما کی حکومت اور شمس و قمر جیسی دولت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا ہو کہ ۔

یا عم! واللہ! لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر

اے عم مہربان! بخدا! اگر اہل مکہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ

حتی یظهره اللّٰه او اهلك فيه ما تركته ۔

پر چاند رکھ کر کہیں کہ میں مہر و ماہ کے عوض میں تبلیغ ترک کر دوں تب بھی مجھے منظور نہ ہوگا ۔

اس کے پیروؤں کو بھی اس کی اس بے نیازی کا علم ہو اور ایسا برگزیدہ انسان نور ایمان ، حکمت ، عدالت ، عدل ، حقیقت جوئی اور جالیت کا پیکر کہو۔

بلکہ رسول صلعم حبشہ کی طرف اپنے دوستداروں کی ہجرت کے معاملہ میں ان کے ثبات ایمان و رسوخ عمل میں پوری طرح مطمئن تھے ۔ انھیں (مہاجرین کو) نجاشی کی حکومت میں امن اور طمانیت سے رہنے کا پورا موقعہ حاصل ہوا ۔ وہ قریش مکہ کے مقابلہ میں ایسی قوم میں رہنے لگے جن کے ساتھ ان کی قرابت اور وطنیت کا کوئی شائبہ نہ تھا ۔ یہاں وہ اپنے دینی اعمال پوری آزادی سے ادا کرنے لگے اور جب قریش ان حالات سے آگاہ ہوئے تو انھیں بے حد ندامت محسوس ہونے لگی کہ ہم نے اہل حبشہ کی مقابلہ میں اپنے ہم قوم اور ہم نسب بھائیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا ۔

اسلام عمر : ان دنوں عمر بن الخطاب (اپنی) زندگی کی پینتیسویں منزل میں قدم زن تھے ۔ ان کی تعریف چند لفظوں میں یہ تھی کہ وہ قوی ہیکل، پر شکوہ، دلاور اور باحمیت تھے ۔ کبھی کبھی شرفا کے مروجہ معمولات سے بھی بہرہ اندوز ہو لیتے اپنے اہل و اقربا کے ساتھ بے حد لطف و کرم سے پیش آتے اور قریش کے ان افراد میں سے ہیں جن کے ہاتھوں مسلمانوں کو تکالیفیں بھی پہنچیں ۔

عمر اپنے مسلمان دوستوں کی ہجرت (حبشہ) پر بھی دل گرفتہ تھے اور اس قسم کے تمام اختلاف کی اصل بنیاد اکھاڑنے کے منصوبوں میں بھی سرگرداں ۔ ایک روز رسالت مآب اپنے کئی جان نثاروں کے ساتھ کسی مسلمان کے ہاں تشریف فرما تھے ۔ یہ گھر صفا (پہاڑی) سے ملا ہوا تھا ۔ من جملہ دوسرے حضرات کے ان میں سیدنا حمزہ و علی اور جناب ابوبکر بھی موجود تھے ۔ اس اجتماع کی خبر نے عمر کو اور بھی برافروختہ کر دیا ۔ انھوں نے آں حضرت (صلعم) کے قتل کا تہیہ کر لیا تا کہ قریش کی باہمی تفریق ختم ہو جائے اور محمد (صلوات اللّٰہ علیہ) نے ہمارے بتوں کی مذمت اور ہم میں سے چند احمقوں کو جو گمراہ کر رکھا ہے آئندہ کے لیے اس کا دروازہ بند کر دیا جائے ۔ عمر ہاتھ میں تلوار لے کر تیز قدمی سے اس طرف چل دیے ۔ راستے میں نعیم بن عبد اللّٰہ سے جو عمر ہی کے خاندان سے تھے ملاقات ہوئی ۔ وہ ان کے تیور دیکھ کر سمجھ گئے اور عمر نے بھی ان کے دریافت کرنے پر صاف صاف کہ دیا ۔ نعیم نے کہا اے عمر! آپ کس دھوکے میں پڑ گئے ۔ اگر محمد تمہارے ہاتھ سے قتل ہو گئے تو عبد مناف والے تمھیں زندہ چھوڑ دیں گے ؟ پھر اپنے گھر کی خبر پہلے لیجیے کہ آپ کے قرابت داروں میں سے کون کون مسلمان ہوگیا ہے ۔

نعیم بن عبد اللّٰہ خود بھی مسلمان ہو چکے تھے (مگر ابھی تک اعلان نہ فرمایا تھا) اور عمر کی ہمشیرہ جناب فاطمہ اور ان کے نیک طینت شوہر سعید بن زید بھی اسلام قبول کر چکے تھے ۔ عمر یہ سن کر الٹے پاؤں ان کے گھر کی طرف لوٹ آئے ۔ یہاں پہنچے تو قرآن پڑھا جا رہا تھا ۔ ہمشیرہ نے قدموں کے آنے کی آہٹ سنی تو قاری کو الگ کر دیا اور صحیفہ ایک طرف چھپا دیا ۔ عمر نے پوچھا یہ آواز کیسی تھی ۔ دونوں نے بات ٹال دی حتیٰ کہ عمر کے اصرار پر بھی دونوں میں سے کسی نے اعتراف نہ کیا ۔ عمر نے

کہا میں نے سن لیا ہے کہ تم دونوں محمد (صلعم) کا دین اختیار کر چکے ہو۔ یہ کہہ کر سعید پر پل پڑے - بی بی اپنے شوہر کو بچانے کے لیے بڑھیں تو عمر نے انھیں بھی لہو لہان کر دیا - دونوں مظلوم دہائی دے اٹھے اور عمر سے کہا ''جاؤ! ہم مسلمان ہو چکے ہیں جو چاہو کر لو!،، اس وقفہ میں اپنی بہن کے بدن سے خون بہتا دیکھ کر بھائی کا دل پسیج اٹھا اور وہ لطف و کرم عود کر آیا جو عمر کی طینت میں مضمر تھا - نرمی کے لہجہ میں خواہش ظاہر کی وہ بیاض ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ۔ ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگے اور رقت سے آنسوؤں کے تار بندھ گئے (مسلمانوں کے ساتھ اپنی بدسلوکی کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگا اور ندامت سے سر جھکا لیا) - قرآن کی معجز نمائی اور دعوت محمدیہ کی حقیقت کا لطف و وجدان طاری ہوگیا - ہمشیرہ اور ان کے شوہر کی محبت بھرے الفاظ میں تالیف قلب کر کے وہاں سے نکلے۔ دل ہے کہ کیف و وجد میں کھویا جا رہا ہے - ذرا دیر پہلے جس گھر میں برگزیدۂ کائنات کو تہ تیغ کرنے جا رہے تھے باریاب ہوئے اور اس کے حضور سرنگوں ہو گئے - سید العالین کے ہاتھ پر اقرار اسلام کرنے کے بعد مکہ کے گلی کوچہ میں اس اعزاز کا خود ہی اعلان کرتے پھرے -

جناب حمزہ کے بعد سیدنا عمر بن الخطاب کے مسلمان ہو جانے سے اہل ایمان کی ہمت کہیں زیادہ ہو گئی - اس واقعہ سے قریش کی صفوں میں شگاف پڑ گیا - آج سے قریش اور مسلمان دونوں کا موقف بدل گیا - ادھر کفار کو اپنے سیاسی اقتدار میں زوال کا خطرہ بڑھ گیا - ادھر مسلمانوں کی مکہ سے ہجرت یثرب کے اسباب نے محمد (صلعم) کی سرفرازی کا وہ نقشہ قائم کر دیا جس پر گام زن ہو کر آپ رسول ہونے کے ساتھ سیاسی اقتدار سے بھی بہرہ یاب ہوئے -

٦

"واقعۂ غرانیق"

۶

واقعہ غرانیق

مسلمانوں کے حبشہ میں قیام کے تین ماہ بعد جب سید المومنین عمر بن الخطاب نے اسلام قبول کر لیا تو حبشہ میں کسی نے یہ خبر پہنچا دی کہ عمر کے اسلام لانے پر قریش نے رسول خدا اور آپ کے دوستداروں کی ایذا دہی سے ہاتھ روک لیا ہے۔ یہ سن کر مہاجرین میں سے چند، اور بروایت دیگر، تمام مسلمان مکہ واپس آگئے۔ لیکن یہاں آ کر دیکھا کہ مسلمانوں پر قریش کے مظالم پہلے سے بھی سوا ہو گئے ہیں تو ان میں سے بعض مہاجرین شہر میں قدم رکھے بغیر جیسے آئے تھے ویسے ہی حبشہ کی طرف لوٹ گئے۔ بعض مسلمان چھپ چھپا کر مکہ میں رہنے لگے اور بعض کسی کافر کی حفاظت و پاسداری کے عوض کھلم کھلا دوبارہ مکہ میں بس گئے اور جو مسلمان حبشہ واپس تشریف لے گئے ان کے ہمراہ اہل مکہ میں سے کئی اور مسلمان بھی ہجرت کر گئے۔ مہاجرین مکہ اس وقت تک حبشہ میں قیام فرما رہے جب تک کہ مدینہ کی ہجرت جاری نہ ہوئی۔ جس پر حبشہ کے مہاجرین براہ راست مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

قصہ غرانیق: سوال یہ ہے کہ مہاجرین کا حبشہ میں قیام کے تین ماہ بعد مکہ معظمہ واپس آنے کا پس منظر کیا ہے۔

ابن سعد اور طبری دونوں نے ''طبقات'' اور ''تاریخ الرسل و الملوک'' میں علی الترتیب یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ دوسرے مسلمان مفسرین اور ارباب سیر ہی کی مانند اور انہی (مصنفین) سے (مغربی) مستشرقین نے یہ واقعہ نقل کر کے اور بھی رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے۔ اس (واقعہ غرانیق) کی صورت یوں گھڑ لی گئی ہے کہ جب (حضرت) محمد (صلعم) نے قریش میں اپنی طرف سے اس شدت کی نفرت دیکھی اور آئے دن خود پر اور اپنے دوستداروں پر قریش کے مظالم کی پے بہ پے فراوانی سے سابقہ پڑتا گیا تو آپ نے مصائب سے نجات کے لیے قریش سے اپنے تقرب کی راہیں ڈھونڈ نکالیں اور آپ کفار کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے۔ ایک روز کعبہ میں کفار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ (حضرت) محمد (صلعم) نے انہیں سورۂ نجم سنانا شروع کر دی اور جب آیت

افرَئیتم اللٰت والعزیٰ ومنوة الثالثه الاخری
(۵۳ : ۱۹-۲۰)

اے مشرکو! تم نے لات و عزیٰ اور
وہ جو تیسری دیوی مناۃ ہے ان کی بے بسی
پر بھی غور کیا؟

تک پہنچے تو ''الاخری'' کے بعد یہ جملے آپ کی زبان سے قرآن ہی کے لہجے میں نکل گئے ''تلك الغرانیق العلا وان شفاعتهن لترتجی'' (ان بتان حسین و سربلند سے عند اللہ شفاعت کی جا سکتی ہے)۔ اس جملہ کے تداخل کے ساتھ رسول اللہ نے مجمع میں پوری سورہ نجم پڑھی

اور ختم سورہ کے بعد جب آں حضرت صلعم نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ مشرکین بھی شریک سجدہ ہو گئے۔ سجدہ سے فارغ ہو کر قریش نے آں حضرت سے عرض کیا کہ واقعی اللہ تعالیٰ زندہ کرنے والا، جان لینے والا، خالق اور روزی رساں ہے لیکن ہمارے یہ دیوتا اس کے حضور ہماری شفاعت کرتے ہیں۔ اے محمد! آج آپ نے ہمارے معبودوں کی شفاعت کا اعتراف کر ہی لیا ہے تو اس کے بعد ہمیں آپ سے میل ملاپ کرنے میں کوئی مانع نہیں!

اور اس واقعے نے رسول اللہ کے ساتھ کفار کا مناقشہ ختم کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر تمام عرب میں پھیل گئی۔ حبشہ میں بھی سنی گئی جس پر مہاجرین نے کہا کہ ہمیں اپنے اقربا اور قبیلہ داروں کی یاد بہت ستا رہی ہے۔ ہم بھی مکہ ہی واپس چلے جاتے ہیں اور حبشہ سے چل پڑے جب (یہ لوگ) مکہ کے چند میل ادھر تک پہنچے تو صحرا میں ان کی کنانہ کے ایک کارواں سے ملاقات ہوئی جنہوں نے دریافت کرنے پر کہا بیشک آپ کے صاحب نے ہمارے بتوں کی تعریف کی تھی جس پر قریش نے ان سے صلح کر لی مگر محمد (صعلم) مکر گئے اور پہلے ہی کی طرح بتوں کی مذمت شروع کر دی۔ اس پر اہل مکہ بھی پہلے ہی کی طرح ان سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔

یہ سن کر مہاجرین نے باہم مشورہ کیا۔ قرار پایا کہ اپنے اپنے عزیزوں کو دیکھ کر واپس آجائیں گے اور وہ شہر مکہ میں پہنچ گئے۔

(حضرت) محمد (صلعم) کی طرف قریش کے بتوں کی ستائش کا یہ واقعہ مختلف روایات میں منقول ہے، یعنی۔

الف: جب قریش نے آپ سے کہا ”اب جب کہ آپ نے ہمارے معبودوں کی برتری تسلیم کر لی ہے تو ہم بھی آپ کے ساتھی ہیں“ (اما اذ جعلت لالھتنا نصیبا فنحن معک)۔

ب: سورۃ النجم کے نزول سے دوسرے روز جبرئیل امین تشریف لائے اور سورہ (النجم) کی مراجعت ہوئی تو آں حضرت کی زبان سے ”تلك الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی[1]“ سن کر جبرئیل نے عرض کیا یہ آیتیں میں تو نہیں لایا تھا۔ رسول اللہ نے فرمایا ”مبادا میں نے ہی یہ بڑھا دی ہوں؟“

ج: اس واقعہ کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وان کادوا لیفتنونك عن الذی اوحینا الیك لتفتری علینا غیرہ واذا لا تخذوك خلیلا ولو لا ان ثبتنك لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا اذا لاذقنك ضعف الحیوۃ وضعف الممات ثم لا تجد لك علینا نصیرا (۱۷: ۷۳-۷۵)

(اے پیغمبر!) قریب تھا کہ مشرکین آپ کو فریب دے کر کلام الٰہی کی تبلیغ سے روک دیتے اور اپنی اس کامیابی میں آپ کی دوستی کا دم بھرنے لگتے، مگر ہم نے کرم فرمایا کہ آپ کو ذرہ برابر ان کی طرف مائل نہ ہونے دیا۔ اگر آپ سے یہ لغزش ہو جاتی تو دارین میں آپ کو دو چند عذاب سے دوچار کرتے اور

---

[1] یہ حسین و جمیل باوقار دیویاں! بے شک عند اللہ ان کی شفاعت کی توقع کی جا سکتی ہے: م:

ھمارے خلاف کوئی بھی آپ کا مددگار
نہ ھوتا

یہ آیت نازل ھونے پر آپ از سر نو قریش اور ان کے بتوں کی مذمت پر آتر آئے۔

مستشرقین نے ھمارے نادان اور بے مایہ سیرت نویس اور ارباب تفسیر کی زبان سے یہ روایات لپک لیں اور ان پر دل کھول کر حاشیہ آرائیاں فرمائیں۔ لیکن اس فرضی داستان کا تاروپود بکھیرنے کے لئے معمولی نقض کافی ھے۔ حالانکہ یہ(واقعہ)انبیاء کی عصمت کے بھی منافی ھے۔

اول : ھمارے جامعین کا اپنی کتابوں میں اسے نقل کرنا محض بوالعجبی ھے۔ یہی وجہ ھے کہ جب ابن اسحاق (صاحب سیرت ابن ھشام :م:) سے اس کی صحت کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا ’’انہ من وضع الزنادقہ،، (یہ واقعہ زندیقوں کی گھڑنت ھے)۔

دوم : واقعہ کو صحیح تسلیم کرنےوالے جامعین (کتب) نے آیت ’’وان لیفتنونك عن الذی او حینا الیك،، (۱۷: ۷۶) کے ساتھ سورہ حج کی مندرجہ ذیل آیت کو بھی اپنے استدلال کے لئے ضم کر دیا!

وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطن ثم یحکم اللہ ایتہ واللہ علیم حکیم۔ لیجعل ما یلقی الشیطن فتنہ" للذین فی قلوبھم مرض والقاسیہ" قلوبھم وان الظلمین لفی شقاق بعید۔ (۲۲ : ۵۲-۵۳)

(اور اے پیغمبر!) ھم نے آپ سے پہلے جس قدر رسول اور نبی بھیجے سب کا معاملہ یکساں رہا۔ جونہی انھوں نے لوگوں کی ھدایت کے لئے کچھ فرمایا شیطان نے ان کی اس تمنا میں لوگوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کر دیا مگر اللہ نے ابلیس کی در اندازی کا اثر مٹا کر اپنی نشانیوں کو اور زیادہ ابھار دیا کہ وہ تو سب کچھ جاننے والا اور صاحب حکمت ھے۔ شیطان کی وسوسہ اندازی میں یہ مصلحت تھی کہ وہ ایسے لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ثابت ھو سکے جو قبول صداقت کے لحاظ سے سنگدل واقع ھوئے ھیں اور بلا شبہ ایسے لوگ بڑی گہری مخالفت پر اترے ھوئے ھیں۔

غرانیق کے ساتھ لفظ ’’تمنی،، کا پیوند: لفظ ’’تمنی،، کی تفسیر میں دو گروہ ھیں۔

الف : تمنی قرأ جب نبی نے قرآن کی وہ آیات پڑھیں جو ابھی نازل ھوئی تھیں۔
ب : تمنی : بمعنی؛ اس نے خواھش کی۔

ان معنوں کی بے محل تاویل میں مسلمانوں کے نادان سخن فہم جامعین روایات اور ارباب تفسیر کی پیروی میں مستشرقین بھی ان سے متفق ھو گئے۔ ان حضرات کا مقصد یہ

ہے کہ مسلمانوں کے لیے مشرکوں کی طرف سے ایذا دہی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ جس کو چاہا قتل کر دیا اور جس کو چاہا چلچلاتی دھوپ میں ریت پر لٹا دیا۔ پھر اس غریب کے سینے پر پتھر بھی رکھ دیا۔ یہ حضرت بلال ہیں۔ جن کے تڑپنے کا نظارہ بھی دیکھا گیا۔ مسلمان ان مظالم سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، لیکن رسول اللہ قریش کی ہدایت اور ان کی بتوں سے مخلصی کے دلدادہ تھے۔ اس لئے کفار سے قرب کے طمع میں انہوں نے سورۂ انجم میں دو آیتیں (تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى) کا اضافہ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سورۂ النجم کی آیت سجدہ پر آں حضرت نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ مطابقت ثابت رکھنے کے لیے مشرکین بھی سجدہ میں گر پڑے۔ کیونکہ آں حضرت (صلعم) نے اللہ کے ساتھ ان کے بتوں کا تقرب تسلیم کر ہی لیا تھا۔

سر ولیم میور اس روایت سے یہ استدلال کرتے ہیں

”واقعہ غرانیق بایں دلائل صحیح ہے کہ مہاجرین حبشہ جو نجاشی کے ملک میں آسودگی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے اگر انہیں محمد اور قریش کی مصالحت کی خبر نہ ملتی تو وہ حبشہ سے قیام ترک کر کے اپنے عزیزوں میں رہنے کے لیے مکہ واپس نہ آتے۔

نہ (حضرت) محمد (صلعم) اور قریش کی مصالحت ہی اس صورت کے بغیر ہو سکتی تھی کیونکہ محمد (صلعم) کے مقابلہ میں قریش اس قدر طاقت ور تھے کہ ان کے دوستدار بھی ان کے ستم و ظلم سے محفوظ نہ تھے اور قریش کو صلح کا یہ اچھا بہانہ ہاتھ آ گیا “

جواب: سر ولیم میور کے دلائل پر دو طرح سے نقض ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی حبشہ سے مراجعت کے دو اسباب ہیں۔ اور ان دونوں میں قوی سبب حضرت عمر کا اسلام لانا ہے جو مہاجرین کی حبشہ سے مراجعت سے کچھ عرصہ پہلے وقوع میں آیا۔ عمر بن الخطاب اسلام لانے سے قبل جس سختی سے کفر کی حمایت کرتے رہے سب کو علم ہے۔ مگر دین الٰہی اختیار کرنے کے بعد اپنی استقامت کے ساتھ اسلام کی حمایت میں سربکف ہو کر نکل آئے اور یہ بھی سب پر واضح ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اپنا اسلام لانا ایک لمحہ کے لیے مخفی نہ رکھا۔ عمر نے روسائے کفار کے حلقے میں اپنے دین کا علانیہ اظہار فرمایا۔ مخالفین نے تکرار کی راہ اختیار کی تو عمر نے اس راستے پر بھی آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے کھلے بندوں بیت اللہ میں نمازیں پڑھیں اور بغیر کسی خوف اور ڈر کے اللہ کے احکام بجا لائے۔

قریش عمر کی اس بے خوفی و بے باکی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ انہیں یہ یقین ہو گیا کہ اگر مسلمانوں کی ایذا دہی کا سلسلہ جاری رہا تو اس سے باہمی لڑائی کا دروازہ کھل جائے گا جس کے بارہ میں خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب ختم ہو اور کس کس کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ قریش یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ ہماری ہی قوم میں سے بہت سے قبائل اور گھرانے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اس لیے ان میں سے اگر کسی کو بھی قتل کیا گیا تو عصبیت کی بنا پر ان سے وابستہ قبائل انتقام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان حالات میں ان کے لیے سلامتی کی راہ یہی تھی کہ صلح کی کوئی تدبیر اختیار کی جائے۔

یہ تھے وہ حالات جو حبشہ کے مہاجرین کے لیے غور و فکر کا باعث ہوئے ۔ اور انھوں نے سوچا کہ جب قریش درپے آزار نہیں ہیں ۔ تو کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے ۔

مسلمان ارباب سیر وتفسیر پر گرفت : رہا واقعہ (غرانیق) کے اثبات میں ہمارے ہی جامعین سیرت و ارباب تفسیر کا مندرجہ ذیل آیات کے ساتھ استناد ۔

١ ۔ وان کادوا لیفتنونك عن الذی اوحینا الیك لتفتری علینا غیرہ واذا لاتخذوك خلیلا ولو لا ان ثبتناك لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا ۔ اذا لاذقنك ضعف الحیوۃ وضعف الممات ثم لا تجد لك علینا نصیرا (١٧ : ٧٣ - ٧٥)

(اے پیغمبر!) قریب تھا کہ مشرکین آپ کو فریب دے کر کلام الٰہی کی تبلیغ سے روک دیتے اور اپنی اس کامیابی میں آپ کی دوستی کا دم بھرنے لگتے، مگر ہم نے کرم فرمایا کہ آپ کو ان کی طرف ذرہ برابر مائل نہ ہونے دیا ۔ اگر آپ سے یہ لغزش ہو جاتی تو دارین میں آپ کو گوناگوں تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا اور ہمارے مقابلہ میں کوئی بھی آپ کی نصرت نہ کر سکتا ۔

٢ ۔ وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیته فینسخ اللہ ما یلقی الشیطن ثم یحکم اللہ ایته واللہ علیم حکیم (٢٢ : ٥٢)

(اور اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے جس قدر رسول اور نبی بھیجے سب کا معاملہ یکساں رہا ۔ ادھر انھوں نے لوگوں کی ہدایت کے لئے ان سے کچھ فرمایا ادھر شیطان نے ان کی تبلیغ میں لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر دی ۔ مگر اللہ نے ابلیس کی در اندازی کا اثر مٹا کر اپنی نشانیوں کو اور زیادہ ابھار دیا کہ وہ تو سب کچھ جاننے والا صاحب حکمت ہے ۔

اور ان مفسرین کا یہ استناد سر ولیم میور عیسائی کی آشفتہ فکری سے کہیں زیادہ حیرت انگیز ہے ۔ ان کی مفروضہ آیہ نمبر (١) کا یہی ٹکڑا ملاحظہ فرما لیجیے ۔

ولو لا ان ثبتناك لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا اذا لاذقنك ضعف الحیوۃ وضعف الممات ثم لا تجد لك علینا نصیرا (١٧ : ٧٤)

(کہ) اگر آپ سے یہ لغزش ہو جاتی تو دارین میں آپ کو زیادہ سے زیادہ عذاب سے دوچار ہونا پڑتا اور ہمارے مقابلہ میں کوئی آپ کا مددگار نہ بن سکتا ۔

گویا خداوند عالم فرماتا ہے کہ اگر شیطان رسول کی تلاوت میں دخل انداز ہو سکتا ہے اور خود رسول کا بھی دخل اندازی پر اگرچہ قدر قلیل ہی سہی مائل ہو جانا ممکن ہے تو ہم خدائے جبار و قہار رسول کو دنیا میں بھی عذاب سے دوچار کرتے اور عقبیٰ میں بھی ۔ اور معمولی عذاب نہیں بلکہ عام مجرموں سے کہیں زیادہ ۔

حادثہ غرانیق کے وضاعین کا خلاصہ سخن یہ ہے کہ ۔

رسول اللہ گھبرا کر مشرکین کے تقرب پر مائل ہو گئے ۔ انھوں نے آپ کو پوری طرح فریب میں رکھا ۔ حتی کہ آں حضرت کی زبان سے ان کی خوشنودی قائم رکھنے

کے لیے ''غرانیق العلی'' کا حادثہ رونما ہو گیا حالانکہ یہ ٹکڑا جزو قران نہ تھا لیکن متذکرۃ الصدر آیات نمبر (۱) و نمبر (۲) کے سیاق و سباق سے نتیجہ بر عکس مستنبط ہوتا ہے۔ یہ کہ خداوند عالم نے نبی کو مشرکین کے ساتھ اس قسم کے میلان کے قریب بھی نہ جانے دیا۔ کیا ارباب تفسیر کی خوش فہمی اور قلت درایت سے ان آیات کے شان نزول کی غلط تعیین پر ہم رسول اللہ کی عام روش کو نظر انداز کر دیں؟ تاکہ ایسے بے فہم ارباب تفسیر کے ساتھ ہمارا تعلق قائم رہے۔ خصوصاً جب کہ تبلیغ رسالت کا اصول اولین توحید کی بار آوری ہو۔

اور کیا آیہ ''وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمنیٰ القی الشیطن فی امنیته'' (۲۲ : ۵۳) کو داستان غرانیق کے ساتھ کوئی نسبت ہو سکتی ہے؟ اس (آیہ) میں تو یہ وضاحت کی گئی ہے کہ خداوند عالم مومنین کے قلوب میں القائے ابلیس کو دخل انداز ہی نہیں ہونے دیتا۔ ہاں تھڑدلے یا سنگدل اس القا کو قبول کر لیتے ہیں۔ اسی آیہ وما ارسلنا (۲۲ : ۵۳) کی خاتم آیت یحکم اللہ ایته واللہ علیم حکیم (۲۲ : ۵۳) پر بھی کبھی نظر فرمائی گئی۔

باندازِ تخلیق جدید: اگر واقعہ (غرانیق) کی جدید علمی طریق سے تنقید کریں تو ان روایات میں لفظاً بھی تطابق نہیں پایا جاتا مثلاً۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں۔ تلک الغرانیق العلا وان شفاعتهن لترتجیٰ۔
دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔ تلک الغرانقه العلا وان شفاعتهن ترتجی۔
تیسری روایت کے الفاظ ہیں۔ الغرانقه العلا وان شفاعتهن ترتجی۔
چوتھی روایت کے الفاظ ہیں۔ انہا لہی الغرانیق العلا وان شفاعتهن ترتجی۔
پانچویں روایت کے الفاظ ہیں۔ وانہن الغرانیق العلا وان شفاعتهن لہی التی ترتجی۔

یہ روایت ان الفاظ کے سوا دوسری کتابوں میں اور اور الفاظ سے منقول ہے۔ اور متن کا اختلاف الفاظ روایت کے موضوع ہونے کے لیے کافی ہے، جیسا کہ ابن اسحاق نے فرمایا (انه من وضع الزنادقه) اور اس روایت کے وضع کرنے سے دشمنان محمد کا مقصد آپ کی صحت رسالت میں شک پیدا کرنا ہے۔

سورۂ نجم کی آیات کا سباق: جو بجائے خود تغلیط واقعہ کے لیے دلیل ہے۔

لقد رای من ایت ربه الکبری افرءیتم اللات والعزی۔ ومنوۃ الثالثه الاخری الکم الذکر وله الانثی تلک اذاً قسمة ضیزی ان هی الا اسماء سمیتموها انتم واباؤکم ماانزل الله بها من سلطن۔ ان یتبعون الا الظن وما تهوی الانفس۔ ولقد جاءهم من ربهم الهدی (۵۳: ۱۸-۲۳)

بلا شبہ رسول نے اپنے پروردگار کی بڑی سے بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اور اے مشرکین تم تو صرف لات و عزی کے مجسمے اور زیادہ سے زیادہ مناۃ دیوی دیکھ کر ان کی خدائی پر تکیہ لگا بیٹھے ہو! اور تم نے یہ تقسیم بھی تو عجیب کی ہے کہ خدا کی جھولی میں تو بیٹیاں ڈال دیں اور اپنے لیے بیٹے پسند کر لیے۔ ارے! تمہارے ان لات و عزیٰ اور منات کی خدائی بھی کوئی حقیقت رکھتی ہے جسے تم نے اور تمہارے بزرگوں نے خود پر واجب کر رکھا ہے۔ کیا اللہ نے بھی ان کی خداوندی کی سند ارشاد فرمائی!

(اے پیغمبر!) یہ لوگ یا تو ظن و گمان کے بندے ہیں یا اپنے نفس کے پوجاری، باوجودیکہ ان کے پاس ان کے پروردگار حقیقی نے ہدایت (قرآن) نازل فرما دی۔

یہ آیت وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ لات، عزیٰ اور منات اپنی وضع و قطع کے اعتبار سے بھی اس قدر بے مایہ ہیں کہ تم ہی نے انہیں تراشا اور ان کے نام اپنے بزرگوں سے سن سنا کر رکھ لیے اور کچھ خود بخود تجویز کر لیے۔ کیا خدائے یکتا نے بھی اس پر دلیل تمھیں سپرد فرمائی؟

نتیجہ نقض: کیا اس ترتیب کے ساتھ ان آیات میں غرانیق کا تداخل اس طرح ممکن ہے کہ افرءیتم اللات والعزیٰ ومنوة الثالثة الاخری وتلک الغرانیق العلاء ان شفاعتهن لترتجی الکم الذکر وله الانثی تلك اذاً قسمة ضیزی ان هی الا اسماء سمیتموها انتم وآباؤکم ما انزل الله بها من سلطان[1] (۵۳: ۲۳)۔ اس طرح کے تداخل کو صحیح مان لینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آیت باہم متناقض ہو جائے گی، کیونکہ اس طرح پہلے تو ان کی ایک جملہ میں تعریف ہوگی اور اس کے بعد مسلسل چار آیتوں میں مذمت۔ کیا قرآن اس اضطراب، تناقض اور آشفتہ بیانی کا متحمل ہو سکتا ہے جس کی بلاغت ذروۂ کمال تک پہنچی ہوئی ہے؟ قرآن تو قرآن کیا کوئی سمجھ دار انسان بھی اس حرکت کا مرتکب ہو سکتا کہ ایک ہی سانس میں دو مختلف اور متناقض باتیں کہے؟ ظاہراً یہ تداخل ہے جو زنادقہ کی گھڑنت ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

لفظ ”غرانیق،، پر شیخ محمد عبدہ کا مواخذہ: (فرماتے ہیں) عرب نے اپنے اشعار اور خطبوں میں لفظ غرانیق اپنے معبودوں کے متعلق استعمال نہیں کیا کیونکہ غرانیق اور غرنوق (دونوں لفظ) سیاہ و سفید رنگت والے حسین آبی پرندہ کے لیے مستعمل ہیں (م: مثلاً کلنگ و قاز وغیرہ) یا یہ الفاظ سفید رنگ حسین نوجوان کے لیے آتے ہیں، لیکن بتوں کے ساتھ ان لفظوں کی مطابقت غیر متعلق ہے۔

بتوں کی شفاعت کے متعلق رسول اللہ کی زندگی سے استدلال: آں حضرت صلعم کے عہد طفولیت و زمانۂ رشد اور دور شباب میں سے کسی وقت میں بھی آپ سے کذب کا صدور نہیں ہوا۔ اسی کی شہرت تھی کہ جونہی آپ نے زندگی کی پچیسویں منزل میں قدم رکھا مکہ والوں ہی نے آپ کو امین کہہ کر خطاب کیا اور اس خوبی کا چرچا اس قدر عام اور ہمہ گیر ہوتا گیا کہ بعثت کے بعد جب آپ نے کوہ صفا پر تشریف فرما کر قریش سے سوال کیا کہ:

ارءیتم لو اخبرتکم ان خیلا بسفح هذا الجبل اکنتم تصدقونی؟	اے قریش! اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے ادھر ایک لشکر جرار تم پر حملہ کرنے کے لیے چھپا ہوا ہے تو تم میری بات صحیح سمجھ لوگے؟
جواب) نعم! انت عندنا غیرمتهم وما	اے محمد! ہم آپ کی یہ بات اس لیے

---

[1] ۔ لکیر شدہ جملے زیر بحث ہیں جو خارج از قرآن ہیں: م:

جربنا علیك كذباً ۔ صحیح تسلیم کر لیں گے کہ آپ نے
کبھی جھوٹ نہیں بولا ۔

ایسے امین کی طرف یہ بہتان منسوب کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ اس نے بندوں کی بجائے رب العالمین کی ذات سے ایسی بات منسوب کی ہو جو اس (ذات واحد) نے فرمائی ہی نہیں ! اور وہ بھی خدا کے خوف سے نہیں بلکہ بندوں سے ڈر کر ! ! ! حالانکہ رسول ایک اللہ کے سوا کسی اور سے خائف نہیں ہوتا ۔ کس قدر مستبعد ہے یہ امر کہ جو شخص اپنے سے پہلے لوگوں میں سے اس راہ پر چلنے والوں کے ثبات قدم کو پہچانتا ہو اور اس پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو کہ حقیقت کی راہ میں سہل انگاری اور بے پروائی کا وجود ہی نہیں ایسے شخص سے یہ ارتکاب کیونکر ہو سکتا ہے ؟ جس شخص نے انہی قریش کی جانب سے چاند اور سورج کو دائیں اور بائیں کے مطیع فرمان ہو جانے پر بھی اپنے دعوائے توحید کو ترک کرنے پر رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو، یہاں تک کہ اس نے اپنے مدعا کی تبلیغ میں جان تک قربان کرنے کا تہیہ کر لیا ہو، آج وہی شخص بتوں کی مدح سے اپنے کیے دھرے پر پانی پھیر دے ! اللہ نے جس دین کی تکمیل کے لیے اسے مبعوث فرمایا ہو اسی دین کی بنیادیں اپنے ہاتھ سے کھود کر پھینک دے ؟

اور بتوں کی یہ بزرگی بیان کرنے کا زمانہ بعثت سے دس برس بعد آیا ہو جب کہ آں حضرت صلعم کے دوستدار انہی قریش کے ہاتھوں طرح طرح کی ایذائیں برداشت کر چکے ہوں ۔ اس دور کی بجائے آج ان بتوں کی شفاعت تسلیم کی گئی جب حمزہ اور عمر کے داخل اسلام ہونے سے مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار پھر لوٹ آیا ہو اور مکہ میں مسلمانوں کا پھیلاؤ دیکھ کر قریش نے ان کی آبرو ریزی و ایذا رسانی سے ہاتھ روک لیا ہوا اور جس دور میں یہ واقعات (اہل مکہ کے ہاتھ سے مسلمانوں کی ترک ایذا) بلاد عرب سے نکل کر حبشہ اور دوسرے نواحی ملکوں میں سنے جانے لگے ہوں ؟

قرائن سے ثابت ہے کہ واقعہ غرانیق کا کوئی وجود نہیں ۔ اسے دشمنان محمد نے وضع کیا مگر اس کے چہرے پر ایسا غازہ ملا جس کی رنگت دیکھنے کے ساتھ ہی پھیکی نظر آنے لگے جیسا کہ الزام دہندہ کہتے ہیں کہ : محمد قریش کی باتیں سنتے رہے ، یہاں تک کہ خود ان کی زبان سے بھی بتان قریش کی قبول شفاعت پر ایک کلمہ نکل گیا ۔ لیکن جب وہاں (کعبہ) سے اٹھ کر اپنے دولت خانہ پر تشریف لائے تو اپنے پر پچھتاوا ہوا اور خدا کے حضور میں توبہ پیش کی جس پر جبریل حاضر ہوئے تا بہ آخر قصہ (بر صفحہ ۱۸۵) ۔

الزام لگانے والوں نے غرانیق کے رخ پر یہ غازہ مل کر واقعہ کو خوش نما کر کے دکھانا چاہا ، لیکن نفس واقعہ کی نفی کے لیے یہ ملمع بجائے خود شہادت ہے ، اس لیے کہ اگر آں حضرت کی زبان سے یہ کلمات نکل جاتے تو آپ کو گھر جا کر سوچنے کی بجائے وہیں غور کرنے میں کیا امر مانع تھا ؟ ذرا سے پچھتاوے پر اگر گھر میں وحی آسکتی ہے تو وہاں بھی آسکتی تھی جہاں یہ غلطی سرزد ہوئی ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ (اسلام کے) صدر اول میں اس واقعہ کا کسی کو سان و گمان بھی نہ تھا ، صرف حاسدان اسلام نے بعد میں اسے وضع کر کے اپنے دل کا غبار نکالنا چاہا ۔ یہ افتراء عائد کرنے والوں کی جرأت پر اور بھی حیرت ہے ۔ انہوں نے الزام تراشی کے لیے کونسا مسئلہ تراشا ! توحید جو رسالت کا اولین مقصد ہے جس کی تبلیغ

کے لیے آپ کی بعثت وجود میں آئی اور جس (توحید) کی تبلیغ کے لیے بعثت سے لے کر زندگی کے کسی لمحہ میں سہل انگاری سے کام نہ لیا ۔ وہ توحید جس کی تبلیغ سے منع کرنے کے لیے قریش کی طرف سے مال و منصب اور حسینۂ عرب کا لالچ دیا گیا ۔ یہ سانحہ اس وقت رونما کیوں نہ ہوا جب آپ کے پیرووں کی تعداد بھی معمولی سی تھی ، نہ اس وقت صادر ہوا جب قریش نے دوستداران محمد کو توحید سے ہٹانے کی نیت سے ان کی ایذا رسانی میں طرح طرح کے جور و ستم برپا کر رکھے تھے؟

دشمنان محمد کا آں حضرت پر بہتان لگانے کے لیے ایسا مسئلہ وضع کر لینا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ رسول پاک توحید کے معاملہ میں کس قدر ثابت قدم تھے ۔ دوسری طرف بہتان لگانے والوں کی یہ جرأت کس قدر حیرت افزا ہے! پھر جن لوگوں نے اس واقعہ کی تصدیق شروع کر دی ان کی فریب خوردگی بجائے خود عجیب ہے کہ رسول عربی جس توحید کے داعی تھے اسی کو تہس نہس کرنے بیٹھ گئے ۔

پھر مہاجرین حبشہ کی مراجعت کا تذکرہ: جس طرح مسئلۂ زیر بحث تصدیق سے عاری ہے اسی طرح مہاجرین حبشہ کی مراجعت سے اس کا ربط محال! ان کی واپسی کے اسباب اور ہی تھے جن کا تذکرہ صفحہ ۱۸۶ پر کر دیا گیا ہے ۔ حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد ان کی طرف سے مسلمانوں کی برملا حمایت و نصرت جس سے قریش نے مسلمانوں پر ستم رانی سے ہاتھ روک لیا ۔ مزید برآں خود نجاشی کے لیے خطرات بڑھ گئے تھے اور مسلمان سمجھتے تھے کہ کہیں ہمیں اس فتنہ کی لپیٹ میں نہ دھر لیا جائے ۔ اس لیے انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ اس فرصت سے فائدہ اٹھایا جائے ۔ مگر جب مہاجرین حبشہ دوبارہ حبشہ کو لوٹ گئے تو انہیں یہ خوف پیدا ہوگیا کہ مبادا حبشہ میں رہ کر ان کی قوت میں اضافہ ہونے لگے ۔ اس سے متاثر ہو کر قریش نے باہم منصوبہ بنایا کہ ایک مشترک دستاویز لکھی جس میں بنو ہاشم سے مناکحت، خرید و فروخت اور نشست و برخاست تک کا مقاطعہ کیا گیا ۔ اسی طرح کا منصوبہ جیسا کہ (اس کے بعد) قریش نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ جہاں تک ہو سکے سب لوگ جتھہ بنا کر بیک ساعت حضرت محمد کو قتل کر کے سکون کی زندگی بسر کریں ۔

صادق
امین
عبداللہ
محمد
کلیم اللہ
حبیب اللہ
نجی اللہ
ناصر
منصور
مصباح
امر
حافظ
کامل

قریش کی ایذا رسانیاں

قریش کی ایذا رسانیاں

حضرت عمر کے مسلمان ہونے سے قریش کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ اسلام کی جماعت میں اسی جرأت سے سربکف ہو کرا بڑھے جس دلیری کے ساتھ وہ جاہلیت میں کفر کی پشتیبانی میں پیش پیش تھے۔ جناب عمر کا اپنا اسلام چھپانا یک طرف، انہوں نے اکابر قریش کے مجمعوں میں برملا اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور اگر کسی نے ان کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے تعرض کیا تو اس کے مقابلہ و مقاتلہ تک میں تامل نہ تھا۔ حضرت عمر نے مسلمانوں کو بھی اسلام چھپانے سے منع کیا جہاں وہ شہر سے باہر دور پہاڑیوں میں چھپ کر نمازیں پڑھتے۔ حضرت عمر کی پشت پناہی پر انہوں نے کعبہ کے سامنے سب کے روبرو ادائے صلوٰۃ شروع کر دی۔ قریش نے محسوس کیا اگر اب بھی ہم نے پہلے کی طرح جناب محمد اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ایذا رسانی جاری رکھی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ دوڑ دوڑ کر اسلام میں داخل ہونا شروع ہو جائیں گے، جناب حمزہ اور حضرت عمر جیسے مردان کار آزمودہ مسلمانوں کی حمایت میں شمشیر بکف میدان میں اتر آئیں گے، حبشہ سے انہیں کمک مل جائے گی اور ادھر ادھر سے مسلمانوں کے قرابت دار ان کی نصرت کرنے پر مائل ہو جائیں گے۔

ایذا رسانی کا ایک اور منصوبہ: کفار نے بالاتفاق ایک دستاویز لکھی جس میں بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے معاشرتی مقاطعہ پر سب کے دستخط ہو گئے۔ ان کے ساتھ رشتہ ناطہ، لین دین اور دعا سلام ہر ایک معاملہ میں ترک موالات! اس دستاویز پر مکہ سے باہر کے ستم گروں نے بھی ثبت کر دیا اور تکمیل کے بعد یہ دستاویز بطور اعلام کعبہ میں لٹکا دی گئی۔ قریش یہ مقاطعہ کر کے اس فریب میں مبتلا ہو گئے کہ بنو ہاشم سیاست کے اس پھیر میں آ کر بھوک سے تڑپ اٹھیں گے اور یہ طریقہ ان کی ان سابقہ سیاسی چالوں سے زیادہ کارگر ثابت ہوگا جن چالوں میں وہ مسلمانوں کی ایذا دہی پر ہر لمحہ کمر بستہ رہے ہیں لیکن اگر اکا دکا مسلمان ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو قریش اپنی کرتوت سے باز نہ رہتے۔

کم و بیش تین سال تک یہ مقاطعہ جاری رہا۔ قریش امید لگائے بیٹھے رہے کہ حضرت محمد کے ساتھی آج انہیں اکیلا چھوڑ کر ان کے قدموں میں سر رکھ دیں گے اور اسلام کی تبلیغ خود بخود ختم ہو جائے گی، لیکن اس مقاطعہ سے جناب محمد صلعم کی استقامت اور بھی سوا ہو گئی۔ ان کے ساتھیوں کی قوت ایمان آئے دن بڑھتی گئی۔ اپنے پیشوا کی اطاعت و نصرت کا ذوق اور زیادہ ہو گیا قریش نے انہیں مکہ سے نکالنے پر مجبور کر دیا تو انہوں نے پہاڑیوں میں رہ کر تبلیغ کا راستہ نکال لیا اور جو دین کل تک

مکہ کی پہاڑیوں مبن محصور تھا آج دشت و جبل کی کھلی فضائیں اس کی آواز سے گونج اٹھیں ۔ اسلام کی شہرت پورے جزیرہ (عرب) میں پھیلنا شروع ہوگئی ۔ بادیہ نشین اور نواح کی بستیوں میں رہنے والے اسلام قبول کرنے کے لیے آگے بڑھ آئے جس سے قریش کے دل میں ایک اور ناسور ابھر آیا ۔ ”ہمارے بتوں کی توہین کرنے والے حریف کا تدارک اور بھی مشکل ہوگیا! بادیہ نشینوں کو اسلام لانے سے کس طرح روکا جائے! اگر مکہ سے باہر جناب محمد کی قبولیت اسی طرح بڑھتی گئی تو ہمارا مذہبی اقتدار اور تجارت خاک میں مل جائے گی“ ۔

قریش سے جو کچھ بن آیا، انھوں نے اپنے مزعومہ حریف کی دشمنی اور اپنے باپ داداؤں کے مفروضہ خداؤں کی موافقت میں پوری قوت صرف کر دی ۔ جس دعوت کے استیصال میں وہ کئی سال سے تن دھی سے لگے ہوئے تھے اس طرح کہ بغیر دیکھے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔

قریش کا جناب محمد کو دھمکانا ، ان کے گھر بار اور خاندان کو مرعوب کرتے رہنا، اسلام کی تحقیر، رسول پر تمسخر، کہیں ان کے پیروؤں کا مضحکہ ، شعراء کو آں حضرت اور اسلام کی ہجو پر لگائے رکھنا اور بانیٔ اسلام اور اس کے دوست داروں کی ایذا رسانی سے دل کا غبار نکالنا ۔ جب اس پر بھی انھوں نے کامیابی کا منہ نہ دیکھا تو رسول اللہ کو رشوتوں سے لبھانا شروع کر دیا ۔ اپنے رعایا بننے کا قبالہ لکھنے پر آمادگی ، حضرت کے قدموں میں مال و زر کے انبار لگا دینے کا اظہار اور یہ وعدہ کہ اگر فرمائیے تو حسینۂ عرب خدمت کے لیے پیش کی جائے ۔ اس پر بھی دل کی امید بر نہ آئی تو مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کر دیا ۔ یہ وار بھی کارگر ہوتا نظر نہ آیا تو معاشرتی مقاطعہ پر اتر آئے ۔ اب تو جناب محمد کے ساتھی بھوک سے گھبرا کر ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جائیں گے ۔ اے حضور! تقصیر معاف کر دیجیے ورنہ ہم تڑپ تڑپ کر جان کھو بیٹھیں گے ۔

مگر جناب محمد اور ان کے ساتھیوں پر قریش کا کوئی حربہ کارگر نہ ہو سکا ۔ رسول اللہ ایک سی لگن کے ساتھ دعوت اسلام پھیلانے میں مصروف رہے جن کے لیے اللہ نے آپ کو ”بشیر“ و ”نذیر“ دونوں خوبیوں کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا ۔ قریش کو پے بہ پے ناکامیاں ہی دیکھنا پڑیں ، پھر بھی انہیں رسول اللہ کے خلاف فتنہ و فساد سے ہاتھ روکنے کا خیال نہ آیا ۔ وہ شخص جس نے اپنے حسن کردار اور ادائے امانات سے انہی سے امین کا خطاب حاصل کیا ہو وہ لوگ دینی امانت میں اس کی تصدیق سے کیوں رک گئے یا کیا اب وقت آ گیا ہے کہ قریش اپنے پرانے ہتھکنڈوں کو چھوڑ دیں اور اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اس شخص پر ایمان لے ہی آئیں جس کو وہ شروع سے اچھی طرح جانتے ہیں اور جس کے بارے میں وہ ہمیشہ سے نیک گمان میں رہے ہیں ۔ یا وہ اس بات کے درپے رہے ہیں کہ اسلام کے استیصال کے لیے کوئی اور حربہ اختیار کیا جائے تاکہ عرب پر ان کی سیادت بدستور قائم رہے ، ان کے بتوں کی مرجعیت میں ضعف نہ آئے ، ان کے شہر کو جو تقدس بتوں کی وجہ سے حاصل ہے اس پر کوئی دھبہ نہ آنے پائے ۔

نہیں ، اہل مکہ کی بدنصیبی بدستور ان کے گلوگیر ہے ۔ ان کی تقدیر میں جناب محمد کی پیروی، کا حرف لکھا ہی نہیں گیا ۔ انہیں الٹا یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ

جناب محمد کی دعوت مکه سے نکل کر تمام عرب میں کیوں پھیل رهی ہے ۔ اب انهوں نے دین اسلام کی دعوت کے خلاف اپنی اس دعوت کے پرچار کا نیا منصوبه گھڑا جسے وه شروع سے صرف مکه میں استعمال کرتے چلے آئے تھے ۔

ایسی دعوت جس کے فروغ میں اگر مجادله ضروری هو تو گریز نه کیا جائے ، دلیل سے مطلب نکلے یا دشنام طرازی سے ، جس طریق سے عهده برآئی ممکن هو اس کے استعمال میں تامل نه کیجیے ۔ اپنے مزعومه دشمن رحمة للعالمین صلی الله علیه وسلم کے خلاف بهتان طرازی ، ان کے پیش کرده دلائل کی تضعیف ، ان کے دلائل کا دلائل سے جواب، اس عقیده کے مقابلے میں اپنے اعتقاد کی برتری کا ثبوت بدلائل یا افترا بهر دو صورت یا ان کے عقیده اور ذات میں تهمت تراشی تک کا ارتکاب — غرض جناب محمد کی دعوت کے مقابله میں اپنی دعوت کو اس انداز سے پھیلایا جائے که مکه سے باهر رهنے والے نه صرف بادیه نشین بلکه تمام جزیرة العرب میں یه دعوت کفر و انکار مقبول هو سکے ۔

قریش نے یه سمجھ لیا که مکه کے مسلمانوں پر تو تهدید و ایذا رسانی کے حربے اثر انداز هو سکتے هیں لیکن یه حربے ان هزاروں انسانوں کے خلاف استعمال نهیں کیے جا سکتے جو مکه میں حج کے لیے داخل هوتے هیں یا کبھی انهیں تجارتی لین دین یهاں کھینچ لاتا ہے ۔ کبھی عکاظ و مجنه اور ذوالمجاز کے میلوں کی کشش انهیں ادھر لے آتی ہے جن میں شرکت کی وجه سے وه کعبه کا حج بھی کر لیتے هیں ، جسے وه همارے بتوں سے تقرب کا ذریعه سمجھ کر ان کے ناموں کی قربانی بھی کرتے هیں ۔ ان کی برکت اور بخشش سے بهره مند هونے کے لیے قریش اگرچه یه ارتکابات دعوت محمدیه کے ظهور هی کے وقت سے کرتے چلے آ رهے تھے ، لیکن اب آ کر ان کے دل میں ایک اور داعیه پیدا هوا ۔

آج تک سرور دو عالم صرف قرابت داروں کے لیے دعوت اسلام کے مکلف تھے (آیه وانذر عشیرتك الاقربین ۲۶ : ۲۱۴ کے مطابق) جس کے اثر سے آپ کے بعض رشته داروں نے اسلام قبول کر لیا اور بعض ایذا رسانی پر تل آئے ، مگر آج وحی الٰهی نے خاتم المرسلین کو تمام عرب کی طرف دعوت کا ارشاد صادر فرما دیا ۱ اور اس کے بعد تمام عالم کے لیے ۔

اس حکم خداوندی کے مطابق رسول الله حج کے موقعه پر آنے والے قافلوں کے خیموں میں تشریف لے جاتے اور انهیں الله واحد لاشریک پر ایمان لانے کی تلقین فرماتے ۔ دعوت توحید کی اس وسعت سے قریش کے سینوں پر سانپ لوٹ گیا ۔ ان کی ایک ٹولی ولید بن مغیره کے پاس آئی ۔ قریش نے ولید کے سامنے جناب محمد کی حاجیوں میں پذیرائی کا رونا روتے هوئے کها : اے ولید! ایسا نه هوکه همارا حریف اس میں کامیاب هو جائے! هم چاهتے هیں که باهر سے آنے والے قافلوں میں هم بھی اپنی دعوت کا پرچار شروع کر

۱۔ وهذا کتاب انزلناه مبارك مصدق الذی بین یدیه ولتنذر ام القری ومن حولها ۔ (۶ : ۹۲)	اور یه بابرکت کتاب ہے جو پهلی آسمانی کتابوں کی بھی مصدق ہے (اور اس لیے نازل هوئی ہے) که تم وادیٔ مکه اور اس کے تمام نواح کو عذاب آخرت سے ڈراؤ :م:

دیں! ۔ یہ طے پا جانے کے بعد گفتگو یہاں تک آپہنچی کہ وہ سب لوگ جناب محمد کے خلاف کوئی ایک بات کہنا مقرر کر لیں ۔ ایک شخص نے تجویز پیش کی (کہ ان میں سے) جو شخص جس سے ملاقات کرے اس کے سامنے جناب محمد کو کاہن بتائے مگر ولید نے یہ کہہ کر اسے رد کر دیا کہ نہ تو محمد کاہنوں کی طرح گنگنا کر بات کرتا ہے نہ اس کے کلام میں تک بندی ہی ہوتی ہے ۔ دوسرے نے آپ کو دیوانہ بتانے کی تجویز پیش کی ۔ اس پر ولید نے کہا مگر اس میں جنون کا شمہ بھی نہیں ۔ ہم ایسی بات اس کے دسے کیسے لگا سکتے ہیں؟ تیسرے نے کہا: جادوگر؟ ولید نے کہا یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے ۔ وہ نہ تو گرہیں لگا کر ان پر دم پھونکتا ہے، نہ کبھی اس نے سحر ہی کیا ہے ۔

بہت سی قیل و قال کے بعد ولید نے اپنی طرف سے مشورہ پیش کیا: ”حاجیوں کے سامنے یہ ثابت کیا جائے کہ محمد نے سحر بیانی سے باپ بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے، بھائی بھائی سے الگ ہو چکا ہے، میاں بیوی میں تفرقہ پڑ گیا ہے اور قبیلوں اور خاندانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی ابھر آئی ہے“ ۔ ولید نے انہیں یہ نصیحت کی کہ ان باتوں کے ثبوت میں اہل مکہ کا وہ اتفاق و یک جہتی بیان کی جائے جو تمام عرب میں ضرب المثل تھی یا آج اس شخص کی سحر بیانی نے شہر والوں میں اس قدر تفریق پیدا کردی کہ وہی لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں ۔

یہ مشورہ قرار پانے کے بعد قریش باہر سے آنے والے حاجیوں کے خیموں کی طرف جانا شروع ہوگئے اور قرارداد کے مطابق رسول اللہ کی سحر بیانی سے خوف دلانے اور زمین آسمان کے قلابے ملا کر ادوں کی لینے لگے ۔ انہیں یہ خوف کھائے جاتا تھا کہ اگر رسول اللہ کی دعوت بادیہ نشینوں میں پھیل گئی تو عرب میں بتوں کے خلاف آگ سی لگ جائے گی ۔

لیکن قریش ہی نے جس دعوت کو سحر بیانی کا نام دیا ہو اس کے سامنے ان کی (یہ) طفلانہ دعوت کیونکر قدم جما سکتی تھی؟ ممکن نہیں کہ حق کو مؤثر انداز میں بیان کیا جائے اور لوگ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیں ۔ ممکن ہے ایسی تبلیغ میں اپنے حریف کی عظمت اور اپنے عجز کا اعتراف ان کے لیے منفعت رساں ہو سکتا ۔ مگر ان کا یہ ذریعہ بھی ناکام ثابت ہوا ۔

نضر بن حارث: اب قریش نضر بن حارث کی امداد کے طلب گار ہوئے جو قریش کا ابلیس تھا ۔ وہ (نضر) کچھ مدت حیرہ میں رہ کر شاہان فارس اور رستم و اسفندیار کے واقعات اور مجوس کی عبادت کے طور طریقے سنا کر کہتا کہ محمد کی باتیں میری داستان کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتی ہیں! وہ بھی تو میری طرح پہلوں ہی کے قصے سناتا ہے ۔“

قریش نضر کی باتیں ان لوگوں کے پاس لے جا کر حرف بحرف بیان کرتے جنہیں رسول اللہ عاقبت کے عذاب سے ڈرا کر خدائے یکتا پر ایمان لانے کی دعوت پیش کرتے ۔

جبر نصرانی: مکہ میں جبر نام عیسائی غلام کا بسیرا صفا (پہاڑی) کے قریب تھا ۔ یہ شخص عجمی تھا ۔ رسول اللہ کبھی کبھار اس کے پاس بھی جا بیٹھتے ۔ اس پر قریش نے یہ اڑانا شروع کر دیا کہ جناب محمد صلعم جو کچھ کہتے ہیں وہ جبر نصرانی

ہی کی تعلیم کا اثر ہے اور کفار یہ بھی کہتے کہ اگر ہمیں اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑنا ہی پڑا تو ہم عیسائی مذہب اختیار کر لیں گے ۔ (مگر اسلام کے قریب نہ پھٹکیں گے) ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

ولقد نعلم انهم يقولون انما يعلمه بشر ۔ لسان الذى يلحدون اليه اعجمى وهذا لسان عربى مبين ۔ (۱۶ : ۱۰۶)

ہم جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے رسول کو ایک اور انسان یہ قرآن تلقین کرتا ہے ۔ مگر وہ شخص تو عجمی ہے اور قرآن فصیح عربی بولی میں ہے ۔

قریش اپنی دعوت کے جن جدید حربوں سے رسول اللہ کا مقابلہ کرنے لگے ان حربوں سے انہیں یہ ڈھارس بندھ گئی کہ مسلمانوں کی تعذیب اور ایذا رسانی کے طریقوں سے ان کا یہ ہتھیار زیادہ کارگر ثابت ہوگا ۔

لیکن کجا حضرت محمد صلعم کی تبلیغ ، جس میں حقیقت کی قوت پوری طرح جلوہ فرما ہو کر کفار کے باطل پر چھا گئی اور اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا اور کجا ان کی کھو کھلی مخالفت!

طفیل بن عمرو دوسی کا ایمان لانا: طفیل بن عمرو حج کعبہ کے لیے مکہ میں آئے ۔ یہ شریف الطبع ہونے کے ساتھ شاعر اور دانش مند بھی تھے ۔ قریش نے اپنی تبلیغ کے لیے ان کا استقبال شہر سے باہر جا کر کیا ۔ انہیں اسلام کی دعوت اور رسول الامین سے ڈراتے ہوئے کہا : ”اس شخص کی باتوں میں ایسا جادو بھرا ہے کہ زن و شوہر میں تفریق تو یک طرف وہ خود انسان اور اس کی ذات میں تفرقہ پیدا کر دیتا ہے ۔ اے طفیل! ہمیں آپ کی قوم پر بڑا ترس آتا ہے ۔ مبادا آپ لوگ بھی اہل مکہ کی طرح باہمی افتراق کا نشانہ بن جائیں ۔ بہتر ہے کہ آپ (حضرت) محمد (صلعم) سے ملاقات نہ کریں نہ ان کی بات اپنے کانوں میں پڑنے دیں“

طفیل دوسی کا قبول اسلام: طفیل زمانہ قیام مکہ میں کعبہ میں آتے رہتے ۔ ایک روز رسول الامین یہاں پہلے سے تشریف فرما تھے اور کسی کو تبلیغ فرما رہے تھے ۔ طفیل کے کان میں بھی دو ایک جملے پڑ گئے جو انہیں بہت بھلے معلوم ہوئے ۔ انہوں نے خود سے کہا ”ارے! میں مرد دانا اور شاعر ہوں ۔ اچھی بری بات میں تمیز کر سکتا ہوں ۔ مجھے اس شخص کی بات سننے میں کیا خطرہ ہے ۔ اگر اچھی بات ہوگی تو قبول کر لوں گا ورنہ چلا آؤں گا ۔“ طفیل رسول اللہ کے انتظار میں رہے ۔ جب آپ کعبہ سے نکلے تو آں حضرت صلعم کے قدم بہ قدم آپ کے دولت خانہ پر آ پہنچے ۔

طفیل نے یہاں آ کر اپنی کہانی پیش کی اور دل میں جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی عرض کیا ۔ رسول اللہ نے (طفیل کے سامنے) قرآن[1] کی تلاوت فرمائی ۔ وہ قرآن سن کر اسلام لے آئے اور یہاں سے واپس آ کر اپنے قبیلہ (دوس) میں تبلیغ کی ۔ کچھ لوگ فوراً اسلام لے آئے اور بعض متوقف رہے ۔ طفیل کئی برس تک مسلسل تبلیغ کرتے رہے اور تمام قبیلہ اسلام لے آیا ۔ یہ لوگ فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس (فتح) کے بعد اسلام کا سیاسی نظام ایک معین شکل میں منتقل ہو گیا ۔

مکہ سے باہر عرب کے دوسرے لوگوں میں تبلیغ کی تقریب صرف طفیل (دوسی) کے برکت کا سبب نہیں ہوئی اور نہ صرف مکہ کے بت پرست ہی نعمت توحید سے بہرہ مند ہوئے بلکہ اہل کتاب میں سے بھی بے شمار خوش نصیب حضرات نے رسالت محمدیہ

---

[1] رسول اللہ نے طفیل کے سامنے سورۂ اخلاص و معوذتین پڑھیں (اصابہ در تذکرہ طفیل بن عمرو بن طریف نمبر ۴۲۴۷) — م ۔

[2] صحیح بخاری باب حصہ دوس : م ۔

کے اقرار سے اپنی قسمت بنا لی - چنانچہ یمن کے نصاریٰ کا ایک وفد جس میں بیس اشخاص تھے اپنی قوم کی طرف سے رسول اللہ کی دعوت معلوم کرنے کے لیے مکہ میں حاضر ہوا ان لوگوں نے آپ سے کئی باتیں دریافت کیں اور اطمینان حاصل ہونے کے بعد سب نے ایک مجلس میں اسلام کا اقرار پیش کیا -

قریش نے یہ سنا تو کلیجہ مسوس کر رہ گئے اور ان کے پاس آکر کہا ”تم کیسے بد اندیش لوگ ہو۔ تمھاری قوم نے تمھیں اس شخص کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا مگر تم ایک ہی ملاقات میں اپنا دین چھوڑ کر اس کی تصدیق کر بیٹھے“-

ان حضرات پر قریش کی بد زبانی کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوگیا کیونکہ وہ رسول اللہ کی ملاقات سے قبل عیسائی مذہب پر قائم تھے اور بتوں کی بجائے خدا کے پرستار !

قریش کے تین بڑوں کا چھپ کر رسول اللہ کے معمولات کو دیکھنا: قریش کی ان کوششوں کے باوجود آنحضرت صلعم کی دعوت پھیلتی ہی گئی حتیٰ کہ خود قریش میں سے اسلام کے نامور دشمنوں کے دل میں یہ خواہش ابھرنا شروع ہوگئی کہ جس چیز سے وہ ہمیں ڈراتا اور جس چیز کا وعدہ فرما رہا ہے وہ صحیح ہے؟ ان کا یہ سوال اپنے اپنے نفس سے تھا اور اس حد تک پر معنی کہ ابوسفیان بن حرب ، ابوجہل اور اخنس (بن شریق) تینوں ایک دوسرے سے تذکرہ کیے بغیر ایک ہی وقت میں یہ ارادہ لے کر اپنے گھروں سے (چھپ کر) نکلے کہ حضرت محمد صلعم کے گھر میں چھپ کر ان کی زبان سے وہ کلام سنیں جس نے اتنے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیا ہے - اتفاق یہ ہوا کہ تینوں نے علیحدہ علیحدہ سوچا اور ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ اپنی اپنی کمین گاہوں میں بیٹھ گئے -

رسول اللہ شب زندہ دار تھے - صلوٰۃ شب کی نیت باندھ کر کھڑے ہوتے تو ایسے سوز و ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھتے کہ سننے والوں کے دل میں اتر جائے - یہ تینوں ایک دوسرے سے مخفی جگہ بیٹھ کر قرآن سے لطف اندوز ہوتے رہے - فجر ہوئی تو اپنی اپنی کمین گاہ سے نکل کر اپنے گھروں کی طرف لوٹے - اتفاق کی بات کہ تینوں ایک موڑ پر جمع ہو گئے اور ایک دوسرے کے بتانے کے بغیر سمجھ گئے - سب نے بیک زبان اپنی اپنی لغزش پر اظہار تاسف کرنے کے بعد طے کیا کہ جو ہوا سو ہوا مگر دوبارہ اس ارادے سے ان کے ہاں نہ آئیں گے - اگر کسی احمق نے ہمیں دیکھ لیا تو ہماری جتھہ بندی سے نکل کر حضرت محمد صلعم کی جماعت میں داخل ہو جائے گا - لیکن جونہی دوسری رات نے فضا پر اپنی سیاہ چادر بچھائی ابو سفیان ، ابوجہل اور اخنس تینوں کو ادھر کی کشش نے پھر بے قرار کر دیا - دل تھے کہ وہی کلام اور اسی لہجہ میں سننے کے لیے تڑپ رہے تھے- کل کی طرح آج بھی تینوں اشخاص اسی طرح چھپ چھپا کر اپنی اپنی کمین گاہ میں جا بیٹھے اور شب بھر حامل وحی کی زبان سے کلام ربانی سن کر حظ اندوز ہوتے رہے اور فجر کے وقت واپس لوٹے تو کل کے موڑ پر تینوں کی مڈ بھیڑ ہو گئی اور کل ہی کی طرح ہر ایک خود کو ملامت اور دوسرے کو تنبیہ کرتا ہوا کہنے لگا کہ اب سے ادھر کا خیال تک نہ کیا جائے - لیکن تیسری شب کو بھی پہلی دو راتوں کی طرح ان کے دل ہاتھ سے نکلے جا رہے تھے - تینوں

بے اختیار ہو کر اپنی اپنی گھات میں آ بیٹھے اور رات بھر وحی الٰہی بزبان صاحب وحی سن سن کر وجد میں جھومتے رہے اور پہلے دو موقعوں کی مانند اس فجر کو بھی تینوں اسی موڑ پر اکٹھے ہو گئے۔

آج تینوں نے ادھر نہ آنے کا موثق پیمان کیا لیکن ان راتوں کے استماع قرآن نے ان کے دل پر جو اثر چھوڑا مستقبل کا نقشہ دیکھ کر ان کی روح گھبرا اٹھی کہ حضرت محمد کے مقابلہ میں ہماری کوئی حقیقت نہیں۔ ایک نہ ایک دن ہمیں ہی مغلوب ہونا پڑے گا اور ہماری مغلوبیت سے عرب جناب محمد کی تابعداری اپنا فخر سمجھ کر اسلام قبول کر لیں گے۔

سوال یہ ہے کہ انہیں جناب محمد کی اطاعت گذاری میں کیا مانع تھا۔ آں حضرت صلعم نے ان سے نہ تو مال طلب فرمایا نہ اپنی سیادت کے طلب گار ہوئے، نہ ان کے دل میں حکومت کرنے کی تمنا تھی، بلکہ آپ مرد متواضع اور قوم سے دلی محبت کرتے۔ ہر شخص کے ساتھ نیکی سے پیش آنا آپ کا دستور اور ہر ایک کی دینی ہدایت آپ کا شعار تھا۔ اپنے نفس کا شدید محاسبہ آپ کا وطیرہ تھا۔ دوسروں کے ساتھ سختی اور بے رحمی کرنے کی بجائے ان کی خود پر زیادتی معاف فرمانے والے تھے اور ان تمام کاموں میں آپ کو لطف آتا۔

چنانچہ آں حضرت صلعم نے ابن ام مکتوم نابینا کی ذرا سی دل آزاری سے کس قدر تکلیف محسوس کی۔ ہوا یہ کہ ایک روز قریش کا سردار ولید بن مغیرہ آں حضرت صلعم سے اسلام کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ اسی دوران میں ممدوح (ابن ام مکتوم نابینا) حاضر ہوئے اور قرآن مجید کی کوئی آیت دریافت کی۔ رسول اللہ ادھر ولید کی تالیف قلب پر مائل تھے۔ آپ ابن ام مکتوم کے اصرار پر کبیدہ خاطر ہو گئے۔ چہرہ مبارک پر بھی تکدر سا آگیا۔ یہاں سے اٹھے تو چیں بہ جبیں دولت خانہ میں تشریف لے گئے مگر خلوت میں سائل کے اصرار اور اپنے کبیدہ خاطر ہونے کے محاسبہ پر پچھتاوا ہوا اور اس پر یہ وحی نازل ہوئی

عبس و تولی آن جاءہ
الاعمی وما بدریک
لعله یزکی او یذکر
فتنفعه الذکری
اما من استغنی
فانت له تصدی
وما علیک الا
یزکی و اما من
جاءک یسعی وهو
یخشی فانت عنه
تلهی کلا انها
تذکرة فمن شاء

اس بات پر چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ موڑ بیٹھے کہ ایک نابینا ان کے پاس آیا۔ اے پیغمبر! تم کیا جانو عجب نہیں کہ تمہاری تعلیم سے وہ سنور جائے یا نصیحت کی باتیں سنے اور اس کو نصیحت سود مند ہو۔ تو جو شخص دین کی طرف سے بے پروائی کرتا ہے اس کی طرف تو تم خوب توجہ کرتے ہو۔ حالانکہ اگر وہ ٹھیک نہ ہو تو تم پر کچھ الزام نہیں اور جو خدا سے ڈر کر تمہارے پاس دوڑتا ہوا آئے تو تم اس سے بے اعتنائی کرتے ہو سنو جی! قرآن تو سراسر نصیحت ہے پس جو چاہئے اس کو سمجھے سمجھے اور ہمارے ہاں وہ

مکرمۃ مرفوعہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور وہ ایسے لکھنے والے
مطھرۃ بایدی سفرۃ (فرشتوں) کے ھاتھوں میں رہتے ھیں جو بزرگ
کرام بررہ ۸۰ : ۱۶ تا ۱ اور نیکو کار ھیں ۔

اور حضرت صلعم ھمیشہ اسی انداز سے عوام کے ساتھ رحم و کرم فرماتے رہے ۔ پھر قریش کے لیے آپ کی فرمانبرداری میں کیا مانع تھا ؟ اور انھیں آپ کے ھم نوا ھو کر اسلام کی دعوت پھیلانے میں کیوں تامل رہا خصوصاً جب کہ ان کے دل بھی اسلام پر مائل ھوگئے ؟ [م : جیسا کہ ابو سفیان و ابوجہل وغیرہ کے واقعہ میں (ص ۱۸۵ پر منقول ہے] اور جیسا کہ مرور زمانہ سے وہ قریش جامد اور قدیم رسموں کو تقریباً فراموش کر چکے تھے اور جیسا کہ حضرت محمد صلعم کے جمال و کمال سے ان کے دل دعوت اسلام کے معاملہ میں نرم ھو چکے تھے ۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ھوتا ہے کہ مرور زمانہ سے جامد اور قدیم رسمیں فراموش بھی ھو سکتی ھیں یا نہیں ۔ بلاشبہ جو خرد مند ھمیشہ کمال کی جستجو میں سرگرم رہتے ھیں وہ جمود سے بھی یک طرف رہ سکتے ھیں ۔ ان لوگوں کے دلوں پر امتداد زمانہ کے اثرات سے رسم پرستی کا جو زنگ غالب ھوتا ہے وہ اسے پیش آمدہ حقائق کے صیقل کی قوت سے دلوں سے زائل کرنے میں کامیابی حاصل کر لیتے ھیں ۔ ایسے لوگوں کے قلوب اور شعور کی مثال کٹھالی کی ہے جس میں سونا یا چاندی پگھل رہا ھو ۔ آگ کی شدت جس کے ، کھوٹے اجزا کو جلا کر جوھر خالص باقی رہنے دے ۔ اسی طرح یہ لوگ ھر شے میں سے حق کو نتھار لیتے ھیں ۔ یہی لوگ ھیں جو حقیقت کی تلاش میں ھر شے کا تجزیہ کرنا ، ھر مقام پر اس جستجو میں سرگرمی اور ھر بولی میں حقیقت پر مبنی الفاظ کی تاثیر دل میں اتارنے کے لیے بے قرار ھیں ۔ ایسے لوگ ھر امت اور ھر زمانہ میں پیدا ھوتے ھیں اگر چہ خال خال اور بہت ھی کم تعداد میں ۔

لیکن ارباب ثروت اور اصحاب جاہ و سلطنت ایسے لوگوں کو اپنی راہ میں حائل سمجھتے ھیں جس کی وجہ سے دونوں کا مقابلہ جاری رہتا ہے اس خوف سے کہ اگر عوام نے ان کا اثر قبول کر لیا تو اس کی پہلی ضرب ان کی تونگری اور سلطانی ھی پر تو پڑے گی جس دولت اور حکومت پر یہ لوگ پشتوں سے قبضہ جمائے بیٹھے ھیں یہ اجارہ داران بادشاھت ھر اس تحریک کے استقبال میں سرگرم رہتے ھیں جو ان کی دولت و اقتدار میں اضافہ کا سبب بن سکے لیکن جس تحریک سے ان کے سرمایہ اور شہنشاھی کے تابوت کو پیروں تلے روندے جانے کا اندیشہ ھو ایسی اصلاح وتجدید ان کے نزدیک عین باطل ہے ۔ اسی طرح جس دین کو اپنے امیال وعواطف کے مطابق مسخر کیا جا سکے وہ مذھب ان کے نزدیک سراپا صداقت ہے لیکن جو دین ان کے شہوات وجمع مال و زر اور حصول جاہ ومناصب میں حائل ھوتا نظر آئے ان کے نزدیک ایسے دین کے باطل ھونے میں کوئی کلام نہیں ایسے لوگ ھر نئی تحریک سے لرزہ براندام ھو جاتے ھیں اور اپنے مرھون کرم عوام کو تحریک کے خلاف ابھار کر اپنے استقرار و قیام کی راھیں نکالنے کی فکر میں سرگرم رہتے ھیں یہ دل دادگان ثروت اپنے دست نگر لوگوں کے سامنے رسوم قدیم کے بوسیدہ محلوں کو مفروضہ تقدیس کی روح سے تابناک رکھنے کی تدبیروں میں لگے رہتے ھیں کاش وہ اتنا ھی سوچ لیتے کہ ان محلوں کی کھوکھلا

بنیادیں رکھتے تو ہیں مگر اللہ رکھے تیاری ! کہ ان بوسیدہ عمارتوں کا تقدیس کے پتھر اور چونے سے کیسا عجیب ہیکل کھڑا کیا جاتا ہے ۔ مٹی کے ڈھیر میں روح مقدس کا وجود فرض کر کے ! اور کس دلیری سے بے روح اجساد کو تقدیس کا مظہر بتایا جاتا ہے !

عوام جن کی نظر ایسی ضرورتوں پر جمی رہتی ہے جو ایسے ارباب ثروت سے وابستہ ہیں ہر لمحہ ان سرمایہ داروں کی جے پکارنے میں پیش پیش ہیں انہیں اس تفتیش کی مہلت ہی نہیں ملتی کہ حقیقت کا بتوں کے ہیکل اور بت خانوں کی چار دیواری میں محصور ہونا کیا معنی رکھتا ہے نہ انہیں اس پر غور کرنے کی فرصت ، کہ حقائق نہ صرف حصار اور پابندی سے آزاد بلکہ روح انسان کے ہم جلیس ہیں اور انسان کے ظرف کے مطابق اس کی تربیت کرنے کے لیے فیض ہیں اور ان حقائق کی یہ پرورش جیسی آزاد افراد کے لیے ہے ، ویسی ہی غلام کے لیے ! اس کے نزدیک دونوں میں شمہ برابر فرق نہیں لیکن کوئی نظام کسی قوت نگران کی پوری گرفت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا ۔

پس ایسے لوگوں سے جنہیں اگرچہ قرآن کی کشش مسلسل تین رات تک نرم بستروں پر چین سے نہ سونے دے یہ توقع کیونکر کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی جاہ و ثروت پر لات مار کر ایسا ایمان قبول کر لیں جب کہ یہ قرآن ان کے بہت سے اعمال کو قابل محاسبہ قرار دیتا ہے اور جب کہ یہ قرآن انسانوں میں پوری پوری مساوات کی حمایت کرتا ہے اور اس کی کوئی پروا نہیں کرتا کہ ایک شخص ابن ام کلثوم کی طرح نا بینا اور مفلس ہے جس کی یہ دلجوئی کرتا ہے اور دوسرا ولید بن مغیرہ کی طرح سرمایہ دار اور غنی ہے جس کے کبر و غرور کے پردے یہ چاک کرتا ہے ۔ جس کے سامنے یہ زریں اصول ہے ۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم (۴۹ : ۱۳) | خدا کے نزدیک تم میں سے وہی شخص زیادہ مکرم ہے جو اس سے زیادہ ڈرتا ہے ۔

ابوسفیان اور ان کے یاران طریقت کا اپنے آبا کے دین پر جمے رہنے کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ اس پر دل سے یقین رکھتے تھے اور ان پر اپنے دین کی صداقت پوری طرح منکشف ہو چکی تھی بلکہ ان لوگوں کی اپنے دین پر استقامت کی بجائے اس دین کے صدقے میں اپنی ثروت و برتری کا استقرار تھا جس کی بقا کے لئے وہ ہر اس طاقت سے ٹکر لینے پر کمر بستہ تھے جس کے فروغ سے انہیں اپنی دولت و جاہ سے محروم ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو اور قریش نے اپنی ثروت و سیادت کی بحالی کے لالچ میں حضرت محمد صلعم کی تابعداری کرنے کی بجائے ان کے ساتھ ہر قسم کے حسد و بغض اور تنازع سے کام لیا ۔

مثلاً امیہ بن الصلت ہی کو دیکھ لیجیے جو حضرت محمد صلعم کی بعثت سے قبل آنے والے نبی کے لیے چشم براہ تھا حتیٰ کہ یہی امیہ خود اپنے لیے خلعت نبوت عطا ہونے کی امید لگا بیٹھا لیکن جب ظہور اکبر امیہ کی بجائے بعنوان محمد (فداہ ابی و امی) جلوہ آرا ہوا تو امیہ ہی کا کلیجہ حسد سے چھلنی ہو گیا باوجودیکہ اس امیہ نے اپنے اشعار کو حکمت و دانش کا اتنا حسین مرقع بنا دیا تھا کہ جب رسول اللہ کے حضور اس کا ایک شعر پڑھا گیا تو فرمایا امیہ! ”امن شعرہ و کفر قلبہ“ (امیہ کا شعر مومن ہے مگر اس کا دل کافر ہے) ۔

[illegible] یہی

حضرت محمد صلعم کو اس مرتبہ پر فائز دیکھا ولید دل پکڑ کر کہہ اٹھا کہ!

أینزل علی محمد عطا کا یہ محل کہ نبوت محمد کو مل جائے اور
و اترك انا کبیر قریش مجھ ایسے قریش کے سرغنہ کو اس سے محروم
و سیدھا ویترك ابو رکھا جائے اور میری ہی طرح ابو مسعود عمر اور
مسعود عمر و بن عمیر ابن عمیر ثقفی جو طائف کے بڑے چوھدری
الثقفی سید ثقیف ہیں ان کو بھی نبوت کا اھل نہ سمجھا جائے
و نحن عظیما مکہ اور طائف دونوں بستیوں کے کرتا دھرتا
القریتین! تو ہم ہی دونوں ہیں!

قرآن نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا:

وقالوا ’’لو لا نزل ھذا لقرآن اور کہہ اٹھے کیوں نہ اتارا گیا یہ
علی رجل من القریتین عظیم،، قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے
أھم یقسمون رحمۃ ربك آدمی پر کیا وہ تمھارے رب کی رحمت
نحن قسمنا بینھم معیشتھم بانٹتے ہیں ہم نے ان میں ان کی زیست
فی الحیوۃ الدنیا (۴۳ : ۳۱) کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا ہے۔

اور جیسا کہ ہم نے ابو سفیان و ابوجہل اور اخنس کا متواتر تین راتیں چھپ چھپ کر استماع قرآن (برص: ۲۰۲) بیان کیا ہے جس کے بعد اخنس نے ابو جہل کے گھر آ کر ان سے کہا ’’اے ابوالحکم! ان راتوں میں ہم لوگوں نے محمد کی زبان سے جو کچھ سنا اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟‘‘

ابوجہل نے کہا ’’قرآن پر میری کیا رائے ہے؟ سنیے! عبد مناف کے ساتھ سیادت میں ہمارا جھگڑا آج سے نہیں مدت سے چلا آ رہا ہے انھوں نے اس منصب پر قبضہ قائم رکھنے کے لیے اپنا دسترخوان وسیع کر دیا تو ہم نے بھی ان کے مقابلے میں عام مہمانی شروع کر دی اگر انھوں نے میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے تو ہم نے اپنی شجاعت نمایاں کرنے میں کوئی کمی نہ رہنے دی اگر انھوں نے سخاوت کے دریا بہائے تو ہم نے بھی اپنی ہمیانوں کے منہ کھول دیئے یہاں تک کہ ہم ہر موقعہ پر ان کے دوش بدوش چلے آئے جیسے دو گھوڑے قدم بقدم ایک دوسرے کے برابر دوڑتے چلے آ رہے ہوں‘‘

لیکن جب بنی عبد مناف نے یہ کہا کہ ہم میں ایک نبی کا ظہور ہوا ہے اور اس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے تو اس میں ہم ان کی برابری کرنے سے قاصر رہ گئے کیوں کہ ہم اپنے قبیلہ میں نبی پیدا نہ کر سکے!

اے اخنس! اب نہ تو ہم ان کے نبی پر ایمان لا سکے نہ اس کی تصدیق کے لئے زبان کھول سکتے ہیں!

اور جیسا کہ عرب کے ان بدوؤں میں حسد و کینہ اور باہمی کشمکش کے اثرات کی گیرائی سے انکار کرنا غلط فیصلہ کا مترادف ہے اسی طرح بدوؤں کے سوا جن قوموں میں یہ عادات پرانی ہو چکی ہوں ان کا بھی یہی حال ہے اور ایسے اثرات سے قلب کا تزکیہ طویل تربیت کے بغیر ناممکن۔

ضروری ہے کہ نفسانی شہوات کا فیصلہ عقل کی قوت سے کیا جائے اور اپنے اندر اس قسم کی استعداد بڑھائی جائے جو اپنے مقابل بلکہ دشمن کی زبان سے بھی حقیقت کی

داستان سنے تو بیان کرنے والے کو اپنا دوست اور خیرخواہ سمجھے یہاں تک کہ قارون کی دولت، سکندر کی حشمت ، اور قیصر کی شہنشاہیت بھی حقیقت کے مقابلہ میں تنکے کے برابر اس کی نظر میں نہ سما سکے لیکن اس مقام پر وہی شخص رسائی حاصل کر سکتا ہے جس کے قلب میں اللہ کی طرف سے قبول حق کا ولولہ جا گزین ہو نہ وہ لوگ جو اموال و نعمت کی شادابی پر جان چھڑکتے ہوں جو اپنا جلوہ دکھا کر چشم زدن میں اوجھل ہو ہو جاتے ہیں یہ لوگ انہیں لازوال سمجھ کر ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ان نعمتوں کی قوت لازوال سے آنکھیں موند کر ان لحظہ بھر رہنے والی چیزوں کے لئے خود کو معرکہ قتال میں جھونکنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

ان لوگوں کے خلاف مرد دور اندیش کے لئے حقیقت اور نیکی سے تمسک کرنے میں کوئی شے حارج نہیں ہوتی حتیٰ کہ ان کے سامنے جو شے ان کمالات کی راہ میں حائل ہو اسے پیروں میں روندتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اس معاملہ میں قریش مکہ کی ذہنیت کا ماتم کہاں تک کیجئے جناب محمد صلعم کے ساتھ انصار کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ رہے ہیں یہ خطرہ بھی لاحق ہے کہ ایک نہ ایک دن انہیں حق کی سلطانی کے سامنے سرنگوں ہونے کے بغیر چارہ نہیں اور انہی کی مانند تمام جزیرۃ العرب کو اس حقیقت کے سامنے سرنگوں ہونا پڑے گا لیکن ادھر قدم اٹھانا ان کے لیے موت کے مترادف ہے بلکہ قریش اس امر (اسلام) کے ساتھ رغبت کے جرم میں دوسروں کی گردنیں اڑا رہے ہیں اور اس غالب آنے والی دعوت کو روکنے کے لئے حضرت محمد صلعم اور بنی ہاشم کا مقاطعہ و نظر بندی کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی ایذا رسانی اور تشہیر سے اپنا دامن آلودہ کرنے میں انہیں کوئی باک ہی نہیں!

قریش کے متابعت رسول میں ایک اور مانع: کفار مکہ حشر، یوم الحساب اور عذاب دوزخ کے خوف سے بھی اسلام لانے میں گریز کرتے، وہ رنگ رلیوں میں ڈوبے رہتے تجارت میں اونے پونے اور سود در سود سے دولت بڑھانے میں مگن، ان میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کی نظر میں یافت کا مکروہ سے مکروہ طریقہ بھی معیوب ہو۔

مذہبی طور پر وہ بتوں کے تقرب میں اپنے ہر چھوٹے بڑے گناہ کی تلافی پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے ہبل کے سامنے قرعہ اندازی کرتے اور نتیجہ کو ہبل کا فرمان سمجھتے! ان کے نزدیک گناہوں کی معافی کے لئے اپنے بتوں کے حضور کسی جانور کی قربانی کفارہ تھی۔ وہ بتوں کی نگہ کرم کے بھروسے قتل ، بدکاری اور بدگوئی پر غیبی گرفت سے خود کو آزاد تصور کرتے۔

گناہوں پر قرآن کی گرفت: ان کے تصورات کے خلاف جناب محمد صلعم انہیں قرآن میں سے وہ آیتیں سناتے جنہیں سن کر عاقبت کے خوف سے انسان کا پتہ پانی ہو جائے۔

ا - ان ربک لبا لمرصاد خدا تعالےٰ مجرموں کی سزا دہی کے لیے (گویا) گھات میں لگا ہؤا ہے۔ (۸۹ : ۱۴)

ب - وقالوا ء اذا کنا عظاماً ورفاتا ائنا لمبعوثون خلقا جدیداً ؟ قل کونو حجارۃ او حدیداً او خلقا مما یکبر فی صدورکم فسیقولون

اور بولے کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے سچ مچ نئے بن کر اٹھیں گے تم فرماؤ! کہ پتھر یا لوہا ہو

من يعيدنا قل الذي فطركم اول مره ... (۴۹ : ۱۷)

جاؤ یا اور کوئی مخلوق جو تمہارے خیال میں بڑی ہو! تو اب کہیں آگے ہمیں کون پیدا کرے گا ؟ تم فرماؤ! وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا

اور یہ کہ قیامت میں ان کے اعمال ان کی شفاعت کریں گے!

فما تنفعهم شفاعه الشافعين (۷۴ : ۴۸)

کسی ایسے معبود کی شفاعت انہیں کام نہ دے گی -

اور جیسا کہ قرآن مجید میں حشر و نشر و حساب و جزا اور سزا کے متعلق فرمایا

فاذا جاء الصاخه يوم يفر المرء من اخيه و إمه وابيه وصاحبته وبنيه لكل امرى منهم يومئذاً شان يغنيه وجوه يومئذ مسفرة ضاحكه مستبشرة ووجوه يومئذ عليها غبرة ترهقها قترة[1] اولئك هم الكفرة الفجرة (۸۰ : ۳۳- ۴۲)

پھر جب آئے گی وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی اور ماں، باپ اور جورو اور بیٹوں سے ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک فکر ہے کہ وہی اسے بس ہے کتنے منہ اس دن روشن ہوں گے ہنستے، خوشیاں مناتے! اور کتنے موہنوں پر اس دن گرد پڑی ہوگی ان پر سیاہی چڑھ رہی ہے! یہ وہی ہیں کافر بدکار!

قارئین کرام! آپ نے آج سے پہلے بھی وعید کی یہ آیتیں پڑھی ہوں گی! یا ان کے سننے ہی کا اتفاق ہوا ہوگا! اگر ان دونوں مواقع میں سے کوئی ایک موقعہ بھی حاصل ہوا ہو تو فرمائیے! کیا آپ کے قلب میں ڈر پیدا نہیں ہوا؟ یہ آیتیں ان آیات کا ایک جزو ہیں جن کے ذریعے حضرت محمد صلعم نے قریش کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا کیا آپ قرآن کی تلاوت کے موقع پر جہنم کے اس وصف کو جو جس نے بیان کئے ہیں پوری طرح اپنے تصور میں لا سکتے ہیں ؟

۱- يوم نقول لجهنم هل امتلئت وتقول هل من مزيد (۵۰ : ۳۰)

اس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کہ تو بھر گئی تو وہ کہے گی کچھ اور بھی ہے؟

۲- كلما نضجت جلودهم بدلنهم جلوداً غيرها ليذوقوا العذاب (۴ : ۵۶)

عذاب کی ہر نوبت پر ان کے بدن کی کھال گل جائے گی مگر ہم دوسری کھال پہنا کر انہیں عذاب سے دوچار کریں گے!

اے قارئین ! جب مسلمان ہونے کی وجہ سے دولت ایمان اور توشہ آخرة دونوں اپنے دامن میں رکھنے کے باوجود قیامت کے تیور اور جہنم کے دبدبہ سے آپ کی روح میں لرزہ پیدا ہو رہا ہے تو کفار قریش خصوصاً ان کے سرغنوں کے تاثرات کا کیا عالم ہوگا جب ان کے کانوں میں یہ آیتیں پڑی ہوں گی ان کے دلوں پر کس قدر خوف مسلط ہوتا ہوگا! جو قرآن کے نازل ہونے سے قبل خود کو بتوں کی نگرانی میں رہنے کی وجہ سے عذاب و حساب سے بری سمجھتے تھے!

---

[1] ۱- م : متن میں اس آیت کی طرف مجمل سا اشارہ ہے -

یہ تصور بھی کر لیجئے کہ جب کفار نے رسول اللہ کی زبان سے یہ آیتیں سنی ہوں گی وہ طیش میں آ کر کس شدت سے آں حضرت کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے ہوں گے۔

قریش حشر کے قائل تھے، نہ اس کی ہولناکیوں کے معترف، نہ، کبھی انہوں نے یہ سنا تھا کہ دنیوی اعمال کی سزا و جزا بھی مل کر رہے گی! انہیں اگر خوف تھا تو یہ کہ مبادا کل کو ہم بیمار پڑ جائیں! کہیں ہماری دولت کم نہ ہو جائے! ہمارے بیٹوں کی زندگی پر کوئی وبال نہ آ جائے! یا ہماری عزت و منزلت پر زوال واقع نہ ہو! ان کے لئے دنیا اور اس کی زندگی ہی سب کچھ تھی صرف دنیوی منافع کی فکر میں غلطاں رہتے یا ان امور کے تدارک کی ادھیڑ بن میں جن سے ان کے دنیوی مفاد میں روگ لگتا نظر آئے۔

اگر انہیں کبھی یہ خیال گذرتا کہ غیب سے برائی کا معاوضہ ملنا ممکن ہے تو ان خدشات کو دور کرنے کے لئے انہوں نے کئی ڈھنگ اختیار کر رکھے تھے وہ تیروں۔ کنکریوں اور پرندوں سے فالیں لیتے۔ پرند سے فال لینے کا طریقہ تھا کنکری مار کر یا زور سے چلا کر اسے اڑا دینا اب اگر وہ ان کی دائیں سمت سے نکل گیا تو اسے نیک شگون سمجھا گیا اور اس کا بائیں جانب سے نکلنا نحوست قرار دیا گیا۔

اور وہ بتوں ہی کے نام سے قربانی کرتے اسی قسم کی طفل تسلیوں سے انہوں نے خود کو مستقبل کے مزعومہ خطرات سے محفوظ سمجھ رکھا تھا لیکن نہ تو انہیں مرنے کے بعد سزا و جزا پر یقین تھا نہ حشر و نشر پر بھروسہ! نہ اس جنت کا تصور جس کا وعدہ ارباب تقویٰ سے کیا گیا اور نہ اس دوزخ کا کھٹکا! جو ظالموں کے لئے دکھایا جا رہا ہے ان امور پر ان کا رجحان ہی نہ تھا!

قریش اور دوزخ کا تصور: حالاں کہ قریش، یہود اور نصاریٰ کی زبان سے سنتے چلے آ رہے تھے کہ اعمال بد کی سزا جہنم ہے لیکن جس شدت کے ساتھ ان کے سامنے جناب محمد صلعم نے وحی الٰہی کی زبان میں پیش فرمایا اس میں یہود و نصاریٰ کے تصورات سے کہیں زیادہ شدت تھی۔ رسول اللہ نے انہیں واشگاف طریق پر فرما دیا کہ اگر زندگی شہوات کی نظر کر دی گئی! یا وہ ناتوانوں پر ظلم سے دولت جمع کرنے میں صرف ہو گئی! یا یتیموں کے مال غصب کرنے میں لگے رہے! یا مسکینوں کی تباہ حالی دیکھ کر ان کے مداوا پر توجہ نہ کی گئی! یا سود خواری کا مشغلہ جاری رکھا! تو ان میں سے کسی ایک جرم کے بدلے میں انہیں اس ھاویہ (دوزخ) میں پھینک دیا جائے گا جس کے تصور سے روح قالب میں تھرا اٹھتی ہے پھر یہ (جہنم) اس قدر قریب ہے کہ زندگی کی منزل ختم ہونے کے بعد پہلا قدم اسی کے کنارے پر رکھتا ہے (م: بفحوائے! وان منکم الا واردھا کان علی ربك حتما مقضیا[۱] (۱۹ : ۷۱)

جیسے ظاہری آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہیں مگر وہ دیدۂ بصیرت کے سامنے ہمہ وقت منکشف ہے!

قریش اور جنت کا تصور:- اللہ نے ارباب تقویٰ کے لئے اس جنت کا وعدہ ارشاد فرما دیا

۱- سارعو الی مغفرۃ من ربکم و [۱]- جس کی وسعت تمام عالم

---

[۱] - اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا گذر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمہ پر ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے۔

جنۃ عرضہا السموت و الارض اعدت للمتقین کون و مکان پر محیط ہے !

(۱۳۳ : ۳)

۲۔ لایسمعون فیہا لغوا ولاتاثیا الا قیلاً سلماً سلماً ! ۲۔ جس (بہشت) میں بجز سلاس
(۲۶ : ۵۶) بکرامت ! کے کوئی بد
بول زبان پر نہ آئے گا :

۳۔ ادخلو الجنۃ انتم وازواجکم تحبرون ویطاف ۳۔ جس (جنت) میں چمن در
علیہم بصحاف من ذہب و اکواب و فیہا ما چمن سرور قلب اور طراوت چشم
تشتہی الانفس و تلذالا عین و انتم فیہا خالدون کے سامان یک جا ہوں گے !
(۴۳ : ۷۰ - ۷۱) (مفہوم معنی)

بے فہم اور بدنصیب قریش کو شبہ تھا تو ایسی جنت کے ہونے میں ! اور ان کے شبہ کا مبنیٰ دنیا کی مستعجل نعمتوں کا لالچ تھا جن کے مقابلہ میں وہ خود کو یوم جزا کی کشمکش کے انتظار میں مبتلا کرنا پسند نہ کرتے تھے اس یوم حساب ان کا ایمان ہی نہ تھا !

قریش کی جزائے خیر و شر کے تصور میں بے عنوانی : حیرت ہے کہ حیات آخروی اور جزائے خیروشر کے تصورات سے اہل عرب کیوں محروم رہ گئے جب کہ انسان دنیا میں ازل سے لے کر ابد تک نیکی اور بدی کی باہمی کشمکش اس شدت سے دیکھ رہا ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اسے سکون نہیں آسکا ! مثلاً

۱۔ اہل مصر ہیں ! جو آج سے ہزار ہا سال قبل دوسری دنیا کے معتقد تھے وہ میت کے ساتھ اس کے آخرت میں کام آنے کے لئے توشہ رکھ دیتے کفن میں ایسی تحریریں ملفوف کر دیتے جن میں دعائیں اور گیت لکھے ہوتے۔

۲۔ اور ہنود ہیں ! جن کے ہاں نیک لوگوں کی روح کو مکتی (نجات) حاصل ہو جاتی ہے مگر بدوں کی روح کو او اگون (تناسخ) کے چکر میں لاکھوں سال اپنے اعمال کی سزا بھگتنا پڑتی ہے یہ سزا پوری ہو جانے کے بعد وہ (روح) طائر ہو کر از سر نو کسی انسان کے چولے میں آکر مصروف عمل ہوتی ہے تاکہ سزا کا منہ دیکھے بغیر مکتی (جنت) حاصل نہ کر سکے !

۳۔ اور فارس کے مجوسی ہیں! جن کے عقائد میں یزداں اور اہرمن نیکی اور بدی کے ایسے علیحدہ علیحدہ خدا ہیں جو ایک دوسرے کو پچھاڑنے کے لیے ہر وقت مصروف پیکار ہیں۔

۴۔ اور یہود و نصاریٰ ہیں! جو اس زندگی کے بعد حیات جاوید اور اس کے حاصل کرنے کے لئے خدا کے قہرولطف کی بیم و رجا کے عقیدے پر قائم ہیں !

پھر کیسے باور کر لیا جائے کہ عرب جو تجارت کے لیے اپنے ملک سے باہر ایسے ہر گروہ اور عقائد کے لوگوں سے ملاقاتیں کرتے آخرت کے تصورات سے آگاہ نہ ہو سکے! وہ عرب جو صحرا کی لامتناہی وسعتوں میں زندگی بسر کر رہے ہوں جن کی متخیلہ میں دوپہر کی چلچلاتی دھوپ اور شب کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بعض ایسی روحیں تھرکتی ہوئی محسوس ہوتی ہوں! جن میں کسی کو انہوں نے روح خیر اور کسی کو روح خبیث قرار دے رکھا ہو اور جن کا حلول اپنے بتوں کے مجسموں

میں وہ لوگ مسلم سمجھے ہوں اور جنہیں قرب الی اللہ کا موثر ذریعہ بھی قرار دیئے ہوں! بلا شبہ ایسے ایسے ذہنوں پر اعمال کی جزاء و سزا کا تحلیل اثر انداز ہونا چاہیئے لیکن وہ (قریش) سوداگری کی وجہ سے ۔

ع کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

کے عادی تھے یعنی نفع عاجل کے! اور شراب کے رسیا ہونے کی بنا پر قیامت اور روز جزا کے محاسبہ سے خود کو دور سمجھنے پر مصر! اس لئے جب انہیں مسرت یا زحمت میں کسی ایک سے پالا پڑتا تو اسے بھی اپنے کسی سابقہ عمل کی جزا یا سزا سے تعبیر کرکے "قصئہ زمین بر سر زمین" کے مطابق دنیا ہی میں ختم کر دیتے اور یوم حساب کی فکر میں خود کو مبتلا رکھنا اپنے معمولات تجارت و مشاغل ناؤنوش پر ضرب سمجھتے ۔

ابتدائے وحی میں تخویف جہنم کا تذکرہ :- قریش کی اسی فکر و عمل کی وجہ سے قران کی مکی آیتوں میں عذاب دوزخ سے خوف اور مژدہ جنت کے تذکرے بیش از بیش ہیں تاکہ ان لوگوں کو بتوں کی پرستش اور عیش و ستم کیشی سے باز رکھ سکیں جن کے تزکیہ نفس کے لئے محمد صلعم مبعوث ہوئے ۔ وہی جہنم ہے جس سے رسول خدا اور آپ کے رفقا اپنی قوم اور اس کے بعد تمام عالم کو نجات دلانے کے لئے سرگرم محنت رہے جس کی لگن میں انہوں نے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں خود کو ہر قربانی کے لئے پیش کیا دشمن جسمانی ایذا دہی کے لیے آمادہ نظر آئے تو لبیک کہا انکی روحانی تکالیف کا ارادہ کیا گیا تو صبر و رضا کا دامن نہ چھوڑا ان کی جلاوطنی پر کمر باندھی تو

ع خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

کہا اور دامن جھاڑ کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے! ان کی بیوی بچوں کو ان کے سامنے تختئہ ستم بنایا گیا تو سامنے کھڑے دیکھتے رہے اور جبیں پر شکن نہ آنے پائی جیسا کہ مختصراً اوپر بیان کیا جا چکا ہے تاآنکہ آنحضرت صلعم اور آپ کے رفقا پر کفار مکہ جس قدر سختی زیادہ کرتے رسول اللہ کے قلب میں انکی اصلاح و نجات اخروی کی حرص اور بڑھتی گئی ۔

ان کی فلاح و بہبود کے لیے ان کے لئے ان کے ذہن میں موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنا اور حساب کا ڈر پیدا کرنا سب سے اہم پہلو تھا جس کے اثر سے وہ خود کو بت پرستی کے فتنہ اور گناہوں کے بھنور سے نکال سکتے تھے جیسا کہ ابتدائے نزول میں قرآن کی آیتیں قیامت سے خوف دلانے میں پے بہ پے نازل ہوئیں تاکہ وہ لوگ چشم بصیرت سے کام لیں لیکن ان کا حال یہ تھا کہ اسی حشر اور حساب سے انکار و روگردانی پر مصر تھے آخر جس کا نتیجہ رسول اللہ کے ساتھ ان کی مسلسل خوف ناک جنگوں کی صورت میں رونما ہوا اور خاتمہ ۔ اسلام کی نصرت و دین حق کی دنیا کے ادیان باطلہ پر برتری کی صورت میں

هوالذی ارسل رسوله	وہی ہے کہ اس نے اپنا رسول ہدایت
بالهدیٰ و دین الحق	اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے
لیظهره علی الدین کلہ	سب دینوں پر غالب کرے ۔ بڑے
ولو کره المشرکون (۹ : ۳۳)	برا مانیں مشرک ۔

صادق امین عبداللہ محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

جواد عادل شہید اول آخر ظاہر باطن

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۸

نقضِ صحیفہ (قرارداد) سے لے کر اسراء تک

صادق امین عبداللہ محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

٨

نقضِ صحیفہ (قرارداد) سے لے کر اسرا تک

مقاطعہ اور حرمت کے ۴ مہینوں میں دعوت اسلام: قریش کی طرف سے رسول خدا آپ کے رفقا اور بنوہاشم کا مقاطعہ مسلسل تین سال تک رہا مسلمانوں کے لئے یہ زمانہ کس قدر پر آشوب تھا! مکہ سے باہر پہاڑ کی گھاٹی میں محصور طرح طرح کی تکالیف سے دو چار! اور تو اور ان کے ساتھ بات چیت تک، حرام تھی! البتہ حرمت کے ۴ مہینے (رجب ، ذیقعد ، ذوالحجہ ، محرم) جن میں عرب کی ظاہری خصومت پردے میں چھپ جاتی اور ان (دنوں) کی تقدیس کے رعب سے ہر شخص ، قتل ، ڈکیتی ، ایذا رسانی اور ظلم و سرکشی سے ہاتھ روک لیتا ہے جس بے خوف کی وجہ سے لوگ دور دور سے مکہ میں حج و زیارت کے لئے جمع ہوتے اور جناب محمد صلعم بھی نظر بندی کے حصار سے نکل کر زائرین کعبہ کو تبلیغ فرماتے ہوئے انہیں جنت کی بشارت اور دوزخ کے عذاب سے ڈراتے یہ زائرین ادھر ادھر سے آں حضرت پر اہل مکہ کے ظلم و ستم اور آپ کی قربانی کے واقعات سن کر اور بھی متاثر ہوتے جس سے ان لوگوں کا رسول اللہ کی ذات سے میلان بڑھ جاتا اور ان میں سے اکثر اسلام قبول کر لیتے حتیٰ کہ اس نظر بندی میں آں حضرت اور آپ کے رفقا نے جس صبر و رضا کا نمونہ پیش فرمایا اس سے اہل مکہ میں بھی ایسے لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے جو سنگدلی میں ابو جہل و ابو لہب سے کم درجہ پر تھے۔

مسلمانوں اور ہاشمیوں کے شعب ابی طالب میں حصار پر: شعب ابی طالب کے محصور مسلمان اہل مکہ کے لیے اتنے بیگانے نہ تھے ان میں سے ہر ایک (مسلمان) کسی نہ کسی رشتہ سے قریش کا قرابت دار تھا اس پر بھی تین سال کی طویل مدت اور ایسا شدید مقاطعہ! مکہ والوں میں بعض اشخاص کو ابتلا سے اس سختی کا احساس تھا اگر ان میں ایسے لوگ نہ ہوتے تو غریب محصور تڑپ کر جان کھو بیٹھتے! قریش میں سے بعض لوگ کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں یہاں پہنچاتے رہتے! خصوصاً ہشام بن عمرو ان لوگوں کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرتا وہ رات کے وقت (پکا ہوا) کھانا اور کبھی گیہوں کی سربند بوریاں اونٹ پر لاد لاتا اور درے کے کنارے پر پہنچ کر اونٹ کی نکیل کھول لیتا پھر اسے زور سے سٹیک کی ضرب لگا کر درے کے اندر بھگا دیتا مسلمان اونٹ کو پکڑ لیتے اور سامان اتار کر اسے واپس لوٹا دیتے اس طرح مسلمانوں کو کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ مل جاتا!

ہشام بن عمرو نے اسی پر اکتفا نہ رکھا اسے جناب محمد صلعم اور آپ کے رفقا کی اتنی طویل نظر بندی کھل گئی اس نے مسلمانوں کی رہائی کے لئے قدم اٹھایا اور زہیر بن ابی امیہ کے پاس پہنچا یہ عبدالمطلب کی صاحبزادی سیدہ عاتکہ کے فرزند تھے۔ اس رشتہ سے زہیر آں حضرت کے پھوپھی زاد بھائی ہوئے، ہشام نے ان سے کہا ”اے زہیر! یہ کیسا انصاف ہے کہ خود تو آپ شکم سیر ہو کر کھائیں جسم

پر پورا لباس ہو اور گھر میں عیش و عشرت کے تمام سامان! لیکن آپ کے بھائی اس بد حالی میں مبتلا کہ خرید و فروخت تک نہ کر سکیں متاہل زندگی کے لطف سے بھی محروم ہوں بخدا! اگر اس قسم کا مقاطعہ ابو جہل کے بھائیوں سے کیا جاتا تو آپ کی طرح وہ کبھی اس سے اتفاق نہ کرتا!"

اس گفتگو کے نتیجہ میں زہیر اور ہشام دونوں ورق قرار داد (صحیفہ) تلف کرنے کے لئے تل گئے اور طے پایا کہ کچھ اور لوگوں کو بھی اپنا ساتھی بنا لیا جائے! جو وقت پڑنے پر ہماری امداد کے لئے نکل آئیں! چنانچہ مطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن اسود تینوں ان سے متفق ہو گئے ان پانچ آدمیوں نے بیڑا اٹھایا کہ جس طرح بن آئے منحوس ورق قرار داد کو چاک کر دیا جائے!

چاک صحیفہ کے لئے زہیر کی پیش قدمی: دوسرے روز زہیر کعبہ میں آئے اور پورے سات طواف کر لینے کے بعد بآواز بلند کہا

اے اہل مکہ! نہایت شرم کی بات ہے کہ ہم اور آپ شکم سیر ہو کر گھر سے نکلیں، طرح طرح کی پوشاک سے خود کو سنوارا کریں لیکن! بنو ہاشم ایک ایک دانے کو ترسیں انہیں تن ڈھاپنے کے لیے بالشت بھر کپڑا بھی نصیب نہ ہو نہ ہمارا ان کے ساتھ فروخت و خرید کا تعلق ہو!

سن رکھو! جب تک میں ظالمانہ معاہدہ کا ورق پارہ پارہ نہ کر دوں بیٹھنے کا نام نہ لوں گا!"

وہاں ابوجہل بھی موجود تھا وہ جل بھن گیا اور گلا پھاڑ کر چلا یا

"اے زہیر! آپ ورق قرار داد پارہ پارہ کر سکتے ہیں !نہیں؟ آپ جھوٹ بول رہے ہیں!

یہ سنتے ہی مطعم بن عدی نے ابوجہل کو ڈانٹا دوسری طرف سے آواز آئی "ابوجہل جھوٹ بکتا ہے"، یہ ابو البختری کی آواز ہے تیسری جانب سے ہشام بن عمرو نے ابو جہل کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور اسی طرح اس دستہ کے پانچویں رکن زمعہ بن اسود ابوجہل کی تکذیب پر اتر آئے۔

ابوجہل تاڑ گیا کہ یہ سازش کہیں آج ہی رات کو نہ ہوئی ہو! فتنہ بڑھ جانے کے خوف سے ان کا مقابلہ کرنے سے رک گیا ادھر مطعم بن عدی ورق قرارداد چاک کرنے کے لئے آگے بڑھا مگر اس حصے کے سوا جس میں "باسمک اللہم"، مسطور تھا باقی تمام کاغذ کو دیمک چاٹ چکی تھی۔

مسلمانوں کی درہ سے مخلصی: رسول اللہ صلعم آپ کے رفقا اور قبیلہ اران بنو ہاشم گھاٹی سے اٹھ کر اپنے اپنے گھروں میں واپس تشریف لے آئے مقاطعہ ختم ہو چکا تھا قریش کے روابط میں بظاہر کوئی فرق نہ تھا لیکن دلوں میں کینہ موجزن تھا۔ وہ ہمہ وقت مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی تدبیر میں منہمک اور مسلمان خود کو ان کے مکر و فریب سے بچانے کے لئے فکر مند تھے۔

آں حضرت کی دعوت توحید میں عصمت: ورق قرار داد میں ارباب سیرۃ و اصحاب تفسیر دو واقعات بیان کرتے ہیں۔

۱- یہ ارکان خمسہ (ہشام بن عمرو و بقیہ از ۲ تا ۵) جو خود بھی بتوں کے پرستار تھے ورق قرار داد چاک کرنے سے قبل صلح کی نیت سے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے تجویز پیش کی "ہمارے بتوں کا کچھ نہ کچھ حق تو تسلیم کر لیجئے! اور نہیں تو آپ انگشت کے اشارے ہی سے ان کا طواف فرما لیجئے" یہ سن کر آن حضرت کا میلان بھی اس طرف ہو گیا اور آپ نے سوچنا شروع فرما دیا کہ "اتنی سی موافقت کر لینے میں کیا مضائقہ ہے جب کہ میری نیت نیک ہے اور خدا تعالی بھی اسے جانتا ہے!"

۲ - یہ ارباب خمسہ (ہشام بن عمرو وغیرہ) ورق قرار داد چاک کرنے سے قبل چند قریش کو اپنے ہمراہ لے کر اس دن کی شب کو رسول اللہ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور پو پھٹے تک گفتگوئے صلح میں سر گرم رہے۔ انہوں نے تعظیماً عرض کیا "صاحب آپ ہمارے آقا ہیں! آپ ہمارے پیشوا ہیں" اور ان کے اس اصرار پر رسول اللہ اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی شرائط قبول فرمانے پر مائل ہو گئے۔

پہلی روایت سعید بن جبیر سے مروی ہے اور دوسری قتادہ سے (یہ دونوں حضرات صحابی ہیں :م :) مگر دونوں اس ایک جملے پر متفق ہیں کہ

"ان اللہ عصم محمداً بعد ذلک"

بلا شبہ خدا تعالی نے جناب محمد کو بتوں کی طرف میلان سے بچا لیا!

سعید بن جبیر و قتادہ دونوں فرماتے ہیں کہ آن حضرت کے اسی ترک میلان پر یہ آیتیں نازل ہوئیں!

و ان کادوا لیفتنونك عن الذی او حینا الیك لتفتری علینا غیرہ واذا لا تخذوك خلیلاً ولولا ان ثبتناك لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلاً! اذا لاذقناك ضعف الحیوۃ و ضعف الممات ثم لا تجد لك علینا نصیراً (۱۷ : ۷۵ - ۷۳)

اے نبی! قریب تھا کہ مشرکین آپ کو فریب دے کر تبلیغ سے روک دیتے اور اپنی اس کامیابی میں آپ کی دوستی کا دم بھرنے لگتے مگر ہم نے کرم فرمایا کہ آپ کو ذرہ برابر ان کی طرف مائل نہ ہونے دیا۔ اگر آپ سے یہ لغزش ہو جاتی تو ہم دارین میں آپ کو دوچند عذاب سے دوچار کرتے اور ہمارے خلاف کوئی بھی آپ کی نصرت نہ کر سکتا۔

اس سے پہلے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ انہی آیات (وان کادو الیفتنونك اور ولو لا ان بتنك ۱۷ : ۷۶ - ۷۷) کا سبب نزول واقعہ "غرانیق" ہے (درس : ۱۸۵) لیکن یہاں معید بن جبیر اور قتادہ ایسے محدثین نے اس کو ورق قرار داد پر محمول فرمایا ہے۔

آیہ سورۂ اسرا : وان کادو الیفتنونك الخ کا دوسرا شان نزول : عطا (تابعی) حضرت بداللہ بن عباس سے اسی آیت (سورۂ اسرا) کے شان نزول میں فرماتے ہیں "طائف کے و ثقیف کا جو وفد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے من جملہ کئی اور امور کے ہ مطالبہ بھی پیش کیا کہ "مکہ کی طرح وادی طائف کو بھی حرم قرار دیا جائے؟ ہاں کے درخت، پرندے اور چارپایوں کی حرمت بھی وادی مکہ کے حرم کی ان چیزوں کی

طرح تسلیم ہوا! جس پر آں حضرت نے کچھ دیر سکوت فرمایا حتیٰ کہ! آخر اسی موقعہ پر آیات و ان کادو الیفتنونک اور ولو ثبتناك نازل ہوئیں!

آیت مذکورہ یعنی وان کادو الیفتنونك الخ : (۱۷:۷٦) کا شان نزول کچھ سہی، بحث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کردار سے ہے جس میں آپ کے خلوص قلب کے ساتھ روحانی عظمت بھی آشکار ہے۔ جیسا کہ سورۂ عبس (نمبر : ۸۰) کے شان نزول سے ثابت ہے (در واقعۂ ابن ام مکتوم (بر ص : ۲۰۳) اور جس طرح جناب محمد کی سیرۃ کے ایک ایک حرف سے واضح ہے کہ آپ نے پوری وضاحت کے ساتھ دوسروں کی مانند اپنا بشر ہونا اس اضافہ کے ساتھ واضح فرما دیا کہ ”دوسرے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آپ پر وحی الٰہی نازل ہوتی ہے (باشارہ آیۂ : قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی : ۵۳ :۴) اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ بشر ہونے کی وجہ سے دوسروں کی مانند آپ سے بھی غلطی سرزد ہونے کا امکان ہے۔ اگر اللہ ایسے موقعہ پر آپ کی دست گیری نہ فرمائے جیسا کہ حضرت ابن ام مکتوم کی بار بار التجا پر آپ کی جبین پر غصہ سے بل پڑ گیا۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت : و ان کادو الیفتنونك : (۱۷:۷٦) کی اطلاع کے مطابق بھی آں حضرت غلطی کے قریب پہنچ چکے تھے لیکن وحی الٰہی کی بر وقت تنبیہہ سے آپ نے خود کو اس قسم کی غلطی کے قریب جانے سے بچائے رکھا جو نابینا ابن ام مکتوم کے معاملہ میں آپ سے سرزد ہو چکی تھی خاکم بدہن اگر اس موقعہ پر لغزش ہو جاتی تو قریش نے آپ کو اپنی طرف مائل کر ہی لیا تھا۔

انبیا کی بے مثل اخلاقی جرأت : مگر رسول اللہ کی اخلاقی جرأت کا یہ عالم ہے کہ آیہ و ان کادو الیفتنونك (۱۷:۷٦ : سورۂ بنی اسرائیل) اور آیات سورۂ عبس (نمبر ۸۰) کو بھی لوگوں کے سامنے اس دیانت و صداقت کے ساتھ پیش کر دیا جس طرح قرآن کی دوسری آیتوں کو! نہ کہ دنیا کے اکابر و اعاظم کی طرح اپنے خلاف امور کو شان رسالت و منصب تبلیغ کے منافی سمجھا! جو آں حضرت کی صداقت رسالت پر نہایت قوی دلیل ہے۔

معلوم ہے کہ بلند مرتبہ اشخاص اپنے خلاف کوئی بات زبان پر نہیں لاتے وہ دوسروں کی طرف سے ہر ایذا برداشت کرنے کے لئے سینہ سپر رہتے ہیں مگر نہ تو اپنی کمزوری ظاہر ہونے دیتے ہیں نہ خود کو دوسروں کے فریب میں آنے دیتے ہیں۔ یہ لوگ نہایت خوبی کے ساتھ اپنے نقائص چھپائے رکھتے ہیں اور اگر ایسے لوگ اور بھی دور رس ہوں تو سرے سے خود کو کسی غلطی میں پڑنے ہی نہیں دیتے۔

برعکس اس کے جو شخص روحانی کمالات میں اس قدر بلند پایہ ہو اپنی غلطی اس جرأت کے ساتھ بیان فرما دے کہ اس کی آواز لمحہ بھر میں دنیا کے گوشے گوشے میں سنی جا سکے تو کون ہے جو ایسے شخص کی برتری کے حضور خراج عقیدت پیش نہ کرے اور یہ اقرار کئے بغیر چارہ کار رہ جائے کہ وہ اسے مقام نبوت و رسالت سے کم درجہ دینے کی ہمت کر سکے! یہ خلوص و بے ریائی صرف نبی کی ذات میں ہو سکتی ہے جسے خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے خود پر ہر قسم کی مصیبت برداشت کرنے اور اپنی ذات کے متعلق خود فراموشی تک سے گریز کرنے میں تامل نہ ہو!

صحیفۂ مقاطعہ کے پارہ پارہ ہو جانے کے بعد : رسول خدا اپنے رفقا اور خاندان کے جلو میں واپس مکہ تشریف لے آئے اور بدستور شہر کے اندر اور ان قبائل میں تبلیغ شروع

فرما دی جو ماہ ہائے حرمت میں زیارت کعبہ کے لئے جمع ہوئے ، باوجودیکہ تمام عرب میں رسالت محمدیہ کی دھوم مچ چکی تھی لیکن بیرون مکہ میں اسلام کے پیرو کار کچھ زیادہ تعداد میں نہ تھے ۔ صحابہ کرام پر قریش نے پھر سختی شروع کر دی اور پہلے کی طرح آج بھی ان کا ناصر و مددگار کوئی نہ تھا ۔

ابو طالب کی وفات: شعب ابی طالب سے مراجعت کے بعد ایک ہی سال میں دو ایسے حادثے رونما ہوئے جن سے آں حضرت صلعم بے حد متاثر ہوئے ۔ پہلے ابو طالب نے داعی اجل کو لبیک کہا جن کا سن اس وقت ۸۰ برس سے کچھ زائد تھا ۔ جب قریش نے ابوطالب کی حالت نازک دیکھی تو مستقبل میں جناب محمد صلعم اور آپ کے صحابہ کے ساتھ مناقشات کا خطرہ سامنے آ گیا جن میں صحابہ سیدنا حمزہ و عمر کی شجاعت و دلاوری کا ڈر انہیں کھائے جاتا تھا ۔ قریش وفد کی صورت میں ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا

”اے ابو طالب! ہم لوگ آپ کا جس قدر احترام کرتے ہیں آپ کو معلوم ہی ہے آج آپ کی جو حالت ہے اس کی بنا پر مستقبل کا معاملہ ظاہر ہے ۔ ہمارے اور آپ کے برادر زادہؐ کا اختلاف آپ پر چھپا ہوا نہیں ۔ انہیں بلا کر آیندہ کے لیے ان کے ساتھ ہمارا معاہدہ کرا دیجئے تاکہ ہم اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف سے مطمئن رہیں ۔ بات ذرا سی ہے وہ ہمیں ہمارے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش سے ہاتھ روک لیں اور ہم ان کے ساتھیوں سمیت ان کے دین سے انہیں ہٹانے کی جد و جہد ترک کر دیں ۔“

اتنے میں رسول اللہ از خود تشریف لے آئے آپ کے سامنے قریش کی تجویز پیش ہوئی تو فرمایا

نعم! کلمۃ واحدۃ تعطونہا تملکون بہا العرب وتدین لکم بہا العجم!	مجھے منظور ہے! یہ کہ اگر تم صرف ایک بات پر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو تمام عرب تمہارا زیر نگین اور عجم کا چپہ چپہ تمہارا باجگذار ہو جائے

ابوجہل نے کہا اس برتری کے لئے ایک نہیں دس کلمے بھی ہوں ہمیں منظور ہیں فرمایا

تقولون لا الہ الا اللہ و تخلعون ما تعبدون من دونہ!	لا الہ الا اللہ کہو! اور بتوں کی عبادت کا جوا گردنوں سے اتار کر پھینک دو!

ان میں سے ایک شخص نے کہا ”آپ تو ہمارے اتنے خداؤں کے عوض میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہمیں سونپنا چاہتے ہیں یہ نہ ہوگا!“

اور قریش یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے آئے کہ ”یہ شخص ہماری کوئی شرط قبول نہ کرے گا!“ اس واقعہ کے بعد ابو طالب نے انتقال فرمایا اور آں حضرتؐ کے ساتھ قریش نے اور زیادہ سختی شروع کر دی

سیدہ خدیجہ کی رحلت: کچھ عرصہ بعد ام المومنین خدیجہ نے بھی انتقال فرمایا یہ دوسرا حادثہ ہے جو ابو طالب کی رحلت کے بعد رونما ہوا ، آہ! نیک دل ، وفادار رفیقہ حیات جو اپنے حسن سلوک ، مہر و وفا ، طینت پاک اور جوہر ایمان جیسے گونا گوں

اوصاف کی وجہ سے حضرت محمد کا آسرا تھیں جن کی حسن رائے سے مشکلات میں خوف و ہراس کے آثار لوح قلب سے مندمل ہو جاتے جیسے فرشتہ رحمت ہو! جب رسول اللہ ان کے چہرے پر ایمان و وفا کے آثار دیکھتے تو استقلال اور بڑھتا ۔ آج اس رفیقہ نے آخری رخت سفر باندھ لیا اور ان سے پہلے ابو طالب دنیا سے رخصت ہو گئے جو دشمنوں کے مقابلے میں آپ کے حامی اور پناہ گاہ تھے!

ان دو متواتر حادثوں نے آں حضرت کی روح پر کیا اثر پیدا کیا؟ تردید کے بغیر کہا جا سکتا ھے ایسے حوادثات بڑے بڑے اصحاب جاہ و منصب کی نظر میں بھی دنیا کو تاریک بنا دیتے ھیں ۔

اور قریش کی طرف سے ایذا دھی کی مہم تیز تر ہو گئی: معمولی اذیت یہ تھی کہ ان میں سے ایک کم فہم نوجوان نے سرور دو عالم کے فرق مبارک میں مٹی ڈال دی. حضرت محمد صلعم نے اس کا کیا جواب دیا؟ صبر و سکون کے ساتھ دولت خانہ میں تشریف لے آئے صاحبزادی سیدہ فاطمہ نے دیکھا تو آنسوؤں کا تار بندھ گیا اور فرق مبارک پانی سے دھونے بیٹھ گئیں جب کہ! ہم اپنے بیٹوں کا رونا برداشت نہیں کر سکتے چہ جائے کہ دختر کی گریہ و زاری جو باپ کے قلب کو تڑپا دیتی ھے بیٹی کی آنکھ سے آنسو کا ایک گرم قطرہ باپ کے دل میں آگ پھونک دیتا ھے اور ہم خود کو نالہ و فریاد میں وقف کر دیتے ھیں بیٹی کا غم سے کراھنا باپ کی روح پر کس بلا کا اثر پیدا کرتا ھے! باپ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو ڈبڈبا آتے ھیں اور رسول اللہ تو فرزندوں کے مقابلہ میں بیٹیوں پر کہیں زیادہ شفقت فرماتے فاطمہ جن کی والدہ ابھی ابھی انہیں روتا ہوا چھوڑ کر آسودہ لحد ہو چکی تھیں آں حضرت صلعم نے انہیں یوں سسکتا ہوا دیکھا تو اس تاثر سے آپ کی توجہ خدائے توانا و مہربان کی طرف اور زیادہ ہو گئی کامیابی کی امیدیں اور بھی درخشاں نظر آنے لگیں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور لخت جگر سے فرمایا

لاتبکی یا بنیہ فان اللہ مانع ابیک!
میری بچی! رو مت! اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت کا ذمہ دار ھے!

بار بار یہی کلمہ دھرانے کے بعد آخر میں فرمایا ''میرے ساتھ یہ حادثہ میرے عم مہربان ابو طالب کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد رونما ہوا ورنہ ان کی زندگی میں کس کی یہ ہمت تھی!''

اس کے بعد رسول اللہ کی ذات پر قریش کی ایذا رسانی بڑھتی ھی گئی۔

اھل مکہ سے مایوسی کے بعد طائف کا تبلیغی سفر در ۶۲۰ء: کسی دوست و بیگانہ سے مشورہ کئے بغیر تنہا طائف میں تبلیغ کے لئے تشریف لائے اور شہر کے سب سے زیادہ مقتدر قبیلہ میں جا کر اسلام کی دعوت پیش کی لیکن ان لوگوں کا ستارہ ابھی گہن میں تھا انہوں نے سننے سے انکار کر دیا رسول اللہ نے ان سے التجا کی کہ ''میرا آنا مخفی رکھا جائے'' (مبادا قریش مکہ یہاں کی ناکامی سے اور دلیر ہو جائیں گے) مگر طائفیوں نے آں حضرت پر شہر کے غنڈوں کو ابھار دیا جنھوں نے اول فول بکنے کے ساتھ دل کھول کر سنگ باری کے جوہر دکھائے ۔ سید البشر کے دل میں کیا امیدیں تھیں اور کیا پیش آیا! نڈھال ہو کر ایک باغ میں انگور کی بیل کے سائے میں آ بیٹھے ذرا سکون کے بعد رسول کائنات نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے رقت و دل سوزی کے انداز میں پکارا۔

اللهم اليك اشكوضعف قوتی وقلة حيلتی وهوانی علی الناس يا ارحم الراحمين انت رب المستضعفين وانت ربی! الی من تكلنی! الی بعيد يتجهمنی او الی عدو ملكته امری ان لم يك علی غضب فلا ابالی ولكن عافيتك اوسع لی!

خداوند! میں اپنی بے بسی اور تدبیر کی ناکامی اور اپنی توہین کا شکوہ تیرے ہی حضور کرتا ہوں اے ارحم الراحمین تو کمزوروں کا رب ہے اور میرا بھی! اے پروردگار! تو مجھے چھوڑ کر کسے سونپ رہا ہے! جو مجھے اور بھی کمزور بنا دے! یا مجھے میرے دشمن ہی کے حوالے فرما دیا! یا اللہ اگر تو میری اس حالت میں بھی مجھ پر خفا نہیں تو میں مطمئن ہوں! لیکن تیری عنایات تو بے پایاں ہیں!

اعوذ بنور وجهك الذی اشرقت له الظلمات وصلح عليه امر الدنيا والاخرة من ان ينزل بی غضبك او تحل علی سخطك لك العتبی حتی ترضی لا حول ولا قوة الا بالله!

خدایا! میں تیرے اس نور کی روشنی میں رہنا چاہتا ہوں جس نے ظلمات کو منور بنا رکھا ہے اور جس کے پرتو سے دنیا اور دین دونوں اپنا اپنا فریضہ ادا کرنے کی صلاحیت لئے ہوئے ہیں! الہی مجھے اپنے غضب اور خفگی سے محفوظ رکھ!

پسران ربیعہ کا دل بھر آیا : اس موقعہ پر قریش مکہ کے رؤسا میں سے عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ طائف میں موجود تھے انہوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور انکار اسلام کے باوجود ان کے دل بھر آئے ان سے دیکھا نہ گیا اپنے غلام عداس نصرانی کے ہاتھوں انگور کا خوشہ رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا۔ آں حضرت نے اسے قبول فرما لیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر تناول کے لئے دست مبارک بڑھایا۔ غلام نے بسم اللہ سن کر تعجب کے لہجہ میں دریافت کیا ”اے صاحب! یہ کیا کلمہ ہے؟ اس بستی کے رہنے والوں کی زبان پر تو کبھی یہ حرف نہیں آیا“ رسول اللہ نے عداس سے اس کا وطن اور دین دریافت فرمایا تو عرض کیا ”میرا وطن نینوا میں ہے“ فرمایا ”وہی نینوا جہاں مرد نکوکار یونس بن متی پیدا ہوئے تھے؟“

عداس : اے صاحب! آپ نے انہیں کیسے پہچانا؟

فرمایا ”ذلك اخی كان نبياً وانا نبی“۔ (یونس میرے بھائی ہیں وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں!)

عداس بشارت (نبوت) سن کر مسرت سے وارفتہ ہوگئے۔ انہوں نے ختم المرسلین کے فرق مبارک کا پیار لیا آپ کے ہاتھ چومے اور قدموں پر بوسے دئے!

پسران ربیعہ عداس کی ایک ایک حرکت دیکھ کر خوش ہو رہے تھے لیکن اس پر بھی اپنے آبائی دین سے دست کش نہ ہو سکے! عداس واپس لوٹا تو اسے کہا ”اے عداس! مبادا یہ صاحب تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں! نہیں تمہارا مذہب اس شخص کے دین سے بہتر ہے!“

اس موقعہ پر سید البشر کی زبون حالی سے خود اہل طائف بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لیکن توحید ابھی ان کی قسمت میں نہ تھی وہ بدستور اپنے قدیم مذہب پر جمے رہے۔

ادھر مکہ میں اس حادثہ کی خبر پھیل گئی رسول اللہ کی ناکامی کے اثر نے انہیں اور مہمیز دی۔ ان کی طرف سے ایذا رسانی اور زیادہ ہو گئی۔

لیکن آں حضرت صلعم نے اپنی مہم کو اسی طرح جاری رکھا بادیہ نشین حج کے موقعہ پر آتے اور آں حضرت انہیں تبلیغ میں فرماتے کہ ''مجھے خدا نے اپنی رسالت کے لئے ماموز فرمایا ہے'' اور رسول اللہ ان لوگوں سے اپنی تصدیق کے لئے اصرار فرماتے مگر ان تمام جگھوں پر آپ کا حقیقی چچا ابولہب بن عبد المطلب سائے کی طرح آپ کے پیچھے لگا رہتا۔ جن لوگوں کو رسول اللہ تبلیغ کرتے ابولہب انہیں گلا پھاڑ پھاڑ کر سننے سے منع کرتا مگر ابولہب کی کوششیں آں حضرتؐ کے ذوق تبلیغ میں حائل نہ تھیں۔ وہ ایک ایک قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے قبیلہ کندہ کے خیموں میں، بنی کلب کے ہاں، بنو حنیفہ اور بنو عامر ابن صعصعہ، ایک ایک کے پاس، جن میں سے ایک نے خوبصورتی کے ساتھ انکار کر دیا۔ بنو حنیفہ بدتمیزی سے پیش آئے اور بنو عامر نے اس شرط پر اسلام قبول کر کے مدد کرنے کی پیش کش کی کہ ''آپ کے بعد خلافت کے حق دار ہم لوگ ہوں گے'' مگر رسول اللہ نے فرمایا ''یہ معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے وہ جسے اہل سمجھے'' یہ سن کر بنو عامر پھر برگشتہ ہو گئے۔

سوال یہ ہے کہ قریش مکہ، اس کی نواحی بستیاں اور بادیہ نشین قبائل اسلام کی دشمنی پر کیوں جمے رہے ؟

قارئین! آپ نے بنو عامر کا مطالبہ سن لیا جو رسول اللہ کے بعد اپنی سلطنت و حکومت کے خواہاں تھے۔ آں حضرت نے ثقیف طائف کی کہانی سنی، کہ ''طائف کے سرسبز و شاداب باغات اور پرفضا وادیوں کے ہوتے ہوئے اس کا مرتبہ مکہ کے برابر تسلیم کیا جائے اور یہ کہ جس طرح مکہ اپنے بتوں کی وجہ سے موقر سمجھا جاتا ہے اسی طرح لات کی برکت سے طائف کی تعظیم برقرار رہے۔ انہیں ڈر تھا کہ حضرت محمد کی متابعت کے ساتھ لات کی خدائی ختم ہو جائے گی اور قریش کو اپنے شہر کی مذہبی مرکزیت کی بنا پر مزید فوقیت رہے گی۔ وہ اپنے شہر کی تجارتی منڈی ہونے کی وجہ سے پہلے ہی ہم پر ممتاز ہیں، اس پر ان کے دلوں میں اپنے آبائی رسوم اور دیوتاؤں کی برتری کا جنون! یہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے عرب کا ہر قبیلہ اپنی اقتصادی ضرورت اور مقامی یا نسلی برتری کی بنا پر خود کو اسلام قبول کرنے سے بچاتا رہا۔

. تزویج عائشہ (ام المومنین): آں حضرت اور مسلمانوں پر قریش کی پیہم ستم رانی سے رسول اللہ کے احساسات غم میں بیش از بیش اضافہ ہونے لگا اور آپ کے تجرد نے اس پر اور بھی اثر ڈالا کہ جب تک آپ کی مونسۂ غم سیدہ خدیجہ زندہ رہیں مصائب و آلام پر آپ کا حوصلہ بڑھاتی رہیں لیکن ان کے آسودۂ لحد ہو جانے کے بعد یہ سہارا ختم ہو گیا۔

ام المومنین خدیجہ کی تعزیت کا زمانہ بھی ختم ہوچکا تھا جن کے بعد آں حضرت نے تزویج کے لئے ان لوگوں کو ترجیح دی جنھوں نے اسلام لانے میں سبقت سے کام لیا۔ ن حضرات میں ابوبکر کو اولیت حاصل تھی۔ آں حضرت نے ان کی صاحبزادی سیدہ عائشہ کو یہ فخر بخشا۔ ان کا سن ابھی سات برس سے متجاوز نہ ہوا تھا۔ جس کے دو سال بعد رخصتی ہونا تھی۔ اس مدت میں مونسۂ غم بننے کے لئے جناب سودہ کو یہ عزت نصیب ہوئی جو حبشہ کی ھجرت کے بعد مکہ میں واپس آ چکی تھیں اور ان کے سابق شوہر یہاں پہنچ کر داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔

قارئین ! سیدہ عائشہ کے نکاح سے لے کر ان کی رخصتی کے دو سالہ وقفہ میں جناب سودہ کی مناکحت کا پس منظر نہ بھولئے کہ ان دونوں حرم کے بعد دوسری بی بیوں سے تزویج کا راز اسی میں مضمر ہے ۔

معراج : در ۶۲۱ء : اسی دوران میں رسول صلعم کے لئے اسراء و معراج کی سعادت نصیب ہوئی ۔ واقعہ اس طرح رونما ہوا کہ اس شب میں آں حضرت اپنی عم زاد ہمشیرہ ہند کے ہاں فروکش تھے اس بی بی کی کنیت ام ہانی ہے ۔ یہ فرماتی ہیں ''شب کے وقت رسول اللہ ہمارے ہاں تشریف فرما تھے ۔ نماز عشا ادا کرنے کے بعد آپ بھی سو گئے اور ہم لوگ بھی! فجر ہوئی تو آپ نے ہم سب کو بیدار فرمایا اور سب نے یک جا نماز فجر ادا کی، تب آپ نے فرمایا ''اے ام ہانی! عشا کی نماز تو میں نے آپ لوگوں کے ساتھ اسی گھر میں ادا کی تھی! لیکن اس کے بعد میں بیت المقدس پہنچا اور وہاں بھی نماز ادا کی! وہاں سے لوٹ کر پھر تم لوگوں کے شامل فجر کی یہ نماز ابھی پڑھی ہے!'' ام ہانی نے عرض کیا

''خدارا کسی سے اس کا ذکر نہ فرمائیے لوگ آپ کو دروغ گو کہہ کر تکلیف پہنچائیں گے!،، فرمایا ''واللہ لاحد ثنهموه! (سوگند بخدا میں لوگوں سے اس کا تذکرہ ضرور کروں گا)

معراج روحانی و جسمانی میں اختلاف رائے: اس میں دو مختلف گروہ ہیں

(الف) روحانی کے معترفین کا ثبوت ام ہانی کی روایت متذکرۃ الصدر ہے ۔ نیز

(ب) عائشہ ام المومنین کا یہ قول ہے

مافقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اللہ اسریٰ بروحه

شب معراج میں رسول صلعم کا جسد مبارک غائب نہیں ہوا بلکہ اللہ نے صرف آپ کی روح کو یہ سیر دکھائی!

(ج) معاویہ ابن سفیان کا یہ جواب ہے؛ جب کہ ان سے رسول اللہ کی سیر معراج کا دریافت ہوا تو فرمایا ''کانت رؤیاء من اللہ صادقه'' (یہ ایک رویائے صادق تھا اللہ تعالیٰ کی جانب سے!)

(د) ان کا مدار استدلال یہ آیت تھی :

وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنه للناس (۱۷ : ۶۰)

اے نبی! ہم نے آپ کا رویا لوگوں کے امتحان کا ذریعہ بنا دیا

۲- بیت المقدس تک جسمانی معراج کے معتقدین کے دلائل!

جن کا مرکز استدلال روایت ''اسرا،، میں صحرا کی بعض پیش آمدہ اشیا کا تذکرہ ہے جن کی تفصیل بعد میں آئے گی! بہر دو صورت آسمانی معراج روحانی ہی تھی ۔

لیکن دوسرے گروہ کے نزدیک سیر اور معراج دونوں جسمانی ہیں اور متکلمین نے معراج کی ہر صورت پر اس قدر سیر حاصل بحثیں کی ہیں جو یک جا کرنے پر دس ہزار صفحوں میں پھیل سکتی ہیں ۔

معراج کے معاملہ میں ہمارا نظریہ اس قدر مختلف ہے کہ پہلوں میں سے شاید ہی کسی مبصر نے اسے اختیار کیا ہو! لیکن اپنا نظریہ پیش کرنے سے قبل سیرت کی کتابوں سے معراج کا پورا مرقع نقل کیا جاتا ہے!

معراج کا مرقع: جسے درمنگھم مشہور مغربی مسیحی (مستشرق) نے سیرت کی مختلف کتابوں سے یک جا کیا ہے حسب ذیل ہے۔

جب آدھی رات گئے پوری کائنات پر خاموشی اس طرح مسلط ہو گئی کہ پرندے اپنے آشیانوں میں خاموش پڑے تھے۔ زمین پر چوپائے بے حس و حرکت محو خواب تھے۔ ہوا کی سرسراہٹ اور بہتے پانی کی پرجوش صدائیں مائل بہ سکون تھیں اس وقت جناب محمد کے گوش میں ندا آئی کہ اٹھ بیٹھئے! جب آپ بیدار ہوئے تو سامنے جبریل حاضر تھے جن کی نورانی شکل جیسے برف کا گالا بال گھنگریالے! بدن پر زربفتی پوشاک جس میں موتی اور جواہرات ٹکے ہوئے۔ دونوں بازوؤں میں قوس قزح کی رنگت کے پر لگے ہوئے۔ ہاتھ میں ایک عجیب سواری کی لگام! جسے انہوں نے براق بتایا براق کے دونوں بازوؤں میں پر نکلے ہوئے جس نے آں حضرت کو دیکھتے ہی اپنی پشت کو سکیڑ لیا یہ اشارہ تھا سوار ہو جانے کے لئے اور آں حضرت اس پر سوار ہو گئے براق ہوا میں تیرنے لگا اس کی اڑان کا رخ شمال کی سمت تھا اور براق کے دوش بدوش جبریل بھی گرم رفتار تھے۔

براق چشم زدن میں مکہ کے پہاڑوں اور صحرا کو اپنے پیچھے چھوڑ کر کوہ سینا کے اس مقام پر رکا جہاں خدا تعالی نے حضرت موسیٰ کو شرف ہم کلامی بخشا تھا اور اس براق کا دوسرا قدم بیت اللحم کے اس مقدس مقام پر تھا جہاں حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی تھی۔

یہاں سے اس نے ایک طویل جست بھری راستے میں قدم قدم پر رسول اللہ کو روکنے کے لئے مدھم سی آوازیں آتیں لیکن آں حضرت اپنی خوبی رسالت کی وجہ سے پورے مطمئن تھے کہ خدا کو جس مقام پر مجھے روکنا منظور ہوگا براق وہاں خود بخود رک جائے گا۔ حتی کہ بیت المقدس آ پہنچے یہاں براق از خود ٹھہر گیا۔ رسولؐ اللہ نیچے اتر آئے اور اس کی لگام ایک پتھر میں اٹکا دی۔

بیت المقدس میں حضرت ابراہیم، جناب موسیٰ اور عیسیٰ کے ہمراہ ہیکل سلیمان پر کھڑے ہو کر نماز ادا کی، پھر حضرت یعقوب کے سنگی تکیہ سے پشت مس فرمائی۔

اب پہلے آسمان پر پہنچے تو جیسے چاندی کا سفید فرش بچھا ہوا ہو ستارے سونے کی ہلکی زنجیروں کے سہارے لٹکے ہوئے دروازے پر فرشتہ پاسبانی کے لئے کھڑا ہے کہ مبادا شیطان اندر داخل ہو جائے یا ادھر ادھر جنات لگے ہوں اور ملاء اعلی کی گفتگو سن لیں!

حضرت آدم سے ملاقات ہوئی اور رسول اللہ نے تقدیم سلام فرمائی اس فلک پر بے حساب مخلوق مصروف تسبیح دیکھی۔

یہاں سے دوسرے آسمان پر قدم رنجہ فرمایا اور حضرت نوح و ابراہیم اور داؤد و سلیمان و ادریس و یحییٰ اور ہارون و موسیٰ علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اسی فلک پر ملک الموت عزرائیل کو دیکھا، اس کا دبدبہ! الامان! جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ستر ہزار یوم کی مسافت تھی، ایک لاکھ فرشتے جلو میں ہر ایک فرشتہ کے سامنے بڑے بڑے کھاتے رکھے ہوئے جن میں فوق پیدائش کے اندراجات ہو رہے ہیں:-

ایک ایسا فرشتہ دیکھنے میں آیا جو ہمہ وقت انسانوں کی خطاؤں پر رویا کرتا ہے، عذاب کا ایک فرشتہ دیکھا اس کا جسم تانبے کی مانند ہے، آگ کے تخت پر بیٹھا ہے اور آگ اس کے تابع و فرمان ہے ایک اور فرشتے پر نظر پڑی جس کا نصف بدن آگ کا ہے

اور دوسرا نصف برف کا! اس کے ارد گرد فرشتے هاله بنائے یاد خدا میں مصروف هیں اور یه کلمه ان کی دعا ہے

یا اللہ! تو نے آگ اور برف کو یک جا فرما دیا هر ایک بنده تیرا مطیع فرمان ہے!

اور ساتوان آسمان جو عدالت پیشه انسانوں کا مقام ہے اس کے ایک فرشته پر نظر پڑی جس کے بدن کا پھیلاؤ زمین سے بھی زیاده ہے۔ ستر هزار اس کے سر هیں هر ایک سر میں ستر هزار دهن هر دهن میں ستر هزار زبان اور هر ایک زبان پر الگ الگ الفاظ جن میں کوئی کلمه خدا کی ستایش کے بغیر کسی زبان پر نہیں آتا۔

رسول اللہ یه عجائبات دیکھتے هوئے سدرة المنتهیٰ پر تشریف لائے جو عرش کی دائیں طرف ہے اور عرش پر ارب‌ها فرشتوں کا سایه پڑ رہا ہے۔ یہاں سے ذرا نظر هٹی تو ایک دریا امڈا هوا دیکھا جس کے ادهر تاحد نظر نور اور ظلمت دونوں کا ایک منطقه ہے اور جس کے بعد آگ کا ایک منطقه ہے، دوسرا پانی اور تیسرا منطقه هوا پر مشتمل۔

ان تمام منطقوں میں ایک دوسرے کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت ہے۔

آں حضرت پردۂ جمال سے هو کر گذرے کمال کا حجاب اٹھا کر دیکھا چھرے سے نقاب هٹا، اسی طرح جلا ل اور سب سے آخر وحدت کی چلمن هٹا کر——نظاره!

یہاں ستر هزار ملائکه گروه در گروه سربسجود اور استغراق میں دیکھے جن سب کی طاقت گفتار سلب هو چکی ہے۔ یه احساس اس مقام پر پیدا هوا که اب مقام خداوندی قریب تر ہے۔ آں حضرت رعب و دبدبه سے تھرا اٹھے۔ ارض و سما میں هر طرف تاریکی نظر آئی جیسے فنا کے مقام پر پهنچنے کو هیں یا ایک دانه ہے جو مزروعه زمین پر دکھائی دے رہا ہے خیال گذرا که انسان کو خدا کے حضور میں اسی طرح مطیع و فرمان بردار رهنا چاهئے! حتی که عرش کے قریب دو ایک کمان یا ان سے بھی کم بمصداق آیهٔ وکان قاب قوسین او ادنی ۵۳: ۹: فاصلے پر جا پهنچے! اور دیدۂ بصیرت سے عین ذات کا مشا هده کیا۔ یہاں کچھ ایسی کیفیتیں محسوس هوئیں جن کی تعبیر خود بھی نه کر سکے خداوند عالم نے اپنا ایک هاتھ حضرت محمد کے سینے پر اور دوسرا کندھے پر رکھا جن سے نبی صلعم نے ایسی ٹھنڈک محسوس فرمائی جیسے برف کی سل پشت سے لگا دی گئی هو۔ سرور و راحت کا یه عالم که خود کو فنا کے مقام پر سمجھ لیا!

باهم جو گفتگو هوئی اس کے اکثر حصه کی صحت میں اسلام کی معتبر کتابیں تردید کرتی هیں الا یه که!

هر مسلمان پر دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ آں حضرت یه حکم لے کر واپس لوٹے تو نیچے کے آسمان پر حضرت موسیٰ سے ملاقات هوئی۔ انهوں نے سن کر ڈرایا که میں اس معامله میں بنی اسرائیل کی آزمائش کر چکا هوں۔ آپ واپس جا کر ان میں کمی کرائیے! اس مرتبه چالیس منظور هوئیں جو اسی طرح گھٹتے گھٹتے پانچ نمازیں ره گئیں۔

اب جبرئیل آپ کو بهشت کی سیر کراتے هوئے اس مقام پر واپس لے آئے جهاں سے آپ براق کی لگام کھول کر اس پر سوار هوئے پهلے بیت المقدس اور بعد میں مکه آ پهنچے۔

اس موضوع پر درمنگھم (عیسائی مستشرق) نے مختلف دفاتر سیر سے معراج کا واقعه یک جا کرنے کی کوشش کی ہے مگر ان واقعات میں اس سے سیرت ابن هشام کی روایات کے یه ٹکڑے نظر انداز هو گئے هیں! یعنی۔

فلک اول میں حضرت آدم کی ملاقات کے دوران میں ایسے آدمی دیکھنے میں آئے جن کے چہرے اونٹ کے چہروں کی مانند ہیں ہاتھوں میں انگارے ہیں جنہیں وہ نگلتے جا رہے ہیں اور وہی انگارے دبر کی راہ سے باہر آ رہے ہیں - میری (رسول اللہ کی) دریافت پر جبرئیل نے عرض کیا ''ان لوگوں نے جو دنیا میں ظلم سے یتیموں کا مال کھایا ہے یہ اس کی سزا ہے'' -

ایک اور ٹولی دیکھی ان کے شکم فرعونیوں کی طرح ڈھول جیسے بڑے تھے جنہیں بدمست لوگ روندتے چلے آ رہے ہیں جبریل نے میری دریافت پر بتایا ''یہ سود خواروں کی منڈلی ہے''۔

ایک اور جتھہ دیکھا جن کے آگے دو قسم کا گوشت پڑا ہوا ہے ، تر و تازہ ، اور سڑا ہوا ، لیکن وہ لوگ تازہ گوشت چھوڑ کر بسا ہوا کھا رہے ہیں جبریل نے عرض کیا ''یہ لوگ منکوحات کو چھوڑ کر ادھر ادھر جھک مارتے پھرتے تھے''۔

ایسی عورتوں کی ٹکڑی کے پاس سے گذر ہوا جو اپنی چھاتیوں کے سہارے لٹک رہی تھیں جبریل نے عرض کیا یہ عورتیں حرام اولاد اپنے شوہروں سے منسوب کرتی تھیں -

یہاں سے جبریل جنت میں لے گئے وہاں ایک کنیز نے مجھے حیرت میں ڈال دیا جبریل نے بتایا کہ ''زید بن حارثہ کی باندی ہیں اور رسول اللہ نے معراج سے واپس تشریف لا کر یہ مژدہ ابن حارثہ کو سنایا،،۔

معراج کے متعلق سیرت ابن ہشام کے سوا تفسیر و سیرت کی کتابوں میں اور اور واقعات بھی پائے جاتے ہیں - مورخ کو جن میں سے ہر ایک واقعہ کے متعلق تحقیق کا حق حاصل ہے اور یہ کہ! ایسی روایات سند صحیح کے سہارے پر قائم ہوں نہ یہ کہ صرف صوفیاں خوش جہال کے حسن ظن کا کرشمہ ہوں!-

لیکن یہ موقعہ روایات معراج کی تنقیح و تنقید کا نہیں نہ معراج کی ایسی تعین کے لئے یہ وقت مناسب ہے کہ معراج و اسراء دونوں روحانی تھے یا معراج کو روحانی تسلیم کر لیا جائے اور اسراء تابہ بیت المقدس کو جسمانی یا معراج اور اسراء دونوں صرف روحانی ہی تھے- چھپانے کی بات نہیں - ان میں سے ہر ایک فریق کے سامنے دلائل موجود ہیں اور ان صورتوں میں کسی ایک نوعیت کی تسلیم اور دوسری سے انکار پر مواخذہ بھی نہیں - اس لئے جو شخص اسراء اور معراج دونوں کو روحانی بتاتا ہو اس کے پاس بھی سند موجود ہے- جیسا کہ ہم نے اوپر تذکرہ کر دیا ہے- جن (دلائل مذکورہ) کے سوا قرآن ہی میں کچھ ایسے دلائل اور بھی ہیں جنہیں صاحب معراج نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے یعنی

انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الهکم اله واحد (۴۱ : ۶)	میں بشریت میں تمہارے ہی جیسا ہوں اگر فرق ہے تو وحی الہی کا ہے- یاد رکھو کہ تم سب کا خدا ایک ہی ہے -

اور یہ کہ کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے کسی اور معجزہ کی ضرورت نہیں -

وان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذالك لمن یشاء (۴ : ۴۸)	خداوند عالم شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس کے سوا جس کے لئے وہ جو چاہے اس کے تمام گناہ معاف کر سکتا ہے-

قرآن کے سوا دوسرے معجزات سے انکار کرنے والے پر بہت زیادہ ذمہ داری ہے کہ وہ معراج اور اسراء کی حکمت کی توضیح کرے جس پر ہم یہ کہتے ہوئے قلم اٹھاتے ہیں کہ اس پر پہلوں کی خامہ فرسائی کا ہمیں علم نہیں۔

معراج و وحدت وجود: رسول اللہ کے روحانی معراج کا مرتبہ اس سے بدرجہا بلند ہے جو دوسرے حضرات (م: جسمانی معراج کے قائلین) کے تصور میں ہے اور پرخلوص "متکلمین" (عقلی دلائل سے گفتگو کرنے والے) کے ہاں اس روحانی معراج کی بلندی کا نقشہ دیکھا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسراء و معراج میں آں حضرت کی روح مادیات سے رہا ہو کر پہلے تو وحدت کلی میں جذب ہو گئی پھر تمام کائنات پر اس طرح دائر و سائر ہو گئی کہ دنیا میں جو موانع ہمارے ادراک و احاطہ میں پیش آتے رہتے ہیں۔ یہ حالات و حدود و اعتبارات از خود نیز جہان اور اس کے جملہ اجزا (ازل سے لے کر ابد تک پیدا ہونے والے) روح محمدی کے آئینہ میں منعکس ہو گئے۔ اس آئینہ میں آپ نے دیکھ لیا کہ نیکی اور حسن و حقیقت کمال کی طرف لے جاتے ہیں اور شر و رذالت و قباحت و باطل پر خیر و کمال اور جمال و حق کا غلبہ ہو کر رہتا ہے جن میں اللہ کی عنایت و کرم نے یہ قوت پیدا کر رکھی ہے مگر اس مقام پر ان حضرات کے سوا دوسروں کا قدم نہیں پہنچ سکتا۔ یہ لوگ ہیں (یعنی انبیائے کرام) جن میں عام انسانوں سے علیحدہ مافوق البشر روحانی کمالات ہیں اس لئے جو لوگ جناب محمد صلعم کے پیروؤں میں شامل ہو کر اس مقام پر نہیں پہنچ سکے ان کے معاملہ میں تعجب کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ عظمت فکر و قوت ادراک کے اعتبار سے انسان ایک دوسرے کا ہم مرتبہ نہیں۔ اس راہ میں ہر فرد و بشر بار آور نہیں ہو سکتا بلکہ ہر شخص کو اپنی طبعی استعداد و قوت ادراک کے مطابق کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

ایک مثال: اس راہ میں تفاوت درجات کے لئے ہم ان لوگوں کی حکایت پیش کرتے ہیں جو ظاہری بصارت سے بہرہ مند مگر بصیرت باطنی سے نابلد محض ہیں۔ یہ لوگ ہاتھی کے شناخت کنندہ ہیں۔ ان میں سے جن اشخاص کے ہاتھ صرف اس کی دم پر گذر سکے نہوں نے اسے ایک لمبی رسی سے تعبیر کیا، س کی ٹانگوں پر ہاتھ پھیرنے والے نے اسے درخت کا تنا بتایا۔ جس کے ہاتھ اس کے دانتوں پر ہو کر پھسل گئے اس نے کہا ہاتھی نیزہ ہے! اور جو شخص صرف اس کی سونڈ سہلا تا رہا اس نے ہاتھی کو سڈول ستون لرزاں قرار دیا۔

ہاتھی ہی کی مانند معراج کی حقیقت بیان کرنے والے کور باطن اہل بصارت کا باہمی اختلاف ہے جو معراج کے واقعات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

معراج کی حقیقت: الغرض آپ کے سامنے (معراج میں) حقیقت کچھ اس طرح سے منکشف ہو گئی کہ ازل و ابد دونوں زمانوں کا فاصلہ تعین سے آزاد ہو کر معدوم ہو گیا جب کہ آں حضرت نے مکان کی حد سے آزاد ہوکر سدرۃ المنتہی پر سے اس طرح دیکھا کہ کائنات کی کوئی شے نظر سے اوجھل نہ رہ سکی۔ یہ حقائق آپ کو معراج میں پیش آئے لیکن عوام کور چشموں کی نظر ان کی حقیقت کو نہ پا سکی۔

رہی معراج روحانی کے ان مدرکات اور ان کے بالمقابل جسمانی معراج کے محسوسات میں باہمی تفارت درجات کی نوعیت؟ تو جیسے! ایک بڑا جثہ ہے جس میں روح سرسرا رہی

هو حرکت قلب کی وجه سے اس کی نبض موجزن هو یه روحانی معراج کی مثال هے جس کے مقابله میں جسمانی معراج جیسے ذره بے مقدار هو۔

یہی اسراء کا مرتبه هے جسے رفعت منزلت ، جمال صورت و کمال معنی اور جلال حقیقت کے اعتبار سے معراج روحانی هی کا مبتدا کہئیے جو ازل سے لے کر ابد تک ایسے کمالات کی مکمل تصویر اور ازل سے لے کر ابد تک عالم کون و مکان پر محیط هیں۔ ازاں جمله اسی اسراء میں رسول الله کا کوه سینا پر گذرنا جس پر حضرت موسیٰ کو شرف هم کلامی نصیب هوا، اسی طرح مولد مسیح یعنی بیت اللحم پر هو کر آگے بڑھ جانا! اور اسی طرح صاحب اسراء جناب کا حضرت عیسیٰ و موسیٰ اور ابراهیم کے ساتھ مل کر ادائے صلوة جن انبیائے کرام کی وحدت ایک هی دین میں منسلک هے اس لئے که ان سب حضرات کے ادیان کا قوام ایک ایسا جوهر هے جو همه وقت کمال کی طرف گامزن هے۔

معراج اور علوم نو: همارے اس دور کا علم (بطریق جدید) بھی روحانی طور کے مطابق اسراء اور معراج دونوں کو تسلیم کرتا هے کیونکه قوائے سلیمه جس قدر اپنے مصرف کے قریب آتے جائیں گے حقیقت اسی قدر منکشف هوتی جائے گی۔ مارکونی کو کائنات کی مخفی قوتوں نے اس وقت یه بات سجھائی جب اس نے اپنی کشتی سے جو بندرگاه پر لنگر انداز تھی تار برق لگا کر اس کا دوسرا سرا (شهر) سڈنی دارالخلافه آسٹریلیا سے جوڑ دیا تا که وه (تار برق) سڈنی کو ایتھر کی موجوں کی قوت سے روشن کر دے۔

علوم جدیده نے ذهنی افکار کا مطالعه میں آنا ثابت کر دیا هے جس طرح ریڈیو کے ذریعه ایتھر پر آوازیں سنی جا سکتی هیں بلکه تحریر اور اس کے ساتھ مقرر کی تصویر بھی دیکھی جا سکتی هے حالانکه یه امور آج سے پہلے ذهن تک میں نہیں آسکتے تھے کائنات کی یه مخفی قوتیں اسی طرح منکشف هو کر همارے علم میں اور بھی اضافے کرتی جائیں گی۔

الغرض جب آں حضرت صلعم کی روح نے یه منزلت حاصل کر لی تو الله تعالی نے ایک ایسی شب میں آپ کو بیت الله سے لے کر بیت المقدس تک سیر کرائی جس میں بحسب آیه کریمه ''لنریه من آیتنا (۱۷ : ۱) (هم نے رسول کو اپنی نشانیاں دکھائیں) سے واضح هے اور سائنس جس طرح اوپر کے بیان کرده معجزات کو تسلیم کرتی هے اسی طرح اسراء و معراج کو بھی ثابت کرتی هے۔ انسان کو چاهئیے که حقیقت کائنات کو زمان و مکان کی اضافی قیود سے بالا تر سمجھے بشرطیکه اس ناپائدار زندگی کے خیالی اقدار سے خود کو رستگار کر سکے۔ موجودات سے اپنا اصلی ربط معلوم کرنا اسے گوارا هو اور خود سے حقیقت اصلیه سے آشنا هونے کا طلب گار هو۔ صرف اسی حالت میں اس پر حقیقت اصلیه کا ادراک آسان هو سکتا هے۔

''اسراء'' پر عرب کے تصورات: عرب کے ان پڑھ باشندوں کے ذهن میں اسراء کے یه معنی سما نه سکتے تھے۔ رسول الله نے ان سے یه تذکره فرمایا تو انهوں نے مادی تصورات کے مطابق اس کے امکان و عدم امکان پر سخن آرائی شروع کر دی یهاں تک که جو لوگ پہلے سے رسول الله کی رسالت کے مصدق تھے آج وه بھی اسراء کی صداقت میں مذبذب هو گئے۔ بعض کی زبان پر تو یهاں تک آ گیا که بیت المقدس تک پہنچنے میں ایک مهینه صرف هوتا هے اور واپس لوٹنے میں دوسرا مهینه! عجیب معامله هے که رسول الله ایک شب میں بیت المقدس پہنچ بھی گئے اور واپس بھی تشریف لے آئے! اسی تذبذب نے بعض مسلمانوں کو اسلام سے برگشته کر دیا۔ ایک گروه نے جب ابوبکر کے پاس جا کر واقعه

بیان کر کے حقیقت معلوم کرنا چاہی تو انہوں نے فرمایا کیا آپ لوگ اسے دروغ سمجھتے ہیں؟ جواب دیا بالکل دروغ! ہمارے ساتھ تشریف لے چلئے رسول اللہ ابھی مسجد ہی میں تشریف فرما ہیں خود دریافت کر لیجئے۔ ابوبکر نے کہا اگر رسول اللہ فرماتے ہیں تو ایسا ہی ہوگا! بخدا آپ آسمان سے زمین پر وحی کا آنا دن یا رات کی کسی ساعت میں فرماتے ہیں تو میں اس کی تائید بلا تامل کرتا ہوں اس کے مقابلہ میں اسراء پر آپ لوگوں کا تذبذب یا انکار عجیب ہے۔

آخر حضرت ابوبکر حضور رسالت پناہ میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آں حضرت صلعم بیت المقدس کے ان مقامات کا تذکرہ فرما رہے تھے جن پر سے آپ شب اسراء میں گذرے جونہی مسجد اقصیٰ اور اس کی جغرافیائی حیثیت کا بیان فرمایا چونکہ ابوبکر بھی بیت المقدس سے ہو آئے تھے (انہوں نے) سنتے ہی ''صدقت یا رسول اللہ!'' عرض کیا اس تصدیق کی بنا پر آج سے رسول اللہ نے ابوبکر کو ''صدیق'' کے خطاب سے پکارنا شروع فرما دیا۔

اسراء بہ جسد: جو لوگ اسراء کو جسمانی تسلیم کرتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں کہ! جب آں حضرت نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو قریش اور بعض مسلمانوں نے بھی آپ سے سفر کے نشانات دریافت کئے کیونکہ انہوں نے آج تک اتنے سریع السیر سفر کا ذکر نہ سنا تھا۔ رسول اللہ نے ایک ایسے کاروان کا تذکرہ فرمایا جس میں سے ایک اونٹ گم ہو چکا تھا اور آں حضرت نے انہیں بتایا وہ فلاں مقام پر تھا ایک اور کاروان کا تذکرہ فرمایا جن کے برتن سے رسول اللہ نے خود پانی انڈیل کر پیا تھا اور بعد میں برتن سرپوش سے ڈھانک دیا تھا۔

یہ واقعات سننے کے بعد قریش نے بڑی جستجو سے ان دونوں قافلوں کا سراغ لگا کر ان سے واقعات دریافت کئے تو دونوں نے تصدیق کی۔

اگر ان واقعات کو بھی ہم اسراء روحانی پر معمول کر لیں تو کوئی استبعاد واقع نہیں ہوتا جیسا کہ نیند میں دور و دراز مقامات اور ان کے حوادث دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ معاملہ تو عام لوگوں کا ہے چہ جائے کہ وہ نفوس جن کی روحانی اور معنوی وحدت تمام عالم پر محیط ہو اور خدا تعالیٰ کے فضل و مرحمت کے سہارے ان کی یہ قوت اس حد تک گیرائی حاصل کر چکی ہو جس سے ازل و ابد دونوں ایک نقطہ کی شکل میں ان کی نظر کے سامنے ہوں۔

صادق امین عبداللہ حیات محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی الرحمۃ یتیم

صفی اللہ حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۹

بیعتِ عقبہ

صادق امین عبداللہ محمد ﷺ حیات کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

صفی اللہ حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول اخر ظاہر باطن نبی الرحمۃ یتیم

۹

بیعت عقبہ

زمانۂ معراج کے بعد مسلمانوں کا تزلزل: نہ صرف قریش بلکہ بہت سے مسلمان بھی اسراء و معراج کی حقیقت کا ادراک نہ کر سکے جیسا کہ ہم نے فصل ہشتم کے آخر میں بیان کیا۔ حتیٰ کہ بعض ایسے مسلمان بھی مرتد ہو گئے جو آج سے بہت پہلے اسلا م قبول کر چکے تھے - اس کے نتیجہ میں قریش اور بھی کھل کھیلے - ان کی طرف سے رسول اللہ اور ان کے ساتھیوں کی ایذا دہی میں آئے دن اضافہ ہوتا گیا جس سے مسلمان اور آں حضرت صلعم سب کے سب تلملا اٹھے -

ادھر طائف (برص ۴۱۴-۴۱۵) کی بد سلوکی کا اثر ابھی تازہ تھا جہاں سے واپسی پر قبیلۂ کندہ و بنو عامر اور بنو حنیفہ سے موسم حج پر جو کچھ پیش آیا، ان تمام حوادث نے رسول اللہ کو قریش کے قبول حق سے مایوس کر دیا -

جو لوگ زیارات و تجارت کے لئے عرب کے مختلف شہروں سے مکہ میں آتے وہ بھی دیکھتے کہ جناب محمد صلعم کس بے چارگی اور مجبوری کی زندگی بسر کر رہے ہیں قریش نے اپنے تمام مظالم کی آماج گاہ صرف انہی مٹھی بھر مسلمانوں کو بنا رکھا ہے۔اگر کوئی قبیلہ یا فرد واحد ان لوگوں پر ترس کھا کر ان کی یاوری کے لئے آمادہ ہو تو قریش کے ہاں اس قبیلہ کے لئے بھی بخشش نہیں - جناب حمزہ اور عمر جیسے شجاعت پیشہ حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب باوجود اسلا م نہ لانے کے اپنے قبیلہ دار کی حمایت میں سربکف ہیں - یہ سب کچھ ہے مگر مکہ میں مسلمانوں کی تعداد اس قدر کم اور قریش کے مقابلہ میں ان کی طاقت اتنی لا شے ہے کہ وقت پڑنے پر اللہ تعالیٰ ان کی دست گیری نہ فرمائے تو یہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے - ایسا وقت پڑنے پر ممکن ہے کہ مسلمان گھبرا کر اپنے قدیم مذہب کی طرف ہی لوٹ جائیں - رسول اللہ اس غم میں گھل سے گئے اور ادھر قریش کا حسد و کینہ اور بھی سوا ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ قریش کے ان پے بہ پے مظالم کے مقابلہ میں رسول اللہ کی یہ عزلت گزینی آپ کے عزائم میں سدا کے لئے تزلزل کا موجب بننے کو تو نہ تھی؟ نہیں۔

بلکہ جو دین آپ لائے تھے اس پر آپ کا ایمان اور بھی بڑھتا گیا حالانکہ معمولی ذہن کے لوگ ایسی دشواریوں پر گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ لیکن بخلا ف ان کے ارباب ہمت ایسے موقعوں پر اپنے مقصد کی صداقت سے اپنے نفوس میں ایمان و ایقان کی صورت میں اور زیادہ جلا پیدا کر سکتے ہیں جس کے لئے وہ اپنی ہر مسرت اور دولت اس راہ میں قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتے - اسی طرح حضرت محمد (صلوات اللہ علیہ) اور آپ کے رفقا یہ امید لے کر مکہ میں بیٹھے رہے کہ ایک نہ ایک دن خداوند عالم ہماری نصرت فرما کر اسلا م کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرے گا۔ مگر قریش کے حسد و دشمنی کی وجہ سے وہ اصل مقصد سے دست بردار ہونے کے قریب تک نہ آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نازک حالت میں بھی ایک سال تک مکہ میں

عزلت گزین رہے ۔ باوجودیکہ آپ کے پاس اپنے مال میں سے کچھ باقی رہ گیا تھا نہ آپ کی مونسۂ غم سیدہ خدیجہ (ام المومنین) کے متروکہ میں کوئی حصہ بچا ۔ نصرت خداوندی کی امید لئے بیٹھے رہے جس پر آں حضرت کو پورا یقین تھا ۔ جب موسم حج میں اطراف عرب سے قبائل زیارات کعبہ کے لئے (مکہ میں) آتے تو رسول اللہ ان نوواردوں کے سامنے اپنی رسالت اور اسلام کی دعوت پیش کرتے اور اس خیال سے دور رہ کر کہ اگر یہ لوگ انکار کر دیں تو کیا ہوگا ۔ اس موقعہ پر قریش کے بدلگام لوگ سائے کی طرح آپ کے ساتھ لگے رہتے اور قدم قدم پر تمسخر اڑا کر اپنی سفاہت کی سند پیش کرتے لیکن رسول اللہ کی عزیمت ان کی سفاہت کو اپنی دعوت کی راہ میں پرکاہ کے برابر نہ سمجھتی کیونکہ آں حضرت صلعم خود کو اس منصب کا مکلف سمجھتے اور آپ کو یقین تھا کہ خدا تعالی اس امر میں میرا ناصر و مددگار ہے ۔

حسن مقال کی تاثیر : اللہ نے آں حضرت کو وحی کے ذریعہ سے تلقین فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ گفتگو کے موقع پر حسن مقال کا خیال رکھیں اس سے عوام کے دل پر قابو پایا جا سکتا ہے ، اس سے دشمنی ہمدردی اور بہی خواہی سے بدل جاتی ہے ۔

ادفع بالتی ہی احسن فاذا الذی بینك و بینه عداوة كانه ولی حمیم (۴۱ : ۳۴)

احسن طریق سے جواب دیجئے ، اس سے دشمن بھی آپ کا دلی ہمدرد ہو جائے گا! (مفہوم)

اور وحی نے یہ تلقین فرمائی کہ گفتگو میں نرمی کرنے سے لوگوں کے دل میں خدا تعالی کی طرف رغبت اور خشیت پیدا ہوگی اور یہ کہ آپ کو لوگوں کی طرف سے ایذا پر صبر کرنا چاہئیے کہ انجام کار صابر ہی کی فتح ہوتی ہے ۔

نصرت و فیروزمندی کے آثار افق یثرب پر : مکہ میں چند سال کشمکش و انتظار کے بعد افق یثرب سے فتح و نصرت کے آثار نمودار ہوئے ۔ یہاں رسول اللہ کے کچھ تجارتی تعلقات نہ تھے بلکہ یثرب میں ایک مزار تھا جس کی زیارت کے لئے آں حضرت صلعم کی والدۂ ماجدہ ہر سال یثرب میں تشریف لاتیں ۔ یہ قرابت قبیلہ بنو النجار میں تھی جن سے آں حضرت صلعم کے دادا سیدنا عبد المطلب کا ننہالی رشتہ تھا اور یہ مزار رسول اللہ کے والد گرامی سیدنا عبد اللہ بن عبد المطلب کا تھا جس کی زیارت کے لئے رسول اللہ کی والدہ یہاں تشریف لاتیں ۔ جس یثرب میں آپ کے دادا عبدالمطلب اپنے اس صاحب زادہ کی خبر علالت سن کر آئے جو ابھی اپنے عنفوان شباب سے بھی نہ گذرا تھا اور ابھی اس کے رخ و عارض پر سبزہ خط بھی نمودار نہ ہوا تھا اور جس یثرب میں جناب محمد ۶ سال کے سن میں اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں تشریف لائے اور جب اپنے والد کے مزار کی زیارت کر کے مکہ کی طرف واپس لوٹے تو مکہ اور مدینہ کے وسط میں آپ کی والدہ نے منزل حیات سے تھک کر راستے ہی میں دم توڑ دیا اور (مقام) ابواء میں استراحت فرمائے لحد ہوئیں اور ان حوادث کی تفصیل گذشتہ صفحات میں کی جا چکی ہے ، ایسی بستی سے رسول اللہ کے لئے آثار نصرت کا آشکار ہونا چنداں مستبعد نہ تھا ۔

---

(۱) مولف کا اشارہ آیۂ ذیل کی طرف ہے ۔

کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی ان اللہ قوی عزیز (۵۸ : ۲۱)

اللہ نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ ”میں اور میرے رسول غالب آئیں گے“ بلا شبہ اللہ تعالی غالب اور حکمت والا ہے!

پھر نماز میں بیت المقدس کی طرف رخ کرنے میں دونوں (بیت المقدس اور یثرب) کی یک جہتی سے بھی اس طرف رغبت ہونا غیر یقینی نہیں ہو سکتا ۔ کیا تعجب ہے کہ لوح تقدیر میں بھی یثرب کی قسمت میں یہ حرف کندہ ہو کہ جناب محمد کو اسی شہر سے نصرت حاصل ہوگی اور اسلام کو یثرب میں پہنچ جانے کے بعد قوت اور اشاعت کا موقعہ حاصل ہوگا ۔

یثرب میں تبلیغ اسلام کی کامیابی کے مقدمات پر تقدیر کا قلم صدیوں سے نقوش بنا رہا تھا یہ واقعات اس طرح رونما ہوتے رہے کہ قدیم میں اوس و خزرج دونوں قبیلے یثرب میں یہودیوں کے دوش بدوش رہتے تھے لیکن یہود کے ساتھ ان کے روابط ہمیشہ ناہموار رہے کبھی کبھی جنگ و جدال کی نوبت بھی آ جاتی ۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ اس دور میں شام کے عیسائی جو مشرقی روم کے زیر نگین تھے اس خیال سے یہودیوں کے دشمن تھے کہ اسی قوم نے تو مسیح کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا اور یہی ان کی بے حرمتی کا سبب بنے ۔ انہوں نے اس جذبہ انتقام میں یثرب کے یہود پر حملہ کر دیا مگر ان پر غلبہ نہ پانے کی وجہ سے یثرب کے اوس و خزرج کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور اس یلغار میں انہوں نے یہودیوں سے دل کھول کر بدلہ لیا اور ان کی کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔

آج سے یہود کے اقبال کا ستارہ گہنا گیا ، ان کی جگہ اوس و خزرج کو حاصل ہو گئی جو آج سے پہلے (یہودیوں کے زمانہ اقتدار میں) صرف محنت کشی سے شکم پروری کر سکتے تھے ۔

اس واقعہ کے بعد ایک مرتبہ عربوں نے بھی چاہا کہ مدینہ کے یہودیوں کو پوری طرح پامال کر کے ان کے ذرائع آمد و اراضی پر قبضہ کر لیا جائے اور اپنے اس حیلہ میں عرب کسی حد تک کامیاب بھی ہوگئے لیکن یہود ایسی قوم نہ تھی جو اپنے مال کو نہ سمجھتی اس لئے انہوں نے اوس و خزرج دونوں کے اقتدار سے بچنے کے لئے تدبیر شروع کر دی انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کے مٹھی بھر امتی اگر اوس و خزرج کا مقابلہ کرتے ہیں تو ان کی کمک پر ان کے دینی بھائی عرب جمع ہو کر ہمیں نابود کر دیں گے ۔ یہود نے ایک ایسی چال چلی جس سے وہ جنگ و جدال سے ہٹ کر خود کو ان پر غالب بھی رکھ سکتے تھے ۔ انہوں نے اوس و خزرج میں پھوٹ ڈلوا دی دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے اور یہود فکر فردا سے آزاد ہو کر اپنی تجارت و ثروت کے فروغ میں منہمک ہو گئے ۔ اس طرح انہوں نے اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لیا اور ان کے جو املاک اوس و خزرج نے ضبط کر رکھے تھے آسانی سے اپنے قبضے میں کر لئے ۔

یثرب میں یہود اور عرب کے درمیان اقتدار و سرمایہ داری ہی کی کشمکش کا بکھیڑا نہ تھا بلکہ ان دونوں امور سے ہٹ کر ایک اور امر بھی حائل تھا جس میں نہ صرف اوس و خزرج بلکہ تمام عرب یہود کے سامنے دبے ہوئے تھے ۔ یہود کو اپنے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اپنی مذہبی برتری کا احساس تھا ۔ وہ توحید پر بھی قائم تھے مگر ان کے عرب ہمسائے بتوں کی محبت میں کھوئے ہوئے اور انہیں خدا کے حضور تقرب کا وسیلہ سمجھنے پر نازاں ۔ یہود انہیں ایک آنے والے نبی کی بعثت سے ڈرا کر اعلان کرتے کہ اس (نبی) کے ذریعہ سے یہودیت کا پرچار بھی ہوگا ۔

لیکن یہود کی دینی دعوت کو بجائے خود عرب میں دو وجوہات سے فروغ حاصل نہ ہو سکتا تھا :

۱- یہود کی عیسائیوں کے ساتھ دائمی دشمنی اور کشمکش جس کے خوف سے وہ اپنی سلامتی اور اپنے تجارتی فروغ پر اکتفا کرتے اور عربوں کو اپنے دین میں داخل کرنے کے غم میں مبتلا نہ ہوتے۔

۲- یہود خود کو خدا کی پسندیدہ جماعت سمجھنے کی وجہ سے دوسروں کو اپنی منزلت کا حصہ دار بنانے کے روا دار نہ تھے - انہیں یہ گوارا ہی نہ تھا کہ کوئی دوسرا ہمارے دین میں شامل ہو کر بنی اسرائیل کے تفوق میں حصہ دار بنے -

یہود اور اوس و خزرج میں ہمسائیگی اور تجارتی تعلقات کے ساتھ ان دونوں قبیلوں کو یہودیوں کی زبان سے مذہبی گفتگو سننے کا موقع دوسرے عرب باشندوں سے زیادہ ملتا جو اس امر کے لئے دلیل ہے کہ عام اہل عرب کے مقابلہ میں یثرب کے رہنے والے عربوں میں دعوت محمدیہ کے قبول کی گنجائش زیادہ تھی -

سوید بن الصلت کا معاملہ : یہ صاحب یثرب کے قبیلۂ اوس کے فرد تھے جو اپنے شرف و نجابت اور شعر گوئی و دلاوری کی وجہ سے اپنی قوم میں ”کامل،، کے خطاب سے سرفراز تھے ، سوید بن الصلت آں حضرت کے زمانہ بعثت میں زیارت کعبہ کے لئے مکہ آئے تو رسول اللہ نے حسب طریق انہیں اسلام کی دعوت پیش کی - سوید نے کہا ”شاید آپ کے پاس وہی چیز ہو جو میرے ساتھ پہلے سے موجود ہے؟،،

رسول اللہ : کونسی شے؟

سوید : میرے پاس لقمان کے اقوال ہیں۔

آں حضرت نے ان میں سے کچھ کلام سن کر فرمایا یہ اچھی باتیں ہیں لیکن میرے پاس اس سے بہتر کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے، نہایت نورانی کلام! یہ فرما کر رسول اللہ نے قرآن کی ایک سورۃ تلاوت فرما کر دعوت اسلام پیش کی -

سوید کے قلب میں کیفیت ابھر آئی اس نے عرض کیا ”یہ کلام تو بہتر ہے!،، اور جب سوید واپس مدینہ لوٹے تو ان کے ذہن میں قرآن کے سوا کوئی اور تصور نہ تھا! جب سوید خزرج کے ہاتھوں قتل ہوئے تب ان کی قوم نے کہا کہ ”سوید مسلمان ہو کر مرے ہیں!،، اور یہود کے ہمسایہ میں رہنے والے اہل یثرب میں صرف سوید ہی کے ذہن میں یہ تصور نہ تھا ، بلکہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہود نے اوس و خزرج کے درمیان دشمنی کی خلیج حائل کر دی اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ دونوں اپنے لیے اہل عرب کو حلیف بنانے میں سرگرداں رہنے لگے - اس سلسلہ میں یثرب سے انس بن رافع (ابو الحیسر) اپنے ساتھ ایک وفد لے کر مکہ میں آئے جس وفد میں ایاس بن معاذ بھی شامل تھے تاکہ قریش کو اپنے قبیلہ (خزرج) کا حلیف بنائیں - رسول اللہ نے سنا تو ان کے ہاں تشریف لا کر اسلام کی دعوت پیش کی اور قرآن کا کچھ حصہ انہیں سنایا - ایاس موصوف جنھوں نے عنفوان شباب میں چوری اور ڈکیتی کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا قرآن سن کر حیران رہ گئے اور اپنی قوم سے کہا

یا قوم! ھذا واللہ خیر مما جئتم فیہ!

برادران قوم! جس مقصد کے لئے تم
یہاں پہنچے ہو بخدا اس کے مقابلہ میں یہ
چیز زیادہ بہتر ہے!

لیکن ان لوگوں پر دوسری فکر غالب تھی ۔ وہ اس دعوت پر پوری توجہ نہ کر سکے انہیں آنے والی جنگ (بعاث) کا خطرہ کھائے جا رہا تھا جس میں قریش کی یاوری حاصل کرنے کے لئے یہاں پہنچے تھے ان میں ایاس بن معاذ تو پوری طرح اسلام لے کر واپس لوٹے اور دوسروں کے دلوں میں بھی کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ گیا تھا ۔

جنگ بعاث (مابین اوس و خزرج) : یہود کی دسیسہ کاری کام آ ھی گئی ۔ ابو الحیسر (ایاس بن معاذ) اور ان کے رفقا کی مکہ سے واپسی سے کچھ مدت بعد اوس و خزرج میں جنگ کے شعلے اس شدت سے بھڑک اٹھے کہ ایک گروہ دوسرے جتھے کا نام و نشان مٹانے پر کمر بستہ ہو گیا ۔ ہر حملہ پر اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا جاتا کہ ان میں کوئی شخص نرم روی اور بزدلی کا ثبوت تو نہیں دیتا اور پھر اس کے بعد پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ حملہ کیا جاتا ۔

قبیلہ اوس کے ایک دستہ پر ابو اسید حضیر کمان کر رہے تھے ۔ یہ خزرج کی دشمنی میں گھلے جاتے تھے ۔ وقت کی بات کہ اوس کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بدحواسی میں نجد کی طرف منہ اٹھا کر بھاگ نکلے مگر خزرج نے بھاگتے ہوؤں کا تعاقب کیا ۔ ان میں ابو اسید بھی تھا جو سواری سے نیچے اتر کر اپنا نیزہ اپنی ران میں پیوست کر کے زمین پر بیٹھ گیا اور بآواز بلند پکارا کہ :

”اب میں اس جگہ سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا ۔ مجھے خود قتل کر دو اور یا خزرج کے حوالے کر دو! “

اوس نے اپنے سپہ سالار کی یہ حالت دیکھی تو طیش کھا کر پلٹے اور خزرج پر پل پڑے اب یہ یثرب کی طرف بھاگ نکلے اور انہوں نے ان کے گھروں تک ان کا تعاقب نہ چھوڑا ان کے باغات کو روندتے ہوئے خزرج کے گھر جلانے شروع کر دئے ۔ خزرج نے سعد بن معاذ اشہلی کی پناہ لی (یہ قبیلہ اوس کے سردار تھے) ابو اسید نے اعلان کر دیا کہ خزرج کا ایک ایک گھر جلا دیا جائے! اور ان کے باغوں میں کوئی پودا سلامت نہ چھوڑا جائے! لیکن ابو قیس ابن اسلت نے آگے بڑھ کر کہا:

”یہ تمہارے ایسے بھائی ھیں جو یہودیوں سے بہتر ھیں ! “

تب جا کر اوس کی تلواریں میان میں لوٹیں (ابو قیس بھی قبیلہ اوس ھی کے فرد تھے :م)

اوس و خزرج کی باھمی جنگ آزمائی سے یہود کی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ لوٹ آئی اور انہیں پہلے کی طرح یثرب کی سیادت حاصل ہو گئی مگر جب اوس و خزرج کے فاتح اور شکست خوردہ دونوں قبیلوں نے اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھا تو ان کی ندامت و شرمساری نے دونوں کا سر نیچا کر دیا کہ آج اوس و خزرج کی سیادت بنی اسرائیل میں منتقل ہو گئی ۔ پھر دونوں قبیلے سر جوڑ کر بیٹھے ۔ کسی ایک شخص کو اپنا سردار بنانے کا معاہدہ ہوا یہ منصب عبداللہ بن محمد کو پیش کیا گیا جو نہایت دانش مند اور باوقار منش تھے اور شکست خوردہ قبیلہ خزرج کے فرد ۔

حوادث کی آخری کروٹ : لیکن سیادت و قیادت کا یہ مد و جزر ایک نئی شکل اختیار کرنے کے لئے پیچ و تاب میں تھا کہ اب یثرب میں بنی اسرائیل یا اوس و خزرج کسی کی سرداری کی گنجائش نہیں ۔

یثرب میں اسلام کا ورود : حسب معمول خزرج کا ایک قافلہ موسم حج میں زیارت کعبہ کے لئے مکہ پہنچا ۔ رسول اللہ صلوات اللہ علیہ ان کے ہاں تشریف لائے اور دریافت

حالات پر معلوم ہوا که یه لوگ یہود کے صحبت یافتہ ہیں ۔ اہل یثرب میں اگر یہود و عرب کے درمیان تیز کلامی پر نوبت آ جاتی تو یہودی انہیں یه کہه کر ڈراتے

”ذرا اور صبر کرو، آنے والے نبی کا وقت قریب آ پہنچا ہے ۔ تم سے پہلے ہم اس کے پیرو بن کر اس کی پناہ میں تمہیں عاد و ارم کی طرح تہس نہس کر کے رکھ دیں گے،،

آج مکه میں یثرب کے عرب باشندوں نے اس نبی (صلی الله علیه وسلم) کو اپنے بالمواجہه دیکھ لیا اور ایک دوسرے سے اشاروں میں کہه گئے که

والله! انه النبی الذی تواعدکم به یہود فلا یسبقنکم الیه!	بخدا ! یه تو وہی نبی ہے یہود جس کی خبر سنایا کرتے ہیں جلدی کرو مبادا یہود تم پر سبقت لے جائیں !

خزرج نے اسلام قبول کرتے ہوئے عرض کیا ”یا رسول الله! ہم اپنے پیچھے ایسی قوم (اوس و خزرج) کو چھوڑ آئے ہیں جن کی باہمی عداوت کی کہیں مثال نہیں ۔ امید ہے که آپ کی تعلیم سے الله تعالیٰ انہیں باہم متحد کر دے ۔ اگر ایسا ہو سکا تو ان دونوں کے نزدیک آپ سے زیادہ باعزت کوئی دوسرا نه ہوگا!،، اس قافله میں بنو النجار کے ایسے دو آدمی تھے جو رسول الله کے دادا سیدنا عبد المطلب کے قرابت دار تھے ۔ جنہوں نے آں حضرت کی کم سنی میں آپ کی پرورش کی تھی ۔

یه لوگ مدینه واپس لوٹ آئے اور برملا اپنے مسلمان ہونے کا تذکرہ کرنے لگے جس نے سنا اس کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ۔ اوس و خزرج کا کوئی گھر نه تھا جس میں حضرت محمد صلعم کا ذکر نه ہو اور ہر گھر میں سے دو ایک شخصوں نے اسلام قبول نه کیا ہو ۔ انہیں فخر تھا که وہ بھی یہودیوں کی طرح موحد بن گئے بلکه ان سے بہتر دین پر گام زن ہیں ۔

عقبۂ اولیٰ کی بیعت: یه سال گذر گیا اور آینده سال موسم حج میں یثرب سے باره خوش نصیب زیارت کعبه کے لئے مکه میں آئے ۔ رسول الله کی ان سے ملاقات عقبه میں ہوئی جہاں سب نے بیعت کی جو ”بیعت عقبه اولیٰ،، کے نام سے مشہور ہے ۔ رسول خدا نے مندرجه ذیل امور پر ان سے اقرار لیا که وہ الله کے ساتھ کسی کو شریک نه ٹھہرائیں گے اور ان امور سے اپنا دامن بچا کر رکھیں گے ۔ چوری سے ، زنا سے ، قتل اولاد سے ، باہم بہتان طرازی سے ، اور معروف (نیکی کے کاموں) میں رسول الله کی اطاعت سے منحرف نه ہوں گے ، اور ان سے فرمایا که ان شرائط کا ایفا جنت کا مستحق ہونا ہے ورنه معامله الله کے سپرد ہے وہی عذاب و ثواب دونوں کا مختار ہے ۔

مدینه کی پہلی تربیت گاہ: رسول الله صلی الله علیه وسلم نے ان کی دینی تربیت کے لئے جناب مصعب بن عمیر کو ان کے ہمراہ کر دیا جو انہیں قرآن مجید پڑھاتے ، ارکان اسلام سمجھاتے اور دین کی حقیقت ان کے ذہن نشین کرتے ۔

تربیت گاہ کی بار آوری: اس بیعت (بیعت عقبۂ اولیٰ) کے بعد یثرب میں اسلام روز بروز ترقی کرتا گیا ۔ حضرت مصعب بھی اوس و خزرج کی تربیت میں مصروف رہے ۔ انہیں یه دیکھ کر مسرت حاصل ہوتی که انصار انشراح صدر کے ساتھ حق کو قبول کر رہے ہیں ! دوسرا سال آیا تو مصعب رجب کے مہینے ہیں مکه تشریف لے آئے اور مدینه میں اسلام کے فروغ کے واقعات رسول الله کے گوش گذار کئے ۔ مصعب نے یه اطلاع بھی

عرض کی کہ مدینہ کے مسلمان جتھہ بند اور بہادر ہیں ! اور یہ خوشخبری بھی پیش کی کہ اس سال وہاں کے بہت سے مسلمان حج میں حاضر ہوں گے -

مدینہ کے یہ حالات سن کر رسول اللہ کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ یثرب میں مسلمانوں کی تعداد آئے دن بڑھ رہی ہے- وہ یہود کی آزار دہی سے بھی محفوظ ہیں، انہیں وہاں کے مشرکین بھی نہیں ستاتے - ان مکی مسلمان بھائیوں کی طرح جو ہر وقت قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہتے ہیں مکہ کے مقابلہ میں یثرب میں وسائل زندگی کی بھی فراوانی ہے- وہاں کی اراضی قابل کاشت ہے! وہاں کھجوروں کے جھنڈ اور انگوروں کے باغیچے کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں - آخر میں رسول اللہ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اگر مکہ کے مسلمان یہاں سے ہجرت کر کے ان بھائیوں کے پاس چلے جائیں تو امن کی زندگی بسر کر سکیں گے! وہ قریش کے فتنوں سے بھی بچ جائیں گے اور ان کا دین بھی یہاں کی طرح مدینہ میں ہدف ملامت نہ بنے گا! اسی سوچ بچار میں رسول اللہ کے ذہن میں یثرب کے پہلے قافلہ کی وہ کہانی گھومنے لگی جو انہوں نے مشرف بہ اسلام ہونے کے ساتھ مدینہ کے اوس و خزرج کی باہمی دشمنی کی صورت میں پیش کی تھی کہ ”اگر ایسا ہو سکا تو ان دونوں کے نزدیک آپ سے زیادہ باعزت کوئی دوسرا نہ ہوگا“ (ص ۱۴۴ سطر ۱۰-۱۹ لکیر کشیدہ الفاظ) یہاں پہنچ کر رسول اللہ کے ذہن میں یہ خیال موج زن ہوا کہ اگر میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلا جاؤں تو یہ بہتر نہ ہو گا کہ اوس و خزرج کو اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے یک جا کر دے! آخر مکہ میں رہ کر کب تک حالات کی موافقت کا انتظار کیا جائے! نہ سہی! خود قدرت حاصل ہونے پر میں اہل مکہ سے ان کے مظالم کا بدلہ نہ لوں لیکن ان کے مقابلہ میں میرے ضعف کا یہ حال ہے کہ اب تک میں ان کی مدافعت بھی نہیں کر سکا - پھر آپ کے ذہن میں یہ خیال گذرا کہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب زیادہ سے زیادہ میری اتنی حمایت کر پاتے ہیں کہ مجھ پر قریش کے ظلم کو روک لیں - لیکن اگر میں کسی سے اس کے ظلم کی تلافی کرنا چاہوں تو اس میں وہ بھی میری نصرت کرنے سے قاصر ہیں! پھر میری ہی ذات کو قریش کے جور و ستم سے بچانا کافی نہیں میرے رفقا بھی تو ہیں جنہیں میرے قبیلہ دار قریش کی سختیوں سے نہیں بچا سکتے -

قوت ایمان مومن کی ہر مشکل کو آسان بنا دیتی ہے اور اس راہ میں مال، آرام، آزادی، حتیٰ کہ زندگی نثار کرنے میں تامل نہیں ہوتا کیونکہ اس راہ میں مصیبت کے تحمل سے ایمان کو اور زیادہ قوت حاصل ہوتی ہے بایں ہمہ اگر اس راہ کی تکالیف سدا لاحق رہیں تو آخر انسان کی زندگی اس کے لئے اجیرن سی ہو جاتی ہے اور اسے یہ سوچنے کا موقعہ نہیں ملتا کہ وہ ادراک حقیقت کے لئے یک سوئی سے فکر و غور کر سکے -

رسول اللہ نے اب سے پہلے بھی اپنے پیروؤں کو حبشہ میں ہجرت کے لئے بھیج دیا تھا جہاں کا فرماں روا مسیحی عادل بادشاہ تھا - اس (حبشہ) کے مقابلہ میں یہ کہیں بہتر ہے کہ مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے یثرب میں چلے جائیں جہاں ان کے ایسے مسلمان بھائی موجود ہیں جو وقت پر ان کی نصرت بھی کر سکتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے سہارے دشمنوں کا مقابلہ بھی کر سکتے ہیں - یثرب میں یہ لوگ نہ صرف اپنے دین پر آزادی سے عمل کر سکیں گے بلکہ دوسروں کے سامنے بھی بلا خوف و خطر دعوت اسلام پیش کرنے کا انہیں موقع مل سکے گا -

یثرب کا دوسرا قافلہ اور عقبہ کی دوسری بیعت: اس سال (۶۲۲ء) میں یثرب سے ایک کاروان زیارات کعبہ کے لیے روانہ ہوا جس میں (۷۲) مسلمان تھے۔ ان میں (۲) بی بیاں بھی تھیں۔ رسول اللہ صلعم کو جب علم ہوا تو آپ نے ذہن میں بیعت لینے کے معاملہ میں ایک اور قدم اٹھانا چاہا جس میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا کہ گذشتہ تیرہ سال کے بعد صرف رفق و مدارات و تحمل کی برداشت پر اکتفا رکھنا اسلام کے لیے سود مند ثابت نہ ہوگا۔ مسلمان کب تک دوسروں کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنے رہیں۔ کیوں نہ زیادتی کو روک کر ظلم کا مقابلہ کیا جائے۔

عقبہ اولیٰ پر اہل یثرب کی دوسری ملاقات: آں حضرت نے یثرب کے ان مسلمانوں سے خفیہ ملاقات میں ان کے ولولۂ ایمان و تحمل کا اندازہ کر کے ان کے ساتھ طے فرمایا کہ زیارت و حج کے بعد ایام تشریق میں عقبۃ ہی میں ملاقات ہوگی۔ سب لوگ آخر شب میں وہاں جمع ہو جائیں۔ یثرب سے مسلمانوں کے ساتھ مشرکین بھی زیارات کعبہ کے لیے آئے تھے لیکن مسلمانوں نے یہ راز ان سے مخفی رکھا۔ یہاں تک کہ وقت مقررہ پر قافلہ میں سے ایک ایک مسلمان نکل کر مقررہ جگہ (عقبہ) پر پہنچ گیا۔ ان میں وہ دو بی بیاں بھی پیچھے نہ رہیں جو مسلمان ہو چکی تھیں اور اسی نیت سے مکہ آئی تھیں رسول اللہ وقت مقررہ پر تشریف لے آئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے عم بزرگوار سیدنا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے جو قریش کے مسلک پر گام زن تھے لیکن ہاشمیت کی وجہ سے رسول اللہ کی حفاظت کا وعدہ کر رکھا تھا۔ انہیں خطرہ تھا کہ اہل یثرب کی وجہ سے ممکن ہے قریش ہاشمیوں کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہو جائیں اور وقت پڑنے پر اہل یثرب ہمارا ساتھ نہ دیں۔ سیدنا عباس نے اس موقعہ پر اپنی موجودگی ضروری سمجھی اور خود ہی بات شروع کرتے ہوئے خزرج سے فرمایا:

اے خزرجی دوستو! آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ ہاشمی قبیلہ حضرت محمد صلعم کی کس قدر تعظیم کرتا ہے۔ باوجودیکہ ہم عقیدہ میں ان کی بجائے قریش کے ہم نوا ہیں لیکن ان کی حمایت و نصرت میں ہم نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جناب محمد صلعم اپنے قبیلہ میں قابل احترام اور اپنے شہر میں معزز ہیں لیکن اب آ کر ان کا میلان آپ لوگوں کی طرف ہو گیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمہارے شہر میں آ کر تمہیں لوگوں میں زندگی بسر کریں۔ اگر آپ لوگ ان کا تحمل کر سکتے ہیں اور وقت پڑے پر ان کو دشمنوں سے بچا سکتے ہیں تو ہمیں کوئی عذر نہیں اور اگر وہاں لے جا کر انہیں دشمن کے حوالے کرنا ہو تو ہمیں ان کی تکلیف گوارا نہیں تب آپ لوگ انہیں مکہ ہی میں رہنے دیجئیے۔

اہل یثرب کا جواب یہ تھا۔

اے عباس! آپ نے جو کچھ کہا ہم نے سن لیا!

اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ سے التجا کی ”یا رسول اللہ! آپ کو اختیار ہے ہم سے جو وعدہ اپنے اور ذات باری کے لئے لینا ہو ہم حاضر ہیں۔“

رسول اللہ نے قرآن مجید کی تلاوت کے بعد انہیں اسلام کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

ابایعکم علی ان تمنعونی مما تمنعونی منه نساءکم و ابناءکم	میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ میری معاونت اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کی مانند کرو گے!

اصحاب مدینہ میں ایک صاحب براء بن عازب تھے۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے لیکن نمازیں بیت المقدس کی بجائے کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا کرتے۔ دوسرے مسلمانوں اور بنفسہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابھی تک اور اس کے کچھ مدت اور بعد بھی) بیت المقدس ہی کو جہت قبلہ قرار دے رکھا تھا اس موقعہ پر رسول اللہ سے پہلی ملاقات میں یہی سوال کیا گیا تو آپ نے براء کو مسجد اقصیٰ ہی کو قبلہ میں رکھنے کا حکم فرمایا اور براء نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ جناب رسول اللہ کی تقریر کے بعد ہی براء پیش ہو کر عرض گذار ہوئے:

بایعنا یا رسول اللہ فنحن واللہ ابناء الحروب واھل الحلقہ ورثناھا کابراً عن کابر	اے رسول خدا! آپ جو کچھ چاہتے ہیں ہم اسی پر آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ ہم نے جنگوں کی گود میں آنکھ کھولی ہے۔ ہتھیار ہمارے کھیل کا سامان ہیں جسے ہم نے اپنے آبا و اجداد سے ترکہ میں حاصل کیا ہے

براء کی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ ابو الہیشم بن تیہان نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! یثرب کے یہود سے ہمارا جو معاہدہ ہے ہم اس کی تجدید نہ کریں گے مگر یہ تو نہ ہوگا کہ ادھر ہم یہودیوں سے تجدید معاہدہ نہ کریں ادھر آپ کو قوت حاصل ہو تو آپ ہمیں بے یارو مددگار چھوڑ کر اپنے ان (مکی) بھائیوں سے آ کر گلے مل جائیں؟

یہ سن کر رسول اللہ مسکرا دئے اور فرمایا

بل الدم الدم! والھدم الھدم انتم منی وانا منکم احارب من حاربتم واسالم من سالمتم	جہاں تمہارا خون گرے گا وہاں میرا لہو بھی بہے گا۔ میں تم میں سے ہوں اور تم میرے ہم قوم ہو۔ تم جس سے جنگ کروگے میں تمہارے ساتھ شریک ہوں گا اور جس کے ساتھ تمہاری صلح ہوگی میں بھی اس کا حلیف ہوں گا۔

وہ لوگ یہ سن کر بیعت کے لئے امڈ پڑے مگر (ان میں سے) عباس بن عبادہ نے آگے بڑھ کر اپنی قوم کو سمجھایا کہ

’اے برادران خزرج! تم جس بات پر بیعت کر رہے ہو اسے ذہن نشین کر لو۔ تمہیں کالے گورے دونوں قسم کے لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اگر لڑائی کے ریلے میں تمہیں اپنے مال کی تباہی اور اپنے افراد کا قتل دیکھ کر رسول اللہ کو دشمن کے حوالے کر دینا ہو تو آپ کے بیعت کرنے کے کوئی معنی نہیں اور اس ارتکاب سے تم دین و دنیا دونوں میں رسوا ہو جاؤگے!۔ اور اگر آپ کو رسول اللہ کی حمایت میں یہ سرفروشی منظور ہو کہ جان اور مال سب کچھ نثار کرنے میں دریغ نہ رہے تو شوق سے بیعت کیجئے، بخدا اس طرح دین و دنیا دونوں میں سرخ روئی حاصل ہوگی“

ابو الہیشم کی تقریر سن کر لوگوں نے عرض کیا

ہم آپ (رسول اللہ) کی حمایت میں اپنے اموال اور افراد سب قربان کر دیں گے مگر

اے رسول خدا! اس کا معاوضہ ہمارے لئے کیا ہوگا؟

جواب میں رسول اللہ نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے فرمایا ''جنت،،!

اس مفاہمت کے بعد اہل یثرب نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ ادھر سے رسول الاولین والآخرین نے بھی اپنا دست مبارک بڑھایا اور تکمیل بیعت کے بعد فرمایا:

''اپنی جماعت میں سے بارہ ایسے اشخاص منتخب کر لو جو تم سب پر نگرانی کے ذمہ دار ہوں اور میں اپنی جماعت (مسلمانان مکہ) کی طرف سے ان کا نگران و جواب دہ ہوں،،

اہل یثرب نے قبیلہ خزرج سے (۹) اور (۳) کا انتخاب قبیلہ' اوس سے کر کے انہیں رسول اللہ کے سامنے پیش کر دیا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا تم میرے لئے عیسیٰ بن مریم کے حواریوں کی مانند ہو! اور میں اپنی قوم کی طرف سے تمہارے سامنے جواب دہ ہوں۔

(عقبہ ثانیہ کی) اس بیعت میں مبایعین نے (مزید) یہ الفاظ پیش کئے

بایعنا علی السمع والطاعۃ فی عسرنا ویسرنا ومنشطنا ومکرھنا وان نقول الحق اینما کنا لا نخاف فی اللہ لومۃ لائم	ہم نے آپ کی بیعت ہر قسم کی راحت وعسرت اور مسرت و خوف پر کی ہے اور یہ کہ ہم صداقت کا دامن نہ چھوڑیں گے ہم کسی کی ملامت سے متاثر نہ ہوں گے۔

یہ مہم شب کے قریب عقبہ کی گھاٹی میں سکون و اطمینان کے ساتھ انجام پائی۔ سب کو گمان تھا کہ اہل مکہ میں سے کسی شخص کو خبر نہیں لیکن یہاں سے ہٹنے ہی کو تھے کہ کسی شخص نے باآواز بلند قریش کی دوہائی پکارتے ہوئے کہا ''غضب ہو گیا محمد اور اس کے بے دین ساتھیوں نے تمہارے ساتھ جنگ کرنے کا منصوبہ بنا لیا،، یہ شخص شہر سے کسی ذاتی ضرورت کے لئے باہر نکلا تھا۔ اتفاق سے اس نے سن گن پا لی۔ مسلمانوں کی تدبیر کو ناکام کرنا چاہا اور انہیں ڈرا کر اس شب کی کار گذاری سے دست برداری پر مائل کرنے کی طرح ڈالی لیکن خزرج اور اوس اس شخص کے شور و شغب سے ذرا متاثر نہ ہوئے حتیٰ کہ عباس بن عبادہ نے آگے بڑھ کر عرض کیا ''اے رسول خدا! جس ذات مطلق نے آپ کو رسول صادق بنا کر بھیجا ہے اگر آپ فرمائیں تو ہم دن نکلنے کے ساتھ ہی تلواریں سونت کر اہل مکہ پر چڑھائی کر دیں؟،، آنحضرت نے (عباس کے جواب میں) فرمایا ''خدا کی طرف سے ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا۔ اب آپ لوگ اپنے خیموں میں چلے جائیے!،، اہل یثرب نے تعمیل کی اور صبح ہونے تک اپنے خیموں میں آرام سے سویا کئے۔

بیعت عقبہ سے قریش کی بدحواسی: دن نکلتے ہی قریش کے کانوں میں اس بیعت کی بھنک پڑ گئی اور ان کی ایک ٹولی گھبرائی ہوئی خزرج کے خیموں میں آ کر کہنے لگی ''ہم لوگ آپ کے ساتھ جنگ کرنے کے خواہاں تو نہیں مگر آپ نے محمد کے ساتھ ہمارے خلاف جنگ کا معاہدہ کیوں کر لیا؟،، یثرب سے قبیلہ' خزرج کے جو مشرکین آئے تھے انہیں علم ہی نہ تھا انہوں نے قسمیں کھا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ان کا روئے سخن صرف اپنے یاران طریقت (مشرکین مدینہ) سے ہے تو یہ (مسلمان) خاموش کھڑے رہے! قریش کچھ اس طرح سے واپس لوٹے کہ نفس معاملہ کے اثبات و نفی کسی پر انہیں یقین نہ تھا لیکن وہ تفتیش سے غافل نہ رہے۔ ادھر اہل یثرب نے موقعہ غنیمت سمجھا۔ قبل اس کے کہ قریش کو حقیقت معلوم

ہو جائے وہ اپنی اپنی سواریوں میں بیٹھے اور وطن کی راہ لی لیکن ذرا دیر بعد قریش نے واقعہ کی تصدیق کر لی اور مسلمانوں کے تعاقب میں دوڑ پڑے ۔ سوء اتفاق سے انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ پر قابو پا لیا اور انہیں مکہ میں لے جا کر سخت تکالیفیں پہنچائیں ۔ مگر اہل مکہ میں جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ نے طرف داری کر کے انہیں نجات دلوا دی کیونکہ یہ دونوں (مکی اشخاص) شام کی طرف سوداگری کے لئے جاتے ہوئے سعد بن عبادہ کی پناہ میں رہتے ۔

قریش کے سامنے آیندہ کا خوفناک منظر : اب تک قریش کے دل میں کبھی ایسا ہول پیدا نہ ہوا تھا حتیٰ کہ اہل یثرب کا رسول اللہ کے ساتھ اس بیعت سے بھی جس میں انہوں نے آں‌حضرت کی حمایت میں دشمنوں سے قتال تک کا وعدہ لے لیا انہیں خطرہ محسوس نہ ہوا ۔ آج جب قریش نے آنے والے حالات کا جائزہ لیا تو ان کے کلیجے میں ناسور پڑ گیا ۔

وہ ۱۳ سال سے لگاتار رسول اللہ کی دعوت کے خلاف نبرد آزمائی میں مصروف تھے جس میں اپنی ناکامی اور آں‌حضرت کی استقامت وکامیابی دونوں پہلو دیکھتے آ رہے تھے ۔ انہیں ثابت ہو گیا کہ ان کے حریف تبلیغ رسالت میں اس شغف سے مہنمک ہیں کہ اس راہ کی گونا گوں مصیبتوں کے باوجود انہیں یاس و تھکن محسوس نہیں ہوئی ۔ ہم نے انہیں کیسے کیسے مصائب کا نشانہ بنائے رکھا ۔ ان کے ساتھ ان کے ہمراہیوں پر بھی دنیا تنگ کر دی ۔ انہیں متواتر تین سال تک گھاٹی میں نظر بند کئے رکھا ۔ اہل مکہ کو بھی ان کی ہمدردی اور پیروی سے ہٹائے رکھا ۔ ہمارے ترکش کے تیر ایک ایک کر کے ختم ہو گئے ۔ یقین تھا کہ یہ لوگ گھاٹی کی نظر بندی سے گھبرا کر ہمارے قدموں پر سر رکھ دیں گے اور اس دین کو دور سے سلام کر کے ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں گے ۔

لیکن آج ہوا کا رخ پلٹ گیا ہے ۔ اہلِ یثرب کے ساتھ شب کے معاہدہ نے مستقبل میں ہمارے لئے مستقل خطرات اور ہمارے دشمن کے لیے یقینی کامیابی کا دروازہ کھول دیا ہے ۔ ممکن ہے وہ اپنے دشمنوں (قریش) سے انتقام لینے کے لے ان پر چڑھائی کر دیں یہ نہ سہی مگر اس میں تو شبہ نہیں کہ وہ اپنے دین کی توسیع اور ہمارے بتوں کی مذمت دونوں کام دل کھول کر کر سکیں گے ۔ کیا ہوگا جب ہمارے حریف اہل یثرب کی امداد پا کر اپنے مذہبی رسوم آزادی کے ساتھ ادا کرنے لگیں گے اور دوسروں کو بھی اسی آزادی کے ساتھ اپنے دین کی دعوت دینا شروع کر دیں گے! کون کہہ سکتا ہے کہ جزیرہ عرب میں ہمارے ان دشمنوں کو کہاں تک کامیابی نہ ہو اور اوس و خزرج ان کی نصرت و یاوری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے! پھر جب کہ قریش اپنے دشمن کی اس دعوت کو ابتدا میں نہیں روک سکے تو اب جب کہ اس کا پھیلاؤ اس حد تک ہونے کو ہے ہماری تدبیریں کیسے کارگر ہو سکیں گی ۔

طرفین (قریش اور رسول اللہ دونوں) کا اضطراب : ادھر قریش مضطرب ہیں کہ جناب محمد کی جمیعت اور دعوت کس طرح ختم کی جائے ۔ ادھر رسول اللہ کے سامنے یہ امور ہیں کہ اللہ نے میری دعوت کے لیے یثرب کی راہ میں پوری کامیابی کی بنیاد رکھ دی ہے اب دین کی سربلندی ہوکر رہے گی لیکن ساتھ ہی قریش کے ساتھ ہمارا وہ رن پڑے گا

جس کے سامنے ان کی سابقہ چیرہ دستی گرد ہو جائے گی جو دونوں کی موت و حیات کا آخری معرکہ ہوگا مگر اس میں وہ گروہ غالب آئے گا جس کا دامن صداقت سے مالا مال ہوگا ۔ مجھے آیندہ کی فکر سے غافل نہ رہنا چاہئے اور خدا کی امداد کا بھروسہ نظر انداز نہ کرنا چاہئے ۔ امید ہے کہ اللہ تعالی قریش کی تدبیروں کو پہلے سے زیادہ ناکام کر دکھائے گا ۔ قدم آگے بڑھانا ہی چاہئے مگر نہایت احتیاط کے ساتھ دوسروں کے ساتھ رفق و مہربانی کا دامن پھیلاتے ہوئے اور حکمت و دانشمندی کے ساتھ۔ یہ موقعہ تمام گذشتہ حالات سے زیادہ اہم اور نازک ہے!

مسلمانان مکہ کے لئے اذن ہجرت (بطرف مدینہ) : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مسلمانوں کو قریش سے آنکھ بچا کر ہجرت کا حکم فرما دیا مبادا وہ انہیں روک لیں مسلمان اکا دکا مدینہ جانا شروع ہو گئے ۔ قریش نے بھانپ لیا اور تعاقب شروع کر دیا مسلمانوں میں سے بعض حضرات کو پکڑ کر مکہ میں لے آئے جن کے ساتھ جو سختی ان سے بن آئی اس میں دریغ نہ کیا ۔ تعذیب و تشہیر یا اسلام سے برگشتگی غرض ہر طرح کے مظالم کئے گئے ۔ اگر کسی قرشی بی بی کا شوہر جو اس کے غیر کفو سے ہے اس کی ہجرت کا ارادہ سن پاتے تو مرد سے پہلے اس کی بیوی کو ضمانت میں نظر بند کر دیتے ۔ بعض اوقات ایسے مسلمان شوہروں کو اپنے ہاں بلا کر ہجرت سے روکتے اگر وہ اپنے ارادہ سے باز رہنے کا وعدہ نہ کرتے تو انہیں قید کر دیتے ۔ اتنی خیریت رہی کہ ان مسلمانوں میں سے کسی کو قتل کرنے کی حماقت نہ کی گئی اس خوف سے کہ ایسا کرنے سے انہیں باہمی خانہ جنگی کا خطرہ تھا ۔ مگر قریش ہجرت میں انقطاع پیدا نہ کر سکے اور مسلمان پے بہ پے مدینہ کی طرف جاتے ہی رہے!

لیکن رسول اللہ صلعم بدستور مکہ میں قیام فرما ہیں ۔ کسی کو علم نہیں کہ آپ ہجرت کرنا چاہتے ہیں یا مکہ ہی میں مستقل اقامت کا ارادہ ہے! اہل مکہ ابھی تک یہ نہ بھولے تھے کہ آنحضرت نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کے لئے بھجوا دیا تھا مگر خود اپنے مولد ہی میں قیام فرما رہے اور مکہ میں رہ کر اہل شہر کو اسلام کی دعوت پیش کرتے رہے ۔

آخر ایک روز ابوبکر نے اپنے لیے آنحضرت صلعم سے ہجرت کی اجازت طلب کی جس پر صرف یہ فرمایا ’’ابوبکر! جلدی نہ کیجئے شاید اس سفر کے لئے آپ کو کوئی ساتھی مل جائے! ابوبکر رازدار نبوت تھے یہ سن کر خاموش ہو گئے ۔

ہجرت سے قریش کے غم آگیں تصورات : مکہ سے مسلمانوں کی اس ہجرت نے قریش کے غم آگیں تصورات میں تلاطم برپا کر دیا ۔ وہ اپنے خلاف ہزاروں خطرات کے شمار میں لگے رہتے کبھی یہ کہ مسلمان مدینہ میں رہ کر ترقی کر جائیں گے اور ثروت مند ہو کر عزت کی زندگی بسر کرنے لگیں گے گاہے انہیں یہ خیال ستاتا کہ اب مکہ کے یہ مہاجر مدینہ کے مسلمانوں کی معیت اور ان کی ہم نوائی سے بڑی قوت حاصل کر لیں گے اور جب حضرت محمد بھی مدینہ پہنچ جائیں گے تو آپ کی حسن تدبیر اور ثبات قدم سے ان کو جو خطرات تھے ان کے پیش نظر قریش کو یہ خیال گذرتا کہ پھر تو یثرب کی طرف سے مکہ پر حملہ بھی ہو کر رہے گا! کسی وقت ان کا رجحان اس طرف ہو جاتا کہ یہ لوگ ایک نہ ایک دن اہل مکہ اور شام کی درمیانی لائن ضرور کاٹ دیں گے! ۔آہ!

ہماری تجارت کا کیا حشر ہوگا ۔ اس وقت ہم اسی طرح بھوک سے مرنے لگیں گے جس طرح ہم نے محمد اور اس کے ساتھیوں کو قرار داد مقاطعہ سے مجبور کر کے انہیں شعب ابی طالب میں مسلسل تین سال محصور کر دیا تھا! انہیں یہ خیال بھی گذرتا کہ اگر ہم نے (ان کے صاحب) جناب محمد صلعم کو مکہ سے نکلنے نہ دیا تو اہل یثرب اپنے رسول کی حمایت میں ضرور ہمارے خلاف صف آرائی کریں گے!

آخر میں انہوں نے یہ منصوبہ سوچا کہ ان تمام خطرات سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے جس طرح بن سکے حضرت محمد صلعم کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ کر اس مصیبت سے گلو خلاصی کر لی جائے لیکن اس میں انہیں بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کی طرف سے خانہ جنگی کا اندیشہ تھا جس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی سوچ لیا کہ ایسی حالت میں ہاشمیوں کی طرف داری کے لئے یثرب سے کمک بہم پہنچنا یقینی ہے!

ایک ہی تجویز باقی رہ گئی تھی جس پر مختلف آراء دی گئیں ۔

۱۔ رسول اللہ کو پابجولاں کرنے کے بعد قید خانے میں بند کر کے دروازے مقفل کر دئیے جائیں اور سابقہ شعرائے عرب زہیر و نابغہ کی طرح قید خانہ کی صعوبت سے گھبرا کر جاں بحق ہو جائیں! مگر اس رائے سے کسی نے اتفاق نہ کیا۔

۲۔ انہیں جلا وطن کر دیا جائے اس کے بعد وہ جانیں اور ان کا کام! مگر اس پر انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اس طرح وہ آسانی سے یثرب پہنچ جائیں گے اور وہاں سے اپنے رفقا کو ہمراہ لے کر مکہ پر چڑھائی کر دیں گے۔

۳۔ مکہ کے ہر قبیلہ سے ایک ایک شمشیر زن نوجوان نکلے اور سب بیک وقت جناب محمد صلعم پر تلواریں چلا دیں ظاہر ہے کہ اس صورت میں مقتول کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا ۔ بنو عبد مناف کس کس سے انتقام لیں گے! آخر خون بہا پر فیصلہ ہوگا ۔ اس رائے پر تمام منڈلی نے صاد کیا اور بحسب قرار داد ہر خاندان میں سے ایک شمشیر زن منتخب کر لیا گیا ۔ قریش کو یقین تھا کہ اب ہمیں اس مخمصہ سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی ۔ چند روز تک ہمارا حریف بھی مٹی میں مل جائے گا اور اس کی دعوت بھی زمین میں دفن ہو کر ختم ہو جائے گی ۔ پھر وہ لوگ جو ہمارے یہاں سے ہجرت کر کے یثرب چلے گئے ہیں خود بخود اپنے گھروں میں آ جائیں گے اور خوشی سے قدیم دین پر لوٹ کر ہمارے بتوں کی پرستش شروع کر دیں گے ۔ قریش پھر یک جا ہو جائیں گے اور ان کی سطوت کا ڈنکا پھر چار دانگ عرب میں گونج اٹھے گا۔

صادق امین عبداللہ محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۱۰

واقعاتِ ہجرت

صادق امین عبداللہ محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

مدعو جواد حامد عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن یتیم

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۱۰

واقعاتِ ہجرت

قریش کی سازش: قریش کی طرف سے دارالندوہ میں آپ کے خلاف سازش قتل کی اطلاع رسول اللہ کو مل گئی۔ آپ کو یہ علم بھی ہو گیا کہ میرے مدینہ ہجرت کر کے چلے جانے سے قریش کو کیا خطرات لاحق ہیں اور اس ہجرت سے انہیں مکہ پر کن آفتوں کے وارد ہونے کا ڈر ہے حتیٰ کہ قریش کے اس اندیشہ سے بھی آپ مطلع ہو گئے کہ وہ آپ کی ہجرت مین شام سے اپنی تجارتی لائن کے انقطاع سے کس قدر خائف ہیں

ادھر قریش کے دل میں یہ وسوسہ گھر کر چکا تھا کہ جونہی حضرت محمد صلعم کو موقعہ ملا وہ ضرور مدینہ تشریف لے جائیں گے لیکن خود رسول اللہ کے حزم و احتیاط کا یہ حال تھا کہ ابوبکر تک کو آپ کے وقت ہجرت کا علم نہ تھا باوجودیکہ ابوبکر نے آں حضرت صلعم کے ارشاد کے متعلق اسی مقصد کے لئے دو سواریوں کا انتظام کر رکھا تھا جب کہ انہوں نے از خود رسول اللہ سے ہجرت کی اجازت طلب کی اور آپ نے (انہیں) فرمایا ''اے ابوبکر! جلدی نہ کیجئے شاید اس سفر کے لئے آپ کو کوئی ساتھی مل جائے! (ص ۴۰۳) البتہ ابوبکر پر صرف اتنا منکشف ہو سکا کہ رسول خدا ہجرت ضرور کریں گے مگر کب؟ وقت کا انہیں اندازہ نہ ہو سکا! ۔

الغرض آں‌حضرت صلعم ابھی تک مکہ میں بدستور اقامت فرما رہے ۔ یہاں تک کہ آپ کو قریش کی طرف سے اپنے قتل کی سازش کا علم ہو گیا ۔ اس وقت مکہ میں بہت کم مسلمان باقی رہ گئے تھے ۔ اب رسول اللہ کو ہجرت کے لئے صرف وحی الٰہی کا انتظار تھا جس کی ساعت بھی آ ہی گئی ۔ رسول اللہ معاً ابوبکر کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں یہ خبر سنائی ۔ ابو بکر نے اس سفر میں اپنی معیت کی درخواست عرض کی جسے رسول اللہ نے قبول فرما لیا ۔

آغاز ہجرت: اب ایک ایسے واقعہ کا ظہور ہونے کو ہے تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ جس واقعہ سے دنیا میں صداقت و ایمان اور عظمت و شکوہ کا بے مثل نمونہ پیش ہونے کو ہے ۔ ابوبکر نے دو شتر عبد اللہ بن اریقط کو سپرد کر رکھے تھے (م: اور اس کے ساتھ ساتھ مکہ سے لیکر مدینہ تک رہبری کے لئے معاملہ بھی کر رکھا تھا ۔ عبد اللہ مذکور اپنے قدیم مذہب پر قائم تھا)[1] ۔ رسول اللہ اور ابوبکر دونوں کو یقین تھا کہ ہمارے مکہ سے نکلنے پر قریش ہمارے تعاقب میں کوتاہی نہ کریں گے جس سے بچنے کے لئے آں‌حضرت کو دو طریقے اختیار کرنا تھے ۔

۱- عام شاہراہ سے مختلف راستہ

۲- معمولی اوقات کے سوا دوسرے وقت میں سفر کرنا

قریش کے شمشیر زن ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے ہوئے رسول اللہ کی آرام گاہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں مبادا شکار ہمارے ہاتھ سے نکل جائے ۔ ادھر سرور کائنات نے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام : م :

اپنے عم زاد برادر علی ابن ابی طالب کو حکم دیا کہ میرے بستر پر سو جاؤ اور سبز حضرمی چادر جسے میں شب میں اوڑھتا ہوں اسے اوڑھ لو! علی کو یہ حکم بھی فرمایا کہ اہل مکہ کی جو امانتیں میرے پاس جمع ہیں میرے بعد انہیں واپس کر دینا!

شمشیر زنوں کی حیرانگی: شمشیر زن گھات لگائے ہوئے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ اپنے پلنگ پر سو رہے ہیں۔ وہ اس اطمینان سے موقعہ کی تاک میں لگے رہے واقعی رسول اللہ اپنے پلنگ ہی پر استراحت فرما تھے لیکن جونہی تہائی رات گذری سید الکونین بستر سے اٹھ کر سکون کے ساتھ ابوبکر کے ہاں تشریف لے آئے جو پہلے سے چشم براہ تھے۔ آں‌حضرت نے ابوبکر کو شرف ''معیت،، مرحمت فرمایا اور دونوں ہمرہان سفر عقبی دروازہ سے نکل کر شہر کی جنوبی سمت پر چل پڑے۔ یمن کی جہت پر جو غار ثور کے نام سے مشہور ہے اس کے اندر پناہ گزیں ہو گئے۔ لیکن یہ بات کسی کے خیال میں نہ آ سکتی تھی کہ رسول اللہ شہر سے نکل کر جنوب کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔

رازداران ثور: یہ راز صرف ابوبکر کے اہل بیت ہی تک محدود تھا۔ ان کے صاحبزادہ عبداللہ دو صاحبزادیاں، سیدہ عائشہ و اسا اور ایک غلام عامر بن فہیرہ تک! رازداران ثور میں عبداللہ بن ابوبکر اس پر مامور تھے کہ دن بھر شہر (مکہ) میں سن گن رکھیں اور شام کے جھٹ پٹے کے قریب غار میں آ کر اہل مکہ کی سازش کی اطلاع پیش کریں۔ عامر بن فہیرہ ابوبکر کے غلام تھے وہ آپ کی بکریوں کی گلہ بانی کرتے غار ثور کے ارد گرد ریوڑ چراتے شام کے قریب رسول اللہ کی خدمت میں تازہ دودھ اور بکری کا بھنا ہوا گوشت پیش کرتے اور جب عبداللہ بن ابوبکر یہاں سے شہر واپس تشریف لے جاتے تو ان کے قدموں کا کھوج مندمل کرنے کے لئے اسی راہ پر ریوڑ کو پیل دیتے۔

رسول اللہ ابوبکر کے ساتھ مسلسل تین روز تک غار ثور میں چھپے رہے قریش دن رات آپ کی تلاش میں مارے مارے پھرے۔ انہیں یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ آج اگر (سید الثقلین) ہمارے ہاتھ سے نکل کر مدینہ جا پہنچے تو کل ان کے ہاتھوں ہمارا کیا حشر ہوگا۔ غار میں رسول خدا ہر ماسوا سے رخ ہٹا کر ذکر الٰہی میں مستغرق اپنی گرفتاری و آزادی کا معاملہ خدا کے سپرد کئے ہوئے ہیں اور ابوبکر باہر سے سنائی دینے والی آوازوں کے لئے ہمہ تن گوش بنے ہوئے کہیں ایسا تو نہیں کہ اہل مکہ میں سے کسی نے ہمارے یہاں چھپنے کا کھوج لگا لیا ہو!

غار ثور پر قریش کی دوش: اسی دوران میں قریش کی ایک مسلح منڈلی تلاش کرتی ہوئی غار کے دہانے پر آ پہنچی جس کے قریب ہی ایک گڈریہ اپنا ریوڑ چرا رہا تھا۔ انہوں نے چرواہے سے پوچھا جس نے جواب دیا ممکن ہے اس غار میں ہوں لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے کسی فرد بشر کو نہیں دیکھا! ابوبکر تو گوش برآواز ہی تھے چرواہے کا جواب سن کر پسینہ پسینہ ہو گئے خوف سے دم گھٹنے لگا اور اللہ پر معاملہ چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک قریشی نوجوان غار کے قریب آ پہنچے مگر وہ غار کے اندر جھانکنے کے بغیر واپس لوٹ گئے۔ ان کے ساتھیوں نے پوچھا غار کے قریب پہنچ کر بھی تم نے اس کے اندر نہیں جھانکا؟ انہوں نے جواب دیا ہم کیسے جھانکتے جب کہ

غار کے منہ پر مکڑی نے جناب محمد کی پیدائش سے پہلے کا جالا تنا ہوا ہے غار کے دہانے پر دو جنگلی کبوتروں نے اپنا آشیانہ بنا رکھا ہے۔ دہانے کے اندرونی حصہ میں ہر طرف خشک گھاس پھیلی پڑی ہے ان علامات سے ہم نے سمجھا کہ غار کے اندر کوئی فرد بشر نہ ہوگا اور ہم اندر جھانکنے کے بغیر واپس چلے آئے۔

غار ثور میں رسول اللہ کی تسکین قلب : اس اضطراب و کشمکش کے دوران میں بھی رسول اللہ کے سکون میں ساعت بساعت اضافہ ہوتا گیا۔ آپ نے نماز اور دعا سے اپنی توجہ ہٹنے نہ دی مگر ابوبکر رسول اللہ کی وجہ سے خوف سے اس قدر نڈھال تھے کہ انہوں نے خود کو رسول خدا سے قریب، تر کر دیا اگر حملہ ہو تو ان پر زد آ جائے مگر خدا کے رسول کا بال بیکا نہ ہو۔ اسی دوران میں سید الثقلین نے ابوبکر کے کان میں آہستہ سے فرمایا ''لا تحزنَ ان اللہ معنا'' (۹ : ۴۰) (اے ابوبکر! اتنا کیوں گھبرا رہے ہو اللہ تعالیٰ ہمارا نگران ہے) یہ واقعہ حدیث کی بعض کتابوں میں اس طرح مروی ہے کہ ابوبکر نے کھوجیوں کی سن گن پا کر رسول اللہ سے بڑی آہستہ آواز میں عرض کیا ''یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے نیچے کی طرف جھانکا تو وہ ہمیں دیکھ نہ لے گا؟'' آں حضرت نے یہ سن کر ان سے فرمایا ''ابوبکر گھبرائیے نہیں! ہم دونوں کے ساتھ ہمارا تیسرا ہمراہی خدا تعالیٰ ہے''

قریش نے جب دیکھا کہ غار کے دہانے پر درخت کی شاخیں اس طرح پھیلی ہوئی ہیں کہ انہیں کاٹنے کے بغیر غار کے اندر جانا محال ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ اندر کوئی فرد بشر نہیں پہنچا۔ وہ جدھر سے آئے تھے الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے۔ ابوبکر نے ان کے لوٹنے کی آہٹ سنی تو اللہ اور اس کے رسول پر ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ گیا اور آں حضرت نے باآواز بلند الحمد للہ! اللہ اکبر! پکارا۔

معجزۂ غار : (غار کے منہ پر مکڑی کا جالا ، جنگلی کبوتروں کا آشیانہ اور درختوں کا ایسا پھیلاؤ کہ جسے کاٹنے کے بغیر غار کے اندر پہنچنا ناممکن ہے ارباب سیرت نے اسے معجزہ سے تعبیر فرمایا ہے ان کی توجیہہ یہ ہے کہ رسول اللہ کے غار کے اندر تشریف فرما ہونے سے قبل ان میں سے کسی شے کا وجود نہ تھا خدا کے رسول اپنے ساتھی کے ہمراہ غار میں اترے مکڑی نے جالا تنا کہیں سے دو کبوتر اڑتے اڑاتے آ بیٹھے۔ انہوں نے غار کے دہانے میں اپنا نشیمن بنا کر اس میں انڈے رکھ دئے۔ دہانے ہی میں سے ایک پودے نے پتھر سے سر نکالا اور ذرا دیر میں اس کی شاخیں غار کے منہ پر اس طرح بچھ گئیں جیسے دہانے کو سرپوش نے ڈھانک لیا ہو!

(درمنگھم (مستشرق) لکھتے ہیں کہ ''فقط یہی تین معجزے ہیں جو اسلامی تاریخ میں قطعیت کے ساتھ مذکور ہیں یعنی مکڑی کا جالا ، کبوتر کا نشیمن اور شاخہائے درخت کا پھیلاؤ! لیکن یہ چیزیں تو عادی طور پر ہر روز وجود میں آتی رہتی ہیں''

بعض قدیم ارباب سیرۃ کا معجزات ثور سے انکار : مگر یہ معجزات سیرۃ بن ہشام میں مذکور نہیں بلکہ یہ قصہ بایں الفاظ مسطور ہے!

''رسول خدا اور ابوبکر دونوں غار (ثور) کی جانب تشریف لے گئے ابوبکر نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو اس امر پر متعین کیا کہ وہ دن بھر شہر میں گھوم پھر کر جو

باتیں معلوم ہوں شب کو غار میں آ کر ہمیں سنا جایا کریں اور اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو یہ تاکید فرمائی کہ دن میں اپنا ریوڑ آس پاس چراتے رہیں اور شام کے قریب اسے غار (ثور) کے دھانے پر لے آیا کریں ۔ اور ابوبکر کی صاحب زادی بی بی اسماء شب کے وقت دونوں کے لئے کھانا لائیں ۔ رسول اللہ اور ابوبکر تین روز تک غار میں چھپے رہے جب قریش تھک کر بیٹھ گئے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص حضرت محمد (صلعم) کو گرفتار کر کے لائے اسے ایک سو اونٹ انعام ملے گا ، عبداللہ بن ابوبکر نے اس انعام کا اشتہار بھی آں‌حضرت کے گوش گذار کر دیا۔

ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ شام کے وقت غار ثور کے دھانے پر آتے ۔ تازہ دودھ اور گوشت دونوں کے لئے پیش کرتے اور شام کے بعد جب عبداللہ بن ابوبکر غار سے شہر کی طرف لوٹتے تو ان کے قدموں کے نشان مٹانے کے لئے عامر اپنا ریوڑ اس راستے سے گھر میں لاتے جہاں سے عبداللہ گذرتے یہاں تک کہ رسول اللہ اور آپ کے رفیق ہجرت متواتر تین روز تک اسی غار میں چھپے پڑے رہے اب ان کے رہرو دشت جن سے اجرت پر معاملہ طے کر رکھا تھا دونوں کی سواریاں (دو شتر) اور ایک اونٹ اپنے لیے لے کر آ پہنچے (آخر تک بمطابق روایت ابن ہشام) ۔

رسول اللہ کے اعلان قتل اور واقعۂ غار میں نزول کے بارہ میں ان آیات میں وضاحت موجود ہے :

۱۔ و اذ یمکربک الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین (۳۰ : ۸)	اور اے پیغمبر وہ وقت یاد کرو جب کافر تم پر داؤ چلانا چاہتے تھے تاکہ تم کو گرفتار کر رکھیں یا تم کو مار ڈالیں یا تم کو جلا وطن کر دیں اور حال یہ تھا کہ کافر اپنی تدبیر کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور وہ سب سے بہتر مدبر ہے!
۲۔ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ ”لا تحزن ان اللہ معنا،، فانزل اللہ سکینتہ علیہ و اید یجنوذ لم ترو ھا و جعل کلمہ الذین کفروا السفلی وکلمہ اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم ۔ (۹ : ۴۰)	اگر تم رسول کی مدد نہ بھی کرو تو کچھ پروا کی بات نہیں اللہ ان کا مددگار ہے اور اس نے اپنے رسول کی مدد اس وقت بھی کی تھی جب کافروں نے ان کو ایسا بے سروسامان گھر سے باہر کیا کہ صرف دو آدمی اور دو میں دوسرے پیغمبر! اس وقت یہ دونوں غار (ثور) میں تھے اور اس وقت پیغمبر اپنے ساتھی ابوبکر کو سمجھا رہے تھے کہ (کچھ) رنج و فکر نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اپنے پیغمبر پر اپنی طرف سے تسلی اتاری اور ان کو

فرشتوں کی ایسی فوج سے مدد دی جن کو
تم نہ دیکھ سکے اور کافروں کی بات کو ہیٹا
کر دیا اور سدا اللہ ہی کا بول بالا ہے اور
اللہ غالب اور صاحب تدبیر ہے ۔

ذات النطاقین : تیسرے روز دونوں حضرات (جناب رسول خدا اور ابوبکر) کو محسوس ہوا کہ قریش کی ہمت ٹوٹ گئی ہے اب ہمیں اپنا سفر شروع کر دینا چاہئے بحسب قرارداد رہرو دشت عبداللہ بن اریقط تینوں کے لئے (یعنی بشمول خود) تین اونٹنیاں لے کر پہنچے ادھر سے سیدہ اسماء بنت ابوبکر توشہ لے آئیں ۔ سوار اپنی اپنی سانڈنیوں پر بیٹھ چکے تھے لیکن توشہ کے تھیلہ کو کجاوہ سے باندھنے کے لئے بروقت رسی نہ مل سکی بی بی اسماء نے اپنی کمر پیٹی (نطاق) اتار کر اس کے دو ٹکڑے کئے ایک حصہ رسول اللہ کی خدمت میں پیش کیا اور دوسرا حسب دستور اپنی کمر سے لپیٹ لیا سرور دو عالم کو بی بی اسماء کا بروقت ایثار بہت پسند آیا آپ نے انہیں ”ذات النطاقین“ کا خطاب مرحمت فرمایا (اب سے بی بی اسماء اس لقب سے مشہور ہو گئیں) رسول اللہ نے اپنا توشہ اپنے کجاوہ سے باندھا اور ابوبکر نے اپنا اب رہرو دشت عبداللہ کے ہمراہ ناقہ کی مہار پھیر دی گئی ۔ ابوبکر کی تحویل میں پانچ ہزار درہم بھی تھے ان کی کل پونجی اسی قدر تھی جسے وہ مکہ سے نکلتے ہوئے اپنے ہمراہ غار میں لے آئے تھے ۔

سفر ہجرت میں وقت اور شاہراہ عام کی تبدیلی : غار میں یہ مسلسل خبریں پہنچتی رہتیں کہ قریش نے آپ کی جستجو میں شہر اور ارد گرد کا چپہ چپہ چھان مارا ہے اور اب بھی لوگ انعام کے لالچ میں تاک میں لگے ہوئے ہیں جس سے رسول اللہ اور ابوبکر بہت محتاط ہو گئے اور پھونک پھونک کر قدم اٹھانے لگے ۔ عام شاہراہ سے ہٹ کر اس غیر معروف سے راستہ پر پڑ گئے جس سے ان کا رہرو دشت عبداللہ بن اریقط باخبر تھا ۔ مکہ سے جنوبی سمت نشیب کی طرف سے ہوتے ہوئے وادی تہامہ کی جانب ہو کر بحر احمر کے ساحل کے قریب گرم سفر ہوئے جب عام شاہراہ سے پوری طرح ایک طرف ہو گئے تو ساحل سے ذرا دور ہٹ کر مگر اس کی متوازی ڈگر پر پڑ گئے جس راستہ سے عام لوگ واقف نہ تھے ۔ تینوں ہم سفر رات بھر چلتے گئے اور دن کے ابتدائی حصہ میں بھی دیر تک تگ و دو کا یہ سلسلہ جاری رہتا ۔ سفر کی مشقت سے بے نیاز اور تکان یا صعوبت کی فکر سے یک سو ہو کر منزل بمنزل چلے جا رہے تھے اور ان حضرات پر یہ صعوبت اور تھکن کس طرح اثر انداز ہو سکتی تھی جن کے سامنے قریش کا وہ خوف بھی تھا کہ وہ (قریش) ان کے اس مقصد تک پہنچنے میں حائل ہیں جس مقصد کی تکمیل کے لیے خاتم المرسلین اور ان کے رفیق منزل ابوبکر دونوں سربکف مکہ سے نکل آئے ہیں ۔ انہیں اللہ کی رضا درکار تھی جس مشقت اور محنت سے بھی حاصل ہو بلا شبہ رسول اللہ کو خدا کی طرف سے یاوری کا پورا بھروسہ تھا ساتھ ہی یہ بھی مدنظر تھا !

ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکہ (۰۲:۱۹۰) بلا وجہ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو

وہ اس سے بھی غافل نہ تھے کہ اللہ تعالی اسی شخص کی یاوری کرتا ہے جو خود اپنی نصرت کے لئے کوشاں ہو اور اپنے ساتھ اپنے بھائی کی مددگاری کے لئے ساعی بھی ۔

بے شک دونوں حضرات غار سے سلامت نکل آئے لیکن قریش کا گراں بہا انعام

عرب کے ان لوگوں میں دونوں کے تعاقب اور گرفتاری کے لئے کس قدر محرک تھا جو معمولی سے مال کے لالچ میں بڑے سے بڑے جرم کے ارتکاب سے دریغ نہیں کرتے ۔ پھر قریش اور اهل عرب تو جناب محمد صلعم کو اپنا دشمن سمجھے ہوئے تھے ان میں سے ہر شخص صحرا نشینی کے اثر کی وجه سے قتل و خون کا اس قدر دلداده که ان کا مقابل اگر نہتا بھی ہے تو ان کی آتش غضب اسے قتل کئے بغیر نہیں بجھتی ۔ یه اسباب هیں جن کی وجه سے حضرت رسول الله صلعم اور جناب ابوبکر دونوں اس قدر احتیاط اور رکھ رکھاؤ سے سفر کر رہے تھے که ان کی آنکھیں اور گوش و قلب سب کے سب اسی حفظ و نظر کی انجام دهی پر لگے ہوئے تھے ۔

انعام کا بھوکا سراقه بن جعشم : رسول خدا اور ابوبکر کا یه حفظ و احتیاط بے محل نه تھا مکه هی میں کسی رہرو نے قریش کو خبر پہنچائی که ابھی ابھی فلاں راسته پر تین سانڈنی سوار اس طرف جاتے ہوئے دیکھ آیا ہوں کہیں جناب محمد صلعم اور ان کے دوسرے رفقائے سفر هی نه ہوں! اس موقعه پر سراقه بن جعشم بھی موجود تھا یه خبر سنتے هی اس کی نیت بدل گئی مگر دوسروں کو بہلانے کے لئے کہا میں بھی اسی طرف سے آیا ہوں وه تو فلاں قبیله کے رهگذر هیں ! سراقه خود ایک سو اونٹ انعام میں حاصل کرنا چاهتا تھا ۔ وه اپنی بات کو موثر ثابت کرنے کے لئے کچھ دیر وهیں بیٹھا رہا ۔ جب وهاں سے گھر آیا تو مسلح ہو کر اپنے باد رفتار اسپ پر سوار ہوا اور دوسروں کی نظر بچا کر اپنے گھوڑے کو اس راه پر مہمیز کیا جس طرف کا نشان قریش کے سامنے ابھی ابھی بیان ہوا تھا اس موقعه پر رسول الله اور آپ کے دونوں رفقائے سفر ایک چٹان کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے تاکه کھانا تناول فرما لیں اور ہو سکے تو کچھ دیر آرام کر کے تازه دم ہو جائیں ۔

سورج زوال سے نکل کر افق مغرب کی طرف چلنا شروع ہو چکا تھا ۔ سید الکونین اور آپ کے جان نثار ابوبکر دونوں طے سفر کی تیاری کر رہے تھے ۔ اچانک دونوں نے سراقه کو حدنظر کے قریب دیکھا ۔ سراقه کا اسپ اس سے قبل بھی راستے میں دو مرتبه ٹھوکر کھا کر گر چکا تھا لیکن سراقه انعام کے لالچ میں اسے دماغ سے نکال بیٹھا اب اس نے کامیابی قریب دیکھی وه دونوں کو یا تو اسیر کر کے مکه میں لے جائے گا اور اگر انہوں نے مقابله کی جرأت کی تو دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گا سراقه اس ولولے میں گھوڑے کا پہلے دو مرتبه ٹھوکر کھا کر گرنا بھول گیا اور جس قوت سے ہو سکا اس نے اسپ کو مہمیز کیا مگر وه اس طرح الف ہوا که سراقه اس کی پشت سے گر کر زمین پر اوندھا گر پڑا اس حالت میں سراقه کے اسلحه نے بھی اسے تکلیف پہنچائی ۔

سراقه کی طرف سے طلب امان : اس مرتبه گرنے سے سراقه کی آنکھوں میں پہلے دونوں حادثے بھی پھر گئے اس کے دماغ میں یه خیال موجزن ہوا که فال اچھی نہیں میرے دیوتا اس پر ناخوش هیں که میں اپنے شکار پر حمله کروں اس نے سوچا که اگر ان پر هاتھ ڈالا تو خود میری جان کی خیر نہیں اور عاجزی کے ساتھ باادب کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا ۔

صاحب ! میں سراقه بن جعشم ہوں مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجئے ؟

بخدا! میں آپ کو کسی فریب میں نہیں ڈالنا چاہتا اور نہ آپ کو گزند پہنچانا مقصود ہے ۔

سراقہ کو دیکھتے ہی رسول اللہ اور ابوبکر دونوں کھڑے ہو گئے تھے ۔ رسول اللہ نے سراقہ کو گفتگو کی اجازت دی اس نے عرض کیا

مجھے آنے والے وقت میں امان کا وثیقہ لکھ دیجئے جو میرے اور آپ کے درمیان تمسک کے طور پر کام آسکے ۔

رسول اللہ کے حکم سے ابوبکر نے ھڈی یا چمڑے کے پارچے پر وثیقہ لکھ کر سراقہ کے حوالے کیا وہ الٹے پاؤں واپس لوٹا اور راستے میں جو ایسا شخص ملا اسے بھی سمجھا بجھا کر اپنے ہمراہ لیتا آیا تاکہ کوئی شخص بھی ان عالی منزلت مہاجروں کے درپے آزار نہ ہو سکے چہ جائے کہ وہ خود آں‌حضرت کو اپنا شکار سمجھ کر تعاقب میں نکلا تھا!

آہ! رسول خدا اور آپ کے رفیق اس گرمی میں وادی تہامہ کو منزل بہ منزل طے کر رہے تھے دھوپ کی شدت سے صحرا کی ریت شعلۂ نار بنی ہوئی تھی اس راہ کی کسی نشیب میں دھوپ سے سر چھپانے کو سایہ اور نہ کسی اونچے مقام پر کوئی سایہ دار شے نظر آتی نہ کہیں ایسے مأمن کی توقع کہ اگر دشمن اچانک سر پر آ پہنچے تو اس کی اوٹ ہیں خود کو اس حملے سے بچا سکیں بجز صبر و رضا کے جو اللہ تعالی نے ان کے دلوں میں سمو دئے تھے یا ایمان کی اس سربلندی کی بدولت جو اس وحی کی بدولت نصیب ہوئی جسے خدا تعالی نے جناب محمد پر نازل فرمایا ۔

مسافر اسی طرح لگاتار سات دن دھوپ کی جھلسا دینے والی تمازت میں چلتے رہے اور اسی طرح پوری سات راتیں صحرا کی تہ پر ان کا سفینہ ریت کے دھارے پر چلا کیا وہ شب کی تاریکی میں تاروں کی جھلملا ہٹ سے خود کو تسکین دیتے کہ اک نہ اک روز ہماری دعوت بھی اس تیرہ و تار خاکدان میں اسی طرح چمکے گی ۔

قبیلۂ بنی سعد میں : اور دونوں قبیلہ بنی سہم کے خیموں کے قریب جا پہنچے قبیلہ کے سردار بریدۂ اسلمی نے دیکھا تو خندہ پیشانی سے استقبال کیا جس سے دونوں کے دلوں کا خوف طمانیت سے بدل گیا اور اللہ کی طرف سے غیبی نصرت کی امید بڑھنے لگی مدینہ یہاں سے ''قاب قوسین او ادنی'' (۵۳ : ۹) سے بھی قریب تر تھا (ذرا ہی دور!)

مسلمانان مدینہ کا شوق انتظار : مدینہ میں ھجرت کے الم ناک حوادث کی خبریں پہنچ رہی تھیں ۔ قریش نے آپ کی اسیری قتل اور تلاش کے لئے جو تدبیریں کیں یثرب میں ایک ایک واقعہ کی اطلاع پھیل گئی ۔ مسلمان رسول خدا اور ان کے رفیق کے انتظار میں چشم براہ تھے ایک ایک فرد زیارت اور گفتگو کے اشتیاق میں گھڑیاں گن رہا تھا جن لوگوں نے ابھی تک آں‌حضرت کو دیکھا نہ تھا اور صرف تبلیغ کی بنا پر اسلام میں داخل ہوئے وہ رسول اللہ کے واقعات و قوت بیان و عزیمت کے کارنامے سن کر اور بھی مشتاق دید تھے ۔ اہل یثرب میں جو حضرات اسلام میں اس حد تک راسخ القدم اور رسول صلعم کی محبت میں وارفتہ تھے باوجودیکہ ابھی تک انہیں آں‌حضرت (صلوات اللہ علیہ) کی دید کا شرف حاصل نہ ہوا تھا صرف مسلمانوں کو دیکھ کر حلقہ

اسلام میں داخل ہوئے اللہ ﷻ کے دین اور جناب رسول صلعم کی محبت میں ڈوبے ہوئے ایسے مشتاقان جمال کی اضطرابی دید کا تصور تو کیجئے !

مدینه میں اسلام کی ترقی : اس توجیهه کے لئے دو واقعات لکھے جاتے ہیں جناب سعد بن زراره اور جناب مصعب بن عمیر اپنے چند مسلمان ساتھیوں کے مجمع میں بنی ظفر کے باغ میں تشریف فرما تھے۔ ان مسلمان سرداروں کے اس جلو داری کی خبر سعد بن معاذ اور بنو اسید بن حضیر نے سنی تو حسد سے دونوں کا خون کھول اٹھا ۔ سعد اور آسید دونوں اپنی قوم میں ممتاز تھے سعد نے اسید سے کہا کہ ان دونوں مسلمانوں نے ہمارے ضعیف الاعتقاد بھائیوں کو بری طرح ورغلا لیا ہے ۔ سعد بن زراره میرے خاله زاد بھائی ہوتے ہیں میں قرابت کی وجه سے ان کے سامنے لب کشائی کرنے سے مجبور ہوں ۔ آپ وہاں جا کر سعد کو سمجھائیے کہ اس کا انجام ان کے حق میں اچھا نه ہوگا! اور اسید نے ایسا ہی کیا

مصعب : اسید! ذرا دیر تشریف رکھئے اور جو کچھ میں ان لوگوں کو سمجھا رہا ہوں آپ بھی سنئے ۔ اگر پسند آئے تو قبول کیجئے ورنه آپ کو اختیار ہے !

اسید : بلا شبه آپ نے انصاف کی بات فرمائی ۔

اور آسید اپنا عصا زمین میں گاڑ کر حلقه میں بیٹھ گئے ۔ وہاں سے اٹھے تو مسلمان ہو کر اٹھے اور سعد کے پاس لوٹے تو چہرے پر اس خشم گینی کی بجائے دوسرا رنگ تھا سعد نے سمجھ لیا اور وہ ان پر پھر اٹھے اور خود مصعب کے حلقه میں انہیں منع کرنے کے لئے آئے لیکن وہ بھی اپنے ساتھی کی طرح اسیر اسلام ہو کر واپس لوٹے۔

قبیلهٔ بنی عبد الاشہل کا قبول اسلام : نه صرف یه بلکه سعد بن معاذ یہاں سے سیدھے اپنے قبیله میں پہنچے اور سب کو جمع کر کے ان سے یوں ہم کلام ہوئے۔

اے بنی عبد الاشہل! تم مجھے کیسا آدمی سمجھتے ہو ؟

جواب : اے سعد ! آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم پر مہربان ! آپ ہم سب میں صائب الرائے اور ہمارے نگہبان ہیں ۔

سعد : اگر تم لوگ خدا اور رسول پر ایمان نه لاؤ تو میرے لیے تم لوگوں کے ساتھ سلام و کلام حرام ہے!

اور اپنے سردار کا یه فرمان سن کر قبیلهٔ بنی عبد الاشہل کے زن و بچه مسلمان ہو گئے۔

اسی طرح ہجرت سے قبل مدینه میں اسلام کی پذیرائی اور وہاں کے باشندوں پر مسلمانوں کی ہیبت و وقار کا جو سکه بیٹھ رہا تھا قریش مکه کے سان و گمان میں بھی نه تھا۔ یثرب کے مسلمان مشرکین کے بتوں کا فضیحتا کس کس طرح کرتے اس ایک واقعه سے اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

عمرو بن الجموع کے معبود منات کا حشر : که اشراف مدینه میں عمرو بن الجموع جو قبیله بنی سلمه کے سردار تھے ان کا بت چوبین دستور عام کے مطابق ان کے گھر میں گڑا رہتا یه منات کا مجسمه تھا ۔ نوجوان مسلمان شب کے وقت اس بت کو ان کے گھر سے اٹھا لائے اور شہر کے سنڈاس میں اسے اوندھے منه میلے کے ڈھیر میں گاڑ دیا ۔ صبح

ہوئی اور عمرو حسب معمول اپنے معبود کو بھوگ لگانے کے لئے گئے تو وہ غائب تھا جیسے تیسے عمرو نے اسے ڈھونڈھ لیا اور دھو دھلا کر پھر اسی جگہ گاڑ دیا۔ دن بھر عمرو غصے میں بپھرے ہوئے اور اپنے خدا کو سرقہ کر کے لے جانے والوں کو غائبانہ صلواتیں سناتے رہے لیکن دوسری شب کو وہ نوجوان پھر آئے اور عمرو کے معبود کو چرا کر اسی سنڈاس میں اوندھا کر کے گاڑ دیا۔ آج بھی عمرو اسے گھر لے آئے اور کل کی طرح اسے نہلا کر پہلی جگہ میں ٹھوک دیا لیکن نوجوانوں نے منات کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر ایک روز عمرو نے منات کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا ”ان کان فيك خيرا فامتنع! فهذا السيف معك!،، ۔ ”اے میرے معبود اگر آپ کے اندر کچھ سکت ہے تو ان نابکاروں سے بدلہ لیجئے میں یہ تلوار آپ کے گلے میں لٹکا دیتا ہوں!،، صبح کو اٹھے تو منات پھر عنقا تھا۔ آج اس کا مجسمہ کنوئیں میں ایک کتے کی لاش کے ساتھ پڑا ہوا ملا اور تلوار غائب تھی لوگ ادھر ادھر سے جمع ہو گئے۔ مسلمانوں نے عمرو کو سمجھایا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ عمرو نے دیکھ لیا کہ بت پرستی انسان کو ایسے ورطہ ہلاکت میں ڈال دیتی ہے جس کی وجہ سے وہ انسانی قدروں سے دور ہٹ جاتا ہے۔

مدینہ میں اسلام کی قبولیت : ان واقعات سے مدینہ میں اسلام کی پذیرائی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے یہاں کے مسلمان کس وارفتگی کے ساتھ رسول اللہ کے تشریف آوری کے منتظر تھے جب انہوں نے سنا کہ سید الکونین مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ کی طرف آنے کا قصد فرما چکے ہیں وہ ہر روز نماز فجر کے بعد شہر سے باہر نکل آتے اور بلند ٹیلوں پر بیٹھ کر ادھر دیکھتے رہتے لیکن جب دھوپ کی شدت بڑھ جاتی ناچار وہاں سے ہٹ کر گھروں میں لوٹ آتے۔

قبا میں ورود مسعود : قبا شہر مدینہ سے باہر (۲) میل پر ایک علیحدہ بستی ہے۔ رسول اللہ اپنے رفیق سفر ابوبکر کی معیت میں قبا تشریف لے آئے اور یہاں چار روز تک قیام فرمایا (اللہ رے! رسالت کی مصروفیتیں اور فرائض کی سرانجام دہی :م:) کہ اس وقفۂ قیام میں یہاں ایک مسجد تعمیر فرمائی۔

علی بن ابی طالب کی تشریف آوری : حضرت علی کے پاس رسول اللہ مکہ میں جو امانتیں چھوڑ آئے تھے (ص : ۲۵۸) انہیں ان کے مالکوں کے سپرد کر کے وہ بھی اسی قبا میں رسول اللہ کے پاس آ پہنچے۔ علی نے یہ تھکا دینے والا سفر دو ہفتوں میں طے کیا۔ دن میں کہیں چھپ کر پڑے رہتے صرف شب کو چلتے اور اس راہ پر چل کر آئے جسے رسول اللہ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا تھا اس طرح آج علی بن ابی طالب بھی اپنے مسلمان بھائیوں سے آملے!

یثرب میں تشریف آوری : یثرب کے مسلمان حسب معمول رسول اللہ کے انتظار میں دید و دل فرش راہ کئے بیٹھے ہیں کہ سب سے پہلے ایک یہودی کی نظر پڑ گئی اور اس نے بآواز بلند مژدہ سنایا۔

یا بنی قیلہ! هذا صاحبکم قد جاء!	اے بنی قیلہ تمہارے سردار تشریف لے آئے!

جمعہ کا دن تھا رسول اللہ نے اس مسجد میں جو وادی رانونا میں تھی نماز جمعہ پڑھائی

یثرب کے باشندے آپ کی زیارت کے لئے امڈ کر آ گئے ہر شخص قریب سے دیکھنے کا متمنی تھا ۔ ان کے شہر میں آج وہ جامع الصفات ہستی تشریف لے آئی جس کی رسالت پر اسے دیکھے بغیر وہ ایمان لا چکے تھے اور جس پر ہر نماز میں وہ درود و سلام بھیجتے آج مدینہ کے مسلمانوں کو اپنے محبوب کی دید سے آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کا موقعہ نصیب ہوا ۔

مدینہ کے ہر ایک مسلمان کی طرف سے دعوت قیام پر اصرار ہونے لگا ۔ رسول اللہ نے سب سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میری سواری خدا کے حکم سے جہاں بیٹھ جائے گی اسی زمین کے مالک میرے میزبان ہونگے اور آں حضرت نے حصباء (ناقہ کا نام) کی مہار اس کی گردن پر رکھ دی ۔ اونٹنی نے مدینہ کی گلیوں میں ایک خاص انداز سے قدم اٹھانے شروع کر دئے ۔ مسلمان اسے ہر طرف سے حلقہ میں لئے ہوئے اور راستہ چھوڑتے چلے جا رہے تھے ۔

مشرکین و یہود مدینہ کا تحیر : یثرب کے مشرکین اور یہود اپنے شہر کے ایک طبقہ کی اس ''حیات نو،، کی تمہید دیکھ کر حیرت میں ڈوب گئے ۔ انہیں تعجب تھا کہ اوس و خزرج جو کل تک ایک دوسرے قبیلہ کے خون کے پیاسے بنا دئے گئے تھے ۔ آج اس بطل عظیم کے قدوم میمنت لزوم کے لئے دونوں مل کر اس کی رضا میں فرش راہ بنے ہوئے ہیں !

آہ! مدینہ کے یہ نامحرمان راز فطرت اتنا کچھ دیکھ کر بھی نہ سمجھ سکے کہ آج صفحہ ہستی پر تاریخ نے وہ باب لکھنا شروع کر دیا ہے جو دنیا کے تمدن و ارتقا میں ایک ایسے اضافہ کا حرف آغاز ثابت ہوگا جس سے خود ان کے مسکن (مدینہ) کی عظمت و برتری کو بھی چار چاند لگ جائیں گے جب تک دنیا قائم ہے مدینہ کی شہرت اس کے ساتھ ساتھ دوہرائی جائے گی اور حصباء (ناقہ رسول) ، اپنی موج میں جیسے چاہا اور جس طرف چاہا قدم بڑھاتی چلی آخر ایک باڑے میں آ کر رک گئی جو قبیلہ بنو نجار کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور وہ از خود یہاں بیٹھ گئی ۔ رسول اللہ صلعم کجاوہ سے اتر پڑے ارشاد فرمایا ''اس باڑہ کا کون مالک ہے؟،، معاذ بن عفرا نے عرض کیا قبیلۂ بنی عمرو کے ذو یتیم سہل و سہیل اس کے مالک ہیں لیکن میں انہیں آپ کے لئے رضامند کر لوں گا ۔ انہیں امید تھی کہ رسول اللہ اس باڑے میں مسجد تعمیر فرمائیں گے چنانچہ آں حضرت (صلوات اللہ علیہ) نے یہ زمین خرید کر اس میں مسجد اور اپنی رہائش کے لئے حجرے تعمیر کرا دئے ۔

---

(۱) بنی قیلہ اوس و خزرج دونوں قبیلوں کا لقب ہے کہ دونوں (اصلاً) ایک ہی بطن سے ہیں ''وکان الانصار الذین هم الاوس والخزرج یعرفون قبل ذلك 'یا بنی قیلہ، وهی الام التی تجمع القبلتین،، (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد اول بضمن باب علامہ الایمان حب الانصار :م:)

۱۱

مدینہ منوّرہ کا ابتدائی زمانہ

صادق امین عبداللہ محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

صفی اللہ حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی الرحمۃ یتیم

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۱۱

مدینۂ منوّرہ کا ابتدائی زمانہ

صاحب منزلت مہاجر کا استقبال : مدینہ منورہ کے رہنے والے مسلمان اور یہود و مشرک سب استقبال کے لئے گھروں سے نکل آئے ۔ مردوں کے جتھے ایک طرف ہیں عورتوں کے گروہ علیحدہ ہیں ۔ کہیں اکا دکا مرد اور کسی طرف تنہا کوئی عورت کھڑی ہوئی راہ تک رہی ہے ۔ اہل مدینہ اس ہجرت کے اسباب پر مطلع ہیں انہیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ قریش نے آں حضرت کو ہجرت سے روکنے کے لئے کیا کیا بندشیں باندھیں تھیں ۔ وہ اس تصور سے بھی آشنا تھے کہ رسول اللہ کو اس سفر میں کن کن صعوبتوں سے پالا پڑا ۔ تہامہ کی شعلہ ریز چٹانیں جو آفتاب کی تمازت سے دوزخ کا نمونہ بن جاتی ہیں مہاجر عظیم ان سلوں کو روندتا ہوا ہمارے شہر کو اپنی قیام گاہ کی عزت بخشنے کے لئے آ رہا ہے !

آج رسول اللہ کی زیارت کرنے کے لئے اہل مدینہ کے دلوں میں کیسے کیسے جذبات موجزن تھے یثرب کا ہر قبیلہ اس ہجرت کی غایت اپنے اپنے انداز فکر کے ساتھ متعین کر رہا ہے ۔ ہر ایک متنفس کو علم ہے کہ آں حضرت کی دعوت نے کس طرح لوگوں کا آبائی عقیدہ بدل دیا ہے اس شہر کا ہر شخص آپ کی تقدیس کا معترف ہے اور اہل یثرب کا سید الکونین کے استقبال کے لئے یوں والہانہ امڈ آنا صرف انہیں دو وجوہ پر مبنی نہ تھا بلکہ اس رغبت کی بنا پر تھا کہ رسول خدا آبائی وطن کو چھوڑ کر ہمارے شہر کو وطن بنانے کو ہیں ۔ مدینہ کا ہر باشندہ آیندہ کے سیاسی و اجتماعی اور دوسرے تصورات کے مطابق آپ کی زیارت کرنا ضروری سمجھتا ہے ۔ ذرا ان کی رسالت اور آثار کو دیکھا جائے کہ ان کے متعلق ہمارے تصورات کس حد تک صحیح ہیں !

مہاجرین و انصار کے ساتھ یثرب کے یہود و ارباب شرک کے تصورات بھی اسی محور پر گردش کر رہے ہیں ہر ایک دل کی دھڑکن اس (شخص) کے ضمیر کی غمازی کر رہی ہے کہ آج وہ اس پرشکوہ مہاجر کی زیارت کے لئے اس قدر بے قرار کیوں ہے !

اور جب سید البشر نے ناقہ کی مہار اپنے ہاتھ سے چھوڑ کر اس کی گردن پر رکھ دی کہ جہاں مشیت کا اشارہ ہوگا وہ از خود بیٹھ جائے گی تو ہجوم کا نظام رفتار بالکل بدل گیا لوگ دوسری دوسری گلیوں سے آگا گھیر کر راستوں میں کھڑے ہو گئے کہ جس طرح ہو سکے اس ذات کے بشرے کو جلدی دیکھیں جو اپنے مولد (مکہ میں) عقبہ الکبریٰ پر ہمارے شہر کے باشندوں سے اس شرط پر بیعت لے چکا ہے کہ اگر اس کی دعوت کی حفاظت میں بلا رو رعایت کسی قوم سے بھی لڑنا پڑے وہ قدم پیچھے نہ ہٹائیں گے اہل مدینہ مشتاق تھے ایسی مافوق البشر ہستی کی زیارت کے لئے جس نے توحید کی ترویج کے لئے اپنے وطن و یاران وطن دونوں کو چھوڑ دیا ہو اور اس راہ میں متواتر تیرہ برس تک لوگوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہا ہو ! ۔

یثرب میں تعمیر مسجد : سرور دو عالم کی ناقه سہل و سہیل کے باڑہ میں پہنچ کر خود بخود بیٹھ گئی اور یه زمین آں حضرت نے مالکان اراضی سے خرید کر اس میں مسجد کی تعمیر شروع کر دی ۔ رسول اللہ خود بھی پتھر اور گارا سر پر اٹھاتے اور مہاجر و انصار بھی اس مشقت میں آپ کے قدم بقدم چلتے ۔ مسجد تیار ہو چکی تو اس کے ساتھ سکونتی مکانات تعمیر کئے گئے اور مسجد اور رسول اللہ کے سکنی مکانات کی تعمیر میں کسی پر کوئی دباؤ نہ ڈالا گیا بلکہ یه آں حضرت صلعم اور آپ کے ساتھ کام کرنے والوں کی اس سادگی کا نتیجه تھا که جو تعلیمات اسلامی کی روح کے عین مطابق تھی که دونوں حصے چشم زدن میں تیار ہو گئے ۔

مسجد نبوی کی مکانی حیثیت : پتھر کی سلیں گارے سے جا دی گئیں ۔ پٹاؤ میں کھجوروں پر مشتمل حصه دو ٹکڑوں میں منقسم کیا گیا ایک پر چھت پاٹ دی گئی اور دوسرے حصه کو غیر مسقف چھوڑنا پڑا صحن میں بے گھر مہاجر مسلمانوں کے رہنے کے لئے ایک حصه معین کر دیا گیا ۔ کئی سال تک مسجد نبوی میں شب کو چراغ جلانے کی نوبت نه آ سکی صرف عشا کی نماز کے موقع پر کھجور کی خشک پتیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی آخر عہد میں مسجد کے ستون میں ڈیوٹ لگا کر چراغ رکھ دئے ۔ رسول اللہ کے سکنی مکانات کی حیثیت بھی مسجد ھی کی مانند تھی البته حجروں میں پردے کا لحاظ رکھ لیا گیا تھا ۔ اب تک سرور دو عالم ابو ایوب (خالد بن زید) انصاری کے ھاں فروکش تھے لیکن مسجد اور مکانات مکمل ہو جانے کے بعد آپ یہاں تشریف لے آئے !

تعمیر مسجد کے بعد تبلیغ توحید پر غور و فکر : خاتم الرسل نے تبلیغ کی اس دوسری منزل پر غور و فکر شروع کیا جو مدینه تشریف لانے کے بعد درپیش تھی لیکن یہاں کے باشندوں میں باھم ایسی منافرت سی نظر آئی جو اھل مکه میں نه تھی اور قریش کے خلاف مدینه کے مسلمان قبائل ایسی زندگی کے متلاشی تھے جس میں سکون و طمانیت اس درجه ہو که اس پر کوئی حادثه اثر انداز نه ہو سکے ۔ وہ اپنی سابقه جنگ و جدال کے نتائج سے بھی خائف تھے ساتھ ھی مدینه کے مسلمان اپنے شہر کی ثروت و عظمت مکه کے مقابله میں زیادہ دیکھنے کے متمنی تھے ۔ رسول کریم مدینه کے لیے اس قسم کے تفاخر و تعظیم کو ثانوی درجه تک تو گوارا کر سکتے تھے لیکن اھل مدینه کی خواھش کے مطابق اولیت کے درجه تک روادار نه تھے کیونکه آں حضرت کا اول و آخر مقصد اس رسالت کی تبلیغ تھا جس کا عہد اللہ تعالیٰ نے آپ سے (م: میثاق میں) لے رکھا تھا اور جس کے لئے آپ نے اپنے اھل وطن کے ساتھ بعثت سے لے کر ھجرت تک مسلسل تیرہ سال مقابله میں پیچھے قدم نه ہٹایا لیکن اھل مکه کے ظلم و عدوان کی وجه سے وھاں کے عوام ان سے ڈر کر اس عہد کو قبول نه کر سکے جس کی وجه سے ان کے دل جیسے تھے ویسے ھی رہے ۔ ایمان کا مزاج بھی یہی ھے که اگر وہ دل میں پوری طرح گھر نه کر لے تو معمولی سے معمولی تکلیف اور امتحان بھی اسے شکست دے سکتا ھے ۔

ضروری ھے که مسلمان خود بھی امن سے زندگی بسر کریں اور غیر مسلم کو بھی امن نصیب ہو ۔ انہیں معلوم ہو جائے که جو شخص ھدایت کا پیرو ہو کر دین خداوندی میں داخل ہو جائے وہ ھر قسم کے فتنه سے امن میں ھے تاکه یه طریق زندگی مومن کے

لیے ازدیاد ایمان کا سبب ہو اور جو لوگ ایمان لانے میں ہنوز متردد یا کسی وجہ سے اظہار ایمان میں خائف ہیں یا ابھی تک ان کا ایمان بجائے خود حالت ضعف میں ہے تو ایسے لوگ پوری طرح ایمان لانے پر مائل ہو سکیں ۔

رسول اللہ مدینہ کے ابتدائے قیام ہی میں اس مسئلہ پر غور فرماتے رہے ۔ ان کی آئندہ سیاست کا یہی مرکز تھا اور ہمارے لئے بھی آں حضرت کی سیرۃ پر خامہ فرسائی کا یہی مقتضی ہے ۔

ظاہر ہے کہ آں حضرت سلطنت، منصب اور مال کسی شے کے حریص نہ تھے بلکہ ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ جو لوگ ان کی رسالت پر ایمان لائیں وہ پوری طمانیت و سکون کے ساتھ اس طرح سے زندگی بسر کریں ان کے لئے اپنے عقیدہ میں اسی طرح آزادی ہو جس طرح دوسروں کو اپنے اپنے عقیدہ میں (آزادی) حاصل ہے ۔ اختیار و اظہار عقیدہ کی آزادی میں مسلمان یہودی اور نصرانی سب مساوی ہوں اور جس طرح غیر مسلم طبقات و افراد کو اپنے عقیدہ کی طرف دوسروں کو دعوت دینے کا استحقاق ہے مسلمان بھی انہی کی مانند اس حق سے مستفید ہوتے رہیں کیونکہ حقیقت کو آزادی کے سائے میں فتح و نصرت حاصل ہونا یقینی ہے جس کے نتیجہ میں دنیا کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے اور آزادی کے خلاف سختی اور دباؤ باطل کی حمایت کرنا ہے ۔ اس دباؤ سے ظلمات کے بادل نفس انسانی کے نورانی جذبہ پر چھا کر اسے ڈھانک لیتے ہیں یہ آزادی انسان کا ایسا استحقاق تھا جس کی وجہ سے وہ ازل سے لے کر ابد تک تمام کائنات کے ساتھ اپنا رابطہ قائم کر سکتا ہے اور یہ آزادئی عقیدہ واسطہ ہے اجتماعیت و محبت اور وحدت کا جسے جنگ اور قتل عام یا نفرت سے دور کا تعلق بھی نہیں ۔

رسول خدا کو آیندہ کے لئے وحی الہی نے (سب سے پہلے) جس امر سے خبردار کیا وہ صلح و آشتی کے لئے میلان اور جنگ و جدال سے نفرت تھی ۔ بجز اس مجبوری کے جب مسلمانوں کو دوسروں کی طرح اپنا عقیدہ کے اظہار میں آزادی حاصل نہ ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ زندگی بھر جنگ کرنے سے بچتے رہے جیسا کہ مکہ میں بیعت عقبۂ ثانیہ پر ہوا جب کہ اہل مکہ میں سے کسی شخص نے اس بیعت کی سن گن پا کر شور مچا دیا اور مبایعین کے سردار عباس بن عبادہ نے عرض کیا

" یا رسول اللہ جس ذات مطلق نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے اگر آپ فرمائیں تو ہم دن نکلنے کے ساتھ اہل مکہ پر تلواریں سونت کر چڑھائی کر دیں "

جس کے جواب میں (رسول خدا نے) انہیں جنگ سے منع کرتے ہوئے فرمایا :

"خدا کی طرف سے ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا"

جہاد کا سب سے پہلا حکم جس میں مدافعت ہے حملہ نہیں !

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان اللہ علی نصرهم لقدیر (۳۹:۲۲)	مظلوم مسلمانوں کو مدافعت کے لئے جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت کرنے پر قادر ہے ۔

جس کے بعد اسی مدافعانہ جہاد کے لئے دوسری آیت نازل ہوئی

وقاتلوهم حتی لا تکون فتنه ویکون	کافروں کی فتنہ آرائی کی وجہ سے

الدین کلہ للہ ۔ (۳۹:۸) اس وقت تک ان کے ساتھ جنگ جاری رکھو جب تک کہ اظہار دین میں کامل آزادی نہ مل سکے ۔

جس کی بنا پر آں‌حضرت صلعم اپنے پیروؤں کے لیے اختیار و اظہار عقیدہ دونوں میں آزادی کے خواہاں تھے حتیٰ کہ اس مقصود کے لئے جنگ کرنا بھی جائز قرار دیا تا کہ غیر مسلم ان کے پیروؤں کو ان کے عقیدہ سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکیں ۔

ہجرت کے بعد اہل مدینہ کا غور و فکر : رسول اللہ مکہ سے ہجرت رما کر یثرب میں قیام پذیر ہو گئے تا کہ یہاں رہ کر آزادی حاصل کی جا سکے اور اہل یثرب جنہوں نے آں‌حضرت کی آمد پر نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کیا تھا ۔ آپ کے استقرار و قیام کے بعد ان میں سے ہر ایک گروہ مختلف تفکرات میں منہمک تھا ۔ اس وقت یثرب میں یہ گروہ موجود تھے ۔

۱- مسلمانوں میں مہاجرین اوز انصار

۲- اوس و خزرج میں سے مشرک اور بت پرست، جن میں باہم ایک دوسرے قبیلہ سے دشمنی تھی ۔

۳- یہود اور یہ چار حصوں پر مشتمل تھے :

الف- مدینہ کے اندر بنی قینقاع

ب- فدک میں بنو قریظہ

ج- شہر سے باہر ایک ملحقہ آبادی میں آباد بنو نضیر

د- مدینہ سے شمال کی سمت خیبر میں دوسرے قبیلوں کے یہود

ان میں مہاجر و انصار دونوں نئے دین کے رشتہ میں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ سے باہم متحد تھے ۔ اگرچہ رسول اللہ ان کے معاملہ میں بھی متفکر رہتے مبادا ان میں پرانی دشمنی ابھر آئے جیسا کہ بعد میں ایک مرتبہ ظہور میں آ کر رہا ! مشرکین اوس و خزرج دونوں کو ان کی سابقہ باہمی جنگوں نے تھکا رکھا تھا ۔ اب وہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک ایسی حد اوسط کے درجے پر تھے جس میں دونوں باہمی جنگ میں اپنی خیریت کے خواب دیکھ رہے تھے اور یہود مدینہ کا یہ حال کہ رسول اللہ کی تشریف آوری پر انہوں نے اس امید پرگرم جوشی سے آن حضرت کا استقبال کیا کہ وہ آں‌حضرت کو اپنا حلیف بنا کر عرب کے ان مسیحیوں سے بدلہ لے سکیں گے جنہوں نے ان کی برگزیدہ جماعت کو ارض مقدس (فلسطین) سے دھکیل کر باہر نکال رکھا ہے (مدینہ میں رہنے والے گروہ اس موقعہ پر ان طریقوں سے سوچ رہے تھے) ۔

اور رسول اللہ کی فکر نو : جس میں آپ سابقہ انبیاء کرام سے منفرد تھے ایک نئی طرح فکر تھی جسے آں حضرت نے اس وقت نظر اور دور اندیشی کے بعد قائم کیا کہ صاحب دانش کو آپ کی اصابت فکر کے سامنے سر جھکائے بغیر چارہ نہ رہے یہ کہ جدید وطن کو ایسی وحدت میں منسلک کیا جائے جو آج تک عرب کے وہم و خیال میں بھی نہ آ سکی بجز اس کے کہ سابق میں خطۂ یمن میں اس قسم کی وحدت ایک مرتبہ قائم ہو چکی تھی ۔

اس کے لئے رسول اللہ نے اپنے وزراء جناب ابوبکر و حضرت عمر سے مشورہ کیا ۔ رسول خدا ان دونوں کو وزیر ھی کہہ کر پکارتے تھے ۔ آں‌حضرت کو سب سے پہلے یہ مطلوب تھا کہ تمام مسلمان (تفریق وطن اور قبیلہ کی تفریق کے بغیر) ایک رشتہ میں پرو دئے جائیں تاکہ ان کی سابقہ عداوت ختم ہو جائے ۔

طرح مواخات (بھائی چارہ) : آں حضرت نے انصار و مہاجرین کو یک جا کر کے ان میں مواخات قائم فرمائی ۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا منہ بولا بھائی بنا دیا ۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے خود کو علی بن ابی طالب کا بھائی بنایا ۔ یہ مواخات پہلے سے بھی تھی ۔ حضرت حمزہ اور ان کے غلام زید کو اور ابوبکر و خارجہ ابن زید اور عمر بن الخطاب و عتبان بن مالک الخزرجی کو (خارجہ اور عتبان دونوں انصار تھے) ۔

مواخات کے دوسرے درجہ میں مہاجر و انصار کے درمیان بھائی بندی کا رشتہ قائم کیا ۔ یہ رشتے بمنزلہ نسب و یک جدی ہونے کے تھے جن سے مسلمانوں کی وحدت مربوط ہو گئی ۔

مہاجرین کی غیرت مندی : انصار مدینہ مہاجرین کے ساتھ حسن مراعات سے پیش آتے جیسے مہاجرین اپنی مجبوری کی وجہ سے قبول کر لیتے مگر دل میں رشک پیدا ہوتا کاش! ہم بھی ان کا معاوضہ دے سکتے! آخر انہوں نے مکہ جیسا شہر چھوڑا تھا جس میں اصحاب ثروت رہتے اور ان میں اکثر و بیشتر مہاجرین ایسے تھے جن کے پاس سب کچھ موجود تھا مگر جب یہ لوگ مدینہ میں وارد ہوئے تو ایک ایک دانے کے لئے دوسروں کے محتاج تھے ۔ البتہ مہاجرین میں حضرت عثمان بن عفان اپنے ساتھ بہت کچھ لے آئے لیکن دوسروں میں حتی کہ عم رسول جناب حمزہ تک کا یہ حال تھا کہ ایک روز رسول اللہ کے پاس آ کر عرض کیا ”میرے پاس سد رمق تک کے لئے نہیں آپ میری مدد فرمائیے،،

مہاجرین میں عبدالرحمٰن بن عوف (اور انصار کے دولت مند) جناب سعد بن الربیع کی مواخات قائم ہوئی تو سعد نے اپنے تمام مال و متاع کا پورا ایک نصف (حضرت) عبدالرحمٰن کی خدمت میں پیش کر دیا مگر انہوں نے مال کی بجائے اپنے انصار بھائی سے بازار کا رستہ پوچھ کر پنیر اور مکھن کا خوانچہ لگانا شروع کر دیا ۔ خدا کی دین ھے (ابن عوف) چند دنوں میں اس قدر مال دار ہو گئے کہ ان کے اونٹ ادھر سے ان کا مال تجارت لے کر دوسرے خطوں میں آ جاتے اور ادھر سے باھر کا مال تجارت لے کر مدینہ میں ، حضرت عبدالرحمٰن نے مدینہ میں ایک بی‌بی سے عقد بھی فرما لیا تھا ۔

موصوف کے سوا مہاجرین مکہ میں سے کئی اور حضرات نے بھی مدینہ آ کر تجارت شروع کر دی ۔ یہ لوگ سوداگری میں کس قدر ماھر تھے ان میں ایک مہاجر کی یہ مہارت دیکھ کر یہاں تک کہا گیا کہ یہ صاحب تجارت میں صحرا کی ریت کو سونے میں تبدیل کر سکتے ھیں !

مہاجرین کی مشقت و زراعت : اور اھل مکہ میں سے جو حضرات مدینہ تشریف لا کر تجارت میں ہاتھ ڈالنے سے رہ گئے انہوں نے انصار کی اراضی میں مزارعت پر کاشت شروع کر دی مثلاً حضرت ابوبکر و عمر اور علی ابن ابی طالب وغیرہ ۔ ان حضرات

میں جن کے ساتھ ان کے غلام بھی تھے وہ ان کی مدد سے زراعت کر کے اپنے لئے روزی حاصل کرتے ۔

مہاجرین کا تیسرا گروہ جو تجارت و زراعت دونوں میں سے کسی پر حاوی نہ تھا نہایت عسرت و تنگ دستی سے زندگی بسر کرنے لگا لیکن غیرت کا یہ حال تھا کہ اپنی ناداری کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے اور جس طرح بن پڑتا محنت مزدوری کر کے شکم پروری کرتے ۔ وہ خوش تھے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے جو مصائب انہیں مکہ میں پیش آئے یہاں آ کر صد گونہ طمانیت اور سکون تو حاصل ہو گیا اور مدینہ میں ان کے عقیدہ کی وجہ سے کوئی شخص ان سے باز پرس کرنے کا مجاز تو نہیں !

اصحاب صفہ : چوتھا گروہ عربستان کے مختلف حلقوں سے مسلمان ہو کر مدینہ میں پہنچا یا مدینہ پہنچ کر یہ لوگ ایمان لائے ، یہ حضرات ناداری میں اس طرح گھرے ہوئے تھے کہ سر چھپانے تک کے لئے ٹھکانہ نہ تھا ۔ ان حضرات کے رہنے کے لئے رسول اللہ نے مسجد ہی کا ایک حصہ خاص کر دیا جس پر چھت پٹ چکی تھی ۔ چونکہ اس حصہ کا نام ہی صفہ تھا اس لئے اس میں رہنے والی جماعت بھی اصحاب صفہ کے لقب سے مشہور ہو گئی ۔ ان لوگوں کا بسیرا اسی مقام پر تھا ۔

مواخات میں فراست نظر : رسول عالمین کو مسلمانوں کے درمیان مواخات قائم ہو جانے سے ایک گونہ طمانیت حاصل ہو گئی ۔ اگر اس پر غور کیا جائے کہ مدینہ کے منافقین قبیلۂ اوس و خزرج کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لیے کس طرح پر تل رہے تھے تو اس مواخات کی حکمت و سیاست کی اہمیت تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں رہتا ۔ مدینہ کے انہی منافقوں نے مہاجر و انصار کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی مہم بھی شروع کر رکھی تھی مگر مواخات نے ان کی چالیں ختم کر دیں ۔ اللہ رے فراست نظر و مآل اندیشی!

یہود مدینہ کے تعلقات : آں‌حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اکابر کے ساتھ دوستانہ مراسم استوار کرنے اور ان کے اہل کتاب و موحد ہونے کی وجہ سے ان کے اس قدر قریب ہو گئے کہ ان کی ایک خاص تقریب میں روزہ داری کی وجہ سے آں‌حضرت نے بھی اس روز صوم اختیار فرما لیا ۔ اس سے پہلے آپ کی نمازوں میں جہت قبلہ بھی بیت المقدس تھا جو یہود کی دینی برکات کا مبداء و منتہیٰ ہے ۔ اسی طرح رسول اللہ اور مدینہ کے یہودی روز بروز ایک دوسرے سے قریب ہونے کے لئے پیش قدمی کرتے رہے ۔ آں حضرت کے مزاج میں کس قدر تواضع اور ملنساری تھی ، ہر فرد بشر پر لطف و مہربانی جاری رہتی جس کے لیے سائل و غیر سائل کی کوئی تفریق نہ تھی ۔

یہود مدینہ کے ساتھ روابط کی فراوانی نے آں حضرت صلعم کو اس امر پر مائل کر دیا ان کے ساتھ ایسا تحریری معاہدہ کر لیا جو طرفین کی رفاہیت اور حقوق کی نگہبانی میں جامعیت کے اعتبار سے تاریخ کا اہم ترین باب ہے ۔

خاتم الرسل اور انبیائے سابقین کے طریق ہدایت میں فرق : جناب محمد صلعم اور دوسرے انبیاء و رسل کے طریق ہدایت کو غور سے دیکھا جائے تو دونوں میں ایسا نمایاں فرق پایا جاتا ہے جس میں رسول اللہ اپنے پیشرو انبیاء سے منفرد ہیں مثلاً

حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور دونوں سے پہلے آنے والے انبیائے کرام کی تبلیغ کے دو ذریعے تھے ۔ مخالفین کے ساتھ مناظرہ اور ظہور معجزات ، یہ انبیاء دنیا سے رخصت ہونے کے موقعہ پر اپنے معتمدین و خواص کے لئے ترویج و اشاعت دین متعین کر جاتے جو ان کے دین کی حفاظت میں پوری جانفشانی سے کام لیتے ۔ یہ لوگ سیاسی حربوں سے اپنے دین کی حفاظت کرتے اور اپنے عقیدہ کی حفاظت کے لئے دفاع یا خون ریزی جو موقعہ بھی ہوتا اس میں کودنے سے پہلو تہی نہ کرتے ۔

حضرت مسیح کے حواری : جیسا کہ حضرت مسیح کے بعد آپ کے حواریوں کا معاملہ ہے جنھیں اپنے دین کی تبلیغ میں ہر قسم کی صعوبت سے دوچار ہونا پڑا ۔ یہاں تک کہ روم کا عیسائی بادشاہ اس راہ میں سینہ سپر ہو کر آگے بڑھا اور اس نے عقیدہ عیسویت کی حفاظت و اشاعت کا دوگونہ فرض ادا کیا ۔ اسی طرح دنیا کے تمام مذاہب کی ترویج ہوئی اور اس میں شرق و غرب میں سے کسی ملک کے مذہب کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ہے

لیکن خاتم الرسل کے دوسرے خصائص نبوت کے ساتھ یہ تخصیص بھی آپ کی ذات میں تھی کہ اللہ نے اسلام کی ترویج و اشاعت کا مدار اپنے رسول ہی پر رکھا اور آپ کے ہاتھ سے کلمۂ حق کو نصرت و یاوری کا موقعہ نصیب ہوا ۔ اس لئے کہ آپ خدا کے رسول بھی تھے دور اندیش سیاست دان اور مجاہد و فاتح بھی جو خدا کے دین کی تبلیغ اور کلمۂ الحق کی ترویج کے لئے مبعوث ہوئے تھے ان میں سے ایک ایک صفت آپ کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھی جس کا ثبوت آپ کے ہر قول و فعل سے نمایاں ہے ۔

قرارداد معاہدہ : رسول اللہ نے ان تمام نزاکتوں (ص : ۴۸۴) کو مد نظر رکھتے ہوئے مہاجر و انصار کے درمیان ایک تحریری معاہدہ مرتب فرمایا جس (معاہدہ) میں یہود کو بھی شامل کر لیا گیا جس کی رو سے انہیں اپنے دین پر قائم رہنے میں پوری آزادی دی گئی اور ان کے مال و جائداد کی باہمی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال دی گئی ۔

متن قرار داد معاہدہ

۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ معاہدہ ہے جو محمد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نگرانی میں مندرجہ ذیل طبقات و قبائل میں ہوا ۔

مہاجر مسلمان قریش مکہ اور انصار (مسلمانان یثرب اور ان دونوں کے ساتھ جو جو غیر مسلم طبقات و گروہ ملحق ہیں) کے درمیان جس کے شرائط یہ ہیں

۱ - مہاجرین و قریش ایک ہی جماعت ہیں ۔

۲ - مہاجرین جو قریش مکہ میں سے ہیں فوجداری جرائم پر اپنے آدمیوں کی طرف سے (دوسروں کو اور خود آپس میں بھی) مقررہ دیت یا خون بہا ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں ۔

۳ - اور اگر ان کے کسی آدمی پر کسی نے ایسا ظلم کیا جو فوجداری میں آسکتا ہے تو وہ اس کی دیت یا خون بہا وصول کرنے کے مستحق بھی ہوں گے ۔ اور فدیہ یا دیت کی صورت میں قریش اور ان کے مقابل ہر دو کو ادا کردہ رقم

یا مال کے عوض میں اپنے آدمی کو قید سے رہا کرانے کا حق ہوگا ۔

۴ - مدینہ کے رہنے والوں میں بنو عوف کے حقوق کا وہی لحاظ ہوگا جو ان میں پہلے سے رائج ہے جس کے مطابق انہیں دیت اور خون بہا لینے اور ادا کرنے کی پابندی کرنا ہوگی اس معاملہ میں کسی فریق کو کسی پر ترجیح یا تفوق نہ ہوگا (۱)

۵ - ادائے دیت اور خون بہا دینے کی صورت میں مسلمان اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے کوئی اور راستہ نکالنے کی کوشش نہ کریں گے :

۶ - کوئی مومن دوسرے مومن کے غلام پر قبضہ نہ کرے گا ۔

۷ - مسلمانوں کا فرض ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی شخص پر زیادتی کرے تو سب مل کر ایسے شخص کو سزا دیں گے اگرچہ سزا دینے والوں میں سے مجرم کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہوا ۔

۸ - مسلمان ایک دوسرے کو کسی کافر کی طرف داری میں قتل نہ کریں گے نہ مسلمان کے خلاف کسی کافر کی نصرت کریں گے ۔
خدا تعالیٰ کا ذمہ سب کے لئے مساوی ہے ۔

۹ - یہودیوں میں سے جو شخص ہمارے معاہدہ کی پابندی کا وعدہ کرے ہماری نصرت اور یاوری اس کے لئے بھی ہے اس کے دشمن کے مقابلہ میں ہم اس کے دوش بدوش مقابلہ میں شریک رہیں گے ۔

۱۰ - مسلمانوں میں سب کا درجہ مساوی ہے اگر جہاد میں ایک مسلمان دشمنوں سے صلح کرے تو یہ صلح تمام مسلمانوں کو منظور ہوگی لیکن کوئی مسلمان عدل و انصاف چھوڑ کر کفار کے ساتھ صلح نہیں کر سکتا ۔

۱۱ - غیر مسلمین کا جو لشکر ہمارے ساتھ شریک جہاد ہوگا وہ نوبت بہ نوبت مورچہ پر آئے گا ۔

۱۲ - کافروں سے بدلہ لینے کے لئے مسلمان ایک دوسرے کی اعانت کریں گے ۔

۱۳ - مشرکین مدینہ میں جو لوگ معاہدہ میں شریک ہیں ان میں سے کوئی شخص قریش مکہ میں سے کسی کے مال اور جان کو نہ تو پناہ دے گا اور نہ مسلمان کے مقابلہ میں مکہ کے کسی قریشی کی حمایت کرے گا ۔

۱۴ - اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو اس کے خلاف گواہی حاصل ہونے کے بغیر قتل کر دے گا تو اس شخص سے قصاص لیا جائے گا ماسواء اس صورت کے کہ مقتول کے وارث قاتل کو معاف کر دیں یا دیت لینے پر رضامند ہو جائیں ۔
مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے سے ہاتھ نہ روکنا چاہئے اور تمام مومن ایک دوسرے کے دوست دار ہیں

یہود کے لئے :

---

(۱) اس کے بعد آن حضرت نے انصار مدینہ کے ہر قبیلہ کا نام فرداً فرداً لکھوایا مثلاً بنو حارث و بنو ساعدہ و بنو جشم و بنو نجار و بنو عمرو بن عوف اور بنو النبیت

۱۵ - تمام مسلمان اس معاہدہ پر متفق ہیں اور وہ اس میں سے کسی دفعہ کا انکار نہیں کر سکتے جس مسلمان نے اس معاہدہ کا اقرار کر لیا وہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔

۱۶ - کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مجرم کو پناہ دے۔ ایسے شخص پر قیامت کے روز خدا اور اس کے رسول کی لعنت اور غضب ہوگا اور اس کی کوئی نیکی قبول نہ ہوگی اور نہ قیامت کے روز اس شخص سے ایسے گناہ کے عوض میں کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا۔

۱۷ - مسلمان اپنے باہمی اختلاف میں خدا اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہیں۔

۱۸ - اگر مسلمان جہاد میں اپنا مال خرچ کریں تو یہود کو بھی ان کے ساتھ اپنا مال خرچ کرنا ہوگا۔

۱۹ - قبیلہ بنی عوف کے یہود بھی اس معاہدہ میں شامل ہیں اگرچہ مسلمان اور یہودی ہر ایک اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے کا مستحق ہوگا لیکن مشترکہ مقاصد میں دونوں ایک جماعت کے حکم میں داخل ہوں گے۔

۲۰ - مسلمان اور یہود دونوں کے غلام اپنے اپنے آقاؤں کے مطابق معاہدہ میں داخل شمار کئے جائیں گے۔

شرکائے معاہدہ میں جو شخص ان واقعات کی خلاف ورزی کرے گا وہ اپنی ذات اور اپنے گھر بار کے نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا۔

۲۱ - (دفعہ ۱۹ کے مطابق) مندرجہ ذیل یہودی قبائل بھی اس معاہدہ میں شامل سمجھے جائیں گے یعنی بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو اوس، بنو ثعلبہ، بنو جفنہ، بنو شنیبہ اور وہ لوگ بھی جو ان میں سے کسی قبیلہ کے ساتھ منضم ہیں اس معاہدہ میں شامل سمجھے جائیں گے۔

۲۲ - بنو ثعلبہ کے غلام بھی اس معاہدہ میں شریک متصور ہوں گے۔

۲۳ - اس معاہدہ میں سے کوئی شخص (جناب) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر مستثنیٰ قرار نہ دیا جائے گا۔

۲۴ - ہر قاتل سزا کا مستحق ہوگا۔

۲۵ - جو شخص کسی کو فریب سے قتل کرے گا اس کا ذمہ دار اس کا اصل قاتل ہوگا اور اگر وہ مفرور ہو گیا تو قاتل کے ورثاء سے انتقام لیا جائے گا۔

۲۶ - لیکن جب کسی مظلوم کے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو یہ قتل پہلی صورت (نمبر ۲۵) سے مختلف ہوگا (یعنی اس پر مواخذہ کم کر دیا جائے گا یا بالکل ساقط ہوگا ؛م)

۲۷ - کسی شخص کو اپنے حلیف کے جرم کی وجہ سے ماخوذ نہ کیا جائے گا لیکن مظلوم کی داد رسی بہر صورت کی جائے گی۔

۲۸ - مسلمانوں کی لشکر کشی کی حالت میں یہود کو بھی ان کی مالی اعانت کرنا ہوگی کیونکہ حلیف کے لئے دفع مضرت اپنے نفس کی حفاظت کے مطابق کرنا چاہئے جب تک کہ اس کی جانب سے ضرر نہ پہنچے یا اس کے ذمہ کوئی جرم عائد نہ ہو۔

۲۹ - حلیف کے مقدمات خود انہی کی طرف سے قابل سماعت متصور کئے جائیں گے۔

۳۰ - اس معاهده کے مطابق طبقات و افراد میں سے جس شخص سے خلاف ورزی هو یا اس سے کوئی خطره لاحق هو تو اسے خدا اور اس کے رسول (محمد) صلی اللہ علیه وسلم کے سامنے جواب ده هونا پڑے گا اور نفس معاهده کی حقیقی پابندی اللہ کے سواء کسی پر منکشف نہیں هو سکتی۔

۳۱ - اس معاهده کے مطابق نه تو قریش کو پناه دی جا سکتی هے نه ان کے کسی مددگار کو۔

۳۲ - اگر مدینه پر کوئی قوم حمله کرے تو دشمن کی مدافعت میں سب کو مل کر حصه لینا هوگا۔

۳۳ - اگر مدینه پر حمله آور لشکر مسلمانوں سے صلح کرنا چاهے تو معاهده کے شرکاء کو متفق هو کر دشمن سے صلح کرنا هوگی۔

۳۴ - اسی طرح اگر مسلمانوں کے سوا دوسرے شرکائے معاهده پر حمله هو اور وه لوگ جن کی وجه سے حمله هوا هے دشمن سے صلح کرنا چاهیں تو مسلمان ان کے ساتھ اس معاهده کے پابند هوں گے باستثنائے اس معامله کے جس میں شرکائے معاهده میں سے کسی کے دین پر زد پڑتی هو۔

۳۵ - شرکائے معاهده میں هر شخص کو اسی قدر استحقاق هوگا جتنا حق اس کی قوم یا اس کے گروه کے ساتھ طے کیا گیا هے۔

۳۶ - قبیله اوس کے یهود اور ان کے غلاموں کو دوسرے معاهدین پر کوئی ترجیح نه هوگی۔ ان سب میں جو شخص پرهیزگاری کے ساتھ معاهده پر عمل پیرا هوگا عند اللہ وه بهتر هوگا که نیکی اور بدی دونوں کا فرق واضح هے اور یه قرار داد معاهده کسی ظالم اور مجرم کی حمایت نه کرے گی۔

۳۷ - شرکائے معاهده میں سے اگر کوئی شخص مدینه میں اپنی سکونت رکھے یا اس کے باهر بسیرا کرے ارتکاب جرم کے بغیر اس پر مواخذه نه هوگا۔

خاتمه ! اور اللہ تعالی کی طرف سے امن و سلامتی هے اس شخص کے لئے جو نیکی کا طلب گار اور خدا سے ڈرنے والا هو ! (فقط)

یه تحریری معاهده هے جس کی رو سے جناب محمد (صلوات اللہ تعالی علیه) نے آج سے تقریباً ساڑھے تیره سو سال قبل معاشره انسانی میں ایسا ضابطه قائم کیا جس سے شرکائے معاهده میں سے هر گروه اور فرد کو اپنے اپنے عقیده میں آزادی کا حق حاصل هوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم هوئی اموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی ارتکاب جرائم پر گرفت و مواخذه نے اپنا دباؤ ڈالا اور معاهدین کی یه بستی (شهر مدینه) اس میں رهنے والوں کے لیے امن کا گهواره بن گئی۔ غور فرمائیے که سیاسی اور مدنی زندگی کو ارتقاء کا کتنا بلند مرتبه حاصل هوا جس سیاست و مدنیت (دونوں) پر ابهی تک دست استبداد مسلط تها اور دنیا فساد و ظلم کا معمل بنی هوئی تهی۔

ابتدا میں یهود مدینه کے (۳) خاندان اس معاهده میں شریک نه تهے بنو قریظه، بنو نضیر اور بنو قینقاع ! لیکن یه تینوں قبیلے بهی تهوڑے عرصه کے بعد شامل هو گئے معاهده کی پابندی کا نتیجه یه هوا که شهر (مدینه) اور اس کا سواد اس میں بسنے والوں کے لئے حرم (امن کی جگه) بن گیا۔ انهوں نے اپنا فرض سمجھ لیا که اگر کسی نے همارے

شہر پر حملہ کیا تو ہمیں اس کی حرمت قائم رکھنے کے لئے اپنا خون بہانے میں تامل نہ ہوگا اور وہ ہر ایسے معاملہ میں اپنے رفقاء کی معاونت کریں گے تاکہ جس شہر میں رہتے ہوئے انہوں نے معاہدہ کیا ہے اس شہر کی عزت و رفعت پر حرف نہ آئے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ کی رخصتی : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ کی ترتیب اوز منظوری کے بعد کچھ مطمئن سے ہو گئے مسلمانوں کو بھی سکون حاصل ہو گیا کہ جو عبادت جس صورت میں فرض ہے اب وہ اسی طریق سے اسے آزادی سے ادا کر لیا کریں گے اور ان پر کسی مخالف طبقہ کا دباؤ نہ ہوگا۔

اس صورت حال سے مطمئن ہو کر آں حضرت نے سیدہ عائشہ بنت ابوبکر کی رخصتی کا ارادہ فرمایا جن کے ساتھ پہلے سے عقد ہو چکا تھا۔

اس وقت بی بی عائشہ کا سن دس یا گیارہ برس کا تھا ام المومنین اپنے سن کے اعتبار سے قد و قامت میں بھی ویسی ہی تھیں۔ رسول اللہ کے دولت خانہ میں پہنچیں تو والد کے گھر کی بجائے شوہر کے ہاں منتقل ہو جانے کے باوجود کمسنی کے کھیل ابھی تک آنکھوں میں سما رہے تھے۔ رسول اللہ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ اس گھر میں بھی عائشہ کو اپنے باپ کے گھر کی طرح کھیلنے کی آزادی تھی۔ نبی کریم آپ کے ان مشاغل کی وجہ سے نہ تو کبیدہ خاطر ہوتے اور نہ کبھی ان میں دخل اندازی فرماتے آں حضرت کو عرصہ کے بعد اپنی ایک رفیقۂ حیات کے ساتھ رہن سہن کا اتفاق ہوا جسے آں حضرت نے بہت غنیمت سمجھا اور جیسا کہ آپ سے متوقع ہو سکتا ہے ام المومنین عائشہ کے ساتھ اسی حسن معاشرت سے نباہ ہونے لگا۔

ام المومنین جناب سودہ بھی مکہ سے ہجرت فرما کر تشریف لا چکی تھیں بی بی عائشہ کو انہی کے حجرہ میں اتارا گیا جو مسجد کے قریب ہی تھا۔

فرضیت زکواۃ و روزہ اور حدود : اسی اثنا میں جب کہ مسلمانوں کو امن و عافیت سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ ملا (نماز کے ساتھ جو پہلے سے واجب ہو چکی تھی : م:) زکواۃ ، روزہ اور حدود (تعزیرات) بھی فرض کر دئے گئے اور مدینہ میں اسلام کی شوکت سے ایک سماں بندھ گیا۔

ترویج اذان : جس زمانہ میں رسول اللہ مدینہ تشریف لائے مسلمان ادائے نماز کے لئے کسی اعلان یا منادی کے بغیر جمع ہو جاتے اور مل کر نماز پڑھ لیتے آخر رسول خدا کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ مسلمانوں کو نماز کے لئے جمع کرنے کے لئے یہود کی مانند ہم بھی بوق سے کام لے سکتے ہیں مگر یہ خیال فوراً ترک کر کے ناقوس تجویز فرمایا کہ نصاریٰ جس سے اپنی عبادت کے لئے اعلان کرتے ہیں لیکن حضرت عمر اور دوسرے مسلمانوں کے مشورے سے اسے بھی ترک فرما دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وحی الٰہی کے اشارے سے ناقوس سے توجہ ہٹا لی اور اذان پسند فرمائی گئی جس کے لئے آں حضرت صلوات اللہ علیہ نے عبداللہ (بن زید بن ثعلبہ) کو حکم دیا۔

قم مع بلال! فالقہا علیہ اے صیغہ الاذان فلیوذن بھا فانہ اندی صوتاً منك

اے عبداللہ! بلال سے کہیے وہ اذان کہیں اور آپ ان کے قریب کھڑے ہو کر کلمات (اذان) دہراتے جائیں تمہاری آواز کے مقابلے میں بلال کی آواز زیادہ گونج دار ہے

مکبر مسجد نبوی سے خارج تھا : مسجد نبوی سے ملحق قبیلۂ نجار کی ایک بی بی کا دولت کدہ تھا اور یہ مسجد سے اونچا تھا - جناب بلال نے اس چھت پر کھڑے ہو کر اذان پکاری - اسی طرح یثرب کے باشندے ہر فجر کو اسلام کی دعوت اذان کی صورت میں سنتے - ایک خوش گو شخص سے جو نہایت رسیلی آواز میں رک رک کر اذان کے کلمات ادا کرتا اور فضا میں گھومنے والی لہریں ان کلمات کو یثرب میں ہر شخص کے کانوں تک لے جاتیں -

اذان : اللہ اکبر ، اللہ اکبر ! اشهد ان لا الہ الا اللہ ، اشهد ان محمد رسول اللہ! حی علی الصلوۃ! حی علی الفلاح ! اللہ اکبر ، اللہ اکبر ! لا الہ الا اللہ ! ان طریقوں سے مسلمانوں کے دلوں سے اپنے عقیدہ اور عمل کے متعلق دوسروں کا خوف زائل ہوتا گیا تا آنکہ یثرب کا نام مدینہ الرسول سے شہرت پذیر ہوا اور شہر کے غیر مسلم باشندوں کو یقین ہو گیا کہ یثرب میں رہنے والے مسلمان طاقت ور قوم ہیں اور ان کی طاقت کا مدار ان کے ایمان پر ہے جس ایمان کی حفاظت میں وہ ہر وقت سینہ سپر ہیں جیسا کہ ان کی ہجرت سے قبل کی زندگی کے واقعات غیر مسلم اہل یثرب کے سامنے تھے یثرب میں ان کا سکون و طمانیت اسی ضبط و استقامت کا ثمرہ تھا جو انہوں نے اس راہ میں دکھایا مسلمانوں کے ذہن میں نقش ہو چکا تھا کہ کسی انسان کو دوسرے انسانوں پر کوئی برتری نہیں پرستش صرف خدائے یکتا و بے مثل کے لئے سزاوار ہے تمام انسان اس کے سامنے بے حقیقت ہیں سواء ان لوگوں کے جنہوں نے حسن نیت کے ساتھ اپنے کردار کو نمایاں کر دکھایا -

اس وقفہ میں رسول اللہ کو تعلیم پوری آزادی کے ساتھ پھیلانے کا موقعہ مل گیا خصوصاً اپنے کردار سے ، جو آپ کی گفتار کا کامل نمونہ تھا اور جسے آپ تمدن اسلام کی اساس قرار دینا چاہتے تھے -

اسلامی تمدن کی بنیاد مساوات قرار دی : رسول اللہ نے اسلامی تمدن کی بنیاد مساوات قرار دی اور فرمایا - '

لایومن احد کم　　　تم میں سے کسی شخص کا ایمان اس کے بغیر کامل نہیں
حتی یحب لاخیہ　　　ہو سکتا کہ وہ دوسرے بھائی کی خیر خواہی اپنے نفس
ما یحب لنفسہ (حدیث)　　　کی ہمدردی کے برابر کرے

یہاں تک کہ آپ نے اسی مساوات میں ایسی مہربانی اور لطف کی تعلیم فرمائی جس میں کسی قسم کی تکلیف و زحمت کا احساس نہ ہو ایک شخص نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ اسلام میں پسندیدہ عمل کونسا ہے - فرمایا

تطعم الطعام و تقرء السلام　　　حقداروں کے لئے غذا کی بہم رسانی
علی من عرفت و من لم　　　اور شناسا و غیر شناسا ہر ایک کے لئے
تعرف (حدیث)　　　تقدیم اسلام !

مدینہ منورہ میں پہلے خطبہ کا ایک حرف

من استطاع ان یقی وجہہ من النار　　　جو شخص چاہے خود کو نار جہنم سے
و لو بشقہ فلیفعل و من لم یجد فبکلمتہ　　　بچا سکتا ہے اگرچہ کھجور کے ایک

فان بها تجزی الحسنۃ عشرہ امثالھا
(حدیث)

دانہ سے یہ بھی نہ ہو تو ایک میٹھا بول ہی سہی ہر ایک نیکی کا اجر (۱۰) گنا ملے گا۔

اور یثرب کے دوسرے خطبہ میں فرمایا

اعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً و اتقوہ حق تقاتہ و اصدقوا اللہ صالحاً ما تقولون و تحابوا بروح اللہ بیاکم ان اللہ یغضب ان ینکث عھدہ (حدیث)

صرف ایک خدا کی عبادت کرو اس طرح کہ کسی اور کو اس کا شریک نہ گردانو! اس ذات یکتا سے پوری طرح ڈرتے رہو اور اس کی راہ میں صداقت کو ہاتھ سے نہ دو خدا کی رضا طلبی کے لیے باہم محبت کرو خدا تعالیٰ اس شخص پر غضب ناک ہوتا ہے جو اس کے عہد کو توڑ ڈالے

رسول اللہ اپنے اصحاب کو اسی قسم کی ہدایات فرماتے۔

خطبہ کا انداز قیام: آنحضرت صلعم قیام مدینہ کے اوائل میں مسجد میں خطبہ فرماتے۔ صورت قیام یہ تھی کہ مسجد کے دالان میں ستون تھا اس کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو جاتے بعد میں منبر بنایا گیا جس کے (۳) درجے تھے نیچے کے درجہ پر کھڑے ہوتے اور نشست کے موقعہ میں دوسرے درجہ پر بیٹھ کر تیسرے سے ٹیک لگاتے۔

پہلے عرض کیا گیا ہے کہ صرف وعظ و ارشاد و ہدایت و دعوت ہی عوام میں تبلیغ کے اسباب نہ تھے بلکہ خود آنحضرت کی زندگی کا ایک ایک نقش تبلیغ کا جامع اور کامل ترین نمونہ تھا مبعوث من اللہ ہونے کے باوجود دوسروں کے مقابلہ میں تفوق و برتری کے خواہاں نہ تھے۔ ایک مرتبہ اسی بارے میں فرمایا

لا تطرونی کما
اطرت النصاریٰ
ابن مریم انما
انا عبد اللہ
فقولوا عبداللہ
و رسولہ

جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کر کے انہیں کہیں سے کہیں پہنچا دیا مبادا میرے متعلق بھی تم یہی وطیرہ اختیار کرو نہیں! نہیں! میں اللہ کا بندہ ہوں میرا تذکرہ کرتے ہوئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو

ایک روز دولت خانہ سے عصا پر ٹیک لگاتے ہوئے تشریف لائے اصحاب دیکھتے ہی استقبال کے لئے سرو قد کھڑے ہو گئے۔ فرمایا

لا تقوموا کما تقوم
الاعاجم یعظم
بعضھم بعضاً

ایک دوسرے کے استقبال میں
عجمیوں کی طرح کھڑے ہو جانا
اچھا نہیں ایسا مت کرو

مساوات قائم رکھنے کے لئے اصحاب کے ساتھ مزاح: رسول اللہ مجلس میں تشریف لاتے تو وسط حلقہ میں پہنچنے کی بجائے جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے کبھی کبھی اصحاب کے ساتھ مزاح بھی فرماتے ان کی گفتگو میں بھی شریک ہو جاتے کم سن

بچوں کے ساتھ ان کی کھیل میں حصہ لیتے اور بچوں کو گود میں بھی بٹھا لیتے عوام کے ساتھ حسن سلوک اشراف و غلام اور کنیز یا مسکین جو شخص بھی آپ سے گفتگو کرنا چاہتا خندہ پیشانی سے پیش آتے شہر میں دور سے دور فاصلے پر تیمارداری کے لئے تشریف لے جاتے۔ دوسروں کی طرف سے دعوت قبول کرنے میں تامل نہ ہوتا ملاقات کے وقت خود ہی تقدیم سلام و مصافحہ فرماتے۔ نماز میں مشغول ہیں اور کوئی شخص قریب آ کر بیٹھ گیا اس خیال سے کہ بیٹھنے والے کی کوئی ضرورت نہ ہو! نماز میں تخفیف فرما کر اس سے دریافت فرماتے اور اس کی ضرورت پوری کرنے کے بعد پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ نزول وحی، تذکیر اوقات خطبہ کے سوا ہمیشہ عوام سے کھل کر باتیں کرتے رہتے۔

گھریلو زندگی: اپنے اہل کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے اپنی پوشاک خود دھو لیتے' پیوند لگانا ہوتا تو اپنے ہاتھ سے اسے رفو کرتے' بکری کا دودھ دوھتے، پاپوش سی لیتے، اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرتے اسی طرح اپنی ناقہ کو خود باندھتے خادم کے ساتھ ایک برتن میں کھا لینے میں تکلف نہ رہا تھا اپنے گھر کی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے اگرچہ خود کتنی ہی تکلیف برداشت کرنا پڑتی گھر میں کسی شے کا اندوختہ نہ رکھتے اور تو اور وفات کے بعد معلوم ہوا کہ سیدالمرسلین اپنی زرہ بکتر گھریلو ضروریات کے لئے ایک یہودی کے ہاں گرو فرما چکے تھے۔

تواضع اور مکافات کا یہ عالم کہ نجاشی کی طرف سے ایک وفد حاضر ہوا تو ان کی خدمت گاری کا بار اپنے ذمہ رکھا جب اصحاب نے اس کے لئے اپنی خدمات پیش کیں تو فرمایا

انہم کانوالاصحابنا	اہل حبشہ نے میرے اصحاب پر کرم
مکرمین وانی احب ان	فرمایا میں اس مہربانی کا معاوضہ
اکا فیہم	پیش کرنا چاہتا ہوں!

سیدہ خدیجہ کا ذکر خیر: ام المومنین خدیجہ کی وفات کے بعد ان کا تذکرہ آ جاتا تو نہایت عمدہ پیرائے میں سیدہ کے محاسن بیان فرماتے جس پر حضرت عائشہ فرمایا کرتیں

ما غرت من امراۃ	رسول اللہ کی زبان سے بی بی خدیجہ کی
ما غرت من خدیجۃ	تعریف سن کر مجھے جس قدر رشک آتا
لما کنت اسمعہ یذکرھا	کبھی کسی اور حرم رسول پر ایسا رشک نہ آتا

ایک بی بی حاضر ہوئیں، رسول اللہ نہایت تواضع سے پیش آئے اور ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا ”یہ بی بی خدیجہ کے ہاں آیا کرتی تھیں پرانے تعلقات کا نباہ ایمان کی علامات سے ہے“ ملاطفت کی حد ہو گئی!

بچوں کے ساتھ ملاطفت! ادائے نماز کے دوران میں آپ کے نواسے آپ کے ساتھ کھیلتے رہتے اور (آپ ان سے) تعرض نہ فرماتے ایک مرتبہ جناب زینب کی دختر امامہ کو کندھے پر بٹھا کر نماز کی نیت باندھ کر قیام فرما لیا اوز سجدہ میں جاتے ہوئے اس بچی کو زمین پر بٹھا دیا

حیوانات کے ساتھ حسن سلوک: بے شک آں حضرت نے انسانوں کے درمیان برادری اور اخوت میں ایک همه گیر معاشره کا آغاز فرمایا مگر آپ کے لطف وکرم کا موردصرف انسان هی نه تھا بلکه حیوانات بھی اس سے مستفید هوتے۔ بلی پناه لینے کے لئے دروازه هلاتی تو خود اٹھ کر اس کے لئے کواڑ کھولتے ایک مرتبه پالتو مرغ بیمار پڑ گیا اور اسکی دیکھ بھال فرماتے رہے اپنی سواری کے استین کی پشت آستین سے سہلایا کرتے۔ جب ام المومنین عائشه نے اپنے ناقه کو سختی سے هانکنا چاها تو فرمایا "علیک بالرفق! (اس سے نرم سلوک کیجئے !) اسی طرح هر وه شخص جسے آپ سے سابقه پڑتا آپ کے لطف و عنایات کا مورد هوتا۔

رحمت دو عالم کی اس مهربانی و لطف کا باعث نه تو آپ کی زبون حالی، درماندگی تھی نه اس میں تکلف و تصنع کا دخل تھا۔ یه الله والوں کی اس برادری کا حال ہے جس میں خود جناب رسالت مآب اور آپ کے دامن سے وابسته اشخاص منسلک و عنایات کا مورد هوتا۔

تمدن اسلامی کی بنیاد دوسری قوموں کے تمدن سے مختلف ہے۔ اسلام ایسے تمدن سے تعبیر ہے جس میں عدل پر اخوت کو التوا کیا گیا ہے۔

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم (۲ : ۱۹۴)	اگر کوئی شخص تم پر زیادتی کرے تو اس زیادتی کے برابر تم اس سے بدله لے سکتے هو

اور

ولکم فی القصاص حیوٰة یا اولی الاالباب (۲ : ۱۷۹)	اے ارباب دانش جان کے بدلے میں جان لینا معاشره میں زندگی کی اهمیت رکھتا ہے

اخوت اور باهمی احسان و مراعات کا مدار رضائے الٰهی کی طلب پر هونا چاهئے اور اس قسم کے خصائل و اطوارکاصدور ایسے شخص کی طرف سے مشاهده میں آنا چاهئے جس (شخص) کا شعار و وثار تقویٰ و پرهیزگاری هو رسول الله اور آپ کے اصحاب کا هجرت سے مقصد قریش مکه کی آزار دهی سے نجات حاصل کرنا تھا تا که قریش کے دباؤ سے نکل کر ایسی آزادی سے بسر کریں جس میں کسی مومن کا نفس اس پر غلبه حاصل نه کرسکے۔ نفس پر خواهشات کا غلبه مادیت کی طرف مائل کر دیتا ہے جس کی وجه سے عقل پر شهوت چھا جاتی ہے اور اس کے نتیجه میں زندگی کا رخ اصل مقصد سے هٹ جاتا ہے اگر هم غور کریں تو انسان طبعاً نفسانی خواهشات سے بے نیاز ہے بلکه اس کی خواهشیں خود اس کے زیرنگیں هیں۔

رسول الله کی قوت حیات: آنحضرت صلوات الله علیه اس قسم کے کردار کا نمونه نه هوتے تو اپنی دولت اس طرح نه لٹایا کرتے، که ایک شخص نے آپ کی جود و سخا دیکھ کر کہا

ان محمداً یعطی عطاءً و من
لا یخشی فاقہً

رسول اللہ کو تو عطاءو جود کے موقعہ پر
اپنے فقر و فاقہ کا خیال بھی نہیں رہتا !

میں کہتا ہوں سرور کائنات پر خواہش کا غلبہ ہی کیوں ہوتا آپ تو خواہشات پر قادر و حکم فرما تھے ان معنوں میں کہ آپ کو مادیات سے رغبت ہی نہ تھی اور اس صفت کی بجائے یہ خوبی آپ کی ذات میں کار فرما تھی کہ آپ ہر لمحہ اشیاء کے اسرار پر اور ادراک و احاطہ فرمانے میں لگے رہتے لیکن مادیات سے لگاؤ میں بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ بہت کچھ ممکن ہونے کے باوجود!

ا ۔ بستر میں چمڑے کی توشک تھی جس میں کھجور کی پتیاں بھری ہوتی تھیں

ب ۔ شکم سیر ہو کر کھانا جانتے ہی نہ تھے

ج ۔ متو اتر دو روز تک جو کی روٹی بھی دستر خواں پر نہ آنے پاتی

د ۔ عام غذا میں کھجوریں ہوتیں اور تکلفً کے موقع پر ستو !

ھ ۔ ثرید (شوربے میں ڈوبی ہوئی روٹی) جناب رسالت مآب اور آپ کے اہل و عیال کو کم تر نصیب ہوتا !

و ۔ اکثر فاقہ کی نوبت آ جاتی جس کی وجہ سے بارہا شکم پر پتھر کی سلوٹی باندھ لیتے

اشتہا کے غلبہ سے نجات حاصل کرنیکے لئے یہ (ازالف تا واؤ) تو آنحضرت صلعم کے عام معمول میں تھا البتہ کبھی کبھی ان سے بہتر غذا بھی تناول فرماتے مثلاً برہ کی ران ، کدو ، شہد اور حلوا

کیفیت پوشاک : سادگی و تقلیل صرف طعام و غذا ہی میں نہ تھی یہی انداز پوشاک میں بھی تھا کسی بی بی نے آپ کی ضرورت دیکھ کر ایک چادر پیش کی اسی وقت ایک صاحب نے وہ چادر اپنی میت کے کفن کی غرض سے طلب کر لی اور آپ نے بلا تامل عنایت فرما دی ۔

لباس میں ایک قمیض اور اون یا سوت یا سنی (ٹاسہ) کی چادر اور ایک یمنی قبا جسے صرف وفود سے ملاقات کے موقعہ پر استعمال فرماتے چمڑے کا سادہ جوتا (البتہ نجاشی نے ایک سکلف جوتا اور سراویل (از قسم) شلوار ہدیۃً پیش کئے کبھی کبھی انہیں بھی استعمال فرمالیتے اگرچہ اس قسم کا زہدو تقوی دینی فرائض میں داخل نہیں۔

۱ ۔ کلوا من طیبات ما رزقنا کم (۲۰ : ۸۱) ہمارے عطایا میں سے پاکیزہ چیزوں کا استعمال کیا کرو !

۲ ۔ وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرہ
ولا تنس نصیبک من الدنیا و
احسن کما احسن اللہ الیک
(۲۸ : ۷۷)

۲ ۔ نعمائے الٰہی کے استعمال میں قیامت کو فراموش کر کے ان کا بے جا استعمال نہ کرو اس کے ساتھ ہی دنیا کی نعمتوں میں اپنا مناسب حصہ بھی ترک مت کر دوا دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے وقت خود پر اللہ کے احسانات کا تصور کر لیا کرو!

اور حدیث میں ہے
احرث لدنیا ک
کانک تعیش ابدا
واعمل الاخر تک

دنیا سے جائز نفع مندی کے موقعہ پر یہ تصور رکھو کہ تمہیں ہمیشہ زندہ ہی رہنا ہے ! مگر آخرت کے لئے بھی یہ نہ بھولو کہ کل

کانکٔ تموت غدا

تمہارے مرجانے کا دن ہے

رسول اللہ کا منشا اس کردار سے لوگوں کے سامنے ایسی مثالی زندگی پیش کرنا تھا جس میں انسان پر ضعف و نامرادی غالب نہ ہو سکے اور متاع و زینت جاہ و منصب جو عام حالات میں غیر مقبول لوگوں کی برتری کا ذریعہ ہیں مسلمان کے دل میں ان کا شوق نہ ابھرنے پائے۔

جب معاشرہ اس حد تک سر بلند ہو جائے جس حد تک جناب محمد صلعم نے اسے اپنے عمل سے رفعت بخشی اور جو ایسے خلوص و یگانگت پر قائم ہے جس میں کسی ریا و فریب کی الائش تک نہیں جہاں عدل و محبت دونوں کو ایک دوسرے سے کمک حاصل ہوتی ہے اور انسان طبعاً عدل و محبت دونوں کا حریص ہے اسلام میں بھی عدل و محبت لازم و ملزوم ہیں جن کے بعد عفو کا درجہ ہے لیکن ایسی عفو جس سے قبل عدل و انصاف قائم کرنے کی مقدرت ہو تاکہ مہر و عفو کا استعمال اسی طرح اپنے محل و موقعہ پر ہو سکے جس سے باہمی اصلاح صحیح انداز میں سر انجام پائے رسول اللہ نے جو معاشرہ قائم فرمایا اسے حضرت علی کی روایت میں ملاحظہ فرمایا جائے جب کہ انہوں نے آنحضرت صلعم سے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی سنت کیا ہے ؟ (تو فرمایا)

المعرفتہ راس مالی والعقل
اصل دینی والحب اساسی
والشوق مرکبی و ذکر اللہ
اتیسی والثقتہ کنزی والحزن
رفیقی والعلم سلاحی
والصبر ردائی والرضاو غنیمتی
والفقر فخری والزہد فتی
والیقین قوتی والصدق
شفیعی والطاعتہ حسبی
والجہاد خلقی و قرتہ عینی
فی الصلوتہ

میری دولت معرفت ہے میرے دین کی بنیاد عقل پر ہے، محبت میرے کام کی اساس ہے شوق میرا مرکب (سواری) ہے خدا کی یاد میری ہمدم ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، غم رفیق زندگی ہے، علم اسلحہ ہے، صبر چادر ہے، رضا مال غنیمت ہے، فقر فخر ہے، زہد میری صنعت ہے یقین میرے دست و بازو ہیں، صداقت میری شافع ہے، عبادت میرے لئے سبب کفائیت ہے، جہاد میری فطرت میں مضر ہے اور نماز میری تسکین قلب ہے

یہود مدینہ کا ابتدائے فریب: مدینہ اور اس کے نواح میں جناب محمد صلوات اللہ علیہ کی تعلیم نے دلوں کو گرما دیا لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوتے گئے اہل مدینہ کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی یہود کو رسول اللہ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں از سر نو اپنے موقف کی فکر لاحق ہوئی باوجودیکہ وہ ابھی ابھی رسول اللہ سے معاہدہ کر چکے تھے (ص : ۴۸۸) جس میں ان کا دلی مقصد یہ تھا کہ جس طرح ہو سکے مسلمانوں کی کمک پر اپنے قدیم عیسائی حریفوں سے انتقام لیا جائے (لیکن جب ان کی یہ مراد حاصل نہ ہوئی تب!) ادھر یہود و نصاری دونوں کی مشترکہ جمیعت کے مقابلہ میں بھی مسلمان زیادہ طاقتور ہو چکے تھے اور ان کی قوت و شوکت دن بدن ترقی پذیر تھی

رسول اللہ کا قریش مکہ اور یہود مدینہ کے سلوک میں موازنہ: ادھر رسول خدا جب ماضی پر غور فرماتے کہ ان کے اور مسلمانوں کے ساتھ قریش مکہ نے کیا رویہ اختیار

کیا! مجھے اور میرے رفقا کو وطن سے نکال کر مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دی ! کس طرح بعض مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہوتے رہے . . . . اور یہاں پہنچ کر آنحضرت صلعم کا تصور یہود (مدینہ) کی طرف یوں منتقل ہو جانا کہ یہ لوگ قریش کی مانند اسلام کی ترویج میں سد راہ ہو کر دین الٰہی کے روحانی اثر و نفوذ کو مٹانے میں پیش قدمی کریں گے یا مسلمانوں کے سائے میں رہ کر یک سوئی کے ساتھ اپنی تجارت و ثروت کے فروغ میں لگے رہنا غنیمت سمجھ لیں گے ؟ مگر یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب انہیں اپنے اندر اسلام کی دعوت کے اثر و نفوذ کا خطرہ نہ ہو

رسول اللہ کو یہ خیال بھی گذرتا کہ "وانہیں میری نبوت پر کیسے یقین آئے گا جب کہ انہوں نے یہی گرہ باندہ رکھی ہے کہ بنی اسرائیل کے سوا کسی اور قوم میں نبوت منتقل نہیں ہو سکتی۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام: ادھر یہود مدینہ کے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن سلام نے سیدالمرسلین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اظہار فرمایا اور جب اپنے تمام گھربار والوں کو بھی مشرف بہ اسلام کر چکے تب حضرت ابن اسلام نے ان (یہود) کی تہمت تراشی سے ڈر کر رسول اللہ سے عرض کیا کہ میرا اسلام ظاہر کرنے سے قبل میرے متعلق یہود کی رائے دریافت فرما لیجیئے جب یہ وقت آیا تو یہود کی ایک پوری منڈلی نے جناب ابن سلام کے متعلق بیک زبان کہا کہ

سید نا و ابن سید نا و حیرنا وعالمنا ؟	وہ خود ہمارا سردار ہے اس کا باپ بھی ہمارا سردار تھا اور وہ ہمارے ہاں علامہ دوران ہے :

مگر جونہی حضرت عبد اللہ نے ان کے سامنے آکر اپنے مشرف بہ اسلام ہو جانے کا اظہار کیا یہودیوں کے دل میں اپنے جماعتی وقار کے متعلق طرح طرح کے خدشات پیدا ہونا شروع ہوئے انہوں نے ابن سلام کو برملا صلواتیں سنائیں۔ شہر کے ہر یہودی قبیلہ میں عبداللہ کی مذمت ہونے لگی یہودیوں کی یہ روش دیکھ کر مدینہ کے مشرک اور قبیلۂ اوس وخزرج کے منافقیں بھی یہود کے قدموں میں آگرے تاکہ یہود کے سائے میں مسلمانوں پر یلغار سے اول مال غنیمت ہاتھ آئے گا نہ سہی اپنے اہل قرابت اور شجاعت پیشہ دلاوروں کے دوش بدوش (مسلمانوں کے ساتھ) لڑائی کرنے سے داد تو حاصل ہوگی :

رسول اللہ کے ساتھ یہود اور مشرکین کے مجادلے: یہود مدینہ آستینیں چڑھا کر رسول اللہ کے سامنے اس شدت سے مجادلہ پر اتر آئے جس کے سامنے قریش مکہ کے مظالم بھی گرد تھے۔ انہوں نے ہر قسم کے فریب و دجل کے ساتھ انبیائے سابقین کی تعالیم سے ایسی پیشین گوئیاں وضع کر لیں جو رسول اللہ کے منصب رسالت پر متعرض ہو سکتی تھیں۔ وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ آپ کے دوستداران مہاجر و انصار کو بھی اس قسم کے سوالات سے پریشان کرنے میں کوتاہی نہ کرتے (انہوں نے) مدینہ ہی کے رہنے والے ایسے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا جو منافق تھے اور مصنوعی اتقا و پرہیزگاری کے اظہار میں اسلام کا سوانگ بھر رکھا تھا آج سے وہ بھی یہود کو دیکھ کر مسلمانوں کے سامنے اسلام پر اعتراض کرنے لگے ان تمام طائفوں کا مقصد ایک

ہی تھا مسلمانوں کے دلوں میں خدا اور اس کے رسول پر اعتماد میں تزلزل پیدا کرنا !

یہود کی کمک میں قبیلہ اوس و خزرج کے وہ لوگ بھی شریک ہوگئے جو منافقانہ طور پر بنے تو مسلمان ہوئے تھے مگر دل میں کھلے ہوئے منکرین سے زیادہ اسلام سے دور تھے !

یہود کا مسلمات تورات سے انکار : یہود نے اس رقابت میں اپنی مقدس کتاب (تورات) کے مسلمات سے بھی انکار کر دیا باوجودیکہ یہ تمام گروہ (یہود و مشرکین اور منافقین) خدا کی ہستی پر ایمان کے دعویٰ میں پیش پیش تھے حتیٰ کہ ان میں بت پرست خدا کو بھی مانتے مگر بتوں کو بھی اس کے قرب کا ذریعہ سمجھنے پر مصر تھے بایں ہمہ ان سب نے مل کر رسول خدا سے دریافت کیا کہ اللہ نے تو سب مخلوقات پیدا کی مگر اس کو کس نے پیدا کیا ! جس کا جواب رسول اللہ نے انہیں وحی الٰہی کی زبان سے ان لفظوں میں دیا

قل هو الله احد الله لصمد	ان سے کہ دیجئے کہ خدا یکتا و بے نیاز ہے
لم یلد ولم یولد ولم	ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولا
یکن له کفواً احد	اور نہ اس کا کوئی همسر ہے !

(۱۱۲ : ۱-۴)

رفتہ رفتہ مسلمان ان حاسدان اسلام کی روش سے آگاہ ہوئے اسی دوران میں ایک روز ان میں سے چند فریب کار مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے دبی زبان سے اسلام پر شکوک ظاهر کر رہے تھے رسول اللہ نے دیکھا تو انہیں مسجد سے نکلوا کر باھر کر دیا لیکن یہ دشمن ایسی ھلکی زجرو توبیخ سے کب متاثر ہونے والے تھے !

ایک روز شاس بن قیس (یکے از دشمنان اسلام) نے دیکھا کہ (مسلمانوں میں سے) اوس و خزرج یک جا بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں اس کے کلیجے کا ناسور ابھر آیا شاس نے دل میں کہا آج بنی قیلہ اس طرح شیر و شکر ہیں کہ ہمیں ان کے ساتھ بیٹھنے کی ہمت نہیں ہو سکتی ! یہ غضب؟ اس نے ایک زبان دراز یہودی نوجوان کو بہکایا کہ کسی ایسے موقعہ پر وہ ان میں اوس و خزرج کی اس جنگ یعنی بعاث کو پھر ابھار سکے جس میں اوس نے خزرجیوں کو دبا کر انہیں ان کے گھروں میں بند کردیا تھا۔

اور یہودی نوجوان نے یہ موقعہ پیدا کر ہی لیا چشم زدن میں دونوں قبیلوں کے نوجوانوں کا خون کھول اٹھا ایک دوسرے پر تفاخرواتہام کا سیلاب امڈ آیا ایک شخص نے تو یہاں تک للکارا کہ ”اگر ارمان باقی ہو تو ہماری طرف سے کوتاہی نہ ہوگی،،

یہ خبر رسول خدا تک پہنچی اور آپ فورا موقع پر تشریف لائے اسلام کی خوبیوں کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ دلی پیوند پر تلقین فرماتے رہے یہ وعظ دیر تک جاری رہا سننے والوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کے تار بندھ گئے اور فرط محبت سے ایک دوسرے کو گلے لگا لیا۔

رسول خدا کے ساتھ یہود کا یہ مجادلہ اس حد تک آ پہنچا کہ قرآن مجید نے بھی سورہ بقر کی مسلسل کئی آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور اسی مجادلہ کی وہ حکایت سورہ نساء میں فرمائی گئی ان آیتوں میں اہل کتاب (نصاری و یہود ہر دو)

کا ان کی اپنی اپنی کتابوں کے مطابق رسول اللہ کی رسالت سے انکار کے احکام کے مطابق ان پر لعنت کا ذکر تک مذکور ہے۔

و لقد اتینا موسی الکتب و قفینا من بعدہ بالرسل و اتینا عیسی ابن مریم البینت و ایدنہ بروح القدس افکلما جاء کم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم ففریقاً کذّبتم و فریقاً تقتلون ۰ و قالوا قلوبنا غلف بل لعنھم اللہ بکفرھم فقلیلاً ما یومنون و لما جآ ھم کتب من عند اللہ مصدق لما معھم و کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین

(۲:۸۷ تا ۸۹)

اور ہم نے (تمہاری رہنمائی کے لئے پہلے) موسیٰ کو کتاب دی پھر موسیٰ کے بعد ہدایت کا سلسلہ پے در پے رسولوں کو بھیج کر جاری رکھا بالآخر مریم کے بیٹے عیسی کو سچائی کی روشن نشانیاں اور روح القدس کی تائید سے ممتاز کیا لیکن ان میں سے ہر دعوت کی تم نے مخالفت کی۔ پھر کیا تمہارا شیوہ ہی یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کا کوئی رسول ایسی دعوت لے کر آئے جو تمہاری نفسانی خواہشات کے خلاف ہو تو تم اس کے مقابلے میں سرکشی کر بیٹھو کسی کو جھٹلاؤ اور کسی کو قتل کر دو۔

اور (یہ لوگ اپنے جمود اور بے حسی کی حالت پر فخر کرتے ہیں اور) کہتے ہیں ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں (یعنی اب کسی نئی بات کا اثر ان تک پہنچ نہیں سکتا حالانکہ یہ اعتقاد کی پختگی اور حق کا ثبات نہیں ہے) بلکہ انکار حق سے تعصب کی پھٹکار ہے (کہ کلام حق سننے اور اثر پذیر ہونے کی استعداد ہی کھو دی) اور اسی لئے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ دعوت فکر سنیں اور قبول کریں چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اللہ کی طرف سے ان کی ہدایت کے لیے ایک کتاب نازل ہوئی اور وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی تھی جو پہلے سے ان کے پاس موجود ہے تو باوجودیکہ وہ (تورات کو پیشین گوئیوں کی بنا پر اس ظہور عظیم کے منتظر تھے اور) کافروں کے مقابلے میں اس کا نام لے کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے تھے لیکن جب وہی جانی بوجھی ہوئی بات سامنے آ گئی تو صاف انکار کر گئے پس ان لوگوں کے لئے جو (جان بوجھ کر) کفر کی راہ اختیار کریں اللہ کی لعنت ہے (یعنی ایسوں پر فلاح و سعادت کی راہ کبھی نہیں کھلتی) (ابوالکلام)

فنحاص (یہودی اور ابوبکر صدیق) : باوجود باہمی معاہدہ (مذکورۂ بالا) کے مسلمان اور یہود کا مناقشہ اس حد تک آ پہنچا کہ فریقین میں آویزش ہونے لگی جیسا کہ جناب ابوبکر اور ایک یہودی فنحاص کا معاملہ ہے جناب ابوبکر کس قدر رقیق القلب تھے لیکن فنحاص کی زبان درازی پر ایسا شخص بھی قابو میں نہ رہ سکا وہ اسے تبلیغ کر رہے تھے مگر اس نے جواب میں کیا کہا ! دوائے ابوبکر ! اگر ہم اللہ کے محتاج ہوتے تو ایک بنتی سی بات تھی مگر تمہارا صاحب تو یہ فرماتا ہے کہ !

من ذا الذی
یقرض اللہ قرضا
حسنا فیضٰعفہ
لہ اضعافا کثیرہ ط (۲ : ۲۴۵)

کون ہے جو (انسان کی جگہ خدا سے معاملہ کرتا ہے اور) خدا کو خوش دلی کے ساتھ قرض دیتا ہے تا کہ خدا اس کا قرض دو گنا سہ گنا زیادہ کر کے ادا کرے؟ (یعنی مال حقیر راہ حق میں خرچ کر کے دین و دنیا کی بے شمار برکتیں اور سعادتیں حاصل کرے؟) (ابوالکلام آزاد)

فنحاص نے کہا ”خدا الٹا ہمارے آگے اس طرح ہاتھ پھیلاتا ہے کہ جیسے ہم تو نگر ہیں اور وہ فقیر ہے پھر وہ ہمیں تو سود خواری سے منع کرتا ہے مگر خود سود دینے کا وعدہ فرما رہا ہے؟ ” ابوبکر اس کی یاوہ گوئی پر ضبط نہ کرسکے اس کے منہ پر طمانچہ رسید کرتے ہوئے فرمایا ” اے دشمن خدا! اگر تم لوگوں سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا ـ فنحاص نے یہ شکایت رسول اللہ سے کی مگر اپنی یاوہ گوئی کا ذکر حذف کر دیا اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی

لقد سمع اللہ
قول الذین
قالو ان اللہ
فقیر و نحن
اغنیاء سنکتب
ما قالو و قتلھم
الانبیا بغیر
حق و نقول
ذوتو عذاب
الحریق (۳ : ۱۸۱)

بلا شبہ اللہ نے ان لوگوں کا کہنا سن لیا ہے جنہوں نے یہ بات کہی کہ ”اللہ محتاج ہے اور ہم دولتمند ہیں“ (کہ بار بار اس کے نام پر ہم سے مال طلب کیا جاتا ہے) سو قریب ہے کہ جو بات انہوں نے کہی ہے ہم ان کے لئے لکھ دیں (یعنی بہ انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت کی ہنسی اڑاتے ہیں اور خدا کو محتاج کہتے ہیں تو عنقریب اس کی پاداش میں یہ خود محتاج اور تباہ ہو جائیں گے اور ان کا نبیوں کو نا حق قتل کرنا) کہ ان کے نامہ اعمال کی سب سے بڑی شقاوت ہے) اور (اس وقت جب اس شقاوت کا نتیجہ پیش آئے گا تو) ہم کہیں گے اب (پاداش عمل میں) عذاب جہنم کا مزا چکھو!

یہود مدینہ کی فریب کاری یہیں تک محدود نہ تھی کہ مہاجرین و انصار میں پھوٹ ڈلوا کر مسلمانوں کو کمزور کر دیا جائے یا اوس و خزرج کو اسلام سے ہٹا کر بت پرستی پر لگا دیں وہ رسول اللہ کو بھی فریب میں لانے کے لئے نئے نئے منصوبے سوچتے رہتے -

ایک مرتبہ (ان کے) علما اور سرداروں کے وفد نے آنحضرت صلعم کو یہ چکمہ دیا کہ ”قوم میں ہمارا جس قدر وقار ہے آپ بھی اسے جانتے ہیں اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو تمام یہودی آپ کے پیرو ہو جائیں گے وہ لوگ ہماری مخالفت کر ہی نہیں سکتے لیکن ہمارا اپنے ایک گروہ کے ساتھ تنازع ہے دونوں فریق یہ مقدمہ آپ کے پاس لائیں گے اگر آپ ہمارے حق میں فیصلہ کر دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے“ یہ آیت اسی باب میں نازل ہوئی

و ان احکم بینھم

اور (اے پیغمبر) ہم نے تمہیں حکم دیا کہ جو

بما انزل اللہ ولا
تتبع اھوآءھم
واحذرھم ان
یفتنوک عن بعض
ما انزل اللہ الیک
فان تولوا فاعلم
انما یرید اللہ ان
یصیبھم ببعض
ذنوبھم و ان کثیرا
من الناس لفاسقون
افحکم الجاھلیۃ
یبغون و من احسن
من اللہ حکما لقوم یوقنون (۵ :۴۹ - ۵۰)

کچھ خدا نے تم پر نازل کیا ہے اسی کے مطابق ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور ان کی خواھشوں کی پیروی نہ کرو نیزان کی طرف سے ھشیار رھو کہیں ایسا نہ ھو کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کے کسی حکم (کی تعمیل و نفاد) میں تمہیں ڈگمگا دیں - پھر گر یہ روگردانی کریں توجان لو خدا کو یہی منظور ہے کہ ان کے بعض گناھوں کی وجہ سے ان پر مصیبت آ پڑے اور حقیقت یہ ہے کہ انسانوں میں بہت سے انسان نافرمان ھیں پھر کیا جاھلیت کے عہد کا سا حکم چاھتے ھیں اور ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھنے والے ھیں اللہ دینے والا کون ہے۔

جب ان کی یہ چال کامیاب نہ ھوئی تو ایک اور جال بچھایا اب ان کا مقصد رسول خدا کو شہر بدر کرنے کا تھا (یہود) آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور اپنا فریب اس انداز میں پیش کیا ”سابقہ پیغمبروں میں سے ہر ایک نبی نے بیت‌المقدس کو اپنا مستقر بنایا اگر آپ خدا کے رسول ھیں تو دوسرے انبیاء کی روش پر چلئے اور مدینہ کو مکہ و بیت‌المقدس دونوں کی حد اوسط کے درجہ میں رہنے دیجئیے؟ “ اس چال کے سمجھنے میں زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہ تھی آنحضرت صلعم مدینہ میں پہنچنے کے بعد بھی مسجد اقصیٰ کی طرف سترہ ماہ تک رخ فرما کر نمازیں ادا کرتے رہے آج اس کی بجائے کعبہ ابراھیمی کو جہت بنانے کا حکم نازل ھوا -

قدنری تقلب
وجھک فی السماء
فلنولینک قبلۃ
ترضھا فول وجھہ
شطرالمسجد الحرام
وحیث ما کنتم فولوا
وجوھکم شطرہ (۲ : ۱۴۴)

(اے پیغمبر ھم دیکھ رہے ھیں کہ تمہارا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ جاتا ہے تو یقین کرو ھم عنقریب تمہارا رخ ایک ایسے قبیلہ کی طرف پھرا دینے والے ھیں جس سے تم خوشنود ھو جاؤ گے تو چاھئے کہ تم اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور جہاں کہیں بھی تم اور تمہارے ساتھی ھوں ضروری ہے کہ رخ اسی طرف پھر جایا کرے

فتنہ درفتنہ : تحویل قبلہ پر یہود نے ایک اور فریب دیا کہ ”اگر آپ پہلے کی طرح مسجد اقصیٰ ھی کی طرف رخ پھیر لیں تو ھم مسلمان ھو جائیں گے۔

اس پر یہ وحی نازل ھوئی -

سیقول السفھآء
من الناس ما ولھم
عن قبلتھم التی
کانوا علیھا قل للہ
المشرق و المغرب
یھدی من یشاء الی
صراط مستقیم ٥
و کذالك جعلنکم
امۃ و سطاً
لتکونوا
شھدآء علی
الناس و یکون

جو لوگ عقل و بصیرت سے محروم ھیں وہ کہیں گے مسلمان جس قبیلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے کیا بات ھوئی کہ ان کا رخ اس کی طرف سے پھر گیا (اے پیغمبر) تم کہو پورب ھو یا پچھم سب اللہ ھی کے لئے ہے (وہ کسی خاص مقام یا جہت میں محدود نہیں) وہ جس کو چاھتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

اور (مسلمانو ! جس طرح یہ بات ھوئی کہ بیت‌المقدس کی جگہ خانہ کعبہ ”قبلہ“ قرار پایا) اسی طرح یہ بات بھی ھوئی کہ ھم نے تمہیں نیک ترین امت ھونے کا درجہ عطا فرمایا تاکہ تم تمام انسانوں کے لئے (سچائی کی) گواھی دینے والے ھو اور

الرسول علیکم
شہیدا و ما جعلنا
القبلۃ التی کنت
علیھا الا لنعلم من
یتبع الرسول ممن
ینقلب علی عقبیہ و
ان کانت لکبیرۃ الا
علی الذین ھدی اللہ

تمہارے لئے اللہ کا رسول گواہی دینے والا ہو اور اگر ہم نے اتنے دنوں تک تمہیں اسی قبلہ پر رہنے کا حکم دیا جس کی طرف تم رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے تو یہ اس لئے تھا تا کہ (وقت پر) معلوم ہو جائے کون لوگ اللہ کے رسول کی پیروی میں سچے ہیں اور کون لوگ (دل کے کچے ہیں جو آزمائش میں پڑ کر) الٹے پاؤں پھر جانے والے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ہدایت یافتہ لوگوں کے سوا اور سب کے لئے اس معاملہ میں بڑی ہی سخت آزمائش تھی

(۲: ۱۴۲-۱۴۳)

مسیحان نجران کا وفد: اس مرحلہ پر نجران سے (۶۰) عیسائیوں کا ایک وفد مدینۃ الرسول میں آیا ان میں بعض ایسے علمائے کبار بھی تھے جنھیں اپنی قوم میں پیشوائی کا درجہ حاصل تھا یہ علما انجیل کے ماہر اور اپنے دینی مسائل پر انہیں کما حقہ دسترس تھی نجران میں اہل علم کا یہ طبقہ قدیم سے چلا آ رہا تھا جس کے تقدس کی وجہ سے روم کے عیسائی بادشاہ ان کی تعظیم اپنے لئے فخر سمجھتے ان کے احترام کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ تعلقات میں کبھی کوتاہی نہ کرتے نجران میں کئی گرجے شاہان روم کی عقیدت کا مظہر تھے

مسیحان نجران کا منصوبہ: نجران میں جب یہ خبر پہنچی کہ یثرب میں مسلمان اور یہود کے درمیان کشمکش ابھر آئی ہے تو انہوں نے موقعہ غنیمت سمجھا۔ ان کے ذہن میں یہ منصوبہ کروٹیں لینے لگا کہ اگر دونوں (یہود و اہل اسلام) کی دشمنی پائیدار ہو جائے تو شام و یمن کے نصاری یہود و عرب کے دباؤ سے نکل سکتے ہیں۔

مدینہ میں ہر سہ اہل کتاب مسلمان[۱]، یہود[۲]، نصاری[۳]، کا اجتماع ہوا گفتگو شروع ہوئی عیسائیوں نے رسول اللہ کے مقابلہ میں مناظرہ کی طرح ڈال دی اور آخر تینوں گروہ ایک دوسرے سے افہام و تفہیم کے طلب گار ہوئے۔

ا۔ یہود نے: حضرت مسیح اور جناب محمد (صلوات اللہ علیہما) دونوں کی رسالت کی نفی کر دی اور (گویا عیسائیوں سے تشابہت کے طریق پر: م د) انہوں نے بر سر عام عزیر کے "ابن اللہ" ہونے کا اقرار کر لیا۔
ب۔ نصاری نے: اقرار تثلیث اور الوہیت مسیح کا دعویٰ پیش کیا۔
ج۔ رسول اللہ نے: صرف خدا کی وحدانیت کا اقرار:

(کیونکہ وحدت ہی نے ازل و ابد کے ڈانڈے ملا رکھے ہیں) اس گفتگو کے بعد ایک مرحلہ پر یہود و نصاری نے مل کر یہ سوال کیا "آپ گذشتہ انبیاء میں سے کس کس کی رسالت کے قائل ہیں؟" جس پر آں حضرت صلعم نے ازروئے وحی الٰہی یہ جواب دیا۔

امنا باللہ وما انزل
الینا وما انزل الی
ابراھیم و اسماعیل

ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں قرآن پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے ان تمام تعلیموں پر ایمان لائے ہیں جو ابراہیم کو اسماعیل کو

و اسحاق و یعقوب	اسحاق کو ، یعقوب کو ، اور اولاد یعقوب کو دی
و الا سباط وما اوتی	گئیں اور (صرف اتنا ہی نہیں) بلکہ ان تمام تعلیموں پر
موسی و عیسی و ما	بھی ایمان رکھتے ہیں جو
اوتی النبیون	دنیا کے تمام نبیوں کو ان کے پرور دگار سے ملی ہیں ہم ان
من ربھم لا	میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کرتے (کہ
نفرق بین	اسے نہ مانیں باقی سب کو مانیں یا اسے مانیں مگر وہ دوسروں سے
احد منھم و	منکر ہو جائیں خدا کی سچائی کہیں بھی اور کسی پر بھی آئی
نحن له	ہو ہم خدا کے فرمانبردار ہیں
مسلمون (۲ ، ۱۳۶)	

رسول اللہ ان مکالمات میں ہر اس بات سے انکار میں شدت کا پہلو اختیار فرماتے جس (بات) کے توحید پر متعرض ہونے کا شبہ پیدا ہوتا آنحضرت نے دونوں (یہود و نصاری) کو مخاطب کر کے فرمایا

ا۔ تم دونوں اپنی اپنی کتابوں میں تحریف کے مرتکب ہو !

ب ۔ تم جن انبیاء پر ایمان لانے کے مدعی بنے ہوئے ہو ان میں سے تمہارا عمل ہر ایک (نبی) کی تعلیم کے خلاف ہے :

ج ۔ حضرت موسیٰ ، عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کی تعلیم میں سر مو تفاوت نہیں

کیوں کہ ! اسلام ہمیں سبق دیتا ہے کہ تمام انبیاء کی تعلیم کی اصل وہ ازلی و جاو دانی حقیقت ہے جس نے ہر اس شخص کے لئے اپنا دامن پھیلا رکھا ہے جو (اپنے) نفس کو غیر اللہ کی پرستش اور تعظیم سے پوری طرح پاک رکھ سکتا ہے اسے یہ یقین بھی ہو کہ حقیقت ازلیہ انسان کو ہر قید و بند اور شہوات نفس سے ہٹا لینے پر پوری طرح قادر ہے یہ شخص اعتقادی اوہام اور پشتینی عقائد دونوں کو ٹھکرا کر آگے نکل جاتا ہے۔

موتمر ادیان : یثرب میں ان تین مذاہب کی موتمر منعقد ہو رہی تھی جس میں ہر ایک مذہب آج تک انسان کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے مگر اسلام کے ماسوا دونوں اہل مذہب کا مقصد فی الجملہ سیاسی بھی تھا تا ہم بظاہر وہ بھی اپنے اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے میں کوشاں تھے ، یثرب کی یہ موتمر آج کل کے اقتصادی اجتماع کی طرح نہ تھی نہ ان سب کے پیش نظر ایسے مادی اغراض تھے جنہوں نے آج کی دنیا کو اپنے مقاصد کا نشانہ بنا رکھا ہے اس (موتمر) کا مقصد اپنے اپنے مذہب کا روحانی موقف واضح کرنا تھا اگرچہ یہود و نصاریٰ دونوں کے سامنے اپنا اپنا سیاسی اقتدار اور مالی منافع بھی تھے بلا شبہ رسول اللہ کے سامنے وہ روحانی مقصد تھا جس سے انسان کو بلا تفریق مذہب و ملت تفوق حاصل ہو جو بزبان وحی الہیٰ القا ہوا تاکہ یہ نکتہ حاضرین یہود و نصاریٰ کے سامنے پیش کر دیا جائے ۔

قل یااھل الکتب	(اے پیغمبر) تم (یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو کہ اے
تعالو الی کلمتہ	اہل کتاب ! (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ
سوآء بیننا وبینکم	دو !) اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں

آلا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئا و یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا	کے لئے یکساں طور پر مسلم ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں کسی کی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنا لیا ہے
فقولو اشهد و بانا مسلمون(۳ : ۶۴)	پھر اگر یہ لوگ اس سے رو گردانی کریں تو تم کہہ دو ”گواہ رہنا کہ (انکار تمہاری طوف سے ہے) اور ہم خدا کے ماننے والے ہیں،،

کتنی ہمہ گیر دعوت ہے جس پر کوئی یہودی اور نصرانی بلکہ کسی مذہب کا پیرو حرف گیری نہیں کر سکتا کیا خدا کی ایسی عبادت جس میں کسی اور کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے اور بندوں ہی میں سے ایک دوسرے کو خدائی کے مقام پر نہ پہنچایا جائے قابل گرفت ہوتی ہے ؟ بلا شبہ وجدان اسے تسلیم کرتا ہے اور وہ انسان جو عقل کی رہبری میں دلیل حاصل کرنا چاہے کسی طاقت کو خدا کا شریک نہیں سمجھ سکتا لیکن بعض لوگوں کے سامنے کچھ ایسے مادی منافع آ جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ غیراللہ کے سامنے جھک کر اپنی روحانی عظمت اور قوت غور و فکر دونوں کو شرمسار کر دیتے ہیں اور وہ ان دونوں کو مادیت کے بالعوض اتنا سستا بیچ دیتے ہیں جیسے اس نے اس کا مول تول کیے بغیر ہاتھ سے کھو دیا ہو۔

انسان کے لیے یہ فریب کس قدر خطرناک ہے اس کے شعور و دانش پر مادیت کس طرح مسلط ہو جاتی ہے توحید کے مقابلے میں یہ نفع (مادی) کبھی مال و زر کی صورت میں منعکس ہو کر اس کی بصیرت پر چھا جاتا ہے گاہے منصب و جاہ کے روپ میں اس کے حضور پیش ہوتا ہے اور وہ نعمت توحید کو ان پر نچھاور کر دیتا ہے اور کبھی القاب و خطاب کے پیرائے میں !

جیسا کہ نجران کے اسی وفد میں ابو حارثہ نصرانی کی لغزش کا ماجرا ہے جو اپنے ساتھیوں میں اعلم العلما تھا جب اس نے رسول اللہ کی دعوت پر غور کیا تو اسی مجلس میں اپنے ایک ساتھی کے کان میں کہا ”جناب محمد جو کچھ فرماتے ہیں وہ صحیح ہے!“ تو اس کے رفیق نے جواب دیا۔

فما یمنعک منه و انت تعلیم هذا ؟	اگر وہ صحیح کہتا ہے تو آپ کو اس پر ایمان لانے میں کیا مانع ہے ؟

اس نے کہا :

یمنعنی ما صنع بنا هولاء القوم شرفو ما و مولونا وا کرموناوقدابو الاخلافه فلوفلعت نزعوامناکل ماتری	مجھے اپنی قوم کی روش منع کرتی ہے جو میری تعظیم و توقیر کرتی ہے مگر وہ خود اسلام کی منکر ہے اگر میں مسلمان ہو گیا تو میرے سب اعزازات ختم ہو جائیں گے۔

اہل نجران سے آخری فیصلہ : آخر رسول اللہ نے دونوں سے کہا کہ اگر تم ایمان

نہیں لاتے تو و ! مباھلہ کریں جس میں جھوٹے پر لعنت کی بد دعا کی جائے اس پر یہود تو معاھدہ کی آڑ لے کر ایک طرف ھو گئے مگر نصاریٰ نے باھم مل کر یہ مشورہ کیا کہ مباھلہ اور اسلام دونوں سے ھٹ کر اطاعت کر لینا مفید ھے اور انہوں نے رسول اللہ سے درخواست کی ''آپ اپنی طرف سے ایک مرد امین ھمارے ساتھ نجران. جانے کے لئے مقرر کر دیجئے جو ھمارے اختلاف میں مقدمات کی سماعت کرے اور اس پر رسول خدا نے ابو عبیدہ الجراح کو نجران پر قاضی بنا کر ان کے ھمراہ بھیج دیا ۔

مکہ کی یاد: رسول اللہ نے مکہ میں جس معاشرہ کی بنیاد اپنے فکر و کردار سے رکھی تھی ھجرت سے لے کر اب تک آپ اور آپ کے رفقائے مہاجرین ایک لحظہ کے لیے بھی اس کی توسیع کے خیال سے یکسو نہ ھو سکے ۔ بارھا ذھن میں خیال آتا کہ ان (قریش) سے کس طرح نبٹا جائے اور اس خیال کے محرکات کئی امور تھے منجملہ ان کے :

ا ۔ مکہ میں بیت ابراھیمی اور اس کے متعلقہ مناسک تھے جہاں ان کے سوا تمام عرب کو اعمال حج کرنے کی کھلی اجازت تھی مگر آن حضرت اور آپ کے رفقا کے لئے یہ بڑے دکھ کی بات تھی کہ ھم کب تک اپنے مقدس دینی فریضہ سے محروم ھو کر بیٹھے رھیں گے ۔

ب ۔ مکہ میں مسلمان مہاجرین کے اھل و عیال رہ گئے تھے جن کی یاد انہیں بے چین رکھتی اس میں سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مبادا وہ مکہ میں رہ کر پھر شرک پر مائل ھو جائیں !

ج ۔ وہ لوگ وطن (مکہ) میں گھریلو سامان کے علاوہ اپنا تجارتی مال و اسباب بھی چھوڑ آئے تھے !

د ۔ مہاجرین مدینہ پہنچ کر تبدیل آب و ھوا کے اثر سے نوبتی تپ میں مبتلا ھو گئے اور نماز بھی بیٹھ کر ادا کرتے وہ سمجھتے کہ وطن چھوٹ جانے اور غیر وطن کی بود و باش نے ھماری صحت خراب کر دی ھے انہوں نے خوشی سے وطن کو خیر باد نہیں کہا تھا قریش کی چیرہ دستی نے انہیں مجبور کیا یہ نہ ھو سکتا تھا کہ وہ ایسے دشمن اھل وطن پر غلبہ کرنے میں سدا غفلت میں پڑے رھیں ۔

ہ ۔ ان امور کے ساتھ انہیں سب سے زیادہ وطن کی یاد ستاتی جس وطن میں انہوں نے آنکھیں کھولیں جس کے گہوارہ میں وہ پروان چڑھے اور جس کی دیواروں کے سائے میں پل کر جوان ھوئے ۔

انہیں اپنے وطن کے ذرہ ذرہ سے شغف تھا کہ انسان کے بد و شعور کے ساتھ اس کا سب سے پہلا محبوب اس کا اپنا دیس ھے اسی طرح جیسے کہ ھم اور آپ اپنے وطن سے محبت رکھتے ھیں جس سر زمین میں ھم نے بچپن گذارا ھو جس کی وادیوں میں کھیلے ھوں بچپن سے لے کر کہولت تک اس (وطن) کے ذرہ ذرہ سے آشنائی رھی ھو جس کی محبت اس طرح دل و دماغ پر چھا گئی ھو کہ مرتے وقت بھی وطن میں دفن ھونے کی حرص موجزن ھو اسی طرح مہاجرین کے دلوں میں اپنے وطن کی محبت

جوش مار رہی تھی جہاں وہ مسلسل تیرہ سال تک دشمنوں کی سختی برداشت کرتے رہے پھر ان (مہاجرین) کا دین جس کی وجہ سے انہوں نے اس قدر تکلیفیں برداشت کیں کہ انہیں وطن کو بھی ترک کرنے میں تامل نہ ہوا اس دین میں نہ تو ضعف تھا نہ یاس و قنوط کو دخل نہ (اس) دین کی منزل میں تکان و گھبراہٹ اثر انداز، نہ وہ دین ایسا بے روح جس میں دوسرے اہل و مذہب پر تعدی کرنے کی اجازت ہو بلکہ وہ غیر مذاہب کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کرنے کی ہدایت فرماتا ہو اور دوسروں کو بھی اس مذہب کی دعوت دینا اس کا ضروری جزو ہو۔

اس کے ساتھ ہی اس دین کے ماننے والوں کی عزت نفس اور حفاظت عقیدہ اور اشخاص وطن کا احترام بھی تھا جیسا کہ حضرت محمد صلعم نے بیعت عقبہ (مکہ) میں یثربی مبایعین کے سامنے اظہار فرمایا

اور مہاجرین اور رسول کے سامنے یہ سوال بھی تھا کہ فرائض خداوندی کی ادائیگی اور اس کے گھر (کعبہ) کی حفاظت اور اپنے وطن کی آزادی کے گونہ حقوق کی پاسداری کے لیے کون سا راستہ اختیار کیا جائے ؟

دوستو! یہ امور تھے جنہوں نے حضرت محمد اور آپ کے پیروؤں کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا تھا حتی کہ اس توجہ کا نتیجہ فتح مکہ کی صورت میں ظاہر ہوا تا کہ دین اللہی کا جلوہ پورے عالم پر منعکس ہو۔

۱۲

سراپا اور ابتدائی جھڑپیں

صادق امین عبداللہ یا محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۱۲

سرایا اور ابتدائی جھڑپیں

گشتی دستوں کی نقل و حرکت : مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد مسلمانوں کو مدینہ میں رہتے ہوئے کئی مہینے گذر گئے انہیں مکہ کی یاد نے ہمیشہ بے قرار رکھا رہ رہ کر اپنے مال و اسباب کی یاد آتی جسے وہ مکہ میں چھوڑ آئے تھے اسلام لانے کی وجہ سے ان کے یاران وطن نے (مکہ میں) ان پر جو سختیاں کیں ان کے تصور سے وہ آج بھی لرزہ بر اندام ہو جاتے اور سدا اس فکر میں ڈوبے رہتے کہ انہیں کیا کرنا چاہئیے!

مسلمانوں کے آئندہ کے رویہ میں مورخین کی رائے : اس بارے میں مورخین کی مختلف رائیں ہیں!

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ جناب رسالت ماب اور آپ کے رفقائے کرام مدینہ میں استقرار حاصل کرنے کے بعد قریش مکہ سے انتقام لینے کے لئے بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔

دوسرے گروہ کا موقف یہ ہے کہ مہاجرین مکہ نے مدینہ پہنچتے ہی قریش سے انتقام لینے کا تہیہ کر لیا مگر اسے اپنے استقرار و استحکام تک ملتوی رکھا جس کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ نے (مکہ ہی میں) اہل یثرب سے دوسری بیعت عقبہ پر لی تو مبایعین یثرب نے (بیعت عقبہ اولی در مکہ معظمہ) پر وعدہ کیا تھا کہ ،،ہم اسلام کے لیے ہر قوم سے لڑیں گے،، اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو (مدینہ میں) جب بھی عسکری طاقت حاصل ہوگی وہ سب سے پہلے مکہ کا رخ کریں گے جس کا خطرہ خود قریش مکہ میں بھی تھا جیسا کہ (مکہ میں) اہل یثرب کی بیعت عقبہ (ثانیہ) کے افشا پر قریش مکہ نے اوس و خزرج کے مبایعین سے جواب طلب کیا تھا۔

۱- اس دعویٰ کے مدعی اپنی تائید میں جناب حمزہ بن عبدالمطلب کے اس سریہ کو پیش کرتے ہیں جو (۳۰) مہاجرین (مکہ) کا ایک دستہ لے کر ساحل سمندر تک گشت کے لیے بھیجے گئے جہاں ان کی مڈ بھیڑ ابوجہل[۱] سے ہو گئی (سیدنا) حمزہ کفار پر حملہ کرنے کو تھے کہ مجدی بن عمرو الجہنی نے فریقین کو سمجھا بجھا کر روک دیا مجدی دونوں گروہ کا حلیف تھا یہ اتفاق عیص[۲] پہاڑی کے دامن میں ہوا۔

۲- یہ حضرت عبیدہ بن حارث کا واقعہ ہے ان کی قیادت میں (٦٠) مہاجرین مکہ کا دستہ بھیجا گیا ان کا سامنا وادی رابغ[۳] میں ابوسفیان سے ہوا جن کے ساتھ دو سو شمشیر زن تھے لیکن طرفین نے خود کو مقاتلہ سے روک لیا ماسوائے حضرت سعد بن ابی وقاص کے جنہوں نے اپنا تیر چھوڑ دیا اور اسلام میں سب سے پہلا تیر جناب سعد نے چلایا۔

---

[۱] : م- اس سے مقصد قریش کی اس تجارتی لائن کو قطع کرنا تھا جو اہل مکہ اور اہل شام میں واقع تھی یا کچھ اور؟ (ص : ٦ : ٦١٠ ملاحظہ ہو ،، ابو جہل بن ہشام تجارتی قافلہ لے کر شام سے لوٹ رہا تھا ؟
(زادالمعاد ابن القیم جلد اول فصل فی سیاق مغازیہ و بعوثہ)

[۲] : م- ،، عیص : کوہیست از کوہ ہائے مدینہ،، (منتہی الارب) : م-

[۳] : م- ،، رابغ : وادیست میان حرمین نزدیک بحر،، (منتہی الارب) : م-

۳۔ حضرت سعد بن ابی وقاص (مذکور) ہی کی قیادت میں آٹھ اور ایک روایت کے مطابق بیس مہاجرین کا ایک دستہ مدینہ سے چل کر حجاز[1] تک گشت لگا آیا، لیکن کسی جگہ کفار سے آمنا سامنا نہ ہوا۔

۴۔ غزوہ[2] ابوا: مدینہ میں استقرار کے ایک سال کے بعد بنفسہ رسول اللہ ایک دستہ لے کر نکلے (اور شہر پر حضرت سعد بن عبادہ کو نائب مقرر فرمایا) اس دستہ میں صرف مہاجرین ہی تھے آنحضرت صلوات اللہ علیہ اس امید پر (مقام) ابوا تشریف لائے کہ اہل مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کے ادھر سے گذرنے کی خبر تھی مگر وہ کاوا کاٹ کر دوسرے راستہ سے نکل گئے البتہ اس غزوہ میں عمرو بن مخشی الضمری سے (تحریری) معاہدہ ہو گیا[3]۔

۵۔ غزوہ بواط: اس میں رسول اللہ بنفسہ دو سو مسلمانوں کا دستہ جس میں مہاجر و انصار دونوں شامل تھے لے کر بواط (نام مقام) تک آ پہنچے جو رضوی[4] (نام) پہاڑی کے دامن میں ہے قریش مکہ کا ایک سردار امیہ بن خلف ایک سو شمشیر بکف قریشی بہادروں کی نگرانی میں اڑھائی ہزار اونٹوں کا گلہ لے کر آ رہا تھا مقصود یہ تھا کہ امیہ بن خلف کو گھیر لیا جائے مگر جب اس نے سنا تو اپنے دوسرے ساتھیوں کی مانند وہ بھی طرح دے کر دوسری طرف سے نکل گیا۔

بواط سے واپسی کے دو یا تین ماہ بعد آں حضرت نے ابو سلمہ بن عبدالاسد کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا اور خود ”سو مسلمانوں کا دستہ لے کر وادی ینبع میں مقام عشیرہ تک تشریف لائے اس اطلاع پر کہ ابو سفیان ایک تجارتی قافلہ لے کر ادھر سے گذر رہا ہے لیکن وہ بھی راستہ بدل کر صاف نکل گئے ابوسفیان تجارتی سامان لے کر شام کی طرف جا رہے تھے یہ اواخر جمادی الاولیٰ بشمول اوائل جمادی الاخری (۲ھ) ۶۲۳ء (ماہ اکتوبر) کا واقعہ ہے۔

اس غزوہ میں (قبیلہ) بنی مدلج اور ان کے حلیفوں سے معاہدہ ہو گیا یہ لوگ بنی ضمرہ (نمبر غزوہ: ۴:) کے معاہد و حلیف تھے۔

۷۔ غزوہ بدر الاولیٰ: رسول اللہ کے غزوہ عشیرہ نمبر: ۶: سے واپسی کے دس روز بعد یہ حادثہ پیش آیا کہ اہل مکہ میں سے کرز بن جابر الفہری (جو بعد میں

---

[1] : مکہ و مدینہ کی درمیانی حدود (لائن) ”حجاز۔۔۔ میان دو چیز مکہ و مدینہ و طائف و روستاہائے آنہا کہ نہا حجرت بین نجد و تہامہ“ (منتہی الارب): م۔

[2] : م۔ سریہ اور غزوہ میں یہ تفریق بیان کی جاتی ہے؛ سریہ جس میں رسول اللہ خود شریک نہ ہوں ' غزوہ! جس میں آنحضرت صلعم بنفسہ شرکت فرمائیں، عام اس سے کہ ان دونوں میں مقاتلہ و مقابلہ کا اتفاق پیش آئے یا نہ آئے۔

[3] : م: باضافہ از زادالمعاد ابن القیم ص ۱۲۰/۳۴۰

[4] : کوہیست بمدینہ رضوی منسوب است بآں (منتہی الارب) م: ۔

مسلمان ہو گئے : م :) دل میں برا ارادہ لے کر مدینہ کی طرف بڑھے چلے آئے حتیٰ کہ مدینہ کی وادی تک آ پہنچے اور ایک چراگاہ سے مسلمانوں کے کئی اونٹ گھیر کر ساتھ لے گئے رسول اللہ بنفسہ اس غزوہ میں تشریف لے گئے (اور مدینہ پر زید بن حارثہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا) آنحضرت صلعم نے کرز فہری کا تعاقب وادی سفوان تک کیا جو بدر کے قریب واقع ہے اس مناسبت سے یہ غزوہ بدر الاولیٰ کے نام سے شہرت پذیر ہوا مگر کرز آنحضرت کی گرفت سے بچ کر صاف نکل گئے ۔

گشتی نقل و حرکت کی غایت: محل نظریہ ہے کہ عسکری نقل و حرکت کے متذکرہ الصدر واقعات (از صفحہ ۲۶۱ تا ص ۲۶۲ : بہ نمبر ہائے ایک تا سات) جن کی ابتدا رسول اللہ کے استقرار یثرب کے (۶) ماہ بعد سے ہوئی ، اور جن کی ابتدائی عسکری نمایشوں میں صرف مہاجرین مکہ ہی شریک تھے (از نمبر ایک تا چار) کیا ان سے مقصد قریش مکہ کے ساتھ مقاتلہ یا ان کے قافلوں پر دست برد تھا ؟

۱۔ جب کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے عسکری دستہ (نمبر: ۱ ص: ۲۶۵) میں تیس سے زائد نوجوان نہ تھے اور جناب عبیدہ بن حارث کے ہمراہ (نمبر: ۲ ص ۲۶۵) صرف ساٹھ نفر اور سیدنا سعد بن ابی وقاص کے ساتھیوں کی تعداد فقط آٹھ و بروایتے دیگر بیس تک تھی ۔

۲۔ ادھر قریش کے قبائلی تعلقات پر نظر ڈالیے! انہوں نے قدیم سے جن لوگوں کے ساتھ اپنے تجارتی قافلوں کی حفاظت کے معاہدے کر رکھے تھے ان کی تعداد کا کوئی شمار نہ تھا لیکن جب سے رسول اللہ نے یثرب کو اپنے قیام کی عزت بخشی قریش نے پیش بندی کے طور پر رہے سہے قبائل کے ساتھ بھی معاہدہ کر لیا ۔

۳۔ پھر دیکھئے حضرت حمزہ و جناب عبیدہ اور سیدنا سعد کیسے ہی دلاور سہی لیکن وہ اپنے ساتھیوں کی اس قلت تعداد کے ہوتے ہوئے اپنی شجاعت کے جوہر کیسے دکھا سکتے یہی وجہ تو نہیں ؟ کہ ان حضرات ثلاثہ عظام (حمزہ و عبیدہ و سعد) میں جس جس کی مڈبھیڑ قریش سے ہوئی اس نے مقاتلہ سے دامن بچانے کی کوشش کی بجز اس ایک تیر کے جو سعد بن ابی وقاص کی ترکش سے گویا خود بخود نکل کر مخالفوں تک جا پہنچا!

۴۔ **قبل از غلبہ اسلام قریش کی پیش بندی:** پھر دیکھئے قریش کی طرف سے ان قافلوں کی پاسبانی پر (ان ہی میں سے) جو لوگ متعین تھے ان میں اکثر و بیشتر اشخاص سے مسلمان مہاجرین کے ساتھ خون کا رشتہ تھا جس کی وجہ سے طبعاً دونوں فریق ایک دوسرے پر وار کرنے میں محتاط تھے ۔

۵۔ فریقین کو یہ خطرہ بھی تھا اگر کسی کے ہاتھ سے دوسرے کا بال بیکا ہو گیا تو قصاص کے بغیر گلو خلاصی نہ ہوگی ۔

۶۔ اور انہیں یہ اندیشہ بھی تھا کہ جناب محمد صلوات اللہ علیہ سے تیرہ سال کی مسلسل دشمنی کے باوجود ہم نے مکہ کو خانہ جنگی سے بچائے رکھا اگر آج یہ ارتکاب اہل مکہ و اہالی مدینہ کے درمیان ہو گیا تو کیا غضب برپا ہو جائے گا ۔

۷۔ پھر مسلمانوں کے ذہن میں راسخ ہوچکا تھا کہ (مکہ میں) عقبۂ ثانیہ کی بیعت جس میں اوس و خزرج نے وہ عہد کیا تھا کہ ہم اسلام کی خاطر ہر قوم سے لڑیں گے۔

اس وعدہ سے مقصد مسلمانوں پر دوسروں کے حملے کا دفاع تھا نہ کہ اسلام کی جانب سے غیروں پر حملہ آوری!

۸۔ پھر اوس و خزرج کے سوا دوسرے مسلمان مبایعین کو بھی علم تھا کہ ہم نے رسول خدا کی بیعت میں جنگ کرنا صرف دفاعی صورت میں تسلیم کیا ہے حملہ آوری کے لیے نہیں!

لیکن ان مورخین کی توجیہات اس لیے تسلیم نہیں کی جا سکتیں کہ جب وہ رسول اللہ کی وفات کے دو سو سال بعد آنحضرت کی تاریخ مرتب کرنے بیٹھے تو انہوں نے ان گشتی دستوں کو بھی جنگی ترک و تاز کا مبنیٰ قرار دیا۔ جارحانہ جنگ کی توجیہ کے لیے تو ایسی عقلی دلیل کا ہونا ضروری ہے جو رسول اللہ کی اس سیاست کے بھی منافی نہ ہو جس کے مطابق آنحضرت نے گشتی نمائشوں میں بعض مشرک قبائل مثلاً بنو ضمرہ و بنی مدلج اور اس کے حلیفوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا جن کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایک دوسرے کے دینی عقائد میں مخل نہ ہو اور دونوں ایک دوسرے ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک اور حق جوار ادا کرنے میں غفلت نہ برتیں اور یہ توجیہ مسلمانوں کے مدینہ میں ابتدائی استقرار و استقامت کے منافی نہیں!

آئیے! اشہب فکر کی عنان اس طرف بھی پھیر کر دیکھیں کہ رسول اللہ کی جانب سے ان گشتی نمائشوں کا مقصد قریش کو اس امر پر متوجہ کرنا تو نہ تھا کہ جن مسلمانوں کو انہوں نے ان کے وطن سے باہر دھکیل دیا تھا آج ان کے ساتھ ایسی مفاہمت کرنا ضروری ہے جو مسلمانوں کے ساتھ خود قریش کی سالمیت کی ضامن بھی ہو جس (مفاہمت) میں مسلمانوں کو اپنے دینی عقائد کے اظہار کی پوری آزادی ہو اور اہل مکہ کو اپنی تجارت کے لیے مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کا خطرہ نہ رہے قریش کی یہ وسیع تجارت جس کا دامن طائف، شام اور یمن جیسے دور دراز ملک تک پھیلا ہوا ہو اہل مکہ کے تجارتی کاروان میں دو ہزار کی تعداد تک (باربردار) شتر ہوتے جن پر لدے ہوئے سامان کی قیمت پچاس ہزار دینار تک پہنچ جاتی، ڈاکٹر اسپرنگر (مستشرق) کی تحقیق کے مطابق اہل مکہ کے جو قافلے بیرون ممالک میں جاتے ان پر پچاس ہزار دینار کا مال و اسباب لدا ہوتا جو ایک سو ساٹھ ہزار طلائی گنی (پونڈ) کی قیمت کا ہوتا۔ پھر کیا تعجب ہے اگر اس قدر گرانبہا تجارتی سامان کی نقل و حرکت میں قریش کو یہ اندیشہ ہو کہ مبادا مدینہ کے مسلمان اس پر دست برد کر بیٹھیں۔ بہتر ہے کہ ان کے ساتھ معاہدہ کر لیا جائے۔

اور ادھر قریش ان تحفظات کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لیے ایسے معاہدہ میں یہ مفاد مد نظر ہوں کہ انہیں اپنے عقیدہ کے اظہار کی آزادی مل جائے گی اور (وہ) کسی خطرہ کے بغیر مکہ معظمہ میں زیارت و حج کے لیے جا سکیں گے۔

پس!

قریش کو اس قسم کے معاهده پر متوجه کرنے کے لیے ضروری تھا که مدینه کے مسلمان اپنی قوت کی نمایش ایسے طریقوں سے کریں جس سے قریش کو اپنے تجارتی قافلوں کے گذارنے میں مسلمانوں کی طرف سے کسی خطره کا ڈر نه رهے میرے نزدیک جناب حمزه کا ابو جهل کو بظاهر مجدی بن عمرو کے کهنے سے طرح دینے کا یهی منشا تھا اور مسلمانوں کے ابتدائی دستوں کا ان گذرگاهوں پر گشت کرنا، جهاں سے قریش کے تجارتی قافلے آتے جاتے هیں، یهی مقصد تھا که جس طرح هو سکے قریش کو باهمی معاهده پر متوجه کیا جا سکے۔

اور جب رسول الله نے اس پر غور فرمایا که قریش کو مهاجرین مکه سے کسی قسم کا هراس نهیں اور نه وه انهیں کسی خاطر هی میں لاتے هیں تب آنحضرت نے قریش کی تجارتی ره گذروں کے قرب و جوار میں بسنے والے قبائل سے معاهدے کر لیے تا که ان کے اثر سے قریش همارے ساتھ صلح و آشتی پر مائل هو سکیں۔

هماری اس رائے کی تائید میں سب سے بڑی سند رسول الله کے یهی معاهدے هیں جو آپ نے بواط و عشیره کے گشتی دستوں کی نمایش کے جلو میں کیے جب که آپ کے همراه ساتھیوں کی نهایت قلیل تعداد تھی، وه بھی صرف انصار پر مشتمل، جنهوں نے عقبه ثانیه پر (مکه میں) بیعت کرتے هوئے صرف دفاع کو تسلیم کیا تھا اور بیعت میں حمله آوری (جارحانه جنگ) کا اقرار نه تھا جیسا که اگلے صفحوں میں (غزوهٔ بدر کبریٰ کے مبادی سے) واضح هوگا که ابتدا میں خود رسول الله بھی اس (جنگ بدر) میں در آنے سے اپنا دامن بچاتے رهے لیکن جب اهل مدینه نے اپنی شراکت پیش کر دی تو آپ نے بھی اراده کر لیا۔

اگرچه آنحضرت نے جن قبائل سے معاهدے کئے انصار کبھی ان پر حرف گیر نه هوئے لیکن اس کے یه معنی نهیں که اگر رسول الله اهل مکه کے خلاف نبرد آزمائی کے لئے نکلیں تو اهل مدینه آپ کی یاوری کے لئے ضرور همرکاب هوں خصوصاً جب که اهل مکه اور اهالی مدینه کے درمیان ایسے محرکات نه هوں جو عرب کے دستور کے مطابق حمله آوری کا بهانه بن سکیں اور نه دونوں کے درمیان کینه و نفاق هی هو۔

آنحضرت صلعم نے قبائل کے ساتھ جو معاهدے ابھی ابھی کئے تھے (بنی ضمره و بنی مدلج کے ساتھ : م ن) ان معاهدوں میں جهاں اهل مدینه کے وقار میں اضافه مقصود تھا وهاں رسول الله کے پیش نظر یه بھی تھا که اهل مکه کو اپنی تجارتی آمد و رفت میں خطره محسوس هو۔ پس! ان معاهدوں کی بنا پر کها جا سکتا هے که رسول الله کی طرف سے گشتی دستوں کا بھجوانا اور کبھی کبھار خود بھی ان کی کمان کرنا جنگ یا جنگ کے مبادی نه تھے!

لیکن ان مصنفوں کو کیا کها جائے جو حضرت حمزه و عبیده بن حارث اور سعد بن ابی وقاص کے گشتی دستوں کو بھی جنگی اغراض کا پیش خیمه ثابت کرنے میں لطف محسوس کرتے هیں۔

تنبیہ : اور یہ جو تاریخ میں ان گشتی دستوں کو غزوات کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے تو ہم اس لفظ (غزوہ یا غزوات) کو موقع یا محل کے اعتبار سے صحیح نہیں سمجھتے اسی طرح ہم یہ قول بھی صحیح نہیں سمجھتے کہ رسول خدا کا آبوا و بواط و عشیرہ کی طرف تشریف لے جانا غازیانہ اقدام تھا (جیسا کہ گذشتہ صفحوں پر بحث کی گئی ہے) ایسے مفروضات مجاز پر مبنی ہیں اس باب میں ارباب سیرت کی لغزش کے متعدد اسباب ہیں ۔

ا ۔ یہ مصنف آنحضرت کی وفات کے بعد دوسری صدی کے اواخر میں آ کر سیرت لکھنے بیٹھے ۔

ب ۔ ایسے مصنفین ان غزوات سے متاثر تھے جو بدر کبریٰ کے بعد پیش آئے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ان چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کو بھی سرایا اور مغازی کے نام سے تعبیر کیا ۔ جن سے مقصود کبھی بھی جہاد یا حرب نہیں تھا ۔

اسی طرح مستشرقین میں سے بھی کئی اہل قلم کا رجحان مسلمان مؤرخین کے استدلال سے موافقت پر مائل ہے انہوں نے اپنی تصانیف میں واضح طور پر اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا مگر اس کی بجائے انہوں نے ایک اور تقریب پیدا کر لی کہ مدینہ میں استقرار کے بعد رسول اللہ اور مہاجرین سب کے سب اس وقت کے لئے چشم براہ تھے کہ جونہی موقعہ ملے مکہ والوں کے ساتھ جنگ چھیڑ دی جائے !

یہ حضرات (مستشرقین) ان تمایشی گشتی دستوں کی تعبیر میں اس سے کم کسی شے پر راضی نہیں کہ اس سے اہل مکہ کے تجارتی قافلوں پر غارت گری مقصود تھی جس کی واضح دلیل مستشرقین کے دفتر تحقیق میں یہ ہے کہ ''لوٹ و غارت ان بادیہ نشینوں کا پیشہ ہی تھا اس لئے یثرب کے مسلمان عقبہ (در) مکہ کی بیعت کے باوجود رسول اللہ کے سائے میں اموال غنیمت اور لوٹ مار میں اپنا نفع متصور کرتے''

میں کہتا ہوں مستشرقین کے یہ اعتراضات مندرجہ ذیل وجوہ سے ''مردود،، ہیں ۔

ا ۔ اہل مدینہ بھی اہالی مکہ کی طرح ایسی تمدنی زندگی کے خو گر تھے جس میں لوٹ اور غارت کا شائبہ تک نہ ہو ۔

ب ۔ اہالی مدینہ زراعت پیشہ تھے اور کھیتی باڑی یا زراعت سکون و استقرار کی زندگی چاہتی ہے ۔ اس لئے جب تک تقاضا شدید نہ ہو یہ لوگ لڑائی پر آمادہ نہیں ہو سکے ۔

لیکن مہاجرین کی حالت اپنے انصار دوستوں سے بالکل مختلف تھی ۔ وہ غاصب قریش مکہ کے قبضے سے اپنے اموال واگذار کرنے کے لئے ہمہ وقت بے قرار تھے تا ہم واقعہ بدر سے قبل انہوں نے اس معاملہ میں کسی عجلت سے کام

نہیں لیا اس لئے بھی آنحضرت صلعم کا گشتی دستوں کو ادھر بھیجنا قریش کے تجارتی قافلوں کی لوٹ اور غارت کی وجہ سے نہ تھا۔

اسلام میں جہاد کے جو معنی مستشرقین نے متعین کئے ہیں جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے ان معنوں کے مطابق رسول خدا اور آپ کے صحابہ نے کسی موقعه پر جہاد میں سبقت نہیں فرمائی کہ جہاد کا اقدام بدویانہ ذہنیت تھی البتہ جناب رسالت مآب اور آپ کے اصحاب اپنے اس حق کو وا گذار کرانے کے لئے ضرور بے قرار تھے کہ انہیں دین کی وجہ سے تختہ مشق نہ بنایا جائے بلکہ دوسروں کی طرح انہیں بھی اپنے عقیدہ کی تبلیغ کا حق حاصل ہو جس کی تفصیل بعد میں آئے گی البتہ اتنا جان لینا ضروری ہے کہ رسول اللہ نے اطراف و قبائل سے جو معاہدے کئے ان کے نزدیک مدینہ کی عظمت و برتری بھی ملحوظ تھی اور اس لئے ملحوظ تھی کہ اہل مکہ حبشہ کی طرح مدینہ میں بھی مہاجرین کا تعاقب نہ کرنے پائیں۔ اس کے نتیجہ میں رسول خدا کی رائے میں ضروری تھا کہ اہل مکہ کے ساتھ ایسا معاہدہ ہو جائے جس کی وجہ سے دین خداوندی کو اس حد تک آزادی مل جائے کہ اس کے راستے میں کوئی شے حائل نہ ہو۔

وقاتلو هم حتى	اور مسلمانو اب تمہارے لئے صرف یہی چارہ کار رہ
لا تکون فتنة	گیا ہے کہ ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ
و یکون الدین	ظلم و فساد باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ
کله لله (۸ : ۳۹)	اللہ ہی کے لیے ہو جائے

گشتی دستوں کی نقل و حرکت اور یہود: مدینہ اور اس کے اطراف میں یہودی پھیلے ہوئے تھے جنہیں مسلمانوں کو اپنی جاہ و حشمت سے متاثر کرنا مقصود تھا جب مسلمان مدینہ میں اقامت گزیں ہوئے تو پہلے یہود نے اسے غنیمت سمجھا انہیں امید تھی کہ ان کی مدد سے وہ اپنے نصرانی دشمنوں سے انتقام لے سکیں گے اور مسلمانوں کے قیام مدینہ کے کچھ عرصہ بعد شہر کے رہنے والوں میں جو باہمی معاہدہ ہوا یہودی بھی اس معاہدہ میں شریک ہو گئے لیکن جونہی انہوں نے یہ دیکھا کہ جناب محمد صلعم دن بدن عروج حاصل کر رہے ہیں اور اسلام کو بھی دن دونی رات چوگنی قوت حاصل ہو رہی ہے تو یہود کے دلوں کا کینہ پھوٹ آیا مگر نقض عہد کے الزام سے بچنے کے لئے اس کا اظہار بھی نہ کر سکتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری ہی وجہ سے (مدینہ میں) خانہ جنگی شروع ہو جائے اور ہماری تجارت و ساہو کارہ تاپٹ ہو جائیں جس کا جال یہود نے مدینہ اور اس کے نواح میں ہر طرف پھیلا رکھا تھا لہذا انہوں نے در پردہ یہ کوششیں جاری ہی رکھیں کہیں مہاجرین و انصار کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کی طرح اور کہیں مسلمانان اوس و خزرج میں جنگ بعاث کے مٹے ہوئے نقوش دوبارہ ابھارنے کی سعی! یہ جذبات کو بھڑکانے کا کام ان شعروں سے بھی لیتے جو جنگ بعاث کے دوران میں کہے گئے جنہیں یہودی اٹھتے بیٹھتے گنگناتے رہتے تا کہ فریقین میں جو کوئی سنے اس کے جذبات میں اشتعال پیدا ہو سکے۔

مسلمان ان (یہود) کے فریب سے جلدی آگاہ ہو گئے انہوں نے منافقین کی رح یہود کو بھی ایک طرف دھکیل دیا بلکہ ان سے کہیں زیادہ انہیں اپنی التفاقی کا مورد ٹھہرایا انہیں اپنی مجلسوں سے اٹھوا دیا حتیٰ کہ مسجد میں نے سے بھی منع کر دیا۔ شروع میں حضرت رسالت مآب یہود کو سمجھانے کے نہایت عرقریزی سے متوجہ ہوتے لیکن ان کی کرتوتیں دیکھ کر کنارہ کشی ختیار کر لی اگر انہیں بے لگام چھوڑ دیا جاتا تو ظاہر ہے کہ وہ شہر میں طرف فتنہ کی آگ مشتعل کر دیتے ایسے دشمنوں سے نشست و بر خاست اور لام و کلام ہی رک جانا کافی نہ تھا بلکہ ان (یہود) پر اپنی قوت و شوکت بظاھرہ بھی ضروری نظر آیا انہیں یہ یقین دلانے کی غرض سے کہ اگر تم نے یشہ دوانی کی تو فتنہ کے ساتھ تمہاری جڑیں بھی کاٹ دی جائیں گی اور ان کے ھن نشین کرنے کے لئے ضروری تھا کہ گشتی دستوں کو ادھر ادھر پھراتے ہیئے جن کے لئے یہ نگہداشت بھی ضروری ہے کہ ایسے دستے دشمن کے ساتھ یزش سے اپنی قوت نہ کھو بیٹھیں ورنہ جس طرح اہل مکہ نے ہمیں کمزور کر ہمارے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا اسی طرح مدینہ میں یہودی بھی ہمیں بے روسامان دیکھ کر یہاں سے دھکیلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ ان گشتی دستوں میں ایک دستہ کی کمان سیدنا حمزہ جیسے ریع الغضب شجاعت پیشہ کو سونپی گئی جنہیں متعین پروگرام کے بغیر کوئی وف یا مداخلت حملہ کرنے سے روک نہ سکتی تھی کہنا یہ ہے کہ گشتی نشں سے ایک مقصد یہود مدینہ کی تخویف اور دوسری جانب قریش مکہ کو نی قوت و شوکت سے مرعوب کر کے اس سمجھوتہ کی طرف لانا تھا کہ وہ سی مقابلہ و مقاتلہ کے بغیر مسلمانوں کو اپنے عتیدہ کے اظہار سے منع کرنے کی جرات نہ کرنے پائیں۔

اسلام میں جنگ کن حالتوں میں واجب ہے: اور یہ جو اوپر کے سطور میں ر بار مسلمانوں کے مقاطعہ سے اجتناب پر لکھا گیا ہے تو اس کا یہ منشا نہیں کہ سلام میں دفاع یا اپنے عقیدہ کی حفاظت و اظہار میں جنگ کرنا روا نہیں! بلکہ اسلام نے اس وقت سے لے کر آج تک اور رہتی دنیا تک دفاعی جنگ کو رض قرار دیا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جنگ میں دشمن پر حد سے زیادہ اوز و سختی نہ ہو!

ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین (۲ : ۱۹۰)	کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنا چاہیے اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں

فرضیت دفاع کی پہلی دلیل: جناب عبداللہ بن جحش اسدی کا نمایشی دستہ جسے حضرت رسالت پناہ نے ہجرت کے دوسرے سال رجب کے مہینے میں شت کے لئے بھیجا ان کے ساتھ صرف (بیس : م) مہاجرین تھے اور آنحضرت صلعم نے امیر دستہ جناب عبداللہ کو ایک سر بمہر تحریر دے کر فرمایا کہ یہ فرمان دو روز سفر کرنے کے بعد پڑھنا! عبداللہ اور ان کے ساتھی بغیر اس

وشش کے کہ فرمان میں کیا لکھا ہے اسے دیکھنا تو چاہیے ! اپنا سفر طے رنے میں لگے رہے اب دو دن گزر چکے تھے اور فرمان رسالت پڑھا گیا تو یہ ہدایت مسطور تھی !

واذا نطرت فی کتابی هذا فامض حتی تنزل نخلة فترصد بها قریشا و تعلم لنا من اخبار هم!	اے عبداللہ! جس وقت میرا یہ فرمان پڑھو نخلہ میں پہنچنے کی کوشش اور بھی تیز کر دو! جہاں پہنچ کر قریش کی سن گن رکھو اور ان کی خبریں ہم تک پہنچاتے رہو۔

افراد دستہ نے مضمون فرمان سن کر سمجھا کہ خود ان میں سے کسی پر وئی خاص پابندی نہیں اور وہ بدستور امیر دستہ کی معیت میں قطع سفر میں مصروف رہے

دوران مسافت میں جناب سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان ونوں اپنے همراهیوں سے بچھڑ گئے (جن کی اونٹنیاں گم ہو گئی تھیں) اور ان کی لاش میں (وہ) دونوں (خود بھی) قریش کے هاتھوں گرفتار ہو گئے اور ادھر امیر ستہ جناب عبداللہ ابن جحش حسب فرمان (مقام) نخلہ پر جا پہنچے۔

قریش پر مسلمانوں کا پہلا حملہ: اسی دوران میں قریش مکہ کا تجارتی قافلہ خلہ کی راہ پر نظر آیا (یہ قافلہ شام سے لوٹ کر آ رہا تھا: م:) ماہ رجب کا آخری ں تھا (اور رجب حرمت والے مہینوں میں سے ہے: م:) قافلہ کا سردار عمرو بن ضرمی تھا دیکھتے هی مسلمانوں کا خون کھول اٹھا کہ "انہی لوگوں نے تو ہیں ہمارے گھر بار اور مال و اسباب سے محروم کر رکھا ھے!" تاهم مسلمانوں نے س میں مشورہ ضروری سمجھا اور اس معاملہ میں دو رائے ہو گئیں۔

ا۔ واللہ لئن ترکتم القوم هذه اللیة" لید خلن الحرام فلیمتنجن منکم به	ا۔ بخدا! اگر تم نے انہیں چھوڑ دیا تو تو یہ شب بھر میں حرم (مکہ) میں داخل ہو جائیں گے پھر ان پر تصرف کجا!
ب۔ ولئن قتلتمو هم‌لتقتلنهم فی الشهر الحرام'	ب۔ اور اگر ان پر حملہ کیا تو یہ جنگ حرمت کے مہینے میں ہوگی!

مسلمان گو مگو میں پڑ گئے لیکن ذرا دیر کے بعد ان کے ذهن صاف ہو گئے اور ن پر ٹوٹ پڑے ایک مسلمان (حضرت واقد سهمی: م:) کے تیر سے عمرو بن الحضرمی مارا گیا دو آدمی مسلمانوں نے گرفتار کر لیے جن کے ساتھ قافلہ کا مال و اسباب بھی تھ آیا۔

تفسیر آیتہ: والفتنہ" اکبر من القتل: امیر دستہ جناب عبداللہ اپنے همراہ یش کے دونوں قیدی اور ان کا مال و اسباب لے کر مدینہ واپس تشریف لے آئے

ہر دو اسیر اور اسباب میں سے خمس (1/5) رسول خدا کی خدمت میں پیش کیا لیکن جب آنحضرت کو علم ہوا ہوا تو بر افروختہ ہو کر فرمایا

ما امر تکم بقتال فی الشھر الحرام!	میں نے حرمت والے مہینے میں جنگ کی اجازت نہیں دی

یہ سن کر امیر دستہ اور اُن کے اسیر دونوں اپنی اپنی جگہ پر دم بخود رہ گئے آنحضرت نے قیدی اور اسباب دونوں میں سے کسی شے کو قبول نہ فرمایا ابھی تک مال و اسیر امیر دستہ ہی کے قبضہ میں رہے۔

ادھر قریش کو نفرت پھیلانے کا موقعہ مل گیا انہوں نے ملک میں چاروں طرف اپنے ڈھنڈورچی پھیلا دئے جو چلاتے پھرتے کہ ”جناب محمد اور ان کے ساتھیوں نے حرمت کے مہینہ میں ہم پر حملہ کرکے خون ریزی کی اور ہمارے اسوال اور آدمیوں کو اسیر کرکے لے گئے“ ابھی تک جو مسلمان مکہ میں گھرے ہوئے تھے وہ اس معاملہ میں کہتے کہ ”مسلمانوں نے ماہ رجب نہیں بلکہ شعبان میں ایسا کیا ہے“ (م: ماہ رجب کی آخری شب گذر جانے اور ماہ شعبان کی اول ساعت آ جانے کے بعد!

یہود مدینہ نے سنا تو انہیں بھی مسلمانوں پر حرمت والے مہینے کا الزام دینے کا موقعہ مل گیا تاکہ مسلمانوں کے خلاف فتنہ کی آگ بھڑکائی جا سکے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ ؕ قل قتال فیہ کبیر و صد عن سبیل اللہ و کفر بہ والمسجد الحرام و اخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ ۚ والفتنۃ اکبر من القتل ؕ	”اے پیغمبر! لوگ تم سے پوچھتے ہیں جو مہینہ حرمت کا مہینہ سمجھا جاتا ہے اس میں لڑائی کرنا کیسا ہے؟ ان سے کہہ دو! اس میں لڑائی کرنا بڑی برائی کی بات ہے مگر (ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو) کہ انسان کو اللہ کی راہ سے روکنا (یعنی ایمان اور خدا پرستی کی راہ سے روکنا (یعنی ایمان اور خدا پرستی کی راہ اس پر بند کر دینی) اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام میں نہ جانے دینا نیز مکہ سے وہاں کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ برائی ہے اور فتنہ (یعنی ظلم و فساد) قتل سے بھی بڑھ کر ہے
ولا یزالون یقاتلونکم حتیٰ یردوکم عن دینکم (۲ : ۲۱۷)	اور (یاد رکھو) یہ لوگ تم سے برابر لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر بن پڑے تو تمہیں دین سے برگشتہ کر دیں

حضرت عبداللہ بن جحش کا گشتی دستہ: اس کے نتائج اور آیہ متذکرہ الصدر (ویسئلونک عن الشهرالحرام: ۲:۲۱۴) کا نزول اسلام کا ایسا انداز سیاست پیش کرتا ہے جس سے انسانی زندگی کی رفعت مختلف پہلوؤں سے نمایاں ہوتی ہے یہ زندگی کے مادی و روحانی پہلوؤں کا توازن قائم رکھنے میں ہماری رہبری کرتا ہے۔

قرآن مجید مشرکین مکہ کے اس گلہ کو حق بجانب قرار دیتا ہے کہ ''حرمت کے مہینوں میں جنگ و جدال حرام ہے'' لیکن قرآن مجید کو خود مشرکین سے جو شکوہ ہے اس کا جواب کیا ہے ؟

جس گناہ کا شکوہ تمہیں ہے کچھ گناہ اس سے بھی تو زیادہ گھناؤنے ہیں مثلاً

أ۔ انسان کو اللہ کی راہ سے باز رکھنا: و صدعن سبیل اللہ

ب۔ خود کفر پر جمے رہنا: و کفربه:

ج۔ زائرین کو کعبہ کی زیارت سے منع کرنا؛ والمسجد الحرام:

د۔ لوگوں کو ان کے وطن سے خارج کر دینا: واخراج اهله منه

ہ۔ لوگوں کو طرح طرح کے ظلم و جور سے ان کو دین سے برگشتہ کرنا والفتنة اکبر من القتل:

اور یہ گناہ (از الف تا ہ) جیسے حرمت کے مہینوں میں حرام ہیں باقی دنوں میں بھی تو ویسے ہی حرام ہیں!

قریش جو آج عرب کے گھر گھر میں یہ منادی کر رہے ہیں کہ ''مسلمانوں نے حرمت کے مہینے میں قتل و غارت کا ارتکاب کیا!'' ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر بھی دیکھیں کہ انہوں نے حرمت کے مہینوں ہی میں مسلسل تیرہ سال تک مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کے لیے کون سا ظلم اٹھا رکھا؟ کیا مشرکین اور قریش کے لیے دوسروں کو دین کی وجہ سے ستانا مباح ہے ؟ اور خود انہیں کفر پر قائم رہنے کا حق حاصل ہے ؟ کیا مسجد الحرام کے پاسبانوں کو ان کے گھروں سے نکال دینا ان کے لئے واجب ہے؟ ان کے لئے جائز ہے کہ مسلمانوں پر دین کی وجہ سے کھانا پینا حرام کر دیں ؟ وہ شخص کیونکر مجرم ہو سکتا ہے جو اسی بیت اللہ کے جوار اور اسی حرم اور انہی حرمت والے مہینوں میں ان قریش و مشرکین کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو خود انہوں نے دوسروں کے ساتھ روا رکھا ؟ سب سے بڑا گناہ تو یہ تھا کہ کسی حرمت والے دن میں ایسے لوگوں کو نہ ستایا جاتا جن کے دلوں میں دوسروں کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ تک نہ ہو !

بلا شبہ فتنہ برپا کرنا ارتکاب قتل سے زیادہ برا ہے مگر جو قوم دوسروں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے میں آگے بڑھے لوگوں کو خدا کی راہ سے ہٹانے کی مرتکب ہو اس کے خلاف جنگ کرنا واجب ہے اور ایسی جنگ خدا

کی راہ میں متصور ہو گی کہ ایسے لوگ دوسروں کو ان کے دین سے برگشت
کرنے سے رک جائیں تاکہ خدا کا دین فتح یاب ہو جائے!

مستشرقین اور منادین مسیحیت کی دوہائی: اس آیت (یسئلونک عن الشھرالحرا قتال فیہ : ۲ : ۲۱۷ : برص : ۵۳۹) کو سامنے رکھ کر مسیحی اھل استشراق او مبلغین نے دوھائی مچا دی کہ ''اسلام جہاد کی دعوت دیتا ہے اور دین پھیلا کے لئے جنگ کو ضروری سمجھتا ہے''، مسیحی حضرات کا وھی پرانا حربہ کہ ''اسلام تلوار کے زور سے اپنا سکہ منوانا چاھتا ہے''

دوستو ! یہ اعتراض اس مسیحیت کی طرف سے ہے جنہوں نے دین پھیلانے کے لئے جیسے تلوار کو چھوا تک نہیں ! جن کا دامن مذھبی حملوں اور ایسی جنگوں سے ھمیشہ پاک رھا جنہوں نے خود بھی سلامتی کو اختیار کیا او دوسروں کے لئے بھی سلامتی ھی کو روا رکھا ! صلح و آشتی جن کا قومی نعر ہے اور انسانیت کے درمیان خدا اور سیدنا مسیح کے واسطہ سے اخوت کا پیوند قائ رکھنا ھمیشہ سے جن کا دستور! میں اس کے جواب میں انجیل کی اس تصریح ک پیش کرنا نہیں چاھتا کہ ''میں زمین پر صلح کرانے نہیں آیا بلکہ تلوار چلا آیا ہوں'' ۔ نہ میں انجیل کی اس آیت کی تفسیر ھی میں جانا چاھتا ہوں (ج سیدنا مسیح کے بعد ان کے ماننے والوں نے زبان شمشیر سے دوسروں کے سامن بیان فرمائی :م:) کیونکہ مسلمان خود حضرت عیسیٰ کی نبوت کے معترف ھی لیکن میں اسلام کی طرف سے مسیحی مستشرقین اور ان کے مبلغین کا یہ اعتراض دور کرنا چاھتا ہوں کہ ''بانی اسلام نے تلوار کے زور سے اسلام کی بنیاد رکھی'' قرآن ان کے اعتراض کی تردید ان لفظوں میں کرتا ہے ۔

۱- لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (۲ : ۲۵۶)	دین کے بارے میں کسی طرح کا جبر نہیں (کیونکہ وہ دل کے اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے اور جبر و تشدد سے اعتقاد پیدا نہیں کیا جا سکتا) بلاشبہ ھدایت کی راہ گمراھی سے الگ اور نمایاں ہو گئی ہے۔
۲- و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لا تعتدو ان اللہ لایحب المعتدین (۲ : ۱۹۰)	اور (دیکھو) جو لوگ تم سے لڑائی لڑ رہے ہیں چاہیے کہ اللہ کی راہ میں تم بھی ان سے لڑو (پیٹھ نہ دکھلاؤ) البتہ کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیے اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں:

اور ان کے سوا بے شمار آیات قرآنی اس پر دال ہیں کہ اسلام قبول کرانے میں اکراہ کا کوئی دخل نہیں !

جہاد فی سبیل اللہ کی اسلامی توجیہ : جیسا کہ آیات متذکرۃ الصدر (نمبر ۲۵۶ و نمبر ۱۹۰ : سورۃ البقر) اور جناب عبداللہ بن جحش (ص : ۲۷۱) سے مستفاد ہے کہ ''جنگ کرنا انہیں لوگوں کے ساتھ روا ہے جو مسلمانوں کو ان کے

دین سے روکیں،، مقاتلہ عقیدہ کی آزادی حاصل کرنے کے لئے ہے جو (عقیدہ خداوند عالم اور اس کے دین کے ساتھ وابستہ ہے جسے عہد حاضرہ کے اسلوب میں اس وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ

> ”جہاد سے مقصود وہ دفاعی وسائل ہیں جو عقیدہ کی حفاظت کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں“

بایں تفسیر و معنی کہ !

(ا) اگر کسی شخص کو اس کے عقیدہ سے رشوت ، دباؤ یا تعذیب. قطع نظر صرف دلیل و منطق سے ہٹانے کی کوشش کی جائے تو مقابل کو حق حاصل ہے کہ ایسے شخص کو منطق و دلیل جواب دے۔

(ب) اگر کسی شخص کو اس کے عقیدہ سے دلائل و منطق سے قطع نظر قوت دباؤ اور تجویف و تعذیب سے روکا جائے تو ایسے شخص کا جواب دلیل و منطق کی بجائے طاقت و تخویف و تعذیب سے ہو گا۔

اس لئے کہ انسان کا شرف و بزرگی اسے اپنے عقیدہ کی حفاظت کا ذمہ دار گردان رہی ہے جو شخص انسانیت کے مفہوم کو سمجھتا ہے اس کے نزدیک عقیدہ کی حفاظت مال و ثروت اور جاہ و منصب بلکہ جان سے بھی زیادہ ضروری ہے

انسان اور حیوان دونوں ذی روح ہونے کے اعتبار سے مساوی درجہ رکھتے ہیں کہ خور و نوش و نمو اور حفاظت بدن میں دونوں کے احساسات مساوی ہیں لیکن عقیدہ جسے صرف معنوی درجہ حاصل ہے اس میں ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ مربوط ہے یہی عقیدہ انسان اور خدا کے درمیان وجہ ربط ہے لیکن انسان اور حیوان میں عقیدہ کے رشتہ کا کوئی سوال نہیں اسی (عقیدہ) کی بدولت انسان کو حیوان پر تفوق ہے۔ عقیدہ کی بنا پر انسان جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے دوسرے انسان کے لیے بھی وہ اسے پسند ہے وہ ربط عقیدہ کی وجہ سے اپنی نکبت و ناداری میں دوسرے محتاج ہم عقیدہ انسان کی ضروریات کو اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر ترجیح دینے میں لطف و انبساط محسوس کرتا ہے۔ اس ربط و ہمدردی سے انسان کا مقصد ان کمالات کا حاصل کرنا ہے جو خدا تعالیٰ نے عالم کون و مکان کے ہر ذرے میں اس کی منفعت کے لیے مقدر فرما رکھے ہیں۔

یہی عقیدہ جب انسان کی روح میں نفوذ حاصل کر لیتا ہے جس کے بعد اگر اس (عقیدہ) کا مخالف اس کے عقیدہ کو بدلنا چاہتا ہے تو یہ مخالف ہزارہا مظالم روا رکھنے کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا یہ غریب اس ظالم کا جور و ستم روکنے سے بھی مجبور ہے وہ تمام سختیاں برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنے عقیدہ کو ترک نہیں کرتا جیسا کہ مکہ میں ہجرت (کرنے) سے پہلے مسلمانوں کا معاملہ ہے جنہوں نے خود پر ہر قسم کے مظالم برداشت کئے لیکن صبر کا دامن نہ چھوڑا ، شدت اشتہا سے جان کے لالے پڑ گئے مگر عقیدہ کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھی۔

صدر اول کے مسیحی دین دار: جیسا کہ عہد اولیٰ کے مسیحی حضرات ھیں جنھوں نے مسلمانان مکہ ھی کی طرح دین کی راہ میں ھر قسم کے ظلم برداشت کیے جو اتنی بڑی تعداد میں بھی نہ تھے (جتنے مسلمانان مکہ!) چند منتخب روزگار تھے جن کو خدا نے ان کی قوت ایمان کی وجہ سے پسند فرما لیا وہ اپنے عقیدہ و ایمان کی حفاظت میں کسی ظلم و سختی سے متاثر نہ ھوئے ایسے لوگوں کے ثبات و استقلال اور ان کے ایمان کی تاثیر پر انجیل بھی گواہ ھے کہ اگر وہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ھٹ جانے کا حکم دیں تو اسے تعمیل کے بغیر چارہ نہ ھوگا۔

ایک اور شخص ھے جسے دشمن اس کے عقائد سے برگشتہ کرنے کے لیے اس پر ھر قسم کا ظلم روا رکھتا ھے اور یہ شخص اپنے مخالف کا مقابلہ کر سکتا ھے ایسے شخص کے لیے ھر گز روا نہیں کہ مقابلہ کرنے میں ذرہ برابر کوتاھی سے کام لے اگر اس نے مقابلہ نہیں کیا تو اس کے یہ معنی ھیں کہ اس کا ایمان و عقیدہ ابھی استوار نہیں ھوئے۔

یہی عمل حضرت محمد صلعم اور ان کے رفقا نے مدینہ میں استقرار کے بعد کیا جیسا کہ مسیحیوں نے شام و قسطنطنیہ پر قبضہ و اقتدار حاصل ھو جانے کے بعد عیسائیت کے دشمنوں پر روا رکھا باوجودیکہ روم کے بعض بادشاھوں نے جو رقیق القلب بھی تھے لیکن انہوں نے اپنے عقیدہ کی حفاظت میں نرم دلی کو بالائے طاق کر دشمنوں سے دل کھول کر بدلے لیے۔

آج مسیحی مناد کہتے پھرتے ھیں ''دین مسیح مطلق طور پر جنگ کرنے سے منع کرتا ھے'' ھمیں اس سے بحث نہیں کہ ان کا دین کیا کہتا ھے دیکھنا یہ ھے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کی تاریخ'' جو معتبر گواہ کی حیثیت میں ھمارے سامنے ھے، بتاتی ھے کہ جوں ھی مسیحیت نے آنکھیں کھولیں مذھب و عیسویت کے نام پر زمین انسانی خون سے رنگ دی گئی۔ مملکت روم میں مسیحیت کی برکت سے انسان کا لہو سستا ھو گیا۔ یورپ میں عیسویت کے طفیل خون کے دریا جوش مارنے لگے۔ صلیبی جنگوں کو مسیحیت ھی کے پرستاروں نے فروغ بخشا۔ یورپ سے ان کے لشکر صلیب مقدس اٹھا کر وسط ایشیا کے مسلمانوں پر ترک و تازکرتے۔ ارض مقدس میں صدیوں تک انسانی خون کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہا ان جنگوں میں مقدس پاپائے فوج کے (مسیحی) سپاھیوں کو برکت عطا کرتے ھوئے انھیں بیت المقدس پر قبضہ کر لینے کی تلقین فرماتے (جو اس وقت مسلمانوں کے زیر اقتدار تھا) کیا پاپایان مقدس کو اتنا علم نہ تھا کہ مسیحیت خون ریزی سے منع کرتی ھے یا قرون وسطی کا یہ دور بربریت اور وحشت کا دور تھا اور اس دور کے حوادث کو دین مسیح کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں؟

اگر مسیحی کرم فرما اس پر مصر ھیں کہ جس زمانہ میں صلیبی جنگیں برپا ھوئیں وہ ظلمت و وحشت کا دور تھا مگر صلیب کے پرستاروں نے بیسویں صدی میں جب کہ تہذیب و تمدن کی روشنی چشم انسان کو خیرہ کر رھی ھے اتحادیوں کے مشترکہ نمائندہ لارڈ البنی نے ۱۹۱۸ء میں بیت المقدس پر صلیب لہراتے ھوئے نہایت فخر کے ساتھ کہا کہ ''آج صلیبی جنگوں کی تکمیل ھوئی ھے''

اگر گزشتہ زمانہ میں مسیحیوں کے اندر ایسے پاک باطن لوگ پیدا ہوئے جو جنگ و جدال سے دست کش اور انسانی محبت کے قیام و آرام کے دل دادہ تھے (تو ہمیں اس سے انکار نہیں) لیکن مسلمانوں میں ایسے لوگ اور بھی بکثرت پیدا ہوئے جو روحانی عظمت کا نمونہ ، اختلاف سے بالاتر ، جنگ و جدال سے یک طرف اور انسانی برادری و اخوت قائم رکھنے کے فریفتہ رہے ۔

عیسائی اور مسلمان دونوں میں ایسے مقدس لوگوں کی کمی نہیں رہی لیکن انسانی زندگی جس کمال کے لیے صدیوں تگ و پو میں سر گرداں تھی اس کے لیے اسلام سے قبل اس منزل پر پہنچنے کی کوئی توقع نہ تھی آج سے (تقریباً) (١٣٧٠) سال قبل رسول خدا نے اپنے مولد و مسکن (مکہ) کو خیر باد کہہ کر یثرب میں طرح وطن ڈالی تو اس وقت تک بھی قومیں ایک دوسرے کے ساتھ مصروف قتال اور جنگ کے لیے جہنمی آلات بنانے میں منہمک تھیں ۔ یہ نہیں کہ اس دور کی جنگجو قومیں باہم صلح کے معاہدے کرتی ھی نہ تھیں بلکہ آج کی طرح وہ بھی ”صلح مسلح“ کرتے جس صلح کے عقب میں آلات جہنم تیار کیے جاتے ”حرمت جنگ“ اور ”تخفیف اسلحہ“ دونوں کو آلہ فریب کے طور پر استعمال کیا جاتا تا آنکہ دنیا نے پہلی مرتبہ ایک ایسی آواز سنی جس میں جنگ کی مذمت تھی اور یہ اسلام کی آواز تھی لیکن اہل مغرب آج کسی ایسے طریق پر قادر نہیں جس سے جنگ رک سکے اور دنیا کو مسلح جنگوں کی بجائے سلامتی کا صحیح حل مل سکے ۔

اسلام کی بنیاد خیالی عقائد و اوہام پر نہیں نہ وہ انسان کو انفرادی زندگی کے گر بتاتا ھے بلکہ وہ ایسا دین الفطرہ ھے جس کی پیروی فرد اور جماعت دونوں کے ذمہ عائد ھے اسلام ایک مسلمہ حقیقت اور طبعی استقلال پر قائم ھے جہاں تک جنگ و جدال کا تعلق ھے اسلام اس سے انکار نہیں کرتا لیکن انسانیت کے احترام کی وجہ سے وہ جنگ کو نرم کرنے کی تلقین بھی کرتا ھے یہ سب سے بڑی اصلاح و تبدیلی ھے جو اس (جنگ) کے معاملہ میں کی جا سکتی ھے جس سے انسان کو نیکی اور کمال حاصل کرنے کی ترغیب ہوتی ھے۔

اور یہ جو ھم نے کہا کہ وہ جنگ کو نرم کرنے کی تلقین کرتا ھے تو اس کا یہ مطلب ھے کہ اسلام جنگ کرنے کی اجازت صرف دو حالتوں میں دیتا ھے

أ- انسانی زندگی کی حفاظت کے لیے

ب- عقیدہ کی حفاظت کے لیے

اسلام نے جس قسم کے جہاد کو قائم رکھا اور جس کی تلقین قرآن نے فرمائی ھے یہی جنگ ھے جیسا کہ ھم نے گذشتہ اوراق میں بیان کیا اور جس کی مزید تفصیل بعد میں بھی آئے گی ۔

غزوۂ بدر

صادق امین عبداللہ محمد ﷺ کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

داعی جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن یتیم

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

١٣

غزوۂ بدر

پھر ابن جحش کے گشتی دستہ کی یاد: جناب عبداللہ بن جحش کے گشتی دستہ نے اسلام کا رخ ایک نئی راہ کی طرف پھیر دیا (ص : ٢٦٧) جس میں روسائے مکہ میں سے عمرو بن الحضرمی کی موت حضرت واقد بن عبداللہ (التیمی) کے تیر سے واقع ہوگئی۔ تاریخی طور پر مسلمانوں کے ہاتھ سے یہ پہلا قتل ہوا۔ اسی واقعہ پر اعتراض کے بارے میں آیہ" یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیه (٢ : ٢١٧ : نازل ہوئی۔

اس واقعہ کے بعد مسلمانوں نے کفار مکہ کے خلاف جہاد شروع کر دیا جو سال ھا سال سے مسلمانوں کے دین کی وجہ سے ان کے در پے آزار اور ان کے اللہ کی راہ پر گامزن ہونے میں حارج رہے۔

حضرمی (مکی) کے واقعہ قتل نے فریقین (مسلمان ١ اور قریش ٢) دونوں کے طریق کار کو بدل دیا مسلمان قریش سے اپنے متروکہ اموال و املاک یا ان کا بدل وصول کرنے پر اتر آئے ادھر قریش نے حضرمی (عمرو) کا قتل حرمت والے مہینے میں واقع ہونے کی وجہ سے تمام عرب کو رسول اللہ اور ان کے رفقا کے خلاف مشتعل کرنے کا ذریعہ بنا لیا جس سے آنحضرت کا یہ خیال پختہ ہوگیا کہ قریش مکہ سے سمجھوتے کی توقع بے سود ہے۔

ابو سفیان کے تجارتی قافلہ کی واپسی پر: قبل ازیں جب (٢. ھجری میں) ابو سفیان تجارتی سامان کے ہمراہ شام کی طرف جانے لگے تو مسلمانوں نے یہ خبر سن کر ان کی راہ گھیرنے کا قصد کر لیا (مسلمانوں کے اس سفر و سیاحت کا نام جیش العشیرہ ہے) مگر ابو سفیان مسلمانوں کے پہنچنے سے دو روز قبل آگے نکل چکے تھے اور مسلمان اسی روز سے (اس) قافلہ کی واپسی کی انتظار میں لگے رہے جوں ہی ان کے لوٹنے کا موسم آیا رسول اللہ نے طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید دو صاحبوں کو قافلہ کی خبر رسانی کے لیے مقرر کیا جو (مقام) حور میں آ کر کشد (الجھنی) کے ھاں پہنچ کر گھات میں بیٹھ گئے جس وقت کارواں وھاں گزرا دونوں اصحاب تیز رفتاری سے رسول اللہ کے حضور اطلاع کرنے کے لیے روانہ ہو گئے لیکن آنحضرت کو ان کے مدینہ پہنچنے سے بھی پہلے یہ خبر مل چکی تھی۔

اس (کاروان) کی سوداگری میں مکہ کے تمام مرد و زن شریک تھے جن کی مجموعی پونجی پچاس ہزار دینار تھی رسول کریم کو خطرہ تھا مبادا پہلے کی طرح انتظار ہی انتظار میں ابو سفیان کو نکلنے کا موقعہ مل جائے آپ نے مسلمانوں کو جمع کرکے فرمایا۔

هذه غیر قریش! فاخز	قریش کا قافلہ واپس جا رہا ہے اے مسلمانو!
جوا الیها لعل الله	ہمت کرو امید ہے کہ اللہ تمہیں تمہارے اموال
ینفلکموها	مغصوبہ سے بھی کچھ زیادہ دلوا دے

کچھ مسلمان تیار ہو گئے اور بعض گو مگو میں پڑ گئے جب مدینہ کے کافروں نے سنا تو غنیمت کے لالچ سے مسلمانوں کی یاوری پر وہ بھی آمادہ ہو گئے لیکن رسول اللہ نے فرمایا کہ ”ہمیں ان کے ایمان کے بغیر ان کی نصرت کی احتیاج نہیں!“

ابو سفیان کی فراست: جو شام کی طرف جاتے ہوئے بھی مسلمانوں کی مڈ بھیڑ سے بچ گئے تھے ابو سفیان مرد دانا تھے انہیں واپسی میں وہی خطرہ تھا جس کی وجہ سے قدم قدم پر مسلمانوں کے عزائم کی خبر سننے کے لیے گوش براہ تھے۔

ادھر کشد جہنی جن کے ہاں رسول اللہ کے مخبروں نے گھات لگا رکھی تھی ابو سفیان نے اس سے مسلمانوں کے عزائم کی خبر دریافت کی اس نے رسول اللہ اور آپ کے ارادہ سے تو ابو سفیان کو مطلع نہ کیا لیکن اس خیال سے کہ قریش کا اس قدر مال جس کے ہمراہ ۳۰، ۴۰ آدمیوں سے زیادہ نہیں کہیں مسلمان اسے لوٹ نہ لیں! جہنی نے از راہ ہمدردی (اپنی طرف سے) ایک شخص جس کا نام ضمضم بن عمرو الغفاری تھا اجرت دے کر قریش (مکہ) کو خطرہ سے متنبہ کرنے کے لیے ان کے ہاں بھیج دیا۔

ضمضم غفاری کی واویلا: ضمضم نے مکہ کے سوانے میں پہنچ کر اپنی ناقہ کے کان اور ناک کاٹ دیے اس کا پالان الٹا کرکے کوہان پر رکھ دیا اپنی قمیص کا گریبان اور عقب سے دامن چاک کرکے بلند آواز سے چلانا شروع کر دیا۔

”اے قریش! تمہارا قافلہ خطرہ میں ہے! محمد اپنے رفقا سمیت ابوسفیان پر حملہ کرنے کو ہے امید نہیں کہ تم اپنا تمام مال بچا سکو! کون دلاور ہے جو ابوسفیان کو بچانے کے لیے نکلے!“

ابو جہل کی تحریض: ابو جہل نے سنا تو پہلے کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے پشتینی خداؤں سے استمداد کی پھر اپنے مددگاروں کو ابھارا وہ نازک مزاج فصیح اللسان اور ذہین تھا اگرچہ قریش اس معاملہ میں کسی تحریک و تحریض کے اتنے محتاج بھی نہ تھے کیوں کہ اس کاروان میں سب ہی حصہ دار تھے تاہم ابوجہل کی تنبیہ نے ایک طرف سے آگ لگا دی!

البتہ اہالی قریش میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو قریش کے مسلمانوں پر ان مظالم سے متاثر تھے جن سے گھبرا کر انہوں نے پہلے حبشہ کی ہجرت کی اور بعد

میں مدینہ کو اپنا گھر بنانے پر مجبور ہو گئے اہل مکہ ایک طرف ان تاثرات کی وجہ سے خروج کے بارے میں متردد تھے تو دوسری طرف انہیں یہ خطرہ تھا کہ اگر ابوسفیان گھر گئے تو ہمارا حصہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔

قریش و بنوکنانہ کی پرانی دشمنی: ان لوگوں کو قریش و بنوکنانہ کی پرانی دشمنی کی وجہ سے یہ کھٹکا بھی تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ہم (یعنی قریش) محمد کے بالمقابل صف آرا ہوں بنو کنانہ اپنا بدلہ لینے کے لیے عقب سے ہم (قریش) پر حملہ کر کے ہمارا صفایا کر دیں! قریش کا یہ وسوسہ اپنا اثر دکھانے کو تھا کہ مالک بن جعشم (المدلجی) نے اڑتی اڑتی (یہ) خبر سن لی (وہ بنو کنانہ کا بڑا چوہدری تھا) مالک قریش کے مجمع میں پہنچا اور کہا

انا جارلکم من ان تاتیکم کنانتہ من خلفکم بشی تکرھو نہ	(اے یاران قریش!) اگر بنو کنانہ تمہارے ساتھ غداری کریں تو میں ذمہ دار ہوں!

مالک بن جعشم کی تقریر نے ابوجہل اور عامر حضرمی کی ہمت بندھا دی۔ یہ دونوں خروج و مقابلہ کے موید تھے (ابن جحش کے گشتی دستہ کے ہاتھوں اسی عامر کا بھائی عمرو الحضرمی بمقام نخلہ مارا گیا تھا اہل مکہ میں جو شخص موجود میدان میں لڑنے کے قابل تھا بلا تامل خروج کی تیاری کرنے لگا مگر جو شخص کسی صورت میں مجبور تھا۔ اس نے ہر معاوضہ پر اپنا قائم مقام تیار کر ماسوائے ابوالھب کے جس نے خروج پر قادر ہونے کے باوجود عاص بن ہشام بن المغیرہ کو اس معاوضہ پر مقرر کر دیا جو عاصي کے ذمہ ابوالھب کے چار ہزار درہم کی صورت میں تھا۔

امیہ بن خلف اور ابوجہل کا مکابرہ: اول الذکر (امیہ) فربہ اندام ہونے کی وجہ سے چلت پھرت سے مجبور تھا اور یوں جان بچانے کا بھی حریص۔ وہ خروج سے اپنا دامن بچا رہا تھا قریش نے سنا تو عقبہ بن ابی معیط اور ابوجہل دونوں امیہ کے پاس آئے۔ امیہ کعبہ کے اندر بیٹھا ہوا تھا عقبہ کے سامنے انگیٹھی میں لوبان سلگ رہا تھا اور ابو جہل کے پاس سرمہ دانی اور سلائی تھی۔ عقبہ نے امیہ کے سامنے انگیٹھی رکھ دی اور ابو جہل نے سرمہ دانی اور سلائی! عقبہ نے امیہ سے کہا تم عورت ہو لو گھر میں بیٹھ کر خوشبو سے دماغ معطر رکھو۔ ابوجہل نے کہا ”اے عورت! سرمہ حاضر ہے“ امیہ مجبور ہو گیا اور مکہ کا سب سے بیش قیمت اونٹ خرید کر اپنے دوستوں کے ساتھ خروج کیا اہل مکہ میں سے کوئی ایسا شخص خروج کے ارتکاب سے نہ بچا جو چلنے پھرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

مومنین کا اقدام: جناب نبی علیہ السلام (۸) ویں رمضان (۲ھ) کے روز مدینہ سے اقدام فرمائے سفر ہوئے۔ مدینہ کی عدم موجودگی میں نیابت صلوٰۃ جناب عمرو بن ام مکتوم (ضریر البصر) کو تفویض فرمائی اور روحا پر پہنچ کر ابو لبابہ کو مدینہ میں اپنی نیابت پر تقرر فرما کر واپس کیا۔

مسلمانوں کے اس دستہ کے دو سیاہ رنگ کے علم تھے سواری میں (۷۰) اونٹ ، جن پر نوبت بہ نوبت، دو دو سے لے کر چار چار حضرات تک سوار ہوتے ۔ خود رسالتمآب صلوات اللہ کی سواری میں جناب علی اور مرثد (الغنوی) شریک تھے اور ایک اونٹ میں ابوبکر ، عمر اور عبدالرحمان بن عوف ! اس دستہ میں کل (۳۰۵) حضرات بہ تفصیل ذیل شریک تھے ۔

مہاجرین (از مکہ)	۸۳
اوس (از انصار مدینہ)	۶۱
خزرج (از انصار مدینہ)	۱۶۱
	۳۰۵

مسلمان تیز رفتاری سے گامزن ہوئے کہ مبادا ابو سفیان ان کے ہاتھ سے نکل جائے وہ قدم قدم پر قافلہ کی خبر دریافت کرتے جب عرق الظبیہ[1] (مقام) پر پہنچے تو ایکہ بادیہ نشین ملا مگر وہ کچھ نہ بتا سکا یہاں سے آگے بڑھ کر وادی ذفران میں آئے تو معلوم ہوا قریش مکہ اپنے قافلہ کی حمایت میں آمڈ آئے ہیں جس سے صورت حال مختلف نظر آئی ۔

اب ابو سفیان اور ان کے (۳۰—۴۰) ساتھیوں کی بجائے تمام اہل مکہ سے مقابلہ تھا جن کی قیادت رؤ سائے قریش جیسے شمشیر زن بہادروں کے ہاتھ میں تھی جو اپنے اموال کی حفاظت کے لیے سر سے کفن باندھ کر گھروں سے نکلے! اور مسلمانوں کے ذہن میں تین قسم کے خیال موجزن تھے ۔

ا۔ ابو سفیان پر غلبہ کی صورت میں اموال اور بقیۃ السیف قریش کی گرفتاری کے منافع!

ب۔ لیکن جب قریش کو (یہ) معلوم ہوگا تو وہ اپنے اموال کی واپسی کے لیے کثیر التعداد فوج لے کر ہم پر پل پڑیں گے جس کے بعد اگر ان کا مغلوب ہونا ممکن ہے تو یہ بھی قرین قیاس کہ ہم سے اپنا مال و اسباب واپس لینے میں کامیاب ہو جائیں!

ج۔ اگر ہم ابو سفیان کا خیال چھوڑ کر مدینہ واپس لوٹ جائیں تو قریش مکہ، مدینہ کے یہود، دونوں کی نظروں میں ہماری آبرو خاک میں مل جائے گی ۔ قریش کی مانند یہود بھی ہمارے در پے آزار ہو جائیں گے اور اسلام کی شوکت سٹ جائے گی!

مشاورت اور مقداد کا اظہار: آنحضرت صلوات اللہ علیہ نے خروج قریش کی خبریں سنیں تو اپنے رفقا کو مشاورت کے لیے طلب کیا یہ واقعہ وادی ذفران کا ہے سب سے پہلے جناب ابوبکر اور عمر نے اپنی رائے پیش کی ان کے بعد حضرت مقداد بن عمرو (یکے از انصار مدینہ) نے پیش ہو کر یوں اظہار دیا ۔

یا رسول اللہ! امض الما اراک	یا رسول اللہ! احکام خداوندی کی تعمیل فرمانے میں ہماری طرف سے دل میں خدشہ نہ لائے ہم (بنی اسرائیل کی مانند

---

[1] ۱۔ روحا سے ۳ میل ! (معجم البلدان)

الله فنحن معک	آپ سے! ''اذهب انت و ربک فقاتلا[۱] نہ کہیں گے بلکہ انا معکما مقاتلون[۲]''

اب آنحضرت صلعم نے ان لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا جنہوں نے آپ کے زمانہ قیام مکہ میں بیعت عقبهٔ کبریٰ پر مدافعت کے لیے اپنے عیال و اولاد تک نثار کرنے کا وعدہ کیا تھا اگرچہ اس بیعت میں دوسروں پر حملہ کرنے کا کوئی وعدہ نہ تھا جب انصار کو محسوس ہوا کہ رسول خدا کا یہ اشارہ ہماری طرف ہے تو ان کے لشکر کے علم بردار حضرت سعد بن معاذ انصاری نے پیش ہو کر عرض کیا۔

انک تریدنا یا رسول الله ؟ کیا جناب کا یہ اشارہ ہماری طرف ہے ؟

فرمایا میرا اشارہ تمہاری ھی طرف ہے ؟

سعد بن معاذ کا اظہار: یا رسول الله

لقد آمنابک وصدقناک و شهدنا ان ماجئت به هوالحق و اعطیناک علی ذلک عهودنا و مو اثیقنا علی السمع .و الطاعه! فامض لما اردت! فنحن معک!	ہم آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے، ہم نے آپ کی تصدیق میں سبقت کی، ہم نے قرآن کی توثیق کی، آپ کی اطاعت پر عہد موثق کیا خدارا آب احکام خداوندی کی تعمیل میں ہماری طرف سے دل میں خلشہ نہ لائیے۔
فوالذی بعثک او استعرضت بنا هذالبحر فخضه لخضناه معک ما تخلف منا رجل و احد و ما نکره ان تلقی بناعد ونا غداً انا لنصبر فی الحرب صدق فی اللقاء لعل الله یریک منا ماتقربه عینک! فسر بنا علی برکه الله!	خدائے یکتا کی قسم! جس نے آپ کو مبعوث فرمایا اگر آپ سمندر میں قدم رکھیں تو ہم بلا درنگ اس میں کود پڑیں گے اور ہم سے کوئی فرد پیچھے نہ رہے گا نہ ہم دشمن کا مقابلہ کرنے میں تامل کریں گے۔ ہم لڑائی کے میدان میں صابر اور مقابلہ کے موقعہ پر ثابت قدم ھیں امید ہے کہ ہماری وجہ سے الله تعالیٰ آپ کے دل کو ٹھنڈا رکھے گا بہتر یہ ہے کہ آپ دشمن کو گھیرنے کے لیے جلدی کوچ فرمائیے

سعد کی تقریر جاری ھی تھی کہ رسول الله کے چہرے سے خوشی کے آثار نمودار ہوئے اور فرمایا

سیروا وا بشروا فان الله قد وعدنی ''احدی الطائفتین''	(دوستو!) اب یہاں سے کوچ کرو خدا کی طرف سے تمہارے لیے فتح کی بشارت ہے الله نے دشمن کے دو قافلوں میں سے ایک پر نصرت کا وعدہ فرما دیا ہے
والله کانی انظر الی مصارع القوم!	بخدا! مکہ والوں میں سے ایک ایک کا مقتل میری آنکھوں کے سامنے ہے

۱- ۵ : ۲۴ : م

۲- ہم آپ کے دائیں بائیں دشمنوں سے جنگ کریں گے۔

بدر میں: اور منزل به منزل طے کرتے هوئے (مقام) بدر کے قریب جا پہنچے رسول اللہ اپنے رفقا کو وهیں چھوڑ کر تنہا گشت کے لیے نکلے (ذرا فاصله پر) ایک معمر عرب سے ملاقات هوئی جس سے آپ نے (بتجاهل عارفانه) قریش کے ساتھ اپنے اور مسلمانوں کے متعلق دریافت فرمایا اس مرد پیر کی گفتگو سے معلوم هوا که اهل مکه نے ادهر (قریب هی) پڑاؤ ڈال رکھا هے۔

رسول خدا واپس تشریف لے آئے اور علی ابن ابی طالب و زبیر بن العوام اور سعد بن ابی وقاص (هرسه حضرات) کو ایک دسته کے همراه دشمن کی خبر معلوم کرنے کے لیے بدر کے چاه کی طرف بھیجا (یه) دسته واپس لوٹا تو ان کے همراه دو نوعمر لڑکے تھے جن سے گفتگو پر معلوم هوا که مکه والے اس ٹیلے کے پچھواڑے پڑے هیں مگر ان کی تعداد دریافت کرنے پر یه بچے کچھ نه بتا سکے تب آنحضرت نے ان سے دریافت فرمایا که وه لوگ روزانه کتنے اونٹ ذبح کرتے هیں؟ بچوں نے عرض کیا ”ایک روز نو اور دوسرے دن دس اونٹ ذبح هوئے جس سے رسول خدا نے قریش کی تعداد کا اندازه نو سو سے لے کر ایک هزار تک فرمایا (ان) بچوں نے یه بھی بتایا که قریش کے تمام سردار شهر سے نکل کر آ پہنچے هیں یه سن کر سیدالبشر نے اپنے رفقا سے فرمایا

هذه مکة قد القت الیکم افلاذ کبدها!	مکه نے اپنے جگر پارے تمهارے روندنے کے لیے اگل دیئے هیں

ادهر رسول خدا اس غم میں ڈوب گئے که مسلمانوں کے مقابله میں قریش کی تعداد سه گنا هے میرے رفقا کے لئے استقلال کی ضرورت هے! ایسے نازک حالات میں اسی گروه کو نصرت حاصل هو سکتی هے جن کے دل ایمان سے لبریز هوں!

پہلے اصحاب ثلاثه (علی و زبیر و سعد) کی مانند رسول العالمین نے اس مرتبه دو اور رفیقوں کو مخبری کے لئے بھیجا یه حضرات بدر (مقام) میں پہنچے تو ایک کھلی جگه سواریاں بٹھا کر اپنے مشکیزے قریب کے پانی پر لے گئے جهاں پہلے سے دو جوان لڑکیاں موجود تھیں جن میں سے ایک لڑکی دوسری لڑکی سے اس کے قرض کے مطالبه میں کهه رهی تھی ”کل یا پرسوں تک ادهر قافله آنے کو هے میں ان لوگوں کی مزدوری کر کے تمهارا قرض ادا کر دوں گی،، یه خبر دونوں حضرات نے سنی اور واپس لوٹ کر رسول پاک کے گوش گذار کر دی۔

ابوسفیان کی حکایت: (ادهر قریش مکه اور مسلمان ایک دوسرے کے متعلق یوں مصروف عمل تھے: م:) ادهر ابوسفیان کا معامله اس حد تک آ پہنچا که وه تنہا اپنے قافله سے سرک کر ادهر ادهر بھاگ دوڑ میں لگ گیا که مبادا مسلمان انہیں گھیر لیں! ابوسفیان اسی تگ ودو میں بدر میں پانی کے گھاٹ پر پہنچا یهاں مجدی بن عمرو (نام) سے ملاقات هوئی جس نے ابوسفیان کی دریافت پر بتایا که ”ابھی ابھی دو شتر سوار مسلمان ادهر آئے اور اپنی سواریاں اس جگه بٹھائیں!،، یه سن کر ابوسفیان اس مقام پر آیا اور اونٹ کی مینگنی اٹھا کر دیکھیں تو ان میں یثرب کی علامات پائیں ابوسفیان الٹے پاؤں لوٹا اور راسته

بدل کر سمندر کے کنارے کنارے سفر شروع کر دیا تا کہ خود کو مسلمانوں کی دست برد سے بچالے !

پھر داستان بدر : مسلمانوں کو دوسرے روز ابوسفیان کے قافلہ سے مڈ بھیڑ کی توقع تھی مگر جب انہوں نے سنا کہ ابوسفیان کاوا دے کر دوسری راہ سے نکل گیا ھے اور ادھر ٹیلے کے پچھواڑے قریش کا لشکر ھمارے ساتھ مقابلہ کے لئے پڑاؤ ڈالے پڑا ھے تو مسلمانوں میں سے ایسے اشخاص جو غنیمت کی تاک میں آئے تھے مایوس ھو کر بیٹھ گئے ان میں سے دو چار حضرات نے رسول پاک سے اپنے مدینہ واپس چلے جانے کی اجازت طلب کی تا کہ انہیں اھل مکہ سے مقابلہ کا موقع نہ ملے جس پر یہ آیت نازل ہوئی

و اذ یعدکم اللہ احدی الطآ ئفتین آنھا لکم و تودون ان غیر ذات الشوکة تکون لکم و یرید اللہ ان یحق الحق بکلمٰتہ و یقطع دابر الکافرین (٨ : ٧)	اور (مسلمانوں!) جب ایسا ھوا تھا کہ اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا (دشمنوں کی) دو جماعتوں میں سے کوئی ایک تمہارے ھاتھ ضرور آئے گی ! اور تمہارا حال یہ تھا کہ تم چاھتے تھے جس جماعت میں لڑائی کی طاقت نہیں (یعنی قافلہ والی) وہ ھاتھ آ جائے اور (خدا کا چاھنا دوسرا تھا) خدا چاھتا تھا اپنے وعدہ کے ذریعہ حق کو ثابت کر دے اور دشمنان حق کی جڑ بنیاد سے کاٹ کر رکھ دے

لشکر قریش : قریش (مکہ) اس فکر میں غلطان تھے کہ جس قافلہ کی حفاظت کے لئے ھم گھروں سے نکلے وہ مسلمانوں کی گرفت سے بچ ھی نکلا ھے ! اب جنگ کرنے کے بغیر جس راستے سے ھم آئے ھیں اسی راستہ سے واپس جانا چاھیے تا کہ مسلمان (ھر لحاظ سے) ھاتھ ملتے رہ جائیں !

اسی وقفہ میں ابوسفیان نے بھی اپنے (ان) ساتھیوں کو پیغام بھیجا کہ آپ لوگ جس قافلہ کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے نکلے تھے اللہ کی مہربانی سے یہ موقعہ مقاتلہ کے بغیر ھی مل گیا ھے آپ لوگ بھی مسلمانوں سے مقابلہ کئے بغیر واپس لوٹ جائیں ۔

ابوسفیان کی اس رائے سے قریش میں سے بے شمار افراد نے اتفاق کیا مگر جب ابوجہل نے یہ سنا ! تو نہایت شدت سے اعلان کیا کہ

واللہ ! لا نرجع حتی نرد بدر افنقیم علیہ ثلاثا فنحرنا انجزو رونطعم الطعام ونسقی الخمر و تعرف القیان و تسمع بنا العرب بمسیرنا و جمعنا ، فلا	جب تک مسلسل ٣ روز ھم بدر پر رک کر اس طرح رنگ رلیاں نہ منالیں کہ موٹے تازے اونٹ ذبح کئے جائیں گرم گرم کبابوں کے ساتھ شراب ناب لنڈھائی جائے کنچنیوں کے رقص و سرود سے محفل گرم ھو ھماری بزم عیش و سرود کے

یزالون یہا بوننا ابدا   چرچے گھر گھر پھیلیں اور تمام ملک کے
بعد ہا   دلوں پر ہمارا خوف مسلط ہو !

(مقام بدر عرب کا مشہور میلہ گاہ تھا بوجہلا نہ تصورات میں ایسے اکھاڑے سے واپس لوٹ آنا تمام ملک کو یقین دلانا تھا کہ اہل مکہ جناب محمد اور ان کے رفقا کی ہیبت سے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ! اس سے حضرت محمد کا دبدبہ چار دانگ ملک میں قائم ہو جائے گا اور اس دعوت کو فروغ حاصل ہو گا جس کی بنیاد عبداللہ بن حجش کے گشتی دستہ کے ہاتھوں ابن حضری (عمرو) کے قتل اور اس کے مال و اسباب کی مسلمانوں کے ہاتھوں ضبطی کی صورت میں رکھی جا چکی ہے۔

مگر ابوجہل کے ساتھی متردد تھے کہ

ا۔ اگر ابوجہل کی ہم نوائی کی جائے تو بزدلی کے الزام سے بریت ہو جائیگی۔

ب۔ مکہ واپس لوٹ جانے کی صورت میں بھی مضائقہ نہیں کہ ہم جس قافلہ کی حفاظت کے لئے گھروں سے نکلے تھے وہ بخیر و عافیت مکہ پہنچ ہی گیا ہے

تا ہم (اہل مکہ میں سے) بنو زہرہ اپنے سردار اخنس بن شریق کی مشاورت و اطاعت کی وجہ سے واپس لوٹ گئے مابقی قبائل نے ابوجہل کی متابعت کے شوق میں مسلمانوں کے ساتھ مقاتلہ کا فیصلہ کر لیا اور لپک کر اپنے پڑاؤ کے قریب ایک ریتلے ٹیلے کی اوٹ میں مورچہ بنا لیا۔

بدر میں مسلمانوں کی سر گذشت : مسلمانوں کے ہاتھ سے غنیمت (قافلہ ابوسفیان) نکل چکی تھی مگر وہ قریش سے مقابلہ کے بغیر لوٹنا چاہتے تھے وادی بدر میں پہنچے تو پانی کی ایک کھائی دیکھی جو اسی شب مینہ برسنے سے بھر گئی تھی یہاں آ کر رک گئے مسلمانوں میں حباب بن منذر بن الجموع وادی بدر کی مکانی حیثیت کو سمجھتے تھے انہوں نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ یہیں مورچہ قائم کرنا چاہتے ہیں آنحضوت سے عرض کیا یا رسول اللہ ! اگر آپ نے اس مقام کو اللہ کے حکم سے پسند فرمایا ہے تو ہم یہاں سے ہٹ کر ادھر ادھر مورچہ بندی نہیں چاہتے ! یا آپ اپنی رائے اور موقعہ کی اہمیت اور تدبیر کی وجہ سے اسے تجویز فر مارہے ہیں ؟

آنحضرت نے فرمایا : صرف اپنی رائے اور موقعہ کی اہمیت اور تدبیر کی وجہ سے یہاں مورچہ بنانا چاہتا ہوں اللہ کے حکم سے نہیں

حباب : اس کے لئے یہ مقام مناسب نہیں ! بلکہ مسلمانوں کو حکم دیجئے کہ پانی کی اس کھائی کے قریب مورچہ بندی کی جائے جو دشمن کے قریب ہے اور پہلے اس پانی سے خالی چاہ پر کر لیا جائے پھر اس (چاہ) کے کنارے پر حوض بن جائے جس سے ہمیں ہر وقت پانی دستیاب ہوتا رہے کفار جن سے محروم رہ

جائیں گے اور اس انتظام کے بعد ہمیں جنگ جاری کرنے میں تامل نہ کرنا چاہیے ۔

رسول اللہ کو حباب بن منذر کی تجویز پسند آئی آنحضرت صلعم خود کو بھی تو دوسروں کی مانند بشر ہی سمجھتے اور دوسروں کی رائے پر غور بھی فرماتے ۔

سعد کا مشورہ اور مورچہ بندی کا آخری مرحلہ : حوض کی تعمیر کے بعد سعد بن معاذ (الانصاری) نے عرض کیا

یا رسول اللہ ! اگر آپ کے لئے پتھروں کو ایک دوسرے سے ملا کر برجی سی تیار کر دی جائے جس میں تشریف فر ما ہو کر جنگ کی کمان فرماتے رہیں ایک کنارے سے سواری لگادی جائے اگر دشمن پر کامرانی حاصل ہو تو سبحان اللہ ! بصورت دیگر آپ (اس) سواری پر بیٹھ کر (یثرب میں) ان لوگوں کے ہاں تشریف لے جائیں جنہیں ہم (اور آپ) وہاں چھوڑ آئے ، اور جن کے دلوں میں جناب کی محبت ہماری ہی مانند موجزن ہے جب بھی جہاد کا موقعہ آئے گا وہ لوگ آپ کو تنہا نہ چھوڑ دیں گے بلکہ آپ کے زیر سایہ وہ دشمنوں سے لڑیں گے اور اللہ تعالی ان کی تلواروں کی ہیبت سے آپ کو کامیاب فرمائے گا ؟

بدر میں جنگی معائنہ کے لئے برجی : رسول اللہ نے سعد بن معاذ کی زبان سے یہ بات سنکر ان کے لئے دعا کی اور انہیں بہت سراہا ۔ برجی تیار ہو گئی آنحضرت صلعم اس میں تشریف لا کر کمان کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گئے ۔ اس منصوبہ کے ساتھ کہ اگر دشمن غالب آ جائے تو رسول خدا قریش کے ہاتھ گرفتار نہ ہونے پائیں بلکہ یثرب میں اپنے مابقی اصحاب کے پاس تشریف لے جائیں !

مسلمانوں نے (اس موقعہ) پر جس خلوص و محبت کا اظہار رسول اللہ کی ذات کے ساتھ کیا وہ حیرت میں ڈال دیتا ہے انہیں آنحضرت کی رسالت پر پورا یقین تھا وہ اپنی اس تعداد کے مقابلہ میں قریش کی سہ گنا فوج کو دیکھ رہے تھے اور خون کے دریا میں کودنے کے لئے تل چکے تھے عجیب معاملہ ہے کچھ ہی پہلے انہیں یقین ہو چکا تھا کہ ابوسفیان کے دولت سے لدے ہوئے اونٹ ان کے داؤں سے نکل کر صحیح و سلامت مکہ میں داخل ہو چکے ہیں مگر وہ اس صورت میں بھی رسول خدا کی یاوری کرنے میں سینہ سپر تھے ان کا مقصد اموال غنیمت حاصل کرنا ہی تو نہ تھا انہیں فتح و شکست میں سے کسی ایک پہلو کا یقین نہ تھا اس پر بھی وہ نبی کی امداد کے لئے سربکف تھے انہیں صرف ایک اندیشہ تھا کہ آنحضرت دشمنوں کے نرغہ میں نہ آجائیں انہوں نے ناکامی کی صررت میں رسول اللہ کے لئے مدینہ پہنچ جانے کا انتظام کر دیا تھا ان سے زیادہ قوی ایمان والے لوگ کہاں ملیں گے !

جنگ کی تیاری: قریش سمٹ کر رزم گاہ میں آ پہنچے پہلے انہوں نے اپنے ایک آدمی کو مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا جس نے انہیں واپس آ کر بتایا

> وہ کم و بیش تین سو کی تعداد میں ہیں میدان میں ان کی تلواروں کے سوا ان کے لئے کوئی اوٹ (گھات) نہیں مگر ان کے تیور بتا رہے ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص خود پر وار نہ ہونے دے گا۔

قریش میں گھبراہٹ: یہ سن کر قریش کے دور اندیش لوگوں کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی دل ہیں کہ ڈوبے جا رہے ہیں ”مکہ کے تمام سرغنہ شہر سے چلے آئے ہیں مسلمان تو ان میں سے بہتوں کا صفایا کر دیں گے! آج مکہ کی عظمت خاک میں مل جائے گی“ ان کے دماغ میں ایسے تصورات ہی موجزن تھے لیکن یہ لوگ بوجہل کی زبان درازی سے خائف تھے بایں ہمہ عتبہ بن ربیعہ سے نہ رہا گیا اس نے بر ملا کہہ دیا

یا معشر قریش! انکم واللہ ما تصنعون! بان تلقوا محمد او اصحابہ شیئاً واللہ لئن اصبتموہ لایزال الرجل ینظرنی وجہ رجل قتل ابن عمہ او ابن خالہ او رجلا من عشیرتہ! فارجعوا! وخلوا بین محمد و سائرالعرب وان کان غیر ذلک لم نتعرض منہ لما تکرہون

اے یاران قریش! خدارا محمد اور اس کے رفقا کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آ جاؤ اگر آپ لوگ ان پر غالب آ گئے تو اپنے ہی عم زاد یا خالہ زاد بھائی اور دوسرے اہل قرابت کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرو گے اس ارادہ سے ہٹ کر محمد اور اہل عرب دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو! اگر عرب ان (مسلمانوں) پر غالب آ گئے تو آپ لوگوں کا مقصد از خود پورا ہو جائے گا اور اگر محمد عرب پر چھا گئے تو ان کے ہاتھ سے ہمیں کبھی گزند نہ پہنچے گا۔

ابوجہل کی عدم فراست: عتبہ کی اس تحریک پر ابوجہل تلملا اٹھا اور عامر بن الحضری (جس کا بھائی عمرو بن الحضرمی جناب عبداللہ ابن حجش سے نخلہ میں قتل ہوا تھا سے کہلا بھیجا ”اپنے ان حلیف کو دیکھئے جو آپ کے بھائی کا خون مٹی میں ملا رہے ہیں عتبہ چاہتا ہے کہ لوگ مسلمانوں سے اس کے بھائی کا بدلہ لئے بغیر گھروں کو واپس لوٹ جائیں اے عامر! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھائی پر کس قدر ظلم ہوا آپ کو اپنے لشکر کے سامنے اپنے مقتول بھائی کی یاد تازہ کرنا چاہیے“

عامر بن الحضرمی لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر زور زور سے ”واعمراہ! واعمراہ!“ کہہ کر چلانے لگا جس سے قریش کا خون کھول اٹھا

ہنگامہ کار زار: قریش میں سے اسود بن عبدالاسد (المخزومی) بے قابو ہو کر پانی کے حوض کی منڈیریں ڈھانے کے لئے مسلمانوں کی صفوں میں جا گھسا ادھر

سے رسول اللہ کے عم بزرگوار سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب بجلی کی طرح کوند کر لپکے اور دشمن کی کونچیں کاٹ ڈالیں اسود اوندھے منہ گر پڑا اور حملہ آور نے اسے دوسرے وار میں موت کی بھٹی میں جھونک دیا

رزم گاہ میں زخمیوں کے خون سے زیادہ کون سی شے تلوار کی کاٹ اور ہراس میں اضافہ کرنے والی نہیں نہ دشمن کے ہاتھ سے اپنوں کی موت سے زیادہ بہادروں کے دل میں کوئی اور امر جوش و حرارت پیدا کر سکتا ہے ؟

باقاعدہ جنگ: اسود کے زمین پر گرنے کے ساتھ ہی قریش میں سے عتبہ بن ربیعہ دائیں اور بائیں اپنے حقیقی بھائی اور فرزند یعنی شیبہ و ولید کو لے کر نکلا اور تینوں نے مسلمانوں سے اپنا اپنا مقابل طلب کیا ادھر سے انصار کے دو شمشیرزن بڑھے لیکن عتبہ نے ان کے غیر کفو ہونے کی وجہ سے ان کی مبازرت کو ٹھکرا کر کہا ”ہم صرف اپنے قبیلہ داران قریش سے نبرد آزمائی کر سکتے ہیں آپ لوگوں سے نہیں ،، قریش کے ایک نوجوان نے عتبہ کی بولی میں اپنی بولی ملا کر باآواز بلند پکارا !

یا محمد ! اخرج الینا اکفاعنا من قومنا	ہماری مبازرت کے جواب میں ہمارے ہی قبیلہ داروں کو آنے دیجئیے !

حمزہ کی طرف سے مبازرت کا جواب : جناب حمزہ و علی ابن ابی طالب اور عبیدہ بن حارث قریش مکہ کے بہادروں کے لئے بڑھے سیدنا حمزہ و علی نے لمحہ بھر میں شیبہ و ولید کو ختم کر دیا مگر عتبہ نے عبیدہ بن حارث کے پاؤں اکھاڑ دیے یہ دیکھ کر علی اور حمزہ دونوں عتبہ پر پل پڑے قریش اسے برداشت نہ کر سکے ان کی نقل و حرکت دیکھ کر ادھر سے مسلمان آگے بڑھنا شروع ہوئے (یہ ۱۷-ویں رمضان ۲ھ بروز جمعہ کا واقعہ ہے)

رسول اللہ نے خود مسلمانوں کی صفوں کو مرتب کیا فریق مخالف کی طرف دیکھا تو ان کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی جس سے رسول اللہ متاثر ہو کر اپنے خیمہ کی طرف لوٹ آئے اس موقعہ پر جناب ابوبکر بھی پیچھے پیچھے آ رہے تھے رسول خدا فکر انجام میں غلطاں ! آج مسلمانوں کی فتح نہ ہوئی تو اسلام کا حشر کیا ہو گا ! اسی حالت میں رو بقبلہ ہو گئے

رسول اللہ کی دعا: اور استغراق کے ساتھ پروردگار عالم کے حضور وعدہ فتح کے ایفا پر التجا کی :

اللهم هذه قريش قد اتت بخيلائها تحاول ان تكذب رسولك	خدا وندا! قریش کس طرح امڈ کر آ گئے ہیں! یہ تیرے رسول کی تکذیب کے درپے ہیں!
اللهم فنصرک الذی وعدتنی اللهم ان تهلک هذه العصابة اليوم لا تعبد!	خداوندا ! تیرا وعدہ نصرت کب پورا ہوگا ! یا اللہ ! اگر آج یہ مٹھی بھر مسلمان بھی ہلاک ہوگئے تو ان کے بعد تیری عبادت کون کرے گا!

بار بار یہی دعا دھراتے رہے دونوں ہاتھ حضور الٰہی میں پھیلاتے ہوئے یکسوئی کا یہ عالم کہ ردائے مبارک کندھے پر سے گر پڑی ابوبکر از رہ کمال عقیدت پشت کی طرف حاضر تھے انہوں نے ردا اٹھا کر کندھے پر رکھتے ہوئے عرض کیا۔

یا نبی اللہ! قد سمع اللہ بعض مناشد تک ربک فان اللہ منجزلک ما وعدک	اے خدا کے نبی! اللہ نے آپ کی التجا سن لی ہے وہ اپنا وعدہ پورا ہی کرے گا۔

لیکن رسول خدا اسی دھن میں حصرت خداوندی میں عرض کرتے رہے اور مسلمانوں ک نصرت کے لیے مسلسل دعا مانگا کیے اسی عالم میں نیند کی جھپکی آ گئی اور اسی عالم میں فتح کی بشارت ہوئی خوش خوش برج سے نکلے اور مسلمانوں کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر حطاب فرمایا۔

والذی نفس محمد بیدہ لا تقاتلہم الیوم رجل فیقتل صابراً محتسباً مقبلاً غیر مدبراً الا ادخلہ اللہ الجنہ"	اس ذات کبریا کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج جو شخص کفار کے ساتھ صبر و استقلال اور رضائے الٰہی کے لیے جنگ کرتا ہوا شہید ہوگا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا!

رسول خدا کی روحانی قوت (جو خدا کی عنایات سے بیش از بیش فیض یاب تھی) مسلمانوں پر منعکس ہوئی جو (پہلے سے) آپ کی رسالت کے مقر تھے ان کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ دشمن سے مقابلہ کے موقعہ پر ایک مسلمان دو سے لے کر دس دس کافروں پر بھاری ہو گیا۔

قوت معتوی کے محرکات اگر صحیح ہوں تو یہ (معنویت) ہمارے تصورات سے کہیں زیادہ اثر پیدا کر سکتی ہے پھر جذبۂ حب وطن جو روح میں اس قدر قوت پیدا کر سکتا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا بدر میں مہاجرین کے دلوں میں وطن کی طرف لوٹنے کی امیدیں بھی ابھر رہی تھیں جس سے ان کا جوش اور بھی سوا ہو گیا کیوں نہ ہو! وطن ہی تو ہے جس کی محبت (کم سن) بچوں کے دل میں سمونے کے لیے قومیں کیا کیا طریقے اختیار کرتی ہیں پھر جب حفاظت وطن کا موقعہ آتا ہے اگر یہی بچے اس وقت جوان ہو چکے ہیں تو وطن پر جان قربان کرنے کے لیے کس طرح خود کو مصیبتوں میں ڈال دیتے ہیں در اصل ایمان باللہ و قیام عدل و حصول آزادی کا معاملہ وطن کی محبت سے کہیں بڑھ کر ہے کہ مجبور و بے بس انسانوں کے ساتھ یہ محبت روحانیت میں کس قدر اضافہ کر سکتی ہے۔

صرف مادی تعلقات کی حفاظت دیکھیے دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں نے جرمنی کے خلاف انسانیت ، آزادی اور مظلوم کی حمایت کے نام سے اپنی فوجوں کو ابھارا اور اس سے ان کے سپاہیوں کی قوت و استقلال میں کئی گنا اضافہ ہو گیا حالانکہ اس جنگ میں صرف مادی منافع مقصود تھے لیکن جنگ عظیم کے مابہ النزاع مسئلہ کے مقابلہ میں جناب سرور کائنات اور قریش کا مسئلہ صرف انسانیت ہی کی رفاہ و بہبود پر منحصر نہیں رسول اللہ نہ صرف وطنیت اور انسانی برادری میں صلح و امن کے داعی تھے بلکہ بنی نوع بشر میں پورا اتحاد قائم کرنا آپ کا مقصد تھا جس

کے حصول پر ہر خیر و برکت اور ہر نعمت و دولت انسان کے قدموں میں لوٹتی ہے۔

رسول اللہ کا مقصد جہاد: رسول خدا کا مقصد جس کے اجزا میں دشمن سے مقابلہ، قتال و جہاد، کافروں کو مبارزت اور مخالفوں کے سامنے اپنے دین کی دعوت شامل ہے اس کے مقابلہ میں موجودہ دور کی جنگیں ہیں جنہیں امن و آشتی کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے دونوں میں کوئی نسبت نہیں انسانی برادری کے ساتھ محبت کی لگن انسان کو بنی نوع بشر کے ساتھ پیوستہ کر کے اس کی معنوی قوت کو اس قدر بلند کر دیتی ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے ہر بشر کے ساتھ صلح و آشتی کو لازم سمجھتا ہے جس سے اس کی روح میں علم پیدا ہوتا ہے اور اگر ان مقدمات کے ساتھ اگر اس شخص کا خدا پر بھی ایمان ہو تو ایسے مقصد کی اہمیت میں کسے شبہ ہوسکتا ہے!

وطنیت اور انسانی ہمدردی (ایمان باللہ کے بغیر) لاکھ نعمت و دولت سہی لیکن ان دونوں کے ساتھ اگر خدا کی رضا مندی بھی مطلوب ہو اور اس کی رضا طلبی میں ان مومنین کے استخلاص میں بھی سعی کی جائے جو محض دین کی وجہ سے ستائے جا رہے ہوں حتیٰ کہ اگر وہ اس غرض کے لیے اپنے گھروں کو چھوڑنا چاہیں تو انہیں اس سے بھی روک دیا جائے بلکہ انہیں بت پرستی جیسے ناقابل فہم امر پر مجبور کیا جائے ان دونوں سمتوں میں کس قدر تفاوت ہے۔ جذبۂ ایمان کے بغیر حب الوطنی ایک حد تک ہی تو مفید ہو سکتی ہے اسی طرح ایمان کے بغیر انسانی ہمدردی کا معاملہ ہے جس (ایمان) کے فقدان کی صورت میں ایسی ہمدردی ایک درجہ پر آ کر رک جاتی ہے۔

لیکن ذات باری کے ساتھ ایمان کے بعد انسان کے اندر جس قسم کی روحانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس قوت سے وہ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتا ہے پورا عالم اس کے اشارے پر حرکت میں آ سکتا ہے اور جو لوگ صفت ایمان میں اس سے کم درجہ پر ہیں وہ اس کے باجگذار بننے میں اپنی بھلائی سمجھتے ہیں حتی کہ ایمان باللہ کی بدولت دنیا کی تمام مادیات پر اس کا قبضہ ہو جاتا ہے۔

بدر سے پہلے مسلمانوں میں باہمی اختلاف کی وجہ سے معنوی برتری درجہ کمال تک نہ پہنچی تھی اسی کمی کی وجہ سے ان کی مادی ضروریات پوری نہ ہو سکتی تھیں مگر رسول خدا کی مسلسل تحریض سے آج ان کی معنوی قوت عروج پر آ گئی اور اسی کے صدقے میں ان کے ہاں مادیات کی فراوانی کا وقت قریب آ گیا۔

تحریض قتال کا تذکرہ: بات یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ ”رسول خدا اسی اضطراب میں حضرت خداوندی میں عرض کرتے رہے اور مسلمانوں کی نصرت کے لیے مسلسل دعائیں بھی! کہ نیند کی جھپکی آ گئی اسی عالم میں فتح کی بشارت ہوئی برج سے باہر آ کر خوش و خرم میدان میں تشریف لائے مسلمانوں کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا“ اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یایها النبی حرض	اے پیغمبر! مومنوں کو لڑائی کا شوق دلاؤ
المومنین علی القتال ط	(مسلمانو!) اگر تم بیس آدمی بھی مشکلوں
ان یکن منکم عشرون	کو جھیل جانے والے نکل آئے تو یقین کرو وہ

صابرون یغلبوا
مائتین و ان یکن
منکم مائۃ یغلبوا
الفاً من الذین کفروا
بانھم قوم لا یفقھون
الئن خفف اللہ عنکم
و علم ان فیکم ضعفاً
فان یکن منکم مائۃ
صابرۃ یغلبوا
مائتین و ان یکن
منکم الف یغلبوآ
الفین باذن اللہ
واللہ مع الصابرین
(۸: ۶۵-۶۶)

دو سو دشمنوں پر غالب آ کر رہیں گے اور اگر تم میں ایسے آدمی سو ہوگئے تو سمجھ لو ہزاروں کافروں کو مغلوب کر کے رہیں گے اور یہ اس لیے ہوگا کہ کافروں کا گروہ ایسا ہے جس میں سوجھ بوجھ نہیں

(مسلمانو) اب خدا نے تم پر بوجھ ھلکا کر دیا اس نے جانا کہ تم میں کمزوری ہے اچھا اب اگر تم میں جھیل جانے والے سو آدمی ہوں گے تو (انہیں صرف اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرنا ہوگا یعنی وہ دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو سمجھو، دو ہزار دشمنوں کو مغلوب کر کے رہیں گے اور یاد رکھو) اللہ جھیل جانے والوں ساتھی ہے

مسلمانوں کا ثبات قدم: رسول اللہ کا مسلمانوں کی صفوں کے سامنے تشریف لا کر ان کی ھمت بڑھانے اور انہیں مقاتلہ پر آمادہ کرنے سے ان کی قوت میں بے حد اضافہ ہو گیا اس موقعہ پر آنحضرت نے فرمایا

"آج جس شخص نے جم کر دشمن کا مقابلہ کیا اس کا صلہ جنت ہے"

مسلمانوں نے قریش کے ایک ایک سرغنہ کو تاک لیا کہ انہوں ھی نے تو ھمیں بیت اللہ میں خدائے واحد کی پرستش سے روکا تھا آج انہیں اس کا مزہ چکھانا ہے!

امیہ بن خلف کا قتل: قریش کے سرداروں میں امیہ بن خلف کو بچانے کے لیے مسلمانوں ھی نے اپنے گھیرے میں لے لیا یہ مسلمان اسلام سے قبل اس کے حلیف تھے لیکن یہی امیہ سیدنا بلال کو ھجرت سے قبل (مکہ میں) دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کی چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتا بلال کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے اور اس وقت بھی "احد" "احد" کے سوا بلال کی زبان سے کوئی کلمہ ادا نہ ہوتا۔ بلال نے امیہ کے ساتھ مسلمانوں کا یہ رویہ دیکھا تو بلند آواز سے کہا

"امیہ کافروں کا سردار ہے آج اگر یہ سلامت نکل گیا تو کل پھر مجھے مصیبت میں پھنسا دے گا!

امیہ کے بہی خواہ مسلمانوں کی خواھش تھی کہ اسے قتل کرنے کی بجائے اسیر بنا لیا جائے مگر بلال نے پھر ایک مرتبہ پکار کر کہا کہ

"اگر آج امیہ کو زندہ چھوڑ دیا گیا تو وہ کل پھر مجھے مصیبت میں ڈال دے گا"!

حضرت بلال کو اس وقت تک چین نہ آیا جب تک مسلمانوں نے امیہ کو کیفر کردار تک نہ پہنچا دیا۔

ابوجہل کا قتل: ادھر معاذ بن عمرو (ابن الجموع) نے ابوجہل کا کام تمام کر دیا - جناب حمزہ و سیدنا علی اور دوسرے مسلمانان پاک نہاد اس وارفتگی سے مصروف قتال ہوئے کہ نہ تو انہیں اپنی جان کا خوف تھا نہ مسلمانوں کی قلت کا خطرہ نہ دشمن کی اتنی بڑی جمیعت سے ڈر - ہنگامہ کی شدت سے تا حد نظر گرد اڑ رہی تھی تمام فضا غبار آلودہ، قریش کی کھوپریاں فضا میں اڑ رہی تھیں موت نے قریش کے ایک ایک چوھدری کا گلا دبوچ لیا۔

مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کا اضافہ ہو رہا تھا وہ فرط مسرت سے باآواز بلند ''احد!'' ''احد!'' کے نعرے لگا رہے تھے زمان و مکان کے حجاب ان کی نظر سے ہٹ چکے تھے اللہ نے ان کی فتح کے لیے بشارت کے لیے فرشتے بھیجے تا کہ ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو اگر کوئی مسلمان اپنے حریف کی گردن مارنے کے لیے تلوار اٹھاتا تو اللہ تعالیٰ اس کے اس بازوؤں میں قوت کی لہر دوڑا دیتا۔

رسول اللہ کی طرف سے معرکہ کار زار میں نگرانی: جنگ کے شعلے شدت کے ساتھ بھڑک رہے تھے رسول خدا معرکہ کار زار میں چل پھر کر نگرانی میں مصروف اور فرشتہ اجل کافروں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کا رشتہ حیات منقطع کرنے میں مشغول تھا رسول خدا نے اپنی مٹھی میں کنکریاں اٹھا کر انہیں زور سے کافروں کی طرف پھینکا اور زبان سے فرمایا ''ان کا منہ کالا ہو'' اور اس کے ساتھ ہی اپنے رفقاء کو پوری قوت سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے اپنی قلت تعداد نظر انداز کرتے ہوئے تعمیل کی کیوں نہ ہو ان کے دلوں میں خدا کی طرف سے ایک قوت موج زن تھی ورنہ وہ نہ کسی کافر کو قتل کر سکتے تھے اور نہ انہیں کسی کو قیدی ہی بنانے کی قدرت تھی اسی تائید ایزدی پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

۱- اذ یو حی ربک الی الملئکه انی معکم فثبتوا الذین امنوا سالقی فی قلوب ا لذین کفروا الرعب فاضربوا فوق الاعناق و اضربوا منهم کل بنان (۸ : ۱۲	(اے پیغمبر!) یہ وہ وقت تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں پر وحی کی تھی میں تمہارے ساتھ ہوں (یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) پس مومنوں کو استوار رکھو عنقریب ایسا ہوگا کہ میں کافروں کے دلوں میں (مومنوں) کی دہشت ڈال دوں گا سو (مسلمانو!) ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ ان کے ہاتھ پاؤں کی ایک ایک انگلی پر ضرب لگاؤ۔
۲- فلم تقتلو هم و لکن الله قتلهم و مارمیت اذ رمیت و لکن الله رمیٰ (۸ : ۱۷)	۲- پھر کیا تم نے انہیں (جنگ میں) قتل کیا؟ انہیں خدا نے قتل کیا (یعنی محض اس کی تائید سے ہوا) اور (اے پیغمبر) جب تم نے (میدان جنگ میں) مٹھی بھر کر خاک پھینکی تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے نہیں پھینکی تھی خدا نے پھینکی تھی

رسول اللہ کو محسوس ہوا کہ خداوند عالم کی طرف سے مسلمانوں کی فتح کا وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے اور مسلمانوں کی جانب نظر اٹھا کر دیکھا کہ وہ

بڑھ بڑھ کر کافروں کو موت کے گھاٹ اتار رہے ھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے برج میں تشریف لے آئے اتنے میں قریش کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے تعاقب کر کے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا کافروں نے بھاگنے کی لاکھ کوششیں کیں مگر جو لوگ مسلمانوں کے قابو میں آ چکے تھے خود کو ان کے قبضہ سے نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکے ۔

غزوہ بدر کا نتیجہ: یہ ہے غزوہ بدر کی داستان جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو عرب میں استقرار نصیب ہوا اور ملک (عرب) کی مرکزیت کا پرچم اسلام کے زیر نگیں آنے کی تمہید قائم ہو گئی آج سے تمدن (اسلام) کی سطوت کے جلوہ آرا ہونے کا وقت قریب آ گیا جس (سطوت) کی خوب صورتی و زیبائی ھمارے موجودہ دور کی تہذیب پر ابھی اثر انداز ہے اور جو کبھی اس (اسلامی تہذیب و تمدن) سے منفک نہیں ہو سکتے ۔

رسول اللہ کی طرف سے کفار مکہ کے ساتھ برتاؤ میں بعض مستثنیات: اس مقام پر یہ نکتہ قابل غور ہے کہ آنحضرت جو خدا اور (اس کے) رسول کے دشمنوں کے استیصال میں اس بے دردی سے مشغول تھے اور اپنے رفیقوں کو بار بار یہی ترغیب ارشاد فرماتے مگر یہ کیا معاملہ ہے کہ جب معرکہ کارزار گرم ہونے کا وقت آیا تو آنحضرت نے دشمنوں کی دو قسموں کے متعلق اپنے رفقا سے فرما دیا کہ ان پر ھاتھ نہ اٹھایا جائے یعنی !

أ- بنو ھاشم پر !

ب - قریش کے فلاں و فلاں سردار پر !

باوجودیکہ ھاشمی اور یہ سردار سب کے سب لشکر کفار میں مسلمانوں کے قتل پر آستینیں چڑھائے ہوئے موقعہ کے منتظر تھے ؟

بات یہ تھی کہ نہ تو رسول اللہ کے اپنے قبیلہ کی محبت نے یہ کہلوایا اور نہ کسی دور و نزدیک کی قرابت داری ھی اس کی محرک ہوئی آنحضرت صلوات اللہ علیہ کے امیال و عواطف اس سے بہت بلند تھے کہ عدل و انصاف و حسن معاملہ کی بجائے قرابت و تعلقات کو ترجیح دی جائے ۔

أ- بنو ھاشم کا استثنا اس لئے فرمایا کہ وہ آپ کے زمانہ بعثت سے لے کر متواتر تیرہ سال تک آپ کی یاوری کرتے رہے یہاں تک کہ مکہ میں اوس و خزرج کی دوسری بیعت جو آدھی رات کے وقت منعقد ہوئی آپ کے عم بزرگوار سیدنا عباس سائے کی طرح ساتھ لگے رہے ۔

ب- بعض اشراف قریش کی وجہ استثنا ؟ جب اھل مکہ نے آپ کی وجہ سے بنو ھاشم کے پورے قبیلہ کی قرارداد مقاطعہ پر دستخط کئے جس بنا پر آنحضرت صلعم اور آپ کا قبیلہ شعب ابی طالب میں پناہ گزینی پر مجبور ہوا ۔

اور ان (اشراف مکہ) میں سے بعض اشخاص نے اختلاف عقائد کے باوجود قریش سے قرطاس قرارداد چاک کرنے کا مطالبہ ـ کیا رسول اللہ نے دونوں طبقوں (بنی

هاشم اور اشراف قریش) کے احسانات کا بدله آج معرکه بدر میں دینا چاها جو ان کے کرم و احسان سے کئی گنا زیاده تها یعنی مسلمان نه تو بنو هاشم پر هاتھ اٹهائیں اور نه ان. لوگوں پر جنهوں نے قرارداد مقاطعه میں مسلمانوں اور بنو هاشم کی همدردی کی تهی۔

لیکن ان اشراف میں ایسے بد نصیب بهی تهے جنهوں نے رسول کی جانب سے اس رعایت کا فائده حاصل کرنے سے گریز کیا اور (بدر میں) زندگی سے هاتھ دهو بیٹهے مثلا ابوالبختری !

غزوه بدر: قریش بری طرح شکست کها کر بهاگے اور مکه میں پهنچ کر ایک دوسرے کے سامنے آنکھ اٹهانے میں شرم محسوس کرتے نه کوئی شخص از خود دوسرے کی طرف دیکهنے کی جرات کرتا گهروں سے باهر نکلتے تو سر جهکائے هوئے نکلتے۔

اور مسلمان جنگ ختم هونے کے بعد غروب آفتاب تک میدان میں ٹهہرے رهے کفار کی لاشون کو بے حرمتی سے بچانے کے لئے ایک گڑها کهود کر اس میں گاڑ دیا ایک طرف کفار کا متروکه مال و سامان یک جا کیا اور شب بهر اسیروں کی پاسبانی میں لگے رهے۔

مقتولین قریش کی لاشوں سے حطاب : اس رات کو آنحضرت اس خیال میں ڈوبے رهے که مسلمانوں نے قلت تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود فتح حاصل کر لی! مگر مشرکین کثرت افواج اور هر قسم کے اسباب و اسلحه سے بهره مند هونے کے باوجود شکست کها کر بهاگ نکلے ! رسول الله اس نتیجه پر پہلے سے پهنچ چکے تهے ایسے مواقع پر قوت ایمان فتح و کامرانی میں مدد کر سکتی هے اور مشرکین اس نعمت سے محروم تهے ان کی شکست کی یہی وجه هے۔

اس شب میں مسلمانوں کے کانوں میں رسول الله کی آواز آئی جب غور سے سنا تو آنحضرت ان لوگوں سے فرما رهے تهے جن کی لاشیں کنویں میں پهینک دی گئی تهیں۔

یا اهل القلیب :	اے کنوئیں والو
یا عتبه بن ربیعه :	اے عتبه :
یا شیبه بن ربیعه :	اے شیبه :
یا امیه بن خلف :	اے امیه :
یا اباجهل ابن هشام :	اے ابوجهل :

آنحضرت ان کے نام بار بار دهرا کر انهیں آواز دے رهے تهے اور پکار پکار کر کهه رهے تهے۔

یا اهل القلیب ! هل	اے کنوئیں والو : کیا تم سے جو تمهارے
وجد تم ما وعد ربکم	رب کے وعدے تهے پورے هوئے ؟ میری طرف
حقا ؟ فانی و جدت	دیکهو مجھ سے میرے مولا نے جو نصرت و

ما و عدنی ربی حقا : اعانت کا وعدہ فرمایا تھا اس کی تکمیل ہو چکی اصحاب نے بڑھ کر عرض کیا ۔ ’’اے رسول خدا ! آپ تو مردوں کی خطاب فر مار ہے ہیں ؟ ‘‘ فرمایا ’’آج یہ جس قدر سننے پر قادر ہیں تم نہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ جواب دینے سے قاصر ہیں ! ‘‘

جناب ابو حذیفہ (مہاجر) سے گفتگو : یہ صاحب اس موقعہ پر موجود تھے مگر کچھ پریشان اور کھوئے ہوئے سے کہ مقتولین قریش میں عتبہ بن ربیعہ ان کے والد تھے ابوحذیفہ کے چہرے پر رسول اللہ کی نظر پڑی تو از رہ ترحم فرمایا ’’شاید اپنے والد کے انجام سے آپ پریشان ہیں ؟‘‘

ابو حذیفہ ’’یا رسول اللہ ! مجھے اپنے والد کی موت کا افسوس تو نہیں‘‘ مگر یہ قلق ہے کہ وہ بڑے دور اندیش اور حلیم تھے امید تھی کہ وہ اسلام لے آئیں گے‘‘

یہ سن کر آنحضرت نے بھی عتبہ کی تعریف کی اور ابو حذیفہ کے صبرو تحمل کے لئے دعا مانگی ۔

صبح ہوتے ہی مدینہ کی طرف واپسی کی تیاری ہونے لگی اسی وقت تقسیم غنیمت پر بھی چہ مے گوئیاں شروع ہو گئیں جس میں تین گروہ بن گئے ۔

ا۔ اموال و منال جمع کرنے والوں نے صرف اس صلہ میں تمام غنیمت کو اپنے لئے خاص سمجھ لیا

ب۔ جنگ میں بڑھ کر داد شجاعت دینے والوں نے کہا ’’اگر ہم نہ ہوتے تو فتح ہوتی نہ مال حاصل ہوتا‘‘ انہوں نے اموال غنیمت کو صرف اپنے ہی تک محدود رکھنا چاہا

ج۔ جو لوگ رسول اللہ کی پاسبانی کر رہے تھے انہوں نے فرمایا تم دونوں کوئی شے نہیں اگر ہم چاہتے تو دشمن کو بھگا بھی سکتے تھے اور مال سمیٹ کر بھی یک جا کر سکتے تھے مگر ہم آنحضرت کی پاسبانی کے باعث قدم اٹھانے سے مجبور رہ گئے مبادا دشمن آپ کو گھیر لے‘‘ !

رسول اللہ نے سنا تو فرمایا ’’تمام مال یک جا کر دو باہم مل کر فیصلہ ہو جائے گا یا اللہ تعالےٰ جو حکم صادر فرمائے گا اس کے مطابق تصفیہ کیا جائے گا‘‘

اہل مدینہ کے لئے بشارت فتح کا اہتمام : رسول اللہ نے عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ کو حکم دیا کہ آپ دونوں حضرات مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو فتح کی خوش خبری سنائیں ! اور ان کے چلے جانے کے بعد آنحضرت اپنے رفقا کے ساتھ منزل بہ منزل مدینہ کی طرف گام زن ہوئے اور اموال غنیمت اور جنگی قیدی ہمرکاب تھے اور غنیمت پر عبداللہ بن کعب کی نگرانی تھی ۔

تتسیم غنیمت : کوہ صفرا کے درہ میں منزل فرمائی اور یہاں رسول خدا نے ایک ٹیلے پر تشریف فرما ہو کر اموال غنیمت کی تقسیم شروع کی ہر مسلمان (شریک غزوہ) کو ایک دوسرے کے مساوی حصہ عنایت فرمایا بعض مورخین لکھتے ہیں کہ

اس تقسیم سے قبل آنحضرت نے اپنا خمس (۱/۵) نکال لیا (اور اس پر تقسیم سے پہلے یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔

واعلموا انما غنمتم	اور جان رکھو! کہ جو کچھ تمہیں مال غنیمت
من شئیء فان اللہ	میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے رسول
خمسہ وللرسول و	کے لئے (رسول کے) قرابت داروں کے لئے یتیموں
لذی القربی والیتمیٰ	کے لئے اور مسافروں کے لئے نکالنا (اور بقیہ چار
والمساکین وابن	حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جا سکتے ہیں)
السبیل ان کنتم	اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی مدد) پر یقین رکھتے
امنتم باللہ وما	ہو جو ہم نے فیصلہ کر دینے والے دن اپنے بندے
انزلنا علی عبدنا	پر نازل کی تھی جب کہ وہ لشکر ایک دوسرے کے
یوم الفرقان یوم	مقابل ہوئے تھے تو چاہیے کہ اس تقسیم پر کار
التقی الجمعان	بند رہو اور (یادرکھو) اللہ کی قدرت سے کوئی بات
واللہ علی کل	باہر نہیں
شی قدیرہ (۸ : ۴۱)	

بیشتر ارباب سیرۃ خصوصاً قدما کی تحقیق ہے کہ آیہ مذکورۃ الصدر واعلمو انماغنمتم (۸ : ۴۱) نہ صرف واقعہ بدر بلکہ تقسیم غنیمت کے بعد نازل ہوئی اور سوار کو دو گنا حصہ دیا گیا

رسول اللہ نے (غنیمت میں) مندرجہ ذیل طبقات کا حصہ بھی محفوظ کرا دیا

ا۔ شہدائے بدر کے وارثوں کے لئے مقتولین کا حصہ

ب۔ نائبین انتظام کا حصہ جن کا رسول اللہ کے مدینہ سے بدر میں تشریف لے آنے کے بعد کسی منصب پر تقرر ہوا (مثلا ابن ام مکتوم وابولبابہ)

ج۔ جو لوگ کسی ضروری مانع کی وجہ سے شریک غزوہ نہ ہو سکے یعنی نہ صرف شرکائے غزوہ بلکہ ہر اس شخص کو غنیمت میں سے حصہ دیا گیا جو اس کا مستحق تھا۔

نضر و عقبہ کا قتل: اسی دوران میں قریش مکہ اسیروں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو قتل کرادیا گیا کیونکہ ہجرت سے قبل یہ دونوں مکہ میں مسلمانوں کے خلاف شعلہ جوآلا کا سا لاوا اگلتے رہتے۔

ابھی تک اسیروں کی رہائی، قتل یا فدیہ یا غلامی میں سے کوئی امر طے نہ ہوا تھا مقام اثیل پر اسیروں کی پیشی ہوئی رسول اللہ نے نضر بن حارث کی طرف دیکھا وہ تھرا اٹھا اور قریب کے اسیر سے کہا ”بخدا محمد مجھے قتل کرائے بغیر نہ چھوڑیں گے انہوں نے جب میری طرف دیکھا تو ان کی آنکھیں میری موت کا پیغام دے رہی تھیں!“ اس کے ساتھی نے کہا آپ از خود گھبرائے ہوئے ہیں ورنہ ایسی بات نظر نہیں آتی! نضر سے جناب مصعب بن عمیر کی قرابت داری تھی اس نے ان سے کہا ”اے مصعب! خدا را اپنے صاحب سے میری سفارش کیجئے کہ وہ مجھے اپنے رفقا میں شامل فرمالیں! ورنہ وہ مجھے

مصعب! تم’’ نے قرآن اور رسول اللہ کی توہین میں کیا کچھ نہیں کہا - تم نے آں حضرت کے رفقا کی تعذیب میں بھی تو کسر اٹھا نہ رکھی؟‘‘

نضر! ’’اے مصعب! اگر میری طرح آپ کو قریش گرفتار کر لیتے تو میرے جیتے جی وہ آپ کو تہ تیغ نہ کر سکتے تھے‘‘

مصعب! ’’نہ یہ صحیح ہے اور نہ میں اور آپ دونوں یکساں ہیں! پھر اسلام نے جاہلیت کے سب معاہدے ختم کر دئے ہیں‘‘

نضر بن خارث کو حضرت مقداد نے اسیر کیا تھا - انہیں گمان تھا کہ ان کے وارثوں سے فدیہ میں بہت سا مال حاصل ہوگا - مقداد نے دیکھا کہ لوگ ان کے اسیر کو قتل کر دینے کی ادھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں- انہوں نے باآواز بلند کہا ’’نضر میرا قیدی ہے!‘‘ اور رسول اللہ نے اسی لمحہ نضر کی گردن مارنے کا فرمان دے دیا - حضرت علی آگے بڑھے اور ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا - اس موقعہ پر رسول اللہ نے مقداد کی خوش حالی کے لئے دعا کی!

مسلمان یہاں سے کوچ کر کے عرق الظبیہ (مقام) میں پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط (قریشی) کے لئے قتل کا حکم صادر فرمایا - عقبہ نے چلا کر کہا ’’اے محمد! میرے بعد میری لڑکی کا کون پرساں حال ہوگا؟‘‘ ’’فرمایا تمہاری لڑکی کی خبر گیری آگ کرے گی!‘‘ عقبہ کی گردن علی بن ابی طالب (یا عاصم بن ثابت) نے ماری!

یثرب میں فتح کی خبر : آں حضرت صلعم نے مدینہ پہنچنے سے ایک روز قبل زید بن حارثہ اور عبد اللہ بن رواحہ کو فتح کی خبر سنانے کے لئے بھیج دیا - دونوں حضرات بیک وقت اور ایک ہی سمت سے مدینہ میں داخل ہوئے - عبد اللہ ایک سواری پر بیٹھے ہوئے رسول اللہ کی نصرت اور قریش کی شکست کی خبر بیان کرتے گئے ساتھ ہی ساتھ مقتولین قریش کے نام بھی سنائے اسی طرح زید بن حارثہ نے جو رسول اللہ کے ناقہ قصوا پر سوار تھے- مسلمانوں نے فتح کی خبر سنی تو گھروں سے نکل آئے اور خوشی کے نعرے لگانے شروع کر دئے -

مگر مشرکین ، یہود اور منافقوں کو کالا کہا گیا سب اس ادھیڑ بن میں لگ گئے کہ جس طرح ہو سکے اپنی طرح مسلمانوں کے ذہن میں بھی اس فتح کی تصدیق نہ بیٹھنے دی جائے وہ شہر میں ادھر ادھر پھیل گئے - (ان میں سے) ایک نے کہا ’’(جناب) محمد قتل ہو گئے ہیں اور مسلمان شکست خوردہ ہو کر واپس لوٹ رہے ہیں- محمد (صلعم) کے ناقہ قصوا کو ہم پہچانتے ہیں اسی لئے تو زید بن حارثہ قصوا کو لے آئے ہیں وہ اگر مارے نہ جاتے تو ان کی سواری انہی کے پاس ہوتی غریب زید خوف سے متاثر ہونے کی وجہ سے بہک گئے ہیں اور شکست کو نصرت بتاتے پھرتے ہیں!‘‘

لیکن مسلمانوں کو فتح کی خبر میں کوئی شبہ نہ تھا وہ اسی مسرت میں جھوم رہے تھے کہ شہر میں ایک اتفاق حادثہ رونما ہو گیا - رسول اللہ کی صاحبزادی بی بی رقیہ نے اچانک رحلت فرمائی - وہ آں حضرت کی روانگی کے موقعہ پر علیل تھیں اور رسول اللہ ان کے شوہر سیدنا عثمان بن عفان کو ان کی تیارداری کے لئے مدینہ ہی میں چھوڑ گئے تھے

رفتہ رفتہ مدینہ کے مشرکین و منافقین اور یہود کو بھی مسلمانوں کی فتح کا یقین ہو گیا۔ اب انہوں نے اپنا موقف دیکھا جو انہیں اس قدر حقیر نظر آیا کہ یہود کے سب سے بڑے لیڈر کعب بن اشرف نے کہا ”سادات قریش جو حرم کے نگہبان اور عرب کے بادشاہ تھے ان کی موت کے بعد ہم لوگوں کا زمین پر چلنے پھرنے سے مر جانا بہتر ہے،،

فاتحین بدر و اسیران قریش کا یثرب میں ورود : اسلامی لشکر کے فاتح مسلمان اسیران جنگ سے ایک روز قبل مدینہ میں آ پہنچے۔ دوسرے روز جب قیدی شہر میں داخل ہوئے تو ام المومنین جناب سودہ (بنت زمعہ) جو اپنے قرابت دار عفراء کے مسلمان فرزندوں کی شہادت سے متاثر تھیں انہوں نے ابو زید سہیل بن عمرو قریشی کو اس حالت میں دیکھا مشکیں کسی ہوئی اور دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں۔ ان سے ضبط نہ ہو سکا فرمایا ”اے ابو زید! تم نے ایسی بے غیرتی کے ساتھ خود کو حوالے کر دیا اس گرفتاری سے تو عزت کی موت مر جانا بہتر تھا!،، یہ کلمات رسول اللہ نے بھی سن لئے اور بی بی سے فرمایا! ”اے سودہ تمہیں اللہ اور رسول کے خلاف لوگوں کو شہ دینے میں بھی باک نہیں؟،، عرض کیا ”یارسول اللہ! جس ذات کبریا نے آپ کو نبوت بخشی اسی کی قسم ہے کہ میں ابو زید جیسے سرفراز شخص کی مشکیں کسی ہوئی دیکھ کر حیران رہ گئی اور زبان سے یہ الفاظ بے اختیار نکل گئے؟،،

اسیران بدر کے معاملہ میں غور و فکر : (فی الحال) رسول اللہ نے ان اسیروں کو اپنے اصحاب پر تقسیم فرما کر ہر ایک کو تاکید کر دی کہ ان کے ساتھ بہتر برتاؤ کیا جائے اور خود رسالت مآب ان کے متعلق تصفیہ کے معاملہ میں غور و فکر میں ڈوب گئے کہ انہیں قتل کرا دیا جائے یا مدینہ لے جا کر رستگار کر دئے جائیں؟ فدیہ کی صورت میں توجہ گرامی اس طرف منتقل ہوئی کہ ان اسیروں میں بعض اشخاص دلاور اور نامی گرامی جنگ جو ہیں اگر انہیں رہا کر دیا گیا تو شکست اور اسیری دونوں کا غصہ انہیں چین سے بیٹھنے نہ دے گا نہ معلوم کس وقت انتقام کے لئے نکل آئیں!

اور اگر انہیں قتل کرا دیا جائے تو ان کے وارثوں کا کینہ ابھر آیا اور ان کے خون کا بدلہ لینے پر تل گئے تو اور مشکل ہوگی!

اسیران بدر کے معاملہ میں مشاورت : آخر ان کے معاملہ میں (رسول اللہ نے) اپنے اصحاب کی رائے طلب فرماتے ہوئے تاکید کر دی کہ جو جس کی رائے ہو ظاہر کرنے میں تامل نہ کرے مسلمانوں میں کچھ حضرات اسیروں کی رستگاری پر دو وجہوں سے مائل تھے ان (اسیروں) کے ساتھ قرابت اور فدیہ کی گراں بہا رقوم حاصل ہونے کی غرض سے! مسلمانوں کے اس طبقہ نے باہم مشورہ کرتے ہوئے کہا کہ ابوبکر سے اس معاملہ میں رائے لینا بہتر ہے۔

الف۔ ابوبکر کی قریش کے ساتھ قرابت داری ہم سب سے زیادہ ہے

ب۔ رحم دل اور محسن ہیں

ج۔ ابوبکر ہم سب سے زیادہ رسول اللہ کے نزدیک قابل توقیر ہیں

اور انہوں نے اپنا ایک وکیل ابوبکر کے پاس بھیجا جس نے ان الفاظ میں یہ معاملہ پیش کیا

’’اے ابوبکر ان اسیروں میں سے ہر ایک کے ساتھ ہم میں سے کسی نہ کسی کی قرابت داری ہے کوئی کسی کا برادر زادہ ہے کوئی ہمشیرہ زاد ، کسی کے ساتھ بھائی کا رشتہ ہے کوئی پھوپھی اور ماموں کی طرف سے عزیز اور کوئی عم زاد ہے !،،

’’براہ کرم رسول اللہ سے سفارش کیجئیے کہ ’’اگر آپ ان کا فدیہ لے کر انہیں رہا فرما دیں تو اس کا احسان ہم پر بھی ہوگا،، اور حضرت ابوبکر نے ان سے یہ سفارش کرنے کا وعدہ فرما لیا ۔

اگرچہ یہ لوگ حضرت عمر سے خائف تھے کہ مبادا یہ بنا بنایا کھیل بگاڑ دیں تاہم ان کے پاس بھی اپنا وکیل بھیجا جس کی پوری کہانی سن کر کچھ کہے بغیر نہایت غصہ کی نظر سے اس کی طرف دیکھا مگر زبان سے کچھ نہ فرمایا رسول اللہ کے یہ دونوں وزیر آں حضرت کے حضور باریاب ہوئے پہلے ابوبکر نے گفتگو شروع کی اور آں حضرت صلعم کی تسکین مدنظر رکھتے ہوئے لجاجت سے عرض کیا

’’اے رسول خدا! آپ پر میرے ماں باپ نثار! قریش کے ان قیدیوں میں سے ہر شخص کسی نہ کسی مسلمان کا قرابت دار ہے اگر آپ انہیں احساناً رہا فرما دیں تو اللہ تعالی آپ پر بھی احسان فرمائے گا یا اس کے عوض میں فدیہ قبول فرما لیا جائے جس پر امید ہے کہ یہ لوگ آپ کے کرم سے متا ثر ہو کر اسلام لے آئیں ! اور فدیہ کی رقم سے مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوگی،، رسول اللہ نے سن لیا مگر مثبت و منفی کوئی جواب نہ دیا اور ابوبکر واپس چلے آئے ۔

جناب عمر باریاب ہوئے (اور قیدیوں کے معاملہ میں) عرض کیا ’’یا رسول اللہ! یہ لوگ خدا کے دشمن اور آپ کے مکذب ہیں! جناب کو مکہ سے نکالنے والے ہیں! جنگ کے لئے خم ٹھونک کر نکلے اور آپ کو پریشانی میں ڈال دیا! یہ لوگ کفر کے ستون اور گمراھی کے علم ہیں۔ ان کی پامالی سے اسلام کو فروغ ہوگا! اور مشرکین تباہ و سرنگوں ہو کر ختم ہو جائیں گے ان کی گردنیں اڑانے میں تامل نہ فرمائیے!‘‘
رسول کریم نے جناب عمر کی گفتگو بھی خاموشی سے سنی اور کچھ جواب نہ دیا ۔

حضرت ابوبکر دوسری مرتبہ حاضر ہوئے پھر اسی سفارش کا اعادہ اور وھی قرابت و رحمت و شفقت کا واسطہ پیش کیا اور آخر میں ان کے اسلام لے آنے کی توقع ظاہر کی ان کے ساتھ ھی عمر بن الخطاب کسی رعایت و رواداری کے بغیر اسی انداز میں مصروف گفتار رہے جیسے ترازو کے دونوں پلڑے رکھنے میں مشغول ھیں ۔ جناب ابوبکر اور حضرت عمر (دونوں) جب اپنی اپنی سفارش عرض کر چکے تو رسول اللہ ذرا دیر کے لئے اپنے خیمے میں تشریف لے گئے پھر باھر قدم رنجہ فرمایا ۔ مسلمان فیصلہ سننے کے لئے چشم براہ ھی تھے ان میں سے بعض حضرات ابوبکر کے ہم نوا اور کچھ لوگ عمر کی رائے سے متفق تھے آں حضرت نے از سر نو مشورہ طلب فرمایا تب بھی مسلمانوں نے پہلی ھی دونوں رائیں پیش کیں ۔

ابوبکر و عمر کی ملائکہ و انبیا سے تشبیہہ : اس موقعہ پر آں حضرت نے دونوں صاحبوں کی تشبیہہ فوشتوں اور نبیوں سے دی ، ابوبکر کو میکائل کے مشابہ ٹھہرایا جو اللہ کی طرف سے نبیوں کے لئے اس کی رضا و عفو کا پیغام لے کر آتا ہے اور انبیاء میں سے

حضرت ابراہیم و جناب مسیح کے ساتھ ، اس تشبیہ میں حضرت ابراہیم کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنی قوم کے لیے شہد سے زیادہ نرم و شیریں تھے مگر مشرکوں نے انہیں آگ میں جھونکنے سے بھی دریغ نہ کیا جس پر ابراہیم نے انہیں صرف اتنی سی تنبیہ فرمائی :

اف لکم ولما تعبدون من دون الله افلا تعقلون (۲۱ : ۶۷) -	تمھاری حالت کتنی ناقابل برداشت ہے اور ان کی بھی جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو - کیا تم عقل سے بالکل کورے ہو گئے؟

حتٰی کہ حضرت ابراہیم نے (ان لوگوں کے لیے) یہ دعا بھی فرمائی :

فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانك غفور رحیم (۱۴ : ۳۶) -	تو جو میرے پیچھے چلا (اور بت پرستی کی گمراھی میں نہ پڑا) وہ میرا ھوا اور جس نے میرے طریقہ سے نافرمانی کی (اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں اور) تو بخشنے والا رحمت فرمانے والا ہے -

اور جناب ابوبکر کی تشبیہ حضرت عیسٰی کے ساتھ اس پیرایہ میں ارشاد فرمائی کہ وہ اپنی قوم کی مغفرت کے لیے یوں مصروف تضرع رہے کہ :

ان تعذبھم فانھم عبادك فان تغفرلھم - فانك انت العزیز الحکیم (۵ : ۱۱۸) -	(خداوند!) اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ھیں تجھے اختیار ہے اور اگر انھیں بخش دے تو تو سب سے غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے -

حضرت عمر کی مشابہت ملائکہ میں جبریل کے ساتھ دی جو دشمنان خدا کے لیے اس کی طرف سے عذاب لے کر نازل ھوتا ہے اور انبیاء میں جناب نوح و حضرت موسٰی (علیہم السلام) کے ساتھ جیسا کہ حضرت نوح نے اپنی قوم کے رویہ سے گھبرا کر دعا کی :

رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا (۷۱ : ۲۷) -	اے پروردگار! روئے زمین پر کافروں کا جو گھر بھی ھو اسے مٹی میں ملا دیا جائے -

اور حضرت موسٰی نے اپنی قوم سے عاجز آ کر یہ دعا کی :

ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم (۱۰ : ۸۸)-	خدایا! ان کی دولت زائل کر دے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ وہ اس وقت تک یقین نہ کریں جب تک عذاب دردناک اپنے سامنے نہ دیکھ لیں -

فدیہ لے کر رستگاری کا حکم : رسول اللہ نے فرمایا ''مسلمانو! تم ضرورت مند ھو- اسیروں میں سے جو شخص فدیہ دینا چاھے اسے رہا کر دو اور جو کوئی فدیہ ادا کرنے سے انکار کرے اس کی گردن اڑا دو''

اسی دوران میں یہ واقعہ پیش آیا کہ اسیروں میں ابو عزہ (عمرو بن عبداللہ بن [illegible] الجمحی) [illegible] شاعر بھی تھا [illegible] کے متعلق مسلمانوں کا یہ اختلاف رائے

دیکھا تو موقعه سے فائده حاصل کرنے کے لیے عرض گذار ھوا ''میری پانچ لڑکیاں ھیں جن کا میرے بعد نه کوئی کفیل ھے نه ان کے پاس گذر بسر کے لیے کوئی اثاثه - اے محمد! اگر آپ مجھے ان بچیوں کی پرورش کے لیے صدقه کی صورت میں رھا فرما دیں تو میں حتمی وعده کرتا ھوں که آئنده آپ کے خلاف کسی کو نه ابھاروں گا اور نه خود آپ کے مقابله پر جنگ میں شرکت کروں گا -'' رسول الله نے اسے بغیر فدیه لیے رھا کر دیا - اسیران بدر میں یہی ایک قیدی ھے جسے امان دی گئی لیکن الله رے طینت که بدعہد ابوعزه دوسرے ھی سال احد میں قریش کی حمایت میں رسول الله کے خلاف شریک ھوا اور یہاں سے اپنا صله لیے بغیر نه لوٹ سکا — موت!

اس فیصله پر مسلمانوں نے ذرا دیر تک گومگو میں رھنے کے بعد قیدیوں کا تبادله شروع کر دیا جس کے بعد اظہار ناراضگی کے طریق پر یه آیت نازل ھوئی :

ماکان لنبی ان یکون له اسرٰی حتی یثخن فی الارض - تریدون عرض الدنیا - والله یرید الاخرة والله عزیز حکیم (۸ : ۶۸) -	نبی کے لیے سزاوار نہیں که اس کے قبضه میں قیدی ھوں جب تک که ملک میں غلبه حاصل نه کر لے - (مسلمانو!) تم دنیا کی متاع چاھتے ھو اور الله چاھتا ھے (تمھیں) آخرت کا اجر دے اور الله غالب ھے حکمت والا -

مستشرقین کا اعتراض : بعض مستشرقین اسیران بدر میں نضر بن حارث و عقبه بن معیط کے قتل اور قیدیوں کے فدیه دونوں امور پر معترض ھیں - ان (مستشرقین) کے لیے تو بدر کی فتح اور اموال غنیمت کا حصول ھی نکته چینی کے لیے کافی تھا - (یه معترض) کہتے ھیں که ان دو شخصوں کے قتل نے ثابت کر دیا که اسلام کی تلوار دوسروں کا خون چاٹنے میں بڑی حریص ھے -

جواب : مستشرقین کو اسلام پر اعتراض کرتے وقت نه تو مقتضا کا پاس رھتا ھے اور نه نفس معامله کے متعلق اس کے متقابل و متوازن حوادث کا خیال - ان کا مقصد یه ھے که جس طرح بن آئے اسلام کے خلاف عوام کے جذبۂ شفقت و ترحم کو ابھارا جائے - خود ان کے ھاں گویا جنگ کے موقع پر خون ریزی ھے ھی نہیں ! آج سے ساڑھے تیره سو سال کے واقعه پر رنگ آمیزی ، جیسے نضر و عقبه (مقتولین اسیران بدر) کا قتل دنیا جہان کے حوادث سے نرالا ھے - اتنا غور کرنا بھی تو (مستشرقین کے لیے) مصیبت ھے که اس دور میں عرب کا تمدن کس نہج پر تھا - نه سہی ، ذرا اپنے ھی گھر کی خبر لیں - پیروان مسیحیت کی صدیوں سے مسلسل خون آشامی کے مقابله میں ان دو مقتولوں کے خون کی اتنی اھمیت ! خصوصاً فرانس اور یورپ کے دوسرے مسیحی ممالک میں سیاسی حوادث پر انسانی خون کی کثرت اور اس دور تہذیب و تمدن میں - جنگ عظیم میں آپ نے ان مسیحی یاران عقیده کے ھاتھوں انسانیت کے ساتھ جو سلوک ھوا بدر کے ان دو قیدی مقتولوں سے موازنه کر کے بتائیے که اسلام نے نضر و عقبه پر زیاده ظلم کیا یا یورپ و امریکه کے پرستاران صلیب نے اس جنگ عظیم میں ؟

جناب محمد صلعم نے بحکم خداوندی اپنے رفقاء کی معیت میں بت پرستی اور شرک سے بنی نوع بشر کو نجات دلانے کا آغاز کیا - اس تحریک کا آغاز (انھوں نے) مکه میں

کیا اور اس (جد و جہد) کے صلہ میں انہیں مسلسل تیرہ سال تک بت پرستوں کے قہر و ستم کا مورد بننا پڑا ۔ وطن جیسی نعمت سے محروم ہو کر مدینہ میں بسیرا کرنے پر مجبور ہوئے جہاں انہیں دل جمعی کا موقعہ مل گیا ، حتیٰ کہ مسلمان خود ایک طاقت بن گئے ۔ مکہ میں قریش اور مدینہ میں مسلمان دونوں کو اس تحریک (اصلاح عقیدہ) کا احساس تھا ۔ مسلمانوں نے مدینہ کے یہود سے بھی معاہدہ کر لیا تھا ۔

اور اسی بدر سے قبل مسلمانوں کے نمائشی دستے نواح مدینہ میں دو چار جگہ دوش بھی لگا آئے تھے ۔ بیشک مسلمانوں کی ترقی کا ذریعہ غزوۂ بدر ہی تھا لیکن اسے بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ البتہ اس کے ذرائع میں (بدر) سب سے بڑا وسیلہ ضرور ہے ۔ رسول خدا اور آپ کے رفقاء نے جس تحریک کی ترویج میں اپنی کوششیں جاری رکھیں وہ اسلام کے ان اصولوں کی پابندی تھی جنھیں آں حضرت صلوات اللہ علیہ نے خدا کے حکم سے ان کے سامنے پیش کیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریک اور اس کے مبادی دو مختلف حیثیتیں ہوتی ہیں اور یہ دونوں (تحریک اور اس کے مبادی) بظاہر ایک دوسرے کے مختلف نظر آتے ہیں ۔ اسلام نے جس تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی وہ اخوت سے موسوم ہے جس کی ابتدائی راہیں طے کرنے کے لیے ناگزیر مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں ۔

فرانس کی اس خون ریزی کو یاد کرو جس کو عیسائیت کی تاریخ میں نہایت شرم ناک سمجھا گیا ہے ۔ کیا اس کی کوئی مثال اسلامی تاریخ میں پائی جاتی ہے ؟ یعنی سان بار تلمی کی خون ریزی ، جس میں کیتھلک عیسائیوں نے پراٹسٹنٹ عیسائیوں کی گردنیں اڑا دیں ۔ اور سازش کی کہ صبح تک کوئی پراٹسٹنٹ عیسائی زندہ نہ رہے ۔ اس کے مقابلہ میں بدر کے پچاس اسیروں میں سے دو قیدیوں کا قتل اور وہ بھی اس بنا پر کہ ان دونوں (نضر و عقبہ) نے مسلمانوں پر کیسی قیامت برپا کر رکھی تھی اپنے ساتھیوں کو بھی مسلسل تیرہ سال تک مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہے ۔ ان (دونوں) کا قتل (عند اللہ) اس رحم اور مالی منفعت کے مقابلہ میں زیادہ مفید سمجھا گیا جو رحم (فدیہ لے کر رہا کرنا) بقیہ اسیروں کے ساتھ برتا گیا ، جیسا کہ

ما کان لنبی ان تکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم (۸ : ٦٧) ۔

نبی کے لیے شایاں نہیں کہ اس کے قبضہ میں قیدی ہوں جب تک کہ ملک پر غلبہ حاصل نہ کر لے ۔ (مسلمانو!) تم دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ چاہتا ہے کہ (تمھیں) آخرت کا اجر دے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ۔

مکہ میں شکست کی خبر : مسلمانان مدینہ فتح اور اموال غنیمت کی خوشیاں منا رہے تھے کہ ادھر حیسمان[1] (بن عبد اللہ خزاعی) ایک برق رفتار سواری پر مکہ پہنچا اور قریش کو ان کے سرداروں کی ہلاکت اور شکست سے آگاہ کیا ۔ سب سے پہلے اہل مکہ کے پاس یہی شخص شکست کی خبر لایا ۔ سنتے ہی قریش کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ۔ تھوڑی

---

[1] م: یہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے اور ان کا خاتمہ اسلام پر ہوا ''فحسن اسلامہ،، ۸ نمبر ۱۹۸۳) ۔

دیر تک تو یہ [illegible] کر دل کو تسلیاں دیتے رہے [illegible] !!! وہ آسانی سے یہ یقین کیسے کر سکتے تھے کہ ان کے نامی گرامی دلاور اور چوھدری کہیں شکست کھا سکتے ھیں !

لیکن تا بہ کے ! ادھر حیسان (بن عبد اللہ) انھیں یقین دلانے کے درپے تھے۔ لوگ سرد آھیں بھرنے لگے۔ ابولہب جس نے (لڑائی میں) اپنا قائم مقام بھیج دیا تھا کپکپا کر گر پڑا اور تپ محرقہ میں ایڑیاں رگڑ کر ساتویں دن موت کے چنگل میں جا پھنسا۔

بدر میں شکست کے بعد کافروں کا مشورہ : قریش پھر سر جوڑ کر بیٹھے اور فی الحال دو تجویزوں پر صاد کیا :

(الف) ھماری کوئی عورت اپنے مقتولوں پر نالہ و شیون نہ کرے۔ (جناب) محمد اور ان کے رفقاء نے سن لیا تو ھمارا مذاق اڑائیں گے۔

(ب) ھمیں اپنے اسیروں کی رھائی کے لیے مسلمانوں سے گفتگو نہ کرنا چاھئے ورنہ وہ فدیہ کی مقدار بڑھا دیں گے۔

سہیل بن عمرو اور حضرت عمر : قریش کچھ مدت تک اسی طرح ضبط کیے رھے۔ آخر اپنے اسیروں کی رھائی پر متوجہ ھوئے۔ مکرز بن حفص (قریش سے بالا بالا) سہیل بن عمرو کی رھائی کے لیے مدینہ جا پہنچے۔[2]

سہیل کی رھائی کے لیے مکرز کے آنے سے حضرت عمر نے سمجھا کہ یہ تو رسول اللہ کے خلاف پھر اسی شعلہ بیانی سے کام لیں گے اور آں حضرت سے عرض کیا :

یا رسول اللہ! دعنی انزع ثنیتی سھیل بن عمرو فیدلع لسانہ فلا یقوم علیك فی موطن ابدا۔	یا رسول اللہ! مجھے سہیل کے سامنے کے دونوں دانت نکال دینے کی اجازت دیجیے۔ وہ پہلے کی طرح پھر آپ کے خلاف دریدہ دھنی سے کام نہ لے سکے۔

اس پر رسول اللہ نے جو کچھ فرمایا اس سے آپ کی وسیع نظری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

لا امثل بہ فیمثل اللہ بی وان کنت نبیاً۔	اگر میں کسی شخص کا مثلہ کروں گا تو میرے نبی ھونے کے باوجود میرا مثلہ کیا جائے گا۔

سیدہ زینب کے شوھر کا معاملہ : مکہ سے رسول اللہ کی لخت جگر سیدہ زینب نے اپنے اسیر شوھر ابو العاص (بن الربیع) کے فدیہ میں اپنا ھار بھیجا جو رخصتی پر ان کی والدہ (ام المومنین) خدیجہ نے انھیں تحفہ میں دیا تھا۔ رسول اللہ کی نظر اس ھار پر پڑی

---

[1] مکرز بن حفص آخر میں مسلمان ھو گئے تھے (اصابہ فی تمیز الصحابہ نمبر ۸۱۸۹): م۔

[2] م : سہیل شعلہ بیان خطیب تھے۔ آں حضرت کی توھین پر داد مذمت حاصل کرنے میں تمام کافروں سے پیش پیش۔ یہاں سے رستگاری کے بعد حدیبیہ میں بھی اھل مکہ کے یہی وکیل تھے جنھوں نے دستاویز معاھدہ پر محمد رسول اللہ بھی لکھنا گوارا نہ کیا۔ حضرت عمر ایسے لوگوں کی تاک میں لگے رھتے۔

تو آبدیدہ ہو کر رفقاء سے فرمایا ''اگر مناسب سمجھا جائے تو زینب کا ہار اور فدیہ دونوں واپس کر دیجیے !،، اس کی تعمیل ایسے ہی کی گئی ۔

اس موقعہ پر رسول اللہ نے ابو العاص سے یہ وعدہ بھی لے لیا کہ وہ بی بی زینب کو خود سے علیحدہ کر دیں ، اس لیے کہ زوجین میں سے ایک کے اسلام اور دوسرے کے کفر پر قائم رہنے سے رشتہ ازدواج کوئی معنی نہیں رکھتا ۔ ابو العاص نے اسے منظور کر لیا ۔ آں حضرت نے زید بن حارثہ کو ایک اور شخص کی معیت میں مکہ معظمہ بھیجا اور یہ دونوں حضرات نور نظر رسول اللہ جناب زینب کو مدینہ لے آئے ۔

ابوالعاص کی دوبارہ گرفتاری : ادھر سیدہ زینب مدینہ تشریف لے آئیں ، ادھر ابو العاص اہل مکہ کے وکیل تجارت کی حیثیت سے شام کے ارادہ سے نکلے اور مدینہ کے قریب مسلمانوں کے ایک گشتی دستے نے انہیں لوٹ لیا ۔ ابو العاص راتوں رات بھاگتے ہوئے مدینہ پہنچے اور جناب زینب نے ان کی درخواست پر انہیں پناہ دے دی (تاکہ انہیں حربی ہونے کی وجہ سے کوئی قتل نہ کر دے :م:) ۔ مسلمانوں نے ان کا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا اور یہ شام کا ارادہ چھوڑ کر مکہ واپس چلے گئے ۔

ابو العاص کا مکہ واپس پہنچنا : اور انہوں نے اہل مکہ کو ان کا مال واپس کرنے کے بعد پوچھا ،، آپ لوگوں نے جس قدر مال مجھے سپرد کیا تھا اس میں کوئی شے میرے پاس باقی تو نہیں رہ گئی؟،، جواب : ''جزاك اللہ خیرا ۔ آپ بڑے ایمان دار اور معتمد ہیں !،، اس کے بعد ابو العاص نے ان سے کہا میں مدینہ ہی میں مسلمان ہو چکا تھا لیکن اس خیال سے وہاں اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکا کہ آپ لوگ مجھ پر اپنے مال کے غصب کرنے کا الزام عائد نہ کر دیں ۔ اب میں اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہو کر اپنے اسلام کا اظہار کرتا ہوں ''اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً عبدہ و رسولہ!'' ۔ اس کے بعد جناب ابوالعاص مدینہ تشریف لے آئے اور رسول اللہ کی اجازت سے پھر سیدہ زینب ان کے گھر کی زینت بنیں ۔

عود الی المقصود : حکایت اسیران بدر کی تھی جس کا یہ حرف باقی رہ گیا تھا کہ قریش اپنے اسیروں کا فدیہ مدینہ بھیجتے رہے ۔ یہ رقم متعین نہ تھی ۔ کم از کم چار سو درھم فی اسیر اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار تھی ۔ البتہ نادار و بے بس قیدیوں کو رسول اللہ نے از روئے احسان رہا کر دیا ۔

مقتولین بدر پر قریش کا گریہ و ماتم : بدر کے حزنیہ پر بھی قریش کا میلان صلح ابھر سکا ، نہ ان کے عزیزوں کی دائمی مفارقت کے زخم مندمل ہو سکے ۔ جہاں تک ہو سکا ضبط گریہ پر قادر رہے ۔ اس کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو زن و مرد نالہ و شیون پر اتر آئے ۔

۱۔ مصنف علام نے اسے ''سریہ محمد،، لکھ دیا ہے ، ترجمہ میں ہم نے بھی جس کی مجبوراً پابندی کی ہے ، لیکن یہ سریہ محمدی نہ تھا بلکہ ان لوگوں کی یلغار تھی جو صلح حدیبیہ کے زمانہ سے حضرت ابو بصیر اور جناب ابو جندل کی سرکردگی میں مدینہ سے خارج ہونے کی وجہ سے ساحل سمندر پر جا بیٹھے (اصابہ در تذکرہ ابو بصیر: عتبہ بن اسید : نمبر ۵۳۸۹ وایضاً در اصابہ کتاب الکنٰی در تذکرہ ابو العاص نمبر ۶۸۳) :م:۔

عورتوں کے تاثرات کا یہ عالم تھا کہ کہیں اونٹ یا گھوڑا ذبح کیا جاتا تو زخم خوردہ عورتیں سینہ کوبی کرتی ہوئی اس کی لاش پر حلقہ بنا لیتیں اور دل کھول کر گریہ و سینہ کوبی کرتیں ۔

ہندہ زوجہ ابو سفیان کی آتش غیظ : ہر ایک عورت نے اپنے بال نوچ کر ہوا میں اڑا دیے ۔ البتہ ابو سفیان کی بیوی ہندہ اس بارے میں سب سے مختلف تھیں۔ وہ شیون و بکا سے یک طرف ہو کر چپ سادھ کر بیٹھ گئیں ۔ ایک روز قریش کی مجروح قلب بی بیاں ہندہ کے پاس آئیں اور ان سے کہا ’’بی بی! بدر میں آپ کا ایک ہی عزیز قتل نہیں ہوا ۔ آپ کے باپ مارے گئے ، آپ کا عم بزرگوار قتل ہوا ، بھائی کام آیا ،کئی اور عزیز بھی کھیت رہے اور آپ ماتم و گریہ سے دست کش ہو کر بیٹھ گئیں ؟ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔،،

ہندہ نے جواب دیا ’’کیا میں بھی تمہاری طرح اپنے عزیزوں کو رو کر (جناب) محمد اور ان کے رفقاء کو خود پر ہنسنے کا موقعہ دوں اور خزرج کی عورتوں کي خوشی کا سامان پیدا کروں ؟ مجھ سے یہ نہ ہوگا ۔ میں (حضرت) محمد اور ان کے ساتھیوں سے اپنے پیاروں کا بدلہ لے کر رہوں گی اور جب تک اپنا یہ قول پورا ہوتا نہ دیکھ لوں بالوں میں تیل اور اپنا شوہر دونوں مجھ پر حرام ہیں ۔

’’اے بہنو! اگر مجھے یقین ہو جائے کہ میرے گریہ و بکا سے مجھے تسکین ہو سکتی ہے تو میں ایسا ہي کر لیتي لیکن میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ نوحہ و ماتم سے میری تسکین نہ ہو سکے گی ۔ نہیں ! نہیں ! مجھے یہ تسکین اپنے عزیزوں کو قتل کرنے والوں کا کلیجہ چبا کر ہو گی!،،

اور ہندہ نے اپنے پہلے دو قول پورے کر کے دکھا دیے کہ نہ تو بالوں میں تیل بسایا نہ شوہر سے تعلقات قائم رکھے۔ وہ قریش کو ایک اور لڑائی کے لیے بھکاتی رہیں جو احد میں لڑی گئی ۔ بیوی کی مانند شوہر (ابو سفیان) بھی واقعۂ بدر کے بعد اس فرض کی ادائیگی میں الجھ گیا ۔ اس نے یہ نذر مان لی کہ (جناب) محمد سے انتقام لیے بغیر خود پر غسل واجب نہ ہونے دوں گا اور ایسا ہي کیا ۔

۱۴

بدر اور اُحُد کا دَرمیانی وقفہ

۱۴

بدر اور احد کا درمیانی وقفه

(از ماه نومبر ۶۲۴)

فتح بدر کا مدینه کے غیر مسلمین پر اثر: فتح بدر کا جو اثر اهل مکه پر هوا اس کی مختصر حکایت گذر چکی هے۔ یه که مکه والے مسلمانوں سے اپنے مقتولین کے خون کا بدله هر قیمت پر اور جلد از جلد لینے کی تیاریوں میں غرق هو گئے۔ ساتھ هی اس فتح (بدر) نے مدینه میں بھی مسلمانوں کے وجود کو غیر معمولی اهمیت بخش دی۔ شهر کے هر سه (یهود، مشرک، منافق) گروهوں کو مسلمانوں کی قوت کا احساس هونے لگا۔ انهیں یه فکر دامن گیر تھی که ابھی دو سال تو هوئے ایک شخص جو اپنے وطن (مکه) سے بھاگ کر همارے شهر میں کس مپرسی میں پناه گزین هوا آج اس کا اقتدار و غلبه اس حد تک آ پهنچا هے۔ یه شخص کهیں همارے شهر پر چھا هی نه آ جائے!

یهود مدینه نے آں حضرت صلعم کے ساتھ صلح و آشتی کا معاهده کرنے کے باوجود بدر سے قبل مسلمانوں کے ساتھ چشمک شروع کر رکھی تھی لیکن جونهی مسلمانوں نے بدر کا میدان جیت لیا نه صرف مدینه کے یهود بلکه مسلمانوں کے دوسرے دشمنوں کے دلوں میں بھی خوف بیٹھ گیا۔ انهوں نے مسلمانوں کے خلاف طعن و تشنیع کا دامن وسیع کر دیا حتیٰ که اشعار و قصائد میں طنز و توهین هونے لگی جس سے رسول الله کو انقلاب و اصلاح کی تحریک مکه هی کی طرح مدینه میں بھی چلانے کے بغیر مفر نه رها اور دین کے ساتھ سیاسی تدبر و تفکر و اصلاح کے انقلاب کی اس مهم کو مهمیز دینا ضروری هو گیا۔

ابھی تک یهود مسلمانوں کے ساتھ صرف مسائل دین هی میں مجادله کرتے تھے لیکن اب انهیں یه گھن بھی کھانے لگا که کهیں مسلمانوں کی هیبت اور دبدبه مدینه سے همارا اقتدار ختم نه کر دے۔ یهود کو اس غم نے بری طرح گھلا دیا اور انهوں نے خود پر لازم کر لیا که جو تدبیر بن آئے جناب محمد کے خلاف عمل میں لانے سے دریغ نه کیا جائے۔ آں حضرتؐ کو یهود کے هر مکر و فریب کی اطلاع هو جاتی اور اس جال کی هر گره اپنے ناخن تدبیر سے کھول کر اسے ناکاره کر دیتے لیکن نه تو یهود اپنی تدبیروں سے غافل تھے نه مسلمان ان کے دجل و فتنه سے بے خبر۔ دونوں فریق اپنی اپنی جگه مصروف عمل تھے۔

فتح بدر سے مسلمانوں کے عمل میں تبدیلی: مسلمان فتح بدر سے قبل مدینه کے یهود اور دوسرے غیر مسلم یاران شهر سے اس حد تک خائف رهتے که اگر ان هر سه گروه (یهود و مشرکین و ارباب نفاق) میں کوئی کسی مسلمان کو قتل بھی کر دیتا تو مسلمانوں کو انتقام لینے کی جرأت نه تھی لیکن بدر کی فتح نے حالات میں تبدیلی پیدا کر دی جس سے مسلمانوں کی همت بڑھ گئی۔ خیال رهے که مدینه کے دشمنان اسلام

کے تینوں گروہ اسلام اور مسلمانوں پر طعن و تشنیع کرنا اپنا وظیفہ سمجھتے جس کی بن پر مندرجہ ذیل واقعات رونما ہوئے۔

پہلا واقعہ۔ ہجوگو ابو عفک کا قتل: مدینہ کے باشندوں میں سے بدنصیب ابو عفک قبیلہ بنی عمرو بن عوف سے تھا۔ یہ رسول خدا اور مسلمانوں کی ہجو میں قصائد الاپ کر اپنی قوم کو ان کے خلاف جنگ پر اکسایا کرتا۔ ابو عفک فتح بدر کے بعد بھی اپنی زبان نہ روک سکا اور بدستور اسی مشغلہ میں سرگردان رہا۔

موسم گرما کی ایک شب جب کہ ابو عفک اپنے گھر کے صحن میں سو رہا تھا جناب سالم بن عمیر (اوسی) پہنچے اور ابو عفک کے کلیجے میں نوک سنان چھید کر اسے دائمی نیند سلا آئے۔

دوسرا واقعہ۔ در قتل عصماء: یہ مروان[1] بن زید کی بیٹی تھی۔ بدنصیبی سے شاعرہ بن گئی اور اپنی شاعری کا رخ اسلام اور رسول اللہ کی ہجو کی طرف پھیر کر کلیجہ ٹھنڈا کرنے لگی۔ عصماء لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت پر برانگیختہ کرتی، حتیٰ کہ فتح بدر سے بھی عبرت حاصل نہ کر سکی۔

عصماء ایک شب اپنے اہل و عیال کے حلقہ میں غافل پڑی سو رہی تھی۔ گود کا بچہ ماں کی چھاتی سے چمٹ کر دودھ پی رہا تھا کہ جناب عمیر بن عوف پہنچے۔ ان کی بینائی ذرا کم تھی۔ ایک ایک کو ٹٹولتے ہوئے عصماء کے پلنگ کے قریب آ گئے۔ بچے کو ماں کی چھاتی سے ہٹا کر ایک طرف کر دیا۔ اس کے بعد عصماء کے سینے میں اس زور سے خنجر پیوست کیا کہ جگر کو چھوتا ہوا پار ہو گیا۔ عمیر جب صبح کے وقت یہ خبر رسول اللہ کو سنا کر واپس آ رہے تھے تو مقتولہ کے فرزند اسے دفن کرنے میں مصروف تھے۔ انہیں دیکھ کر کہا ”اے عمیر! ہماری والدہ کو تم نے قتل کیا ہے؟“ انہوں نے جواب میں کہا:

نعم! فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون! فوالذي نفسي بیده لوقلتم باجمعکم ما قالت لضربتکم بسیفی حتیٰ اموت واقتلکم۔

میں ہی قاتل ہوں اگر انتقام لینا ہو تو مجھے یہاں سے نہ جانے دو! بخدا! اگر تم بھی اپنی مقتولہ کی طرح ہماری توہین کرو گے تو میں تمہارے قتل میں بھی کوتاہی نہ کروں گا اگرچہ خود ہی تمہارے ہاتھ سے قتل ہو جاؤں۔

عصماء کے قتل سے اس کے قبیلہ بنی خطمہ کے ان لوگوں کو اپنا اسلام ظاہر کرنے کی جرأت ہو گئی جو اب تک ڈر کے مارے دین کو چھپائے ہوئے تھے۔ آج یہ لوگ برملا مسلمانوں کی صفوں میں کھڑے ہو گئے۔

تیسرا واقعہ کعب بن اشرف کا قتل: کعب کی اسلام اور رسول دشمنی کے واقعات!

---

[1] یہ مروان بن الحکم نہیں ہیں۔ وہ قرشی و مکی ہیں اور یہ مروان مدینہ کا باشندہ ہے (م:)۔

(الف) کعب نے بدر میں قریش کی شکست پر ہاتھ ملتے ہوئے کہا:

هولاء اشراف العرب و ملوک الناس والله لئن کان محمد اصاب هولاء القوم لبطن الارض خیر من ظهرها۔	سادات قریش جو حرم کے نگہبان اور عرب کے بادشاہ تھے ان کی موت کے بعد ہم جیسوں کا زمین پر چلنے پھرنے سے مر جانا بہتر ہے۔

(ب) کعب قریش کی تصدیق شکست کے لیے خود مدینہ سے چل کر مکہ پہنچا (اپنے ہمراہ چالیس آدمی لے کر : م:) اور جب اسے مکہ والوں کی شکست کا یقین ہو گیا تو رسول اللہ اور اسلام کی توہین کر کے انہیں مسلمانوں کے خلاف مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ کعب شاعر تھا۔ اس نے برمحل ایسے قصائد کہے۔ ان اشعار میں قلیب بدر کے مردوں کی بے بسی پر بھی کعب نے اہل مکہ کو خوب رلایا اور یہ (قلیب) بدر کا وہ گڑھا ہے جس میں ابوجہل اور اس کے یاران سرپل کی لاشیں مٹی میں چھپائی گئی تھیں۔

(ج) کعب یہاں سے مدینہ واپس لوٹا تو مسلمانوں کی دل آزاری کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا جسے ملک کا کوئی فرد برداشت نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کی بی بیوں کے نام لے کر ان کی تشبیب شروع کر دی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عرب کے باشندے اپنے ناموس کے لیے کس طرح جان پر کھیل جاتے ہیں اور یہ تو ان کی بی بیوں کی فضیحت تھی۔

کعب کی اس ہرزہ سرائی سے مسلمانوں کا کھانا پینا حتیٰ کہ نیند تک حرام ہو گئی۔ ایک گروہ بنا جس نے اس بد زبان کو اس کے کیفر کردار پر پہنچانے کا عہد کیا۔

پہلے ان حضرات میں سے ایک مسلمان نے کعب کے پاس جا کر رسول اللہ کی شکایت (اس انداز سے) کی (جسے کعب نے حقیقت پر محمول کیا مگر یہ کہانی تجاہل عارفانہ سے دوہرائی جا رہی تھی : م:)۔ مسلمان نے کعب سے کہا ''اس شخص کے مدینہ میں آ جانے سے ہم لوگ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ تمام عرب سے دشمنی مول لینا پڑی۔ ہر طرف سے ہمارے راستے بند ہو گئے، اہل و عیال ضائع ہونے لگے حتیٰ کہ جانیں قلب میں تھرا اٹھیں!''

کعب اور یہ (مسلمان) تھوڑی دیر کی گفتگو سے جیسے ایک دوسرے کے ہم خیال بن گئے ہوں۔ تب مسلمان نے کعب سے خود اور اپنے چند اور ہم خیال دوستوں کے لیے ادھار غلہ کی درخواست کی جس کی ضمانت میں اپنی زرہیں کعب کے پاس گروی رکھ دینے کا وعدہ کیا اور کعب نے ہامی بھر لی۔

کعب مدینہ سے باہر ایک گڑھی میں رہتا تھا۔ دوسرے روز اسی جماعت کے ممبر جناب ابو نائلہ ایک پہر رات گئے کعب کے ہاں پہنچے۔ جب ان کے بلانے پر کعب دروازہ کھولنے کے لیے اٹھا تو اس کی بیوی نے کہا ''آدھی رات جا رہی ہے، اس وقت کسی کے لیے دروازہ نہ کھولیے!'' اس نے سنی ان سنی ایک کر دی اور دروازہ کھول دیا۔

حضرت ابو نائلہ کے ہمراہیوں میں دو مسلمان ایک طرف گھات میں لگے ہوئے تھے، مگر کعب کے دل میں کوئی کھٹکا نہ تھا۔ ابو نائلہ اسے باتوں میں لگا کر گھر سے دور لے آئے اور بدستور اپنی پریشانی بیان کرتے رہے تاکہ اسے اور زیادہ اعتماد ہو جائے۔

اسی چہل قدمی میں ابو نائلہ نے اپنا ہاتھ کعب کے سر سے مس کر کے بالوں کی خوشبو سونگھ کر کہا ''آج جیسا خوشبو دار عطر آپ نے پہلے کبھی استعمال نہ فرمایا ہوگا!''

کعب اپنی تعریف سن کر جھوم رہا تھا کہ ابو نائلہ نے اس کی کنپٹی کے بال پکڑ کر گھات میں لگے ہوئے مسلمانوں کو پکار کر کہا ''نکلو! اور اس دشمن خدا کو قتل کرو!،، گھات میں لگے ہوئے دونوں (مسلمان) بجلی کی طرح کوند کر لپکے اور کعب کو قتل کر دیا۔

یہود پر ہراس و دہشت : کعب بن اشرف جیسے ممتاز یہودی کے قتل نے یہود کے ایک ایک متنفس کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے لیکن ان کی زبانیں اب بھی رسول اللہ کے خلاف قینچی کی طرح چل رہی تھیں۔ جو کچھ ان کے منہ میں آتا کہنے میں تامل نہ تھا۔

یہود کے ہاتھوں برقع پوش مسلمہ کی بے حرمتی : اسی دوران میں انصار کی ایک مسلمان خاتون یہود قینقاع (نام) کی بزریا میں، ایک سنار کے ہاں زیور بنوانے کے لیے آئی۔ یہودی سنار اور اس کے لگے بندھے حواریوں نے چاہا کہ یہ بی بی چہرے سے نقاب اٹھا دے اور وہ اپنی ہوس دید کو تسکین دے سکیں۔ مگر یہ پاک دامن بی بی ان کی باتوں میں نہ آئی۔ اتنے میں ایک شورہ پشت یہودی نے عورت کی پشت کی جانب سے نقاب کو کانٹے میں اٹکا کر اس کی پشت پر الٹ دیا۔ عورت نے خود کو بے نقاب دیکھ کر واویلا شروع کر دیا۔ ایک مسلمان جو یہ شرارت دیکھ رہا تھا آگے بڑھا اور تلوار کے ایک ہاتھ سے سنار کو ٹھنڈا کر دیا مگر یہ مسلمان خود بھی یہودی کے وار سے موت کی گود میں جا پہنچا (مسلمان پر یہ حملہ کئی یہودیوں نے مل کر کیا تھا) اور آج سے مسلمان و یہود ایک دوسرے کے کھلے دشمن ہوگئے۔

رسول اللہ کا یہود کو اعلان : آں حضرت صلعم نے یہود سے برملا فرما دیا: ''اگر تم لوگوں نے مسلمانوں کی ایذا رسانی سے ہاتھ نہ روکا اور صلح کے معاہدہ پر عمل پیرا نہ رہے تو تمہارے ساتھ بھی وہی برتاؤ ہوگا جو قریش مکہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔،، لیکن یہود کو تکبر نے آشفتہ حال کر رکھا تھا۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا:

لا یغرنك یا محمد! انك لقیت قوماً لا علم لهم بالحرب فاصبت فرصة انا واللہ لئن حاربناك لتعلمن انا نحن الناس۔	اے محمد! تم نے ایسی قوم کو شکست دی ہے جو فن حرب سے آشنا نہ تھی۔ بخدا اگر ہمارے ساتھ سابقہ پڑا تو معلوم ہو جائے گا کہ کس دل گردے کے لوگوں سے پالا پڑا ہے۔

یہود کی اس دھمکی کے بعد مسلمانوں کو جنگ کے بغیر چارہ نہ رہا ورنہ مدینہ میں ان کی وہی رسوائی اور ذلت ہو جاتی جو کل ان کے ہاتھوں قریش کو دیکھنا پڑی۔ آخر مسلمان اسے گوارا نہ کر سکے جس کے چرچے عرب کے گھر گھر میں ہو رہے تھے اور اس کی بجائے آج یہ چرچے مسلمانوں کے متعلق شروع ہو جاتے۔

بنو قینقاع کا محاصرہ اور اخراج : آخر دونوں میں ٹھن گئی - یہودی قلعہ بند ہو کر دبک گئے اور مسلمانوں نے باہر سے ان کی رسد بند کر دی مگر پندرہ دن کے محاصرے سے یہودی اطاعت پر آمادہ ہو گئے - دروازے کھول دیے گئے اور تمام مجرم رسول اللہ کے سامنے پیش ہوئے - آں حضرت نے سب کے قتل کا حکم جاری فرمایا مگر مدینہ کا مشہور منافق عبد اللہ بن ابی بن سلول دخل انداز ہوا - یہ عیار مسلمانوں اور یہود دونوں کا حلیف تھا۔ اس نے عرض کیا ''اے محمد میرے دوستوں پر احسان کیجیے۔،، مگر آں حضرت نے اس کے متواتر اصرار پر بھی اس کی درخواست پر توجہ نہ فرمائی - آخر اس (عبداللہ) نے اظہار لجاجت کے لیے ایک ہاتھ سے آں حضرت کی درع تھام لی - پھر بھی آں حضرت کی خفگی کم نہ ہوئی - آپ نے عبد اللہ سے فرمایا ''مجھے چھوڑ دو،، اس وقت چہرہ پر برھمی کے آثار اور بھی نمایاں تھے مگر عبداللہ نے اپنا ہاتھ نہ ہٹایا - رسول اللہ نے پہلے سے اور زیادہ سخت لہجہ میں ہاتھ ہٹانے کے لیے فرمایا - عبد اللہ نے اپنا الحاح اور زیادہ کر دیا کہ ''جب تک میرے دوستوں کو رہا نہ کیا جائے گا میں اپنا ہاتھ نہ ہٹاؤں گا - میری مصیبتوں میں انہی لوگوں کے چار سو بے زرہ اور تین سو بکتر بند سپاهی دشمنوں سے میری حفاظت کرتے رہے - اگر میرے سامنے ان سات سو بہادروں کو ایک ھی لمحہ میں قتل کر دیا جائے گا تو ان کے بعد میرا کیا حشر ہوگا!،، اگرچہ شہر میں مسلمانوں کی شوکت سے عبد اللہ کی سیادت دن بدن معرض زوال میں تھی تاہم وہ ابھی تک اوس و خزرج (دونوں قبیلوں کے مشرکین) میں چوھدری بنا ہوا تھا -

اس (عبد اللہ) کے مسلسل الحاح سے آخر رسول اللہ کی خفگی میں کمی آ گئی - اسی دوران میں مسلمانوں میں سے جناب عبادہ بن صامت نے بھی یہود کی سفارش کی - رسول اللہ نے فرمایا ''میں عبد اللہ اور مشرکین کی سفارش پر ان لوگوں کی جان بخشی کرتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ مدینہ خالی کر دیں - یہ بڑے قصور وار ھیں !،،

عبد اللہ (منافق) ان کی جلا وطنی معاف کرانے کے لیے بھی آگے بڑھا - اس مرتبہ ایک مسلمان نے اسے روکنا چاھا اور دونوں کی آویزش میں ابن ابی (عبداللہ) زخمی ہو گیا - یہ دیکھ کر بنو قینقاع نے از خود کہ دیا کہ ''جس شہر میں ھمارا عبد اللہ جیسا رفیق زخمی ہو جائے اور ہم اس کی طرف داری نہ کر سکیں ہم ایسے شہر میں قیام نہیں کر سکتے !،، اور یہود اپنے اسلحہ اور زیورات جو ان کی صنعت و تجارت کا ذریعہ تھے مدینہ ھی میں چھوڑ کر جلا وطن ہو گئے - کچھ دن وہ وادی القریٰ میں اقامت گزین رہے مگر یہاں سے اذرعات نام بستی شام کے علاقہ میں منتقل ہوگئے، اس خیال سے کہ یہود کے لیے جس ارض موعود کا وعدہ کیا گیا ھے یہی سرزمین ھے اور جس کی طرف ہر دور میں ایک ایک یہودی کا دل لپکتا رہتا ھے -

وحدت سیاسی : بنو قینقاع کی جلا وطنی کے بعد مدینہ یہودیوں کی چیرہ دستیوں سے پاک ہوگیا - یہودی اگرچہ مدینہ کی طرف انتساب رکھتے تھے مگر ان کی اقامت اور تگ و دو کا اصل مرکز خیبر اور ام القریٰ کے مقامات تھے جو مدینہ سے اچھے خاصے فاصلے پر تھے اور آں حضرت نے جو انہیں جلا وطنی کا حکم دیا تو اس میں یہی مصلحت پنہاں تھی کہ ان کے اس سیاسی اثر و رسوخ کو ختم کر دیا جائے جس کی وسعتیں مدینہ سے لے کر مکہ تک پھیلی ہوئی تھیں - یہ حکم آپ کی سیاسی بصیرت اور

معاملہ فہمی کا بہترین نمونہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد جو بھی سیاسی واقعات رونما ہوئے وہ بڑی حد تک اس اقدام کا نتیجہ تھے۔ آخر ایک شہر میں بسنے والی دو مختلف العقائد قوموں کے درمیان نت نئے مناقشات کب تک امن کے ضامن رہ سکتے تھے؟ ایک نہ ایک دن دونوں میں سے ایک فریق کو دوسرے گروہ پر غالب آنا ہی تھا۔ یہی حالات مدینہ میں رونما ہوئے اور اسی سیاست پر فریقین کے مناقشہ کا یہ نتیجہ برآمد ہوا جس پر مسیحی مورخین حرف گیر ہیں۔ اگر مسلمہ کی بے حرمتی کا مداوا کسی اور طریقہ سے بھی ہو سکتا تھا، لیکن جو لوگ اہل مسلمان یہودی سنار کو قتل نہ کرتا تو زن عرب کی حمیت سے آگاہ ہیں ان پر واضح ہے کہ یہ لوگ اپنی حرمت برقرار رکھنے کے لیے کس طرح جان پر کھیل جاتے ہیں۔ عرب میں اس قسم کے واقعات پر کئی کئی سال مسلسل خون ریزی جاری رہتی جس کی بے شمار مثالیں تاریخ میں پائی جاتی ہیں۔

زن مسلمہ کی بے حرمتی سے چیکوسلاویکیہ کے شاہزادہ کی مشابہت : جیسا کہ ۱۹۱۴ میں شہزادہ مذکور کی ہلاکت دنیا کی اس جنگ (عظیم) کا مقدمہ ثابت ہوئی جس نے یورپ کو اپنے اندر لپیٹ لیا، اسی طرح اس زن مسلمہ کی توہین یہود اور مسلمانوں دونوں میں مناقشہ کا ذریعہ ثابت ہوئی جن میں دشمنی کی آگ پہلے سے سلگ رہی تھی۔ گویا کوہ آتش فشاں ہے جو ذرا سی لرزش سے لاوا ابلنے پر مائل ہو جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔

غزوۂ سویق[1] : بنو قینقاع کی جلا وطنی کے بعد مدینہ کے غیر مسلم طبقوں نے ایک طویل سنبھالا لیا جیسے گرد باد کے فرو ہو جانے پر طبائع آرام کی طرف مائل ہو جاتی ہیں، مگر ایک مہینہ نہ گذرا تھا کہ ابو سفیان نے "جو قریش کے متکبروں میں تنہا رہ گیا تھا" سر اٹھایا۔ اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ (جناب) محمد سے انتقام لیے بغیر خود پر غسل واجب نہ ہونے دے گا جس میں قریش کے دامن سے بدر کی شکست کا داغ دور کرنا مقصود تھا تاکہ ملک میں ان کی ہمت اور شوکت کی دھاک پہلے کی طرح جمی رہے۔ وہ بدر کی شکست کے بعد اسی تدبیر میں ڈوبا ہوا تھا۔ آج اپنے ہمراہ دو سو یا چار سو بہادروں کا دستہ لے کر مدینہ کی طرف بڑھا اور مسلمانوں کی گرفت کے خوف سے قدم قدم پر کاوے کاٹتا ہوا آخر مدینہ کے سوانے میں عریض پر آ پہنچا جہاں اس کے تہور بیشہ دستہ نے ایک انصاری اور اس کے ہمراہی کو قتل کر دیا۔ یہ دونوں جنگل میں ریوڑ چرا رہے تھے۔ قریشی سپہ سالار اعظم کی فوج نے بستی عریض کے دو جھونپڑے اور چھوٹے بڑے کھجوروں کے دو چار بوٹے بھی جلا دیے جس کے صلہ میں اس نے اپنے نفس کو تسلی دینے کے لیے یوں پرچا لیا کہ "میں نے مسلمانوں سے مقتولین بدر کا انتقام لینے کی جو قسم کھائی تھی وہ پوری ہو گئی!"

ابو سفیان کے دل پر مسلمانوں کی یہ ہیبت مسلط تھی کہ اگر مجھے گھیر لیا گیا تو میرا کیا حشر ہوگا۔ اس نے اپنی سواریوں کا رخ مکہ کی طرف لوٹا دیا۔

---

[1] ابو سفیان رات کو شہر میں آیا۔ پہلے حی بن اخطب کے ہاں گیا مگر اس نے معذرت کر دی، پھر سلام بن مشکم کے ہاں آیا اس نے شراب بھی پلائی اور مسلمانوں کی پوری حالت بھی سنا دی (سیرۃ ابن ہشام باب غزوۃ السویق۔۔ : م :)۔

رسول پاک کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو مسلمانوں کا ایک دستہ لے کر ابو سفیان کے تعاقب کے لیے روانہ ہوئے اور (مقام) قرقرۃ الکدر تک آ پہنچے ۔ ابو سفیان اور اس کے ہمراہی مسلمانوں کی ہیبت سے سر پر پاؤں رکھے بھاگ رہے تھے ، حتیٰ کہ اپنی سواریوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے رسد کے ستو جو تھیلوں میں بھر کر لائے تھے گرانا شروع کر دیے جنھیں مسلمان اٹھاتے گئے (ستو کو عربی میں سویق کہتے ھیں) اسی مناسبت سے اس جنگ کا نام غزوۂ سویق مشہور ہو گیا ۔

آں حضرت صلعم نے قرقرۃ الکدر پر آ کر دیکھا کہ دشمن فرار میں کامیاب ہو گیا ہے ۔ تب یہاں سے مدینہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے اور ابو سفیان جو بدر کی تلافی کے لیے یوں غراتا ہوا مکہ سے نکلا تھا اسی طرح چھپتا چھپاتا مدینہ گیا اور وہاں سے یوں سرپٹ بھاگتا ہوا واپس مکہ میں پہنچا ۔

ہر چند ان واقعات کی خبریں تمام عرب میں پھیل گئیں کہ ”بدر سے پہلے جو لوگ اپنی قوم کے خوف سے بھاگ کر ترک وطن پر مجبور ہوئے اور مسکنت کی حالت میں مدینہ جا کر پناہ گزین ہوئے تھے ان لوگوں نے بدر میں قریش مکہ کو پیس کر رکھ دیا ہے اور مدینہ کے یہود قینقاع جیسے بہادر اور جتھہ بند قبیلہ کو بھی ان کے دبدبہ نے ہمیشہ کے لیے شہر سے جلا وطن کر دیا ہے ۔ مدینہ کا سب سے بڑا چوھدری ابن ابی سلول بھی ان کے حضور سرنگوں ہو چکا ہے ۔ ان دنوں قریش کا مشہور اور نامی گرامی سردار ابو سفیان ان کے خوف سے بھاگ کر مکہ میں دبک کر بیٹھ گیا ہے ۔“ دور دراز رہنے والے عرب پر ان حوادث کا اس قدر گہرا اثر نہ تھا جس قدر مدینہ کے قرب و جوار میں بسنے والے غیر مسلم ان واقعات سے متاثر تھے ۔ انہیں یہ اندیشہ کھائے جا رہا تھا کہ جن لوگوں نے قریش جیسی جمعیت قومی کے پرخچے اڑا دیے ھیں نہ معلوم ان کا انجام ان کے ہاتھوں کیا ہو ۔

مکہ اور شام کے درمیانی راستوں پر مسلمانوں کی ناکہ بندی : اس دور میں مکہ اور شام کے تجارتی قافلوں کی لائن بحیرۂ احمر کے کنارے پر ہو کر گذرتی تھی جس پر بسنے والے قبائل آنے جانے والے قافلوں سے مالی منافع حاصل کرتے ۔ اب رسول اللہ نے ان قبائل سے معاہدہ کر کے قریش (مکہ) کی تجارتی ناکہ بندی کر دی جس سے ان قبائل کو اپنی معاشی بدحالی کی وجہ سے دن میں تارے نظر آ گئے کہ اگر ان راہوں پر قریش کی آمد و رفت نہ رہی تو ایسے بے برگ و بار وطن میں وہ کس طرح زندگی بسر کریں ۔ وہ ہمہ وقت اپنے مستقبل کے متعلق فکرمند تھے ۔ یہ دشواریاں مسلمانوں کے مدینہ میں آنے سے قبل ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں نہ ، ان کے تصور میں یہ آ سکتا تھا کہ مسلمانوں کی وجہ سے ان پر روزی کا دروازہ بند ہو جائے گا ۔

بدر میں قریش کے انجام نے ان قبائل کو بری طرح مرعوب کر رکھا تھا ۔ کبھی سوچتے کہ سب مل کر مدینہ میں رہنے والوں پر یلغار کر دیں مگر ان کی بے ہمتی انہیں آگے قدم اٹھانے نہ دیتی ۔

قبیلہ غطفان و سلیم کی سرکشی : اسی دوران میں نواحی مدینہ کے قبیلۂ غطفان و سلیم کے مسلمانوں پر حملہ کی خبر آئی ۔ رسول اللہ صلعم اپنے ہمراہ ایک دستہ لے کر مدینہ

سے نکلے اور مقام قرقرۃ الکدر پر آ کر ان کی ناکہ بندی کر لی ۔ یہاں بے شمار اونٹ دیکھے جن کے ساتھ کوئی چرواہا یا مالک نظر نہ آیا ۔ رسول اللہ نے ریوڑ قبضہ میں لے کر ایک جماعت قریب کی وادی میں بھیجی جہاں انہیں ایک نوعمر لڑکا ملا (جس کا نام یسار تھا) ۔ اس نے دریافت پر بتایا ”تھوڑی دیر ہوئی ایک گروہ سمندر کی طرف بھاگتا ہوا نکل گیا ہے ۔“ اس اطلاع پر آں حضرت نے اونٹ اپنے ساتھیوں پر تقسیم فرما دیے اور یہ تقسیم قرآن مجید کے حکم پر ہوئی کہ پہلے آں حضرت نے اپنا خمس علیحدہ کر لیا جس کے بعد ہر مسلمان کے حصے میں دو دو اونٹ آئے ۔ یہ پانچ سو شتر کا گلہ تھا ۔

بنو ثعلبہ اور بنو محارب : کچھ عرصہ بعد ایک اور اطلاع آئی کہ قبیلۂ بنو ثعلبہ اور بنو محارب کا ایک لشکر مقام ذی امر پر جمع ہو رہا ہے ۔ یہ لوگ مدینہ کے مسلمانوں پر دھاوا کرنے کے درپے ہیں ۔ رسول اللہ اپنی قیادت میں چار یا پانچ سو سپاہیوں کا دستہ لے کر نکلے ۔ راستے میں بنو ثعلبہ کا ہی ایک شخص مل گیا جس نے اطلاع دی کہ ”یہ لوگ فلاں مقام میں دبکے پڑے ہیں ۔ اگر (اے محمد!) انہوں نے آپ کے آنے کی آہٹ بھی سن لی تو وہاں سے بھاگ کر پہاڑ میں روپوش ہو جائیں گے اور میں خود آپ کے ہمراہ چلتا ہوں“، لیکن جونہی انہوں نے مسلمانوں کی آہٹ سنی لپک کر پہاڑ میں بکھر گئے ۔

بنو سلیم کی دوسری مرتبہ تیاری : چند روز بعد بنو سلیم کے دوسرے حملے کی تیاری کی اطلاع پر رسول خدا تین سو رفقاء کا دستہ لے کر بحران (مقام) پر پہنچے ۔ اس شب میں قبیلۂ مذکور ہی کے ایک شخص نے خبر دی کہ آپ کے آنے کی آہٹ سن کر وہ تتر بتر ہو گئے ہیں ۔

الغرض اسی طرح قبائل عرب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خائف تھے ۔ بعض ان میں سے مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر کے گھروں سے نکلتے مگر جونہی ادھر کی خبر سنتے ڈر کر منتشر ہو جاتے ۔

یہود کی وحشت : کعب بن اشرف کے قتل سے مدینہ اور نواحی کے یہود بھی جی چھوڑ چکے تھے ۔ ان میں سے ہر شخص کو یہ خوف کھائے جا رہا تھا کہ مبادا اس کا حشر بھی کعب ہی کا سا ہو ۔ اس پر بنو قینقاع کے محاصرہ اور جلا وطنی نے انہیں اور بھی خائف کر رکھا تھا کہیں ان کے لیے بھی انہی کا سا فیصلہ نہ ہو ۔ یہودی ایک مرتبہ رسول اللہ کے پاس یہ شکایت لے کر آئے کہ آخر کعب کو کس جرم میں قتل کرایا گیا ہے ۔ رسول اللہ نے فرمایا ”کعب ہمارے خلاف قریش کو بھڑکانے کے لیے مکہ پہنچا ۔ اس نے اپنے قصیدوں میں ہماری ہجو کی ۔ اگر وہ بھی دوسروں کی طرح محتاط رہتا تو ہمیں اس سے کیوں تعرض ہوتا!“، اس موقعہ پر فریقین میں طویل گفتگو کے بعد ایک معاہدہ تحریر ہوا جس میں ایک دوسرے گروہ کی حرمت و پاسداری کا وعدہ کیا گیا مگر یہودیوں کے دلوں سے آں حضرت کا کینہ دور نہ ہو سکا ۔

قریش کی تجارتی زبوں حالی : ادھر قریش اپنی تجارتی ناکہ بندی سے فکر مند تھے کہ اب شام کی طرف کیسے جا سکیں گے جب کہ (حضرت) محمد نے ہماری تجارتی لائن کاٹ رکھی ہے (اہل مکہ کی معیشت کا انحصار تجارت ہی پر تھا) ۔ اگر یہ موانع

اسی طرح چند عرصہ حائل رہے تو اہل مکہ قحط اور بھوک سے موت کے کنارے جا لگیں گے۔ انہیں یقین ہوگیا کہ جناب محمد ان کی تجارت کو ختم کر کے انہیں مکہ میں محصور کرنے پر تل چکے ہیں۔ ایک روز قریش کے مجمع میں صفوان بن امیہ نے اپنی تقریر میں کہا ”ہمارے حریف (حضرت) محمد اور ان کے رفقاء نے ہماری تجارت کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی جس سے ہم شام کی راہ کو عبور کر کے ان کے ہاتھ سے سلامت نکل سکیں۔ اس راہ پر بسنے والے قبائل نے بھی مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر رکھا ہے۔ اب ہمارا حشر کیا ہوگا! اگر ہم گھروں میں بیٹھے رہیں تو راس المال کھا کر کنگال ہو جائیں گے۔ سدا سے شام کی طرف گرمی کے موسم اور حبشہ کی سمت سردی کے موسم میں جا کر روزی کما لاتے تھے۔“

اس وقت اسود بن مطلب نے کھڑے ہو کر اپنی تقریر میں کہا ”شام جانے کے لیے ساحل سمندر کی راہ سے ہٹ کر عراق ہو کر بھی جا سکتے ہیں۔ اس راستے کے جاننے والے ہمارے ہاں فرات بن حیان (بنی بکر بن وائل ہے)۔“ فرات نے کہا ”جہاں تک میرا علم ہے (جناب) محمد کے رفقاء میں سے کسی نے ابھی تک عراق کا راستہ نہیں دیکھا۔ اس راہ میں پہاڑوں اور بیابانوں کا بے پایاں سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔“

صفوان نے کہا ”اگر صحرا کا سفر سرما میں کیا جائے تو کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ اس موسم میں پیاس کم لگتی ہے۔“

تجارتی قافلہ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں جس میں چاندی اور دوسرے سامان تجارت ایک لاکھ درہم کے تھے اور قافلہ چل پڑا۔

جس وقت قریش نے یہ معاملہ طے کیا مدینہ کے ایک اشجعی جن کا نام نعیم بن مسعود ہے مکہ میں موجود تھے۔ وہ مدینہ واپس لوٹے تو یہ خبر ایک مسلمان کے کان میں ڈال دی جو شدہ شدہ رسول پاک کے گوش گذار ہوئی۔ آں حضرت صلعم نے زید بن حارثہ کو ایک سو سپاہیوں کے ہمراہ بھیجا جنھوں نے (مقام) قردہ میں ایک پہاڑی چشمہ کے قریب قریش پر چھاپہ مار کر انہیں بھگا دیا اور اموال تجارت پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو پہلی مرتبہ بیش قیمت غنیمت آج حاصل ہوئی۔ رسول خدا نے اپنا خمس نکالنے کے بعد بقیہ مال زید اور ان کے ہمراہیوں میں تقسیم فرما دیا (نعیم بن مسعود بعد میں مسلمان ہو گئے : اصابہ : نمبر ۸۷۸۰ : م :)۔

اس یلغار میں فرات بھی گرفتار کر لیے گئے جن کی جاں بخشی قبول اسلام[1] کے صدقہ میں ہوئی۔

سوال یہ ہے کہ مدینہ میں استقرار کے بعد رسول اللہ کو جو فتوحات ہوتی گئیں انہیں کافی سمجھ کر مستقبل سے مطمئن ہو جانا ضروری تھا؟ کیا آں حضرت کے لیے

---

[1] ؎ : م: بلکہ ”فرات رسول اللہ کی ہجو میں اپنی زبان ملوث کرتے رہتے۔ جب گرفتار ہو کر آئے تو اسی زبان سے رسول اللہ کی منقبت میں قصیدہ خوانی سے اپنے روئیں روئیں کو پاک کر لیا جس پر رسول اللہ نے فرات کا اسلام قبول فرما لیا۔“ : (اصابہ نمبر : ۶۹۵۸ : از لفظ ”وقال المرزبانی کان مما ہجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم مدحہ فقبل مدحہ۔“)

یہ تسلیم کر لینا بھی لازم تھا کہ قبائل کے معاہدہ اور قریش کی اتنی بڑی غنیمت کے بعد اللہ اور اس کے رسول کے کلمہ کو جس قدر علو و برتری حاصل ہونا تھی، وہ اپنے آخر نکتہ پر پہنچ چکی ہے اور آئندہ اسلام کی ترویج و اشاعت کا انتظام خود اللہ تعالیٰ فرما لے گا ؟ نہیں، یہ تصورات رسول اللہ کی عزیمت سے بعید تھے۔ باوجودیکہ ہر امر کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے لیکن: ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (۳۳: ۶۲) بھی رسول اللہ کے سامنے تھا (خداوند عالم اپنے کسی قانون میں تبدیلی نہیں کرتا)۔ یہ کام سعی و تدبیر سے سر انجام پا سکتا ہے اور یہ جو خداوند عالم نے انسانی طبائع میں بعض خصوصیات ودیعت فرما رکھی ہیں اس سے بھی انکار ناممکن ہے کہ طبیعت کے اوصاف ہی پر انسان کی کامیابی منحصر ہے۔

پھر داستان قریش: قریش مکہ کی سرداری تمام عرب میں مسلم تھی۔ خود کو اتنا باوقار سمجھنے والی قوم کے لیے ناممکن تھا کہ آئے دن رسول اللہ کے ہاتھوں ذلیل ہوتے رہیں اور انتقام کی تدبیر پر غور نہ کریں۔ صفوان بن امیہ کے تجارتی قافلہ کی لوٹ نے تو انہیں اور بھی برافروختہ کر دیا کہ جس طرح ہو سکے اپنے دشمن سے پوری طرح بدلہ لیا جائے۔ رسول اللہ بھی اپنی وسعت نظر اور صحت سیاست کی وجہ سے قریش کے ان تصورات سے بے خبر نہ تھے۔

ام المومنین حفصہ سے عقد نکاح: آں حضرت نے مسلمانوں کے ساتھ مزید تعلقات بڑھانے کو اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے ضروری سمجھا۔ اگرچہ اسلام نے آپ کے رفقاء کے عزائم کو پہلے سے استواری بخش رکھی تھی جو ایک دوسرے مسلمان کے ساتھ مل کر رہنے میں مضبوط دیوار کی مانند گتھے ہوئے تھے تاہم ان کے ساتھ ارتباط و علائق کی مزید طرح ڈالنے سے ان کی یہ قوتیں اور بھی ابھر سکتی تھیں۔ رسول اللہ نے ان روابط میں اور استحکام پیدا کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کوششوں سے کامیابی حاصل فرمائی۔

جناب عمر کی صاحب زادی سیدہ حفصہ کو اپنے شرف مناکحت سے سرفراز فرمایا (یہ بی بی حضرت خنیس کے عقد میں تھیں جو سابقین الاولین سے تھے اور سات ماہ سے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے)۔ حضرت عمر کی صاحب زادی کے ساتھ عقد کرنے سے قبل رسول اللہ صلعم نے اسی مقصد کے پیش نظر جناب ابوبکر کی لخت جگر سیدہ عائشہ کو بھی یہی شرف بخش رکھا تھا۔ اور جس طرح آں حضرت نے جناب حفصہ کو اپنے حبالۂ عقد میں لے کر ان کے والد بزرگوار حضرت عمر کے ساتھ استحکام روابط کی طرح ڈالی اسی طرح اپنے عم زادہ برادر جناب علی کو، جو دوسرے تمام مسلمانوں سے کہیں زیادہ رسول اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے، اپنی نور نظر سیدہ فاطمہ کے ساتھ عقد کی عزت بخشی اور اپنے قریب لے آئے۔

حضرت عثمان اور جناب علی کی مصاہرت: اور اسی طرح اپنے رفقاء میں حضرت عثمان کو اپنے قریب تر لانے کے لیے اپنی صاحب زادی سیدہ ام کلثوم کا عقد ان سے فرما دیا۔ پہلے جناب عثمان کے عقد میں رسول اللہ کی نور نظر بی بی رقیہ ابھی ابھی انتقال فرما چکی تھیں۔

الغرض رسول اللہ نے قرابت داری کی ان گرھوں کے ساتھ ابوبکر و عمر اور عثمان و علی کو اپنے قریب تر فرما لیا جو عزیمت و اصابت رائے میں دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں بہتر تھے اور اگر تحمل ممکن ہو تو یہ کہنے میں بھی باک نہیں کہ یہ چاروں حضرات قوت و دبدبہ میں بھی دوسروں پر فائق تھے ۔

اور جس طرح رسول اللہ نے مسلمانوں کو ان کے غزوات میں شریک ہونے کی وجہ سے ان کی مالی کفالت (از اموال غنیمت) سے انہیں مستفیض فرمایا اسی طرح (آں حضرت نے) ان چاروں دوستوں میں سے ہر ایک کے ساتھ رابطۂ قرابت پیدا کر کے مسلمانوں کی قوت و جمیعت کے لیے ان کی کمک میں بھی تقویت بہم پہنچا دی ۔

اور جہاں حضرت رسالت مآب کی نظر و ہمت ان روابط کے بڑھانے میں مصروف عمل تھے وہاں قریش کے ان عزائم کا جائزہ بھی پیش نظر تھا جو ایک طرف مسلمانوں سے اپنا انتقام لینے کے لیے تلملا رہے تھے اور دوسری جانب شام کی تجارتی راہ سے رسول اللہ کی ناکہ بندی ختم کرنے کی فکر میں غرق تھے تاکہ مکہ کی دینی عظمت اور تجارتی شوکت (دونوں) اسی طرح قائم ہو سکیں جیسا کہ قدیم سے چلی آ رہی ہیں ۔

صادق امین عبداللہ حیات محمد ﷺ کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۱۵

غزوۂ اُحُد

۱۵

غزوۂ احد

قریش کے دلوں پر غزوۂ سویق نے تو کوئی اثر نہ چھوڑا لیکن بدر کا چرکا ان کے صفحۂ قلب سے مندمل نہ ہو سکا ، نہ زید بن حارثہ کی اس تاخت کا صدمہ مٹ سکا جس کے اثر سے ان کی جدید تجارتی راہ بھی مسدود ہوگئی جو انہوں نے بحیرۂ احمر کے ساحل کو چھوڑ کر عراق کی گذرگاہ پر تجویز کی ۔ قریش حادثۂ بدر اور اپنی اس راہ کی ناکہ بندی دونوں کے انتقام و مداوا کے لیے آتش زیر پا تھے ۔

بدر انہیں فراموش بھی کیسے ہو سکتا تھا جس میں ان کے منتخب روزگار اور سر کردہ (اشخاص) تہ تیغ ہوئے جن کی یاد میں قریش کی عورتیں ہر لمحہ مصروف گریہ تھیں ؟ کوئی اپنے لخت جگر کو بیٹھ کر روتی ، کسی کے دل سے اپنے ماں جائے کا ناسور رس رہا تھا، کوئی باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے سے شکستہ خاطر، کسی کا سرتاج مفقود اور کسی کا کوئی دوسرا قرابت دار نابود ہو گیا تھا — جن پر رونا اور سینہ کوبی قریش کی عورتوں کا مقدر بن گیا اور وہ اپنے نصیبے کو بھگت رہی تھیں ۔ ان کا نوحہ ایسی رقت اور سوز سے بھرا ہوتا جسے قریش سنتے اور مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے حواس باختہ انسانوں کی طرح ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتے ۔

جنگ احد کے ابتدائی مراحل : ادھر (مکہ میں) ابو سفیان کا وہ قافلہ شام سے لوٹ کر آپہنچا جو غزوۂ بدر کا محرک تھا ادھر معرکۂ بدر کے بقیہ السیف مفرورین قریش شہر میں وارد ہوئے اور قریش کے اکابر میں سے مندرجہ ذیل پانچ ارکان : جبیر بن مطعم ، صفوان (بن امیہ) ، عکرمہ بن ابوجہل ، حارث بن ہشام اور حویطب بن عبدالعزیز ، کے مشورہ سے قرار پایا کہ اس رقم سے سامان جنگ خرید کر (جناب) محمد سے انتقام لیا جائے جس کی قوت سے اپنی فوج کی تعداد بڑھائی جائے گی ، اور قرار پایا کہ قبائل عرب کو بھی قریش کے مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے مشتعل کیا جائے ۔ اس کے لیے قریش کی ایک ٹولی قبائل میں گشت کے لیے روانہ ہوئی جس میں ابو عزہ شاعر بھی تھا جو اسیران بدر میں گرفتار ہوا اور رسول اللہ نے اسے احساناً آزاد فرما دیا ۔ اس اہتمام میں انہوں نے اپنی کمک کے لیے اپنے حبشی غلاموں کا ایک دستہ بھی ہمراہ لے لیا ۔

احد کے لیے قریش کی عورتوں کی طرف سے پیش کش : جوش انتقام میں مبہوت قرشی عورتیں بھی ہمراہ جانے کے لیے مصر ہوئیں جس پر ایک شخص نے مجلس مشاورۃ میں یہ رائے پیش کی ”ہم لوگ سر سے کفن باندھ کر جا رہے ہیں ۔ اگر اپنے مقتولین کا بدلہ نہ لے سکے تو زندہ واپس نہ لوٹیں گے ۔ عورتوں کی معیت ہمارے لیے مفید ثابت ہوگی ۔ یہ ہمارے جذبات غضب کو اشتعال دلائیں گی اور ہمیں بدر کے واقعات یاد دلا کر آگے بڑھائیں گی ۔“ دوسرے نے کہا ”عورتیں ہماری آبرو ہیں ۔ اگر ہمیں شکست ہوئی تو ان کی بے حرمتی سے ہمارا ناموس خاک میں مل جائے گا ۔“ اس موقعہ پر ہندہ (زوجہ ابو سفیان) بھی موجود تھیں انہوں نے (اپنی تقریر میں) کہا :

،،حاضرین مجلس! اس سے نہ گھبرائیں کہ آپ زندہ بچ کر نہ آ سکیں گے ۔ آخر آپ لوگ بدر سے بھی بچ ہی نکلے اور اپنی عورتوں کو بھی آ کر دیکھ لیا! پھر آپ لوگ ہمیں شرکت سے منع کرنے والے ہی کون ہیں جب کہ یہی غلطی بدر میں ہوئی جب آپ لوگوں نے اپنی ان نوجوان لڑکیوں کو حجفہ (مقام) سے واپس لوٹا دیا جو معرکہ کے وقت موجود ہوتیں تو آپ لوگوں کو غیرت دلا کر آگے بڑھاتیں ۔ آہ! وہ بدر جس میں ہمارے عزیز ترین مرد دشمن کے ہاتھ سے مارے گئے ۔ ،،

قریش کا مدینہ پر خروج : اور قریش اپنے ہمراہ ایک جرار لشکر لے کر مکہ سے باہر جمع ہوئے جس کے ساتھ وہ عورتیں بھی تھیں جن کے عزیز و خویش بدر میں قتل ہوئے تھے ۔ اس لشکر میں بنو ثقیف (ساکنان طائف) کے دو سو شمشیر زن سپاہیوں کے سوا مکہ میں سے اٹھائیس سو شمشیر زن نکلے جن میں اشراف و سادات قریش کے قبائلی حلیف بھی تھے اور احابیش کا بھی ایک دستہ بمع بے شمار سامان رسد و آلات کے بہ تفصیل ذیل ہمراہ :

الف ۔ تین علم تھے جن میں سب سے بڑا جھنڈا طلحہ بن ابو طلحہ کے ہاتھ میں تھا ۔ یہ علم دارالندوہ میں بیٹھ کر بنائے گئے ۔

ب ۔ گھوڑے دو سو ۔

ج ۔ تین ہزار اونٹ ۔

د ۔ سات سو زرہیں ۔

ہ ۔ اسلحہ حساب و شمار سے فزوں تر ۔

اور لشکر مدینہ کے رخ پر بہ نکلا ۔

سیدنا عباس رض کی خبر رسانی : رسول خدا کے عم مکرم سیدنا عباس (بن عبد المطلب) جو ابھی تک اپنے جدی مذہب پر قائم اور مکہ میں تشریف فرما تھے قریش کی ہر سازش، جو رسول اللہ کے خلاف ہوتی، نظر غائر سے مطالعہ فرماتے ۔ اس کی دو وجہیں تھیں: (۱) رسول اللہ کی قرابت داری ، اور (۲) اپنے برادر زادہ کا حسن کردار! جس میں جناب عباس کے ساتھ مسلمانوں کا وہ حسن سلوک بھی شامل ہوگیا جو ان کے اسیر بدر ہونے کے دوران میں ان کے ساتھ ہوا ۔ جناب عباس کا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدائیت کا ایک وقت پہلے بھی آ چکا ہے ، ہجرت سے قبل اوس و خزرج کی بیعت کے موقعہ پر جو بیعت شب کی تاریکی میں ہوئی اور عقبہ الکبریٰ کے عنوان سے ملقب ہے ، جس کے لیے شب کے وقت رسول خدا اپنے دولت خانہ سے نکلے تو جان نثار عم کریم سے اپنے برادر زادہ کا اهل مدینہ سے تنہا معاملہ طے کرنے پر ضبط نہ ہو سکا ۔ سائے کی طرح آں حضرت کے ہمراہ محل بیعت (عقبہ الکبریٰ) میں رہے اور مبایعین اوس و خزرج سے مخاطب ہو کر فرمایا :

،،آپ لوگ میرے برادر زادہ کو تو اپنے ہاں لے جا رہے ہیں اگر اپنی عورتوں اور بچوں کی طرح ان کی پاسداری ہو سکے تو انہیں شوق سے مدینہ لے جائیے ورنہ انہیں ان کے قبیلہ ہی میں رہنے دیجیے ۔ جس طرح بنو ہاشم نے پہلے ان کی حفاظت میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لی تھی آیندہ بھی انہیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا ۔ ،،

آج حضرت عباس نے رسول پاک کے ساتھ قرابت داری ، آپ کے حسن کردار اور اسیر بدر ہونے کے دوران میں خود پر حسن مراعات کی وجہ سے ایک خط میں اطلاع دی جس میں قریش کا تازہ جنون ، ان کے لشکر کی تعداد ، اور سامان جنگ کی پوری تفصیل قلم بند فرما کر ایک غفاری ہرکارہ کے ہاتھ مدینہ بھیجی جو مکہ سے چل کر تیسرے روز مدینہ جا پہنچا ۔

قریش کی بربریت : کفار کا لشکر مقام ابوا پر آ پہنچا (جہاں رسول اللہ کی والدۂ ماجدہ کا مزار ہے) تو جوش انتقام میں بھرے ہوئے قریش کے چند کوتاہ اندیش نوجوان جناب آمنہ کے مزار کی بے حرمتی پر آمادہ ہوگئے۔ انہیں ان کے سربراہوں نے یہ کہ کر روک دیا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو اس سے عرب میں ایک وبا پیدا ہو جائے گی ۔ بنو بکر اور بنو خزاعہ موقع پا کر ہمارے مردوں کی قبریں کھود کر رکھ دیں گے۔ اس پر وہ لوگ اپنے ارادے سے دست بردار ہو گئے ۔

قریش کا احد میں پڑاؤ : قریش ابوا سے کوچ کرتے ہوئے (مقام) عقیق میں آپہنچے اور احد پہاڑی کے دامن میں ایک ہموار میدان میں پڑاؤ ڈال کر جم گئے ۔ یہ مقام مدینہ سے پانچ میل کی مسافت پر ہے۔

حضرت عباس کے ہرکارہ کی باریابی : ادھر سیدنا عباس کا غفاری ہرکارہ مدینہ میں آ پہنچا ۔ رسالت مآب اس وقت مسجد قبا میں دروازہ پر اپنے مرکب پر سوار ہونے کو تھے (قبا مدینہ سے چھ میل باہر ایک ملحقہ بستی ہے : م ؛) ۔ آں حضرت صلعم نے یہ خط کعب بن مالک سے پڑھوا کر سنا اور اس سے رازداری کی تاکید فرما کر خود (مدینہ میں) سعد بن ربیع کے ہاں تشریف لائے ۔ انہیں خط کے مضمون سے آگاہ کیا اور ان سے بھی رازداری کی تاکید فرمائی لیکن سعد کی اہلیہ نے بالا خانہ میں بیٹھے ہوئے سن لیا اور ضبط نہ کر سکیں ۔

رسول اللہ کی فکر مندی : آں حضرت نے جناب انس و مونس (ابنائے فضالہ) کو قریش کی جاسوسی کے لیے بھیجا اور ان کی واپسی پر حباب بن منذر (بن الجموح) کو ۔ پہلے دونوں بھائیوں نے قریش کے گھوڑے اور شتر مدینہ کے کھیتوں میں چرتے ہوئے دیکھنے کی اطلاع پیش کی اور رسول اللہ یہ سن کر جناب عباس کے خط کی تصدیق سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے ۔

اسی طرح دشمن کا جائزہ لینے کے لیے حضرت سلمہ بن سلامہ نکلے اور قریش کے ایک دستہ کو شہر سے اس قدر قریب دیکھا جیسے ذرا دیر بعد شہر کے اندر داخل ہونے کو ہیں۔ سلمہ بھاگے ہوئے آئے اور مسلمانوں کو ان کے کوائف سے آگاہ کیا ۔ ان خبروں سے قبیلہ اوس و خزرج کے مسلمان اور دوسرے لوگ آنے والی جنگ سے بے حد متاثر ہوئے کہ عرب کی تاریخ میں آج تک کسی جنگ کے لیے ایسی تیاری سننے میں نہ آئی تھی ۔ قریش پوری قوت اور لشکر جرار لے کر حملہ آور ہونے کو ہیں ۔

رسول اللہ کی حفاظت کے لیے بے شمار مسلح مسلمان مسجد نبوی میں رات بھر پہرے پر رہے اور مسلمانوں کا ایک دستہ تمام شب شہر کی حفاظت کرتا رہا ۔

رسول اللہ کی دوسروں سے مشاورت: آں حضرت صلعم نے صبح ہوتے ہی مسلمانوں کے ساتھ ان لوگوں کے اہل الرائے کو بھی طلب کر لیا جو خود کو مسلمان ظاہر کرتے اور قرآن انھیں انہی باتوں کی وجہ سے منافق سے نامزد کرتا۔ رسول خدا کا منشا یہ تھا کہ دشمن کی مدافعت کے لیے ایک متفقہ رائے قائم کر لی جائے اور سب سے پہلے رسالت مآب نے اپنی رائے بیان فرمائی کہ:

۱۔ مہاجرین قریش شہر سے باہر نگرانی کریں۔

۲۔ اہل مدینہ شہر میں قلعہ بند ہو کر موقع کے منتظر رہیں تاکہ دشمن کے حملہ پر مدافعت کی جا سکے۔

رأس المنافقین عبد اللہ کی رائے: عبد اللہ (بن اُبی بن ابی سلول) نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ہمیشہ سے اس شہر کے رہنے والوں نے مدینہ کی حفاظت اس طریق سے کی ہے:

الف۔ عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ قلعہ میں بند کر کے ان کے چاروں طرف پتھروں کے ٹکڑے جمع کر دیے۔

ب۔ شہر کے باہر فصیل کھڑی کر کے نگرانی کے لیے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکیاں تعمیر کر دیں۔

ج۔ اگر دشمن نے ہلہ ہی بول دیا ہے تو ادھر عورتیں اور بچے پتھراؤ کرنے لگے اور

د۔ ادھر سے مرد تلواریں سونت کر پل پڑے۔

"یا رسول اللہ! مدینہ کی مثال اس زن باکرہ کی سی ہے جس کی بکارت کبھی زائل نہ ہوئی ہو۔ آج تک کسی دشمن نے ہم پر فتح حاصل نہیں کی لیکن ہم لوگ جب بھی شہر میں رہ کر دشمن کے مقابلہ پر آئے کبھی ناکام نہیں ہوئے۔ یا رسول اللہ! حملہ آوروں کو ان کے حال پر چھوڑ کر میری تجاویز پر عمل کیجیے۔ مدینہ کی حفاظت کے یہ داؤں مجھے اپنے بزرگوں سے ترکہ میں ملے ہیں اور میرے دور کے داناؤں نے بھی مجھے یہی بتایا ہے۔"

۳۔ مہاجرین و انصار بھی رسول اللہ کی اس رائے سے متفق تھے کہ شہر میں بند رہ کر دشمن کی مدافعت کی جائے۔

۴۔ جو گروہ کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے بے قرار تھا اس میں دو قسم کے لوگ تھے

الف۔ وہ نوجوان جو بدر کی شرکت سے محروم رہ گئے تھے اور اب موقعہ غنیمت سمجھ کر داد شجاعت دینے کے لیے سرگرم تھے۔

ب۔ وہ شیر بیشہ دلاور جنھیں بدر میں بھی شرکت کا موقعہ مل چکا تھا اور معرکۂ کارزار میں ذات باری کی ہر وقت نصرت نے جن کے حوصلے پہلے سے بڑھا رکھے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ دنیا کی کوئی قوت ان پر غالب نہیں آسکتی۔ یہ حضرات شہر میں بند ہونے کو بزدلی پر محمول کرتے کہ اس

سے دشمن کو ہماری بزدلی کا یقین ہو جائے گا۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ بدر کے موقعہ پر اپنے شہر سے دور ہونے کے باوجود ہم نے قریش پر فتح حاصل کر لی اور آج تو ہم اپنے شہر سے قریب تر ہیں۔ احد ہمارے شہر کا سوانا ہی تو ہے۔ اس کے نشیب و فراز ہمارے دیکھے بھالے ہیں نہ کہ دشمنوں کے!

اور اس گروہ کے ایک نوجوان نے اپنی تقریر میں عرض کیا:

"مجھے یہ گوارا نہیں کہ وہ (قریش) یہاں سے واپس لوٹ کر کہیں کہ (حضرت) محمد ہم سے ڈر کر یثرب اور اس کے قلعوں میں دبک گئے۔ شہر میں ہمارے بند ہو جانے سے دشمن کی جرأت اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔

"دوستو! جن دشمنوں نے ہمارے کھیت اور پھل اور پودے تاراج کر دیے ہیں اگر ہم نے انھیں اپنے باغات کی بربادی سے نہ روکا تو ان درختوں کا پھل ہمیں کیسے نصیب ہوگا؟

"ہمارا دشمن بدر کی شکست کے بعد ایک سال تک دوڑ بھاگ میں لگا رہا تب جا کر مٹھی بھر عرب اور ان حبشی غلاموں کو اپنے ہمراہ لانے میں کامیاب ہوا۔ قریش کی یہ جرأت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے اسپ اور شتر ہمارے شہر کے سوانے میں لے آئے!

"آپ لوگوں کو پسند ہے کہ وہ ہمیں شہر اور قلعوں میں بند کر کے خود زخم کھائے بغیر واپس لوٹ جائے اور یہ بات مشہور کرے کہ ہم نے مسلمانوں کو قلعوں میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارے خلاف دشمن کے حوصلے کس قدر بڑھ جائیں گے؟ وہ آئے دن اسی طرح ہمارے سرسبز و شاداب کھیت برباد کرتے رہیں گے۔ کبھی کسی طرف سے ہمیں نرغہ میں لینے کی کوشش کریں گے، کبھی کسی جانب سے آ کر ہمیں گھیر لیں گے۔ ان کے جاسوس انھیں ہر وقت ہماری خبریں پہنچایا کریں گے اور ہمارا شہر ان کی گھات سے کبھی محفوظ نہ رہے گا۔ حتیٰ کہ ایک نہ ایک دن قریش ہم پر غالب آ جائیں گے۔"

اس تقریر نے مسلمانوں کی ہمت اور ولولۂ شہادت کو از سر نو بیدار کر دیا۔ ہر شخص کی زبان پر یہی نعرہ تھا۔ جو حضرات رسول اللہ کے ارد گرد جمع تھے، جن کے دل اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے سرشار تھے، خدا کی کتاب اور حساب آخرت پر یقین تھا، جنھیں اپنے اس کینہ توز جفا پیشہ دشمن کی ناکامی کا پورا بھروسہ تھا کہ ہماری تلواریں دشمن کی تکا بوٹی اڑا دیں گی اور اگر ان میں سے دس پانچ سلامت رہ گئے تو ہماری ہیبت سے تتر بتر ہو جائیں گے اور ہم میں سے جو مسلمان شہید ہوگا اسے جنتِ ملے گی جس کا وعدہ ایسے لوگوں کو دیا گیا ہے۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملٰئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاؤکم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ ولکم ما تشتھی	بے شک جن لوگوں نے اللہ کی وحدانیت کا زبان سے اقرار کیا اور اس پر سدا قائم رہے رحمت الٰہی کے فرشتے ان کے پاس یہ پیغام لے کر آتے ہیں کہ "اب تمہیں

انفسکم ولکم فیہا ما تدعون[1] (۴۱ : ۳۰-۳۱)۔

کوئی خوف و ہراس نہ ہوگا بلکہ تمہارے لیے اس جنت کی بشارت ہے جس کا تم سے ایمان لانے کے بدلے میں وعدہ کیا گیا تھا،، (اللہ کی طرف سے یہ انعام بھی ہے) کہ دنیا اور عقبیٰ میں ہم تمہارے ولی ہیں اور اس جنت میں تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی -

ان نوجوانوں کے دلوں میں یہ خیال بھی گدگدا رہا تھا کہ آج کے شہیدوں کی جنت میں اپنے ان بھائیوں سے بھی ملاقات ہوگی جو کل بدر میں دشمن کے ہاتھ سے جام شہادت پی کر ابدی نیند سو گئے - یہ ملاقات اس جنت میں ہوگی جہاں:

لا یسمعون فیہا لغواً ولا تاثیماً الا قیلاً سلاماً سلاماً (۵۶ : ۲۵) -

جس (- جنت میں) ایک دوسرے کے متعلق ''سلامت باشید،،! کے سوا بے سود اور گناہ کی بات زبان پر آئے ہی گی نہیں -

مردِ معمر خیثمہ کی تقریر:

عسی اللہ ان یظفرنا بہم او تکون الاخریٰ الشہادۃ لقد اخطأتنی وقعۃ" بدر وکنت علیہا حریصاً حتی بلغ من حرصی علیہا ان ساہمت ابنی فی الخروج فخرج سہمہ فارزق الشہادۃ وقدرایت ابنی البارحۃ" فی النوم وہو یقول ''الحق بنا ترافقنا فی الجنۃ" فقد وجدت ما وعدنی ربی حقا،، وقدو اللہ یا رسول اللہ اصبحت مشتاقا الی مرافقۃ" فی الجنۃ وقد کبرت سنی و رق عظمی واحبیت لقاء ربی -

امید ہے کہ اللہ ہمیں فتح یاب کرے یا شہادت ہی نصیب ہو جس شہادت سے میں بدر میں محروم رہ گیا ہوا ہوں - میں بدر میں شرکت سے دست بردار ہوے پر راضی نہ تھا - اور میرا فرزند (سعد) بھی اس پر مصر تھا - آخر دونوں نے قرعہ اندازی کی - میرے فرزند کی قسمت بیدار ہو گئی اور وہ اس معرکہ میں شہید ہو گیا - اسی شب میں رویا میں اس نے مجھ سے کہا ''خدا نے ہمارے ساتھ جو وعدے کیے تھے ہم نے سب پورے ہوتے دیکھ لیے- آپ بھی ہمارے ساتھ آ کر جنت میں رہیے -،، یا رسول اللہ! بخدا! میں اسی لمحہ سے اپنے فرزند کے ساتھ جنت میں رہنے کے اشتیاق میں بیٹھا ہوں - یوں بھی بوڑھا ہو گیا ہوں، میری ہڈیوں میں دم نہیں رہا - اب میں اپنے رب سے ملاقات کو زیادہ پسند کرتا ہوں (اور حضرت خیثمہ احد میں فائز بہ شہادت ہوئے) (اصابہ نمبر ۲: ۲۳۰: م)

---

[1] م: مصنف علام نے ان آیات کے مضمون کو بڑے دل کش انداز میں سمو دیا ہے مگر جہاں بھی مشاہدۂ حق کی گفتگو چل نکلے ''بادہ و ساغر،، کی حکایت کے بغیر مرور نہیں بڑھتا اس لیے راقم نے ترجمہ کی بجائے آیت سے محفل کو گرمانا چاہا -

رسول خدا نے میدان میں مقابلہ کرنے والوں کی اکثریت دیکھ کر اپنی اسی رائے کو پھر دھرایا کہ ”مجھے تمھاری شکست کا خطرہ ہے“، لیکن اس پر بھی لوگوں کا اصرار کم نہ ہو سکا جس کی بنا پر آں حضرت نے اکثریت کی رائے پر عمل ضروری سمجھا کیونکہ رسول خدا نظام حیات مربوط رکھنے کے لیے شوریٰ کے فیصلہ پر توجہ کرنا زیادہ پسند فرماتے، الا اس صورت میں کہ خدا کی طرف سے وحی نازل ہو جس پر عمل کرنے میں صرف اپنی رائے کو سب پر ترجیح دیتے۔

اور احد کی تیاری : جمعہ کا دن تھا۔ رسول اللہ نے نماز (جمعہ) پڑھا کر فرمایا ”مسلمانو! اگر تم نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو تمھاری ہی فتح ہوگی“، اور مسلمانوں کے لیے تیاری کا فرمان صادر فرمایا۔ نماز عصر ادا کرنے کے بعد اپنے همراه ابوبکر اور عمر دونوں کو لے کر دولت خانہ پر تشریف لائے۔ ان دونوں حضرات نے رسول اللہ کے عمامہ باندھنے میں (آپ کی) مدد کی، زرہ پہنوائی اور تلوار حائل کی اور جب تک رسول خدا دولت خانہ میں رہے مسلمان قلعہ بندی یا میدان میں مقابلہ دونوں امور پر گفتگو کرتے رہے۔ اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ نے جو قلعہ بندی کے حامی تھے دوسرے گروہ سے کہا:

> ”آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ آں حضرت قلعہ بندی چاہتے ہیں۔ پھر بھی آپ حضرات کی طرف سے رسول اللہ کو میدان میں نکلنے کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ آں حضرت کی رضا مقدم سمجھی جائے اور جو کچھ حکم فرمائیں آپ بلا عذر اس کی اطاعت کریں۔“

قلعہ بندی کا خلاف گروہ بہت پریشان تھا۔ انھیں سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مبادا رسول خدا کی مخالفت کے جرم میں ان کے خلاف کوئی آیت نازل ہو۔ جونہی آں حضرت زرہ پہن کر باہر تشریف لائے ان لوگوں نے آگے بڑھ کر عرض کیا:

> ”یا رسول اللہ! ہمارا مقصود آپ کی مخالفت کرنا نہیں۔ آپ قلعہ بند رہ کر مدافعت پر کاربند ہوں یا میدان میں صف آرائی کا حکم فرمائیں، ہم اطاعت کے لیے حاضر ہیں خدا کے بعد آپ کا فرمان ہمارے لیے واجب العمل ہے۔“

رسول اللہ نے فرمایا! ”جب میں نے آپ لوگوں کو مشورہ دیا تو انکار کر دیا گیا لیکن کسی نبی کے شایاں نہیں کہ زرہ پہن لینے کے بعد دشمن کا مقابلہ کیے بغیر زرہ بدن سے اتارے۔ اب تم میرے حکم پر عمل کرو کہ اگر تم نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو تمھاری ہی فتح ہوگی۔“

اس طرح آں حضرت صلعم نے اس شوریٰ کی بنیاد رکھی جس پر نظام کی تعمیر کا انحصار ہے کہ جس مسئلہ کو بحث و تمحیص کے بعد طے کر لیا جائے اسے کسی رائے کے خلاف ہونے کی بنا پر مسترد نہیں کیا جا سکتا بلکہ طے شدہ مشورہ پر عمل کیا جائے، اس کے نفاذ میں تعجیل اور اس کے نتیجہ کا انتظار مد نظر ہو۔

روانگی اور جنگ میں غیر مسلم گروہ کا امداد سے انکار : رسول اللہ نے اپنے رفقاء کو همراه لے کر دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے احد کی طرف کوچ فرمایا۔ مقام شیخین پر پہنچے تو وہاں ایک دستہ پہلے سے پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ آں حضرت کی دریافت

پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ ابن اُبی (منافق) اور یہود کے حلیف ہیں جو مسلمانوں کی نصرت کے لیے نکلے ہیں ، فرمایا :

لا یستنصر باھل الشرک علی اھل الشرک مالم یسلموا ۔	مشرکوں کے ایک گروہ کے خلاف جنگ میں اسلام کی رو سے دوسری قسم کے مشرکوں کی امداد کوئی معنی نہیں رکھتی جب تک ایسے لوگ تہ دل سے مسلمان نہ ہو جائیں۔

یہود کا یہ دستہ مدینہ واپس لوٹ گیا ۔ راستے میں انھیں ابن اُبی اور اس کا دستہ ملا ۔ انھوں نے ابن ابی سے گلہ کیا: کہ ”آپ نے تو اسے (رسول اللہ صلوات اللہ علیہ) بہتر مشورہ دیا ، اپنے بزرگوں کی رائے بتا دی ۔ پہلے وہ آپ کی رائے سے متفق ہو گیا لیکن بعد میں اپنے نا تجربہ کار نوجوانوں کی بات مان کر ان کے ہمراہ میدان میں جا پہنچا ۔“ ابن ابی نے کہا ”آپ لوگ صحیح کہتے ہیں۔ میں ہی جا کر کیا کروں گا!“ اور اپنا دستہ واپس لے آیا ۔

اب رسول اللہ کے ساتھ صرف خالص مومنین رہ گئے ۔ ان کی تعداد سات سو تھی اور وہ مکہ کے ان تین ہزار کینہ توز قریشیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ جو بدر میں انہی لوگوں سے شکست کھا کر فرار ہوئے اور آج نئے سرے سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے میدان میں اتر آئے ۔

فریقین کی صف آرائی : مسلمان قدم بڑھاتے ہوئے اُحد میں آ پہنچے ۔ رسالت مآب نے اس طرح صف آرائی فرمائی کہ فوج کی پشت پہاڑ کی اس سمت میں رہے جس سمت میں درہ ہے ، مبادا دشمن عقب سے حملہ آور ہو ۔ اس درہ پر پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین کرنے کے بعد انھیں یہ ہدایات فرمائیں: ”مبادا دشمن ادھر سے حملہ آور ہو ، آپ لوگ ان کے ساتھ جو برتاؤ کریں اسی موقع پر متعین رہتے ہوئے کیجیے ۔ اگر ہم دشمن کے قدم اکھاڑ دیں تب بھی آپ محاذ نہ چھوڑیں ۔ اگر دشمن ہمیں پامال کرتا ہوا نظر آئے تو بھی ہماری نصرت کے لیے آنے کی بجائے یہیں سے ان کے گھوڑوں پر تیر برساتے رہیے۔ گھوڑے تیروں کے سامنے نہیں جمتے۔“ اس کے بعد آپ صفوں کی طرف لوٹے اور انھیں صرف ایک تاکید فرمائی: ”جب تک میں حکم نہ دوں کوئی شخص اپنا حربہ استعمال نہ کرے۔“

قریش کی صف آرائی میں عورتوں کا حصہ : اہل مکہ نے اپنی صفیں اس طرح بنائیں : میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا ، میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو متعین کیا ۔ لشکر کا علم عبدالعزیٰ طلحہ بن ابو طلحہ کی سپردگی میں دیا اور سب سے بڑے مورچے کی کمان عورتوں کے ہاتھ میں ہے جن میں سے کسی کے ہاتھ میں دف ہے کوئی طبل لیے ہوئے ہے ۔ ہر ایک عورت سولہ سنگار کیے ہوئے اٹھلاتی ، کبھی اس قطار کے آگے اور کبھی اس صف کے پیچھے ۔ ان کی سپہ سالار اعظم ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ ہیں ۔ قریش کے زنانہ لشکر کا اسلحہ رجزیہ اشعار تھے جس کا ایک بند یہ ہے :

ویہا بنی عبد الدار
ویہاً حماة الادبار
ضرباً بکل بتار
ان تقبلوا نعائق
ونفرش النمارق
او تدبروا نفارق
فراق غیر وامق

ہماری طرف دیکھو۔ زہرہ اور مشتری کی
کوکھ سے پیدا ہونے والیاں ہیں۔ نرم
قالینوں پر ناز و نزاکت سے اٹھلانے والی!
آج اگر تم نے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کیا
تو کل ہم تمھیں اپنے سینے سے چپٹا لیں گی
اور اگر تم پیچھے ہٹ گئے تو ہمارا تمہارا
کوئی تعلق نہ رہے گا۔

اسی طرح فریقین کے اکابر و اعاظم اپنے اپنے لشکروں کے دل بڑھاتے قریش بدر کی شکست کے حزنیہ اور اپنے چوھدریوں کے قتل کے المیہ سے لشکر کو ابھارتے مگر مسلمانوں کے دلوں میں صرف خدا کی محبت اور نصرت کا سہارا تھا۔

رسول اللہ نے اس موقعہ پر جو خطبہ دیا اس میں بھی یہی فرمایا کہ ''اگر تم نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو فتح تمھاری ہی ہے۔''

رسول اللہ نے اپنی تلوار پیش فرمائی: اس کے بعد آں حضرت نے اپنی تلوار میان سے نکال کر آگے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا: ''مسلمانو! تم میں سے کون بہادر اس تلوار کا حق ادا کر سکتا ہے؟'' کئی مسلمان آگے بڑھے مگر رسول خدا نے ان میں سے کسی کی درخواست منظور نہ فرمائی۔

جناب ابو دجانہ: ابو دجانہ (سماک بن خرخشہ) عرض گذار ہوئے ''یا رسول اللہ اس تلوار کا کیا حق ہے؟''

فرمایا ''اس تلوار کا حق یہ ہے کہ دشمن کے ٹکڑے بکھیرتی ہوئی خم کھا جائے۔''

مرد شجاع ابو دجانہ گھر ہی سے سر پر وہ سرخ پٹی باندھ کر نکلا تھا (جسے عرب میں موت کا تسمہ کہا جاتا ہے)۔ اس نے ایک ہاتھ تلوار کے قبضے پر رکھا دوسرے ہاتھ سے سر کی پٹی کو مضبوطی سے کس لیا اور فاخرانہ چال سے قدم اٹھاتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھا۔ رسول خدا نے ان کی چال پر فرمایا ''ایسے موقعہ کے سوا یہ انداز خدا کو قطعاً ناپسند ہے۔''

احد میں قریش کا پہلا مبارز: مدینہ کا رہنے والا قبیلہ اوس کا فرد ابو عامر (عبد عمرو بن صیفی الاوسی) اسی غرض سے چل کر مدینہ سے مکہ پہنچا کہ ''آؤ سب مل کر (جناب) محمد کو قتل کر دیں۔'' وہ بدر کے معرکہ میں شریک نہ ہوا تھا۔ اس کی کمان میں اپنے قبیلہ (اوس) کے پندرہ شمشیر زن تھے اور اہل مکہ کے چند غلام۔ ابو عامر نے یہ گرہ باندھ رکھی تھی کہ جونہی وہ میدان میں آ کر مسلمانوں کو مبارزت کرے گا لشکر اسلام سے اس کے قبیلہ داران اوس لپک کر اس کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے اور سب مل کر قریش کو فتح یاب کر دیں گے۔

ابو عامر نے باآواز بلند پکارا ''اے برادران اوس! دیکھو میں تمھارا بھائی ابو عامر ہوں۔''

اوس کا جواب: ''ارے بد اطوار! ہم تجھے خوب پہچانتے ہیں۔ خدا تیری مدد نہیں کرے گا!'' اور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ عکرمہ بن ابوجہل نے کہ (لشکر کفار کے)

میسره پر تھے اپنے غلاموں کا دسته لے کر مسلمانوں کے هراول (مقدمه" الجیش) پر حمله کیا جسے کلمه گویان توحید نے صرف پتھراؤ سے ناکام بنا دیا ۔ عکرمه کے ساتھ ابو عامر (مذکور) بھی پیٹھ دکھا کر لوٹ گیا ۔

سید الشهداء حمزه بن عبد المطلب شیر ببر کی طرح گرجتے هوئے رن میں نکلے که

ع جیسے غرور هو آئے کرے شکار مجھے

اور لشکر کفار کے قلب میں شگف کرتے هوئے کئی کافروں کو فی النار کرکے دم لیا ۔ ادھر طلحه بن ابو طلحه نے مبارزت کی ڈینگ ماری ۔ علی بن ابی طالب بڑھے ۔ کچھ دیر دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے اور بچاتے رهے ۔ علی کے آخری حمله نے طلحه کی کھوپڑی میں شگاف ڈال دیا جس پر رسول الله نے بآواز بلند نعرۂ الله اکبر بلند کیا اور آں حضرت کی آواز کے ساتھ مسلمانوں نے اپنی آواز ملا کر سعادت دارین حاصل کی جس سے مسلمانوں کے قدم مضبوط هو گئے ۔

ابو دجانه کی شجاعت : اتنے میں ابو دجانه نکلے ۔ هاتھ میں رسول الله کی عطا کرده شمشیر اور سر پر موت کی سرخ پٹی بندھی هوئی هے ۔ کافروں میں سے جو زد میں آ گیا زمین پر لوٹنے لگا ۔ (ابو دجانه) مشرکین کو قتل کرتے هوئے ان کے قلب میں در آئے ۔ اتفاق سے ایک ایسے انسان پر نظر پڑی جو دوسرے انسان کے اعضاء قطع کر رها تھا ۔ ابو دجانه نے تلوار اٹھائی هی تھی که بے رحم قاتل نے واویلا شروع کر دیا ۔ غور سے دیکھا تو ابو سفیان کی بیوی هنده (بنت عتبه) هیں ۔ ابو دجانه اس خیال سے واپس لوٹ آئے که رسول خدا کی تلوار کو عورتوں پر آزمانا زیبا نهیں ۔

قریش مکه کے تمام سرغنے بدر کی بھینٹ هو چکے تھے ۔ آج انهوں نے خدا کے نبی کے ساتھ ایک اور جنگ چھیڑ دی ۔ (واضح رهے) که بدر کی طرح اس جنگ میں بھی طرفین کی تعداد و سامان میں کوئی توازن تھا نه دونوں کے مقاصد میں یکسانیت ۔ ایک گروه جذبۂ انتقام سے مشتعل اور دوسرا فریق اپنے ایمان و اعتقاد کے لیے دشمنوں کی مدافعت اور وطن کی حفاظت کے لیے سربکف ۔ انتقام کے دیوانے مسلمانوں کے مقابله میں قوت اور تعداد هر ایک میں فائق ، جن کے اس وصف کا مقابله کرنے کی مسلمانوں میں ذره برابر سکت نه تھی که اهل مکه کے همراه لولیان قریش سوله سنگار کیے هوئے هیجان انگیز نغمه و سرود سے اپنے لشکر کو ابھار رهی تھیں اور ان میں کئی ایک نے اپنے غلاموں سے انعام و اکرام کے وعدے کر رکھے تھے ۔ قریش کی انهی مه وشوں میں کسی نے اپنا حقیقی بھائی بدر کی بھٹی میں جھونک دیا تھا ، کسی کا خاوند اس لاوے میں به چکا تھا ، کسی کا باپ اس چتا میں بھسم هو گیا تھا اور بدر میں جن مسلمانوں کی شمشیر خارا شگاف قریش کے اکابر کے قلب و جگر میں پیوست هو کر ان کی هلاکت کا سبب ثابت هوئی ان (مسلمانوں) میں عرب کے سب سے بڑے دلاور حمزه بن عبدالمطلب هیں جن کی ضربت سے ان مه لقاؤں کی سردار ابو سفیان کی اهلیه هنده کا باپ عتبه مارا گیا ۔ عتبه کے ساتھ هی هنده کا ایک بھائی اور چند عزیز بھی اپنی اپنی کرنی کا پھل بھوگ کر اوندھے منه قلیب بدر میں پڑے هوئے تھے ۔

حمزه ، اسد الله ، وسیف الله ، آج احد میں اپنی هاشمیانه هیبت کے سائے میں دشمنوں کو موت کے پہلو میں دھکیل رهے تھے ۔ کفار کا مشهور شمشیر زن ارطاة بن عبد

شرجیل بھی حمزہ ہی کے ہاتھ سے ختم ہوا ۔ سباع بن عبد العزیٰ (الغبشانی) انہی کی تلوار سے کیفر کردار کو پہنچا ۔ جس کافر پر حمزہ کی تلوار کا سایہ پڑتا اس کی روح جواب دے کر ایک طرف چلی جاتی ۔

سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب کی شہادت : بدر میں جبیر بن مطعم قرشی کے چچا اور ہندہ زوجہ ابو سفیان کے باپ انہی حمزہ کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے ۔ جبیر نے اپنے حبشی غلام سے جن کا نام وحشی تھا معاملہ کیا کہ اگر تم حمزہ کو قتل کر دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا ۔ اسی وحشی سے دوسری معاملت ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے کی جن کا باپ بدر ہی میں حضرت حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا کہ ”اگر تم حمزہ کو قتل کر دو تو میں تمہیں سیم و زر سے لاد دوں گی ۔“ سید الشہداء حمزہ اسی وحشی (غلام حبشی) کے ہاتھوں شہید ہوئے جس کی داستان بدنصیب وحشی نے (اسلام لے آنے کے بعد) یوں بیان کی ہے :

سید الشہداء کے قتل کی داستان وحشی کی زبانی : مجھے بھی احد میں قریش کے ساتھ خروج کرنا پڑا ۔ میں حبشیوں کے مشہور حربہ (نیزہ) کا استعمال اس طریق سے جانتا تھا کہ میرا نشانہ کبھی خطا نہ کرتا ۔

جب احد میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے تب میں بھی اپنے شکار کی تاک میں نکل آیا ۔ حمزہ کی رنگت گندم گوں تھی ۔ میں نے بھیڑ میں بھی انہیں شناخت کر لیا ۔ اس وقت (وہ) قریش کے قلب میں دراتے ہوئے ہر طرف کشتوں کے پشتے لگا رہے تھے ۔ میں نے اپنا نیزہ تول کر ان کی طرف پھینکا جو ان کی ناف میں پیوست ہو کر پار ہو گیا ۔ حمزہ نے مجھے دیکھ لیا ۔ وہ میری طرف بڑھے ۔ مگر گر پڑے ۔ میں نے ان کے ٹھنڈے جسم سے اپنا نیزہ کھینچ لیا اور ان کی موت کا یقین آ جانے پر اپنے پڑاؤ میں آ کر بیٹھ گیا ۔ میری شرکت کا مقصد حمزہ ہی کو قتل کرنا تھا جس کے بعد مجھ پر کوئی ذمہ داری نہ رہی ۔ یہ بھی میں نے اپنی آزادی کے لیے کیا اور جب ہم واپس مکہ پہنچے تو مجھے آزاد کر دیا گیا ۔

قزمان منافق کی وطن سے مدافعت : ادھر وطن پر سے حملہ کی مدافعت کرنے والوں میں ایک شخص قزمان نام جو منافق تھا اور صرف ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کرتا مسلمانوں کے ساتھ نہ آیا تھا ۔ جب اس دن کی صبح ہوئی تو عورتوں نے قزمان سے کہا ”شرم نہیں آتی ۔ عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ گئے اور قوم کے دوسرے حضرات رزم گاہ میں جا پہنچے !“

قزمان عورتوں کی طعن و تشنیع سے پیچ و تاب کھا کر گھر میں داخل ہوا اور اپنے تیر و ترکش اور تلوار لے کر نکلتے ہی بنی ۔ مرد دلیر تھا ۔ احد میں پہنچا تو رسول اللہ صف بندی میں مصروف تھے قزمان آنکھ بچاتا ہوا صفیں چیر کر پہلی صف میں جا پہنچا اور سب سے پہلے قریش پر اسی نے تیر پھینکا ۔ قزمان کے تیروں کے پھل نیزہ کی انی کی مانند دشمنوں کے جسم میں پیوست ہو جاتے اور جان کے ساتھ باہر نکلتے ۔ دوپہر تک اس نے کافروں کے کئی آدمی قتل کر دیے لیکن تیسرے پہر ایک لمحہ میں دشمن کے سات آدمیوں کو ڈھیر کرنے کے بعد قزمان نے خود کشی کر لی ۔ جس وقت وہ موت کے سکرات میں مبتلا ہوا تو ابو الغیداق ادھر سے گذرے اور قزمان کو شہادت

کی مبارک باد پیش کی۔ قزمان نے جواب دیا ''اے دوست! میری موت دین کی حمایت کی وجہ سے نہیں جو آپ مجھے اس فراخ دلی سے شہادت پر مبارک دے رہے ہیں۔ میں صرف اس جذبہ سے بے قرار ہو کر گھر سے نکلا کہ مبادا قریش ہمارے کھیت برباد کر دیں یا ہماری عورتیں ان کے ہاتھوں ذلیل ہوں، بخدا! میں صرف قومی عصبیت سے لڑنے کے لیے خود کو نثار کر رہا ہوں۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو میں گھر سے کبھی نہ نکلتا۔''

مسلمانوں کا ثبات قدم : مخلص مومنین احد میں سات سو سے زائد نہ تھے۔ پھر بھی یہ اقلیت اپنے سے چار گنا زیادہ تعداد کے مقابل میں صف آرا تھی۔ قریش کی اکثریت و ہمت ور فوج کے مقابلہ میں حمزہ و ابودجانہ نے جس ثبات قدم کا ثبوت دیا اس سے مسلمانوں کی معنوی قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان کے سامنے قوی ہیکل دشمن کی صفیں ''بید کی طرح لچک'' اٹھیں۔ وہ انھیں اپنی مرضی کے مطابق گھما رہے تھے۔ ان قریش کو جن کی شجاعت و دلاوری کے سامنے تمام عرب تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ان کی ہمت و جان نثاری کا اس سے اندازہ کر لیجیے کہ ان میں جونہی کسی کے ہاتھ سے علم گرنے کو ہوتا دوسرا بہادر لپک کر اس سے لے لیتا۔ قریش کا یہ قومی جھنڈا سب سے پہلے طلحہ بن ابوطلحہ پکڑے ہوئے تھا۔ جب علی ابن ابی طالب نے اسے ٹھکانے لگا دیا تو فوراً عثمان بن ابو طلحہ نے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ یہ (عثمان) حمزہ بن عبدالمطلب کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا تو ابوطلحہ مقتول مذکور کا ناخلف ابو سعد بڑھا اور علم ہاتھ میں لیتے ہی فخر و غرور سے مسلمانوں کو پیغام مبارزت دیا۔

ابو سعید قرشی کی تقریر : ''کیا تم اس گھمنڈ میں ہمارا مقابلہ کر رہے ہو کہ تمہارے قتیل جنت نشین ہوں گے اور ہمارے مردے دوزخ کا کندہ بنیں گے؟ بخدا تم غلطی پر ہو۔ اگر تمہارا یہ گمان صحیح ہے تو آؤ! تم میں سے کون مجھے قتل کر سکتا ہے۔''

ابو سعد (قرشی) کے اس متکبرانہ بول پر ادھر سے سعد بن ابی وقاص بڑھے اور ایک ہی وار سے اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر کے اسے ڈھیر کر دیا۔ ابوسعد کے بعد قبیلہ عبدالدار کے نو شجاعت پیشہ یکے بعد دیگرے علم لہراتے ہوئے مقابلے پر ڈٹے رہے جن کا آخری شمشیر زن اسی قبیلہ کا حبشی غلام صواب نامی تھا۔ جب اس کا دایاں ہاتھ قزمان کی ضربت سے قلم ہو گیا تو اس نے علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ قزمان نے اس کا یہ ہاتھ بھی القط کر دیا تو صواب نے اپنی دونوں کہنیوں کے سہارے اسے سنبھالے رکھا۔ وہ زخموں کی شدت سے نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا مگر اس حالت میں بھی اپنے علم کی حرمت قائم رکھنے کے لیے اسے پشت کے نیچے دبائے پڑا رہا۔ مرتے ہوئے اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا ''اے بنو عبدالدار! صواب قزمان یا سعد بن ابی وقاص کی ضربت سے قتل ہوا ہے۔''

قریش کی شکست : جب قریش میں کوئی علم اٹھانے والا آگے نہ بڑھا تو وہ شکست خوردہ ہو کر بھاگ نکلے۔ اس بھگدڑ میں انہیں اپنی ان ماہ پارہ نازنینوں کا خیال بھی نہ رہا جو مکہ سے ان کے ساتھ (اپنے لشکر کو) معرکہ کارزار میں اپنے حسن و جمال کی گرمی سے مشتعل کرنے کے لیے آئی تھیں، جنھیں مسلمانوں نے اپنے

نرغے میں لیا۔ اور تو اور وہ قریش اس تباہ حالی میں ان مہ پاروں کو بھی اپنے همراہ نہ لے جا سکے۔

قریش اپنے صنم کو بچانا بھول گئے: اھل مکہ جنگ میں جس معبود کی برکت حاصل کرنے کے لیے اسے کعبہ سے اٹھا لائے تھے اور وہ تنہا ایک ھودج میں براجان تھا، آہ! قریش کا یہ بے بس پروردگار بھی اس افراتفری میں اپنے نشیمن سے اوندھے منہ زمین پر آ گرا اور دوست و دشمن دونوں کی روند سے پامال ھوتا رھا۔

احد میں مسلمانوں کی فتح پر تبصرہ: غزوۂ احد میں مسلمانوں کی پہلی فتح ان کی حربی قابلیت کا وہ ناقابل انکار معجزہ ھے جسے بعض اھل نظر جناب رسول خدا کی جنگی مہارت سے تعبیر کرتے ھیں، جس میں آں حضرت صلوات اللہ علیہ نے مسلمانوں کے ایسے دستہ کو درہ کے ناکہ پر متعین فرما دیا جس کا ایک ایک فرد قدراندازی میں بے مثل تھا۔ بے شک رسول خدا کی حربی مہارت اسی درجہ کی تھی۔ یوں اگر اس ناکہ بند دستہ پر دو یا تین سو دشمن مل کر ھلہ بول دیتے تو ان کا ثابت قدم رھنا ممکن نہ تھا۔ لیکن کثرت کے مقابلہ میں جو قوت سب سے بڑی طاقت ھے جس کے اجزاء میں فکر صحیح ھے، عقیدہ ھے اور خدائے برحق و برتر پر ایمان۔ ایسے لوگوں کی قلیل سے قلیل تعداد پر بھی غالب آنا محال ھے۔ بشرطیکہ ان کا مقصد محض خدا طلبی ھو۔ یہی وجہ ھے جس کی بنا پر قریش کے تین ھزار شمشیر زن بہادروں نے سات سو مسلمانوں کے مقابلہ سے منہ پھیر لیا۔ نرغے میں آئی ھوئی قریش کی عورتوں کو باقاعدہ گرفتاری میں لانے کے لیے مسلمان تل ھی رھے تھے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ بھاگتے ھوئے دشمنوں کے تعاقب میں انہیں دور تک پہنچا آیا، مگر یہی دستہ واپس لوٹ کر غنیمت سمیٹنے میں لگ گیا جیسا کہ لشکریوں کی عادت ھے۔ گویا اس معاملہ میں مسلمان دشمن کی گھات سے بے فکر ھو کر دنیا کے لالچ میں مبتلا ھو گئے۔

اور لڑائی نے اپنا رخ بدل لیا: درہ کی ناکہ بندی پر جو دستہ متعین تھا رسول اللہ نے انہیں تاکید فرما رکھی تھی کہ اگر دشمن ھمیں قتل بھی کر رھا ھو تو آپ لوگ اپنے مورچہ سے قدم نہ ھٹائیں۔ مگر درہ والوں نے جب یہ دیکھا کہ دوسرے مسلمان غنیمت سمیٹ رھے ھیں تو ان کے دلوں میں بھی دنیا کی محبت عود کر آئی۔ انھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا ’’اب یہاں پہرہ دینے کی کیا ضرورت ھے؟ دشمن شکست کھا کر بھاگ چکا ھے۔ مسلمان ان کے پڑاؤ میں گھس کر غنیمت لوٹ رھے ھیں۔ چلو ھم بھی ان کے ساتھ مل کر دشمنوں کا متروکہ مال جمع کریں۔‘‘ اس معاملہ میں دوسری رائے بھی تھی۔ دوسرے گروہ نے کہا ’’کیا رسول اللہ نے ھمیں تاکید نہیں فرمائی کہ اگر ھم آں حضرت پر حملہ ھوتا ھوا بھی دیکھیں تو یہاں سے قدم نہ ھٹائیں؟‘‘ پہلے گروہ نے جواب دیا! ’’آں حضرت کا یہ منشا نہ تھا کہ مشرکین کی شکست ھو جانے کے باوجود ھم اس جگہ کو نہ چھوڑیں۔‘‘

ھر شخص کی اپنی اپنی رائے تھی۔ آخر دستہ کے امیر جناب عبداللہ بن جبیر نے کہا ’’رسول اللہ کی نافرمانی روا نہیں۔‘‘ اس پر بھی دس سے کم حضرات کے سوا بقیہ لشکری مورچہ چھوڑ کر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ غنیمت سمیٹنے میں مصروف ھو گئے۔

مسلمان دشمن کے نرغہ میں : مشرکین کے سپہ سالار خالد بن ولید نے دیکھا کہ درہ پر متعین دستہ کے اکثر سپاہی مورچہ سے ہٹ کر غنیمت کشی میں لگے ہوئے ہیں۔ خالد نے پہلے تو ان مسلمانوں کا صفایا کیا جو عبد اللہ بن جبیر کے ہمراہ درہ کے ناکہ پر رہ گئے تھے اور ادھر دیکھا کہ غنیمت سمیٹنے والے مسلمانوں کی نظر خالد کے حملہ پر پڑی ہی نہیں تو ان پر بھی ہلہ بول دیا۔ جب ایک ایک مسلمان کے ہاتھ سے غنیمت کی ہر چیز رکھوا لی گئی تو قریش کو اس انداز سے بلایا جیسے اس نے مسلمانوں کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ مشرکوں نے بھی یہی سمجھا اور شکست خوردہ فوج غافل مسلمانوں پر پل پڑی۔ اب فتح یاب مسلمان دشمن کے نرغے میں تھے۔ ہر چند انہوں نے مال غنیمت پھینک کر تلواریں سونت لیں لیکن وقت گذر چکا تھا اور صف بندی ختم ہو چکی تھی اور مٹھی بھر مسلمانوں کو کفار کے اتنے بڑے لشکر نے گھیر لیا۔ افسوس یہ ہے کہ جو مسلمان ذرا دیر پہلے کلمہ" اللہ کی سرفرازی اور عقیدہ کی حفاظت کے لیے صف بندی اور ترتیب کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے ذرا دیر بعد ان کی صفیں تسبیح کے دانوں کی مانند بکھر گئیں۔ وہ موت کی دلدل میں پھنس گئے اور بربادی و ہلاکت کے چنگل میں آکر دم توڑنے لگے۔ جو سپاہی ابھی ابھی ایک دور اندیش اور حوصلہ مند کی نگرانی اور ہدایت کے مطابق دشمنوں کے ساتھ نبرد آزمائی میں مصروف تھے اس لمحہ میں انہیں اپنے قائد لشکر کی اتنی خبر نہ تھی کہ وہ کس جگہ پر ہیں۔ اس افراتفری میں خود مسلمان مسلمانوں پر وار کرنے لگے۔

رسول اللہ کی شہادت کی افواہ : ناگہاں رسول اللہ کی شہادت کی آواز سننے میں آئی۔ مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ اب فوج کا کوئی امیر نہیں رہا۔ فوج میں پہلے ہی سے انتشار تھا۔ مصیبتوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اگرچہ دشمن کا مقابلہ کیا جا رہا تھا لیکن سردار لشکر کی سربراہی کے بغیر۔ اس عجلت و ہراس میں مسلمانوں سے وہی کچھ ہوا جس کی توقع کی جا سکتی تھی، حتٰی کہ مہاجرین کے ہاتھ سے ان کے ہم وطن حذیفہ کے والد حسیل (بن جابر) شہید ہوگئے جنہیں حملہ کے وقت شناخت نہ کیا جا سکا۔ ایسا نازک وقت آ پہنچا کہ چند مسلمانوں کے سوا جن میں علی بن ابی طالب اور ان جیسے کچھ اور لوگ تھے ہر مسلمان کو اپنی جان بچانے کی فکر دامن گیر ہوگئی۔ جونہی قریش کے کانوں میں سرور دو عالم کی شہادت کی آواز پڑی اس مقام کی طرف سیلاب کی مانند امنڈ کر جا پہنچے جہاں سے آں حضرت فوج کی نگرانی فرما رہے تھے۔ کفار مکہ کا ارادہ یہ تھا کہ فخر کائنات کے گوش و بینی قطع کر کے دوسروں پر انہیں فخر حاصل ہو۔

رسول خدا قریش کے گھیرے میں : جب کافروں کا لشکر امنڈ کر آپہنچا تو قریب کے مسلمان دائرہ بنا کر رسول اللہ کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ ایمان از سرنو لوٹ کر ان کے روئیں روئیں میں بس گیا۔ اسی موت سے انہیں محبت ہوگئی جس کے خوف سے وہ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ دنیا کی اس زندگی کی ہوس ان کے دل سے نکل گئی جس کے لیے وہ ذرا دیر پہلے دم توڑ رہے تھے۔ اور جب مسلمانوں نے دیکھا کہ قریش کے پھینکے ہوئے پتھروں سے رسول خدا کا چہرہ زخمی ہو کر دو دندان مبارک شہید ہوگئے ہیں۔ لبوں پر زخم آ گیا ہے اور خود کے دو حلقے رخساروں میں دھنس گئے ہیں تو مسلمانوں

کی نظر میں دنیا اور بھی حقیر ہوگئی ۔ ان کی قوت ایمان ہزارگنا بڑھ گئی ۔ ہر شخص نڈر دلیر کی طرح موت کے ساتھ کھیلنے کے لیے آمادہ تھا ۔

(یہ پتھر عتبہ بن ابی وقاص نے پھینکا تھا) رسول خدا نے یہاں سے ہٹ جانا گوارا کر لیا اور جو مسلمان آپ کو حصار میں لیے ہوئے تھے ان کے ہمراہ وہاں سے آگے بڑھ گئے ۔ ذرا اور چل کر اس کھائی میں، گر پڑے جو ابوعامر نے مسلمانوں کی ہلاکت کے لیے کھود کر گھاس سے ڈھانک رکھی تھی ۔ آں حضرت کے گرنے پر علی ابن ابی طالب نے فوراً ہاتھ پکڑ کر آپ کو سنبھال لیا اور طلحہ بن عبید اللہ نے رسول پاک کو اٹھا کر کھائی سے باہر نکال لیا ۔ آں حضرت اپنے اصحاب کے ساتھ احد پر تشریف لے گئے جنہاں دشمنوں کے تعاقب سے قدرتی طور پر حفاظت حاصل تھی ۔

مسلمانوں کی سرفروشي: مسلمان جنہوں نے رسول اللہ کی حفاظت کے لیے ہتھیلی پر سر رکھ لیا تھا اور کسی حالت میں انہیں آں حضرت کی تکلیف گوارا نہ تھی (انہوں نے) رسول خدا کو اپنے حصار میں لے لیا ۔

ام عمارہ کی بہادری: یہ نیک نہاد بنی انصار کے خاندان سے تھیں ۔ دوپہر تک ان کا یہ مشغلہ تھا کہ اپنے مشکیزہ میں پانی بھر کر زخمی مسلمان سپاہیوں کو پلاتی رہیں ۔ یہ سماں (دوپہر کے بعد) دیکھا کہ مسلمان کفار کے نرغے میں آ جانے کی وجہ سے اس حالت تک آ پہنچے ہیں تو مشکیزہ پھینک کر تلوار سونت لی اور قریش پر ٹوٹ پڑیں ۔ تیر اندازی کا موقعہ آیا تو ان کے پاس کمان اور ترکش میں تیر بھی تھے ۔ تیروں سے کفار کی تواضع فرمانے لگیں ۔ اس طرح سرور کائنات کی ذات کو دشمنوں سے بچاتی ہوئی زخمی ہو کے گر پڑیں (م: لیکن اللہ نے ان کی زندگی ایک اور غزوہ کی شرکت کے لیے باقی رہنے دی حتی کہ مسیلمہ کذاب کے غزوہ میں شہید ہوئیں) ۔[1]

ابودجانہ کی پشت آں حضرت کے لیے سپر بن گئی: حضرت ابودجانہ کی محبت قابل دید ہے ۔ بلا انتظار اپنا وجود آں حضرت کے لیے ڈھال کے طور پر استعمال کیا ۔ جو تیر سرور کائنات کی طرف آتا وہ اسے اپنی پشت پر روک لیتے ۔

اے سعد تجھ پر میرے ماں باپ نثار: جناب سعد بن ابی وقاص آں حضرت کے قریب کھڑے ہوئے دشمنوں پر تیر برسا رہے تھے ۔ رسول خدا اپنے دست مبارک سے انھیں تیر عنایت فرماتے اور زبان مبارک سے ''ارم فداك ابی و امی!،، فرماتے کہ ''اے سعد! تجھ پر میرے ماں باپ نثار ہوں ۔ یہ لو تیر اور کافروں پر چلاؤ!،،

رسول اللہ کی تیر اندازی: سعد بن ابی وقاص کے یہاں پہنچنے سے پہلے رسالت مآب صلعم نے اس شدت سے کافروں پر تیر پھینکے کہ کمان کا چلہ بھی ٹوٹ گیا ۔ مسلمانوں میں سے جن لوگوں کو آں حضرت کے شہید ہو جانے کا یقین ہو گیا ان میں ابوبکر اور عمر بھی تھے ۔ جب یہ افواہ ان کے کانوں میں پہنچی تو گھبرا کر ایک طرف پہاڑ کے کنارے جا بیٹھے ۔ یہاں انھیں حضرت انس بن نضر نے دیکھا اور یوں بیٹھ رہنے کا سبب پوچھا تو جناب ابوبکر و عمر نے جواب دیا ''ہم لوگ رسول اللہ کی وفات کی خبر سن کر حیران ہیں ۔،، انس نے کہا ''اگر آں حضرت رحلت ہی فرما گئے ہیں تو

---

[1] اصابہ ابن حجر کتاب النساء: م:

آپ لوگ زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ اٹھیے، جس مقصد کی غرض سے رسول خدا نے جان دی ہے آپ لوگ بھی اس مقصد کے لیے زندگی نثار کر دیجیے۔،، اس کے بعد ہرسہ حضرات دشمنوں پر پل پڑے۔ انس بن نضر دشمنوں کے ڈھیر میں در آئے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ مقتل میں ان کا سا واسطہ کسی کو نہ پڑا ہوگا۔ زخموں کی کثرت کی وجہ سے (انہیں) شناخت کرنا دشوار ہوگیا۔ آخر ان کی حقیقی بہن تشریف لائیں تو اپنے بھائی کی انگشت پر ایک نشان کی وجہ سے انہیں شناخت فرمایا۔

قریش کی دم بازی : دشمنوں کو رسول اللہ صلعم کی وفات کی افواہ سے کس قدر خوشی حاصل ہوئی! ابو سفیان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود گرامی کو مقتولین میں تلاش کرنے لگا۔ اس کے ہوا خواہوں کو سرور دو عالم کی وفات کا یقین اس لیے بھی ہو گیا کہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسی آواز کانوں تک نہ پہنچ سکی جس سے وفات کی تکذیب ہوتی ہو۔ لیکن مسلمانوں نے تو رسول اللہ کی اطاعت کی وجہ سے آپ کی زندگی کی اطلاع نہ کی۔ دوسرے کہ اس اطلاع سے کافر ہم پر ٹوٹ پڑیں گے اور ہمیں مغلوب ہونا پڑے گا۔ اتفاق سے حضرت کعب بن مالک جب ابودجانہ کے دستہ کی طرف سے آگے بڑھے تو ایک چہرۂ گرامی پر نظر پڑی جس پر خود کے نیچے دونوں آنکھیں نور برسا رہی تھیں۔ کعب نے پہچان لیا اور دفعۃً نعرہ لگایا۔

یا معشر المسلمین! ھذا رسول اللہ۔ اے مسلمانو! رسول اللہ تو زندہ تشریف فرما ہیں۔

کعب جناب رسول اللہ صلعم کے فرمانے پر بھی ضبط نہ کر سکے۔ مسلمانوں میں جس کے کان میں یہ آواز پڑی چشم زدن میں کعب کی آواز کی جگہ پر آ پہنچا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے یہاں سے ہٹ کر ایک پہاڑی گھراؤ میں چلے آئے۔ اس مقام پر جن لوگوں نے آں حضرت صلعم کو اپنے حصار میں رکھا ان میں دوسرے حضرات کے سوا جناب ابوبکر و عمر و علی اور زبیر بن العوام بھی تھے۔

رسول اللہ صلعم سے ابی بن خلف کی مبارزت : قریش کو پہلے سے بھی رسول خدا کی وفات کا پورا یقین نہ تھا بلکہ وہ اسے مسلمانوں کی چال سمجھتے تاکہ ان کے طرف دار جان کی بازی لڑا دیں۔ قریش آں حضرت کی زندگی کو اپنے لیے موت کا پیش خیمہ سمجھتے۔ انہوں نے ایک مرتبہ پھر دھاوا کر دیا۔ ان کے اس دستہ کے سپہ سالار اُبی بن خلف (قرشی) تھے۔ وہ اپنے ہاتھ میں چھوٹی برچھی لے کر نکلے اور کہا ،، محمد کو سامنے کرو۔ اگر انہیں اپنا نجات دہندہ مطلوب ہے تو ان کی یہ تمنا میں پوری کر دوں۔،، رسول اللہ صلعم نے (جناب) حارث بن الصمہ کے ہاتھ سے ان کا حربہ (نیزہ) لے کر ابی کی طرف پھینکا جس کی ضرب سے ابی گھوڑے کی زین ہی پر اوندھا ہوگیا۔ اس کا گھوڑا جس طرف سے آیا تھا خود بخود اسی راہ پر چل نکلا تاکہ ابی راستے میں بے یار و مددگار زندگی سے نجات حاصل کر سکے۔ اور ایسا ہی ہوا۔

دندان مبارک : ادھر علی ابن ابی طالب اپنی ڈھال میں پانی بھر لائے۔ رسول اللہ صلعم کے رخساروں کا زخم دھویا۔ بقیہ پانی سے آں حضرت کا سر مبارک تر کیا۔ ابو عبیدہ الجراح نے رخساروں سے خود کے حلقے کھینچ کر نکالے جن کے ساتھ سامنے کے دو دانت مبارک خود بخود اکھڑ آئے۔

قریش کا ایک اور حملہ : مسلمانوں کو اس طرح مصروف پا کر خالد بن ولید نے یک اور حملہ کیا جس کا رخ حضرت عمر نے اپنے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو ملا کر پھیر دیا مگر مسلمان یہاں سے ہٹنے پر بھی مجبور ہوگئے - اب وہ احد کے ایک بلند ٹیلے ر جا پہنچے جہاں رسول اللہ صلعم زخموں کی شدت سے بیٹھ کر نماز ادا کرنے پر مجبور ہوئے اور مسلمانوں نے بھی آپ کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔

ابو سفیان کا نعرہ : قریش اپنی فتح کے نشے میں اس طرح بدمست ہوگئے جیسے نھوں نے معرکۂ بدر کا انتقام لے لیا ہو - اسی جوش میں ابو سفیان نے نعرہ لگایا :

یوم بیوم والموعد العالم المقبل - آج بدر کا انتقام لے لیا گیا ہے اگلے سال ایک میدان اور ہوگا ۔

ہندہ زوجہ ابوسفیان کی درندگی (مسلمان نعشوں کا مثلہ) : ابوسفیان کی اہلیہ (ہندہ) نے نہ تو فتح پر ہی قناعت کی نہ اپنے باپ کے قاتل (سید حمزہ) کی شہادت سے ان کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا - انہوں نے اپنی آتش غیظ بجھانے کے لیے جاہلیت کی بہیمانہ خصلت سے م لیا - اس نے مسلمانوں کی لاشوں میں سے ایک ایک کے کان اور ناک کٹوائے - ان سے ے کا ہار گوندھا - باقی اپنے کرن پھول میں پروئے، الامان! اس پر بھی غضب کم نہ ہوا -

عم رسول کا کلیجہ چبانا : جناب حمزہ کی لاش ڈھونڈوائی اور ان کا کلیجہ نکال کر چبایا مگر نگلا نہ جا سکا، اگلنا پڑا - اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ (ہندہ نے) اپنی سولہ سہیلیوں کے ساتھ مسلمانوں کی لاشوں کی توہین میں بھی بہت کچھ کیا ۔

اور یہ سعادت قریش کی عورتوں ہی کے لیے مقدر نہ تھی، ان کے مردوں نے بھی جی بھول کر ارمان نکالے - البتہ ابوسفیان نے اس سے اپنا دامن بچائے رکھا - بایں ہمہ اس نے کہا ''نہ تو انہیں میری طرف سے یہ ترغیب دی گئی اور نہ مجھے ان کا یہ فعل ناگوار گذرا -'' حتیٰ کہ ابوسفیان نے ایک مسلمان کے بالمواجہہ یہ بھی کہہ دیا کہ ''تمہاری لاشوں کے مثلہ کرنے میں خوش ہوں نہ بیزار - نہ میں نے اپنے ساتھیوں کو یہ حکم دیا اور نہ اس سے انہیں منع کیا -''

رسول اللہ صلعم کا اظہار غم : قریش اپنے مردے دفن کر کے مکہ واپس لوٹ گئے تو مسلمان اپنے شہیدوں کی لاشیں جمع کرنے کے لیے میدان میں آئے - رسول اللہ صلعم پنے عم بزرگوار کی لاش ڈھونڈھ رہے تھے - جونہی ان کا پیٹ چاک اور مثلہ دیکھا کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا '' خدا نہ کرے دوبارہ ایسی مصیبت دیکھوں - آج ک میں ایسے صدمے سے دوچار نہ ہوا تھا!'' اور فرمایا ''اگر خدا نے مجھے ان پر غلبہ دیا تو میں ان کی لاشوں کا ایسا مثلہ کروں گا جو عرب کے لیے مثال بن جائے!'' س پر یہ آیت نازل ہوئی :

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ - ولئن صبرتم فھو خیرا للصابرین واصبر وما صبرك الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تك فی ضیق مما یمکرون (۱۶ : ۱۲۷) -

(او مسلمانو!) دین کی بحث میں مخالفین کے ساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی- اور اگر (لوگوں کی ایذاؤں پر) صبر کرو تو بہرحال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہے اور (اے پیغمبر! تم مخالفوں کی

ایذاؤں پر) صبر کرو اور خدا کی توفیق کے
بدوں تم صبر کر بھی نہیں سکتے اور ان
(مخالفوں کے حال پر) افسوس نہ کرو اور یہ
لوگ جو تمھاری مخالفت میں تدبیریں بھی
کیا کرتے ھیں ان سے تنگ دل نہ ہو۔

جس پر رسول خدا نے اپنا ارادہ ترک فرما دیا اور مسلمانوں کو بھی متنبہ فرما دیا کہ کبھی کسی کا مثلہ نہ کریں۔

شہدائے احد کی تدفین: آں حضرت صلعم نے حمزہ کے کفن میں اپنی رداء مبارک استعمال فرمائی۔ ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ اتنے میں سیدہ صفیہ (بنت عبد المطلب) کہ سید حمزہ کی ھمشیرہ ھیں اپنے بھائی کے شہید ھونے کی خبر سن کر تشریف لے آئیں۔ وہ بھی انہیں اس حالت میں دیکھ کر ھکا بکا رہ گئیں۔ آخر دعائے مغفرت کرنے کے بعد حمزہ کو دفن کر دیا گیا اور اسی طرح مسلمانوں کے دوسرے شہیدوں کو بھی مقتل ھی میں دفن کرنے کے بعد رسول اللہ مسلمانوں کو ھمراہ لے کر مدینہ واپس تشریف لے آئے (احد میں ستر مسلمان شہید ھوئے)۔

رسول خدا کی تشویش: آں حضرت صلوات اللہ علیہ دولت خانہ میں تشریف لائے اور مختلف تصورات میں ڈوب گئے۔ کبھی خیال گذرتا کہ مدینہ کے یہود و منافق اور مشرکین کو ھماری شکست سے بہت خوشی ھوئی ھوگی۔ کبھی یہ کہ کل تک یثرب میں کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے سرتابی نہ کر سکتا تھا اور یہ کہ عبد اللہ بن ابی سلول اپنی جماعت کو اس لیے احد سے واپس لوٹا لایا کہ میں نے اس کی اس رائے پر عمل کیوں نہیں کیا کہ مدینہ ھی میں بند ھو کر دشمن کی مدافعت کی جائے۔ ابن ابی سلول کو ھم سے یہ گلہ بھی تو ھوگا کہ میں نے اس کے حلیف یہودی جرگہ کو شہر سے جلا وطن کر دیا۔ کبھی یہ خیال گذرتا کہ اگر مسلمان احد کی شکست کے بعد خاموش ھو کر بیٹھ گئے تو ظاھر ھے کہ میں اور میرے رفقاء سب کے سب اھل عرب کی نظر میں حقیر ھو جائیں گے۔ مدینہ میں ھمارا وقار ختم ھو جائے گا اور قریش اپنے فرستادے ملک میں بھیج کر ان کی زبان سے ھمیں خوب ذلیل کرائیں گے، ھم پر تمسخر اڑا کر ھمیں تمام عرب میں رسوا کریں گے! ھمارے خلاف ان طریقوں سے مشرکین اور بت پرستوں کی جرأت سے قیامت برپا ھو جائے گی۔ آں حضرت صلعم نے یہ ارادہ مستحکم فرما لیا کہ جس طرح ھو سکے احد کی شکست کا دھبہ صاف کر کے مسلمانوں کے اندر ایسی قوت کو ابھارا جائے جس کے رعب سے یہود اور منافقین کے حوصلے بڑھنے نہ پائیں اور اپنے رفقاء کے ساتھ پہلے کی طرح یثرب میں عزت و شان کی زندگی بسر کی جا سکے۔

احد کے بعد رسول اللہ صلعم کا پہلا فیصلہ: دوسرے روز (۱۷ شوال دوشنبہ) رسول اللہ صلعم کے مناد نے ان مسلمانوں کو قریش کے تعاقب کے لیے پکارا جو احد میں شریک ھوئے تھے اور سب کے سب دشمن کے تعاقب میں روانہ ھوئے۔

حمراء الاسد: ابوسفیان نے بھی سن لیا۔ آں حضرت صلعم (جب) حمراء الاسد تک پہنچے تو ابوسفیان اس سے چند میل آگے روحاء (مقام) میں پڑاؤ ڈالے پڑا تھا (حمراء الاسد، مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ھے)۔ معبد الخزاعی سے جو ادھر (حمراء الاسد) سے

گذر کر روحاء میں پہنچا اور ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوا تھا ابوسفیان نے دریافت کیا تو اس نے کہا ”(جناب) محمد ایسا لشکر لے کر آ رہے ہیں جس کی مثال آج تک دیکھنے میں نہیں آئی ۔ اس فوج میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو احد میں شریک نہ ہوئے تھے ۔ انتقام کے جوش میں ان کی تلواریں میان سے نکلی ہوئی ہیں ۔“ یہ سن کر ابوسفیان طرح طرح کے تفکرات میں غرق ہو گیا ۔ کبھی اسے خیال گذرتا کہ احد کی فتح یابی کے بعد (جناب) محمد کے مقابلہ سے فرار بہتر ثابت ہوگا ۔ مبادا مقابلہ کرنے کی صورت میں جیتی ہوئی بازی ہارنا پڑے ۔ عرب خصوصاً میرے رفقاء ہی مجھے ملامت کریں گے ۔ اسے یہ وہم بھی گذرتا کہ شکست کی صورت میں ہمارے خلاف قضا و قدر کا یہ آخری فیصلہ ہوگا جس کے بعد ہم کبھی نہ سنبھل سکیں گے ۔ آخر ہمیں کیا کرنا چاہیے جس سے ملک میں سرخ رو رہ سکیں ؟

ابوسفیان کو ایک تدبیر سوجھی جب قبیلۂ عبد القیس کا ایک کاروان مدینہ کی طرف جاتے ہوئے اس نے دیکھا اور اسی کی زبانی جناب رسالت مآب کی طرف یہ تہدید پہنچانے کی سازش بنائی ۔ جونہی قبیلۂ مذکور حمراء الاسد (منزل گاہ رسول اللہ صلعم) میں پہنچا انھوں نے آن حضرت کو اپنی طرف سے کہا ”ابوسفیان آندھی کی طرح آ رہا ہے تاکہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ کر نابود کر دے ۔“ رسول اللہ نے سنا تو اظہار ضعف و عجز کے بغیر اپنے قدموں پر جمے رہے اور قریش کے سامنے (انہیں دکھانے کی غرض سے) اپنا استقلال ثابت کرنے کے لیے مسلسل تین شب تک آگ کا بہت بڑا الاؤ جلائے رکھا ۔ ابوسفیان بھی آلاؤ کو جلتا ہوا دیکھتا رہا ۔ آخر اس کی ہمت دوسرا مقابلہ کرنے سے جواب دے گئی اور وہ احد ہی کی فتح کو اپنے لیے غنیمت سمجھ کر مکہ کی ڈگر پر چل دیا ۔

منافقین مدینہ کا تمسخر : ان کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ بھی واپس تشریف لے آئے ۔ منافقین نے اپنے مشہور انداز میں مسلمانوں کا تمسخر اڑانا شروع کر دیا ۔ ان میں سے ایک شوخ چشم (منافق) نے مسلمانوں سے سوال کیا ”بدر کی فتح مندی اگر (جناب) محمد کی توثیق رسالت کی نشانی تھی تو احد میں آپ کے صاحب کی شکست کو کس سے تعبیر کیجیے گا؟“

صادق امین عبداللہ محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

صفی اللہ حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مباشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی الرحمۃ یتیم

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

١٦

اُحُد کے نتائج

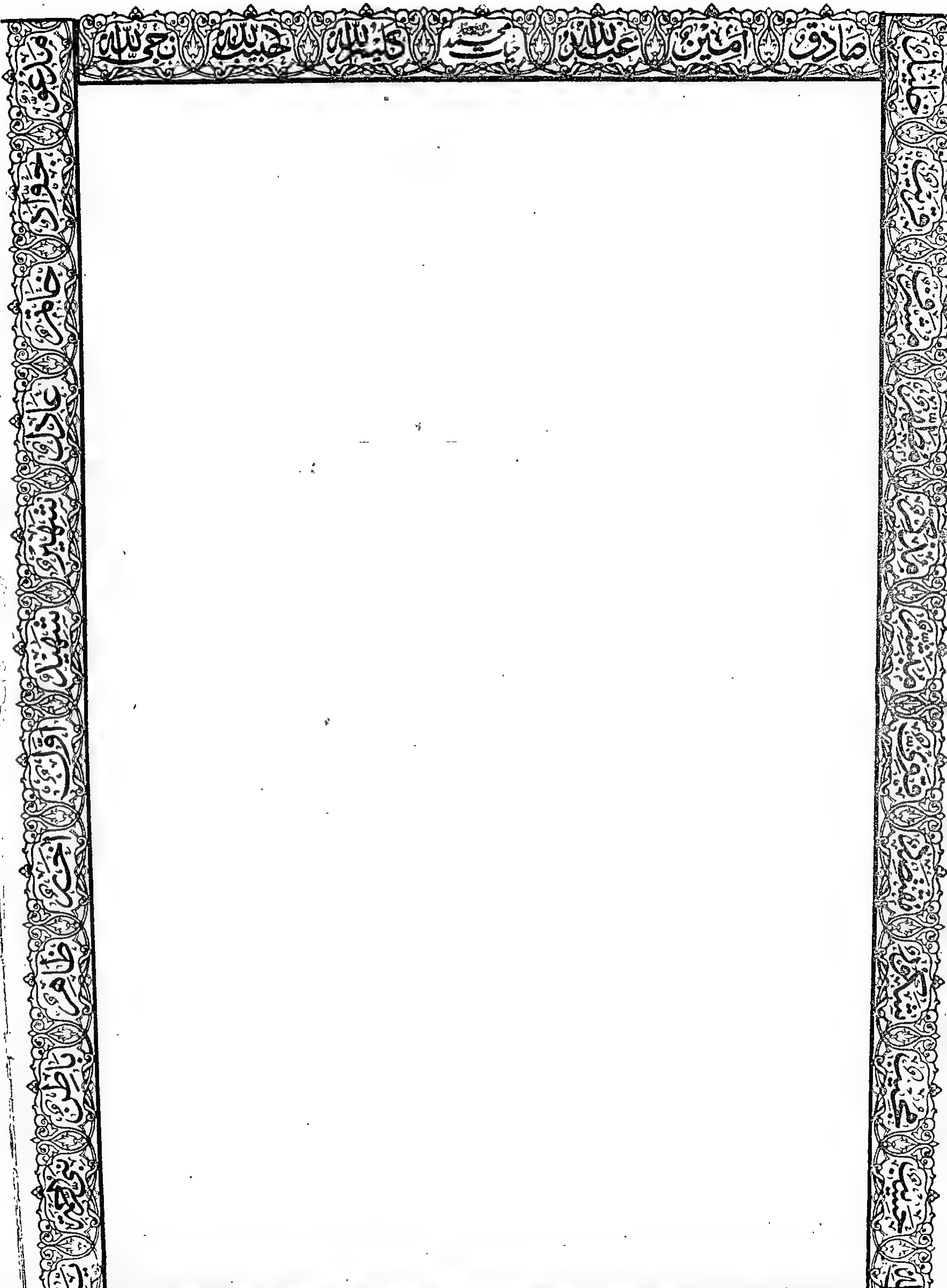
صادق
امین
عبداللہ
محمد
کلیم اللہ
حبیب اللہ
نجی اللہ
ناصر
منصور
مصباح
امر
حافظ
کامل

۱۶

اُحُد کے نتائج

ابوسفیان کی مکہ میں واپسی : مکہ میں مسلمانوں کی شکست کی خبر پہلے سے پہنچ چکی تھی ، مگر جب ابوسفیان احد کا میدان مار کر مکہ پہنچا تو فخر سے اٹھلاتا ہوا پہلے کعبہ میں داخل ہوا (کیونکہ اس فتح سے قریش کی بدر میں شکست کا دھبہ دور ہوگیا تھا) اور اپنے پشتینی معبود برحق ہبل کے حضور حمد و ثنا کا تحفہ پیش کیا ۔ اس نے بت پرستی کی مروجہ رسم کے مطابق کانوں کی لو سے بڑھے ہوئے بال کٹوائے ۔ لیجیے آج ابوسفیان کی وہ قسم پوری ہوگئی جس میں اس نے بدر کا انتقام لیے بغیر بیوی کو خود پر حرام کر لیا تھا ۔ وہ خوشی خوشی اپنے گھر میں داخل ہوا ۔

اور مدینہ میں مسلمانوں کی مراجعت : کافروں کے مکہ کی طرف لوٹ جانے کے بعد مسلمان مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے تو اپنے خلاف طرح طرح کی باتیں سنیں ۔ باوجودیکہ انھوں نے (حمراء الاسد) میں مسلسل تین شب آلاؤ مشتعل رکھا جسے دشمن دیکھتا رہا اور اسے آگے قدم بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی ۔ خود احد میں مسلمانوں کی پہلی فتح مندی کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو مدینہ کے رہنے والے دشمنوں کی باتوں سے ایذاء برداشت کرنا پڑی ۔ بایں ہمہ شہر میں اب بھی رسول خدا کا ہی اقتدار تھا تاہم آں حضرت صلعم ایک گہرے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ مدینہ اور اس کے باہر رہنے والے قبائل جو کل تک ہمارے مطیع و منقاد تھے وہ احد کے حادثہ سے ہمارے خلاف کوئی سازش نہ کر لیں ۔ اس پیش بندی کے مدنظر رسول اللہ صلعم نے مدینہ اور بیرونی قبائل کی خبریں حاصل کرنے کا پورا انتظام کر لیا تاکہ مسلمانوں کی سطوت و عظمت بحال رکھنے کی تدبیر میں کمی نہ آنے پائے ۔

سریہ ابوسلمہ بن عبدالاسد : احد سے دو ماہ بعد اطلاع عرض ہوئی کہ بنو اسد کے سرغنے طلیمہ و سلمہ (پسران خویلد) اپنے گروہ لے کر مدینہ پر چڑھائی کر رہے ہیں ۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ (جناب) محمد پر ان کے گھر میں حملہ کر کے تمام مال لوٹ لیا جائے اور مسلمانوں کے وہ مویشی مدینہ میں باقی نہ رہنے پائیں جو شہر کی ہری دوپ چر کر فربہ ہو رہے ہیں ۔

بنو اسد کی جرأت کا سبب مسلمانوں کی احد میں ہزیمت ہی تو تھی جس کی بنا پر سمجھ لیا گیا کہ اب مسلمانوں میں تاب مقاومت نہیں رہی ۔ یہ خبر سنتے ہی رسول اللہ صلعم نے ابوسلمہ بن عبدالاسد کو ان کے استیصال کی غرض سے نامزد فرمایا ۔ علم دست مبارک سے تیار فرمایا ۔ اس دستہ میں ایک سو پچاس مسلمان تھے جن میں سر عنوان ابوعبیدہ الجراح) ، سعد بن ابی وقاص اور اسید بن حضیر تھے ۔

رسول اللہ صلعم نے انھیں مندرجہ ذیل ہدایات فرمائیں :

الف ۔ (اہل دستہ) شب میں سفر اور دن میں کسی محفوظ مقام پر چھپے رہیں ۔

ب ۔ شب میں بھی عام شاہراہ سے ہٹ کر چلیں تاکہ کوئی رہ گذر نہ دیکھ لے ۔

ج - دشمن پر اچانک حمله کریں

سالار دسته (حضرت ابوسلمه) نے هدایات نبوی (صلی الله علیه وسلم) کی پوری پابندی کی اور ایک صبح کے وقت اچانک دشمن پر بزن بول دیا - کفار سنبھلنے نه پائے تھے که مسلمانوں کی زد میں آ گئے اوز فرار پر مجبور هوئے - جناب ابوسلمه نے دسته کے دو گروه اس کے تعاقب میں بھیجے اور انهیں هدایت کر دی که دشمن اور اس کے مال دونوں پر قابو پا لیا جائے! سپه سالار خود کچھ دیر تک اسی مقام پر رهے حتٰی که مسلمان سپاهی دشمنوں کا سامان لے کر واپس تشریف لے آئے - امیر دسته نے وهیں غنیمت تقسیم کر دی - پہلے رسول، مساکین اور مسافروں کا خمس علیحده کر لیا - اس کے بعد جو کچھ بچا غازیوں میں تقسیم فرما کر ظفریاب مدینه واپس تشریف لائے - اس فتح سے مسلمانوں کی همت بندھ گئی اور احد کی هزیمت کے صدمه میں گونه تخفیف هوگئی' لیکن سالار دسته حضرت ابوسلمه نے جلدی وفات پائی - احد میں انهیں جو زخم لگا تها وه اس دوڑ دھوپ میں کھل گیا -

سریه عبدالله بن انیس : مذکوره واقعے کے بعد اطلاع عرض هوئی که کافروں میں سے خالد بن سفیان (بن نبیح الهذلی) مقام نخلیا (عرنه جائے است در عرفات : منتهی الارب :م:) میں مدینه پر یلغار کے لیے جمع هو رهے هیں - آں حضرت صلعم نے عبدالله بن انیس کو جاسوسی پر متعین فرمایا - جب عبدالله حریف کے سر پر جا پہنچے اس وقت خالد مذکور اپنی (کئی) بیویوں کو همراه لے کر ان کے پڑاؤ کی غرض سے جگه کا انتخاب کر رها تها - جونہی عبدالله کو دیکھا خالد نے کہا ''آپ کون هیں؟'' جواب ''میں بھی عرب باشنده هوں - سنا تها که آپ محمد کے خلاف لشکر جمع کر رهے هیں - اسی خبر پر یہاں پہنچا هوں -'' دشمن (خالد) نے اپنا منصوبه عبدالله کے سامنے بیان کر دیا ''بے شک میں مدینه پر حمله کرنے کے لیے فوج جمع کر رها هوں -'' عبدالله نے دیکھا تو دشمن کے ساتھ کوئی مرد نه تها - وه ان کے ساتھ ادھر ادھر پھرتے رهے - جونہی موقعه نظر آیا خالد کو قتل کر کے ان کی بیویوں کو اپنے شوهر کی لاش پر نوحه گری کے لیے چھوڑ دیا اور مدینه حاضر هو کر رسول الله صلعم کے حضور واقعه عرض کیا -

خالد الهذلی کا انتقام : مقتول خالد بن سفیان کے قبیله دار کچھ مدت تک خاموش بیٹھے رهے - آخر ان کے ایک خاندانی جو بنو لحیان کے نام سے موسوم تها نے مسلمانوں سے اپنے مقتول کا بدله لینے کی تدبیر پیدا کر لی - بنو لحیان کا ایک وفد رسول الله کی خدمت میں حاضر هو کر عرض گذار هوا ''هم مسلمان هو چکے هیں - از برائے خدا همارے قبیله میں ایسے مسلمان حضرات بھیج دیجیے جو همیں شریعت کی تلقین کریں اور قرآن کی تعلیم سے بہره مند فرما سکیں -''

غزوة الرجیع : رسول الله صلعم کا وطیره تها که جب کوئی شخص آپ کے سامنے ایسی خواهش ظاهر کرتا آپ اس کی درخواست رد نه فرماتے تاکه لوگوں کو ایسے دین کی تعلیم سے هدایت و راه حق کی طرف لانے میں کامیاب هوں اور رفته رفته انهی زیر تبلیغ لوگوں کے مسلمان هو جانے سے دشمنان دین و حاسدان اسلام کے خلاف ان کی کمک حاصل هو سکے جیسا که مکه میں بیعت عقبه الکبریٰ کے موقعه پر اوس و خزرج کی اسی قسم کی درخواست پر رسول پاک نے اسی یثرب میں اپنے داعی مقرر فرمائے -

قبیلهٔ هذیل کے لیے چھ صحابه کا تقرر اور حادثه : آں حضرت صلعم نے درخواست کنندوں کی تربیت کے لیے چھ مومنین کو ان کے ساتھ بھجوا دیا مگر جونہی دونوں گروہ (هذلی اور هر شش مومنین) علاقهٔ حجاز کے رجیع نامی مقام پر پہنچے دھوکه باز هذیل نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی۔ اپنے قبیله (هذیل) کو پکارا جنھوں نے چاروں طرف سے ان چھ مومنوں کو گھیر لیا۔ مسلمانوں نے دیکھا اور تلواریں سونت کر مقابله پر اتر آئے۔ هذیل نے مسلمانوں سے کہا ''هم خود تمھیں قتل کرنے کی بجائے اهل مکه کے حوالے کرنا چاهتے هیں!،، یه سن کر مسلمانوں نے اشاروں میں طے کر لیا که ''اهل مکه جیسے دشمنوں کے هاتھ قید هونے سے بہتر ھے که انهی کے هاتھوں قتل هو جائیں،، اور انھوں نے حوالگی سے انکار کر دیا یه جاننے کے باوجود که وه ان سے عہده برآ نه هو سکیں گے اور مقابله میں ڈٹ گئے۔ مگر هذیل نے ان میں سے تین مسلمانوں کو شهید کر دیا اور تین حضرات کو گرفتار کر کے مکه کی طرف روانه هوگئے۔ راستے میں جناب عبدالله بن طارق کافروں کے هاتھ سے نکل گئے اور تعاقب پر تلوار سونت کر مقابله کے لیے کھڑے هوگئے مگر کافروں نے مقابله کرنے کی بجائے پتھراؤ سے انہیں شهید کر دیا۔

حضرت زید و خبیب اهلِ مکه کے هاتھ میں : ان دونوں کو مکه لے گئے۔ حضرت زید بن دثنه نے بدر میں امیه بن خلف (قرشی) کو قتل کیا تھا۔ انهیں امیه کے بیٹے صفوان نے خرید کر قتل کرنے کے لیے اپنے غلام نسطاس کے حوالے کر دیا۔

زید اور ابوسفیان کا مکالمه : انهیں مقتل میں پہنچا دیا گیا تو ادھر سے ابوسفیان آ پہنچے۔ انھوں نے زید سے دریافت کیا:

''زید! آپ کو یه گوارا هو سکتا ھے که اس مقتل میں (جناب) محمد کی گردن ماری جاتی اور آپ اپنے اهل و عیال میں هوتے؟،،

زید! ''بخدا! مجھے یه گوارا نہیں که میری جگه رسول خدا هوں اور انهیں کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے اهل و عیال کے جھرمٹ کے بیٹھا رهوں!،،

ابوسفیان نے حیرت سے کہا ''میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کے دوست (حضرت) محمد کے رفیقوں سے بڑھ کر اپنے دوست کے محب هوں!،،

اس کے بعد نسطاس کی تلوار نے زید بن دثنه کے خون سے مکه کی گرم زمین کو سیراب کر دیا۔ زید نے اس راه میں جس طرح جان دی اس سے ثابت هوا که دین اور خدا کے نبی کی محبت میں جان دینا کتنا سهل ھے!

خبیب کی شہادت : خبیب کو کئی روز قید میں رکھنے کے بعد قتل گاه میں لایا گیا۔ آج انهیں دار پر لٹکایا جانا ھے۔ حضرت خبیب کافروں سے اجازت لے کر دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد ان سے یوں مخاطب هوئے:

اما والله! لولا ان تظنوا انی انما طولت جزعاً من القتل لا ستکثرت من الصلاة۔	بخدا! اگر تمهاری طرف سے اس بد گمانی کا شبه نه هوتا که ''میں موت کے ڈر سے نماز کو طول دے رها هوں تو ابھی قیام و قعود میں اور اضافه کرتا۔،،

حضرت خبیب کی بد دعا سے کافروں پر لرزه : ایک ناهنجار جب ان کے گلے میں

پھانسی کی رسی ڈالنے کے تیار ہوا تو آپ نے غضب ناک ہو کر باآواز بلند یہ دعا مانگی:

اللھم احصھم عدداً واقتلھم بدداً ولا تغادر منھم احداً ۔	یااللہ! ان میں سے ایک ایک کو اپنی گرفت میں لے لیجیو۔ سب کے سب تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر جائیں۔ ان میں سے کوئی زندہ نہ بچے۔

یہ سن کر کافروں کے دل بیٹھ گئے، مبادا انھیں غیبی عذاب گھیر لے اور سب پہلو کے بل زمین پر لیٹ گئے۔ ذرا سنبھلے تو حضرت خبیب کے گلے سے پھانسی کی رسی کھول کر انھیں قتل کرا دیا۔ آہ! اپنے پیش رو زید بن دثنہ کی طرح حضرت خبیب نے بھی دین اور خدا اور رسول کی محبت پر جان نثار کر دی۔

ذرا دیر میں زید اور خبیب دونوں کی روحیں پاک آسمان پر جا پہنچیں۔ اگر وہ دین سے انکار کر دیتے تو انھیں اپنی جان سلامت رہنے کا پورا موقعہ حاصل تھا لیکن اس سے کہیں زیادہ انھیں خدا پر یقین تھا۔ انھیں ایک دفعہ مرنے کے بعد بقائے نفس اور یوم حساب پر تیقن تھا، یعنی:

الیوم تجزیٰ کل نفس بما کسبت (۴۰: ۱۷)۔	آج ہر شخص کو کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔

اور:

الا تزر وازرة وزر اخریٰ (۵۳: ۳۸)۔	کوئی شخص دوسرے کا بوجھ اپنی گردن پر نہیں لے گا۔

پر ان کا یقین تھا۔ زید اور خبیب دونوں نے موت کو اپنی اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر فیصلہ کر لیا کہ زندگی کا یہ رشتہ ایک نہ ایک دن یوں بھی منقطع ہونے کو ہے، کیوں نہ اسے خدا کی محبت پر نثار کر دیا جائے۔ انھیں یہ تیقن بھی تھا کہ مکہ کی جو زمین آج ہمارا خون پینے کے لیے بے قرار ہے چند روز کے بعد ہمارے دینی بھائی اس سرزمین پر فاتحانہ کر و فر کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں گے اور کعبہ کے ان بتوں کو اپنے پیروں سے مسل کر رکھ دیں گے۔ خدا کے گھر کو شرک اور بتوں کی نجاست سے پاک کرکے اس کی تقدیس میں وہ تحفہ پیش کریں گے جو اس گھر کے شایان ہے جس کے بعد یہ کعبہ خدا کے سوا کسی کی پرستش کا گہوارہ نہ بن سکے گا۔

مستشرقین کی خیرہ چشمی: حیرت ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے بدر کے دو جنگی اسیروں (نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط) کے قتل پر مستشرقین کے واویلا نے زمین اور آسمان ایک کر دیے لیکن اہل مکہ کے ہاتھ سے حضرت زید و خبیب کے قتل پر ان (مستشرقین) کے انصاف پسند قلم کو حرکت تک نہ ہوئی حالانکہ زید و حبیب جنگی قیدی بھی نہ تھے بلکہ انھیں فریب دیا گیا۔ وہ رسول خدا کے حکم سے بنو ھذیل کی تعلیم کی غرض سے لے جائے گئے جن میں سے چار مسلمانوں کو ھذیل ہی نے شہید کر دیا اور دو قریش کے ہاتھوں فروخت کر دیے گئے اور انہیں اہل مکہ نے نہایت بے رحمی اور دنائت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا۔

انصاف یہ ہے کہ مستشرقین نے جس قوت کے ساتھ نضر و عقبہ (بدر کے اسیروں) کے قتل پر واویلا کیا زید و خبیب کے کافروں کے ہاتھ سے قتل ہونے پر بھی تو کچھ لکھتے۔ آہ! ان دو مسلمانوں کے قتل ناحق پر، جنھیں ھذیل دین سکھانے کے فریب سے

لائے ، ان میں چار حضرات کے خون سے اپنا دامن رنگین کیا اور دو کو مکہ کے خونخوار وحشیوں کے حوالے کر دیا!

ناہکاران ھذیل نے جس فریب کے ساتھ ان چھ مومنوں کو شہید کیا مسلمانوں کے لیے وہ بے حد رنج و ملال کا باعث بن گیا ۔ صحابہ میں سے (شاعر رسول صلعم) جناب حسان بن ثابت نے حضرت حبیب اور زید پر رقت انگیز مرثیہ کہا ۔ رسول اللہ صلعم کو یہ فکر دامن گیر کہ اگر اِس حادثہ سے شہ پا کر عرب مسلمانوں کو پامال کرنے کے لیے جمع ہو گئے تو کیا ہوگا ۔

حادثہ بئر معونہ : اسی دوران (۴ھ :م:) میں قبیلۂ کلاب کا سردار ابوبراء (عامر بن مالک) باریاب ھوا (اس کا لقب ملاعب الاسنہ ھے) مگر رسول اللہ کی طرف سے انکار کے باوجود ابوبراء ... عرض کیا کہ ”میں اسلام کا دشمن نہیں ہوں “آپ میرے همراہ ایک وفد ھمارے صوبۂ نجد میں بھیج دیجیے جو وہاں اسلام کی تبلیغ کرے ۔ امید ھے کہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے ۔“

ادھر ھذیل کا لگایا ھوا زخم ابھی تازہ تھا ۔ رسول اللہ صلعم نے ابوبراء کو نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہ دیا ۔ تب ابوبراء نے عرض کیا ”میں ذمہ دار ھوں ۔ آپ اپنا وفد بھیجیے جو انہیں اسلام کی دعوت پیش کرے ۔“ ابوبراء اپنی قوم میں موقر تھا ۔ وہ جس شخص کو امان دیتا کسی کو اس سے تعرض کی مجال نہ تھی ۔

رسول اللہ صلعم نے جناب منذر بن عمرو (برادر بنو ساعدہ) کی نگرانی میں چالیس (:م :ستر :بروایت بخاری) منتخب روزگار مسلمانوں کا وفد بھجوا دیا ۔ یہ حضرات جب بئر معونہ پر پہنچے (جو بنو عامر اور بنو سلیم دونوں کے حلقے میں واقع تھا) تو سب سے پہلے انھوں نے رسول اللہ صلعم کا گرامی نامہ جو عامر بن الطفیل (عدو اللہ و عدو رسول) کی طرف تھا ایک مسلمان (جناب حرام بن ملحان) کے ھاتھوں بھیجا جسے عامر نے کھولا تک نہیں اور حضرت حرام کو قتل کرا دیا ۔ اس نے ابوبراء (عامر بن مالک مذکور جو ان مسلمانوں کو تبلیغ اسلام کے لیے لایا تھا) کے قبیلہ کو اپنی کمک کے لیے پکارا مگر انھوں نے اپنی ضمانت دھی کی وجہ سے عامر کی نصرت سے انکار کر دیا ۔ تب بھی اس نے دوسرے قبائل کو اپنے همراہ ملا کر مسلمانوں کا قتل کرنا واجب سمجھ کر انہیں نرغہ میں لے لیا اور محصورین نے خود. کو اس بے بسی میں پا کر تلواریں سونت لیں اور ان ستر حضرات میں سے دو مسلمان زندہ رہ سکے : (۱) کعب بن زید جنھیں عامر بن طفیل نے بے روح سمجھ کر چھوڑ دیا ۔ یہ صحیح سلامت مدینہ تشریف لے آئے (اور غزوۂ خندق میں شہید ھوئے (زاد المعاد : م :) اور (۲) حضرت عمرو بن امیہ ضمری جو اسیر کر لیے گئے ۔ جب عامر کو ان کے ضمری ھونے کا علم ھوا تو ان کی چوٹی کے بال کاٹ کر غلام کی حیثیت سے آزاد کر دیا کہ ایک غلام آزاد کرنے کا قرض اس کی ماں کے ذمہ تھا جو عامر نے اس صورت میں ادا کیا ۔

جناب عمرو (بن امیہ) مدینہ روانہ ھوئے اور مقام قرقرہ پر پہنچے تو آرام کرنے کے لیے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے ۔ مدینہ کی طرف سے دو شخص آ رہے تھے ۔ وہ بھی اسی درخت کے سائے میں آرام کرنے کے لیے آ بیٹھے ۔ عمرو کو معلوم ہوگیا کہ یہ اسی کلاب خاندان سے ھیں (فتح الباری : م :) جن کا سردار انھیں همراہ لے گیا تھا ۔ جب دونوں نیند میں ڈوب گئے تو عمرو بن امیہ نے انھیں موت کے سمندر میں بہا دیا (:م :

باضافه از زاد المعاد) ۔ عمرو مدینه پہنچے ۔ رسول الله صلعم کے حضور تمام سرگذشت عرض کی تو معلوم هوا که دونوں مقتول قبیلۂ ابوبراء سے تھے (جن کے ساتھ رسول خدا کا معاهده تھا) اور وه آں حضرت کی امان میں تھے جس کی وجه سے ان کی دیت ادا کرنا واجب تھی اور ادا کر دی گئی ۔

رسول خدا کا فرط غم : بئرمعونه کے حادثه سے رسول خدا صلی الله علیه وسلم کو اور زیاده صدمه پہنچا ۔ فرمایا ”یه ابوبراء کی شرارت کا نتیجه ھے ۔ مجھے شروع ھی سے کھٹکا تھا (م : ابوبراء عامر بھی طفیل کا حقیقی بھائی تھا) ۔ ادھر ابوبراء (اپنے بھائی : م :) عامر ابن طفیل کا شاکی ، که ظالم نے میری ضمانت میں مداخلت سے میرا بھرم خاک میں ملا دیا ھے اور اسی شکوه کی بنا پر ابوبراء نے اپنے فرزند حقیقی ربیعه کے ھاتھوں عامر کو فی النار کرا دیا ۔

آں حضرت صلوات الله علیه اس صدمه کی وجه سے مسلسل ایک مہینه تک نماز فجر کے بعد قنوت میں ان ظالموں پر بد دعا کرتے رھے ۔ مسلمانوں کے قلوب بئرمعونه کے حادثه سے علیحده مجروح تھے ، اگرچه انھیں یقین تھا که جو لوگ الله تعالی کی راه میں شهید هوں ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے هیں ۔

یہود اور منافقوں کے گھروں میں خوشی : مدینه کے یہود اور منافقین جن کے هاں مسلمانوں کی هر مصیبت پر خوشی کے شادیانے بجنے لگتے احد کے بعد بئرمعونه کے واقعه نے ان کی خوشی میں اور بھی اضافه کر دیا ، اگرچه مسلمانوں کی حمراء الاسد میں کامیابی کا ناسور ان کے دلوں میں رسنا بند نه هوا تھا اور نه رسول خدا صلعم کی هیبت ان کے قلوب سے محو هوئی تھی ۔

یہود بنو نضیر کا امتحان : رسول الله صلعم نے دور اندیش مفکر کی حیثیت سے فیصله کیا که اگر اهل مدینه کے دلوں سے مسلمانوں کی هیبت مٹ گئی تو قبائل کا مدینه میں در آنا ممکن اور اس کے نتیجه میں شہر کے اندر خانه جنگی سے مدینه کی تباهی لازم ھے ۔ بہتر ھے که ایسا موقعه آنے سے قبل یاران شہر هی کا امتحان کر لیا جائے ۔

مدینه کے یہود بنو نضیر اس (بنو عامر) کے بھی حلیف تھے جن کے دو آدمی شبه میں حضرت عمرو بن امیه کے هاتھ سے قتل هوئے اور بنو نضیر و رسول الله کے درمیان معاهده بھی تھا ۔ آں حضرت صلعم انهی مقتولین کی دیت کے متعلق مشوره کرنے کے لیے بنو نضیر کی گڑھی میں تشریف لائے جو شہر (مدینه) سے باهر چھ میل کے فاصله پر تھی ۔ اس وقت آپ کے همراه دس صحابی تھے جن میں ابوبکر و عمر اور علی ابن ابی طالب سر عنوان هیں ۔ رسول خدا نے بنو نضیر کو یه بتائے بغیر ان سے مشوره طلب کیا که بنو عامر کے ایک مقتول کی دیت کیا هونا چاهیے ۔

پہلے تو بنونضیر اس میں اپنی عزت افزائی سمجھ کر خوشی سے پھولے نه سمائے لیکن ذرا دیر بعد ان کی روش میں تبدیلی نظر آنے لگی ۔ ان میں سے ایک ٹکڑی علیحده هوکر باهم سرگوشی میں ڈوب گئی ۔ آج ان کے اپنے مقتول سرغنه کعب بن اشرف کا زخم پھر بھر آیا ۔ اسی طرح ایک دوسرے سے اشارے کرتے کراتے ان میں سے عمرو بن جحاش بن کعب اس گھر میں داخل هوا جس کی دیوار کے ساتھ سرور عالم ٹیک لگائے هوئے تھے ۔

رسول الله بھی ان چالوں کو دیکھ رھے تھے ۔ رفته رفته آپ کا شبه قوی هوتا گیا اور اپنے رفقاء سے کچھ کہے بغیر واپس تشریف لے آئے ۔ اصحاب نے سمجھا شاید قضائے

حاجت کے لیے قصد فرمایا ہو لیکن یہودی سمجھ گئے کہ ان کا منصوبہ ناتمام ہو کر رہ گیا۔ بنو نضیر اصحاب رسول کے ساتھ وہ سلوک کرنے کے معاملہ میں گومگو میں پڑ گئے کہ جو برتاؤ ہم ان کے صاحب کے ساتھ کرنا چاہتے تھے اگر ان کے ساتھ کیا گیا تو (جناب) محمد ہم سے انتقام لیے بغیر نہ رہیں گے۔ بنو نضیر کو یہ خیال بھی تھا کہ اگر اصحاب رسول سلامت لوٹ گئے تو ممکن ہے کہ ہماری سازش کا انہیں علم نہ ہوا ہو اور اس طرح مسلمانوں کے ساتھ ہمارا سابقہ معاہدہ بدستور قائم رہ سکے گا۔ بنو نضیر نے مسلمانوں کی چاپلوسی شروع کر دی لیکن وہ تو رسول اللہ کی واپسی کے لیے چشم براہ تھے۔ ان کی باتوں پر متوجہ ہوئے بغیر (وہاں سے اٹھ کر) مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک صاحب نے جو مدینہ سے آ رہے تھے ان کی دریافت پر بتایا کہ رسول اللہ صلعم مدینہ کی مسجد میں پہنچ گئے ہیں۔ تب جا کر ان کی جان میں جان آئی اور وہ بھی آں حضرت کے نقش قدم پر مسجد میں حاضر ہو گئے۔

بنونضیر کو اعلان جنگ : رسول خدا نے اپنے ان دوستوں سے بنو نضیر کے سرگوشی اور ایک دوسرے کے ساتھ اشارے کنائے سے ان کی بدنیتی کا تذکرہ فرمایا جسے یہ حضرات بھی موقعہ پر موجود ہونے کی وجہ سے دیکھ رہے تھے۔ آں حضرت کی تنبہ سے ان کے سامنے بھی وہی حقیقت واضح ہو گئی جو رسول خدا پر ان کی بصیرت اور وحی الٰہی کے ذریعہ سے منکشف ہو چکی تھی۔

رسول پاک نے اسی وقت محمد بن مسلمہ کے ذریعہ بنو نضیر کی طرف یہ پیغام جنگ بھیجا :

ان اخرجوا من بلادی لقد نقضتم العہد الذی جعلت لکم بما ہممتم بہ۔ لقد اجلتکم عشراً فمن رئی بعد ذلک ضربت عنقہ۔	ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ تم نے باہمی معاہدہ کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا ہے ورنہ دس روز کے بعد تم میں سے جو شخص مدینہ میں دیکھا گیا اس کی گردن مار دی جائے گی۔

بنو نضیر یہ پیغام سن کر دم بخود رہ گئے اور اس کے سوا ان سے کوئی جواب نہ بن آیا : ”اے ابن مسلمہ! قبیلہ اوس کے کسی فرد سے یہ توقع نہ تھی کہ اپنے صاحب کی طرف سے ہمیں ایسا پیغام پہنچائے۔“

بنونضیر کا یہ اشارہ اس عہد کی طرف تھا جب کہ رسول اللہ صلعم کی مدینہ میں تشریف آوری سے قبل قبیلۂ خزرج کے خلاف یہود اور اوس ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ ان کے جواب میں ابن مسلمہ نے صرف یہ فرمایا کہ ”دلوں کی حالت وہ نہیں رہی۔“

بنونضیر کو ابن آبی منافق کی شہ : مگر بنونضیر مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مدینہ کے سب سے بڑے دم باز عبداللہ بن آبی (منافق) نے یہ رنگ دیکھ کر یہود کو شہ دینے کے لیے ان کے پاس اپنے دو ایلچی بھیجے : ”مبادا تم مال اور گھر بار چھوڑ کر جلا وطن ہونا منظور کر لو، بلکہ ثابت قدمی سے اپنے قلعوں میں جمے رہنا۔ میرے ساتھیوں میں دو ہزار شمشیر زن اور گرد و نواح کے قبائل انہی قلعوں میں تمہاری نصرت کے لیے پہنچ رہے ہیں۔ ان میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ اپنی زندگی میں مسلمانوں کو تم پر حاوی ہونے کا موقعہ آنے دے۔“

بنونضیر کی پریشانی : انہیں ابن آبی کے پیغام پر کچھ کرتے دھرتے نہ بن آئی - جو لوگ اس کی طینت سے آگاہ تھے کہہ اٹھے : ''اس نے اسی قسم کی شہ بنو قینقاع کو بھی تو دی تھی - جب وہ نرغے میں لے لیے گئے تو ابن آبی نے انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی راہ لی -''

انھوں نے اپنے یاران طریقت بنو قریظہ کی طرف نظر دوڑائی مگر رسول خدا اور بنو قریظہ کے درمیان معاہدہ دوستی کی وجہ سے انہیں مایوس ہونا پڑا - انہوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر انہیں شہر سے نکلنا پڑا تو وہ خیبر یا مدینہ کی کسی قریبی جگہ پر بسیرا کر لیں گے تاکہ اپنے یثرب کے باغات کے پھل حاصل کرتے رہیں - اس صورت میں انہوں نے مدینہ سے جلاوطنی پر اپنے لیے کوئی خسارہ نہ سمجھا -

حی بن اخطب : بنونضیر کے سب سے بڑے چوھدری نے کہا ''یہ نہ ہوگا کہ ہم شہر خالی کر دیں - ہم (جناب) محمد کو کہلائے دیتے ہیں کہ شہر اور اموال دونوں میں سے کسی شے سے ہم دست بردار نہیں ہو سکتے، ہمارے خلاف جو چاہے کیجیے -'' یہ کہنے کے بعد انھوں نے قلعہ بندی کی تیاری شروع کر دی اور اپنے ساتھیوں سے کہا ''آئیے ہم اپنے اپنے قلعوں کو مضبوط کر کے ان میں بیٹھ جائیں - محاصرین پر پتھراؤ کے لیے چھتوں پر پتھر کے ٹکڑے جمع کر لیں - ہمیں اپنے گھراؤ پر کوئی خطرہ نہیں - غلہ کی کوٹھاریں بھری پڑی ہیں جن میں ایک سال تک اجناس ختم نہیں ہو سکتیں - پانی کے قدرتی وسائل ہمارے بس میں ہیں - (حضرت) محمد میں اتنی سکت نہیں کہ سال بھر ہمارا محاصرہ کر سکیں -''

بنو نضیر اپنے سرغنہ (حی بن اخطب) کی رائے پر عمل پیرا ہو کر قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانوں نے دس روز گذرنے پر ہزن بول دیا - ان کے جس گھر پر مسلمان حملہ کرتے یہ خود اسے تاراج کر کے پاس کے مکان میں جا چھپتے - آخر آں حضرت صلعم نے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ کاٹ کر جلوانے شروع کر دیے تاکہ مدینہ سے ان کی اقتصادی دل چسپیاں ختم ہو جائیں جن کی وجہ سے وہ جنگ جاری رکھنے کے لیے یوں قدم جمائے بیٹھے ہیں -

بنونضیر کی شکست اور اخراج : اس پر یہود منتیں کرنے پر اتر آئے کہ ''اے محمد! آپ تو دوسروں کو فساد کرنے سے منع فرماتے ہیں پھر خود ہی ہمارے ہرے بھرے پودے کاٹ کر جلانا کہاں کا انصاف ہے ؟ ان کی تنبیہ کے لیے یہ آیات نازل ہوئیں :

ماقطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃً علی اصولھا فباذن اللہ ولیخزی الفاسقین - (۵۹ : ۵)-

(اے مسلمانو! ان کے) کھجوروں کے درخت جو تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ہاتھ نہ لگایا اور بدستور ان کو جڑ سمیت کھڑا رہنے دیا تو (یہ سب کچھ) خدا ہی کے حکم سے تھا اور خدا کو منظور تھا کہ نافرمانوں کو رسوا کرے -

ادھر ان کی نصرت کے لیے نہ تو ابن آبی (منافق) کے دو ہزار شمشیر بکف بہادر نکلے نہ ان کی مصیبت کی طرف قبائل نے نظر اٹھا کر دیکھا - انہیں یقین ہو گیا کہ مقابلہ جاری رکھنے کی صورت میں وہ کہیں کے نہ رہیں گے - اپنے انجام سے خائف ہو کر خود ہی

رسول اللہ سے درخواست کی کہ ''از راہ ترحم ہماری اور ہمارے بال بچوں کی جان بخشی فرمائی جائے۔ منقولہ اموال ہمیں ساتھ لے جانے کی اجازت مرحمت ہو اور ہم شہر خالی کیے دیتے ہیں۔'' رسول اللہ صلعم نے اس شرط پر قبول فرما لیا کہ فی کس ایک شتر پر جس قدر کھانے پینے کا سامان اور اموال کی جو قسم وہ چاہیں ہمراہ لے جا سکتے ہیں۔

یہود نے اپنے سرغنہ حی بن اخطب کے زیر سایہ مقررہ شرائط کے مطابق مدینہ خالی کر دیا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد کچھ لوگ خیبر میں آباد ہوگئے اور کچھ شام کی بستی اذرعات میں منتقل ہو گئے۔

بنونضیر کے جلاوطن ہو جانے کے بعد غلہ کی بھری ہوئی کوٹھاروں اور باغات و اراضی کے سوا پچاس درعیں اور تین سو چالیس تلواریں حاصل ہوئیں، لیکن یہ اموال اور اراضی غنیمت کی اس حد میں نہ آ سکتی تھیں جس میں تمام مسلمان فوجی شریک ہوں۔ یہ خاصہ تھا جس میں صرف رسول خدا صلعم مختار و مجاز تھے۔ تاہم آں حضرت نے غرباء و مساکین کے لیے اراضی کا ایک قطعہ وقف کر دینے کے بعد ماہقی اموال و اراضی اور باغات مہاجرین اولین میں تقسیم فرما دے جس کی وجہ سے یہ حضرات انصار کی محتاجی سے بے نیاز ہو کر تھوڑے دنوں میں انصار کے ہم پلہ ہوگئے۔ البتہ انصار میں حضرت ابودجانہ اور جناب سہیل بن حنیف کو ان کی زبوں حالی کے اظہار کی وجہ سے مہاجرین کے برابر حصہ دیا گیا۔

اس موقعہ پر بنونضیر میں سے دو حضرات مسرف بہ اسلام ہوگئے جن کے اموال و اراضی سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔

بنونضیر کی جلاوطنی سے مدینہ میں امن کا دور دورہ : بنونضیر کی جلاوطنی سے مسلمانوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی ظاہر ہے، خصوصاً رسول اللہ صلعم کا یہ اندازہ فرما لینے کے بعد کہ مدینہ میں ان (بنونضیر) کا وجود فتنوں کا منبع ہے حتیٰ کہ مدینہ کے منافقین جب بھی مسلمانوں کو کسی سیاسی مصیبت میں گھرا ہوا دیکھتے تو یہود کو ان (مسلمانوں) کے خلاف بھڑکانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔

رسول خدا صلعم کے اس خیال کے مطابق بھی ان کا مدینہ سے اخراج ضروری تھا کہ اگر کبھی کوئی باہر سے دشمن مدینہ میں در آیا تو یہود کی بدولت شہر کا ہر گھر لڑائی کا میدان بن جائے گا۔ قرآن مجید کی سورۂ حشر انہی امور کا مرقع ہے، ازاں جملہ :

الم تر الی الذین نافقوا یقولون لاخوانہم الذین کفروا من اہل الکتب لئن اخرجتم لنخرجن معکم ولا نطیع فیکم احداً ابداً وان قوتلتم لننصرنکم واللہ یشہد انہم لکاذبون لئن اخرجوا لایخرجون معہم ولئن قوتلوا لا ینصرونہم ولئن نصروہم لیولن الادبار ثم لا ینصرون لا انتم اشد رہبۃ فی صدورہم من اللہ ذلک بانہم قوم لایفقہون (۵۹ : ۱۱ تا ۱۳)۔

(اے پیغمبر!) کیا تم نے منافقوں (کے حال) پر نظر نہیں کی جو اپنے (ہم جنس) بھائیوں (یعنی) کفار اہل کتاب سے کہا کرتے ہیں کہ ''اگر تم (گھروں) سے نکالے جاؤ گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی کسی کی ماننے ہی کے نہیں اور اگر تم سے (اور مسلمانوں سے) لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے''؟ اور (مسلمانو!) اللہ (تم کو) بتائے دیتا ہے

کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں ، کہ اگر اہل کتاب نکالے جائیں گے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر اہل کتاب سے اور مسلمانوں سے لڑائی ہو پڑے گی تو یہ منافق اہل کتاب کی مدد نہیں کریں گے اور اگر ان کی مدد کریں گے تو ضرور پیٹھ دکھا کر بھاگتے نظر آئیں گے - پھر (کسی طرف سے) ان کو کمک بھی تو نہیں پہنچے گی - (اے مسلمانو!) تمہاری ہیبت تو ان کے دلوں میں اللہ سے (بھی) بڑھ کر ہے (اور) یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ناسمجھ ہیں۔

اس سورۃ (حشر) میں ان آیات سے ذرا بعد ایمان باللہ اور خدائے برتر کی سلطانی کے متعلق جو (آیت) مذکور ہے اس کے متعلق خیال رہے کہ خداوند عالم کے ساتھ ایمان کی قدر و قیمت اس کی سلطانی اور غلبہ کے ظہور کے بغیر واضح نہیں ہو سکتی :

هو الله الذي لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم هو الله الذى لا اله الا هو الملك القدوس السلام المومن المهيمن العزيز الجبار المتكبر سبحان الله عما يشركون ۔

هو الله الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنى يسبح له ما فى السموت والارض و هوالعزيز الحكيم (۵۹ : ۲۰ تا ۲۴) -

وہ اللہ ایسا (پاک ذات) ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں- پوشیدہ اور ظاہر (سب) کا جاننے والا ، وہ بڑا مہربان (اور) رحم والا ہے - وہ اللہ ایسا (پاک ذات) ہے - (تمام) عیبوں سے بری ہے - امن دینے والا نگہبان ہے - زبردست ہے - بڑا دباؤ والا ہے - بڑی عظمت رکھتا ہے - یہ لوگ جیسے جیسے شرک کرتے ہیں اللہ (کی ذات) اس سے پاک ہے -

وہی اللہ (ہر چیز) کا خالق (ہر چیز) کا موجد ، (مخلوقات کی طرح طرح کی) صورتیں بنانے والا ہے - اس کی اچھی اچھی صفتیں ہیں جو (مخلوقات) آسمانوں میں اور زمین میں ہے - (سب ہی تو) اس کی (تسبیح و تقدیس) کرتے ہیں- اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے-

رسالت مآب کے یہودی محرر : اب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محرر ایک یہودی نوجوان تھا جو آں حضرت کی جانب سے عبرانی اور سریانی زبانوں کے احکام کی خط و کتابت کرتا مگر آپ نے اس اندیشہ سے کہ مبادا غیر مسلم محرر ہمارے رازوں سے واقف ہوجائے ، ایک مسلمان کو محرر مقرر کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

اب سے رسول خدا صلعم نے خط و کتابت کے بارے میں کسی غیر مسلم پر اعتماد مصلحت کے منافی سمجھ کر حضرت زید بن ثابت کو عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھنے

کا حکم دیا۔ انھوں نے چند دنوں میں یہ قابلیت حاصل کر لی۔ زید کاتب وحی بھی ھیں عہد صدیقی میں انہی کی نگرانی میں قرآن مجید مدون ہوا اور جب حضرت عثمان کی خلافت میں قرآن کے بعض الفاظ کی قرأت میں اختلاف کا اندیشہ محسوس ہونے لگا تو جناب زید ہی نے دقت نظر کے بعد قرآن مجید کے ایک ایک حرف کی پڑتال کی۔ متعدد نقلیں خلافت کی طرف سے دوسرے صوبوں میں بھجوا دی گئیں اور صحیح نسخہ کے سوا قرآن کے باقی نسخے جلوا دیے گئے۔

مدینہ میں سکون : بنونضیر کی جلا وطنی شہر میں پورے امن و سلامتی کا موجب ثابت ہوئی۔ اب مسلمانوں کو نہ تو منافقوں کا ڈر تھا نہ مہاجرین کو فلاکت سے واسطہ رہا۔ انہیں بنونضیر کی اراضی و باغات نے خوشحال کر دیا۔ انصار کو یہ خوشی تھی کہ خدا تعالیٰ کی نظر کرم نے ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی بے فکری سے گذر بسر کی توفیق بخشی۔ انصار و مہاجرین دونوں ایک دوسرے کے دوش بدوش مساویانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

قریش کی طرف سے دوسرے بدر کا پیغام جنگ : اسی طرح تھوڑا سا زمانہ گذرا تھا کہ ادھر رسول خدا صلعم کا تصور احد کی مدت کی طرف منتقل ہوا تو ایک سال ختم ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ آں حضرت صلوات اللہ علیہ کو ابوسفیان کا وہ قول یاد گیا جو اس نے احد سے لوٹتے ہوئے بآواز بلند دوہرایا تھا:

”یوم بیوم بدر والموعد العالم المقبل،، بدر کا انتقام تو لے لیا گیا ہے۔ آئندہ
سال پھر ایک میدان ہوگا!

اسی دوران میں ابوسفیان نے (مکہ سے) نعیم کو اس طرح پڑھا کر مدینہ بھیجا کہ س کی ہوائی سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ نعیم مدینہ آ پہنچا اور اس نے گھر گھر جا کر کہنا شروع کر دیا کہ ”اس مرتبہ قریش نے جو لشکر جمع کیا ہے عرب کی کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ابوسفیان نے ارادہ کر لیا ہے کہ مسلمانوں ر احد سے بھی زیادہ سختی برتی جائے۔،،

مسلمان ششدر رہ گئے۔ بہتوں کی خواہش تھی کہ اس دفعہ بدر کو آنکھوں سے بھی نہ دیکھا جائے مگر جب رسول اللہ صلعم کو ان کی تھڑدلی کا اندازہ ہوا تو اظہار رھمی کے بعد قسم کھا کر فرمایا ”اگر مجھے بدر میں تنہا بھی جانا پڑا تو پیچھے دم نہ ہٹاؤں گا۔،،

مسلمانوں کی بدر ثانی کے لیے روانگی : رسول خدا صلعم کی اتنی سخت تہدید اور عملاً زیمت کی وجہ سے ہر شخص اپنے لیے اسلحہ کی فراھمی میں مصروف ہوگیا۔ آں حضرت نے مدینہ پر حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول کو اپنا نائب مقرر کر کے بدر کی طرف کوچ فرمایا جہاں قریش کے ساتھ جنگ کے لیے جھنڈے گاڑ کر ان کا انتظار کیا جانے لگا۔

قریش کا بدر ثانی کے لیے خروج : کہنے کو تو ابوسفیان قریش کے دو ہزار سے زائد بہادروں کا دل لے کر نکل آیا لیکن استقلال و جواں مردی کا یہ حال تھا کہ دو روز کی مسافت طے کرنے کے بعد پاؤں توڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے یاران سرپل سے کہا:

یا معشر قریش! انہ لا یصلحکم الا عام اے دوستان قریش! تم لوگ خوش

خصیب و ان عامکم هذا جدب و انی راجع فارجعوا!

خالی کے سال میں جنگ کر سکتے ہو۔ اس مرتبہ خشک سالی کا دور دورہ ہے۔ میں تو واپس لوٹ رہا ہوں۔ بہتر ہے کہ فی الحال تم بھی لوٹ چلو۔

لیکن رسول اللہ صلعم آٹھ روز تک اپنے لشکر سمیت (بدر میں) تشریف فرما رہے (یہ بد تجارت کا بازار بھی تھا)۔ اس اٹھوارے میں مسلمانوں نے خرید و فروخت سے تھوڑا بہت نفع بھی حاصل کر لیا۔ آخرکار قریش کی راہ دیکھتے دیکھتے واپس لوٹنا پڑا اور خدا کا شکر ہے کہ مسلمان مدینہ میں شاداں و فرحاں داخل ہوئے، اللہ تعالی کے ''فضل و نعمت'' سے بہرہ مند ہو کر۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آٹھ آیتیں نازل ہوئیں۔

۱۔ الذین قالوا لاخوانهم وقعدوا لو اطاعونا ما قتلوا قل فادرءوا عن انفسکم الموت ان کنتم صدقین ۔

۱۔ جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ خود تو (جنگ کے وقت) اپنے گھروں میں بیٹھ رہے لیکن اب اپنے بھائیوں کے حق میں کہتے ہیں ''اگر ہماری بات پر چلے ہوتے تو کیوں مارے جاتے؟'' (اے پیغمبر!) تم کہ دو ''اچھا اگر تم واقعی (اپنے خیال میں) سچے ہو تو جب موت تمھارے سرہانے آ کھڑی ہو تو ٹال باہر کرنا (اور اپنی چترائی اور پیش بینی سے ہمیشہ زندہ رہنا)۔

۲۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون ۔

۲۔ (اور اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کی نسبت ایسا خیال مت کرو کہ وہ مر گئے۔ نہیں، وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور اپنی روزی پا رہے ہیں۔

۳۔ فرحین بما اٰتٰهم من فضله ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بهم من خلفهم الا خوف علیهم ولاهم یحزنون ۔

۳۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اس سے خوش حال ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں اور ابھی ان سے ملے نہیں، ان کے لیے خوش ہو رہے ہیں کہ نہ تو ان کے لیے کسی قسم کا کھٹکا ہوگا نہ کسی طرح کا غم گیتی۔

۴۔ یستبشرون بنعمة من الله و فضل و ان الله لا یضیع اجر المومنین ۔

۴۔ وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے تعین سے مسرور ہیں۔ نیز اس بات سے کہ انھوں نے دیکھ لیا، اللہ ایمان رکھنے والوں کا اجر کبھی اکارت نہیں کرتا۔

۵- الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم -	۵- جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دیا (اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے) باوجودیکہ (ایک برس پہلے جنگ احد کا) زخم کھا چکے تھے سو یاد رکھو ان میں جو لوگ نیک کردار اور متقی ہیں یقیناً ان کے لیے اللہ کے حضور بہت بڑا درجہ ہے -
۶- الذین قالوا لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایماناً و قالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل	۶- یہ وہ لوگ ہیں جن سے بعض آدمی کہتے تھے ''تم سے جنگ کرنے کے لیے دشمنوں نے بہت بڑا گروہ اکٹھا کر لیا ہے پس چاہیے کہ ان سے ڈرتے رہو،، (اور مقابلے کے لیے باہر نہ نکلو) لیکن (بجائے اس کے کہ یہ بات سن کر وہ ڈر جاتے) ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا (وہ بے خوف وخطر ہوکر) بول اٹھے ''ہمارے لیے اللہ کا سہارا بس ہے اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا اس کا کارساز ہے!،،
۷- فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسھم سوء واتبعوا رضوان اللہ و اللہ ذو فضل عظیم -	۷ پھر (ایسا ہوا) کہ یہ لوگ بے خوف ہوکر نکلے اور اللہ کی نعمت اور فضل سے شادکام واپس آ گئے - کوئی گزند ان کو نہ چھو سکا اور وہ اللہ کی خوشنودیوں کی راہ میں گامزن ہوئے (یہ اللہ کا فضل تھا) اور اللہ بڑا فضل رکھنے والا ہے -
۸- انما ذلکم الشیطن یخوف اولیاءہ فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مومنین (۳ : ۱۶۷ تا ۱۷۴)	۸- (اور یہ جو دشمنوں کا بھیجا ہوا ایک مخبر انہیں بہکانا چاہتا تھا تو) یہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ شیطان تھا جو تمہیں اپنے ساتھیوں سے ڈرانا چاہتا ہے اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو شیطان کے ساتھیوں سے نہ ڈرو، اللہ سے ڈرو ''اگر تم دل سے اللہ پر ایمان رکھتے ہو،،

قریش مکہ جو مسلمانوں کی ہیبت کے خوف سے جنگ کے بغیر واپس لوٹ گئے - اس سے مسلمانوں کے لیے احد کی تلافی کا ایک گونہ ذریعہ پیدا ہوگیا - کافروں کا اس طرح لوٹ جانا بدر کی پہلی شکست سے کم موثر نہ تھا - تاہم قریش آئندہ سال کے لیے جنگ کے منصوبوں سے غافل نہ تھے -

غزوۂ ذات الرقاع : رسول خدا بدر ثانیہ سے واپسی کے بعد اللہ تعالی کی طرف سے یاوری کے صدقے میں بہت مطمئن تھے - آں حضرت کے دل میں قریش پر مسلمانوں کی

دھاک بیٹھ جانے کی مسرت بھی موج زن تھی تاہم آپ دشمنوں کی جانب سے غافل نہ تھے اور اپنے جاسوس چاروں طرف لگا رکھے تھے ۔

اس دوران میں اطلاع پیش ہوئی کہ بنو غطفان مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ”نجد،، میں جمع ہو رہے ہیں ۔ ایسے معاملات میں آن حضرت کا طرز عمل یہ تھا کہ دشمن کی ایسی غفلت میں اس پر حملہ آور ہوتے جس کی وجہ سے مدافعت کا مُوقعہ نہ مل سکتا ۔

آن حضرت یہ خبر سنتے ہی چار سو سواروں کا ایک دستہ لے کر بنفس نفیس نکلے ۔ ان کے پڑاؤ کے قریب تشریف لائے تو بنو محارب اور بنو ثعلبہ (از غطفان) دونوں جمع ہو رہے تھے ۔ جونہی ان کی نظر مسلمانوں کے لشکر پر پڑی سامان کے ساتھ عورتیں بھی وھیں چھوڑ کر اپنے گھروں کی طرف بھاگ نکلے ۔[1] ان کے متروکہ سامان میں سے جس قدر مسلمانوں سے اٹھایا گیا لے لیا اور مدینہ کی طرف کوچ فرمایا (مگر ان کی عورتوں سے تعرض نہ کیا :م:) ۔

مسلمان دشمن کے تعاقب کے خطرہ کی وجہ سے راستے مں صلوٰۃ خوف ادا کرتے ، اس طرح کہ ایک حصہ رسول اللہ کے اقتداء میں نیت باندھ کر مصروف قیام ہوتا اور دوسرا حصہ پاسبانی کرتا ۔ ان کے بعد پاسبانی کرنے والا گروہ نماز مں مصروف ہوتا اور پہلا حصہ ان کی چوکیداری کرتا ۔ آخر آن حضرت اپنے رفقاء کے ساتھ فتح مندانہ واپس مدینہ تشریف لائے ۔ یہ سفر پندرہ دن مں ختم ہوا ۔

غزوۂ دومہ" الجندل: اس سے کچھ مدت بعد (رسول خدا) غزوۂ دومہ" الجندل میں تشریف لے گئے ۔ یہ مقام اس نخلستان مں واقع ہے جو بحیرۂ احمر (قلزم) سے خلیج فارس اور شام و حجاز کے مقام اتصال پر واقع ہے ۔ رسول اللہ صلعم دشمنوں کے سر پر اچانک جا پہنچے جن سے فرار کے بغیر کچھ نہ بن پڑا ۔ ان پر اس قدر وحشت چھائی کہ اپنا بے حساب مال و سامان بھی چھوڑ گئے جو مسلمانوں کی غنیمت میں ان کے کام آیا ۔

جغرافیائی حیثیت سے دومہ" الجندل کے بعد مسافت اور محل وقوع سے معلوم ہوتا ہے کہ آن حضرت اور آپ کے اصحاب کی دھاک لوگوں کے دلوں پر کس قدر بیٹھ گئی ۔ تمام عرب قسم کھانے پر مجبور ہوگیا اور یہ کہ مسلمان دین کی راہ میں کس ثبات و استقلال کے ساتھ مصائب کا استقبال کرتے جس میں نہ تو موسم کی شدت سے گھبراتے نہ خشک سالی ان کے عزائم میں مانع ہوتی اور نہ پانی کی قلت ان کے عزائم میں حائل ہوتی ۔ بات یہ ہے کہ ان کے استقلال و ہمت کا واحد ذریعہ ان کی وہ معنوی قوت تھی جس نے ان کا ایمان خدائے یکتا سے اس طرح وابستہ کر دیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانتے ۔

آج ۵ ھ ہے جس میں رسول اللہ صلعم کو مدینہ میں چند مہینے اطمینان سے سانس لینے کا موقعہ نصیب ہوا ۔ اس دوران میں صرف قریش کی طرف سے آنے والے سال میں حملہ کا خطرہ ضرور پیش نظر تھا ۔

---

[1] کفار کے اس لشکر میں خالد بن ولید بھی موجود تھے (زاد المعاد ابن القیم : م) ۔

اس وقفه میں آں حضرت اسلام کے اس اجتاعی نظام کی ترتیب پر توجه فرما رہے تھے فی الحال جس میں صرف چند هزار نفوس منسلک هیں، لیکن یه وقفه گذر جانے کے بعد کروڑوں انسانوں کے معاشرہ کا مدار آج کے مربوط شده نظام پر قائم کیا جانا تھا جسے رسول الله صلعم نے پوری دقت نظر اور حسن سیاست سے مدون فرما لیا ، جس کے نظم و ترتب میں وحی الهیٰ کی رهنمائی و تعلیم شریک تھی که اگر کسی معامله میں منشائے وحی کے خلاف شبه هو سکتا هو تو وه اس پر آگاه کر دے - چنانچه ایسے موقعه پر رسول الله صلعم اس کے اعتراف اور اصلاح فرمانے میں ذرا تامل نه فرماتے که :

انه لکتاب عزیره لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید (۴۱ : ۴۲) -

(قرآن) بڑے پائے کی کتاب هے که جھوٹ نه تو اس کے آگے (هی کی طرف) سے اس کے پاس پھٹکنے پاتا هے اور نه اس کے پیچھے (کی طرف) سے - کیونکه حکمت والے سزاوار حمد وثنا (یعنی خدا) کی اتاری هوئی هے -

۱۷

تذکرہ ازواجِ مطہرات رضؓ

صادق امین عبداللہ حیات محمد ﷺ کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

صفی اللہ حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی رحمۃ یتیم

۱۷

تذکرہ ازواج مطہراتؓ

سابقہ دو فصلوں (۱۵ اور ۱۶) میں جن حوادث کا بیان ہوا ان حادثوں کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یکے بعد دیگرے) تین بی بیوں کو اپنے حبالۂ عقد میں آنے کی عزت بخشی :

۱- (ام الیومنین) زینب بنت خزاعہ

۲- (ام المومنین) ام سلمہ بنت امیہ ابن المغیرہ

۳- (ام المومنین) زینب بنت جحش

ان میں ام المومنین زینب دختر جحش کی پہلی شادی (رسول اللہ ھی کے مشورہ سے) حضرت زید بن حارثہ سے ہوئی تھی - زید غلام تھے مگر آں حضرت نے آپ کو (ام المومنین خدیجہؓ کے مال سے) خرید کر آزاد کر دیا[1] (شادی اس آزادگی کے بعد ہوئی) اور آں حضرت نے شادی سے پہلے انہیں اپنا متبنّٰی ہونے کا شرف بخشا -

اتفاق ایسا ہوا کہ میاں بیوی دونوں کی بن نہ آئی اور حضرت زید نے انہیں طلاق دے کر علیحدگی اختیار کر لی جس کے بعد رسول پاک نے سیدہ زینب کو اپنی زوجیت کے فخر سے ممتاز فرمایا - یہ معاملہ ھے جس پر مستشرقین اور ان کے زلّہ ربا مسیحی واعظین نے نبی آخر الزمان سے دشمنی کی بنا پر دلوں کا غبار نکالنے میں کوئی کمی نہیں رہنے دی -

مسیحی اعتراف : مسیحی منادوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو حضرت محمد میں کیا حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوگئی ھے - مکّے میں تو ان کی حیثیت ایک ایسے داعی کی تھی جو قناعت کا علم بردار ھے ، زھد کا حامل ، توحید کا مدعی ھے اور خواھشات دنیا سے کوئی شغف نہیں رکھتا ، مگر مدینہ پہنچ کر حالت یہ نہیں رہی - اب عورتیں اس میں رغبت و شوق کے جذبات کو ابھار دینے میں کامیاب ھیں ، حتّٰی کہ پہلے کی تین بیویوں پر بھی اکتفاء نہیں - ان تین کے بعد اور تین عورتیں حرم سرا میں داخل فرما لیں - اور نہ یہ کہ صرف ایسی عورتوں کو اپنے عقد میں لائے جن کے سر پر ان کے شوھر نہ تھے بلکہ شوھر دار بی بیوں کو ان کے خاوندوں سے طلاق دلوا کر اپنے حبالۂ عقد میں لانا شروع کر دیا - جیسا کہ زینب دختر جحش کا واقعہ ھے جو حضرت محمد کے غلام (رہ چکے) تھے -

واقعہ اس طرح رونما ہوا کہ ایک مرتبہ آں حضرت زید کے ھاں تشریف لے گئے جو گھر میں موجود نہ تھے- ان کی اھلیہ (بی‌بی) زینب نے ان کا استقبال کیا - اس وقت یہ پرتکلف پوشاک پہنے ہوئے تھیں - انہیں ایسے لباس میں دیکھ کر آں حضرت کو

---

[1] بلکہ جناب خدیجہؓ نے ازخود انہیں خرید کر رسول اللہ کی خدمت میں ھبہ کیا اور آں حضرت نے انہیں آزاد فرمایا (: م :) -

رغبت ہو گئی اور زبان سے کلمۂ ’’سبحان اللہ مقلب القلوب ،، کہتے ہوئے واپس تشریف لے آئے ۔ یہ کلمہ زینب کے کان میں بھی پڑ گیا ۔ انھوں نے سمجھا کہ رسول اللہ ان پر کس قدر مہربان ہیں اور انھوں نے اپنے دل میں ایک امید پیدا کر لی ۔ جب ان کے شوہر (زید) دولت خانہ پر تشریف لائے تو بی بی نے تمام ماجرا من و عن بیان کر دیا ۔ زید اسی وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ ’’میں زینب کو طلاق دینے کے لیے آمادہ ہوں ۔،، مگر آں حضرت نے زید سے فرمایا ’’نہیں ! خدا سے ڈرو اور اپنی اہلیہ کو طلاق مت دو،، لیکن اس وقت سے زینب اپنے شوہر سے بے تعلق سی ہو گئیں جس سے زید نے مجبور ہو کر انھیں طلاق دے ہی دی ۔

ادھر جناب محمد دل سے اگرچہ بی بی زینب کے ساتھ عقد داری کے خواہاں تھے لیکن اس معاملہ میں وہ کوئی بات زبان پر نہ آنے دیتے جس پر یہ وحی نازل ہوئی :

واذ تقول للذی انعم الله علیه وانعمت علیه امسك علیك زوجك واتق الله وتخفی فی نفسك ماالله مبدیه وتخشی الناس والله احق ان تخشه فلما قضی زید منها وطراً زوجنكها لكی لا یكون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائهم اذا قضوا منهن وطراً وكان امر الله مفعولا (۳۳ : ۳۷) ۔

اور (اے پیغمبر اس بات کو یاد کرو کہ) جب تم اُس شخص کو سمجھاتے تھے (یعنی زید بن حارثہ کو) جس پر اللہ نے (اپنا) انعام کیا اور تم بھی اس پر احسان کرتے رہے کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر ، اور اس کو چھوڑ نہیں اور تم (اس بات کو) اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو (آخر کار) اللہ ظاہر کرنے والا تھا ۔ اور تم (اس مقابلے میں) لوگوں سے ڈرتے تھے اور خدا اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو ۔ زید اس (عورت) سے بے تعلقی کر چکا (یعنی طلاق دے دی) اور عدت کی مدت پوری ہو گئی تو ہم نے تمھارے ساتھ اس عورت کا عقد کر دیا تا کہ (عام) مسلمانوں کے لیے پالک جب اپنی بی بیوں سے بے تعلق ہو جائیں تو مسلمانوں کے لیے ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے ۔ اور خدا کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے ۔

جس کے بعد آپ بی بی زینب کے ساتھ عقد فرما کر انھیں اپنے دولت کدہ پر لے آئے ۔

’’سوال یہ ہے کہ آپ عجیب قسم کے نبی ہیں جو خود کو دوسروں کے ساتھ توازن میں اس قد ترجیح دیتے ہیں ۔ آخر وہ خود اس قانون کی پابندی کیوں نہیں کر سکتے جس (قانون) کے متعلق انھیں مرسل من اللہ ہونے کا دعویٰ ۔ ہے ان کے حرم سرائے میں عورتوں کا یہ ہجوم ! جو صرف ہوس ناک امراء کے [illegible] میں ہو سکتا ہے نہ ک

انبیاء کے حرم میں جو خود نیک نہاد ہونے کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کے داعی بھی ہوں! تعجب ہے کہ خلعت نبوت سے مفتخر ہوتے ہوئے زینب کی محبت کے اس قدر دل دادہ کیوں ہوگئے کہ آپ کی وجہ سے آپ کے آزاد کردہ غلام زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی جس کے بعد اسے آپ حبالۂ عقد میں لے آئے؟ اپنے متبنٰی کی بیوی سے مناکحت تو جاہلیت میں بھی روا نہ تھی لیکن مسلمانوں کے نبی نے ان تمام حدوں سے گذر کر اپنے لیے جائز کر لیا جو صرف نفسانی متابعت پر مبنی ہو سکتا ہے۔،،

جواب: مستشرقین یا مسیحی مناد اعتر صات کرنے کے موقعہ پر وضعی تصورات کی رو میں اس طرح بہ جاتے ہیں جیسے آندھی نے ساتھ تنکا: معترضین کا ایک طائفہ کہتا ہے کہ ،،آں حضرت نے انہیں نیم برہنہ یا بالکل عریاں دیکھ لیا، اس حالت میں کہ زینب کی سیاہ زلفیں ان کے سیمیں بدن پر بکھری ہوئی تھیں جن سے آں حضرت کے دل میں ان کی محبت کی لگن پیدا ہو گئی۔،،

دوسرا گروہ: ،،جس وقت آپ نے ازخود زینب کے گھر کا دروازہ کھولا وہ شب باشی کا لباس پہنے پلنگ پر سو رہی تھیں۔ آں حضرت نے انہیں دیکھ لیا اور .... مگر یہ راز دل میں چھپائے رکھا لیکن تا بہ کے!،،

اس قسم کے ذہنی مفروضات خصوصاً مندرجہ ذیل مستشرقین کی قوت متخیلہ کی پیداوار ہیں: ولیم میور، درمنگھم، واشنگٹن ارونگ، لامنس (وغیرہ) اور واعظین کلیسا میں سے ہر ایک علم بردار مسیحیت! یہ اعتراضات دیکھنے کے بعد ان مدعیان تحقیق اور حامیان عدل و انصاف کی دیدہ دلیری پر:

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے

انہوں نے سیرت اور حدیث کی کتابوں کو اپنا ماخذ تو بنایا لیکن رسول اللہ صلعم اور آپ کے حرم کی نسبت ایسے مرویات کو اپنے تصورات کا جامہ پہنا کر پیش کیا جس پر تحقیق و عدل دونوں نے سر پیٹ لیا۔ ان نکتہ چینوں کو سب سے بڑا سہارا رسول اللہ کے جرم سرائے میں نو یا اس سے کچھ زائد بیویوں کے ہونے سے مل گیا۔

ہم ان تمام نکتہ چینوں کا ایک ہی اصولی جواب یہ دے سکتے ہیں—اس میں مضائقہ ہی کیا ہے؟ اور اس سے خاتم المرسلین کی عظمت پر کیا حرف آ سکتا ہے؟ جب کہ قانون میں بعض مستثنیات ایسی بھی تسلیم کی جا چکی ہیں جو عوام کی مانند خواص اور جلیل المنزلت اصحاب پر حاوی نہیں ہو سکتیں چہ جائے کہ انبیاء و رسل پر جو ان (خواص) کے مقابلہ میں کہیں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی اور قبطی کو باہم دست و گریبان دیکھا تو قبطی کو مکا مار کر ہلاک کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا قتل جنگ یا جنگ کے قریب کی حالت میں ہی روا ہو سکتا ہے۔ کیا فرماتے ہیں جناب محمد کے معترض اس مسئلہ میں کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے یہ قتل روا تھا یا ناروا؟ اگر جائز ہے تو شریعت موسوی سے بھی ثابت فرمایا جائے، اور اگر ناروا ہے تو کیا حضرت کلیم اللہ کی نبوت و عظمت اسی طرح داغ دار نہیں ہو سکتی جس طرح آپ ختم المرسلین پر یہ طعن فرما رہے ہیں؟

(۲) اسی طرح حضرت عیسٰی کی ولادت کا قضیہ ہے جو حضرت موسٰی کے متذکرۃ الصدر واقعہ اور جناب محمد پر معترض علیہ معاملہ بلکہ تمام انبیاء و مرسلین کے احوال و کوائف سے عجیب تر ہے اور کسی قانون و شریعت و حدود معاشرہ میں اس کے جواز کے لیے دلیل نہیں مل سکتی یا قانونِ شریعت و آئین فطرت سب کے خلاف ہے ، یعنی در ولادت جناب مسیح ابن مریم جو الزامات کی بریت میں خود مسیحیوں نے دلیل میں کہا کہ خدا کی پاک روح انسانی روپ میں مریم عذرا کے ساتھ یہ کہہ کر ان سے ہم کنار ہوئی کہ وہ ان کے رحم میں ایک پاک نہاد طفل کا نطفہ رکھے گا ۔ جسے سن کر مریم نے روح رحمانی سے کہا ”سبحان اللہ! میرے بطن سے فرزند متولد ہوگا جسے مرد نے مس تک نہیں کیا!،، روح رحمان نے کہا ”مرد نے بیشک مس نہیں کیا ، مگر خداوند خدا کا ارادہ یہی ہے کیونکہ وہ اس مولود کو نشان ثابت کرنا چاہتا ہے ۔،،

اور جب مریم پر وضع حمل کی ساعت عارض ہوئی تو وہ ادھر ادھر دبکنے لگیں ۔ اس ندامت کے عالم میں ان کی زبان سے بہ بھی نکل گیا ”کاش اس گھڑی سے پہلے مجھ پر موت وارد ہو جاتی اور دنیا نے مجھے بھلا دیا ہوتا!،، اس وقت بھی روح مقدس (رحمان) نے مریم کے سمع عالی تک یہ بات پہنچائی ”آپ اس قدر غمگین کیوں ہو رہی ہیں؟ خداوند تعالی نے آپ کے قدموں کے نیچے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا ہے ۔،،

پھر جب مریم اس بچے کو گود میں اٹھائے باہر نکلیں تو لوگوں نے دیکھ کر بڑا تعجب کیا کہ ان کے سر پر شوہر تو ہے نہیں یہ بچہ کیسے پیدا ہو گیا؟ اور لوگوں نے اسی حیرت و برھمی میں بی بی سے کہا ”سبحان اللہ! یہ ان ہونی شے آپ کہاں سے لے آئیں؟،، اس کا جواب مریم کی بجائے طفل نومولود نے دیا ”میں اللہ کا غلام ہوں جس نے مجھے اپنی کتاب (انجیل) عنایت فرمائی اور میں جہاں بھی رہوں مجھے بابرکت بنایا اور جب تک زندہ رہوں مجھے نماز و زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا ۔،،

یہود کا حضرت مسیح کی ولادت پر اعتراض : یہ ہے مسیحی مسلمات کے مطابق حضرت عیسی ابن مریم کی داستان ولادت جس پر یہودیوں نے برملا کنواری مریم کو یوسف نجار کے سر منڈھ دیا ۔ جیساکہ ربناں اور موجودہ زمانہ کے دوسرے یہودی مصنفوں کا حال ہے ان کے دشمن کچھ کہیں لیکن حضرت عیسٰی کی عظمت و رسالت اس امر کی ضامن تھی کہ خداوند عالم نے اس کے اثبات کے لیے قانون فطرت میں تبدیلی پیدا کر دی ۔ لیکن ایک طرف مسیحی مبلغین کا یہ تقاضا کہ حضرت عیسٰی کے خلاف فطرت پیدا ہونے کے معجزہ کی بنا پر تمام عالم صرف انہی کو خدا کا آخری اور ابدی نجات دھندہ تسلیم کر لے اور اگر اسی قسم کی استثنائی حالت جناب محمد صلعم کے متعلق پائی جائے جو عام قانون سے علیحدہ نظر آتی ہو تو مسیحی حضرات اس پر اعتراض و مواخذہ شروع کر دیں حالانکہ دنیا کی ممتاز شخصیتیں بعض حالات میں سماج کے عام قانون سے مستثنٰی ہیں ۔

ہم اس دعوٰی کا پھر اعادہ کرتے ہیں کہ حاسدان محمد کے اعتراضات کا اور جواب بھی دیا جا سکتا ہے — مسیحی مبلغین اور ان کے مستشرقین ارباب قلم دونوں کا لیکن یہ انداز تاریخ کا سب سے بڑا گناہ ہوگا جس سے جناب محمد کی عظمت و رسالت کی ناقابل تسلیم توہین کا ارتکاب ہوگا ۔ خاتم المرسلین ان معترضین کے تصورات کے مطابق ایسے گئے گذرے نہ تھے کہ واقعی آپ کی عقل و فرزانگی محبت بے جا کا شکار ہو گئی

جب کہ آپ نے کسی بی‌بی کو صرف محبت کی بنا پر اپنے حرم سرائے میں شامل ہونے نہیں دیا۔ اور یہ جو بعض سیرت نویس مسلمانوں تک نے رسول پاک کے متعلق اس قسم کے تصورات زیب قرطاس فرمائے ہیں تو اسے ان کی ذاتی خوش اعتقادی کے سوا اور کس سے تعبیر کیجیے گا ؟ ان مسلمانوں نے بھی دشمنان اسلام کے ہاتھ اپنے خلاف مضبوط کر دیے اگرچہ اس میں ان کی نیک نیتی سہی ۔

اس قسم کے مسلمان مصنفوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ ایسی گھٹیا درجہ کی باتیں منسوب کرنے کو بھی عشق رسول میں اپنا کمال دکھانے کا تحفہ حاصل کرنا چاہا حتٰی کہ شہوت دنیا جیسی ادنٰی خصلت بھی رسول پاک سے منسوب کر دی گئی۔ حالانکہ جناب محمد کا دامن ان لغویات سے قطعاً مبرا ہے۔

انتخاب حرم کا طریق : زندگی کی تیئیسویں بہار آنے پر بی‌بی خدیجہ سے عقد فرمایا جب کہ رسالت مآب شباب کی فرحتوں سے مستمند تھے اور آں حضرت نے خدیجہ کے ساتھ اٹھائیس سال گذارے۔ بی‌بی کی وفات کے موقعہ پر رسول اللہ کا سن پچاس سال سے متجاوز ہو چکا تھا۔ عرب میں تعدد ازدواج کا عام رواج تھا مگر آں حضرت صلعم کے حرم میں صرف یہ ایک خاتون تھیں؛ ان کے بطن سے کئی فرزند پیدا ہوئے مگر ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہ سکا۔ چار دختر تھیں اور خدا کے فضل و کرم سے چاروں زندہ، اور بیٹے زندہ نہ رہنے کی وجہ سے دوسری عورت سے نکاح کر لینے میں یوں بھی مانع نہ تھا۔ عرب میں دختروں کے زندہ درگور کر دینے کا دستور شرافت و نجابت میں داخل تھا۔ وہ فرزندوں کی سلامتی پر جان چھڑکتے اور ان کے تخلف میں خوشی محسوس کرتے ۔

رسول خدا نے خدیجہ کی معیت میں نبوت سے قبل سترہ سال اور بعثت کے بعد گیارہ سال رفاقت فرمائی۔ کل مدت اٹھائیس برس ہوتی ہے لیکن ربع صدی سے زائد عرصہ میں بھی آں حضرت نے کسی دوسری عورت کو ان کے ساتھ حرم سرائے میں رکھنا گوارا نہ فرمایا، نہ کبھی اس اٹھائیس سالہ زندگی میں رسول اللہ کی طرف سے ایسے تصورات کا اظہار ہی ہوا، حالانکہ اس عہد (تابہ زمانہ مصاحبت ام المومنین خدیجہ) ملک میں عورتوں کی بے حجابی سے فتنوں کا طوفان برپا رہتا، جو گھروں سے باہر نکلتیں تو اس طرح بن سنور کر جسے بعد میں اسلام نے حرام قرار دے دیا۔ اس لئے یہ امر قطعاً غیر طبعی ہے کہ جب آں حضرت کا سن مبارک پچاس سال سے متجاوز ہونے پر آیا تو بی‌بی زینب نے اپنی جگہ یہ متصور فرما لیا ہو کہ آج رسول اللہ نے انہیں جس نظر سے دیکھا ہے اس سے آپ کے قلب کی پہلی حالت میں سراسر انقلاب آ گیا ہے، وہ بھی اس حالت میں کہ حرم رسول (صلعم) میں پانچ بی بیاں موجود ہوں جن میں عائشہ جیسی (نیک نہاد) اہلیہ جن کی درازیٔ عمر کی آں حضرت کے دل میں ہمیشہ تمنا رہی ہو لیکن زینب کے معاملہ میں آپ کے قدم اس طرح ڈگمگا گئے اور شب روز زینب ہی کی دھن میں رہنے لگے۔ غیر طبعی امر ہے کہ رسول اللہ اپنے پچاس سال سن کے بعد انہیں دیکھ کر یوں وارفتہ بن گئے ہوں خصوصاً جب کہ پانچ سال میں آپ کے حرم میں سات بیویاں اور سات برس میں نو تک ہوں۔ یہ صورت تمام ایسے اعتراض جو بے سمجھ مسلمان ارباب سیرت اور عیار فرنگی مورخین دونوں کی طرف سے آں حضرت کی ایسی تشویق

پر کئے گئے ھیں سب کی نفی کرتی ھے جو (تشویق) کہ پست ذھنیت کے آدمیوں میں بھی نہیں پائی جا سکتی چہ جائے کہ ایسی عظیم المرتبت شخصیت جس نے تمام دنیا میں انقلاب کی رو پیدا کر دی اور آج کے بعد جلدی ھی توقع ھو کہ اب رسول اللہ کی بدولت دنیا میں پھر ایک انقلاب آ کز رھے گا ۔

سرور کائنات کی زندگی کے اس پہلو پر نظر ڈالیے- سن گرامی پچاس سال کے قریب تھا جب حرم اولیٰ (جناب خدیجہ) کے بطن سے اولادیں پیدا ھوئیں یا (حضرت) ماریہ قبطیہ کے ھاں ایک فرزند (ابراھیم) متولد ھوئے ۔ اس وقت نبوت پناہ کا سن مبارک ساٹھ سال تک پہنچ چکا تھا ۔ کہنا یہ ھے کہ ان دو حرم (جناب خدیجہ و حضرت ماریہ) کے ماسوا سات یا نو بیویوں میں سے کسی کے بطن سے اولاد پیدا نہیں ھوئی باوجودیکہ ان بی بیوں میں سے ھر ایک کا سن گرامی تیس چالیس برس کے قریب تھا جو تولید کا مناسب زمانہ ھو سکتا ھے ۔

انہی ازواج مطہرات کے ھاں ان کے پہلے شوھروں کی صلب سے اولاد پیدا ھو چکی تھی لیکن رسول اللہ کے حرم میں ان کے داخل ھونے کے بعد پھر ایسا اتفاق نہیں ھوا ۔ سوال یہ ھے کیا اس قسم کا حادثہ ان طبعی قوانین کے خلاف نہ تھا جن کا طعنہ رسول اللہ اور زینب (دختر جحش) کے مبادئی عقد میں دیا جاتا ہے باوجودیکہ جناب محمد صلوات اللہ علیہ انسان تھے جس سے آپ کی ذات میں اولاد کا میلان بھی ھو سکتا ھے جو ھر انسان میں پایا جاتا ھے (اگرچہ خدا کا رسول ہونے کے اعتبار سے آپ تمام امت کے روحانی باپ ھیں) ۔

تاریخ کا فیصلہ اور تعدد ازواج نبی پر مسیحانہ بہتانات : مسیحی مناد و مستشرقین کی کارگاہ الزامات میں رسالت مآب پر جو جو الزام عائد کیے گئے ھیں ان میں تعدد ازواج کے بارے میں تاریخ ان کی تردید کے لیے کافی ھے بایں ترتیب کہ :

(۱) ام المومنین خدیجہ آپ کی رفاقت میں اٹھائیس سال تک زندہ رھیں اس دوران میں ممدوحہ کے ساتھ کسی اور بی بی کو آں حضرت سے شرف تزوج نصیب نہ ھو سکا اور ان کی رحلت کے بعد ام المومنین جناب سودہ (بنت زمعہ) سے عقد فرمایا جو اس سے قبل سکران (بن عمرو) کی زوجیت میں تھیں اور جو مسیحی کارگاہ بہتان کے خلاف حسن و جمال ایسے اوصاف میں غیر مشہور تھیں نہ ثروت و عالی مرتبت ھونے کے اعتبار سے قابل رشک تھیں ۔ اس کے اسباب یہ ھیں کہ یہ بی بی پہلے اسلام لانے والی مسلمان عورتوں سے تھیں جنھوں نے اللہ کی راہ میں ھر قسم کے رنج و محن برداشت کیے ۔ اپنے شوھر اول کے ساتھ حبشہ میں ھجرت فرمائی اور اس سفر میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ ھر قسم کے دکھ سکھ میں شریک رھیں (حتی کہ آپ کے شوھر نے انتقال فرمایا :م:) اور ان کے بے مثل صبر و تحمل کی وجہ سے رسول اللہ صلعم نے انھیں ام المومنین کہلانے کا شرف بخشا) ۔ یہ جذبہ کس قدر شائستہ اور قابل مدحت ھے ۔

(۲ ، ۳) ام المومنین جناب عائشہ و حضرت حفصہ کے ساتھ مناکحت کی توجیہ : دونوں امہات رسالت مآب صلوات اللہ علیہ کے ھر دو وزراء کی صاحب زادیاں تھیں۔ ان سے تزویج کا ایک مقصد رسول اللہ صلعم کی وہ دور اندیشی ھے جس میں دونوں حضرات کو اپنے

اور قریب کرنا مدنظر ہے جیسا کہ جناب عثمان و حضرت علی کو اپنی دامادی میں لینے سے اپنے قریب تر رکھنا مطلوب تھا۔

بلاشبہ آں حضرت کو جناب عائشہ کے ساتھ بے حد محبت تھی، لیکن تزویج سے قبل ان کے ساتھ اس محبت کا کوئی شائبہ نظر نہیں آتا۔ غور کیجیے جب رسول اللہ نے آپ کے لیے خطبہ فرمایا تو بی بی کا سن مبارک سات برس کا تھا، رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی، ظاہر ہے کہ اس سن میں رغبت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

ام المومنین جناب حفصہ سے التفات : آپ کے ساتھ تزویج سے قبل یہ نوبت نہ آئی تھی جیسا کہ حضرت حفصہ کے والد عمر فرماتے ہیں:

واللہ! انا کنا فی الجاھلیہ مانعد للنساء امراً حتی انزل اللہ فیہن ماانزل وقسم لہن ماقسم قال فبینما انا فی امر آتمرہ اذ قالت لی امرأتی لوصنعت کذ اوکذا! فقلت لہا و مالک انت ولما ھا ھہنا وما تکلفک فی امر اریدہ فقالت لی عجبالک یا ابن الخطاب! ماترید ان تراجع انت وان ابنتك لتراجع رسول اللہ حتی یظل یومہ غضبان۔ قال عمر فاخذت ردائی تم اخرج مکانی حتی ادخل علی حفصہ فقلت لہا یابنیہ انک لتراجعین رسول اللہ حتی یظل یومہ غضبان؟ فقالت حفصہ ”واللہ انا لنراجعہ۔“ فقلت ”تعلمین انی احذرک عقوبہ اللہ وغضب رسولہ یابنیہ لایغرنك ھذہ التی قد اعجبہا حسنہا وحب رسول اللہ ایاھا وقال واللہ لقد علمت ان رسول اللہ لایحبك ولا انا لطلقك۔“

بخدا! اسلام سے قبل ہمارے نزدیک عورتوں کی کوئی منزلت نہ تھی مگر اسلام آیا تو اس نے انھیں ترکہ میں شریک فرمایا (تب ہم نے سمجھا)۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا کسی امر میں صلاح مشورہ کر رہا تھا کہ میری اہلیہ نے ایک بات کہ دی۔ میں نے اپنی اہلیہ کو زجر کی۔ اس پر میری بیوی نے کہا اے ابن الخطاب! آپ گھر میں اپنی گفتگو میں بولنے نہیں دیتے لیکن جناب کی صاحب زادی نے رسول اللہ کے کاموں میں دخل اندازی سے آں حضرت کو ناراض کر رکھا ہے حتیٰ کہ ایک پورا دن آں حضرت کو حفصہ نے ناراض کر رکھا ہے! عمر فرماتے ہیں میں اپنے کندھے پر اپنی ردا رکھ کر حفصہ کے ہاں پہنچا اور کہا ”کیوں بی بی! تم نے رسول اللہ سے مناقشہ کرکے آپ کو اس قدر برہم کر رکھا ہے کہ آں حضرت دن بھر ناراض رہتے ہیں؟“ حفصہ نے کہا ”کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔“ میں نے کہا ”بی بی! میں آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے ڈرانے آیا ہوں۔ اے حفصہ! آپ کو اس معاملہ میں عائشہ کی برابری نہ کرنا چاہیے۔ ان سے تو رسول اللہ بہت محبت فرماتے ہیں۔“ پھر حضرت عمر نے فرمایا اور ”اے بیٹی میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ کو تم سے

کوئی لگاؤ نہیں - اگر میرا واسطہ نہ ہوتا
تو طلاق ہی دے دی ہوتی -،،

اس سے ثابت ہوا کہ جناب عائشہ و حفصہ کے ساتھ عقد ان کی محبت کی بجائے دونوں حضرات ابوبکر و عمر کی شخصیت کی وجہ سے فرمایا تھا تا کہ ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کو اپنے قریب لایا جا سکے جیسا کہ حضرت عائشہ کے بعد -

(۴) ام المومنین سودہ کے ساتھ عقد کی توجیہ : انہیں حبالۂ عقد میں لانے سے سرفروشان اسلام کی دل جوئی مقصود تھی - اگر مسلمانوں سے کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے تو اسے اپنے پس ماندگان پر اس وجہ سے نہ ڈرنا چاہیے کہ ان کی وفات سے وہ فاقوں میں گھر جائیں گے -

(۵) ام المومنین جناب زینب بنت خزیمہ عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب کے عقد میں تھیں - وہ غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے - بی بی زینب عطاء و بخشش میں دست سخاوت رکھنے کی وجہ سے ام المساکین کے لقب سے مشہور تھیں - نیک محضر اور صافی القلب تھیں نہ کہ حسن و جمال میں شہرہ یاب - پھر شباب کی حدوں سے متجاوز ہو چکی تھیں - ام المومنین زینب بنت خزیمہ حرم نبوی میں شامل ہونے کے دو یا ایک سال بعد جنت کو سدھار گئیں (جناب خدیجہ کے بعد حرم رسول میں آپ نے رحلت فرمائی) -

(٦) ام المومنین جناب ام سلمہ : یہ بی بی حضرت ابوسلمہ کی اہلیہ تھیں - جن کی صلب سے کئی فرزند بقید حیات موجود تھے - ان میں سے ابوسلمہ غزوۂ احد میں مجروح ہو گئے - ان کے زخم ابھی پوری طرح بھرے نہ تھے کہ رسول اللہ نے آپ کو غزوۂ حمراء الاسد میں امیر دستہ مقرر فرما کر بھیج دیا - جس میں کامیاب ہو کر واپس تشریف لے آئے - مگر زخموں کے منہ کھل چکے تھے کہ دوبارہ بھرنے پر نہ آئے - اسی حالت میں ملائے اعلیٰ سے ملاقات فرمائی - اس وقت رسول کریم ابوسلمہ کی بالیں پر تشریف فرما تھے - ادھر ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی - رسول اللہ صلعم ابوسلمہ کے لیے دعاءِ مغفرت فرما رہے تھے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے -

بی بی (ام سلمہ) کی عدت کے بعد آں حضرت نے (ان سے) خطبہ فرمایا تو ام سلمہ نے کثرت عیال کے ساتھ اپنی سن رسیدگی کا بھی عذر کیا - تزویج کے بعد رسول اللہ صلعم نے ام المومنین کے بچوں کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرمایا - اگر اس پر بھی مسیحی مبشرین و مستشرقین کی کارگاہ اتہامات سے یہی ہوائیاں چلتی رہیں کہ آں حضرت نے ام سلمہ کے ساتھ بھی صرف ان کے حسن و جمال کی وجہ سے عقد فرمایا تو آپ ہی انصاف کیجیے کہ

ایسے دشمن کا کیا کرے کوئی!

کیا انصار و مہاجرین کے ہاں ایسی عورتیں نہ تھیں جو حسن و جمال میں بے مثل اور ثروت و شہرت میں ام سلمہ سے بدرجہا بہتر ہوں اور ان میں کسی کی گود میں پہلے شوہر سے اولاد بھی نہ ہو؟

جناب ام سلمہ کے حبالۂ عقد میں لانے کا وہی داعیہ تھا جو حضرت زینب بنت خزیمہ کو شرف تزویج بخشنے میں کارفرما تھا — مسلمانوں کے ساتھ مزید قرب! ان کے

دلوں میں خدا اور رسول کی عظمت بیش از بیش پیدا کرنے کا وسیلہ ، مسلمانوں سے آں حضرت صلوات اللہ علیہ کے نبی و رسول ہونے کے ساتھ آپ کو امت کا روحانی باپ متصور کرانا ، ہر ایک مسکین و بے نوا و ناتوان و محتاج اور بے کس کے بمنزلہ باپ ہونا اور وہ بچے جن کے باپ راہ خدا میں شہید ہو جانے کی وجہ سے اپنی اولاد کو یکہ و تنہا چھوڑ گئے ہیں ایسے بچے حضرت محمد کو اپنا باپ سمجھیں۔

متذکرۃ الصدر تاریخی تفحص سے کیا نتیجہ نکلتا ہے ؟ یہ کہ ملک و ملت کے عام حالات میں ایک بیوی پر بھی اکتفاء کیا جا سکتا ہے جیسا کہ خود رسالت مآب نے حضرت خدیجہ کے ساتھ اٹھائیس سال بسر کیے۔ اسی طرح قرآن مجید اموال و ظروف کے مطابق ایک سے لے کر چار بیویوں کی اجازت بھی دیتا ہے ۔

تعدد ازواج : فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی وثلاث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ اوما ملکت ایمانکم (۴ : ۳) ۔

جو عورتیں تمھیں پسند آئیں ان سے نکاح کر لو (یعنی دوسری عورتوں سے جو تمھیں پسند آئیں نکاح کر لو ایک وقت میں) دو دو ، تین تین ، چار چار، تک کر سکتے ہو (بشرطیکہ ان میں انصاف کر سکو یعنی سب کے حقوق ادا کر سکو اور سب کے ساتھ ایک ہی طرح کا سلوک کر سکو) ۔ اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کرسکو گے تو پھر چاہیے کہ ایک بیوی سے زیادہ نہ کرو یا پھر جو عورتیں (لڑائی کے قیدیوں میں سے) تمھارے ہاتھ آگئی ہیں (انہیں بیوی بنا کر رکھو)۔

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقہ (۴ : ۱۲۹) ۔

اور تم اپنی طرف سے کتنے ہی خواہش مند ہو لیکن یہ بات تمھاری طاقت سے باہر ہے کہ (ایک سے زیادہ) عورتوں میں (کامل طور پر) عدل کر سکو (کیونکہ دل کا) قدرتی کھچاؤ تمھارے بس کا نہیں ۔کسی کی طرف زیادہ کھینچے کا کسی کی طرف کم) ۔ پس ایسا نہ کرو کہ کسی ایک ہی طرف جھک پڑو اور دوسری کو اس طرح چھوڑ بیٹھو گویا ”معلقہ“ ہے (یعنی ایسی عورت ہے کہ نہ تو بیوہ اور طلاق دی ہوئی ہے کہ اپنا دوسرا انتظام کر لے۔ نہ شوہر ہی اس کا حق ادا کرتا ہے کہ شوہر والی عورت کی طرح ہو ۔ بیچ میں لٹک رہی ہے) ۔

یہ دونوں آیتیں ہجرت کے بعد آٹھ سال میں نازل ہوئیں جن سے پہلے آں حضرت نے جملہ ازواج سے عقد فرما لیا تھا ۔ اب آ کر چار عورتوں کی تحدید فرما دی گئی اور اس (حکم آسمانی) سے قبل ایک اور چار کی کوئی حد بندی نہ تھی ۔ اس سے معترضین کا یہ اعتراض رفع ہو گیا کہ ''جناب محمد نے جس شے کو دوسروں کے لیے حرام کر دیا اسے اپنے لیے مباح بنا لیا'' لیکن تعدد اسی صورت میں روا ہے جب ان کے درمیان پورا عدل و انصاف قائم رکھنے کا یارا ہو۔ ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بیویوں کے درمیان پورا عدل و انصاف عام انسانوں کی طاقت سے باہر ہے ۔

اگرچہ ایک ہی عورت عام حالات کے مطابق قطعاً مناسب ہے مگر قوم و ملک کے حالات میں تبدیلی بھی تو ممکن ہے جس تبدیلی کے زمانہ میں ایک مرد کا چار عورتوں کے ساتھ عقد جائز بلکہ ضروری ہے ، لیکن تعدد کی حالت میں عدل و انصاف کی شرط لازم ہے اور ایک مرتبہ اس تعدد کی اجازت رسول اللہ کے ہی عہد میں عام فرما دی گئی ۔ کیونکہ جنگوں میں مسلمان مردوں کے میدان میں کام آ جانے کی وجہ سے عورتیں بے شوہر رہنے لگیں جس سے تعدد ازدواج کے بغیر چارہ نہ رہا ۔ لیکن تعدد کی حالت میں جو لوگ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ کسی عالم گیر جنگ یا وبائے عام یا دوسرے حوادث جن کے نتائج میں لاکھوں مرد طعمہ اجل ہو جائیں ایسے دور میں صرف ایک ہی عورت پر اکتفا لازم ہے ؟ کیا ایسے ارباب مغرب یہ دعوٰی کر سکتے ہیں کہ عالم گیر جنگ کے بعد ان کا یہ قانون کہ جو ایک بیوی پر اکتفاء کے لیے ہے ان کے ہاں عملاً بھی اسی طرح جاری ہے ؟ ام المومنین خدیجہ کی زندگی میں دوسری شادی کا خیال قطعاً ثابت نہیں ، نہ یہ کہ آں حضرت صلعم نے سیدہ خدیجہ سے تزویج سے قبل کسی عورت کے معاملہ میں اپنے لگاؤ کا اظہار فرمایا ۔ باوجودیکہ اس دور میں پردہ کا رواج بھی نہ تھا ۔ عورتیں ایسے بناؤ سنگار میں آزاد تھیں جسے بعد میں اسلام نے حرام کر دیا ۔ اندرین حالات یہ بات قطعاً غیر عقلی ہے کہ رسول خدا پچاس سال کے سن سے متجاوز ہونے کے بعد دفعۃً ایسے رجحانات میں گھر گئے کہ (سیدہ) زینب (بنت جحش) کے معاملہ میں یوں دل گرفتہ ہو گئے ہوں ، چہ جائے کہ حرم میں پانچ ازواج تشریف فرما ہوں جن میں سیدہ طاہرہ جیسی مونسہ ہوں جو تادم رحلت رسول خدا کی معتمد علیہا رہی ہوں ۔ ان حالات میں کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ آں حضرت دن رات سیدہ زینب کے خیال میں گھلے جا رہے تھے؟

یہ ایسے حقائق ہیں جو ان مسلمانوں کے مفروضات کی تردید کے لیے بھی کافی ہیں جنھوں نے اپنی طرف سے اضافہ فرما کر مستشرقین کے سامنے ایسی روایات رکھ دیں جو مادہ پرست انسان کے بھی شایان نہیں چہ جائے کہ ایسی عظیم المرتبت ہستی، جس نے نئی دنیا بنانے کے لیے تاریخ عالم میں اپنا مقام تمام بنی نوع بشر سے بلند حاصل کر لیا ہو ۔

حضرت زینب بنت جحش سے مناکحت کے مبادی میں بعض مسلم اور بے شمار مسیحی واعظین و مستشرقین نے جو اضافات فرمائے ہیں ان سے یہ واقعہ عشقیہ داستان بن گیا چہ جائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تزویج سے آپ کے مفاخر

میں ایک اور اضافہ ہوگیا ہے ایک ایسے کامل الایمان انسان کی مانند جس نے اپنے لیے بھی وہی اختیار فرمایا ہو جو دوسروں سے کہا - بحسب حدیث :

لا یکمل ایمان المرء حتٰی یحب لاخیه ما یحب لنفسه -	کوئی انسان کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے لیے وہی پسند نہ کرے جو اسے دوسروں کے لیے پسند ہو -

آں حضرت نے جاہلیت کی ایک مذموم رسم توڑنے کے لیے سب سے پہلے خود قدم اٹھایا تاکہ اس نظام جدید میں جسے اللہ نے اپنے بندوں پر رحم وکرم کی صورت پر عائد فرمایا خامی نہ رہ جائے -

اس افتراء کی تغلیط کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ زینب (دختر جحش) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں جو بچپن میں آں حضرت کے سامنے کھیلا کرتیں - ان معنوں میں وہ رسول اللہ کے لیے بمنزلہ دختر یا خواہر خورد کے ہوئیں- رسول اللہ صلعم انھیں پہچانتے تھے- ان کے زید کی تزویج میں آنے سے قبل انھیں دیکھا ہوا تھا- بی بی زینب کی طفولیت سے لے کر ان کے عہد جوانی کے ہر ہر سال و ماہ و یوم میں اور زید کے لیے خطبہ بھی رسول اللہ نے فرمایا - اس کے بعد ان تمام مفتریات پر نظر دوڑائیے جن میں دو باتیں کہی جاتی ہیں-

الف - رسول اللہ صلعم زید کے ہاں تشریف لے گئے تو وہ گھر میں موجود نہ تھے اور آپ زینب کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر ''سبحان اللہ مقلب القلوب'' کہتے ہوئے وہاں سے واپس تشریف لے آئے -

ب - آں حضرت جس وقت ان کے ہاں تشریف لائے اس وقت بی بی زینب ایک باریک عبا زیب تن فرمائے ہوئے تھیں -

کیا اس وقت رسول اللہ کے تصور سے آپ کو اپنی موجود چھ بیویوں کا وجود بھی محو ہوگیا ، خصوصاً خدیجہ کا تصور ، جن کے متعلق حضرت عائشہ فرماتی ہیں ''میں نے خدیجہ کے سوا رسول اللہ کی کسی بیوی پر رشک نہیں کیا - جب بھی ذکر آتا ان کی بے حد مدح فرماتے -'' بی بی زینب کے متعلق یہ ارادہ ہوتا تو آپ شروع ہی میں زید کی بجائے اپنے لیے خطبہ فرما سکتے تھے -

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ اور زینب کی اس قدر قریبی رشتہ داری بھی اس قسم کے مفروضہ الزامات کی تردید کے لیے کافی ہے کہ اگر بی بی زینب کا حسن وجمال آں حضرت کے دل میں اس حد تک جاگزیں تھا تو آپ کو زید کی بجائے اپنے لیے خطبہ (پیغام نکاح) میں کیا مانع تھا ؟ رسول پاک اور جناب زینب کی قرابت خاصہ اور بی بی کا طفولیت سے لے کر سن رشد تک آں حضرت کے قریب رہنا افتراء بازوں کی خیالی بندشوں پر ایسی ضرب ہے جس کے سامنے ان کے اتہامات کی کوئی حقیقت نہیں رہتی -

خطبہ برائے زید : اس معاملہ میں تاریخ ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے؟ بیشک ، رسول خدا نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید کے لیے اپنی پھوپھی زاد ہمشیرہ سیدہ زینب سے خطبہ فرمایا جس سے ان کے بھائی عبد اللہ (پسر جحش) نے اس وجہ سے

انکار کر دیا کہ ان کی ہمشیرہ قرشیہ ہاشمیہ ہیں اور انہیں ختم المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی زاد بہن ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔ کیا ایسی نجیب الطرفین خاتون کا عقد اس شخص سے کر دیا جائے جسے قریش ہی کی ایک خاتون (ام المومنین خدیجہ) نے خریدا اور رسول اللہ نے اسے آزاد کیا؟ یہ امر نہ صرف زینب بلکہ تمام عرب کے اشراف کے لیے عار و ندامت کا موجب ہوگا کہ شرفاء کی صاحب زادی کو غلاموں کے حبالۂ عقد میں دے دیا جائے۔

عرب کی عجم پر عدم فضیلت : مگر رسول خدا تو اس قسم کے نسلی امتیازات عملاً ختم کرنے کو تھے کہ عربی النسل ہونا اس بات کی ضمانت نہیں کہ اسے ہر عجمی نژاد پر برتری حاصل ہو جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے :

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم. (۴۹ : ۱۳) - اللہ کے نزدیک تم میں بڑا وہ ہے جو تم میں پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا باخبر ہے۔

اور فخر دو عالم نسلی برتری کے مٹانے کی غرض سے اپنے خاندان کے سوا کسی اور کو اس امر کے لیے اتنا مجبور نہ فرما سکتے تھے۔ آں حضرت نے سمجھ لیا کہ آپ کی پھوپھی زاد (زینب) عرب کے نسلی امتیاز کو اس طرح رفع کرسکتی ہیں کہ ایک شریف زادی کا عقد ایسے شخص سے بھی ہو سکتا ہے جو عام نظروں میں اس قدر کم درجہ سمجھا جاتا ہو کہ ساعت اس تصور کو گوارا نہ کر سکے۔ جناب زید سرور دو عالم کے آزاد کردہ غلام ہونے کے ساتھ آں حضرت کے متبنّٰی ہونے کے فخر سے بھی بہرہ مند تھے اور دستور عرب کے مطابق دوسرے عصبات و ذوی الفروض کے ساتھ اپنے منہ بولے والد گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ورثہ میں بھی شریک (جسے بعد میں اسلام نے ختم کر دیا :م:) - آخر رسول کریم کے مسلسل اصرار پر آپ کی پھوپھی زاد (زینب) اور ان کے بھائی (جناب عبد اللہ بن جحش) اس پر رضامند ہو گئے جن کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی :

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً (۳۳ : ۳٦) -

اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کو شایاں نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ان کے بارے میں کوئی بات ٹھہرا دیں تو وہ (اپنی رائے کو دخل دیں اور) اس بات میں ان کا (اپنا) اختیار (باقی) رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑ چکا۔

عقد زینب میں جبری رضامندی : آیت مذکور نازل ہونے کے بعد عبد اللہ اور زینب (دونوں بہن بھائی) اظہار رضامندی پر مائل ہو گئے۔ رسول اللہ نے حق مہر ادا فرما دیا لیکن زینب کے فخر و نسب اور زید سے نفرت کسی میں کمی نہ آئی ۔ زینب بار بار زید کے مقابلہ میں اپنی نجابت اور تشخص کی برتری کے اظہار میں فرماتیں ”میں آزاد شدہ نہیں ہوں!“۔

ہرگھڑی کی اس چپقلش نے زید کا ناطقہ بند کر دیا ۔ بار بار رسول اللہ کو اپنا دکھڑا سنانے اور طلاق دینے کی اجازت طلب کرتے ۔ ہرچند رسول خدا ''امسك عليك زوجك واتق الله![۱] (۳۳:۳۷) سے تلقین فرماتے لیکن زید کا ان کے ساتھ زندگی بسر کرنا اجیرن ہوگیا ۔ آخر کچھ مدت انتظار کرنے کے بعد انہیں طلاق دے کر برطرف ہو گئے ۔

منہ بولے بیٹوں کا معاملہ : بات یہ ہے کہ عرب منہ بولے بیٹوں کے معاملہ میں حد سے بڑھ چکے تھے ۔ انہیں صلبی اولاد کے حقوق حاصل تھے مگر رسول خدا کی حکمت آفرینی گوارا نہ کر سکی کہ وہ بلا حجاب گھروں میں آئیں یا استلحاق و حرمت نسب میں انہیں صلبی اولاد کا ہم پلہ قرار دیا جائے اور میراث و ترکہ میں برابر کے حصہ دار ہوں ۔ آں حضرت نے ضروری سمجھا کہ منہ بولے بیٹوں کے حقوق ایک دوست یا دینی بھائی سے زیادہ نہ رہنے پائیں ۔ ان حقوق بندی پر آخر یہ آیت نازل ہوئی :

وما جعل ادعياءكم ابناءكم ذلكم قولكم بافواهكم والله يقول الحق وهو يهدى السبيل (۳۳:۴) ۔

اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا نہ تمہارے اپنے منہ کی کہن ہے ۔ اور اللہ تو حق بات فرماتا ہے اور وہی (لوگوں کو سیدھا) رستہ دکھاتا ہے ۔

اس آیت کے مفہوم کے مطابق رسوم کے اصلاح کنندہ کو خود ہی ایسا قدم اٹھانا چاہیے کہ سب سے پہلے باپ اپنے منہ بولے فرزند کی بیوی سے عقد کر سکے ۔ اور متبنٰی کو اپنے منہ بولے باپ کی زوجہ سے عقد گوارا ہو ، لیکن کسے یارا تھا جو ان رسوم کے خلاف عملاً قدم اٹھائے پھر عرب جیسے ملک میں جہاں صدیوں سے یہ رسمیں قومی دستور کے طریق پر تہذیب و تمدن میں داخل ہو چکی ہوں ، ماسوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جن کی قوت ، عزیمت اور حکمت خداوندی پر عمیق ادراک و فکر نے آپ کو عملاً اس پر آمادہ فرما دیا ۔

آں حضرت نے خدا کے اس حکم کو نافذ کرنے کے لیے بی بی زینب کے ساتھ عقد فرما لیا جنھیں آپ کے منہ بولے فرزند زید نے طلاق دے کر برطرف کر دیا تھا مگر آپ کے دل میں یہ احساس بھی تھا کہ ملک کی اتنی قدیم رسم کے توڑنے پر لوگ کیا کہیں گے ۔ جیسا کہ :

وتخفى فى نفسك ماالله مبديه وتخشى الناس والله احق ان تخشه (۳۳:۳۷) ۔

اور تم اس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو (آخر کار) اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم (اس مقابلے میں) لوگوں سے ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو ۔

لیکن رسالت مآب احکام الٰہی کی انجام دہی میں تمام امت سے پیش پیش اور ان حکموں کی تبلیغ کے ذمہ دار تھے ۔ آپ نے لوگوں کی چہ میگوئیوں سے بے پروا ہو کر اپنے آزاد کردہ غلام زید کی مطلقہ سے عقد فرما لیا کیونکہ احکام خداوندی کی تعمیل میں لوگوں سے ڈرنے کی بجائے خدا تعالیٰ کی خشیت اصل ہے ۔ آں حضرت نے بی بی زینب

---

[۱] اپنی بی بی زینب کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور اسے چھوڑ نہیں ۔

سے اس لیے عقد فرما لیا تاکہ حکیم و دانا شارع علیہ السلام اس حکم خداوندی کو جاری کر سکیں جو منہ بولے بیٹے اور باپ دونوں کی وجہ سے باطل ہو رہا ہے جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے:

فلما قضی زیداً منھا وطراً زوجنکھا لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطراً وکان امر اللہ مفعولا (۳۳ : ۳۷) -

پھر جب زید اس (عورت) سے بے تعلقی کر چکا (یعنی طلاق دے دی اور عدت کی مدت پوری ہوگئی) تو ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا تاکہ (عام) مسلمانوں کے لیے پالک جب اپنی بی بیوں سے بے تعلق ہو جائیں تو مسلمانوں کے لیے ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے اور خدا کا حکم تو ہوکر ہی رہتا ہے

ام المومنین زینب کے واقعات صرف اتنے ہیں کہ ”وہ رسول اللہ کی پھوپھی زاد ہیں۔ اس رشتہ کی وجہ سے رسول اللہ نے انہیں زید کے نکاح میں آنے سے قبل ہمیشہ دیکھا۔ آپ ہی نے زید کے لیے ان کا خطبہ فرمایا۔ زید سے ان کا عقد ہو جانے کے بعد جب تک آیۂ حجاب نازل نہ ہوئی تھی رسول خدا اور بی بی (زینب) کے درمیان قرابت کی وجہ سے ایک دوسرے کے سامنے آنے میں کوئی مانع نہ تھا۔ نہ ان کے ہاں آنے جانے میں کوئی تکلف کہ زینب آپ کے منہ بولے فرزند (زید) کی اہلیہ تھیں۔ بلکہ رسول خدا کو دونوں میاں بیوی کی باہمی ان بن کی وجہ سے ان کے ہاں بارہا جانا پڑتا اور اس لئے بھی کہ اس معاملہ میں احکام خداوندی کا نزول شروع ہوگیا جن میں اس طلاق کے بعد بی بی کا رسول اللہ کے عقد میں آنے کا اشارہ بھی تھا۔

غلام اور حقوق شہریت: یہی احکام دوسری حیثیت سے آزاد شدہ غلام کو شہریت کے حقوق دلانے کا سبب ہوئے اور یہی احکام منہ بولے بیٹوں کے وہ حقوق ختم کرنے کا موجب ثابت ہوئے جن (حقوق) کی وجہ سے ان کی صلبی بیٹوں کے ساتھ کلی مناسبت قائم ہو چکی تھی۔ اور انہی احکام نے آئندہ کے لیے منہ بولے بیٹوں کے لیے کوئی ایسی گنجائش نہ چھوڑی جس کے وہ مستحق نہ ہوتے ہوئے ان سے مستفید ہو رہے تھے۔

سوال یہ ہے کہ اس قدر واضح احکام اور صحیح واقعات کے ہوتے ہوئے ان فسانوں کی اہمیت کیا رہ جاتی ہے جو اس عقد میں وضع کیے گئے اور مستشرقین نے ان کی فسانوی حیثیت کو جانتے ہوئے ان سے اپنی تالیفات میں استفادہ کیا؟ ان محققین میں برسرعنوان میور، ارفنج، اسپرنگر، سیل، درمنگھم اور لامنس وغیرہ ہیں جنھوں نے تحقیق کی آڑ میں مسیحیت کی تبلیغ کے لیے یہ گل کھلائے۔ ان مسیحی مصنفین کے دلوں میں حروب صلیبیہ کی وجہ سے جو آگ صدیوں سے سلگ رہی تھی اس کی وجہ سے یوں جلتے رہنا ان کے لیے مقدر میں تھا کہ وہ ختم المرسلین کے متعلق ایسی کتابیں لکھیں جن میں آپ کے ازدواج خصوصاً زینب کے عقد کی وجہ سے پانی پی پی کر کوسا جاسکے۔ انھوں نے تاریخ کا کتنا بڑا گناہ کیا کہ دیدہ و دانستہ اپنی تحقیق کا مبنٰی ضعیف اور موضوع روایات کو قرار دیا۔ اگر یہ تحقیق صحیح روایتوں پر مبنی ہوتی تو

پھر ہمیں یہ کہنے کا حق ہوتا کہ دنیا کے بلند ترین اشخاص عوام کی طرح ہر قانون کے پابند نہیں ہوتے جیسا کہ:

الف - حضرت موسیٰ نے ایک مصری کو قتل کر دیا اور ان پر سزا وارد نہ ہو سکی[1] [اور ان کے رسول ہونے کی حیثیت سے ان پر نازل شدہ کتاب (تورات مسیحیت کا دستور شریعت قرار پائی :م:] -

ب - جناب مسیح باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور مسیحیت کی رو سے انہیں روح القدس[2] اور کیا کیا نہ کہا گیا، بلکہ مسیح کا اس طرح متولد ہونا ہی ان کے لیے وجہ تقدیس بن گیا (طریق تولید کے اس قدر خلاف اور اس کے متعلق یہ حسن عقیدہ :م). -

ج - حضرت یونس (جنھوں نے برملا خداوند خدا کی بے فرمانی کی پاداش میں عبرت انگیز سزا پائی[3] لیکن انبیائے مرسلین پر ایسے عوارض کی وجہ سے ان کے علو مرتبت کے ہوتے ہوئے طعن نہیں کیا جاتا)۔

بخلاف ان کے حضرت محمد جنھوں نے وحی خداوندی کی رہبری میں نظام اجتماعی کی بنیاد رکھی اور اسی الہام کی رہنمائی میں اس نظام کو مربوط و مستحکم فرمایا جس کی بدولت آں حضرت کو یہ بلند مرتبہ نصیب ہوا اور آپ کے اس اسوۂ حسنہ کو سراہا گیا کہ آپ نے خدا کے احکام کی تبلیغ میں کس فراست و تدبر کو سمو دیا ہے! ایسی جامع الصفات ہستی کے لیے مسیحی مبلغوں نے چاہا کہ جس طرح آں حضرت نے دوسروں کے لیے چار بیویوں کی تحدید کر دی خود بھی اسی حد تک رہتے اور اپنی چار بیویوں کے ماسوا سب کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیتے -

میں کہتا ہوں اگر آں حضرت صلوات اللہ علیہ کے لیے یہی مناسب ہوتا اور ایسا ہی کر گذرتے تو کیا آپ مسیحی مہربانوں کے ان طعنوں سے بچ سکتے تھے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے حرم کے ساتھ سلوک کا جو تذکرہ حضرت عمر بن الخطاب کی زبان سے پیش کیا گیا اور ابھی اس کی اور وضاحت ہوگی اس سے واضح ہوتا ہے کہ بیویوں کا جس قدر احترام جناب محمد نے کیا اس کے مطابق اس صنف پر لطف و کرم کی کوئی اور نظیر پیش نہیں کی جا سکتی -

---

[1] خروج، باب ۱ نمبر ۱۲، ۱۳، ۱۴ -

[2] لوقا، باب ۱ نمبر ۲۶ تا ۳۵ -

[3] ''خداوند خدا کا کلام یوناہ (م: یعنی یونس) بن متی پر نازل ہوا کہ اٹھ اور اس شہر نینوہ کو جا اور اس کے خلاف منادی کر کیونکہ اس کی شرارت میرے حضور پہنچی ہے لیکن یوناہ خداوند کے حضور سے ترسیس کو اٹھ بھاگا اور یافا میں پہنچا اور وہاں اسے ترسیس کو جانے والا جہاز ملا اور وہ کرایہ دے کر اس میں سوار ہوا تاکہ خداوند کے حضور سے ترسیس کو اہل جہاز کے ساتھ لے جائے لیکن خداوند نے سمندر پر بڑی آندھی بھیجی اور سمندر میں سخت طوفان برپا ہوا اور اندیشہ تھا کہ جہاز تباہ ہو جائے - تب ملاح ہراساں ہوئے اور ہر ایک نے اپنے دیوتا کو پکارا - تب وہ خوف زدہ ہو کر اس سے کہنے لگے تو نے یہ کیا کیا؟ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ وہ خداوند کے حضور سے بھاگا ہوا ہے اس لیے کہ اس نے خود ان سے کہا تھا،، (یوناہ، باب ۱ نمبر ۱ تا ۱۰) : م -

صادق امین عبداللہ محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۱۸

جنگِ خندق (یا احزاب) اور یہود بنو قریظہ

صادق
امین
عبداللہ
محمد ﷺ
کلیم اللہ
حبیب اللہ
نجی اللہ
داعی
جواد
خاتم
عادل
شہید
شہید
اول
آخر
ظاہر
باطن
نبی رحمۃ
بشیر
قریب
مشرف
مطہر
مذکر
مبشر
قوی
مقتصد
شکور
محمد
حبیب
صفی اللہ
عزیز
حریص علیکم
رؤف
رحیم
طٰہٰ
مجتبیٰ

۱۸

جنگ خندق (یا احزاب) اور یہود بنو قریظه

مدینه میں یہود کے تین بڑے قبیلے آباد تھے :

الف ۔ بنو قینقاع : سب سے پہلے انہی کا اخراج عمل میں آیا ۔

ب ۔ بنو نضیر : (ا) کے بعد خارج البلد کیے گئے ۔

ج ۔ بنو قریظه : جن کی داستان زیر تسوید فصل اٹھاره میں بیان ہو رہی ہے ۔

بنو قینقاع کے بعد بنو نضیر بھی اپنے تمرد کی پاداش میں مدینه سے جلا وطن کر دیے گئے ۔ غزوۂ بدر ثانیه میں ابوسفیان مقابله پر آئے بغیر مکه واپس لوٹ گئے ۔ قبائل نے غزوه غطفان و دومة الجندل میں اپنی فوج کشی کا نتیجه دیکھ لیا تب کہیں مسلمانوں کو مدینه میں سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا ۔ اگرچه وه تجارت کے لیے اب بھی سفر نه کر سکتے تھے نه کھیتی باڑی کے لیے کھلے بندوں شہر کے باہر نقل و حرکت کی گنجائش تھی بلکه اس عرصه میں غنیمت اور فے میں سے جو جس کے حصے میں آیا اسی پر گذر بسر کر کے زندگی کا یه وقفه گزار دیا ۔

اس وقفه میں رسول الله کی فکر مندی : لیکن رسول خدا اس وقفه میں یکسو نه ره سکے که دشمن کس وقت کون سی چال چل جائیں اور آں حضرت نے اپنے جاسوس ادھر ادھر پھیلا دیے تا که وقت سے پہلے مدافعت کی تیاری کی جا سکے ۔ مسلمانوں کے لیے چاره کار بھی کیا تھا ۔ قریش مکه اور قبائل نے ان کے خلاف جو قیامت برپا کر رکھی تھی کسی وضاحت کی محتاج نہیں ۔ ہر ایک رسم میں اندھی تقلید اور جمود کے باوجود ملک کے تمام باشندے شہری ہوں یا بدوی سب میں ایک قسم کا جمہوری نظام مروج تھا جس میں لباس و اطوار و خصائل بلکه مذہب تک میں توحد تھا ۔ عرب کے رہنے والے بعد مسافت کے باوجود ایک دوسرے کے اس قدر قریب تھے جس کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی ۔

جناب محمد صلعم عرب نژاد ہونے کی وجه سے اپنے ملک میں بسنے والی قوموں کے شعور سے پوری طرح واقف تھے اور ان سے ہمه وقت خائف که نه معلوم کینه توز عرب کس وقت مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں ۔ قریش مکه بدر کے مقتولین کی وجه سے ان کے خون کے پیاسے ، بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینه سے اخراج کے غصه میں ان کے دشمن ، بنوغطفان ، و بنوهذیل ان سے انتقام کے درپے اور قبائلی عصبیت کی وجه سے تمام عرب ایک دوسرے کی حمایت میں کمربسته ۔

عرب کا ایک ایک متنفس رسول خدا سے کئی کئی وجوه سے انتقام لینے کے لیے سربکف ہے ۔ انہیں یه دکھ بھی کھائے جا رہا تھا که کل جو شخص اپنے وطن سے ایمان بالله کے سوا کوئی اور دولت لئے بغیر نکل آیا تھا اس نے مدینه میں پانچ سال کے اندر

اس قدر قوت حاصل کر لی کہ اطراف و جوانب کے تمام بڑے شہر اور صحرائے عرب کے ہر ایک قبیلہ میں اپنی دھاک بٹھا لی -

یہود کی خصومت : حاسدان محمد میں تمام عرب سے زیادہ یہود کی خصومت خطرناک تھی جو اپنی علمی بصیرت کے پرتو میں یہ جاننے کے باوجود کہ ایک نہ ایک روز جناب محمد صلعم کی دعوت کے سامنے ان (یہود) کی سیادت کا چراغ بجھ کر رہے گا اگرچہ وہ خود بھی توحید کا پرچار کر رہے تھے - ادھر نصارٰی کے ساتھ ان کی شروع سے رقابت تھی جن پر غالب آنے کی امید میں انہوں نے صدیاں گذار دیں - یہود کی برتری کی یہ تمنا بعید از قیاس بھی نہ تھی کہ بلند مرتبہ انسان طبعاً توحید پر مائل رہتا ہے - اس کی وجہ سے انھیں مسیحانہ تثلیث سے رغبت نہ ہو سکی -

آج یہود کے نصرانی دشمنان توحید کے مقابلہ میں ایک داعئی توحید جناب محمد نے ظہور فرمایا جو عالی نژادگی میں بے مثل اور دنیا کی عظیم ترین تمام شخصیتوں سے برتر تھے - توحید کی دعوت جس انداز میں پیش فرمائی دلوں میں یوں بس گئی جیسے قبول کرنے والوں نے خود میں اپنی پہلی حالت سے بہت کچھ برتری دیکھی -

اور جونہی آں حضرت نے قوت حاصل کی پہلے (یہود) بنو قینقاع کو مدینہ سے خارج ہونے کے لئے مجبور فرمایا اور ان کے بعد (یہود) بنو نضیر کو انہی کے قدموں پر چلنے کے جرم میں شہر سے باہر دھکیل دیا - سوال یہ ہے کیا یہود کے یہ دونوں ٹولے جب اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے آبائی وطن بیت المقدس (ارض موعود) کی سمت لوٹے تو اپنے دل میں غیظ و غضب کے بغیر چلے گئے ؟ کیا انہوں نے یہ ارادہ نہ کر لیا ہوگا کہ جس طرح بن پائے اپنا انتقام لینے کے لیے قبائل عرب کو بھڑکایا جائے ؟

بنو قریظہ کا مشرکین سے الحاح : بنو قریظہ کے دل میں غیظ کی جو چنگاری سلگ رہی تھی اسے ہوا دینے کے لیے انہوں نے رو رو کر عرب سے التجائیں کیں - ابن ابو الحقیق کے دونوں بیٹے (سلام و کنانہ) اور حیی بن اخطب (ہرسہ یہودان بنو نضیر) اور بنووائل کے دو بڑے سرغنے ہوذہ بن قیس اور ابوعمارہ (پانچ آدمیوں کا غول) وفد کی صورت میں قریش (مکہ) کے ہاں پہنچا جنہوں نے حیی بن اخطب سے دریافت کیا کہ بنونضیر کے عزائم کیا ہیں -

حیی : وہ خیبر اور مدینہ کے درمیان پڑاؤ ڈالے تمہاری راہ تک رہے ہیں تاکہ قریش کے ساتھ مل کر جناب محمد اور ان کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوں -

قریش : اور بنو قریظہ کس حال میں ہیں ؟ (یہ قبیلہ ابھی تک مدینہ میں تھا)

حیی : بنو قریظہ (حضرت) محمد کو فریب میں رکھنے کے لیے ابھی تک مدینہ ہی میں موجود ہیں اور موقعے کے منتظر ہیں -

اس منزل پر قریش اس فکر میں ڈوب گئے کہ انہیں جناب محمد پر حملہ کرنا مناسب بھی ہے یا نہیں - ان کا اختلاف ان کے ایمان باللہ کی وجہ سے شروع ہوا تھا - اب ان کی دعوت کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے - اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ حق پر ہیں ؟ یہاں پہنچ کر قریش نے یہود سے ایک اور سوال کیا -

قریش کا یہود سے مذہبی تفاوت کا سوال : قریش مکہ نے ان (یہود) سے برملا پوچھا : اے برادران یہود! آپ حضرات کو اہل کتاب ہونے میں اولیت حاصل ہے - آپ کو

ھمارا اور جناب محمد کا اختلاف بھی معلوم ہے - ہم آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ھیں کہ ھمارا دین بہتر ہے یا ھمارے حریف کا ؟

یہود کا جواب : ''صاحبو! آپ کا دین اسلام سے بہتر ہے اور ان کے مقابلہ میں آپ لوگ حق بجانب ھیں !،،

ادھر یہود کے اس کتمان پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی :

الم تر الی الذین اوتوا نصیباً من الکتٰب یؤمنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدی من الذین امنوا سبیلا ۔ اولئك الذین لعنھم اللہ ومن یلعن اللہ فلن تجد له نصیراً (۴ : ۵۲-۵۵) ۔

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں (کے حال) پر نظر نہیں کی جن کو کتاب آسمانی سے حصہ دیا گیا اور لگے بتوں کا اور شیطان کا کلمہ پڑھنے اور (نیز) مشرکین کی نسبت کہنے لگے کہ مسلمانوں سے تو یہی لوگ زیادہ رو براہ ھیں ۔ (اے پیغمبر!) یہی لوگ ھیں جن کو اللہ نے پھٹکار دیا ہے اور جس کو اللہ پھٹکارے ممکن نہیں کہ تم کسی کو اس کا مددگار پاؤ ۔

یہود کے جواب سے ان کے مشہور مستشرق کی برأت : توحید کے مقابلہ میں قریش کے سامنے بت پرستی کی تعریف پر ڈاکٹر اسرائیل ولنسفوں اپنی کتاب ''تاریخ الیہود فی العرب،، میں فرماتے ھیں : ''یہود نے کیسا ستم ڈھایا جو قریش کے سامنے بت پرستی کو توحید اسلامی کے مقابلہ میں بہتر قرار دیا ! انہیں اس معاملہ میں اس درجہ دشمنی کا ثبوت نہیں دینا چاھئے تھا کہ جادۂ حق سے منحرف ہو جائیں اور قریش کے قائدین کے روبرو ہرگز یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ بت پرستی توحید سے بہرحال اعلیٰ ہے ۔ چاھے اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ مشرکین مکہ اس سازش میں ان کے ھم نوا نہ ہو سکتے ۔ مگر وہ بھول گئے کہ خود ان کے مورث اعلیٰ یعنی بنی اسرائیل نے بت پرستی کے خلاف کس طرح قوموں سے جنگیں جاری رکھیں اور توحید پھیلانے کے جرم میں ان کے پیش روؤں میں سے کتنے حضرات نے جام شہادت نوش فرمایا اور ان میں کتنے حضرات صرف خدائے واحد پر ایمان لانے کی پاداش میں زخمی ہوئے! یہود کو چاھیے تھا کہ بت پرستوں کو سرنگوں کرنے کے لئے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کر دیتے اور جس قدر مال و دولت ان کے قبضہ میں تھا اس راہ میں لٹا دینا اپنا فرض سمجھتے نہ یہ کہ انہوں نے بت پرستوں کے سامنے ان کے عقیدہ کو سراھا ۔ یہ تو اپنے عقیدہ کے خلاف جنگ کرنا تھا اور تورات کی اس تعلیم کے مناقی جس میں بت پرستوں سے نفرت اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم موجود ہے ۔،،

قریش کے ساتھ سازش کے بعد قبائل میں تحریک : قرار پایا کہ حملہ کیا جائے اور تیاری کے لیے اتنے مہینوں کی مہلت طے کر لی گئی - حیی بن اخطب اور ان کے دوسرے یاران سرپل (یہود) نے قریش مکہ ھی کے ساتھ معاھدہ کافی نہ سمجھا بلکہ مندرجہ ذیل قبیلوں میں سے ایک ایک کے ھاں چل کر گئے ۔ غطفان (از قیس بن عیلان) ، بنومرہ ، بنوفزارہ ، اشجع ، سلیم ، بنوسعد ، بنواسد ، اور ان کے ھر اس قبیلہ کے پاس جس کا کوئی

ایک متنفس مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جا چکا تھا - یہود نے ہر ایک قبیلہ کو مسلمانوں سے اپنا اپنا بدلہ لینے کے لیے بھڑکایا اور انہیں یہ کہ کر تسکین دی کہ اس معاملہ میں قریش بھی ہمارے ساتھ ہیں - یہود ان قبائل کے سامنے بھی بت پرستی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے میں پیش پیش رہے اور اس حملہ پر انہیں فتح و نصرت کا یقین دلانے میں انہوں نے کوئی کسر باقی اٹھا نہ رکھی -

مدینہ تاراج کرنے کے لیے : یہود بنو نضیر کی محنت کا ایک حصہ بار آور ہو ہی گیا - چاروں طرف سے کفار کے دل کے دل امڈ آئے - ابوسفیان مکہ سے چار ہزار شمشیر زن لے کر نکلے جن کی سواری میں تین سو کمیت گھوڑے اور ایک ہزار باد رفتار سانڈنیاں تھیں - لشکر کا علم قریش کے دارالندوہ میں بیٹھ کر بانس سے پرویا گیا تھا - عثمان بن طلحہ کو علم برداروں کا منصب عطا ہوا جن کا باپ احد میں اسی علم برداری کے صدقے میں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو چکا تھا -

قبائلی لشکر : بنوفزارہ کے ان گنت نوجوان نکلے جن کے پاس سواری میں ایک ہزار تیز رو سانڈنیاں تھیں - ان کا سپہ سالار عیینہ بن حصن بن حذیفہ تھا - قبیلۂ اشجع اورمرہ سے ہر ایک کے چار چار سو دلاور نکلے - ان کے امیرلشکر مسعر بن رخیلہ اور حارث بن عوف (علی الترتیب) تھے - قبیلہ بنوسلیم' جنھوں نے مقام قرقرۃ الکدر پر اپنے خروج کی سزا پائی تھی ، سات سو سورما ہمراہ لے کر آ پہنچے - اسی طرح بنو سعد اور انہی کی مانند بنو اسد سب کی مجموعی تعداد دس ہزار کے قریب ہوگئی - لشکر کے سپہ سالار اعظم ابوسفیان بن حرب تھے - محاصرہ کے دوران میں قبائل نوبت بہ نوبت لڑتے - اگر آج ان میں سے ایک مورچہ پر آیا تو کل دوسرا اور اسی قبیلہ کا سپہ سالار انہیں لڑائی کے لیے ھشکاتا -

مسلمانوں کی گھبراہٹ : مدینہ میں تمام خبریں سنی جاتیں - مسلمان ڈر رہے تھے مبادا یہ لشکر جرار انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے - کبھی خیال گذرتا کہ عرب کی تاریخ میں اتنی بڑی فوج آج تک یکجا نہیں ہوئی - یہ کیا ہوا ؟ کبھی انہیں احد کا حادثہ یاد آ جاتا کہ وہاں اس سے کم فوج نے انہیں شکست دے دی اور اتنے بڑے لشکر کے سامنے وہ کیونکر ثابت قدم رہ سکیں گے جو تعداد و اسلحہ و سواری اور رسد کی اس قدر قوت رکھتا ہے -

مسلمانوں کی مشاورت اور خندق کھودنے کی قرار داد : قرار پایا کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے کی بجائے شہر میں رہ کر مدافعت کی جائے ' اگرچہ مسلمانوں کو اس صورت میں بھی اپنے عہدہ برآ ہونے کا یقین نہ تھا - سلمان فارسی مدینہ میں تشریف فرما اور خندق کھودنے کے طریق سے واقف تھے (جس سے عرب بے خبر تھے) - سلمان جنگ کے ماہر بھی تھے - انہوں نے مشورہ دیا کہ داخلی قوت مجتمع کر کے شہر کے اردگرد[1] خندق کھود لی جائے - ان کے نقشہ کے مطابق کھدائی شروع کر دی گئی - اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے - آں حضرت ڈلیا سر پر اٹھاتے ' مسلمانوں کے حوصلے بڑھاتے اور صحابہ کو جد و جہد تیز کر دینے کی تلقین کرتے -

---

[1] شہر سے باہر کے حصہ میں صرف شام کا رخ کھلا ہوا تھا اور اس طرف خندق کھودی گئی - باقی تینوں سمتوں میں پہاڑ ہیں : م -

یہود بنو قریظہ آج تک مدینہ میں موجود تھے اور ان کے ساتھ باہمی تعاون کا معاہدہ بھی تھا۔ کھدائی کا ضروری سامان ڈلیا، گیندارا، کدال اور پھاوڑے وغیرہ جو یہودیوں کے پاس بکثرت موجود تھے ان سے حاصل کیے گئے۔

تکمیل خندق۔ عورتوں اور بچوں کی حفاظت: خندق چھ روز میں سکمل ہوئی۔ اسی عرصہ میں ان مکانوں کی مرمت بھی کرا لی گئی جو دشمن کی زد میں آ سکتے تھے اور خندق سے باہر دو فرلانگ کے فاصلہ کے اندر تھے۔ عورتوں اور بچوں کو محفوظ حویلیوں میں یکجا کر دیا گیا اور خندق کے اندرونی کنارے پر پتھر کے ایسے چھوٹے بڑے ٹکڑے جمع کر دیے گئے جو وقت پڑنے پر دشمن پر برسائے جا سکیں۔

کفار کی خندق دیکھنے سے تلملاہٹ: قریش اپنے گھر سے یہ امیدیں لے کر نکلے کہ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی احد ہی میں رن پڑے گا اور اسی لگن میں میدان احد میں پڑاؤ ڈال دیا۔ جب وہاں کسی کو نہ پایا تو مدینہ کی طرف بڑھے یہاں خندق کھدی ہوئی دیکھ کر تلملا اٹھے۔ عرب کے لیے یہ چیز انوکھی تھی۔ دل مسوس کر رہ گئے اور زبان سے کہتے پھرے کہ ''عرب کے لیے اس طرح سے اوٹ میں لڑنا عار ہے۔''

کفار کے مورچے: قریش اور ان کے لگے بندھے قبائل نے اس تلیا کے سہارے مورچہ بنا لیا۔ جس میں وادئی رومہ کا پانی سمٹ کر جمع ہوتا ہے۔ قبیلۂ غطفان اور ان کے پہاڑی یاران سرپل نے مدینہ کی وادی نقمی کے کنارے پڑاؤ ڈال لیا۔

اور مسلمانوں کا محاذ: جناب محمد صلوات اللہ علیہ کے ساتھ صرف تین ہزار مسلمان تھے (اور کفار کی تعداد دس ہزار)۔ خندق سے شہر کی سمت سلع نامی پہاڑی کی پشت کی طرف مسلمانوں کا مورچہ تھا جس میں فخر کائنات کے لیے سرخ رنگت کا خیمہ نصب کیا گیا۔ فریقین کے درمیان خندق حائل تھی۔ قریش اور ان کے فریب خوردہ لشکریوں نے جب خندق کا عبور کرنا موت سے کھیلنا سمجھا تب انہوں نے تیر برسانا شروع کر دیے جس کے جواب میں ادھر سے بھی ان کی تواضع میں کمی نہ ہونے پائی۔

لشکر کفار سردی کی زد میں: ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ خندق انہیں مدت تک کامیاب نہ ہونے دے گی۔ سرما کا موسم اور چلے کا جاڑا جسے ٹھنڈی ہواؤں نے اور مہمیز دے رکھا تھا اوپر سے مہاوٹ کا خطرہ۔ ٹھٹھرن سے ہر شخص کے سر پر موت منڈلا رہی تھی۔ کفار اپنے اپنے گھروں میں۔ لاکھ بے سروسامان سہی مگر اہل مکہ اور غطفان کے گھر اور خیمے سرد خانے تو نہ تھے۔ مہاوٹ کے تصور سے ان کی روحیں سمٹ کر رہ گئیں کہ اگر ایسا وقت آ گیا تو یثرب کے میدانی خیمے انہیں موت کی گرفت سے کیونکر بچا سکیں گے۔ پھر یہ احزابی ٹولے تو ایسی امید لے کر آئے تھے کہ احد کی طرح ایک ہی دن میں میدان مار لیں گے اور فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے واپس ہوں گے، غنیمت اور مسلمان قبیلوں کے سامان سے مالا مال ہو کر۔

یہود بنونضیر نے غطفان سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ یثرب فتح ہو جانے پر خیبر کے سرسبز و شاداب باغوں کے میووں کی پوری فصل ان کی نذر ہوگی۔ بنوغطفان کے دماغ میں یہ منصوبہ کھول رہا تھا کہ یثرب فتح کرنے کے بعد ان کے ساتھ خیبر کے باغات کی پھلوں سے بھری ہوئی گونیں بھی ہوں گی۔

ایک طرف یہ توقعات تھیں اور سامنے خندق حائل، جس کا عبور کرنا ان کی ہمت

سے باہر تھا - کفار کو اپنی نامرادی کا یقین سا ہو گیا - بنونضیر کو یہ دغدغہ کھائے جا رہا تھا کہ اگر غطفان نے سردی کی شدت سے خیبر کے پھلوں کی پروا نہ کی اور مورچہ چھوڑ کر بھاگ گئے تو ان کا حشر کیا ہوگا - قریش کی جمعیت کو جو زخم بدر اور اس کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے پہنچے وہ ابھی تک رس رہے تھے کہ خندق اور مدینہ کے قلعوں نے ان زخموں پر اور نمک چھڑکا - حملہ آوروں کو یثرب میں رہنے والے یہود بنوقریظہ کی وجہ سے خطرہ بھی تھا کہ ان کی طرف سے مسلمانوں کی امداد محاصرہ کی مدت میں کمی نہ آنے دے گی - کبھی یہ خیال گذرتا کہ حملہ سے دست بردار ہو کر لوٹ جانے میں کیا مضائقہ ہے، لیکن اس لمحہ وہ ڈر جاتے کہ روز روز اتنا بڑا لشکر جمع کرنا بھی تو آسان نہیں - اس مرتبہ حیی بن اخطب کی وجہ سے یہودی اپنے اور اپنے برادران ملت بنوقینقاع کی وجہ سے انتقام پر آمادہ ہو گئے ہیں - اگر یہ موقعہ ہاتھ سے نکل گیا اور لشکری اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے تو محمد صلعم کی فتح ہوگی جس کے بعد ابد الآباد تک یہود کا ٹھکانا کہیں نہ رہے گا -

حیی بن اخطب (یہود بنونضیر کا سرغنہ) کے دماغ میں ایسے کئی خطرات پہلو بدل رہے تھے - وہ اپنے انجام کی وجہ سے بے حد خائف تھا - اس نے ایک آخری داؤ لگانے کا تہیہ کر لیا — جس طرح ہو سکے یہود بنوقریظہ (اور اہل مدینہ) کو مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی پر آمادہ کیا جائے - اگر اس میں کامیابی ہو گئی تو حضرت محمد صلعم کی رسد بند ہو جائے گی اور اس تجویز کی بار آوری ان کی فتح پر منتج ہوگی - جب اس نے اپنے منصوبے سے قریش مکہ اور بنوغطفان کو آگاہ کیا تو سننے والے خوشی سے پھولے نہ سمائے -

حیی بن اخطب اور کعب بن اسد سے یہودی کی ملاقات : (یثرب میں) بنوقریظہ کا سرغنہ کعب بن اسد تھا - شدہ شدہ یہ منصوبہ اس نے بھی سن لیا اور حیی کے آنے سے پہلے اپنی گڑھی کا درروازہ مقفل کرا دیا - اگرچہ اسے یقین تھا کہ حضرت محمد کے ساتھ عہد شکنی کے بعد اگر مسلمان معتوب ہو گئے تو نہ صرف اسے بلکہ تمام یہود کو نفع ہوگا، لیکن حملہ آوروں کی شکست بنوقریظہ کو کہیں نہ رہنے دے گی - حیی بن اخطب کے اصرار پر دروازہ کھولنا ہی پڑا - حیی نے کعب سے کہا ”اے کعب! تمہیں کیا ہو گیا میں نے دنیا کے مشہور لوگوں کا لشکر جمع کر لیا ہے - قریش اور بنوغطفان اپنے اپنے سرغنوں کی سرکردگی میں شمشیر بکف ہیں - وہ معاہدہ کر کے آئے ہیں کہ جناب محمد اور ان کے رفقا کو تہس نہس کر کے قدم پیچھے ہٹائیں گے -“ لیکن کعب ابھی تک متردد تھا - اس نے رسول اللہ کے ایفائے عہد اور صدق مقال کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ”مبادا ہمارا حشر خراب ہو!“ مگر حیی بن اخطب متواتر اصرار کرتا رہا - جناب محمد کے ہاتھ سے یہود کو جو تکلیفیں پہنچ چکی تھیں ان کی بنا پر اس نے کعب سے کہا ”اگر یہ حملہ ناکام رہا تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو دوسرے یہود کا ہوا ہے!“ اور حیی نے اس کے سامنے حملہ آور لشکر کی قوت وجمعیت کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے کے بعد کہا ”اگر خندق ہمارے راستے میں حائل نہ ہوتی تو اب تک مسلمانوں کو ملیا میٹ کر دیا ہوتا -“ کعب مائل ہو ہی گیا - اس نے حیی سے دریافت کیا ”اگر حملہ آور ناکام واپس لوٹ گئے تو ہماری نگہداشت کی کیا صورت ہوگی؟“ حیی نے کہا ”اس وقت ہم لوگ بھی

تمہارے ہی قلعوں میں آ جائیں گے اور تمہارے ساتھ دکھ سکھ میں شریک رہیں گے -''

''کعب (بن اسد) کی یہودیانہ عہد شکنی عود کر آئی - اس نے اپنے یہودی برادر حیی بن اخطب کے ہاتھ پرہاتھ مار کر حضرت محمد اور ان کے دوستوں کے ساتھ اس تحریری معاہدہ کو ختم کر دیا جس میں ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کے عہد و پیمان تھے -

کعب (بنوقریظہ) کی بدعہدی کے بعد : آں حضرت صلوات اللہ علیہ اور اصحاب کبار بنوقریظہ اور حملہ آوروں کی نئی سازش سے مطلع ہوگئے جس سے رسول پاک کے تصورات میں ایک نئے خطرے کا اضافہ ہوگیا - آں حضرت نے اصحاب میں سے مندرجہ ذیل چار معتمد حضرات کو تصدیق خبر اور کعب بن اسد سے تجدید گفتگو کی غرض سے بھیجا اور اس میں یہ رعایت ملحوظ رکھی کہ شہر کے ہر دو ممتاز قبائل اوس و خزرج کا ایک ایک سربرآوردہ ہو - (۱) حضرت سعد بن معاذ سید قبیلۂ اوس ، (۲) حضرت سعد بن عبادہ سردار قبیلۂ خزرج ، (۳) جناب خوات بن جبیر (از اوس) اور (۴) حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی تھے - (ان چار حضرات کو کعب یہودی کے پاس بھیجا -) آں حضرت نے انھیں ہدایت فرما دی کہ واپسی پر مسلمانوں سے وہاں کی گفتگو کا ذکر مبہم لفظوں میں کیا جائے -

کعب کے شرائط : یہ حضرات کعب کے پاس پہنچے تو وہ پہلے سے بھرا بیٹھا تھا - اناپ شناپ بکنا شروع کر دیا - مگر ان کے بار بار کہنے پر اس نے یہ شرط پیش کی :

''پہلے بنونضیر کو شہر میں دوبارہ آباد ہونے کا موقعہ دیا جائے -''

حضرت سعد بن معاذ کا بنوقریظہ کے ساتھ ذاتی معاہدہ بھی تھا - انھوں نے از راہ ہمدردی کعب سے فرمایا ''مبادا آپ کا حشر بھی بنونضیر ہی کا سا ہو!'' مگر بنوقریظہ کے دل بدل چکے تھے - انھوں نے الٹا یہ جواب دیا ''رسول اللہ کون ہے ؟ محمد اور ان کے ساتھ ہمارا کوئی معاہدہ نہیں'' حتی کہ فریقین میں سخت کلامی ہوتے ہوتے رہ گئی -

مسلمانوں کے سفیر واپس تشریف لے آئے - بنوقریظہ کی عہد شکنی نے رسول اللہ کو بہت متاثر کیا - خطرات بڑھ گئے اور یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ عہد شکن بنوقریظہ کہیں حملہ آوروں کو شہر میں داخل ہو جانے کا راستہ نہ دے دیں جس سے کفار مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں - یہ خیال وہم ہی نہ تھا - مسلمانوں کو بنوقریظہ کے رسد بند کر دینے کا خطرہ بھی اس میں شامل تھا -

حیی (ابن اخطب) کی واپسی پر حملہ آوروں کا جوش : بنوقریظہ کے ہاں حیی ابن خطب کی کامیاب واپسی پر قریش و غطفان کے حوصلے بڑھ گئے - کعب اور حیی کے معاہدہ میں طے ہوا تھا کہ ادھر بنوقریظہ دس روز تک جنگ کی تیاری کر لیں اور اس مدت میں بغیر توقف حملہ آوروں کو مسلمانوں پر یلغار کر دینا چاہیے -

حملہ احزاب کی صورت : (الف) مشرق (''فوق الوادی'') کی سمت پر بنو اسد اور غطفان بڑھے ، غطفان پر مالک بن عوف النصری اور عیینہ بن حصن الفزاری کمان کر رہے تھے اور بنو اسد پر طلیحہ بن خویلد الاسدی -

(ب) مغرب بطن الوادی بمصداق قرآن ”ومن اسفل منکم (۳۳ : ۱۰) کی سمت پر قریش اور بنو کنانہ جن کی کمان ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی -

(ج) خندق کی سمت پر عمرو بن سفیان ابوالاعور سلمی -

کفار کا لشکر اور مومنین دونوں کے اس موقف پر یہ آیتیں نازل ہوئیں :

اذ جاؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم و اذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا هنالك ابتلی المومنون و زلزلوا زلزالا شدیداً و اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبهم مرض ما وعدنا اللہ ورسوله الا غروراً -

(۳۳ : ۱۰ - ۱۲)

جس وقت (دشمن) تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اترے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور مارے خوف کے تمہاری آنکھیں پھری کی پھری رہ گئی تھیں اور کلیجے مونہوں کو آ گئے تھے اور خدا کی نسبت تم (لوگ) طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، اس موقعہ پر مسلمانوں (کے استقلال) کی آزمائش کی گئی اور خوب ہی جھڑجھڑائے - منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک کے) روگ تھے (بے اختیار) بول اٹھے کہ خدا اور اس کے رسول نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا بس نرا دھوکا ہی تھا -

و اذ قالت طائفه منهم یا اهل یثرب لا مقام لکم فارجعوا ویستاذن فریق منهم النبی یقولون ان بیوتنا عورة وما هی بعورة ان یریدون الا فراراً (۳۳ : ۱۳) -

اور جب ان سے ایک گروہ کہنے لگا کہ مدینے کے لوگو! تم سے (اس جگہ دشمن کے مقابلے میں) نہیں ٹھہرا جائے گا تو (بہتر ہے کہ لوٹ چلو) اور ان میں کچھ لوگ پیغمبر سے (گھر لوٹ جانے کی) اجازت مانگتے (اور) کہتے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں (بلکہ) ان کا ارادہ تو صرف بھاگنے ہی کا ہے -

مدینه میں محصور مسلمانوں کی پریشانی : مصیبتوں نے (یثرب میں) محصور مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا - ان کے دل دشمن کے ازدحام سے بیٹھ گئے- محصورین میں منافقوں کے جس گروہ کے کارنامے شکوہ کے لائق تھے اس گروہ نے مسلمانوں سے الٹا یہ کہنا شروع کر دیا کہ ”ہم سے تو محمد نے کسریٰ و قیصر کے ذخیروں پر قابض ہونے کا وعدہ کر رکھا تھا! یا یہ حالت ہے کہ آج ہم قضائے حاجت کے لیے بھی شہر سے باہر نہیں جا سکتے !“

ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی آنکھیں حملہ آوروں کو دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ گئیں- بعضوں کے دل خوف سے بیٹھے جا رہے تھے- یہ لوگ قریش و غطفان کی شمشیروں کی چمک اپنے لیے برق خاطف سمجھ رہے تھے - کچھ لوگوں کے دل بنوقریظه کی عہد شکنی سے پارہ پارہ ہو رہے تھے - اے یہود! تم پر خدا کی لعنت ہو ! کاش رسول خدا بنونضیر کو جلا وطن کرنے کی بجائے ته تیغ کرا دیتے تو آج ان کے ہاتھوں

یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا! آہ! اے حیی بن اخطب! رسول اللہ نے اسی دن کیا تجھے زندہ رہنے دیا کہ تو قریش اور قبائل عرب کو مسلمانوں پر ھشکا دے۔ اے کاش! جس زمین پر آج خندق کھود کر اپنا بچاؤ کیا جا رہا ہے مدینہ کا یہ ٹکڑا حیی بن اخطب اور اس کے لگے بندھوں کے خون سے سیراب ہو گیا ہوتا تاکہ اس میں مسلمانوں کا لہو پینے کی تڑپ باقی نہ رہتی۔

آہ! اے طامہ" الکبریٰ!
وصد آہ! اے فزع الاکبر!
ع یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

غزوہ خندق میں کفار کا حملہ : الغرض حیی بن اخطب کی واپسی پر حملہ آوروں کا جوش اور سوا ہو گیا۔ خندق کا ایک کنارہ سمٹا ہوا تھا۔ کافروں نے یہیں سے خندق عبور کرنے کا تہیہ کیا۔

آگے آگے قریش کا لشکر تھا۔ پیش روی میں سب سے بڑے سورما عمرو بن عبدود تھے۔ ان کے پیچھے عکرمہ بن ابوجہل اور ضرار بن الخطاب وغیرہ۔ ان سب نے مل کر خندق کے بیرونی کنارے سے اپنے گھوڑوں کو مہمیز جو دیا تو چشم زدن میں مسلمانوں کے سر پر آ پہنچے۔ ادھر سے علی ابن ابی طالب (اور عمر بن الخطاب: زاد المعاد: م:) وغیرہ بڑھے اور حملہ آوروں کا راستہ روک لیا۔ یہ دیکھ کر ابن عبدود نے مبارزت طلبی کی تو علی ابن ابی طالب شمشیر بکف آگے بڑھے۔ عمرو نے کہا "اے عزیز من! میں تجھے قتل کرنا نہیں چاہتا۔" علی نے فرمایا "مگر میں تو اپنی ذوالفقار تمہارے خون میں تر کرنا چاہتا ہوں!" دونوں بہادر آمنے سامنے ہوئے۔ آخر علی کے ہاتھ سے عمرو بن عبدود اپنی سزا کو پہنچ گیا۔ عمرو کے ساتھی اپنے سب سے بڑے پہلوان کو ایڑیاں رگڑتا ہوا دیکھ کر اس طرح بھاگے کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔

غروب آفتاب کے بعد : حملہ آوروں میں سے نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ خندق کو عبور کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس کا اپنے گھوڑے کو مہمیز دینا دونوں کی موت کا مقدمہ تھا۔ سوار اور سواری ہردو اوندھے منہ خندق میں گر پڑے۔[1] ابوسفیان نے نوفل کی لاش حاصل کرنے کے لیے دیت میں ایک سو اونٹ پیش کیے جنہیں رسول خدا نے یہ فرما کر ٹھکرا دیا کہ "خبیث کی دیت ناقابل قبول ہے!" اور اس کی لاش مٹی میں چھپا دی گئی۔

تخویف کا آخری پہلو اور شہر میں بنوقریظہ کی کارستانی : حملہ آوروں نے شب کے وقت بہت بڑا الاؤ دھکایا جس کے شعلوں سے مسلمانوں کو ڈرانا مقصود تھا۔ اسی رات میں بنوقریظہ کے دلاور قلعوں اور برجیوں سے نکل کر شہر میں گشت کرنے لگے۔

سیدہ صفیہ بنت عبد المطلب کی دلاوری : شاعر رسول اللہ حضرت حسان بن ثابت کی حویلی میں مسلمان عورتوں کو یک جا کر دیا گیا تھا۔ ان میں سیدہ صفیہ بنت عبد المطلب بھی تھیں۔ انہوں نے ایک یہودی کو حویلی کے ارد گرد گھومتا ہوا دیکھ

---

[1] بلکہ نوفل سے مبارزۃ طلبی ہوئی، اور وہ زبیر بن العوام و بروایت دیگر علی کے ہاتھ سے قتل ہوا (فتح الباری بضمن باب غزوۃ الخندق) :م۔

کر حسان کو اطلاح دی ''ذرا اس یہودی بچے کے تیور تو دیکھو! یہ ہماری جاسوسی کر کے یہود سے حویلی پر حملہ نہ کرا دے۔ رسول اللہ دوسری طرف متوجہ ہیں۔ اے حسان جائیے اور اس کا قصہ ختم کر دیجیے۔'' حسان نے جواب میں کہا ''اے دختر عبدالمطلب! خدا تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے! میں وہ مرد نہیں جسے کسی پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت ہو۔''

سیدہ خود لاٹھی لے کر نکلیں اور یہودی کو قتل کرنے کے بعد حسان سے فرمایا: ''میں تو مرد کے بدن سے اسلحہ اور پوشاک نہ اتار سکی: یہ کام آپ کر لائیے۔'' مگر حسان میں اس کی جرأت بھی نہ تھی۔ کہا ''مجھے ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں۔''

بنوغطفان سے خراج کی پیش کش میں مسلمان سیر نویسوں کی غلطی: محصور مسلمان خائف و لرزان تھے۔ رسول اللہ نے بنوغطفان کو محاصرہ سے دست بردار ہونے کے صلہ میں پیداوار کا ایک تہائی ادا کرنے کا پیام بھیجا، ادھر غطفان اپنی جگہ پشیمان کہ انہوں نے یہود کی باتوں میں آ کر کیا لیا۔

نعیم بن مسعود اشجعی کی تدبیر: ان کے مسلمان ہو جانے کی خبر عام نہ ہونے پائی تھی کہ رسول اللہ کی اجازت ہی سے انہوں نے ایک مہم جاری کی۔ نعیم کی بنو قریظہ

۱۔ طبرانی میں یہ واقعہ ان لفظوں میں مذکور ہے: ''جاء الحادث الغطفانی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا محمدنا صفنا تمر المدینہ" والا ملانا ھا علیك خیلا ورجالا قال تمی استامر السعود سعد بن عبادۃ وسعد بن معاذ فشاورھما فقالا لاواللہ ما اعطینا الدنیہ" من انفسنا فی الجاھلیہ" فکیف وقد جاء اللہ بالاسلام! ورجع الیہ الحارث فاخبرہ فقال غدرت یامحمد! فقال حسان

یا حار! من یغدر بذمہ جارہ   منکم فان محمداً یغدر
ان تغدروا فالغدر من عاداتکم   واللوم ینبت فی اصول السنجر
وامانہ" النہدی حیث لقیتہا   مثل الزجاجہ" صدعہا یجبر

فقال الحارث کف عنا یا محمد لسان حسان فلومزج بہ ماء البحر لمزجہ (طبرانی وبزار)۔

(ترجمہ) (حارث غطفانی نے رسول اللہ کے حضور حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ کو مدینہ کی پیداوار کا نصف بطور خراج ہمیں ادا کرنا منظور ہو تو بہتر ورنہ ہماری فوجیں مدینہ کو پامال کرنے کے لیے کافی ہیں۔ فرمایا میں اوس و خزرج کے دونوں سرداروں سے مشوروہ کر کے جواب دے سکتا ہوں۔ یہ جناب سعد بن عبادہ و سعد بن معاذ ہیں۔ جب ان سے دریافت فرمایا تو عرض کیا ''ایسی دنائت ہم نے جاہلیت میں بھی گوارا نہ کی اور اب تو ہم اسلام ہی لا چکے ہیں۔ یہ نہ ہوگا۔ حارث غطفانی فیصلہ دریافت کرنے کے لیے دوبارہ حاضر ہوا اور رسول اللہ نے اسے آگاہ فرمایا تو حارث نے کہا ''اے محمد! آپ نے دھوکا دیا ہے۔ اس پر حسان بن ثابت نے ارتجالاً چند اشعار حارث کے سامنے پڑھے۔ حارث حسان کے طنز کی تاب نہ لا سکا اور اس نے آں حضرت سے شکایت کی، ''اے محمد! خدا را حسان کو منع کیجیے۔ ان شعروں میں اس بلا کی تلخی ہے کہ اگر سمندر میں رکھ دیے جائیں تو اس کا پانی کڑوا ہو جائے'' کہنا یہ ہے کہ

الف: غطفان طول محاصرہ سے گھبرا چکے تھے اور حارث غطفانی ان کی طرف سے بطور سفیر حاضر ہو کر خراج کی تجویز لائے۔

ب: مدینہ کی اراضی و باغات اور ان کی پیداوار انصار کی ملکیت تھی جن میں اوس و خزرج کی غالب اکثریت تھی۔ دونوں کے سردار سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مشورہ دریافت کیا اور ان کے انکار پر آپ نے ایک لفظ کا اضافہ نہ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جو دنائت سعدین کو گوارا نہ ہو سکی رسول خدا اس کا تحمل کیونکر فرما سکتے تھے!: م۔

سے پرانی راہ و رسم تھی - ان کے ھاں تشریف لے گئے اور باھمی تعلقات کے ذکر و اذکار کے بعد کہا ”آپ نے کس قدر ھمت کی جو قریش اور بنو غطفان کو جناب محمد کے خلاف سمیٹ لائے - لیکن حالات اس قسم کے ھیں کہ بنو غطفان اور قریش دونوں میں سے کسی کے رکنے کی امید نہیں - اگر ایسا ھوا اور وہ محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے - تو محمد کا نشانہ آپ لوگ بن جائیں گے اور وہ آپ سے بدلہ لیے بغیر نہ رھیں گے! بہتر ھے کہ جب تک آپ قریش اور غطفان دونوں کے چند آدمی بطور یرغمال اپنے قبضہ میں نہ لے لیں لڑائی میں ان کی اعانت نہ کیجیے گا -“ بنوقریظہ کو نعیم کی یہ تجویز پسند آئی انھوں نے کہا - ھم آپ کی ھدایت کے خلاف عمل نہ کریں گے -“

نعیم قریش کے ھاں : نعیم بنوقریظہ کے ھاں سے اٹھ کر قریش کے ھاں پہنچے اور ان کے سامنے اس طرح گفتگو فرمائی : ”مجھے معلوم ھوا ھے کہ بنوقریظہ (حضرت) محمد کے ساتھ اپنی عہد شکنی پر پشیمان ھیں اور انھیں خوش کرنے کی ھر تدبیر سوچ رھے ھیں - جس میں ان کی یہ تجویز ھے کہ اگر ان کے ھاتھ قریش کے کچھ آدمی آ جائیں تو وہ محمد کو خوش کرنے کے لیے ان کے قتل کی غرض سے پیش کر دیں - مبادا آپ لوگ اپنے آدمی ان کے حوالے کر دیں -“

نعیم غطفان کے پاس : وہ یہاں سے سیدھے بنوغطفان کے ھاں پہنچے اور جو کچھ قریش سے کہا تھا وھی ان سے کہا اور انھیں بھی قریش کی طرح ھوشیار کر دیا کہ وہ اپنے آدمی بنوقریظہ کے حوالے نہ کریں -

نعیم کی تجویز سے قریش اور بنوغطفان دونوں کے دلوں میں شبہ پیدا ھو گیا اور ابوسفیان نے فوراً اپنے ایک قاصد کی زبانی کعب بن اسد یہودی کو یہ پیغام بھیجا : ”اے کعب ! ھمیں اس شخص (جناب محمد صلعم) کا محاصرہ کیے ھوئے اتنی مدت ھو گئی اور کچھ بھی نتیجہ نہیں نکلا - میری تجویز یہ ھے کہ آپ کل صبح اس پر حملہ کر دیجیے اور ھم آپ کی کمک پر ھوں -“

بنو قریظہ کا جواب : ”کل یوم السبت ھے اس روز جنگ یا دنیا کا کوئی کام نہیں کیا جا سکتا -“

ابوسفیان کا دوسرا پیغام (یہ یقین کر لینے کے بعد کہ نعیم نے ان کے متعلق صحیح کہا) : ”اے دوست! اس سبت کی عبادت کسی دوسری سبت میں کر لیجیے گا - مگر کل کے روز محمد پر حملہ کرنا ضروری ھے - اگر ھم جنگ کے لئے نکلے اور آپ نے ھماری معیت نہ کی تو سمجھا جائے گا کہ آپ ھم سے معاھدہ توڑ کر محمد کے حلیف بن گئے ھیں -“

بنوقریظہ کی طرف سے جواب : ”سبت کے روز ھم کسی طرح جنگ میں شریک نہیں ھو سکتے کیونکہ جن لوگوں نے اس دن کی تعظیم سے منہ پھیرا ان پر خدا کا غضب نازل ھوا حتیٰ کہ وہ بندر اور خنزیر بنا دیے گئے -“

اس کے ساتھ ھی بنوقریظہ نے ابوسفیان سے ان کے چند آدمی بطور یرغمال اپنی تحویل میں رکھنے کے لیے طلب کر لیے - یہ سن کر ابوسفیان کو نعیم کی بات کا پورا یقین ھو گیا - کوئی بات بنتی نظر نہ آئی - اس نے بنو غطفان سے مشورہ کیا مگر وہ رسول اللہ کی طرف سے مدینہ کی پیداوار میں حصہ کی امید میں بیٹھے تھے جسے بعد میں سعد بن عبادہ کی طرف

سے صاف جواب مل گیا - تاہم بنوغطفان کی طرف سے ابوسفیان کی کوئی ہمت نہ بندھائی جا سکی -

حملہ آوروں کی پسپائی : اسی رات آندھی اپنے دامن میں موسلا دھار بارش کا طوفان لے کر کافروں پر چھا گئی - بادلوں کی ہولناک گرج ' اس پر بجلی کے کوندے ، کفار کے خیمے زمین سے پرواز کر کے ہوا میں معلق ہوگئے - بھنڈارے کی دیگیں اوندھی ہو کر چولھوں میں دھنس گئیں - کافروں میں سے ایک ایک متنفس لرز اٹھا - انہیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ اگر ایسے میں مسلمان ٹوٹ پڑے تو ہمارا حشر کیا ہوگا -

قبیلۂ اسد کے سپہ سالار طلیحہ بن خویلد نے بآواز بلند پکارا ''اے دوستو! یہ مصیبت محمد کی وجہ سے آئی ہے - یہاں سے بھاگ کر نجات حاصل کرو -''

ابوسفیان کا زہرہ آب آب ہو گیا وہ پکار اٹھا : ''اے برادران قریش! طوفان نے ہماری سواری کے گدھے اور گھوڑے دونوں ختم کر دیے ہیں - بنو قریظہ پہلے سے بد عہدی کر کے علیحدہ ہو چکے ہیں - اس پر یہ طوفان ! اب ہمارا ایک لمحہ کے لیے رکنا محال ہے -''

بدنصیب اس قدر سراسیمہ و بدحواس تھے کہ پورا سامان بھی نہ اٹھا سکے - ان کے فرار پر بھی ہوا کی شدت نے ان کے قدم زمین پر نہ جمنے دیے - اس بھگدڑ میں قریش سب سے آگے تھے ' ان کے پیچھے بنوغطفان اور ان کے بعد دوسرے قبائل - اتنا کچھ بھگتنے پر اور فرار کی حالت میں بھی حق تقدم و تاخر میں ترتیب نظر انداز نہ ہونے پائی -

ادھر مدینہ میں صبح ہوئی اور رسول اللہ نے دشمنوں کا مورچہ خالی پایا تو شہر میں لوٹ کر ایک ایک مسلمان نے خدا کے حضور ہدیۂ امتنان و تشکر پیش کیا کہ انہیں مصیبت سے نجات ملی جیسا کہ اس معاملہ میں فرمایا :

ورد اللہ الذین کفروا بغیظہم لم ینالوا خیراً وکفی اللہ المومنین القتال - (۳۳ : ۲۵)	خدا نے اپنی قدرت سے کافروں کو مدینہ سے ہٹا دیا - وہ لوٹتے وقت غصے میں بھرے ہوئے تھے - خدا نے مسلمانوں پر یہ کرم بھی فرمایا کہ انہیں جنگ کرنے سے بچا لیا -

عہد شکن بنوقریظہ کی شامت اعمال : دشمنوں کے لوٹ جانے کے بعد رسول اللہ نے مستقبل پر نظر دوڑائی تو سب سے پہلے کفار کی ہزیمت پر چین کا سانس لیا - لیکن ''جو یہودی اس مرتبہ انہیں اکسا کر مدینہ پر لے آئے آئندہ بھی ایسا کر سکتے ہیں ' صرف اس پیش بندی کے ساتھ کہ چلے کی سردی نہ ہو -'' خصوصاً بنو قریظہ کے معاملہ میں ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ''اگر قریش و غطفان سے ان کا اختلاف نہ ہو جاتا تو انہوں نے دشمن کو مدینہ میں راہ دے کر مسلمانوں کا قلع قمع ہی کرا دیا ہوتا - سر دست بنوقریظہ ہمارے دباؤ میں سہی لیکن یہ دباؤ اس سانپ کی مانند ہے جس کی دم زخمی ہوگئی ہو اور باقی تمام جسم سلامت - ایسے سانپ کی طرف سے حملہ کا اندیشہ کم نہیں ہو سکتا - اس لیے بنوقریظہ کی سرکوبی ضروری ہے -''

مغضوب بنوقریظہ پر نفیر عام کی منادی : اس کا اعلان رسول اللہ نے ان الفاظ میں کرایا :

من کان سامعاً مطیعاً فلا یصلین العصر الا ببنی قریظہ"۔	جو شخص ہمارا وفادار ہے اس کے لئے حکم دیا جاتا ہے کہ عصر کی نماز بمحلہ بنوقریظہ میں ادا کرے۔

اور اس منادی کے ساتھ ہی علی بن ابی طالب کو ایک مختصر دستہ کے ساتھ بنوقریظہ کے محلہ میں بھجوا دیا۔

باوجودیکہ مسلمان مدینہ پر طول محاصرہ کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے لیکن بنوقریظہ کے معاملہ میں انہیں اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ اگرچہ دشمن محفوظ قلعوں میں پناہ گزین تھے، مسلمان اس سے قبل اسی وضع قطع کے قلعوں میں بنونضیر (یہود) کا حشر دیکھ چکے تھے۔ بنوقریظہ کے ہراول یعنی بنونضیر اور ان میں اتنا فرق ہی تو تھا کہ بنونضیر کے مقابلہ میں ان کے قلعے ذرا زیادہ مضبوط تھے۔ لیکن مسلمانوں کو بنوقریظہ کی طرف سے کسی مقابلہ کا اندیشہ نہ تھا۔ ادھر بھگوڑے قریش بھاگتے ہوئے اس قدر غلہ چھوڑ گئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو قلت رسد کا خطرہ نہ رہا۔

بنوقریظہ کا محاصرہ: مسلمان شاداں و فرحاں علی کے پیچھے پیچھے جانا شروع ہوئے۔ جب ارض موعود میں پہنچے تو حیی بن اخطب اور دوسرے یہودی سرور دوعالم کے متعلق بدزبانی کر رہے تھے۔ کبھی آں حضرت صلعم کو دروغ گو کہا جاتا، کبھی ایسا ہی کوئی اور طعنہ! اور حرم مطہرات کی شان میں زبانیں آلودہ کی جا رہی تھیں۔ لشکر کفار کی واپسی سے مایوسیوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ وہ اپنا حشر جان چکے تھے۔ انہوں نے دل کے پھپھولے یوں پھوڑنے کا فیصلہ کر لیا

ﷺ کی تشریف آوری اور بنوقریظہ سے سوال: اتنے ہی میں سرور دوعالم تشریف لے آئے۔ سیدنا علی نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ آپ ان کے سامنے نہ جائیے۔" فرمایا "میرے متعلق انہوں نے لب کشائی تو نہیں کی؟" عرض کیا "یارسول اللہ یہی بات ہے۔ ان کی یہ ہمت نہیں کہ وہ میرے روبرو ایسی جرأت کریں" اور رسول خدا نے ان کے قریب پہنچ کر بآواز بلند فرمایا:

یا اخوان القردۃ هل اخزاکم اللہ وانزل بکم نقمہ"؟	اے بندروں کی برادری! کیا خدا نے تمہیں ذلیل نہیں کیا تھا اور تم پر اپنا غضب نہیں بھیجا تھا؟

یہود کا جواب: "یا ابوالقاسم! ماکنت جھولا! (اے ابوالقاسم! آپ ہماری تاریخ سے بے خبر نہیں ہیں۔)"

مسلمان پے بہ پے آ رہے تھے اور رسول اللہ نے ان کے محاصرہ کا حکم نافذ فرما ہی دیا۔

مدت محاصرہ: مسلسل پچیس روز محاصرہ جاری رہا۔ اس دوران میں دو ایک مرتبہ ادھر سے پتھراؤ اور مسلمانوں کی جانب سے ان پر تیر برستے رہے۔ مگر بنوقریظہ کو باہر نکل کر لڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ گھبرا اٹھے کہ اس طرح ایک نہ ایک روز مسلمان ان پر قابض ہو کر رہیں گے اور ہماری قلعہ بندی ہمیں موت کے گڑھے میں دھکیل کر ہمارا پیچھا چھوڑے گی۔

یہود کی طرف سے درخواست: بنوقریظہ نے ایک قاصد رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا کہ ”ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیجیے۔ ہم صلح کے معاملہ میں ان کے ذریعے سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔“ ابولبابہ نسبتاً قبیلۂ اوس سے تھے اور بنوقریظہ سے ان کا ذاتی معاہدہ بھی تھا یہ ان کے ہاں پہنچے تو یہود کے زن و بچہ ان کے ارد گرد جمع ہوگئے - عورتوں اور بچوں نے رو رو کر کہرام مچا دیا جس سے ابولبابہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے - یہود نے کہا ”کیا آپ متفق ہیں کہ ہم خود کو محمد کے حوالے کر دیں؟“ ابولبابہ نے فرمایا ”میں اس سے اتفاق کرتا ہوں“ اور اپنی گردن پر ہاتھ پھرا دیا جس سے مقصود یہ تھا کہ جو کچھ بھی چاہو کرو تمہیں قتل ہونا ہی ہے (بروایت ارباب سیرت، بعد میں ابولبابہ اپنی اس حرکت سے بہت نادم ہوئے) اور وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

کعب بن اسد کی اپنی قوم کو ہدایت: اس نے اپنی قوم کو یکے بعد دیگرے تین مشورے دیے مگر انہوں نے ایک پر بھی آمادگی کا اظہار نہ کیا۔

پہلا مشورہ: بہتر ہے کہ آپ لوگ مسلمان ہو کر اپنی جان، مال اور اولاد کو تلف ہونے سے بچالیں۔

جواب: ہم تورات سے منحرف ہو کر دوسری شریعت قبول نہیں کر سکتے۔

دوسرا مشورہ: اپنے زن و بچہ کو خود قتل کر کے مقابلہ کے لیے باہر نکل آئیے۔ پھر جسے خدا دے۔ اگر ہم ہلاک ہو گئے تو اپنے زن و بچہ کی ہلاکت کا غم دل میں لے کر نہ جائیں گے اور اگر زندہ بچ آئے تو اپنے اپنے گھر پھر آباد کر لیں گے۔

جواب: اپنے زن و بچہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دینے کے بعد اگر ہم سلامت بھی رہ گئے تو ان کے بغیر ہماری زندگی سے کیا حاصل ہوگا۔

تیسرا مشورہ: پھر خود کو محمد کے حوالے کر دیجیے - لیکن ابولبابہ کے اس اشارہ کو نہ بھولیے کہ حوالگی سے ہمارا کیا حشر ہوگا۔

عوام بنوقریظہ کی کمیٹی (کعب بن سوار کے ماسوا): بنوقریظہ کے عوام مشورہ کے لیے علیحدہ ہو کر بیٹھے اور ایک شخص نے یہ تجویز پیش کی: ”ہمارا حشر بنونضیر سے بڑھ کر نہ ہوگا - اس معاملہ میں قبیلۂ اوس کے مسلمان دوست بھی ہماری دستگیری میں کوتاہی نہ کریں گے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہونا چاہیے کہ ہمیں شام کی طرف جانے دیا جائے“ اور انہوں نے رسول اللہ کی خدمت میں قاصد بھیج کر درخواست کی کہ ”ہمیں اپنا مال اور سامان لے کر شام کی بستیوں میں ہجرت کا موقعہ دیا جائے!“ مگر آں حضرت نے اسے تسلیم نہ فرمایا اور حوالگی کا مطالبہ کیا۔

بنوقریظہ نے فوراً اپنا وکیل قبیلۂ اوس کے مسلمانوں میں بھیج کر استدعا کی ”اے برادران اوس! جس طرح خزرج نے کل اپنے معاہدین بنونضیر کی سفارش کی تھی آپ بھی ہماری سفارش کیجیے۔“ اوس نے منظور کر لیا اور سرور دو عالم کے حضور پیش ہو کر عرض کیا! ”یا نبی اللہ! جس طرح آپ نے خزرج کی سفارش ان کے حلیفوں کے بارے میں قبول فرمائی تھی یہ بنوقریظہ ہمارے حلیف ہیں ہم ان کی سفارش کرتے ہیں۔ انہیں

اپنا مال و اسباب لے کر مدینہ سے خارج ہونے کی اجازت مرحمت ہو۔،، رسول اللہ نے فرمایا ''آپ لوگوں کو یہ منظور ہے کہ میں اپنے اور بنوقریظہ کے معاملہ میں کسی (ایک) شخص کو ثالث تسلیم کر لوں؟،، اوس نے اسے قبول کر لیا ۔ تب نبی صلعم نے فرمایا ''بنوقریظہ کے ہاں جائیے اور میں اپنا اختیار بھی انہی کو تفویض کرتا ہوں کہ وہ جس شخص کو پسند کریں اسے میرے اور اپنے درمیان حکم تسلیم کر لیں ۔''

اس پر بنوقریظہ نے جناب سعد بن معاذ کو ثالث تسلیم کر لیا مگر وہ اس گھڑی سے غافل رہ گئے ۔ جب یہی سعد محاصرہ کے دوران میں ان کے پاس آئے تھے تو انہوں نے سعد بن معاذ سے کیا کہا تھا ۔ یاد ہوگا اس موقعہ پر انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کی توہین کی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی لب کشائی سے باز نہ رہ سکے ۔

سعد بن معاذ کا فیصلہ بنوقریظہ کا قتل : سعد نے طرفین سے عہد و پیمان لینے کے بعد اپنا فیصلہ ان لفظوں میں صادر فرمایا کہ :

الف : بنوقریظہ کے بالغ مرد قتل کیے جائیں۔
ب : زن و بچہ گرفتار کر لیے جائیں ۔
ج : ان کا تمام مال ضبط کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے ۔

اس فیصلہ پر رسول خدا نے فرمایا ''بخدا اے سعد! آپ کا یہ فیصلہ خداوند عالم اور مسلمانوں کی مرضی کے حرف بہ حرف موافق ہے ۔ مجھے بھی وحی کے ذریعہ یہی حکم[1] دیا گیا ۔،،

بازار کے وسط میں گہرے گڑھے کھودے گئے۔ مجرموں کو ٹولیوں میں لایا گیا اور ایک ایک کی گردن مار کر گڑھوں میں پھینک کر لاشیں مٹی سے چھپا دی گئیں ۔

یہ آیت بنوقریظہ ہی کے انجام پر نازل ہوئی :

وانزل الذین ظاهروهم من اهل الکتب من صیاصیهم وتقذف فی قلوبهم الرعب فریقاً تقتلون وتاسرون فریقاً و اورثکم ارضهم و دیارهم و اموالهم و ارضاً لم تطؤها وکان الله علی کل شیءٍ قدیراً (۳۳ : ۲۶ - ۲۷)

اور اہل کتاب میں سے جو (یہودی) مشرکین کے مددگار ہوئے تھے خدا انہیں ان کی گڑھیوں سے نیچے اتار لایا اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کی) ایسی دھاک بٹھا دی (کہ) تم (بے دھڑک) لگے بعض کو قتل کرنے اور بعض کو قید کرنے اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا (اور نیز) اس زمین (خیبر) کا جس میں تم

۱-م: سعد بن معاذ کا یہ فیصلہ تورات کے مطابق بھی تو تھا کہ ''جب تو کسی شہر پر حملہ کرنے کے لیے جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کر لیں ۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے ۔ باقی بچے ' عورتیں ' جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لیے مال غنیمت ہوں گی (تورات کتاب تثنیہ : اصحاح : (۲۰) آیت نمبر ۱۰ ۔

گویا اسی اصول کے مطابق رسول اللہ نے اسے آسانی فیصلہ سے تعبیر فرمایا ۔

نے قدم تک نہ رکھا تھا تم (ہی) کو مالک
کر دیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بنوقریظہ کو سعد بن معاذ سے ایسی توقع نہ تھی بلکہ انہیں یہ بھروسا تھا کہ جس طرح کل عبداللہ بن ابی (منافق) نے بنوقینقاع کی سفارش کر کے ان کا خون معاف کرا دیا تھا اسی طرح سعد کے ذریعہ ہماری جان بخشی ہو سکے گی (لیکن بنوقینقاع اور قریظہ دونوں کا معاملہ مختلف تھا)۔ سعد بن معاذ کے سامنے وہ خوفناک منظر تھا کہ یہی لوگ تو کفار کے حملہ آوروں کو مدینہ میں در آنے کے لیے راستہ دے رہے تھے۔ اگر یہ کامیاب ہو جاتے تو اس وقت مدینہ میں مسلمانوں کی پود بھی دکھائی نہ دیتی۔ ایک ایک مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا اور کسی کی لاش مثلہ کے بغیر نہ چھوڑی جاتی (جیسا کہ قریش نے احد میں کیا)۔

مقتل میں یہود کی حوصلہ مندی : جب حیی بن اخطب کو جلاد کے سپرد کیا گیا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف متوجہ ہوئے اور اس سے فرمایا : "اے حیی! کیا خدا تعالیٰ نے تجھے رسوا نہیں کیا؟"

جواب : موت سے کس کو رستگاری ہے۔ جس قدر میری عمر مقرر تھی مجھے مل چکی ہے۔ آج بھی مجھے آپ کے ساتھ دشمنی پر کوئی ملال نہیں" اور حیی بن اخطب[۱] نے دوسروں سے مخاطب ہو کر کہا "اے لوگو! خدا کے حکم سے گھبرانا مردانگی نہیں۔ ہم بنی اسرائیل کی یہ مصیبت بھی ہمارے نوشتوں میں تھی۔"

اسی طرح زبیر بن باطا قرظی کا معاملہ ہے۔ یوم بعاث میں ثابت بن قیس (بن شموس خزرجی :م:) کی جان بچائی تھی۔ آج ثابت نے حضرت سعد بن معاذ کا فیصلہ سن کر زبیر کے احسان کا بدلہ اتارنا چاہا تو ان کی سفارش پر رسول خدا نے زبیر کا خون معاف فرما دیا، مگر مجرم نے کہا "میں مرد مسن ہوں۔ اپنے اہل اور لڑکوں کے بغیر زندگی میں کیا لطف ہے؟" حضرت ثابت کی دوسری سفارش پر مجرم کے لڑکوں کا خون معاف کر دیا اور اس کی بیوی کو بھی آزادی دے دی گئی۔ اب زبیر نے کعب و ابن اخطب و عزال بن سموول اور دوسرے قرظی سرغناؤں کے متعلق دریافت کیا اور ان کا حشر معلوم ہونے پر مجرم نے کہا : "اے ثابت آج کے دن میں اپنے احسان کا یہ معاوضہ چاہتا ہوں کہ مجھے میری قوم کے پاس پہنچا دیجیے۔ بخدا! میں اپنے دوستوں سے ملاقات چاہتا ہوں اور اس درجہ بے تاب ہوں کہ اتنے صبر کی بھی تاب نہیں کہ جتنا عرصہ ڈول کنویں میں رہ سکتا ہے۔" بدنصیب مجرم کی یہ درخواست منظور ہی کرنا پڑی۔

اسی طرح ایک زن یہودیہ کی دلاوری کا واقعہ قابل ذکر ہے۔ معلوم ہے کہ مسلمان جنگوں میں عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرتے تھے۔ مگر آج کے دن انہیں اس یہودیہ کے خون میں ہاتھ رنگنا پڑے جس نے ایک مسلمان کے سر پر چکی کا پاٹ گرا کر اسے شہید کر دیا تھا۔ مجرمہ نے کس دلاوری سے جان دی! ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں:

---

[۱] اس بدنصیب کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔ ازاں جملہ یہ کہ مدینہ سے جلا وطنی کے موقعہ پر اس نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ آں حضرت صلعم کے خلاف کسی کی مدد نہ کرے گا (از بلاذری طبع یورپ، ص ۲۲، بحوالہ سیرۃ النبی ج :ص ۴۳۷) :م:

والله! میں اس عورت کو نہیں بھلا سکتی جو مقتل میں خوش و خرم آئی اور ہنستے ہوئے اپنی گردن جلاد کے آگے رکھ دی۔"

یہود میں چار حضرات نے مسلمان ہونے کی آمادگی ظاہر کی اور ان کا خون معاف کر دیا گیا۔

قتل بنوقریظه کی ذمه داری یہودیوں پر : یہود بنوقریظه کا قتل انہی کے برادر دینی سرغنۂ بنونضیر حیی بن اخطب کی گردن پر ہے جو خود بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کر دیا گیا۔ حیی نے پہلے وہ معاہده ختم کیا جو اس نے اپنی قوم (بنونضیر) کو ساتھ لے کر مدینه سے جلاوطن ہونے پر کیا تھا۔ اور جس (معاہده) کی بدولت بنونضیر میں سے ایک متنفس بھی رسول خدا کے حکم سے قتل نه کیا گیا۔ لیکن حیی بن اخطب نے عہد شکنی کی، قریش مکه کو ابھارا، بنوغطفان کو مسلمانوں کے خلاف آمادۂ پیکار کیا اور تمام عرب میں ایک طرف سے لے کر دوسری طرف تک محمد صلعم کے خلاف آگ لگا دی۔ حیی بن اخطب کی ان کوششوں سے مسلمان اور یہودیوں کی دشمنی کا پودا تناور درخت کی مانند چاروں طرف پھیل گیا۔ یہود کے دلوں کی حالت اس طرح کی ہو گئی جیسے حضرت محمد اور آپ کے رفقاء کو ملیا میٹ کرنے کے بغیر ان کا دم گھٹ رہا ہو۔ پھر تمام عرب کو مدینه پر ہشکا دینے کے بعد بنوقریظه نے عہد شکنی سے مسلمانوں کو ایسا چرکا دیا جس کی نظیر تمام عرب میں نه تھی۔

اگر بنوقریظه عہد شکنی نه کرتے تو ان سے تعرض کا سوال ہی نه تھا، مگر انہوں نے تو مسلمانوں پر ستم ہی برپا کرا دیا ہوتا۔ حیی بن اخطب کفار کو مدینه میں جمع کر لینے کے بعد بنوقریظه کے ہاں پہنچا اور انہیں بھی مسلمانوں کے ساتھ مقاتله کے لئے آماده کر لیا۔ یه بھی سہی لیکن جب رسول خدا بنوقریظه کے ہاں کفار کے لوٹ جانے کے بعد تشریف لائے تب بھی ان سے تعرض کا سوال نه تھا۔ اگر یه قلعه بند ہوکر مقاتله شروع نه کر دیتے اور یه لوگ اس موقعه پر خود کو رسول الله کے حضور پیش کر دیتے تو کوئی وجه نه تھی که ان کی گردنیں ماری جاتیں۔ لیکن رسول الله کے خلاف حیی بن اخطب کے خمیر میں جو دشمنی سمو دی گئی تھی اور یه دشمنی جو بنوقریظه تک متعدی ہو گئی تھی اس کی وجه سے ان کے حلیف (''سید المسلمین،،[1]) سعد بن معاذ کو بھی یقین ہو گیا که اگر آج یه زنده ره گئے تو کل دوباره قریش اور قبائل عرب کو مدینه پر ہشکا دیں گے۔ اور مسلمانوں کے زن و بچه کو ان کی وجه سے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اس لیے سعد کا یه فیصله جو بظاہر ناگوار سا نظر آتا ہے لیکن سعد کے نزدیک یہود کو زنده رکھنا مسلمانوں کی پوری نسل کی موت کا مترادف تھا۔

اموال بنوقریظه کی تقسیم : ان کے اموال خمس علیحده کرنے کے بعد غازیوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ ایک سوار کو تین حصے دیے گئے ایک اس کا حصه اور دو حصے اس کی سواری کے، مگر پیاده کو صرف ایک حصه۔ بنوقریظه پر چڑھائی کے موقعه پر صرف چھتیس سوار تھے۔

اسیران بنوقریظه کے لیے سعد بن زید انصاری کو حکم دیا گیا که انہیں نجد کی طرف لے جائیں۔ ان کی قیمت سے دشمنان اسلام کے حملوں کی مدافعت کے لیے گھوڑے اور آلات حرب خریدے گئے۔

---

[1] اصابه ابن حجر در تذکره سعد بن معاذ۔

بی بی ریحانہ : ان قیدیوں میں بی بی ریحانہ خمس میں آں حضرت صلعم کے حصہ میں آئیں - رسول خدا نے انھیں اسلام پیش فرمایا جسے انھوں نے نامنظور کر دیا - پھر نبی صلوات اللہ علیہ نے ان سے فرمایا ''تمھارے مسلمان ہونے پر میں تم سے عقد کر لوں گا -'' بی بی نے عرض کیا ''جناب کی تزویج میں رہنے کی بجائے کنیز کی مانند آپ کی خدمت کروں گی اور یہ طرفین کے حق میں زیادہ مناسب ہوگا -''

بی بی ریحانہ کا شادی سے انکار ان کی قومی عصبیت کی وجہ سے تھا - اسی وجہ سے وہ مسلمانوں اور ان کے نبی صلعم سے ناخوش رہیں اور ان (ریحانہ) کے حسن و جمال کی تعریف جناب زینب بنت جحش کے خدوخال کی طرح نہیں کی گئی - اگرچہ وہ اس نعمت سے بہرہ مند تھیں -

سیر نویس حضرات نے ان کے پردہ میں رہنے کے متعلق اختلاف کیا ہے لیکن وہ تا بہ زندگی رسول خدا ہی کے ہاں رہیں -

مدینہ سے کفار کی ناکام واپسی اور بنوقریظہ کے حشر سے مسلمانوں کو گونہ تسکین ہوگئی - منافقین مرعوب ہوگئے اور عرب کے گھر گھر میں مسلمانوں کی شوکت کے چرچے ہونے لگے مگر خاتم المرسلین کی رسالت کا منتہا صرف مدینہ ہی نہ تھا - آں حضرت اور آپ کے رفقا نے دنیا کے ہر گوشے میں کلمۂ اللہ کی تبلیغ اور اس مہم میں حائل ہونے والے بدسرشت لوگوں سے راستہ صاف کرنے کی کوشش جاری ہی رکھی -

۱۹

بنو قُریظہ کے استیصال سے لے کر صلحِ حُدیبیہ تک

صادق امین عبداللہ محمد ﷺ کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

ماحی جواد حاشر عادل بشیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی رحمت یتیم

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۱۹

بنو قریظہ کے استیصال سے لے کر صلح حدیبیہ تک

رسول خدا اور مسلمانوں کے لیے وقفۂ سکون : جیسا کہ اٹھارھویں فصل کے آخری سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ (مدینہ سے) لشکر کفار کی ہزیمت اور شہر میں بنوقریظہ کے استیصال سے خیر الرسل اور آپ کے رفقاء کو گونہ تسکین نصیب ہوئی اور دوسری طرف عرب کے گھر گھر میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

اس کے ساتھ ہی قریش اس غور و فکر میں ڈوب گئے کہ جناب محمدؐ اور آخر ایک دوسرے کے قرابت دار ہیں۔ اگر ان سے تنازع ترک کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے خصوصاً جب کہ ان کے رفقائے مہاجرین بھی ان کے ہی اکابر و سردار ہیں۔

بہر حال مسلمان یہود کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد پورے سکون وطمانیت کے ساتھ زندگی کا یہ وقفہ گذار رہے تھے۔ اسی طرح دشمنوں کے خوف سے یک سو اور زندگی کے کیف و کم سے بہرہ یاب ہوتے ہوئے چھ مہینے گذر گئے۔ رسول اللہ اپنے منصب کی عملی تائید میں مصروف ، یعني ازدیاد ایمان اور رسول کے ہر حکم کی تعمیل کا جذبہ بڑھانے کی استعداد میں منہمک تھے۔

اجتماعیت کی طرح نو : اس ششماہی میں رسول خدا اور مسلمان مل کر ایک ایسا اجتماعی نظام مربوط کرنے کی تگ و دو میں منہمک رہے جو آج سے پہلے عرب میں متشکل نہ ہوا تھا - اور اس دانشمند متمدن قوم کو اس نظام کی بے حد ضرورت تھی جو اسلام پر عمل پیرا ہوئی - اور اس کی قوت عمل اور مسائل دین ؤ معاشرت میں دن بدن اضافہ و ترقی ہوتی گئی - بنابریں اسلام کا یہ جدید نظام جسے ابھی ابتدائی خاکہ سے زیادہ اہمیت حاصل نہ تھی رسول خدا اور آپ کے رفقاء اس وقفہ میں اسے یہاں تک مکمل کرنے کی سعی میں تھے جو اپنے دور کے ایرانی، رومی، اور مصری نظام اجتماعی کو اپنے اندر لیتا ہوا بتدریج اس حد کمال تک جا پہنچے جس کے بعد یہ آیت نازل ہونے کا محل پیدا ہو جائے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت	آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین
علیکم نعمتي ورضیت لکم الاسلام	کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی
دیناً (۵ :۳) -	اور تمہارے لیے پسند کر لیا کہ دین اسلام ہو!

عرب کے شہروں کی قبل از اسلام تمدنی حالت : قبل از اسلام اس ملک کی بدویت یا تمدن کے متعلق جو رائے بھی سہی یہاں تک بھی جو کہا جاتا ہے کہ مکہ و مدینہ اور ملک کی دوسری بڑی بڑی بستیاں بدوؤں کے مقابلہ میں تمدن سے زیادہ بہرہ مند تھیں - لیکن نہ صرف قرآن مجید بلکہ دوسرے تاریخی آثار سے ثابت ہے کہ ان شہروں کے رہنے والے عورتوں اور مردوں کے جنسی میلانات تک کا طریق چارپایوں سے بہتر نہ تھا -

اس عہد میں مرد اور عورت کے ملاپ کا طریقہ : اس دور (قبل از اسلام) میں عورتیں جاہلیت کا بناؤ سنگھار کرتیں، زینت کے مقامات کے ابھار میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتیں اور قضائے حاجت کے لیے صحرا میں دور نکل جاتیں ۔ بعض ٹولیوں میں جاتیں بعض دو دو مل کر، اور کوئی تن تنہا، یہاں ان کے قدردان بھی پہنچ جاتے، نوجوان اور ادھیڑ عمر مرد دونوں قسمیں ۔ مرد و زن ایک دوسرے کے سامنے آمنے آنے کے وقت ہیجان انگیز حرکات اور جنسیت ابھارنے والے جملوں سے ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ۔

جیسا کہ ہند زوجہ ابوسفیان نے احد کے معرکۂ کارزار میں دکھایا جن کے ساتھ ان کی سہیلیوں کا پورا جھمگٹا تھا ۔ اٹھکیلیاں کرتی ہوئی مردوں کو اس قسم کے اشعار سے اپنی طرف راغب کرتیں۔

ان تقبلوا نعانق ونفرش النمارق
او تدبروا نفارق فراق غیر وامق

(آج اگر تم نے دل کھول کر مقاتلہ کیا تو کل تم ہماری آغوش میں ہوگے اور اگر دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگے تو ہم تم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گی۔)

عرب میں قبل از اسلام زنا پر کوئی پرسش نہ تھی : اس دور میں زنا پر کوئی پرسش نہ تھی۔ عشق و ہوس دونوں ان کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ ابوسفیان جیسے معزز سرغنہ کی بیگم ہند برملا دوسرے مردوں سے معاشقہ کرتی اور اس کے قبیلے کے لوگ دل میں میل نہ لاتے۔ (مکہ تک میں یہ دستور تھا کہ ایک ایک ماہ پارہ کے دسیوں باقاعدہ شوہر ہوتے: م:) ۔ اور جب ایسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو صرف نسب متعین کرنے کے لیے ان (شوہروں) میں جس سے اس بچے کا حلیہ ملتا مولود کو اس سے منسوب کر دیا جاتا ۔ ادھر ایسی عورت کے شوہر اپنے گھروں میں باقاعدہ بیویوں اور زرخرید کنیزوں کا جھمگٹ بھی رکھتے ۔ لطف یہ ہے کہ ان کی یہ بیویاں اور کنیزیں بھی ادھر ادھر مبتلا رہتیں ۔ جس کی شوہروں اور مالکوں کو بھی اطلاع ہوتی مگر وہ ان سے تعرض نہ کرتے ۔ یا یہ حالت کہ مرد اور عورت کے معاشقہ میں ایک دوسرے کے ہر عیب اور برائی کو چھپا رکھا ہے یا فریقین میں خصومت کے ساتھ ہی یہ نوبت آ جاتی کہ اپنی محبوبہ کی پردہ دری پر اتر آتے ۔ عرب سدا سے سقف آسمان کے سائے میں زندگی بسر کرنے والی قوم ہے ۔ بعینہ فکر معیشت کے لیے سرگردان ! خود ستائی اور دروغ بافی سے انہیں کبھی نفرت نہیں ہوئی ۔ صلح و آشتی اور جنگ و جدل دونوں حالتوں میں مبالغہ آرائی ان کی طینت میں مضمر ہے ۔ یا تو محبت کے زمانہ میں محبوبہ اور اس کی عصمت و عفت کے سراپا میں اسے تقدیس کی دیوی ثابت کر رہے ہیں یا خصومت کے عہد میں اسی پیکر عصمت کی عریانی اور بے حیائی کے دفتر اس طرح کھل جاتے ہیں جیسے برائی کے سوا اس میں خوبی ہے ہی نہیں ۔ اس کی صاف و شفاف گردن کا نقشہ اور اس کے بھرے ہوئے سینے کا خاکہ اس طرح لفظوں میں دکھایا جاتا ہے کہ شرم اپنا منہ نوچ لے ۔ اسی طرح کمر اور اس کا پیٹا جس کے بعد اس کی سرین کا پھیلاؤ (وما دون ذلك) الغرض بدن کا کوئی حصہ نہیں جس کی ہجو اور مذمت اٹھا رکھی جائے!

ان قصیدوں میں شاعر ایک عورت کو صرف عورت ہی فرض کرتا اور اس کی عزت و حرمت کا خیال کیے بغیر جو چاہتا کہتا۔

جو لوگ عرب کے تمدن پر فریفتہ ہیں، حتٰی کہ انہیں قدیم جاہلیت کے سر پر بھی تمدن کا تاج رکھنے میں باق نہیں۔ شاید ہمارے ان الفاظ کو مبالغہ پر محمول فرمائیں۔ ہمارے نزدیک ایسے حضرات معذور ہیں جو اس دور کے رسوم و کوائف کو آج کل کے انداز و نہج پر قیاس کرتے ہیں حالانکہ یہ قیاس بے محل ہے اور ہم یہ سمجھنے سے قاصرہیں کہ آج کل کا مطالعہ کرنے والا اس دور کے صحیح حالات کا اندازہ کر سکے، خصوصاً مرد اور عورت کے ان تعلقات کا جو ان کے باہمی روابط، ازدواج یا طلاق اور میاں بیوی کے دوسرے علائق مثلاً اولاد کے متعلق دونوں کا معاملہ ہے کہ اگر انہیں آج کے معیار پر پرکھا جائے تو یہ موازنہ و مقابلہ صدگونہ غلطی کا سبب ہوگا خصوصاً وہ عرب قبائل جن کی بود و باش کا ایک شمہ ہم ”ساتویں صدی مسیحی میں عرب کا تمدن“ کے ماتحت بیان کر چکے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور (ساتویں صدی) کی مسیحی قوموں کے ساتھ بھی ان کا موازنہ کیا جائے۔

اس دور میں عرب قبائل نیم وحشی زندگی بسر کرنے کے باوجود یورپ اور شام میں بسنے والی مسیحی قوموں سے بدرجہا بہتر حالت میں تھے (اس موازنہ میں چین و ہند کے تمدن سے ناواقف ہونے کی وجہ سے عرب کا موازنہ ان کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا)۔ لیکن شمالی اور مغربی یورپ میں آباد مسیحی قومیں اس دور میں تمدن و ترقی سے اس قدر دور تھیں کہ اگر انہیں محض وحشی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ساتویں صدی مسیحی میں روم کا تمدن : ساتویں صدی عیسوی میں روم کا تمدن یہ تھا کہ ایک طرف انہیں حامل شریعت ہونے کا غرا تھا۔ سیاسی غلبہ بھی حاصل تھا ایران بھی ان کے زیر نگین تھا۔ بایں ہمہ ان کے ہاں عورت کا شہری درجہ تو کجا بدوی عورت کے مساوی بھی نہ تھا۔

روم میں عورت کا مرتبہ باندی کے برابر : ساتویں صدی کے مسیحی رومیوں کے ہاں بیوی ایسی مملوکہ تھی جس کا استعمال اس کا شوہر ہر طریق سے کر سکتا تھا۔ وہ اسے قتل بھی کر دے تو مواخذہ سے بری تھا۔ شوہر کا اپنی بیگم کو کنیز کی حیثیت سے فروخت کر دینا تو کوئی بات ہی نہ تھی۔ خاوند کا یہ سلوک رومی شریعت کے منافی بھی نہ سمجھا جاتا۔ ایک ہی وقت میں وہ اپنے حقیقی باپ کی دختر بھی ہے اور اس کی باندی بھی۔ کل جب وہی قسمت کی ماری شوہر کے گھر میں آ گئی تو یہاں وہ بیگم بھی ہے اور کنیز بھی اور اب جو اس کی کوکھ سے جنا ہوا فرزند جوان ہوا تو شوہر کو اختیار ہے کہ صاحبزادہ کی حقیقی ماں کو اس کے فرزند کی باندی بنا دے۔ گویا عورت ذات ایک ایسی جنس بے مایہ ہے کہ بیگم اور ماں بننے کے باوجود کنیز بھی ہے اور کنیز بھی خدمت گار ہی نہیں بلکہ قابل فروخت، بمثل مویشی و دیگر اشیائے فروختنی۔

عورت ذریعہ ہے — : اور وہ کسی حال میں سہی مردوں کی جنسیت کو متہیج کرنے کا آلہ تو ضرورہی ہے۔ پھر وہ اپنی عفت و عصمت کی خود مالکہ بھی نہیں۔ عورت صدیوں تک اس بے اعتباری کا شکار رہی کہ اس کا شوہر یا مالک اگر سفر میں جاتا

تو احتمال زنا سے بچنے کے لیے عورت کو غلاف عصمت پہننا پڑتا جو (اس کی) کمر سے لے کر دونوں پیروں کو جکڑے رکھتا اور جب شوہر یا مالک سفر سے لوٹتا تو اس کے یہ بند کھولتا ۔ یہ اس دور کا حال ہے جب جزیرۂ عرب میں عورت آج سے کہیں بہتر حالت میں زندگی بسر کر رہی تھی اور اس وقت بھی جب روم میں قائم شدہ مسیحیت کے بانی حضرت عیسیٰ نے مریم مجدلیہ کو رجم کرنے کی تجویز پر فرمایا کہ ’’جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کے پتھر مارے[1]۔‘‘

مسیحی یورپ میں عورت کی درگت: اس زمانہ میں یورپ کے بت پرستوں اور پرستاران عیسویت میں عورتوں کے ساتھ بد سلوکی کرنے میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ حوا کی بیٹی کو یا تو شہوت رانی کا ذریعہ سمجھا جاتا یا خدمت گار یا کنیز ۔ اس سے زیادہ عجیب تر یہ امر ہے کہ اس دور کے مسیحی علماء میں عورت کے متعلق اس پر بحث ہونے لگی کہ ’’ اس میں انسانی روح ہے بھی یا نہیں ؟ اور مردوں کی طرح عورت کا حساب و کتاب بھی ہوگا ؟‘‘ کیا وہ ایسا حیوان تھی جس میں انسان کی سی روح نہ ہو اور عند اللہ وہ سزا و جزا سے بے بہرہ ہو؟

حضرت محمد اور اجتماعی اصلاح و تجدید : اسی عورت کے متعلق جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی خداوندی کی امداد سے یہ سمجھا کہ اجتماعیت کے فروغ و ارتقاء کے لیے مرد و عورت دونوں کا دوش بدوش رہنا ضروری ہے کیونکہ دونوں ایک ہی جسم کے دو ایسے حصے ہیں جو باہم مودت و رحمت کے رشتہ میں منسلک ہوں۔ آں حضرت کو وحی الٰہی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یوں تو دونوں کے ایک دوسرے پر مساوی حقوق ہیں لیکن بعض صورتوں میں عورت کے حقوق مرد کے ذمہ اور زیادہ ہیں۔ لیکن مرد و زن دونوں کو بیک وقت ایک مقام بخش دینا آسان نہ تھا۔ صدیوں کے مزمن امراض کا ازالہ بتدریج ممکن ہے ، ہرچند عرب کا قرآن اور رسول خدا پر قوی ایمان تھا جو تدریجاً قوی تر ہوتا گیا اور مددگاران اسلام کی تعداد بڑھتی گئی[2]۔

قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول جناب محمد کے وسیلہ سے جو اجتماعی اصلاحات فرض کیں وہ رفتہ رفتہ حد کمال تک پہنچیں۔ عبادات میں نماز ، روزہ ، زکوۃ ، حج اور محرمات (حرام شدہ امور) میں شراب و جوا اور خنزیر وغیرہ ہر دو قسموں میں تدریجاً شدت پیدا کی گئی۔

آں حضرت صلعم نے مرد و زن کے تعلقات میں اسی انداز سے اصلاح فرمائی جس حد تک رسالت مآب کا اپنے حرم کے ساتھ سلوک تھا اور جو مسلمانوں کے مشاہدہ میں بھی آتا رہتا تھا کیونکہ آیت حجاب غزوہ خندق (در ماہ شوال ۵ ھ کے) بعد نازل ہوئی۔ اسی طرح ایک شوہر کے لیے چار بیویوں کی تحدید بشرطِ عدل و انصاف غزوۂ خیبر کے ایک سال بعد معین کی گئی۔ قابل غور یہ ہے کہ رسول خدا نے زن و شوہر کے تعلقات

---

[1] ’’فقیہ اور فریسی ایک ایسی عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے بیچ میں کھڑا کرکے یسوع سے کہا ’اے استاد یہ عورت زنا میں فعل کے وقت پکڑی گئی ہے، تو اس نے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ ’جو تم میں سے بے گناہ ہو وہی پہلے اس کے پتھر مارے‘‘ (انجیل ، یوحنا باب ۸ آیت ۱ تا ۱۱) :م-

میں اس استواری کا لحاظ رکھا جو تمہید تھی آنے والے قرآنی حکم کی، جس میں مرد اور عورت دونوں کے ایک دوسرے پر مساوی حقوق عائد کر دیے گئے بلکہ دونوں میں طبعی تفاوت کے ہوتے ہوئے مردوں پر کچھ اور زیادہ ۔

اسلام کے ابتدائی عہد میں بھی زن و مرد کے ظاہری میل جول میں جاہلیت ہی کے طور طریقے جاری تھے جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان ہوا عورتیں جاہلیت کا بناؤ سنگھار کر کے گھروں سے نکلتیں۔ یہ زیب و زینت مردوں کے لیے بے پناہ کشش کا باعث تھی اور دونوں کے ایسے چال چلن کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ مرد و زن کے باہمی تعلقات میں شرف انسانی اور روحانی اشتراک کا وجود کبریت احمر سے کم نہ تھا ۔

عورتوں کی بے حجابی اس پر بناؤ سنگھار کے مہمیز پر مدینہ ہی کا ایک واقعہ لکھا جا چکا ہے۔

(معلوم ہے کہ) مدینہ میں رہنے والے یہود اور منافقین نے حضرت محمد اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کرنے میں کوئی کمی نہ رہنے دی یہاں تک کہ دونوں گروہوں نے مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کرنے میں بھی تامل نہ کیا جس پر تنگ آ کر مسلمانوں نے (مدینہ کے یہود) بنوقینقاع پر بزن بول دیا اور ان کے قلعہ بند ہو جانے کے بعد انہیں خارج البلد کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ عورتوں کی بے حجابی ہی سے تو یہ نوبت آئی ۔ کاش! مسلمان بی بیاں جاہلیت کے سنگھار سے اجتناب کرتیں تو نہ ان کی طرف مردوں کا میلان ہوتا نہ ان کی توہین ہونے پاتی اور نہ یہ مشکلات رونما ہوتیں ۔

آیۂ حجاب : آخر اسلام نے مرد و زن کے درمیان مساوات حقوق کی بنیاد رکھ دی باوجودیکہ خود مسلمانوں کی قوت فکر کا اس طرف میلان نہ تھا ۔

والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتاناً و اثماً مبینا ۔	اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بے اس کے کہ انھوں نے قصور کیا ہو ناحق کی تہمت لگا کر ایذا دیتے ہیں تو وہ (جھوٹ) طوفان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر لیتے ہیں ۔
یاایها النبی قل لازواجك وبناتك ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن ذٰلك ادنی ان یعرفن فلا یؤذین وكان الله غفور رحیما ۔	اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہ دو کہ اپنی چادروں کے گھونگٹ نکال لیا کریں ۔ اس سے غالباً یہ (الگ) پہچان پڑیں گی (کہ نیک بخت ہیں) اور کوئی چھیڑے گا نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔
لئن لم ینته المنافقون والذین فی قلوبهم مرض والمرجفون فی المدینه لنغرینك بهم ثم لا یجاورونك فیها الا قلیلا ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا ۔	منافق اور وہ لوگ جن کی نیتیں بد ہیں اور جو لوگ مدینے میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں پھیلایا کرتے ہیں) اگر اپنی حرکات سے باز نہ آئیں گے تو اے پیغمبر ہم تم (ہی) کو ایک نہ ایک دن ان پر اکسا دیں گے۔ پھر (یہ لوگ) مدینے میں

تو تمہارے پڑوس میں تو ٹھہرنے کے نہیں مگر چند روز (عارضی طور پر) ان کا یہ حال ہوگا کہ (ہر طرف سے پھٹکارے ہوئے) جہاں ملے پکڑا اور مارے ٹکڑے اڑا دیے۔

سنہ" اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنہ" اللہ تبدیلا (۳۳ : ۵۸ تا ۶۲)۔

اور جو لوگ پہلے ہو گذرے ہیں ان میں (بھی) خدا کا (یہی) دستور رہا ہے (اور اے پیغمبر!) تم خدا کے دستور میں ہرگز (کسی طرح کا) رد و بدل نہ پاؤ گے۔

مسلمانوں نے اسی تمہید (آیات متذکرۃ الصدر) کی بناء پر جاہلیت کی ان رسوم کو پیروں تلے روند دیا جو عورتوں کے عریاں نکھار اور بے حجابی کا آلہ تھیں۔ یہ رسول اللہ کی اس منشاء کے مطابق تھا جس کی بناء پر آں حضرت معاشرہ کو آلائشوں سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے زنا کو سنگین جرم قرار دے کر مسلمانوں کو متوجہ کیا کہ عورتوں کو غیر محرم مردوں کے سامنے بن سنور کر نہ آنا چاہیے جیسا ' کہ۔

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلك ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمؤمنت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او ابائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن اور اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نسائھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربہ من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللہ جمیعاً ایھا المومنون لعلکم تفلحون (۲۴ : ۳۰-۳۱)۔

(اے پیغمبر!) مسلمانوں سے کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اس میں ان کی زیادہ صفائی ہے۔ (لوگ) جو جو کچھ بھی کیا کرتے ہیں اللہ کو (سب) خبر ہے۔ اور (اے پیغمبر!) مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں سے (چار و ناچار) کھلا رہتا ہے تو اس کا ظاہر ہوتے رہنا مضائقے کی بات نہیں اور اپنے سینوں پر دوپٹوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (یعنی اپنے میل جول کی) عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈی غلاموں) پر یا (گھر کے لگے ہوئے ایسے) خدمتیوں پر کہ مرد (تو) ہیں مگر عورتوں سے کچھ غرض و مطلب نہیں رکھتے (جیسے خواجہ سرا یا بڈھے پھوس) یا لڑکوں پر جو عورتوں کے پردے (کی بات) سے آگاہ نہیں اور (چلنے میں) اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ (لوگوں کو) ان کے اندرونی زیور کی خبر ہو اور مسلمانو! تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم (آخر کار) فلاح پاؤ۔

عادات میں توارث : اسلام نے اس طریق سے مرد و زن کے باھمی روابط کی اصلاح فرمائی اور دونوں کو فتنہ و شرارت کے موقعوں سے بچانے کے لیے ایک دوسرے سے دور رکھنے کی ھدایات فرمائیں۔ لیکن فتنہ و فساد کے سوا دوسرے مواقع سے دونوں کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کی کوئی ھدایت نہ کی کیونکہ دونوں کا درجہ برابر ھے۔ دونوں ایک خدا کے بندے ھیں اور دونوں نیک کاموں میں ایک دوسرے کے معاون، اگر ان میں کوئی ایک جنسی میلان پر گام زن ھو تو اسے خدا کے حضور اپنی معصیت میں رجوع کرنا چاھیے جو توبہ قبول کرنے میں پس و پیش نہیں فرماتا۔

لیکن عرب کے باشندے جو صدیوں سے برے رسومات کے عادی ھو چکے تھے ایسی تعلیم اتنی کم مدت میں ان کے اندر اس قسم کا انقلاب پیدا نہ کر سکتی تھی جس قسم کا تغیر ان کے عقیدہ میں ایمان باللہ اور ترک شرک کی صورت میں رونما ھوا، جو طبعی بھی ھے۔ جس طرح مادہ تدریج کے بغیر ارتقاء کی حدیں طے نہیں کر سکتا یعنی منزل بہ منزل۔ گویا مادہ ترقی کرنے میں ایک قانون کا پابند ھے۔ اسی طرح انسانی زندگی بھی انقلاب کے لیے قانون ارتقاء ھی میں مقید ھے۔ جب انسان میں عادات متوارثہ اس حد تک جاگزیں ھو جائیں کہ اس کی زندگی کو اپنی جولان گاہ بنا لیں تو اسے ان (عادات) سے نجات حاصل کرنے کے لئے آھستہ قدم اٹھانے کی ضرورت ھے پھر جونہی طبیعت ان کے دباؤ سے ھلکی ھونا شروع ھو انسان کو اپنے عواطف میں تبدیلی پیدا کرنے میں تامل نہ کرنا چاھیے۔

انسانی مزاج میں یہ ملکہ موج زن ھے کہ (وہ) اپنے گرد و پیش کے تغیرات کے مطابق اپنی زندگی کے قالب کو متغیر کر سکے جیسا کہ اسلام نے مسلمانوں کے اندر توحید، ایمان برسالت اور یوم آخرت کے بارے میں تلقین کی (جسے مسلمانوں نے تسلیم کر لیا۔ بایں ھمہ بعض ایسے رسوم جو ان کی زندگی کا جزو لازم بن چکے تھے اسلام کے آنے کے بعد بھی وہ ان (رسوم) سے کچھ عرصہ نجات حاصل نہ کر سکے جس کی بناء پر کہا جا سکتا ھے کہ اس عہد تک ان (مسلمانوں) کے اندر قبل از اسلام کی زندگی میں نمایاں فرق نہ آنے پایا اور یہ ان کی صحرائی زندگی کے اثرات تھے کہ جب صحرا میں قدم اٹھایا تو اگرچہ چلتے چلتے تھک گئے مگر رکے نہیں۔ ان کی یہی رغبت عورتوں کے معاملہ میں تھی کہ صدیوں سے ان کے ساتھ بے تکلفانہ میل ملاپ اور نشست و برخاست میں خوگر ھونے کی وجہ سے یک دم تجنب پر مائل نہ ھو سکتے تھے۔

تاھم اسلام نے عورتوں کے ساتھ روابط میں ان کے رجحانات میں کسی حد تک اصلاح کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی لیکن اس بارے میں ان (عربوں) کے بعض رجحانات ابھی پہلے ھی کی طرح قائم تھے۔ بسا اوقات ایک مسلمان رسول اللہ کے در دولت پر حاضر ھوتا (آیۂ حجاب کے نازل ھونے سے قبل)۔ آنے والا آں حضرت صلعم اور امہات المؤمنین کے قریب بیٹھا ھوا گرم گفتار کیا کرتا۔ حالانکہ (پردہ سے قطع نظر) نبی صلعم کے مشاغل نبوت پر طول مجلس سے اثر پڑتا جس کی وجہ سے رسول پاک مہمات امور پر یک سوئی سے متوجہ نہ ھو سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرما لیا کہ اپنے رسول کو اس قسم کے ادنیٰ مشاغل سے یک سو کر دیا جائے اور یہ آیت نازل فرمائی :

مومنین کے لیے دربارہ امہات الامہ ہدایت خداوندی :

یایها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام غیر نظرین انه ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستأنسین لحدیث ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحی منکم والله لا یستحی من الحق واذا سالتموهن متاعاً فسئلوهن من ورآء حجاب ذلکم اطهر لقلوبکم وقلوبهن وما کان لکم ان تؤذوا رسول الله ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابدا ۔ ان ذلکم کان عند الله عظیماً (۳۳: ۵۳) ۔

مسلمانو! پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ تم کو کھانے کے لیے (آنے کی) اجازت دی جائے (تو اس صورت میں ایسا وقت تاک کر جاؤ) کہ تم کو کھانے کے تیار ہونے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ مگر جب تم کو بلایا جائے تو عین وقت پر جاؤ اور جب کھاچکو تو اپنے اپنے گھر کو چل دو، اور باتوں میں نہ لگ جاؤ اس سے پیغمبر کو ایذا ہوتی ہے اور وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تو حق بات کے کہنے میں کسی کا کچھ لحاظ کرتا نہیں اور کہ پیغمبر کی بی بیوں سے تمہیں کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے باہر (کھڑے رہ کر) ان سے مانگو۔ اس سے تمہارے دل، (ان کی طرف سے) خوب پاک (صاف) رہیں گے اور اس طرح ان کے دل (بھی)۔ اور تم کو کسی طرح شایاں نہیں کہ رسول خدا کو ایذا دو اور نہ یہ (بات شایاں ہے) کہ ان کے بعد کبھی ان کی بی بیوں سے نکاح کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بڑی (بے جا) بات ہے۔

اور جس طرح آیہ : ۳۳: ۵۳ : سورۂ احزاب امہات المؤمنین کے احترام حقوق پر ارشاد فرمائی اسی طرح مومنین کے حقوق کی پاسداری کے لیے امہات الامہ کی اطلاع کے لیے یہ دو آیتیں نازل فرمائیں :

۱- یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولاً معروفاً ۔

۱- اور اے پیغمبر کی بی بیو! تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں (پس) اگر تم کو پرہیزگاری مقصود ہے تو دبی زبان سے (کسی کے ساتھ) بات نہ کیا کرو کہ ایسا کروگی تو جس کے دل میں کسی طرح کا کھوٹ ہے وہ خدا جانے تم سے کس طرح کی توقعات پیدا کر لے گا اور بات بھی کرو تو بے لاگ لپٹ جیسا کہ پاک لوگوں کا دستور ہے۔

۲- وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ واقمن الصلوة وآتین الزکوة و اطعن الله و رسوله انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیراً (۳۳ : ۳۲ - ۳۳)

۲- اور اپنے گھروں میں جمی (بیٹھی) رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت کے (سے) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو اور نماز پڑھو اور زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ (اے پیغمبر کے گھر والو!) خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) گندگی کو دور کرنے اور تم کو ایسا پاک صاف بنائے جیسے پاک صاف بنانے کا حق ہے۔

اسلام نے فروغ انسانی کے لیے جس نظام جدید کی طرح ڈالی زن و مرد کے جنسی میلانات میں یہ اصلاح اسی کی تمہید ہے۔ مدنظر یہ تھا کہ طرفین (مرد و زن) کی جو توجہ جنسیات کے دائرہ میں محصور ہے اسے ہر دو کے لوح قلب سے اس طرح مندمل کر دیا جائے کہ وہ اس کشش کو قدرت کے دوسرے مناظر و کوائف سے زیادہ نہ سمجھیں۔ یہ ایسا طریقہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر معاشرہ اصل راہ کا نشان معلوم کر سکتا ہے اور زندگی کے مادی ثمرات سے حظ اندوز ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس منزل پر پہنچ کر بھی انسان کو اپنا وقار برقرار رکھنے کے لیے جنسی میلانات کا مقابلہ کرنا ہی پڑتا ہے۔

الغرض انسان اپنے کمال مراتب کی وجہ سے کائنات کے ساتھ زراعت و صنعت اور گرد و پیش کے دوسرے فنون سے بہرہ اندوز ہو کر ایسا علو حاصل کر لیتا ہے جس کے صدقے نیک محضر انسانوں بلکہ ملائکۂ مقربین کے حلقہ میں شامل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ صناعت و زراعت اور دوسرے علمی و عملی مشاغل کے ساتھ نماز بھی ادا کرتا ہے، روزہ بھی رکھتا ہے، زکوۃ بھی نکالتا ہے۔ اسی قسم کے تمام حقوق خداوندی کی ادائیگی اس کے لیے سہل ہو جاتی ہے جس کے ثمرہ میں وہ از خود زنا اور اس کے مبادی سے تنفر کرنے لگتا ہے۔ بے حیائی اور سرکشی کے ارتکاب سے اس کا مزاج نے اختیار انکار پر مائل اور اپنے قلب اور نفس کو غیر اللہ کی محبت سے پاک کر لیتا ہے جس سے ایسے پاک طینت انسان ایک طرف مومنین کے رشتۂ مودت میں منسلک ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف انسانیت اور کائنات کے درمیان وجہ تعلق ثابت ہونے لگتے ہیں۔

اس وقفہ میں اجتماعیت کی تشکیل تدریجاً جاری تھی جو اس عالم گیر انقلاب کی تمہید تھی جس کا مکمل خاکہ انسان کی رفاہیت اور بہبود کے لیے اسلام کے سامنے تھا۔ اس وقفہ میں قریش اور قبائل دونوں وقت کے انتظار میں چشم براہ تھے کہ جس طرح ہو سکے جلد از جلد جناب محمد کے اثرات کو ختم کیا جائے۔ ادھر رسول خدا ان دشمنان توحید کے دوبارہ ہجوم کر کے مدینہ میں در آنے کے خطرہ سے لرزاں اور ایسے موقعہ کی تیاری میں منہمک جس میں کفار کے قلب و جگر پر تاک کر نشانہ لگایا جا سکے۔

غزوۂ بنولحیان : عادت شریف یہ تھی کہ جس سمت کا ارادہ ہوتا اعلان سے اجتناب فرماتے کہ مبادا دشمن پیش بندی کر لے۔ مدینہ سے کوچ کے موقعہ پر آپ نے شام کا ارادہ ظاہر فرمایا تاکہ دشمن پر بے خبری میں حملہ کیا جائے۔

مقصد یہ تھا کہ دو سال قبل بنولحیان نے از رہ فریب حضرت خبیب بن عدی کو اسیر اور ان کے رفقاء کو رجیع میں قتل کر دیا تھا۔ ان سے اپنے مقتولوں کا قصاص لیا جائے اور آں حضرت نے بظاہر شام (جو مدینہ سے شمال مغرب کی سمت واقع ہے) کی طرف جانے کا قصد فرمایا تاکہ غیروں پر منکشف نہ ہو۔ جمعیت ساتھ لے کر شام کی راہ پر گام زن ہوئے اور جب اطمینان ہو گیا کہ قریش اور ان کے ہوا خواہوں پر (آپ کا) اصل مقصد ظاہر نہیں ہوسکا سفر کا رخ مکہ کی جانب (جنوبا) پھیر لیا اور رفتار تیز کر لی یہاں تک کہ قبیلۂ بنولحیان کی اس وادی میں آ پہنچے جو غران کے نام سے مشہور ہے لیکن آں حضرت نے جس منزل پر اپنا رخ شمال سے پھیر کر جنوب کی سمت کر لیا تھا۔ بنولحیان میں سے کسی نے دیکھ لیا اور وہ لوگ فوراً اپنے مویشی اور سامان لے کر پہاڑ میں جا چھپے جس سے حملہ ناکام ہوگیا۔ رسول اللہ نے ان کے

تعاقب میں ابوبکر کو دو سو سواروں کے همراه عسفان تک بهیجا مگر ان کا کهیں کهوج نه ملا ۔ اس کے بعد مراجعت فرمائے مدینه هوئے۔ گرمی اس بلا کی تهی جیسے سورج سوا نیزے پر اتر آیا هو ۔ مدینه میں داخل هونے کے موقعه پر زبان مبارک سے یه کلمات سنائی دے رهے تهے :

آئبون تائبون لربنا حامدون اعوذ بالله من وعثاء السفر و کابة" المنقلب وسو المنظر فی الاهل والمال	هم سب اپنے رب کی حمد کرتے هوئے واپس آگئے ، میں سفر کی مصیبت واپسی کی زحمت اور خاندان اور مال کو بری حالت میں دیکهنے سے الله کی پناه مانگتا هوں ۔

غزوه ذی قرد ؛ رسول الله کی غزوه بنولحیان سے واپسی کے چند روز بعد عیینه بن حصن الفزاری نے مدینه کی چراگاه پر ڈاکه ڈالا ۔ رسول خدا کے چرواهے کو قتل کر دیا اور مقتول کی بیوی[۱] کو اونٹوں کے ریوڑ سمیت اسیر کر کے واپس هونے کو تها که جناب سلمه بن عمرو بن الاکوع نے دیکھ لیا ۔ ڈاکو بهاگ رهے تهے اور سلمه ان پر تیر برسا رهے تهے جب (مدینه کے پہاڑ) سلع پر سے گذرے تو یهاں پهنچ کر سلمه نے مسلمانوں کی دوهائی مچا دی اور خود بهی ان کا تعاقب نه چهوڑا ڈاکو بهاگتے رهے اور سلمه ان پر تیر برساتے رهے ۔ ادهر شهر کی طرف منه کر کے آوازیں دیا کیے یهاں تک که رسول الله نے سن لیا اور شهر میں فوراً منادی کرا دی جس کے سنتے هی چاروں طرف سے مسلمان سمٹ کر آگئے ۔ هر شخص مسلح تها ۔ رسول خدا مسلمانوں کو اپنی کمان میں لے کر ڈاکوؤں کے تعاقب میں آگے بڑهتے هوئے ذی قرد نامی پہاڑ پر جا پهنچے ۔ ادهر غارت گر عیینه اپنے گروه کو سمیٹ کر تیز رفتاری کے ساتھ بهاگ رها تها که جس طرح هو سکے قبیله بنوغطفان میں پهنچ کر مسلمانوں کی گرفت سے بچ جائیں، مگر مسلمان دلاوروں نے اس کے دسته کے آخری حصه کے اونٹوں پر قبضه کر لیا ۔ اتنے میں رسول الله بهی آپهنچے ۔ ذرا دیر بعد وه مسلمان بی بی تشریف لے آئیں جنهیں ڈاکو گرفتار کر کے لے گئے تهے ۔

ان مسلمانوں نے رسول الله سے درخواست کی که ڈاکوؤں کا تعاقب کیا جائے لیکن آں حضرت نے فرمایا اب وه بنوغطفان میں پهنچ چکے هوں گے اس لیے تعاقب مناسب نهیں اور مسلمان مدینه واپس تشریف لے آئے ۔

مسلمان اسیر بی بی نے منت مان رکهی تهی که اگر یه ناقه (جس پر وه سوار هو کر مدینه آئی) اسے صحیح سلامت مدینه لے پهنچی تو الله کی راه میں اس کی قربانی پیش کر دیں گی ۔ اس نذر کی اطلاع رسول خدا کو هوئی تو آپ نے ایسی قربانی سے ان الفاظ میں منع فرمایا :

بئس ماجزیتها ان حملک الله علیها ونجاک بها ثم تنحرینها انه لا نذرفی معصیة" الله ولا فیا لا تملکین۔	اتنا برا بدلا! الله نے اس ناقه کے ذریعه دشمنوں سے نجات دلوائی اور اسے ذبح کرنے پر تیار هوگئیں ۔ یه الله کی بے فرمانی هے ایسی نذر کوئی معنی نهیں رکهتی نه وه شے نذر کی جا سکتی هے جو اپنی ملکیت نه هو (که اونٹنی تو مسلمانوں کی ملکیت تهی) ۔

---

[۱] - (یه بی بی حارس کی اهلیه تهیں)

غزوہ بنی المصطلق (یا مریسیع): تقریباً دو ماہ قیام کے بعد غزوۂ بنی المصطلق (مقام مریسیع میں) پیش آیا۔ یہ (غزوہ) ہر اس اہل قلم کی توجہ کا مستحق ہے جو رسول عربی کی سیرت نویسی کا آغاز کرے - نفس معرکہ یا مسلمانوں کی صعوبت و محنت کی وجہ سے نہیں، اس لیے کہ:

الف: مسلمانوں میں ناکردنی خلفشار پیدا ہوگیا جس سے خطرہ تھا آئندہ کے لیے برے نتائج کا، مگر رسول اللہ کے حسن تدبیر نے اسے خوش اسلوبی سے سلجھا دیا۔

ب: اور اس لیے کہ رسول خدا نے جناب جویریہ بنت حارث کو نکاح کی عزت بخشی (جس کے نتائج حیرت انگیز رونما ہوئے)۔

ج: اور اسی غزوہ کے دوران میں ام المومنین عائشہ صدیقہ پر ناگفتنی افترا تراشا گیا۔ حضرت صدیقہ کا سن سولہ سے متجاوز نہ تھا اور یہ وہ سن تھا جس میں بھرپور جوانی کے پہلو بہ پہلو ایمان کی فراوانیاں بھی شباب پر تھیں - لہٰذا کسی کو جرأت نہ تھی کہ صورت و سیرت کے اس پیکر جلال کے سامنے لب کشائی کر سکے -

واقعات ایں غزوہ: اطلاع عرض ہوئی کہ قبیلۂ خزاعہ کی شاخ بنومصطلق نے مکہ سے ادھر فوجیں جمع کر لی ہیں۔ ان کا سردار حارث بن ابوضرار ہے جس نے لشکریوں کو رسول خدا کے قتل پر اکسا رکھا ہے۔ رسول اللہ نے یہ راز ایک بدو [بریدہ بن حصیب اسلمی (زاد المعاد :م:] سے معلوم کیے - آں حضرت عجلت کے ساتھ نکلے تاکہ دشمن پر اس کی غفلت میں حملہ کیا جائے۔ جیسا کہ عام معمول تھا لشکر میں مہاجرین کا علم ابوبکر اور انصار کا جھنڈا سعد بن عبادہ کو دیا اور بنومصطلق کے اس تالاب پر اترے جو مریسیع کے نام سے مشہور ہے۔ اور ذرا دیر بعد دشمنوں کو گھیرے میں لے لیا۔ اس موقعہ پر وہ لوگ بھاگ نکلے جو ادھر ادھر سے ان کے ساتھ مل گئے تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے دشمنوں کے دس، آدمی قتل ہوئے - اور ایک مسلمان ہشام بن صبابہ (نام) ایک انصاری (مسلمان) کے ہاتھ سے شبہ میں شہید ہوئے۔ قبیلۂ بنومصطلق کے محصورین دیر تک تیروں سے مقابلہ کرتے رہے مگر جب اپنے سے قوی دشمن سے مفر نہ دیکھا تو خود کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ ان کے زن و مرد بچے، اونٹ اور مویشی تمام سامان مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔

حادثہ مابین المسلمین: (جیسا کہ الف میں اشارہ کیا گیا ہے کہ) عمر بن الخطاب کے ہمراہ ان کا ایک سائیس بھی تھا وہ معرکہ ختم ہو جانے کے بعد گھاٹ پر پانی بھرنے کے لئے گیا تو ایک انصاری سے مناقشہ ہوگیا۔ (یہ) انصاری قبیلہ خزرج سے تھا۔ دونوں میں ہاتھا پائی ہونے لگی۔ تب سائیس نے مہاجرین اور انصار نے خزرج کی دوہائی پکاری (اور فریقین جمع ہو گئے :م:) -

مدینہ کا بدنام منافق عبد اللہ بن ابی جو اس غزوہ میں غنیمت کے طمع سے شریک ہوا تھا ہمراہ ہی تھا۔ اس کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے جس قدر کینہ بھرا ہوا تھا سب اگل دیا: "مہاجر ہمارے شہر میں امڈ کر آ گئے ہیں۔ ہمیں ان کے استیصال میں

اناؤں کے اس مقولہ پر عمل کرنا ہی پڑے گا کہ "اگر اپنے سگ کو فربہ کر دیا تو لے اپنے مالک ہی کا گلا دبوچیے گا"[1] اور قسم کھا کر بولا کہ

'لئن رجعنا الی المدینہ لیخرجن "اگر ہم پھر مدینہ لوٹ کر پہنچے تو عزت والا
لاعز منہ الاذل۔" ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے تو سہی۔"

اور انہی الفاظ میں آیہ ۶۳ : ۸ نازل ہوئی)

اس (ابن سلول) نے اپنے ہم مشربوں سے یہ بھی کہا: "تم نے یہ مصیبت خود ول لی انہیں اپنے ہاں پناہ دی اور اپنے اموال میں سے ان کی اعانت کی! بخدا! جو لوگ رسول خدا کے پاس آ کر جمع ہوئے ہیں اپنا پیسہ ان پر خرچ نہ کرو کہ عاجز آ کر) آخر کو (آپ ہی) تتر بتر ہو جائیں گے" (بمعنی آیہ ۶۳ : ۷ : یعنی ہم الذین یقولون لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا)۔

رسول خدا کی مآل اندیشی : سرغنہ منافقین۔ (ابن ابی) کی بدگوئی پر جب آں حضرت کو اطلاع ہوئی اس وقت حضرت عمر بھی موجود تھے۔ انہوں نے از رہ غیرت عرض کیا 'یا رسول اللہ! اس بے ایمان کے قتل کا حکم بلال کو دیجیے!" مگر خاتم المرسلین نے س موقعہ پر اپنی متانت و حکمت اور مآل اندیشی کے مطابق فرمایا "اے عمر! اگر یسا کیا گیا تو دنیا کہے گی "محمد نے اپنے ہمراہیوں کے قتل کرانے میں باک ہیں کیا۔"

اس وقت آں حضرت کے پیش نظر تھا کہ اگر فوری توجہ نہ کی گئی تو مبادا ابن ابی کا پیدا کردہ فتنہ کوئی اور رنگ لے آئے۔ آپ نے کوچ کی منادی کرا دی حالانکہ موسم کے لحاظ سے یہ وقت سفر کے لیے موزوں نہ تھا۔ اسی لمحہ میں ابن ابی منافق) باریاب ہوا اور حسب عادت اپنے قول پر قسمیں کھانے لگا۔ مگر رسول خدا نے لتوائے سفر پر توجہ نہ فرمائی۔ کوچ کے روز لشکر دن بھر چلتا رہا اور شب کو بھی پڑاؤ نہ ہونے پایا۔ دوسرے دن ظہر تک سفر جاری رہا۔ تب آ کر پڑاؤ کیا تو بدن زمین سے مس ہوتے ہی نیند میں ڈوب گئے۔ آنکھ کھلی تو ابن ابی کا طعنہ دماغوں سے نکل چکا تھا۔ یہ تھی رسول اللہ کی مصلحت۔ اور جب مدینہ میں داخل ہوئے تو بنومصطلق کے اسیروں اور اموال و مویشی سے لدے پھندے قیدیوں میں دشمن کے سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحب زادی جویریہ بھی تھیں (جن کے ذکر خیر اور برکت کا تذکرہ آگے منقول ہو)۔

ابن ابی بھی مدینہ آ پہنچا۔ اگرچہ اسلام و ایمان کا تذکرہ اس کی زبان پر ہمیشہ کی طرح اب بھی جاری تھا مگر آں حضرت اور مسلمانوں کے حسد کا سانپ بدستور اس کے دل پر لوٹ رہا تھا۔ مریسیع (مقام) پر جو کچھ اس نے کہا تھا یہاں آ کر اس سے قسمیں کھا کھا کر انکار کرنے لگا جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

۷. ہم الذین یقولون لاتنفقوا یہی تو ہیں جو (لوگوں کو) بہکایا کرتے ہیں
لی من عند رسول اللہ حتی کہ جو لوگ رسول خدا کے پاس (آ جمع ہوئے)
نفضوا وللہ خزائن السموٰت ہیں (اپنا پیسہ) ان پر نہ خرچ کرو (عاجز آ کر)

---

[1] م : یہ کلمہ حضرت زید بن ارقم نے سن لیا اور رسول اللہ کی خدمت میں عرض کر دیا (سیرۃ ابن ہشام)۔

والارض ولکن المنفقین لایفقھون یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منہا الاذل وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنفقون لا یعلمون (۶۳ : ۷ - ۸ -

آخر کو (آپ ھی) تتر بتر ھو جائیں گے۔ حالانکہ آسمانوں میں اور زمین میں جتنے خزانے ھیں (سب) اللہ ھی کے ھیں۔ مگر منافقوں کو اتنی سمجھ نہیں۔ (یہ منافق) کہتے ھیں کہ اگر مدینہ لوٹ کر گئے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال کرے تو سہی! حالانکہ اصلی عزت اللہ کی، اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہے۔

ان آیات (کے نزول) سے مسلمانوں کو ابن ابی (منافق) کے قتل کیے جانے کا یقین ھو گیا جن میں اس کے مسلمان فرزند بھی تھے۔ یہ نیک محضر (عبد اللہ بن ابن ابی) رسول اللہ کی خدمت میں عرض گذار ھوئے ”یا رسول اللہ! سنا گیا ہے آپ میرے والد (ابن ابی) کو قتل کرانا چاھتے ھیں۔ اگر حکم ھو تو میں ھی اپنے باپ کا سر آپ کے سامنے پیش کر دوں؟

”یا رسول اللہ! قبیلہ خزرج میں کوئی ایسا شخص نہیں جو مجھ سے زیادہ اپنے باپ کے ساتھ نیک سلوک کرتا ھو۔ لیکن مجھے خود سے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے میرے سوا کسی اور شخص کے ھاتھ سے میرے باپ کو قتل کرایا تو مجھے اپنے باپ کے قاتل کا چلنا پھرنا برداشت نہ ھوگا۔ اسے قتل کیے بغیر مجھے چین ھی نہ آئے گا اور کافر کے بدلے مومن کو قتل کر کے جہنم کا ایندھن بننا مجھے گوارا نہیں!“

حضرت عبداللہ (بن عبداللہ بن ابن ابی) نے رسول خدا کے حضور جو کچھ عرض کیا میں نہیں سمجھ سکتا کہ دلی اضطراب کا اظہار اس سے زیادہ بلیغ پیرایہ میں بھی ھو سکتا ہے۔ آہ ایسا اضطراب! ایک طرف محبت فرزندانہ ہے اور دوسری طرف حفاظت ایمان!

حضرت عبداللہ کو خطرہ تھا کہ مبادا نخوت و غرور اسلامی سکینت پر غالب آ کر مسلمانوں میں انتقام در انتقام کی آگ مشتعل کر دے۔ عجیب معاملہ ہے کہ جان نثار فرزند جو اپنے باپ کو واجب القتل سمجھ رھا ہے وہ رسول اللہ سے اس کی جان بخشی کی درخواست نہیں کرتا، کیونکہ اسے یقین ہے کہ نبی ھر کام خدا کے حکم سے کرتا ہے۔ اسے اپنے باپ کے کفر کا یقین ہے اور اس کے ساتھ ھی اسے یہ خطرہ بھی ہے کہ اس کے باپ کے قتل ھونے پر اس کی محبت فرزندانہ اور عربوں کی عادت انتقام دونوں یک جا ھو کر اسے اپنے باپ کے قاتل سے بدلہ لینے پر نہ اکسا دے۔ اس نے خود ھی باپ کی گردن مارنے کا ارادہ کر لیا۔ اگرچہ اسے یہ بھی اندیشہ ہے کہیں اپنے ھاتھ سے باپ کو قتل کرنے پر اس کا دل خون ھو کر نہ بہ جائے۔ مگر آج حضرت عبداللہ اس لیے خود کو مصیبت میں ڈال رہے ھیں کہ اگر ان کا باپ کسی دوسرے مسلمان کے ھاتھ سے قتل ھوا تو ایسا نہ ھو کہ ”میں اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر کے جہنم کا مستوجب قرار پاؤں۔“ حضرت عبداللہ (بن عبداللہ منافق) کیسی کشمکش میں مبتلا ھیں! ایک طرف ایمان اور دوسری جانب محبت فرزندانہ! جس کے ساتھ عبداللہ جیسے سپوت کی اخلاقی قوت بھی شامل ہے۔ آہ! اس سے زیادہ روحانی کشمکش کیا ھو سکتی ہے!

سرور دو عالم نے جناب عبد اللہ کو (ان کے ایسے باپ کے قتل کی اجازت طلب کرنے پر کیا جواب دیا؟ (فرمایا) ”ھم قتل کی بجائے ان کے ساتھ مہربانی، اپنی مجلس

میں حاضر باشی کا موقعہ اور ان کی اصلاح کی کوشش میں کمی نہ رہنے دیں گے۔''

اللہ! اللہ! یہ عفو و رحمت! اور ایسے شخص کے ساتھ جو سدا سے مدینہ کے ہر مسلم و غیر مسلم کو آں حضرت اور آپ کے رفقاء کے خلاف مشتعل کرتا رہا ہو۔ لطف یہ ہے کہ آج اس بدنصیب پر رحمت عالم کے کرم و مہر کا پلہ اس کے دشمن کی طرف سے ایذا رسانی کے مقابلہ میں بھاری ہے۔

اس منافق کی جان بخشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ رسول اللہ کے خلاف لب کشائی کرتا تو سننے والے اسے کہتے ''ارے بے شرم! ان کے خلاف یہ زبان درازی جنھوں نے تیری جان بخشی فرمائی!''

اس واقعہ کے بعد ایک روز عمر خدمت رسالت پناہ میں باریاب تھے۔ ابن ابی کی زبان درازی اور مسلمانوں کے جوش و خروش کا تذکرہ ہونے لگا۔ آں حضرت نے فرمایا ''اے عمر! اگر اس روز میں اسے قتل کرا دیتا تو مخالفین غراتے ہوئے امڈ آتے لیکن اگر آج میں اس کے قتل کا حکم دوں تو کوئی بات پیدا نہ ہوگی!'' ابن الخطاب نے عرض کیا ''بخدا! مجھے یقین ہے کہ رسول اللہ کی ذات میں بہت برکت ہے میری رائے کے مقابلہ میں!''

ام المومنین عائشہ صدیقہ کا واقعۂ افک : مذکورۃ الصدر حوادث غزوۂ بنومصطلق سے واپسی اور اموال و اسیران جنگ کی تقسیم کے بعد رونما ہوئے جن کے بعد (فوراً ہی) ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس کا اثر ابتداء میں اس قدر ہمہ گیر نہ تھا جیسا کہ اس نے بعد میں عبرت ناک صورت اختیار کر لی۔

رسول کریم جب بھی کسی غزوہ میں شرکت کا ارادہ فرماتے حرم پاک میں سے کسی ایک بی بی کو قرعہ اندازی سے مشایعت میں لے لیتے۔ غزوۂ بنومصطلق میں ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ کو یہ فخر نصیب ہوا۔ سفر کے موقعہ پر ڈیوڑھی سے ہودج لگا دیا جاتا اور آپ کی تشریف فرمائی کے بعد ساربان ہودج کو اٹھا کر شتر پر رکھ دیتا اور ام المومنین کے تقلیل وزن سے اسے ذرا بار محسوس نہ ہوتا۔

اب معرکہ مریسیع سے رسول اللہ کی بعجلت واپسی اور صعوبت کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ رسول اللہ نے کوچ کے بعد پہلی منزل میں پڑاؤ کیا۔ شب کا کچھ حصہ استراحت فرمانے کے بعد پھر روانگی کا اعلان فرما دیا۔

اس منزل میں! کوچ کے موقعہ پر ام المومنین رفع حاجت کے لیے لشکر گاہ سے دور تشریف لے گئی تھیں۔ واپسی پر محسوس ہوا کہ گلے کا ہار گر پڑا ہے الٹے قدم تلاش کرتی ہوئی اسی طرف واپس لوٹیں۔ بہت دیر ہو گئی۔ ممکن ہے پچھلے سفر میں تکان کے غلبہ سے آنکھ بھی جھپک گئی ہو۔ ہار تو مل گیا مگر جب لشکر گاہ میں واپس تشریف لائیں تو قافلے روانہ ہو چکے تھے اور روانگی پر رسول اللہ کے رفقاء نے یہ سمجھا کہ ام المومنین بھی اپنے ہودج میں ہیں جسے انھوں نے اٹھا کر اونٹ پر رکھ لیا ہے اور اس تصور میں کوچ فرمایا کہ رسول اللہ کے حرم پاک بھی آں حضرت کی مشایعت ہی میں ہیں۔ ام المومنین کو اس پر کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی کیونکہ وہ سمجھے ہوئی تھیں کہ جونہی ساربان کو محسوس ہوگا فوراً سواری واپس لے آئے گا۔ اس لیے ام المومنین نے صحرا میں سفر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آپ نے برقعہ بدن پر لپیٹ لیا اور زمین پر استراحت فرما ہو گئیں۔

صفوان (بن معطل سلمی) جو رفع حاجت کی وجہ سے کاروان سے بچھڑ گئے تھے اس طرف سے گذرے۔ انھوں نے آیۂ حجاب نازل ہونے سے قبل ام المومنین کو دیکھا تھا۔ آپ کو اس حال میں پایا تو بے ساختہ: انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر کہا ''واحسرتا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم پاک! اے ام المومنین! اللہ آپ پر رحم فرمائے! آپ کیسے بچھڑ گئیں؟،، ام المومنین نے کوئی جواب نہ دیا۔ صفوان نے اونٹنی قریب بٹھا کر سوار ہونے کے لیے عرض کیا خود دور ہٹ گئے اور ناقہ کو تیز ہانکتے ہوئے چل دئے تاکہ لشکر کے ساتھ مل جائیں۔ لیکن لشکری مدینہ پہنچ کر تکان سفر دور کرنے اور ابن ابی (منافق) کی ریشہ دوانی سے بچنے کے لئے اور زیادہ گرم رفتار تھے۔ صفوان لشکر سے ذرا دیر بعد دن ہی دن میں شہر میں جا پہنچے۔ ام المومنین بدستور ناقہ پر تشریف فرما تھیں۔ دولت کدہ کے قریب آکر سواری سے اتریں اور چند قدم چل کر اپنے حجرہ میں پہنچ گئیں۔

کسی فرد و بشر کے قلب میں وسوسہ تھا نہ کسی کی زبان پر ایسا حرف آیا نہ رسول اللہ ہی کے دل میں ابوبکر کی نیک طینت صاحب زادی اور صفوان جیسے مرد مومن کے متعلق کسی قسم کا خدشہ گذرا اور حقیقت میں کوئی ایسی بات تھی بھی نہیں۔

تبصرہ بر حوادث ایں وقفہ : ام المومنین لشکر کے مدینہ پہنچ جانے سے ذرا دیر بعد روز روشن میں سب کے سامنے شہر میں وارد ہوئیں۔ اتنا فصل تھا ہی نہیں جو کسی کے دل میں وسوسہ پیدا ہوتا۔ دولت خانہ میں وارد ہوئیں تو کشادہ پیشانی بشاش، بشرے پر کسی پریشانی کا شائبہ نہیں اور چونکہ ایسا کوئی شبہ رونما نہ ہوا اس لیے شہر کے حالات کو معمول پر رہنا ہی تھا۔ مسلمان اپنے حریف بنومصطلق کے مال و اسباب اور گرفتار شدہ اسیروں کی تقسیم میں مصروف ہو گئے تاکہ اپنی محنت کش زندگی میں ایک وقفہ کے لیے نعمتوں کا لطف حاصل کر سکیں۔ جس زندگی میں اپنی قوت ایمان کی بدولت دشمنوں پر غالب آئے، جس زندگی میں ان کے عزم صادق نے انھیں دشمنوں کے مقابلہ میں فائز المرام کیا اور کبھی ایسا بھی ہوتا رہا کہ ان میں سے بعض حضرات کو خدا کی راہ میں اور دین و عقیدہ کی محبت میں موت کے پہلو میں سونا پڑا۔ مسلمانوں کی یہ زندگی ایسی ہے جس سے کل تک عرب خود کو دور رکھنا چاہتے تھے۔

سیدہ جویریہ : اسیران بنومصطلق میں ان کے سردار (قبیلہ) حارث کی صاحب زادی بھی گرفتار ہو کر آئیں۔ ان کا اسم گرامی جویریہ تھا۔ جمال ظاہری سے آراستہ اور تقسیم اموال میں ایک انصاری کے حصہ میں آئیں جس کے ساتھ بی بی نے مکاتبت کی درخواست کی تو انصاری نے بڑے اونچے گھرانے کی دختر ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ زر فدیہ طلب کیا۔ کتنا بھی سہی نیک محضر جویریہ فدیہ کی رقم میں استعانت کے لیے رسول خدا کی خدمت میں باریاب ہوئیں۔ اس وقت آں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کے ہاں فروکش تھے۔ عرض کیا ''میں سردار قبیلہ حارث بن ابی ضرار کی دختر ہوں۔ میری مصیبت سے آپ آگاہ ہیں۔ جس صاحب کے حصہ میں آئی ہوں ان سے مکاتبت کر چکی ہوں۔ آپ کی خدمت میں زر فدیہ کی استعانت کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔،، رسول اللہ نے فرمایا ''ایک بہتر صورت پیش کرتا ہوں یہ کہ زر فدیہ میں ادا کیے دیتا ہوں اور آپ میرے ساتھ عقد کرنا منظور کر لیجیے!،،

مسلمانوں نے سنا کہ بنومصطلق سے آں حضرت کی خویشاوندی ہو گئی ہے تو سب نے اپنے اپنے حصہ کے اسیروں کو زر فدیہ لیے بغیر رہا کر دیا ۔ ان کی تعداد چھ سو تھی جن میں ایک سو صرف بنو مصطلق کی تعداد تھی ۔ جناب بنت الحارث کی اس پذیرائی پر ام المومنین عائشہ صدیقہ نے فرمایا ''جویریہ سے بڑھ کر کوئی دوسری عورت اپنی قوم کے لیے برکت کا سبب ثابت نہ ہو سکی!''

سیدہ جویریہ کے بارے میں دوسری اور تیسری روایات: الف: حارث اپنی صاحب زادی کا زر فدیہ لے کر حاضر ہوا اور پناہ ملنے کے بعد اسلام لے آیا ۔ آزاد ہو جانے کے بعد ان کی صاحب زادی بھی اسلام لے آئیں جس کے بعد رسول اللہ نے ان سے خطبہ فرمایا اور چار سو درہم حق مہر ادا فرما دیا ۔

ب: سیدہ کے والد اس تزویج پر رضامند نہ تھے مگر بی بی کے ایک اور قرابت دار کی شرکت سے یہ عقد مکمل ہوا ۔

فسانۂ افک: ام المومنین حضرت جویریہ کی رہائش کے لیے آں حضرت صلعم نے حرم سرائے سے ملحق حجرہ بنوا دیا ۔ ادھر حجرہ تعمیر ہو رہا تھا ادھر شہر کے بدلگام آپس میں کانا پھوسی کر رہے تھے ۔ کہ ''عائشہ کا لشکر سے بچھڑ کر صفوان کی سواری پر آنے کا کیا مطلب ہے جب کہ صفوان خوبصورت بھی ہے اور جوان بھی'' ۔

مسلمانوں میں سے بی بی حمنہ کے دل میں یہ خلش تھی کہ آں حضرت کے حضور ان کی حقیقی بہن (ام المومنین زینب بنت جحش) پر حضرت عائشہ کو اس قدر تقدم کیوں ہے ۔ حمنہ نے اس کینہ سے بے تاب ہو کر افترا کو ہوا دینا شروع کر دی ۔ درپردہ ان کے پشت پناہ حسان بن ثابت تھے جن کی مجالس علی ابن ابی طالب سے بہت زیادہ رہتی ۔ بے ایمانوں میں سے رأس المنافقین ابی کے نفس (امارۃ بالسوء) کو بھی اس معاملہ میں ایسی چراگاہ مل گئی جس میں اس کے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے ہر قسم کی خشک اور تر گھاس موجود تھی ۔ ابن ابی نے جی بھر کر ہوائیاں اڑائیں۔

وفاداران ازلی یعنی مسلمانان قبیلۂ اوس: باوجودیکہ مومنین اوس میں سے ایک ایک متنفس ام المومنین صدیقہ طاہرہ کی عفت و عصمت کی قسم کھانے کے لیے وقف تھا پھر بھی یہ خبر تمام شہر میں پھیل ہی گئی ۔

رسول خدا کا اضطراب: شدہ شدہ یہ ہوائی رسول اللہ کے سمع عالی تک پہنچی ۔ آپ کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی ۔ ذہن میں مختلف خیالات موج زن تھے ۔ ''الہی! کیا ہوا؟ عائشہ اپنا دامن آلودہ کرنے والی تو نہ تھیں پھر اس علو و تمکنت کے ہوتے ہوئے! ناممکن ہے!''

رسول خدا کو ام المومنین کی ذات پر اس قدر اعتماد تھا کہ آپ کے دل میں ان کے متعلق ایسا خیال گذرنا بھی دشوار تھا ، لیکن اس کے ساتھ دوسرا پہلو بھی متخیلہ میں گردش کر رہا تھا کہ ''آخر تو عورت ذات ہے! مرد سے مختلف المزاج! اس کے دل کا بھید کون پا سکتا ہے!'' پھر یہ خیال گذرتا کہ ''ان کا سن بھی تو نہیں کہ ہار گم ہو جانے سے انہیں اتنی تشویش لاحق ہو اور نصف شب میں اسے تلاش کرنے کے لیے تگ و دو میں لگ جائیں ۔ خداوندا! انھوں نے لشکر کے کوچ کرنے سے پہلے ہار کے گم ہو جانے کا تذکرہ مجھ سے کیوں نہ کیا!''

غرض رسول خدا کے دماغ میں اسی قسم کے تخیلات گردش کر رہے تھے حتٰی کہ آپ موافق و مخالف دونوں میں سے کوئی رائے قائم نہ کر سکے۔

ام المومنین کی شدید علالت : حرم سرائے رسالت مآب اور دولت کدۂ صدیق اکبر دونوں گھروں میں کسی کو جرأت نہ تھی کہ حضرت عائشہ کے بالمواجہہ یہ بات زبان پر لا سکے جس کی وجہ سے آپ محض بے خبر تھیں۔ مگر رسول اللہ کی نظر کرم بھی پہلی سی نہ رہی ۔ اس غم میں وہ علیل ہو گئیں۔ تیمار داری کے لئے آپ کی والدۂ ماجدہ حاضر خدمت رہتیں۔ رسول اللہ عیادت بھی فرماتے تو صرف اس جملہ میں کہ ''طبیعت کیسی ہے؟'' آں حضرت کی سرد مہری دیکھ کر ام المومنین کے مرض میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا ۔ آپ نے اپنے شوہر (صلعم) کی بے اعتنائی کو حضرت جویریہ (ام المومنین) سے رغبت پر محمول فرمایا اوز اس خلش کی وجہ سے درخواست کی کہ مجھے صحت یاب ہونے تک اپنے والدین کے ہاں جانے کی اجازت ہو اور میکے تشریف لے آئیں لیکن اجازت سے دل پر آں حضرت کی بے اعتنائی کا اثر اور بھی گہرا ہو گیا ۔ مسلسل انیس روز بستر علالت پر پڑی رہیں اور سوکھ کر کانٹا ہو گئیں ۔ ابھی تک خود پر عائد شدہ افتراء کا علم بھی نہ ہو سکا۔

افک کی تحقیق : اسی دوران میں آں حضرت صلعم نے خطبہ میں فرمایا ''صاحبو! بعض اشخاص میرے حرم پر ناحق افتراء باندھ رہے ہیں جو میری ایذاء کا موجب بن گیا ہے۔ بخدائے لایزال! مجھے اپنے اہل بیت کی عصمت و عفت پر پورا یقین ہے۔ اور یہ افتراء جس شخص سے منسوب ہے (صفوان) میں اسے بھی نیک محضر سمجھتا ہوں اور وہ میرے ہاں اگر آیا بھی ہے تو میری معیت میں!''

اسید بن حضیر (از قبیلۂ اوس) نے سروقد کھڑے ہو کر عرض کیا ''یا رسول اللہ! یہ مفتری اگر قبیلۂ اوس میں سے ہے تو اس کا نام معلوم ہونے پر ہم انسداد شر کر سکتے ہیں اور اگر افتراء کنندہ برادران خزرج (قبیلہ) میں سے ہو تو اس کے متعلق جو ارشاد ہو بسر و چشم تعمیل کے لیے حاضر ہیں ۔ بخدا! ایسا بدنہاد مفتری گردن زدنی ہے ۔

یہ سن کر قبیلۂ خزرج کے سربراہ جناب سعد بن عبادہ دست بستہ عرض گذار ہوئے کہ ''اسید نے تمام بات ہمارے سر تھوپ دی ہے ۔ کاش! اگر اس افواہ کا مبداء قبیلۂ اوس ہوتا تو اسید یوں سخن آرائی نہ فرماتے!''

طرفین کی تقریر نے اوس و خزرج میں اشتعال پیدا کر دیا لیکن رسول خدا کی حکمت و ''حسن مداخلت'' سے یہ فتنہ سرفراز نہ ہونے پایا۔

اصلی حقیقت پر ام المومنین کی اطلاع یابی : آخر یہ سناؤنی مہاجرین کی ایک نیک نہاد خاتون کے ذریعہ ام المومنین کے گوش گذار ہوئی ۔ عصمت پناہ طاہرۂ صدیقہ اپنے دامن عفت پر بدنمائی کی خبر سے کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئیں ۔ شدت گریہ سے دل پارہ پارہ ہونے کے قریب آ پہنچا ۔ بستر سے اٹھیں اور خود کو اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں ڈال دیا ۔ آواز مدھم پڑ گئی ۔ ذرا حواس سنبھلے تو اپنی والدہ سے یوں شکوہ فرمایا ''اے والدۂ مہربان! آپ نے تو ضرور سنا ہوگا پھر مجھ سے کیوں چھپائے رکھا؟'' ام المومنین کا گریہ دیکھ کر آپ کی والدہ نے عرض کیا ''دختر نیک طینت! ایسی عورت کونسی ہے جو تمہاری طرح اپنے شوہر کی چہیتی ہو اور اس کی سوکنیں اس سے دشمنی نہ کریں

یا دوسرے اشخاص اس کے حسد سے جل کر کباب نہ ہوں!،، لیکن طاہرۂ صادقہ کو والدہ کی اس دل جوئی سے ذرا تسکین نہ ہوئی۔

رسول اللہ کی حد سے زیادہ نگہٴ کرم کے بعد اس سرد مہری کا تصور فرماتیں تو اس خطرہ سے کہ مبادا آں حضرت کے دل میں آپ کے متعلق گرہ بیٹھ گئی ہو ام المومنین کا اضطراب اور سوا ہو جاتا۔ کبھی رسول اللہ کے سامنے قسم کھا کر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا ارادہ ہو جاتا۔ بعض اوقات آں حضرت کی محبت کے صدقے میں تسلیم اتہام کے بعد قسم سے خود کو تہمت سے بری کرنے کے مسودے بناتیں۔ کبھی یہ منصوبہ کہ ان دنوں جس طرح رسول اللہ میرے ساتھ پیش آ رہے ہیں میں بھی آپ سے اسی قسم کی بے اعتنائی کا برتاؤ کروں۔ آخر یہ ذہن میں آیا کہ آں حضرت تو خدا کے برگزیدہ پیغمبر ہیں جس نے آپ کو ازدواج پر برتری عناپت فرما دی ہے۔ یہ افتراء عوام کی کارستانی ہے جنھیں میرے قافلہ سے بچھڑ جانے کے بعد صفوان کی ناقہ پر آنے سے موقعہ مل گیا۔ رسول اللہ کا اس میں دخل نہیں!

بالآخر ام المومنین نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ”خداوندا! مجھے سیدھی راہ بتا تاکہ رسول اللہ پر میری بے گناہی واضح ہو جائے اور مجھ پر پہلے کی طرح نگہہ کرم منعطف فرمانے لگیں۔،،

تحقیق افک میں مجلس مشاورت: عام چہ مے گوئی کی وجہ سے رسول اللہ بھی یک سو نہ تھے۔ آخری تدبیر پر توجہ فرمائی اور ابوبکر کے ہاں تشریف لے جا کر اپنے معتمدین میں سے اسامہ ابن زید اور علی بن ابی طالب کو طلب فرما کر دونوں سے مشورۃ پوچھا! اسامہ نے سادگی سے بریت کرتے ہوئے نفس الامر کو افتراء و بہتان سے تعبیر کیا اور رسول اللہ کا بھی یہی تصور تھا ان کے بعد علی سے دریافت فرمایا تو انہوں نے تصدیق و وتکذیب دونوں سے یک طرف ہو کر ”ان النساء لکثیر،، (عورتوں کی کمی نہیں) کہنے کے ساتھ عرض کیا ”اس معاملہ میں ام المومنین کی کنیز (بریدہ : م:) سے بھی دریافت فرما لیجیے“۔ اور علی نے کنیز کے آتے آتے انہیں اچھی طرح زد و کوب کیا تاکہ وہ رسول اللہ کے سامنے سچی شہادت پیش کریں۔

کنیز! ”بخدا وہ توسراپا عصمت ہیں،،: اور کنیز نے اس کے سوا بھی ام المومنین کی بریت میں بہت کچھ کہا (اصل واقعہ بخاری باب حدیث الافک : کتاب المغازی میں ہے : م:)۔

ام المومنین سے جواب طلبی: اس تفتیش کے بعد ام المومنین سے دریافت کرنا باقی رہ گیا۔ رسول اللہ صلعم جناب ابوبکر کے ہاں تشریف لائے۔ اس وقت سیدہ کے والدین کے سوا ایک انصار خاتون بھی حاضر خدمت تھیں۔ رسول اللہ کے اس سوال پر ام المومنین نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ خاتون انصار بھی گریہ ضبط نہ کر سکیں۔ سیدۂ صدیقہ کے تاثرات کا مبنٰی یہ تھا کہ جو وجود گرامی صلعم ان کا اس حد تک قدردان تھا، ان پر ہر طرح سے انہیں اعتماد تھا یا یہ کہ آج انہوں نے انہیں یوں نظروں سے گرا دیا۔

اور جب ام المومنین نے خود کو رسول الله کی طرف متوجه کیا تو آنسو خود بخود تهم گئے۔ رسول خدا نے فرمایا: ''اے عائشه! الله سے ڈرتی رهو۔ اگر لوگوں کا خیال صحیح هے تو اس کے حضور توبه کرو! الله تعالیٰ اپنے بندوں کی توجه قبول فرماتا هے! آن حضرت کی تنبیه ختم هونے کے ساتھ هی ام المومنین کی رگوں میں غصه سے خون دوڑ اٹھا ' آنکھوں سے آنسو بهنا بند هو گئے۔ پهلے انهوں نے اپنی والده کی طرف دیکھا۔ وه مهر به لب بیٹھی تهیں پهر والد پر نظر دوڑائی۔ وه بھی خاموش! ام المومنین نے دونوں سے گله فرمایا ''آپ لوگ خاموش بیٹھے هیں؟،، دونوں نے عرض کیا ''همیں ''حقیقت کا کوئی علم نهیں!،، اور یه کهه کر دونوں نے سر جھکا لیا۔ ام المومنین کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی جس سے قدرتاً غصه کا هیجان کم هو گیا اسی گریه و زاری کی حالت میں آن حضرت سے عرض کیا ''یا رسول الله! یه جو آپ مجھے توبه کا مشوره دے رهے هیں ' جب میں نے گناه هی نهیں کیا پهر توبه کس جرم میں کروں؟ دشمن مجھ پر جو افتراء بانده رهے هیں میں اس کی حقیقت سے خوب واقف هوں۔ اس پر میں توبه کروں گی اور اگر میں اپنی بریت پر کچھ کهوں تو الله تعالیٰ پر میری پاک دامانی پوری طرح منکشف هے اور اگر میں لوگوں کے سامنے اپنی بریت کروں تو وه میری تصدیق کیوں کرنے لگے؟،، کچھ دیر سکوت کرنے کے بعد ام المومنین نے کها ''میں اپنی صفائی میں اتنا هی کهه سکتی هوں جتنا حضرت یوسف کے والد گرامی (جناب یعقوب علیهما السلام) نے کها تها: فصبر جمیل! والله المستعان علیٰ ماتصفون (۱۲: ۸) (خیر صبر و شکر! اور جو حال تم بیان کرتے هو خدا هی مدد کرے که اس کا پرده فاش هو)۔

مجلس میں طویل خاموشی کے بعد نزول برأت: اس گفتگو کے بعد مجلس پر ایسا وقفه گذرا جس میں کسی کی زبان پر ایک حرف بھی نه آیا۔ دوسروں کی طرح رسول الله بھی سکوت فرما تھے۔ کسی کو طول و اختصار وقفه کا تصور هی نه تها۔

اتنے هی میں نزول وحی کے آثار ظاهر هوئے۔ ختم الرسل کا چهره مبارک ردا سے ڈهانک دیا گیا۔ بالین پر تکیه لگ گیا۔ ام المومنین فرماتی هیں ''اس وقت نه تو مجھے اپنی بے گناهی کی وجه سے نزول وحی پر کوئی دغدغه تها نه ذات باری کے منصف هونے میں شبه، لیکن میری ماد اور باپ ایسے ضغطے میں تهے جیسے روح مائل پرواز هو۔ انهیں خطره تها کهیں وحی سے الزام کی تصدیق نه هو جائے! ان کی یه حالت رسول الله صلی الله علیه وسلم کے فراغ وحی سے بعد هوئی۔ جب نبی صلوات الله علیه اپنی پیشانی سے پسینه پونچھ رهے تهے اور مجھے مخاطب هو کر فرمایا:

ابشریٰ یاعائشه ! قد انزل الله اے عائشه! مبارک باد! الله نے تمهاری
براعتك! بریت میں قرآن نازل فرما دیا۔''

ام المومنین نے صرف ''الحمد لله!،، کها اور خاموش رهیں۔ رسول الله اسی وقت مسجد میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو یه آیتیں سنائیں:

ان الذین جاء و بالافك مسلمانو! جن لوگوں نے (ام المومنین عائشه کی
عصبة منکم لا تحسبوه نسبت) طوفان اٹھا کھڑا کیا تم هی میں کا ایک
شراً لکم بل هو خیر لکم گروه هے۔ اس (طوفان) کو اپنے حق میں برا نه

لکل امریء منہم ما اکتسب من الاثم والذی تولی کبرہ منہم لہ عذاب عظیم :	سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوا (کیو سچے مسلمان اور منافق پہچان پڑے)۔ طوفان اٹھانے والوں میں سے جتنا گناہ جس نے سمیٹا (اس کی سزا) بھگتے گا اور جس نے ان میں سے طوفان کا بڑا حصہ لیا (ویسی ہی) اس کو بڑی (سخت سزا ہوگی ۔
لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنت بانفسہم خیراً وقالوا ھٰذہ افک مبین ۔	مسلمانو! جب تم نے ایسی (نالائق) بات سنی تھی ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں نے اپنے (مسلمان بھائی بہنوں کے) حق میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور سننے کے ساتھ ہی کیوں نہ بول اٹھے کہ یہ صریح بہتان ہے
لولا جاء و علیہ باربعۃ شہدآء فاذلم یأتوا بالشہداء فاولئک عند اللہ ہم الکٰذبون ۔	(جن لوگوں نے یہ طوفان اٹھا کھڑا کیا) اپنے بیان (کے ثبوت) پر چار گواہ کیوں نہ لائے ؟ پھر جب گواہ نہ لا سکے تو خدا کے نزدیک (بس یہی جھوٹے ہیں ۔
ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ فی الدنیا والاخرۃ لمسکم فی ما افضتم فیہ عذاب عظیم ۔	اور اگر تم (مسلمانوں) پر دنیا اور آخرت میں خدا کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو جیسا تم نے ایسی (نالائق) بات کا چرچا کیا تھا اس میں تم پر کوئی بری آفت نازل ہو گئی ہو۔
اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواہکم ما لیس لکم بہ علم وتحسبونہ ہیناً وہو عند اللہ عظیم ۔	کہ تم لگے اپنی زبانوں سے اس کی نقل در نقل کرنے اور اپنے منہ سے ایسی بات بکنے جس کی تم کو مطلق خبر نہیں اور تم نے اس کو ایسی ہلکی (سی) بات سمجھا حالانکہ (وہ) اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے ۔
ولولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحٰنک ھذا بہتان عظیم ۔	اور جب تم نے ایسی نالائق بات سنی تھی تو سننے کے ساتھ کیوں نہیں بول اٹھے کہ ہم کو ایسی بات منہ سے نکالنی زیبا نہیں؟ حاشا و کلا! یہ تو بڑا (بھاری) بہتان ہے۔
یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابداً ان کنتم مؤمنین ویبین اللہ لکم الایت واللہ علیم حکیم ۔	(مسلمانو!) خدا تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو پھر کبھی ایسا نہ کرو اور اللہ (اپنے) احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ (سب کے حال سے) واقف اور حکمت والا ہے ۔
ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لہم عذاب الیم فی الدنیا والاخرۃ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون (۲۴:۱۱ تا ۱۹) ۔	تو جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں لچی باتوں کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا میں عذاب دردناک ہے اور آخرت میں (بھی) اور ایسے لوگوں کو اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔

تعزیر افک : اور اسی (افک) کے سلسلہ میں پارسا عورتوں کو متہم کرنے کی سزا کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا :

والذین یرمون المحصنت ثم	اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی)
لم یأتوا باربعة شهدآء فاجلدوهم	تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں تو ان کے
ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم	(اسی) درے مارو اور (آئندہ) کبھی ان کی گواہی
شهادة ابدا واولئك هم الفاسقون	قبول نہ کرو اور یہ لوگ خود بدکار ہیں۔
(۲۴: ۴) -	

رسول اللہ نے افتراء سازی کے مندرجہ ذیل مجرموں کو اس آیہٴ کی تعمیل میں اسی دروں کی سزا دی - مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور (بی‌بی) حمنہ (دختر جحش) کو انہی ہرسہ نے صدیقہٴ طاہرہ (ام المومنین) کے خلاف طومار باندھا تھا - نزول قرآن کے بعد حضرت عائشہ کو پہلے کی طرح رسول خدا کی نظر میں وقار حاصل ہوگیا اور اپنے باپ کے گھر سے آپ حرم سرائے نبوت میں تشریف لے آئیں۔

سر ولیم میور کی رائے : واقعہ افک پر سر ولیم میور (جن کی توثیق کے بغیر وحی الٰہی کی تصدیق ناکافی تھی جیسا کہ میور صاحب کے افادات ابتدا میں گذر چکے ہیں :م:) فرماتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت عائشہ افک سے قبل اور اس کے بعد دونوں عہدوں میں اس قدر پاک دامنی سے رہیں کہ آپ کے متعلق ایسا شبہ نہ صرف بے بنیاد بلکہ اس کی تردید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجرمین کی تعزیر کے بعد: ان میں سے حسان بن ثابت سزا یابی کے بعد پہلے ہی کی طرح رسول خدا کے لطف و عنایات کا مورد بن گئے - مسطح کی دست گیری حضرت ابوبکر جس طرح ہمیشہ فرماتے رسول اللہ کی فرمائش سے ازسرنو ان کا وظیفہ جاری فرما دیا - مدینہ کی فضا بدستور اپنی سطح پر آگئی - مسلمانوں کے دلوں میں ام المومنین کا وقار پہلے سے زیادہ قائم ہو گیا - خاتم النبیین یک سوئی سے تبلیغ اسلام پر منعطف ہوگئے اور مسلمانوں کے سیاسی سود و بہبود میں تگ و دو کی صورت میں اس قرار داد کا وقت قریب آگیا جس کی بدولت اللہ نے مسلمانوں کو ’’فتحاً مبیناً،، (۴۸ : ۱) سے سرفراز فرمایا اور جس کی تفصیل اس سے ملحقہ (بیسویں) فصل میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

صادق امین عبداللہ محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۲۰

حدیبیہ

صادق امین عبد اللہ محمد ﷺ کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

صفی اللہ حسیب مجیب شکور مقصود قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی الرحمۃ یتیم

۲۰

حُدَیبیّه

رسول خدا اور آپ کے رفقاء کو مکه سے هجرت کیے هوئے چھ سال گذر گئے۔ س مدت میں وہ خود دشمنوں کی مدافعت کی وجه سے مسلسل جنگوں میں مصروف رهے۔ کبھی قریش کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھنے میں منهمک اور گاهے ہود کی ریشه دوانیوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر! لیکن مسلمانوں کی ان پریشانیوں کے باوجود اسلام هر طرف پھیلتا گیا اور اس کے حامیوں میں قوت و استقلال بڑھتا گیا۔

هجرت کے پہلے سال نمازوں میں مسجد اقصلی واقع (در بیت المقدس) کی بجائے مسجد الحرام کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی مسلمانوں نے اس کعبه کو قبلهٔ نماز بنا لیا جو مکه میں هے اور جسے حضرت ابراهیم نے تعمیر فرمایا۔ ان کے بعد وقتاً فوقتاً اس کی مزید تعمیر هوتی رهی۔ اس کی تعمیر میں جناب محمد نے بھی بدو شباب میں حصه لیا اور س سے بڑھ کر یه که اس کے حجر اسود کو اپنے هاتھ سے اس کے محل نصب میں رکھا۔ یه اس دور کا تذکره هے جب حضرت محمد کو اپنے لیے عطیهٔ رسالت کی توقع تھی نه آپ کے متعلق کسی اور کے ذهن میں یه امید که آپ منصب رسالت پر فائز هونے والے هیں۔

مسجد الحرام (کعبه) اهل عرب کی عبادت گاه تھی جس میں ادب والے چار مہینوں میں زائرین آتے۔ تقدیس کا یه عالم که اس میں داخل هو جانا خود کو دشمن کے حمله سے محفوظ کر لینا تھا۔ اس کے جواز میں بھی کسی پر وار کرنے کی جرأت نه کی جاتی زخمی کرنا یا جان سے مارنا تو بڑی بات هے)۔ یه تقدیس صدیوں سے اسی طرح چلی رهی تھی۔

لیکن جب سے آں حضرت اور مسلمانوں نے مکه سے هجرت کی اهل مکه نے ان کے بیت الله میں داخل نه هونے پر قسم کھا لی۔

مأمن کی تعریف: اهل مکه کے اس رویه پر هجرت نبوی کے پہلے سال یه آیتیں نازل هوئیں:

۱- یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فیه قل قتال فیه کبیر وصد عن سبیل الله وکفر به والمسجد الحرام واخراج اهل منه اکبر عند الله۔ الخ (۲ : ۲۱۷)۔

اے پیغمبر! لوگ تم سے پوچھتے هیں جو مہینه حرمت کا سمجھا جاتا هے اس میں لڑائی کرنا کیسا هے؟ ان سے کهه دو اس میں لڑائی کرنا بڑی برائی کی بات هے مگر (ساتھ هی یه بھی یاد رکھو که) انسان کو الله کی راه سے روکنا (یعنی ایمان اور خدا پرستی کی راه اس پر بند کر دینی) اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام میں نه جانے دینا، نیز مکه سے وهاں کے رهنے والوں کو نکال دینا الله کے نزدیک اس سے بھی زیاده برائی هے۔

۲- اورغزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی:

وسالهم الا یعذبهم الله وهم یصدون عن المسجد الحرام وما کانوا اولیاءه ان اولیاءه الا المتقون ولکن اکثرهم لا یعلمون ۔

اور اب (کہ تم مکہ سے ھجرت کر کے چلے آئے) تو ان (کفار مکہ) کو کیا استحقاق رہا کہ یہ تو مسجد حرام (یعنی خانۂ کعبہ میں جانے) سے (مسلمانوں کو) روکیں اور خدا ان کو عذاب نہ دے ۔ حالانکہ یہ گو اس کے متولی ہونے کے مدعی ھیں مگر (انصافاً) اس کے مستحق نہیں۔ اس کے مستحق تو بس پرھیزگار لوگ ھیں۔ لیکن ان (کافروں) میں سے اکثر اس بات کو نہیں سمجھتے۔

وما کان صلوتهم عند البیت الا مکاء وتصدیه فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون ۔

اور خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا ان کی نماز ہی کیا تھی تو (اے کافرو!) جیسا تم کفر کرتے رہے ھو اب اس کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو ۔

ان الذین کفروا ینفقون اموالهم لیصدوا عن سبیل الله فسینفقونها ثم تکون علیهم حسرة ثم یغلبون ۔ والذین کفروا الی جهنم یحشرون ۔ (۸ : ۳۴ تا ۳۶)

اس میں شک نہیں کہ یہ کافر اپنے مال (اس لیے) خرچ کرتے رہتے ھیں تاکہ (لوگوں کو) راہ خدا سے روکیں ۔ سو (یہ لوگ تو) مال کو (اسی طرح پر خرچ کرتے ہی رہیں گے۔ مگر پھر (آخر کار وھی مال) ان کے حق میں (موجب) حسرت ہوگا۔ (خرچ بھی کریں اور) پھر مغلوب بھی ہوں گے۔ اور قیامت کے دن کافر (سب) جہنم کی طرف ھانکے جائیں گے۔

اس قسم کی بے شمار آیات ھجرت سے چھ سال بعد کے زمانہ تک نازل۔ ہوئیں جن میں کعبہ کی مرجعیت اور اس کے مأمن ہونے کا بیان تھا ، مثلاً :

واذ جعلنا البیت مثابه للناس وأمنا (۲ : ۱۲۵) ۔

اور (پھر دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (مکہ کے) اسی گھر کو (یعنی خانۂ کعبہ کو) انسانوں کی گرد آوری کا مرکز اور امن و حرمت کا مقام ٹھہرا دیا ۔

قریش تل ھی گئے کہ جب تک حضرت محمد اور ان کے اصحاب جو ھبل و اساف و نائلہ اور دوسرے دوسرے بتان کعبہ کی خداوندی کے منکر ھیں ان کے اور اپنے اسلاف کے خداؤں کو نہ مانیں ان کے ساتھ جنگ کرنا فرض اور انھیں کعبہ میں آنے سے روکنا واجب ہے ۔

مسلمان ان چھ سالوں میں کعبہ کی زیارت سے محروم اور اس دینی فریضہ کی ادائیگی سے قاصر تھے جس سے ان کے آباؤ اجداد ھمیشہ سے مستفیض رہے ۔ خصوصاً مہاجرین بیت اللہ کے فراق کا صدمہ زیادہ محسوس کرتے جس کے ساتھ انھیں مکہ کی جدائی کا الم بھی گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا ۔ اس کے ساتھ انھیں وطن اور اپنے اہل و عیال سے بچھڑ جانے کا غم بھی چین نہ لینے دیتا ۔

لیکن مہاجرین و انصار دونوں خدا کی نصرت کے امیدوار تھے کہ وہ ایک نہ ایک

دن اپنے رسول اور اس کے تابع داروں کو کامیاب کرے گا اور اسلام کو ہر ایک دین پر غلبہ عنایت فرمائے گا ۔ انھیں اس ساعت کے بہت جلدی آنے کا یقین تھا جس میں خداوند عالم ان پر مکہ کے دروازے کھول دے گا۔ وہ بیت اللہ العتیق! ولیطوفوا بالبیت العتیق (۲۲:۲۹) کا طواف کریں گے اور دوسروں کی طرح انھیں بھی اس فریضہ کے ادا کرنے کا موقعہ نصیب ہوگا جسے اللہ نے تمام عالم پر فرض کر رکھا ہے ۔

مسلمانوں کا اشتیاق طواف: کئی سال گذر گئے جن میں مسلمانوں کو جنگوں نے گھیرے رکھا ۔ بدر کا معرکہ ختم ہوا تو احد کی ہولناکی مسلط کر دی گئی ۔ اس کے بعد دفعۃً خندق (احزاب) میں مبتلا کر دیے گئے ۔ اسی طرح دوسری دوسری لڑائیوں نے انھیں چین نہ لینے دیا لیکن انھیں کعبہ کا طواف کرنے کا جو یقین تھا اس اشتیاق میں وہ ہمہ وقت چشم براہ تھے جس میں ان کے رہرو منزل حضرت محمد صلعم بھی ان کی مانند کعبہ کے مشتاق تھے ۔ انھوں نے اپنے پیروؤں کو اس روز بشارت دی کہ یہ وقت اب قریب آ گیا ہے۔

کعبہ اور قریش : قریش نے اپنے جاہ و نخوت کی وجہ سے رسول خدا اور مسلمانوں پر کعبہ کا دروازہ اس طرح بند کر رکھا تھا کہ مسلمان حج و عمرہ میں سے کوئی فریضہ ادا نہ کر سکتے سوال یہ ہے کیا یہ ''بیت عتیق،، (۲۲:۲۹) یعنی کعبہ قریش کی ملکیت تھی؟ وہ تمام عرب کی یکساں ملک تھی ۔ قریش تو اس کے صرف محافظ تھے۔ ان کے متعلق کعبہ کی کلید برداری یا حاجیوں کے پانی اور دعوت کی چاکری تھی اور ان کے یہ مناصب بھی کعبہ کے لیے آنے والوں کا صدقہ تھا ۔

طرفہ یہ کہ اسی کعبہ کے اندر ہر ایک قبیلہ کا بت علیحدہ علیحدہ نصب تھا اور کسی قبیلہ کو اپنے صنم کے سوا دوسروں کے بت سے واسطہ نہ تھا اور قریش مجاور کسی قبیلہ کو کعبہ کی زیارت و طواف اور دوسرے مراسم سے منع نہ کرتے ۔

لیکن جب حضرت محمد کا ظہور ہوا تو آپ نے عوام کو بت‌پرستی کی نجاست سے پاک کرنے کی مہم شروع کرتے ہوئے خدائے واحد لاشریک کی پرستاری کی دعوت دی تاکہ انھیں انسانیت کا صحیح مرتبہ حاصل ہو اور دنیا میں اس قدر سربلند ہوں جس سے اوپر کسی رفعت و سربلندی کا امکان نہیں ۔ رسول خدا نے انسان کو ایسے روحانی ارتقاء سے سرفراز کرنا چاہا جس سے یہ روحانیت وجود حقیقی تک رسائی حاصل کر سکے، ایسی توحید جس کے فرائض میں حج و عمرہ بھی شامل تھے ، مگر قریش کی ستم رانی دیکھیے کہ انھوں نے اسلام کے پیروؤں کو اس فریضہ کی ادائیگی سے قطعاً روک دیا ۔

قریش کو خطرہ تھا کہ اگر جناب محمد اور مسلمان کبھی کعبہ کی زیارت کے لیے آ ہی پہنچے تو ان کا آنا قریش کے حق میں اچھا نہ ہوگا ۔ آخر تو وہ (مسلمان) اہل مکہ کے اقارب و احباب سے ہیں ۔ جونہی ان کے چہروں پر نظر پڑے گی جذبۂ محبت موج زن ہوگا جس سے اہل مکہ کو بے حد دکھ ہوگا کہ ان کے بھائی بندوں کا اپنے اہل و اولاد سے یوں بچھڑے رہنا بڑا ظلم ہے ۔ ممکن ہے کہ مسلمانوں کے ان ہی خواہوں اور ان کے ان جیسے دشمنوں میں خانہ جنگی ابھر آئے ۔

اس کے سوا ان کے دلوں میں یہ خلش بھی تھی کہ جناب محمد اور ان کے رفقاء نے ہمارے لیے شام کی تجارتی شاہراہ بھی تو بند کر رکھی ہے :

ان امور کی بنا پر قریش کے دل میں مسلمانوں کا کینہ اور دشمنی پوری طرح سما چکی تھی - ان کے ذہن میں کبھی یہ خیال نہ گذرتا کہ وہ کعبہ کے مالک نہیں بلکہ اس کے مجاور اور زائرین کے لیے پانی اور کھانا فراہم کرنے کے پابند ہیں -

کعبہ اور مسلمان: مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کیے ہوئے چھ سال گذر گئے - وہ زیارت و طواف کے لیے سراپا اضطراب بنے ہوئے تھے - ایک صبح کے وقت وہ مسجد نبوی میں جمع تھے کہ رسول اللہ نے مژدہ ''لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین[1] (۴۸: ۲۷) سنایا تو مسلمانوں نے بآواز بلند خدا کا شکر (''الحمد للہ'') پکارا - یہ خوش خبری بجلی کی سرعت کے ساتھ آناً فاناً مدینہ میں پھیل گئی -

لیکن ہر مسلمان حیران تھا کہ وہ کس طرح بیت اللہ میں داخل ہوں گے - کیا جنگ کے ذریعے سے یا حملہ کر کے قریش کو مکہ سے نکال کر یا قریش اطاعت گذارانہ طریق سے ان سے متعرض نہ ہوں گے؟ مگر حقیقت یہ تھی کہ مسلمان جنگ یا حملہ کے بغیر مکہ میں داخل ہوں گے؟

عمرۂ بیت اللہ کے لیے عام منادی: رسول اللہ نے مدینہ میں منادی کرا دی اور غیر مسلم حلیف قبائل کی طرف وفود بھیجے کہ وہ بھی آپ کے ہمراہ زیارت کعبہ کے لیے چلیں مگر جنگ کا ارادہ کر کے کوئی شخص گھر سے نہ نکلے - البتہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد مطلوب تھی تاکہ عرب پر آں حضرت کی طرف سے ادب والے دنوں میں جنگ نہ کرنے کا ثبوت واضح ہو جائے اور انہیں یقین آ جائے کہ مسلمانوں کا مقصود صرف بیت اللہ کی زیارت ہے -

اور یہ فریضہ جو اسلام نے ان پر عائد کیا تھا کچھ مسلمانوں ہی کے لیے خاص نہ تھا - اہل عرب بھی اسے فرضیت ہی کی صورت میں ادا کرتے - اس لیے بھی آں حضرت غیر مسلم قبائل کو اپنے ہمراہ لے گئے - ختم المرسلین کے مدنظر یہ امر بھی تھا کہ اس پر بھی اہل مکہ نے اگر مقابلہ سے ان کا استقبال کیا تو عرب میں سے نہ کوئی ان کی تائید کرے گا اور نہ ان کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہو گا بلکہ انہیں یقین ہو جائے گا کہ اہل مکہ لوگوں پر کعبہ کی زیارت کا دروازہ بند کر کے انہیں اسماعیلی دین اور ملت ابراہیمی سے ہٹانا چاہتے ہیں - اگر قریش نے ایسا ہی کیا تو آئندہ وہ مسلمانوں کے خلاف کبھی خندق کا سا عام بلوہ نہ کرا سکیں گے - ایسی حالت میں عرب انہیں برملا کہہ دیں گے کہ ''اہل مکہ نے ان لوگوں کو بھی کعبہ کی زیارت سے روک دیا ہے جن کی تلواریں نیام میں تھیں - احرام باندھے ہوئے قربانی کے جانوروں کے آگے چل رہے تھے - یہ غریب تو صرف طواف بیت اللہ کی فرضیت سے سبک دوش ہونے کے لیے آئے تھے -''

غیر مسلم قبائل کی کنارہ کشی: آں حضرت صلعم کی منادی میں غیر مسلم قبائل میں سے بہت تھوڑی تعداد میں نکلے - رسول اللہ کا یہ سفر آغاز ذیقعد میں شروع ہوا (یہ مہینہ بھی ادب والے چار مہینوں کا ایک جزو ہے) اپنی ناقہ (قصواء نام) پر سوار مشایعت میں چودہ سو مسلمان زائرین، جن میں مہاجر و انصار دونوں طبقے تھے اور کچھ غیر مسلم قبائلی - مسلمانوں کے ہمراہ قربانی کے لیے ستر اونٹ تھے جن میں ابو جہل کی

---

[1] ''اور تم مسلمان مسجد حرام میں بے خوف وخطر باطمینان (تمام) داخل ہو گے -''

سواری کا وہ شتر بھی تھا جو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ھاتھ آیا - ذوالحلیفہ[1] آ کر عمرہ کی نیت سے احرام باندھا - فضاء تلبیہ (اللھم لبیك) کی آواز سے گونج اٹھی - زائرین نے سر کے بالوں کی مینڈھیاں گوندھ لیں، مسلمانوں کے پاس صرف تلوازیں تھیں وہ بھی نیام میں اور تلوار باندھنا عرب کا عام دستور ھی تھا - ازواج مطہرات میں حضرت ام سلمہ اس سفر میں ھم رکاب تھیں -

قریش کی پیش بندی : اھل مکہ نے یہ خبر سنتے ھی معاملہ کے ھر پہلو پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کا حریف اس تدبیر (عمرہ) سے مکہ پر قبضہ کرنا چاھتا ھے گویا وہ ان سے مدینہ پر حملہ کرنے کا انتقام لینے آ رھا ھے وہ جس میں کامیاب ھو جائے گا مگر انھیں وھاں سے ناکام واپس لوٹنا پڑا - آج وہ ان کے شہر پر اس حیلہ سے قابض ھونے کے لیے ان کے سر پر آ پہنچا ھے -

اھل مکہ کے ذھن میں مسلمانوں کا احرام باندھے ھوئے عمرہ کی نیت سے آنا اور تمام عرب میں یہ اعلان کر دینا کہ وہ دینی فریضہ ادا کرنے کے لیے مکہ جا رھے ھیں قطعاً اثر انداز نہ ھو سکا - انھوں نے رسول اللہ کو زیارت و طواف سے روکنے کا مصمم ارادہ کر لیا اگرچہ اس کی کتنی ھی قیمت کیوں نہ ادا کرنا پڑے - قریش نے دو سو جان بازوں کا لشکر خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجھل کی سپہ سالاری میں بھیجا جس نے مقام ذی طویٰ پر مسلمانوں کی ناکہ بندی کر کے راستہ روک دیا -

دونوں لشکروں کی اطلاع : ادھر رسول اللہ جب مقام عسفان (مکہ سے دو منزل) پر آ پہنچے تو بنو کعب کا ایک شخص ادھر سے آ رھا تھا - رھگذر سے قریش کے متعلق دریافت کیا - اس نے کہا ”اھل مکہ آپ کے ادھر آنے کی خبر سنتے ھی طیش میں آ گئے - اب ان کا لشکر (مقام) ذی طویٰ میں ھے - ان میں سے ایک ایک لشکری نے قسم کھائی ھے کہ آپ لوگوں کو مکہ میں داخل ھونے سے روکا جائے - خالد بن ولید انھیں (مقام) کراع الغمیم تک لے پہنچا ھے“ (یہ مقام رسول اللہ کے پڑاؤ عسفان سے آٹھ میل کی مسافت پر تھا) - یہ داستان سننے کے بعد آں حضرت نے فرمایا:

یاویح قریش! لقد اھلکتم الحرب ماذا علیھم لوخلوا بینی وبین سائر العرب فان ھم اصابونی کان ذلك الذی ارادوا وان اظھر فی اللہ علیھم دخلوا فی الاسلام واخرین - وان لم یفعلوا قاتلوا وبھم قوۃ - فماتظن قریش! فواللہ! لا ازال اجاھد علی الذی بعثنی اللہ بہ حتی یظھرہ اللہ اوتنفرد ھذہ السالفۃ -

وائے برحال قریش! وہ جنگوں سے برباد ھو گئے مگر پھر بھی نہ سمجھے - آج اگر وہ مسلمانوں اور عرب زائرین کو طواف و زیارت سے نہ روکتے (تو ان کا کیا بگڑتا!) - پیش نظر صورت حال میں اگر وہ مجھ پر غالب آ گئے تو انھیں بڑی خوشی ھوگی اور اگر مجھے ان پر اللہ نے غالب کر دیا تو وہ جوق در جوق اسلام قبول کر لیں گے - اگر انھوں نے جنگ شروع کر دی جس کی ان میں قوت ھے ھی کہ وہ گھروں سے اسی نیت سے نکلے ھیں (اور مسلمان صرف طواف و زیارت کے لیے: م -) مگر میرے متعلق کس مغالطہ میں ھیں! بخدا میں اسلام کو قائم رکھنے کے لیے ھمیشہ

---

[1] - مدینہ سے پانچ چھ میل پر ایک مقام کا نام اور یہ اھل مدینہ کا میقات ھے: م -

جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ اسلام کو
غالب کرے یا دست اجل مجھ پر اپنا قبضہ کر لے۔

اس موقعہ پر رسول اللہ فکر میں ڈوب گئے کیونکہ آپ مدینہ سے جہاد کے لیے مسلح ہو کر نکلنے کی بجائے طواف بیت اللہ کی نیت سے احرام باندھ کر نکلے تھے تا کہ وہ فریضہ ادا کریں جو خدا نے اپنے تمام بندوں پر عائد کر رکھا ہے۔ رسول اللہ کو یہ خیال بھی گذرا کہ اگر قریش غالب آ گئے تو فخر کے مارے ان کا دماغ کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا اور یہ خیال بھی گذرا کہ خالد اور عکرمہ کو انھوں نے اس اطلاع پر بھیجا ہوگا کہ مسلمان جہاد کے ارادہ سے نہیں آئے اس لیے ان پر فتح حاصل کرنا آسان ہے۔

لشکر قریش کا سامنا اور آں حضرت کی صلح طلبی: رسول خدا انہی تفکرات میں محو تھے کہ دور سے اہل مکہ کا لشکر آتا ہوا دکھائی دیا۔ طور طریقوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر مسلمانوں نے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں قریش اپنے جاہ و شرف اور وطن میں سے ایک ایک کے تحفظ پر سردھڑ کی بازی لگا دیں گے۔ رسول خدا جنگ کے طلب گار نہ تھے لیکن اگر آپ کو مقابلہ کرنا ہی پڑا تو یہ قریش کی طرف سے رسول اللہ کو مجبور کرنا ہوگا، لیکن عرب کے سامنے رسول اللہ کو ملزم ثابت کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ اس صورت میں آں حضرت کو مسلمانوں پر پورا اطمینان تھا کہ آپ کے رفقاء قریش کی سی حمیت کی بجائے خود پر سے ظلم دور کرنے کے لیے اپنی شمشیریں نیام سے نکال کر دشمنوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔ ان تصورات میں یہ خیال گذرتا کہ لڑائی درپیش آنے کی صورت میں مسلمانوں کا مقصد بھی فوت ہو جائے گا اور قریش کو بھی یہ بہانہ مل جائے گا کہ مسلمان حرمت والے دنوں میں جنگ کرنے کے لئے چڑھ آئے۔ اس لیے جنگ نہ صرف مسلمانوں کے نظریہ کے خلاف ہو گی بلکہ ان کے لئے باعث تکلیف اور سیاست کے بھی منافی ہو گی۔ اپنے رفقاء سے فرمایا ''جو شخص وادی کی راہوں سے واقف ہو ہماری رہنمائی کرے'' یعنی جس راہ سے دشمن کا لشکر آ رہا ہے اس سے علیحدہ کوئی پگڈنڈی مل جائے تا کہ جنگ سے بچا جائے کہ مقصود جنگ کرنا نہیں بلکہ طواف اور زیارت کعبہ ہے۔ کیونکہ مدینہ ہی سے آں حضرت صلعم کے پیش نظر پرامن طریق پر طواف و زیارت کعبہ تھا۔

پہاڑیوں سے نکل کر جونہی ذرا کشادہ راستہ ملا دائیں سمت مڑ کر اس مقام سے قریب ہو کر گذرے جو ثنیۃ المرار یعنی لشکر کی فرودگاہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے اور مکہ کے قریب ہی ہے۔

ادھر قریش کے لشکر نے دیکھا کہ مسلمان عام راہ چھوڑ کر اس راستے پر پڑ گئے ہیں جو مکہ کی طرف جاتا ہے۔ ان کے دل میں ہول بیٹھ گیا کہ مبادا مکہ پر حملہ کر دیں۔ کفار اسی جگہ سے مسلمانوں کا حملہ بچانے کے لیے مکہ واپس لوٹ گئے۔

مسلمان حدیبیہ میں پہنچے تو رسول اللہ کی ناقہ (قصواء) خود بخود بیٹھ گئی۔ مسلمانوں نے سمجھا وہ تھک گئی ہے۔ مگر آں حضرت نے فرمایا ''قصواء تکان سے نہیں بیٹھی۔ اس کا بیٹھ جانا اسی قوت کا کرشمہ ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو مکہ میں داخل

ہونے سے روک لیا تھا'' پھر فرمایا ''آج اہل مکہ انسانیت کی بھلائی کے لیے مجھ سے جس شرط کا مطالبہ کریں گے میں اسے تسلیم کر لوں گا،، اور اپنے ساتھیوں کو پڑاؤ کرنے کا حکم صادر فرمایا ۔ مسلمانوں نے اس جگہ پانی نہ ملنے کی اطلاع عرض کی ۔ اس پر (آنحضرت نے) اپنی ترکش سے تیر نکال کر ایک شخص کو دیا کہ اسے وادی کے کسی کنوئیں کی تہ میں نصب کر دے۔ جونہی یہ تیر ایک کنوئیں کی تہ میں نصب کیا گیا پانی جوش مار کر ابل پڑا اور لشکر سیر اب ہو کر پینے کے بعد پڑاؤ کے لیے اتر پڑا ۔

ادھر مسلمانوں نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال لیا ادھر قریش اس ضغطے میں پڑ گئے کہ ''اگر جناب محمد نے مکہ میں داخل ہونے کا قصد کیا تو انہیں جان پر کھیل جانے کے بغیر چارہ نہ رہے گا ۔،، کیا اس موقعہ پر مسلمانوں کا مقابلہ کے لیے آمادہ ہونا مناسب تھا تاکہ آئے دن کے خرخشہ سے یکسوئی ہو جائے اور مقدرات الٰہی کی آخری آزمائش آج ہی کر لی جائے جیسا کہ بعض مسلمانوں کا ارادہ بھی تھا ۔

قریش اس حد تک تشویش میں مبتلا تھے کہ اگر مسلمان فتح مند ہوگئے تو وہ ملک میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے ۔ کعبہ کی تولیت، کلید برداری اور دوسرے دینی مناسب سب کے سب حضرت محمد کے قبضہ میں چلے جائیں گے ۔ آخر انہیں کون سی راہ اختیار کرنا چاہیے؟ دونوں فریق اسی انداز سے اپنی اپنی جگہ پر سوچ رہے تھے مگر دونوں کے مطمع نظر میں زمین اور آسمان کا فرق تھا۔

رسول خدا کے پیش نظر وہ مقصد عظیم تھا جسے آپ مدینہ سے دل میں لے کر نکلے۔ عمرہ! جس کے لئے صلح و امن اور قتال سے اجتناب ضروری تھا تاوقتیکہ قریش انہیں تلوار پکڑنے پر مجبور کر دیں ۔

اور قریش کا مطمع نگاہ یہ تھا کہ جناب محمد کے پاس ایسے دیدہ ور آدمیوں کا وفد بھیجا جائے جو ایک طرف ان کی قوت کا جائزہ لے اور دوسری طرف انہیں طواف و زیارت کے بغیر لوٹ جانے کی تلقین کرے ۔

حدیبیہ میں قریش کے قاصد: قریش نے یکے بعد دیگرے قاصدوں کے چار وفد رسول اللہ کے پاس بھیجے ۔

پہلا وفد : قبیلہ خزاعہ کے سربراہ بدیل بن ورقاء کے ہمراہ چند اشخاص پر مشتمل تھا ۔ انہیں گفتگو سے ثابت ہو گیا کہ آں حضرت لڑائی نہیں کرنا چاہتے۔ مسلمانوں کے آنے کا مقصود زیارت و طواف کعبہ ہے ۔ بدیل نے جو کچھ دیکھا اور سنا واپس لوٹ کر اہل مکہ کو وہی مشورہ دیا کہ مسلمانوں کے لیے خدا کے گھر کی زیارت کا راستہ کھول دیں لیکن قریش نے انہیں الٹا ملزم گردانا اور انہیں برملا سخت سست کہا : ''محمد لڑائی کے لیے نہیں آئے نہ سہی، تب بھی وہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، نہ ہم عرب کو یہ موقعہ دے سکتے ہیں کہ وہ ہماری کمزوری کی داستان بیان کرتے رہیں ۔،،

دوسرا وفد : جس کے سامنے وہی گفتگو ہوئی جو پہلے وفد کے ساتھ ہوئی تھی مگر واپس آنے کے بعد انہوں نے قریش کی تہمت تراشی کے خوف سے ادھر ادھر کی باتیں کر کے انہیں ٹال دیا ۔

تیسرا وفد : ''احابیش،،[1] کا تھا ۔ اب قریش نے ان کے سردار حلیس کو بھیجنے

[1] ان لوگوں کو احابیش یا تو سیاہ رنگ کی بنا پر کہتے تھے اور یا ''حبشی،، نامی پہاڑ کی طرف منسوب ہیں ۔

کا فیصلہ کیا - مقصود یہ تھا کہ اگر (حضرت) محمد نے حلیس کو ٹھکرا دیا تو یہ لوگ ان کی نصرت میں اور بھی پیش پیش ہوں گے -

رسول اللہ نے حلیس کو شناخت کر لیا اور مسلمانوں سے فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کو اس کے آگے کی طرف سے نکالا جائے - حلیس کے ذہن نشین یہ کرنا تھا کہ اہل مکہ جن لوگوں کا مقابلہ کرنے کی فکر میں مرے جا رہے ہیں وہ تو بیت اللہ کی تقدیس کی وجہ سے صرف حج عمرہ کے لیے آئے ہیں - حلیس نے یہ بھی دیکھا کہ قربانی کے ستر جانور بھوک کی شدت سے ایک دوسرے چوپائے کے بدن سے بال نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں- حلیس مسلمانوں کی دیانت داری سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسے قریش کے ظلم اور ان لوگوں کی صلح جوئی کا یقین آ گیا -

وہ آں حضرت سے ملاقات کیے بغیر واپس لوٹ آیا مگر پہلے دو وفود کی طرح اس کی باتوں سے بھی قریش نے چراغ پا ہوکر اسے کہا ''خاموش! آخر تم بدو ہی نکلے! تم ان باتوں کو کیا سمجھو -،،

یہ سن کر حلیس کے تن بدن میں آگ لگ گئی - اس نے قریش سے کہا ''میں لوگوں کو کعبہ کی زیارت سے روکنے کے لیے تمہارا حلیف نہیں ہوں -،، حلیس نے قریش سے یہ بھی کہا کہ ''احابیش میں سے کوئی شخص حضرت محمد کو طواف سے روکنے کے لیے حائل نہ ہوگا -،، حلیس کی اس دھمکی سے قریش کے بدن پر رعشہ پڑگیا - منت سماجت کر کے اتنی مہلت مانگی کہ اس معاملہ میں ذرا سوچ لینے دیجیے-

چوتھا وفد : اب قریش نے ایسا آدمی تجویز کرنے کا منصوبہ بنایا جو حکمت و دانائی میں سب سے بہتر ہو اور ان کی نظر عروہ بن مسعود ثقفی (طائفی) پر پڑی - پہلے وفد کی مذلت عروہ کے سامنے ہی ہوئی تھی - اس نے انکار کر دیا ، لیکن قریش کے اطمینان دلانے پر وہ حدیبیہ میں چلا گیا -

عروہ نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ ''مکہ آپ کا بھی وطن ہے - آج اگر آپ نے ان ملے جلے اور کم رتبہ[1] لوگوں کے ہاتھ سے اسے پامال کرا دیا تو قریش ہمیشہ کے لیے رسوا ہو جائیں گے اور ان کی رسوائی میں آپ بھی ملوث ہوں گے- قریش کے ساتھ آپ کی لڑائی ہوتی رہتی ہے لیکن ان کی یہ ذلت آپ کو بھی گوارا نہ ہونا چاہیے -،،

ابوبکر نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ عروہ اپنی حکمت عملی سے مسلمانوں کو رسول اللہ کی طرف سے بد دل کرنا چاہتا ہے- عروہ سے برملا کہ دیا کہ رسول اللہ کے فدائی کسی حالت میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے -

عرب کے عام دستور کے مطابق دوران گفتگو میں عروہ رسول اللہ کی ریش مبارک سے ہاتھ لگا لگا کر بات کر رہا تھا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رسول اللہ کے عقب میں با ادب کھڑے تھے- وہ ہر مرتبہ عروہ کا ہاتھ جھٹک دیتے باوجودیکہ مغیرہ کو عروہ بن مسعود کا یہ احسان فراموش نہ ہوا تھا کہ ایک مرتبہ اس نے مغیرہ کی طرف سے تیرہ مقتولوں کی دیت ادا کی تھی

---

[1] مؤلف نے یہاں لفظ ''اوشاب،، لکھا ہے اور اسی رعایت سے ہم نے ترجمہ بھی کیا ہے - ابن ہشام کے نسخہ میں ''اوباش،، بھی ہے - ابن القیم نے بھی ''زاد المعاد،، میں اوشاب کو ترجیح دی ہے : م -

عروہ قریش کے پاس لوٹے تو انھوں نے برملا کہہ دیا ''اے برادران قریش! میں نے کسریٰ و قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار دیکھے۔ لیکن محمد کی سی عظمت کسی بادشاہ کی نہ دیکھی۔ اور تو اور ان کے ساتھی ان کے وضو کرنے پر پانی کے قطرے بھی زمین پر نہیں پڑنے دیتے! ان کا بال زمین سے اٹھا کر کسی قیمت پر دوسروں کو دینا گوارا نہیں! میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ لوگ اپنی رائے پر نظر ثانی کریں۔''

رسول خدا کی طرف سے قاصدوں کی روانگی : پہلے قاصد۔ وفود قریش کی ناکامی پر آں حضرت نے اندازہ فرمایا کہ قریش کی طرف سے آنے والے واپس لوٹ کر انھیں پوری کیفیت سے آگاہ نہیں کرتے۔ تب خاتم الرسل نے اپنی جانب سے ایک صاحب کو مکہ بھیجا مگر قریش نے انھیں دیکھتے ہی پہلے تو ان کی سواری کا اونٹ ہلاک کر دیا، پھر انھیں نرغۂ میں لے لیا (ان کا نام خراش بن امیہ الخزاعی ہے :م:) لیکن اجابیش نے مداخلت کر کے ان کی جان بچا دی۔

اہل مکہ نے اپنے اس رویہ سے ثابت کر دیا کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے متعلق بغض و کینہ بھرا ہوا ہے۔ ان کی روش دیکھ کر بعض مسلمان قتال کے متعلق سوچنے لگے۔

قریش کا حدیبیہ پر حملہ : اسی وقفہ میں شب کے وقت قریش کے چالیس یا پچاس نوجوان نکلے۔ پہلے انھوں نے مسلمانوں پر پتھراؤ کیا اس کے بعد یک دم جھپٹ پڑے۔ لیکن سب کے سب اسیر ہو کر رسول اللہ کے سامنے پیش ہوئے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ تمام مجرموں کو رہا کر دیا۔

آں حضرت کا منشا تو صلح و مصالحت تھا اور ادب والے دنوں (ماہ ذیقعد) کا احترام، اور حدیبیہ جو حرم بیت اللہ میں واقع ہونے کی وجہ سے محترم تھا، اس کا وقار مطلوب! قریش اپنے آدمیوں کی اسیری اور رہائی سے بے حد نادم ہوئے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ محمد جنگ کے ارادہ سے تشریف نہیں لائے۔ قریش نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر مسلمانوں پر زیادتی کی گئی تو عرب انھیں طعنہ دیں گے اور یقین کر لیں گے کہ جناب محمد ایسے لوگوں کے ساتھ جو سلوک بھی کریں انھیں اس کا حق پہنچتا ہے۔

رسول اللہ کا دوسرا قاصد : قریش کو ایک اور موقعہ دینے کے لیے رسول اللہ نے دوسرا قاصد بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! قریش مجھ پر جس قدر برہم ہیں آپ سے پوشیدہ نہیں اور میں بھی ان کے حق میں بہتر نہیں ہوں۔ مکہ میں میرے خاندان بنی عدی میں سے بھی کوئی نہیں۔ اگر آپ عثمان (بن عفان) کو بھیج دیں تو مناسب ہوگا۔ اہل مکہ ان کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔''

رسول خدا نے اپنے (خویش) عثمان کو طلب فرما کر انھیں ابوسفیان و سادات عرب کے ساتھ گفتگو کے لیے مکہ روانہ فرمایا۔ مکہ میں سب سے پہلے ابان بن سعید سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ابان نے ان کے قیام مکہ تک ازخود اپنی ضمانت میں لے لیا جب حضرت عثمان نے قریش کے سامنے آں حضرت کا پیام پیش کیا تو انھوں نے کہا ''اے عثمان! اگر آپ چاہتے ہوں تو بیت اللہ کا طواف کر لیجیے!'' مگر حضرت عثمان نے کہا ''جب تک رسول اللہ طواف نہ کریں میں بھی نہیں کر سکتا اے قریش! ہم لوگ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں جس کی تعظیم ہمارے دین میں داخل ہے۔ عمرہ کے معمولات ادا کرنا

مقصود ہے اور قربانی کے جانور ہمارے ہمراہ ہیں ۔ یہ رسوم ادا کر کے ہم واپس چلے جائیں گے ۔،،

قریش کا جواب : ’’مگر ہم نے قسم کھا لی ہے کہ اس سال محمد کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے ۔،، گفتگو کا دامن وسیع ہوتا گیا جس سے حضرت عثمان کا قیام طول پکڑ گیا ۔ اس تاخیر سے مسلمانوں میں عثمان کے قتل کی افواہ پھیل گئی لیکن ۔ قطع نظر اس کے شاید وہ لوگ حضرت عثمان کے ساتھ اپنی اس قسم کا ایسا حل تلاش کررہے ہوں جس سے قسم اپنی جگہ قائم رہے اور مسلمان بھی زیارت و طواف کر سکیں اور یہ کہ حضرت عثمان کی وساطت سے قریش اور محمد کے تعلقات خوشگوار ہو سکیں ۔

بیعۃ الرضوان : مسلمان حضرت عثمان کے متعلق اس خبر سے بے حد مضطرب تھے کہ اہل مکہ نے عرب کی روش کے خلاف ادب والے دنوں اور کعبہ کے اندر قتل کرنے میں بھی تامل نہیں کیا ۔ مسلمانوں میں سے ایک ایک متنفس نے خون عثمان کا بدلہ لینے کے لیے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ لیا ۔ رسول اللہ کا دل بیٹھ سا گیا: کہ اہل مکہ نے عثمان کو ادب والے مہینے میں قتل کر دیا ۔ فرمایا ’’لا نبرح حتی نناجز القوم،، (میں ان سے جنگ کیے بغیر یہاں سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤں گا) ۔ آں حضرت ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ بیعت (جہاد) کی دعوت فرمائی ۔ ایک ایک مسلمان نے بیعت کی کہ وہ موت کو فرار پر ترجیح دے گا ۔ پورے استقلال و استقامت کے ساتھ بیعت ہوئی ۔ جن لوگوں نے قاصد کو ادب والے زمانہ میں قتل کر دیا یہ بیعت ان کے خلاف دلوں میں جوش انتقام لیے ہوئے تھی جس کا تذکرہ قرآن کے ان لفظوں میں ارشاد ہوا :

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرة فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاً قریباً (۴۸ : ۱۸) ۔

(اے پیغمبر!) جب مسلمان (ایک کیکر کے) درخت تلے تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کر رہے تھے خدا (یہ حال دیکھ کر ضرور) ان مسلمانوں سے خوش ہوا اور اس نے ان کی دلی عقیدت کو جان لیا اور ان کو اطمینان (قلب) عنایت کیا اور اس کے بدلے میں ان کو قریب کی فتح دی ۔

جب تمام مسلمان بیعت کر چکے تب آں حضرت نے اپنا دست راست اپنے دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا ’’ھذا ید عثمان!،، (یہ عثمان کا ہاتھ ہے!) ۔ اسی طرح اپنے دوسرے قاصد کی طرف سے تکمیل بیعت فرمائی اور بیعت کے بعد مسلمانوں نے اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال لیں ۔ اب نہ انہیں مقاتلہ میں شک تھا نہ اس میں شبہ کہ ذرا دیر بعد ہماری فتح ہوگی یا جام شہادت نصیب ہوگا جس کے لیے ان کی روح شاداں و فرحاں منتظر تھی تاکہ اپنے رب کے حضور ’’یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ،،[1] (۸۹ : ۲۷) پیش ہوں جس کے لیے ان کے قلوب اطمینان و سکینہ کا خزانہ بنے ہوئے تھے ۔

اتنے ہی میں حضرت عثمان کے متعلق خیریت کی اطلاع آ گئی جس سے ذرا دیر بعد ممدوح بھی تشریف لے آئے ۔ لیکن بیعۃ الرضوان کے ثمرات آج سے کئی سال قبل عقبہ الکبریٰ کی بیعت کی سی کیفیت کی طرح پر بہار رہے ۔ خود رسالت پناہ کے لیے بیعۃ الرضوان کے

---

[1] ’’روح مطمئن،، اپنے پروردگار کی طرف چل! تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی!،،

اثرات میں گونہ کیف و سرور رہا ۔ جب اس کا تصور فرماتے، اپنے صحابہ کی فدا کاری کا نقشہ ذہن میں مرتسم ہو جاتا اور ظاہر ہے کہ جو شخص موت سے نہیں گھبراتا خود موت اس کے نام سے لرزتی ہے ۔ کامیابی ایسے ہی لوگوں کے لیے چشم براہ رہتی ہے ۔

حضرت عثمان نے قریش کی داستان ان لفظوں میں عرض کی ''اب انہیں رسول خدا اور آپ کے رفقاء کے تشریف لانے کا مقصد معلوم ہوگیا ہے ۔ وہ اقرار بھی کرتے ہیں کہ آیندہ سے انہیں حرمت والے دنوں میں حج و عمرہ کے لیے (مکہ) آنے والوں کے روکنے کا کوئی حق نہ ہوگا ۔،،

لیکن اسی وقفہ میں خالد بن ولید ایک دستہ اپنے ہمراہ لے کر مسلمانوں پر پل پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے فریقین میں جھڑپ ہوگئی کیونکہ اہل مکہ کے دل میں یہ خیال جاگزین ہو چکا تھا کہ اگر مسلمان طواف کے لیے کعبہ میں داخل ہوگئے تو ملک میں ان کی سبکی ہوگی اور عرب کے باشندے انہیں طعنہ دیں گے کہ اہل مکہ جناب محمد کے مقابلہ میں بھاگ نکلے۔ قریش چاہتے تھے کہ اس سال مسلمان مکہ میں نہ آئیں جس پر وہ کئی طریقوں سے سوچ رہے تھے کہ اگر مسلمان اس اقدام سے باز نہ آئے، تو انہیں طوعاً و کرہاً ان سے جنگ کرنا پڑے گی ۔ قریش دوگونہ کشمکش میں مبتلا تھے ۔ ادب والے دنوں میں جنگ کرنے سے بھی انہیں گریز تھا اور یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر ان کی طرف سے ان دنوں کے احترام میں لغزش ہوئی تو وہ قبائل جو ان مہینوں میں تجارت کے لیے مکہ میں آتے ہیں انہیں ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ رہے گی اور ان کے نہ آنے سے اہل مکہ کی معاشی زبون حالی حد سے گذر جائے گی ۔

پھر مذاکرات صلح کی تجدید

اہل مکہ کے پانچویں اور آخری وکیل : مذاکرات صلح پھر جاری ہوئے ۔ اہل مکہ نے سہیل بن عمرو کو بھیجا (یہ ان کے پانچویں اور آخری قاصد تھے) اور انہیں تاکید کر دی کہ مسلمانوں کی طرف سے عمرہ کی شرط قبول نہ کی جائے ورنہ ملک میں ان کا منہ کالا ہو جائے گا ۔ شرائط صلح میں طوالت کی وجہ سے بارہا سلسلہ گفتگو میں انقطاع کا خطرہ پیدا ہو گیا لیکن فریقین کے باہمی جذبہ مسالمت سے پھر یہ رشتہ قائم ہو جاتا ۔ اس مجلس میں جو مسلمان موجود تھے انہیں وکیل قریش (سہیل بن عمرو) کے شرائط صلح گوارا نہ تھے ۔ جب رسول اللہ اس قسم کے شرائط تسلیم کر لیتے تو مسلمان کبیدہ خاطر ہو جاتے ۔ اگر رسول اللہ کے منصب پر ان کا ایمان اور اعتماد نہ ہوتا تو مسلمان اس قسم کے یک طرفہ معاہدہ سے متفق ہونے والے نہ تھے ۔ وہ عمرہ کر کے ہی رہتے ۔ اس کے بعد جو ان کی قسمت میں ہوتا ۔

حضرت عمر اور ابوبکر کا مکالمہ : وکیل قریش سہیل بن عمرو کے شرائط معاہدہ کی ناہمواری پر حضرت عمر نے ابوبکر سے یوں گلہ کیا :

عمر : کیا آں حضرت صلعم خدا کے رسول نہیں ؟
ابوبکر : بے شک آپ خدا کے رسول ہیں ۔
عمر : ہم لوگوں کے مسلمان ہونے میں کوئی شک ہے؟
ابوبکر : ہرگز نہیں ۔
عمر : ان شرائط میں اسلام کی توہین نہیں ؟

ابوبکر : ضبط و تحمل سے کام لیجیے میں تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں ۔

عمر : اور میں بھی اس کا معترف ہوں کہ آں حضرت خدا کے رسول ہیں ۔

عمر اور رسول اللہ کا مکالمہ : حضرت عمر اسی حالت انقباض میں سرور کائنات کے حضور باریاب ہوئے ۔ جس طرح ابوبکر سے مکالمہ کیا تھا اسی انداز میں آں حضرت سے ہم کلام ہوئے اور آں حضرت کے ضبط و عزیمت میں بھی کمی نہ دیکھی ۔ رسول خدا کا آخری جملہ یہ تھا :

انا عبد اللہ ورسولہ لن اخالف امرہ ولن یضیعنی ۔

میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں مجھے اس کے حکم کی خلاف ورزی گوارا نہیں، نہ وہ مجھے ضائع ہونے دے گا ۔

عنوان معاہدہ کی تحریر : نفس شرائط یک طرف، تحریر معاہدہ کے دوران میں وکیل قریش کے بات بات پر قدغن سے مسلمانوں کا غم و غصہ اور زیادہ ہوگیا کہ جب رسول اللہ نے حضرت علی سے تحریر کے لیے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھیے تو اہل مکہ کے وکیل نے کہا ”ہم لفظ رحمن و رحیم کے روادار نہیں ۔ اس کی بجائے باسمك اللهم لکھوایا جائے!“ رسول اللہ نے علی سے فرمایا ایسے ہی لکھ دیجیے ۔

پھر آں حضرت نے حضرت علی سے (لکھنے کے لیے) فرمایا ”هذا ماصالح علیه محمد رسول الله و سهیل بن عمرو!“ سہیل نے علی سے کہا ”قلم روک لیجیے“ اور رسول خدا سے مخاطب ہو کر بولے ”اگر ہم آپ کو رسول ہی مانتے تو ہماری آپ کی جنگ و جدال کیوں ہوتی رہتی، بلکہ صرف اپنا نام اور ولدیت تحریر کرائیے ۔“ رسول اللہ نے علی سے ”هذا ماصالح علیه محمد بن عبدالله[1]“ لکھنے کے لیے فرمایا، اور اسی طرح لکھا گیا ۔

شرائط صلح : (اور صلح ان شرائط پر طے ہوئی جو تحریر میں لے آئی گئیں)

۱ ۔ فریقین ایک دوسرے کے خلاف دس سال تک جنگ نہ کریں گے ۔ (واقدی دو سال اور ان کے ماسوا تمام اہل سیر دس سال کے موید ہیں) ۔

۲ ۔ قریش مکہ میں سے جو شخص مسلمان ہو کر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ پہنچ جائے محمد صلعم کو اسے واپس لوٹانا پڑے گا ۔

۳ ۔ مسلمانوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو کر مکہ میں چلا آئے تو اسے واپس نہ کیا جائے گا ۔

۴ ۔ اہل عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں، دوسرا فریق اس میں حائل نہ ہوگا ۔

۵ ۔ مسلمانوں کو اس مرتبہ طواف و زیارت کعبہ کیے بغیر مدینہ واپس لوٹنا ہوگا ۔

۶ ۔ مسلمان آئندہ سال مکہ میں ان شرائط کی پابندی کے ساتھ آ سکتے ہیں :

الف : اسلحہ میں صرف تلوار، اور وہ بھی نیام میں بند ہو ۔

ب : تین روز سے زیادہ مکہ میں قیام نہیں کر سکتے ۔

حدیبیہ ہی میں قبیلہ خزاعہ نے رسول اکرم کے ساتھ اور (قبیلہ) بنوبکر نے قریش سے معاہدہ (وفاداری) کیا ۔

---

[1] یہ وہ معاہدہ ہے جو (حضرت) محمد ابن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان قرار پایا ۔

حضرت ابوجندل وکیل قریش کے صاحب زادے: جبکہ شرائط صلح پر گفتگو ہو رہی تھی اس سے ذرا قبل وکیل قریش (سہیل بن عمرو) کے صاحب زادے ابوجندل اس حالت میں تشریف لائے کہ پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ قریش کے ہاں اسلام لانے کی پاداش میں قید تھے۔ موقعہ نکال کر جیل خانے سے بھاگ نکلے۔ سہیل نے فرزند کو دیکھا تو ان کا گریبان پکڑ کر منہ پر زور سے طمانچے رسید کیے۔ ابوجندل چلانے لگے ”اے برادران اسلام! اگر مشرکین مجھے واپس لے گئے تو یا مجھے دین سے لوٹا دیں گے یا قتل کر دیں گے۔“ ابوجندل کو اس حال میں دیکھ کر مسلمانوں کا غم و غصہ اور سوا ہو گیا مگر صلح کی بات چیت ابھی جاری تھی اور تحریر مکمل نہ ہوئی تھی۔ رسول خدا نے ابوجندل سے فرمایا ”اے ابوجندل! اپنی مصیبت کا اجر خدا سے طلب کیجیے جو تمہارے ساتھ مکہ کے تمام محصورین کے لیے نجات کی سبیل پیدا کرے گا۔ قریش کے ساتھ ہماری گفتگو مکمل ہو چکی ہے، اس میں فریقین نے اللہ کو ضامن قرار دیا ہے میں ان سے بدعہدی نہیں کر سکتا۔“ آخر ابوجندل کو رسول اللہ کی پابندئ شرائط کی وجہ سے قریش کے ہاں واپس جانا پڑا۔

بعد از تحریر معاہدہ: تحریر معاہدہ کے بعد سہیل بن عمرو واپس مکہ چلے گئے مگر مسلمانوں کے بشرے سے غم و غصہ کے آثار نہ مٹ سکے جس سے رسول اللہ بھی متاثر تھے۔ آپ نے نماز ادا کی۔ دل کو سکون ہوا، پھر قربانی ذبح کی اور اس کے بعد تکمیل عمرہ کے لیے استرے سے سر کے بال اتروائے۔ روح مبارک کو مزید سکینہ" حاصل ہوئی۔ صحابہ نے آن حضرت کو اس طرح شاداں و فرحاں دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی اپنی قربانیاں ذبح کر دیں۔ کسی نے قینچی سے بعض نے استرے سے سر کے بال اتروائے اور بعض نے قینچی سے ترشوائے — رسول اکرم نے صحابہ کی متابعت دیکھ کر فرط خوشی سے فرمایا ”اللہ کی رحمت ہو استرے سے موئے سر اتروانے والوں پر!“

صحابہ نے عرض کیا، ”یارسول اللہ! کیا اکمال حج و عمرہ کے لیے قینچی سے بال ترشوانے والے گنہ گار ہیں“؟

فرمایا! ”ان پر بھی اللہ کی رحمت ہو!“

صحابہ نے پھر وہی سوال دوہرایا ”کیا اس موقعہ پر قینچی سے بال ترشوانے والے گنہ گار ہیں؟“

فرمایا ”بال ترشوانے والوں پر بھی اللہ کی رحمت ہو!“

صحابہ۔ ”یارسول اللہ! جناب نے پہلے صرف استرے سے بال صاف کرانے والوں کے لیے دعائے رحمت کی تھی؟“

فرمایا۔ ”انہیں اس لیے مقدم رکھا گیا کہ میرے سامنے انہوں نے زبان شکوہ نہیں کھولی تھی!“

مدینہ کی مراجعت سے قبل کا نقشہ: (اب) مسلمانوں کے ذہن میں مدینہ جا کر زیارت کعبہ کے لیے سال آیندہ تک انتظار کرنے کے سوا کوئی اور گنجائش نہ تھی۔ انہیں یہ تلخ گھونٹ حلق سے اتارنا ہی پڑا، اور صرف رسول اللہ کے تعمیل حکم کی وجہ سے! ورنہ ان کی عادت یہ تھی کہ یا تو دشمن سے مقاتلہ کر کے اسے بھگا دیتے یا خود کو اس کے حوالے کر دیتے۔ وہ اپنے لیے شکست کے نام سے واقف نہ تھے۔ اگر

سرور دو عالم انہیں اجازت دیتے تو اپنے اس عقیدہ کے سہارے کہ ''خدا جن کا ناصر و مددگار ہو ان کے لیے اللہ کے رسول اور اس کے دین کی کامیابی میں کوئی شبہ نہیں،، تو وہ مکہ میں داخل ہو کر دکھا دیتے۔

مسلمان قربانی کرنے اور احرام کھولنے کے بعد بھی حدیبیہ میں چند روز (تین ہفتہ) تک ٹھہرے رہے۔ اس اثنا میں بعض مسلمان ایک دوسرے سے معاہدہ کی حکمت دریافت کرتے اور بعض اس حکمت پر اعتراض!

فکر ہرکس بقدر ہمت اوست

مراجعت مدینہ اور فتح مبین کی بشارت: حتیٰ کہ حدیبیہ سے واپسی کے لیے کوچ فرمایا اور مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے وحی کے ذریعہ ''فتح مبین،، کی بشارت نازل ہوئی۔ قرآن کی اس سورہ کا نام ہی ''فتح،، ہے

انا فتحنا لك فتحاً مبيناً ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر ويتم نعمته عليك ويهديك صراطاً مستقيماً (۴۸: ۱-۲)

(اے پیغمبر یہ جدیبیہ کی صلح کیا ہوئی) حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمھاری فتح کر دی تا کہ (تم اس فتح کے شکریے میں دین حق کی ترقی کے لیے اور زیادہ کوشش کرو اور خدا اس کے صلے میں) تمھارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنے احسانات پورے کرے اور تم کو دین کے سیدھے رستے لے چلے (اور کوئی تمھارا مانع (مزاحم) نہ ہو۔

صلح حدیبیہ کے اثرات

قریش کا اسلام کو دولت نوزائیدہ اور مذہب مرسوم کی چیثیت سے تسلیم کرنا: صلح حدیبیہ بلاشبہ فتح مبین ہی تھی۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ اس (صلح) میں سیاسی حکمت اور دور اندیشی (دونوں) اسلام اور عرب کے مستقبل میں اثر انداز ہو کر رہیں گی۔ جیسا کہ اب تک قریش رسالت مآب کو سرکش اور باغی سے زیادہ اہمیت نہ دیتے لیکن حدیبیہ میں انہیں آں حضرت کو اپنا حریف و مقابل تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔ گویا اہل مکہ نے حدیبیہ میں اسلام کو دولت نوزائیدہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ پھر اس صلح نامہ کی رو سے مسلمانوں کا حق زیارت و طواف اور حج تسلیم کرنے کے یہ معنی تھے کہ اہل مکہ کے نزدیک اسلام کو بھی عرب کے دوسرے مذاہب کا مقام حاصل ہے اور عہدنامۂ حدیبیہ ہی کی ایک دفعہ کے مطابق لڑائی کا دو یا دس سال تک بند رکھنا طے پایا تو اس سے مسلمانوں کو سمت جنوب (مکہ) کی طرف سے دشمن (قریش) کی یلغار کا خطرہ زائل ہو گیا اور اسلام کی تبلیغ کا موقعہ مل گیا۔ پھر مسلمانوں کے بدترین دشمن اور اس کے خلاف ہمیشہ نار حرب مشتعل رکھنے والے جو کل تک اسلام کو مذہب تسلیم کرنے کے روادار نہ تھے آج انھوں نے اسے ملک کے مروجہ مذاہب میں سے ایک مستقل دین تسلیم کر لیا۔ ان وجوہات کی بنا پر آج سے مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ کا بہترین موقعہ ہاتھ آ گیا۔

اس صلح میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ اعتراض اس دفعہ پر تھا کہ:

قریش مکہ میں سے جو شخص مسلمان ہو کر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر

اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو کر مکہ میں چلا آئے تو اسے واپس

مدینه پہنچ جائے اسے واپس لوڑانا پڑے گا۔	نه کیا جائے گا۔

اس تضاد میں رسول الله کی رائے یه تھی که مسلمانوں میں جو شخص مرتد هو کر مکه چلا جائے اسے لوٹا کر مسلمانوں میں رکھنے کے کوئی معنی هی نهیں۔ رها اس شخص کا سوال جو اهل مکه میں سے مسلمان هو کر مدینه میں آ جائے اور اسے دوباره مکه بھیج دیا جائے تو ایسے شخص کے لیے الله تعالیٰ خود نجات کی سبیل پیدا کرے گا۔ جیسا که حدیبیه سے کچھ هی عرصه بعد رسول الله کی اصابت رائے پر آپ کے رفقاء حیران ره گئے۔

جب اسلام کو اس قدر تقویت حاصل هوگئی که آج سے دو مهینے بعد رسول الله نے گرد و نواح کے بادشاهوں اور نوابوں کی طرف دعوتی خطوط بھیجے۔

جناب ابو بصیر کا واقعه: رسول الله کی اصابت رائے کے نتائج جلد از جلد ظاهر هونے پر آ گئے۔ هوا یه که اهل مکه میں سے ابوبصیر مسلمان هو کر مدینه تشریف لے آئے۔ وه اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آئے تھے۔ اس کے مطالبه پر انهیں واپس کرنا ضروری تھا۔ قریش میں سے ازهر بن عوف اور اخنس بن شریق نے ابوبصیر کی واپسی کے لیے ایک غلام اور قبیله بنوعامر کے ایک شخص کو مدینه بھیجا۔ رسول خدا نے ابوبصیر کو طلب فرما کر حکم دیا که:

انا قد اعطینا هولاء القوم ماقد علمت ولا یصلح لنا فی دیننا الغدر۔	هم نے اهل مکه کے ساتھ جو معاهده کیا هے (اے ابوبصیر)! تمهیں بھی معلوم هے۔ همارے دین میں بد عهدی نهیں (تم مکه واپس چلے جاؤ)۔

ابوبصیر نے عرض کیا ”آپ مجھے مشرکوں کے سپرد کرنا چاهتے هیں جو مجھے مرتد کر دیں گے۔ لیکن رسول خدا بار بار انهیں مکه واپس جانے کی هدایت فرماتے رهے۔ آخر ابوبصیر ان (دونوں اهل مکه) کے همراه چل پڑے۔ جب ذوالحلیفه (مقام) میں پهنچے تو ابوبصیر نے عامری کی تلوار دیکھنے کی فرمائش کی اور قبضه پر هاتھ رکھتے هی اس سرعت کے ساتھ وار کیا که عامری کا سر بدن سے کٹ کر خاک میں لوٹ رها تھا۔ مقتول کا ساتھی (غلام) یه رنگ دیکھ کر بے تحاشا بھاگتا هوا مدینه پهنچا۔ اسے رسول الله نے دیکھتے هی فرمایا ”خدا خیر کرے! یه شخص خوف زده معلوم هوتا هے۔“ دریافت پر اس نے کها ”آپ کے رفیق نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا هے۔“ اتنے میں ابوبصیر آ پهنچے۔ وهی خون آلود تلوار هاتھ میں تھی۔ دریافت کرنے کے بغیر هی عرض کیا ”یا رسول الله آپ نے مجھے دشمنوں کے سپرد کر کے وعده پورا فرما هی دیا لیکن مجھے اسلام سے پھر جانا پسند نه آیا۔ نه یه که مکه جاکر خود کو کافروں کا مضحکه بنا لوں،،—ابوبصیر کے دل میں رسول الله کی جس قدر عظمت تھی وه اسے چھپا نه سکا۔ رسول خدا اس کے تیور سے سمجھ گئے که اگر اس کے ساتھ ایسے هی کچھ اور لوگ شامل هو جائیں تو یه قریش کے ساتھ جنگ کیے بغیر نه ره سکے گا۔ ابوبصیر مدینه سے نکل گیا اور مقام عیص نامی پر ڈیرا ڈال لیا جو بحیرۂ اسود کے کنارے شام کی شاهراه پر واقع هے۔ معاهده (حدیبیه) میں فریقین نے یه راسته تاجروں کی آمد و رفت کے لیے محفوظ رکھنے کی ذمه داری نه اٹھائی تھی۔ ابوبصیر کے عیص کو مامن بنا لینے کی خبر مکه کے محصور مسلمانوں نے سنی تو انهیں یقین هوگیا که رسول الله نے بھی ابوبصیر

کے اس اقدام کی توثیق فرما دی ہوگی ۔ ان (محصورین مکہ) میں سے جس کسی کو موقعہ ملا نظر بندی سے بچ کر ابوبصیر کے پاس آ پہنچا ۔ جب ستر مسلمان جمع ہوگئے تب انہوں نے ابوبصیر کی قیادت میں قریش کی ناکہ بندی شروع کر دی ۔ ان کے اکا دکا آدمی کو قتل اور تجارتی قافلوں کو لوٹنے لگے ۔ قریش نے اپنا یہ حشر دیکھا تو مکہ میں محصور مسلمانوں کے عوض میں اپنے جانی و مالی خسارہ سے تلملا اٹھے۔ ان پر واضح ہوگیا کہ صادق الایمان شخص کو محبوس رکھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ، ایک نہ ایک دن اس کی مخلصی کی راہ نکل ہی آتی ہے اور وہ اپنے قید کرنے والوں پر بزن بول کر انھیں مبتلائے آفت کر دیتا ہے ۔

اس وقفہ میں ان کے تصور میں اپنا گذشتہ مآل بھی گھومنے لگا جب انہوں نے رسول اللہ کو ہجرت پر مجبور کرکے مکہ سے نکال دیا تھا اور آں حضرت نے مدینہ پہنچ کر ان کی تجارتی ناکہ بندی کر دی ۔ آخر انہوں نے رسولِ خدا کی خدمت میں سفارتی وفد بھیجا جس نے محمد رسول اللہ سے قریش کے ساتھ رحم و قرابت کا واسطہ دے کر ابوبصیر اور ان کی جمعیت کو عیص سے واپس مدینہ بلانے کی استدعا کی اور یہ شرط منسوخ کر دی گئی ۔

رسول اللہ کی فراست و اصابت رائے دیکھیے۔ آج قریش اپنے ہی وکیل سہیل بن عمرو کے اس کیے کی سزا بھگت رہے ہیں کہ ''قریش میں سے جو شخص مسلمان ہوکر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ پہنچ جائے اسے واپس لوٹانا پڑے گا ۔'' اور مسلمانوں میں سے حضرت عمر نے جناب ابوبکر سے معاہدہ کی جس شق کا گلہ کیا تھا انہوں نے بھی اپنے گلہ کا نتیجہ دیکھ لیا ۔ رسول اللہ نے ابوبصیر کو قریش کی استدعا سے مطلع فرما کر ان کے مدینہ واپس آنے کی خواہش کا اظہار فرمایا ۔ جب ابوبصیر نے دیکھا کہ اب ہم سے تعرض نہ ہوگا تمام جمعیت عیص سے ڈیرہ اٹھا کر مدینہ چلی آئی ۔

اسی وقفہ میں مکہ سے آنے والی مومن بی بیوں کا معاملہ : اس مسئلہ میں رسول اللہ کی رائے مومن مردوں کے معاملہ سے مختلف تھی ۔ چنانچہ ام کلثوم دختر عقبہ بن ابی معیط اہل مکہ کی حراست سے نکل کر مدینہ تشریف لے آئیں اور جب ان کی بازگشت کی غرض سے ممدوحہ کے بھائی عمارہ و ولید رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آں حضرت نے یہ فرما کر ان کے واپس کرنے سے انکار فرما دیا کہ اس معاہدہ ہی کی شق کے مطابق عورتوں کا معاملہ مردوں سے مختلف ہے ۔[1] ''جو عورت ہم سے پناہ طلب کرے ہم پر اس کی حفاظت واجب ہے اور یہ بات بھی اپنی جگہ واضح ہے کہ عورت مسلمان ہو جانے کے بعد مشرک شوہر کی زوجیت میں نہیں رہ سکتی۔'' اس لیے رسول اللہ نے ایسی مومن عورتوں کی بازگشت سے انکار فرما دیا جو قریش کی حراست سے جان بچا کر مدینہ تشریف لے آئیں اور آں حضرت صلعم نے اس حکم خداوندی کی وجہ سے یہ انکار فرمایا :

یایھا الذین آمنوا اذا جاءکم المؤمنت مھجرت فامتحنوھن اللہ	مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرکے آیا کریں تو تم ان کے(ایمان) کی جانچ کرلیا

---

[1] اور اس شق کی وضاحت قرارداد مفاہمت میں بھی آ چکی تھی ''ولم یات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد من الرجال الا ردہ'' (بخاری کتاب المغازی غزوۃ الحدیبیہ۔م)۔

اعلم بایمانهن فان علمتموهن مؤمنت فلا ترجعوهن الی الکفار لا هن حل لهم ولا هم یحلون لهن - وآتوهم ما انفقوآ - ولا جناح علیکم ان تنکحوهن اذا اتیتموهن اجورهن ولا تمسکوا بعصم الکوافر وسئلوا ما انفقتم ولیسئلوا ماانفقوا - ذلکم حکم الله یحکم بینکم والله علیم حکیم (۶۰ : ۱۰) -

کرو - (یوں تو) ان کے ایمان کو اللہ (ہی) خوب جانتا ہے (تاہم جانچ لینا ضروری ہے) - تو اگر (جانچنے سے) تم ان کو سمجھو کہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کی طرف واپس نہ کرو - نہ (تو) یہ (عورتیں) کافروں کو حلال ہیں اور نہ کافر ان (عورتوں) کو حلال، اور جو کچھ کافروں نے (ان پر) خرچ کیا ہے وہ ان (کافروں) کو ادا کر دو اور اس میں بھی تم پر گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر تم (خود) ان سے نکاح کر لو اور کافر عورتوں کے ناموس پر قبضہ نہ رکھو (جو تمہارے نکاح میں ہوں) اور جو تم نے (ان پر) خرچ کیا ہے وہ کافروں سے مانگ لو اور جو انہوں نے اپنی عورتوں پر خرچ کیا ہے وہ (اپنا خرچ کیا ہوا) تم سے مانگ لیں - یہ اللہ کا حکم ہے جو تم لوگوں کے ایسے جھگڑوں کے بارے میں صادر فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے -

اس طرح (صلح حدیبیہ سے بعد کے) حوادث نے رسول اللہ کی فراست و دور اندیشی اور سیاست میں اصابت رائے کی تصدیق کر دی - حدیبیہ میں صلح کی بنیاد اس طرح رکھی جس پر اسلام کی سیاست و اشاعت کی تعمیر اس خوبی کے ساتھ ہونے کو تھی -

قریش اور رسول اللہ کو ایک دوسرے کی جانب سے پورا اطمینان ہو گیا - قریش نے اس امید پر اپنی تجارت کا دامن وسیع کر دیا کہ گذشتہ سالوں میں مسلمانوں کی طرف سے شام کی ناکہ بندی پر انہیں جو نقصان اٹھانا پڑا اس کی تلافی ہو جائے - ادھر رسول اللہ اس وقفہ میں مشرق و مغرب میں تبلیغ رسالت کی ادھیڑ بن میں مصروف رہے اور کچھ اس فکر میں منہمک کہ ایسے کون سے اسباب ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے مسلمان بھی دوسروں کی طرح عرب میں آزادی سے رہ سکیں - اس (آزادی) کے لیے آپ نے دو کام کیے :

الف - گرد و نواح کے بادشاہوں اور نوابوں کے ہاں سفیروں کی روانگی -

ب - غزوۂ خیبر (جو اس وقفہ کے آخر میں پیش آیا) کے بعد فریب پیشہ یہود کا جزیرۂ عرب سے اخراج (جس کا تذکرہ اس سے بعد کی فصل میں ہے) -

۲۱

شراب کی حرمت اور غزوہ خیبر سے لے کر عمرۃ القضا تک

صادق امین عبداللہ محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

صفی اللہ حبیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

عزیز حریص علیکم رؤف رحیم طٰہٰ مجتبیٰ

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی رحمۃ یتیم

۲۱

شراب کی حرمت اور غزوۂ خیبر سے لے کر عمرۃ القضا تک

حدیبیہ سے واپسی کے بعد : رسول خدا اور آپ کے رفقاء نے حدیبیہ میں تسلیم ہی کر لیا کہ اس مرتبہ کی بجائے آئندہ سال زیارت کعبہ کے لیے آئیں گے اور تکمیل معاہدہ کے بعد مسلسل تین ہفتہ تک حدیبیہ میں اقامت فرما رہے - مگر جب مدینہ کی طرف لوٹے تو بعض افراد نے نفس قرارداد کو مسلمانوں کی تذلیل پر محمول کیا - اسی دوران سورۂ فتح نازل ہوئی جسے آں حضرت نے مسلمانوں کو پڑھ کر سنایا - رسول اللہ کو حدیبیہ سے واپسی کے وقت دو باتوں کی سب سے زیادہ فکر تھی :

الف - مسلمانوں کی قوت و استقامت -

ب - اسلام کی توسیع -

ان کے لیے آں حضرت نے گرد و نواح کے غیر مسلم بادشاہوں اور نوابوں میں سے مندرجہ ذیل حکمرانوں کے پاس سفیر بھیجے : ہرقل ، کسریٰ ، مقوقس ، نجاشیٔ حبش ، نجاشی مذکور کے یمنی گورنر کی طرف اور حارث عیسائی کی طرف جس سے اسلام کی دعوت مقصود تھی - اس وقفہ میں دوسرا کام جزیرۃ العرب سے یہودیوں کی جلا وطنی تھی -

دعوت اسلام کا نشو و نما : اب دعوت اسلام اپنے نشو و نما کے اعتبار سے اس حد تک آ پہنچی جسے پورے عالم کے سامنے پیش کیا جا سکتا تھا - اب اسلام صرف توحید اور اس کے لوازمات ہی تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا دامن اجتماعی زندگی کے مختلف گوشوں پر پھیلتا جا رہا تھا - وہ جماعتی زندگی کو رفعت بخش کر افراد کو انسانی کمالات کے مرتبہ کے قریب لا رہا تھا - یہی وجہ ہے کہ اس دور میں شریعت کے مختلف احکام کی تفصیلات کا آغاز ہوا -

حرمت شراب : حرمت شراب کے زمانہ کی تعیین میں سیر نویس حضرات مختلف الرائے ہیں - ان کی مختصر تعداد اسے ۴ھ میں بتاتی ہے اور زیادہ تعداد حدیبیہ (۶ھ) میں - اگرچہ شراب کی حرمت کو توحید کے نظریہ سے اتنا زیادہ ربط نہیں ، اور یہ بھی ثابت ہے کہ بعثت مقدس و نزول قرآن دونوں سے بیس سال بعد تک شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی جس کی وجہ سے مسلمان اس مدت تک شراب میں ملوث رہے - نہ وحی نے شراب کو دفعتہً حرام کیا بلکہ (پہلے تو) نوبت بہ نوبت اس پر تہدید نازل ہوئی تاکہ مسلمان اس سے رفتہ رفتہ بے رغبت ہوتے جائیں ، اور آخر میں قطعی حرمت وارد ہوئی جو اس طرح سے (منقول) ہے :

پہلی مرتبہ : حضرت عمر نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا اور بارگاہ خداوندی میں بار بار عرض کیا : ''اللهم بين لنا فيها'' (یااللہ شراب کے متعلق واضح حکم نازل فرما) - اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما (۲ : ۲۱۹) -	اے پیغمبر! تم سے لوگ شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہیں ۔ ان سے کہہ دو ان دونوں چیزوں میں نقصان بہت ہے اور انسان کے لیے فائدے بھی ہیں لیکن ان کا نقصان ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے ۔

لیکن شراب کے رسیا اس تنبیہ سے کلیۃً متاثر نہ ہوئے ۔ شغل ناؤ نوش جاری رہا ۔ شب بھر جام و سبو سے ہم آغوش رہنے سے فجر کی نماز میں کچھ کا کچھ پڑھ جاتے ۔

دوسری مرتبہ : سیدنا عمر اتنی سی پابندی پر مطمئن نہ ہو سکے حتیٰ کہ :

تا کے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس

بارگاہ خداوندی میں یہ التجا پیش کی :

اللهم بين لنا فيها فانها تذهب العقل والمال ـ	خداوندا! شراب کے متعلق واضح حکم نازل فرما ۔ یہ تو مال اور دانش دونوں کی دشمن ہے ۔

اب کے مرتبہ صرف سکر اور نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت نازل ہوئی :

یاایها الذين آمنوا لاتقربوا لصلوة وانتم سكارٰى حتى تعلموا ماتقولون (۴ : ۴۳) -	مسلمانو! ایسا کبھی نہ کرو کہ تم نشہ میں ہو اور نماز کا ارادہ کرو ۔ نماز کے لیے ضروری ہے کہ تم ایسی حالت میں ہو کہ جو کچھ زبان سے کہو (ٹھیک طور پر) اسے سمجھو ۔

تیسری مرتبہ : اس (آیت) کے نازل ہونے پر رسول خدا کی جانب سے یہ منادی کرا دی گئی :

”لا يقربن الصلوة سكران ـ“	کوئی شخص مستی کی حالت میں نماز کی طرف نہ بڑھے ۔

ان دونوں (آیت اور منادی) کا اثر (طبعاً) ہونا ہی تھا ۔ مسلمانوں میں شراب نوشی کی عادت میں کمی آ گئی ، لیکن جناب عمر اس پر بھی قانع نہ رہے ۔ اب انہوں نے اور زیادہ الحاح سے عرض کیا :

اللهم بين لنا فى الخمر بياناً شافياً فانها تذهب العقل والمال ـ	خدایا! شراب کے متعلق اور مبنی برشفا حکم نازل فرما ! یہ مال و عقل دونوں کی دشمن ہے ۔

شراب کی حرمت طلبی میں سیدنا عمر بن الخطاب حق بجانب تھے کیونکہ آئے دن عرب کے نامسلمان ہی نہیں مسلمان بھی شراب کی مستی میں ایک دوسرے کو داڑھی سے پکڑ لیتے ۔ کوئی شرابی دوسرے کو اٹھا کر سر کے بل پٹک دیتا ۔ اس وقفہ میں ایک مرتبہ جب مسلمانوں ہی میں دعوت کے بعد شراب کا دور چلا تو ذرا دیر میں عقل پر مستی چھا گئی اور دوست کی آبرو دوست ہی کے ہاتھ سے خاک میں مل گئی ۔ مہاجرین و انصار میں مقابلہ شروع ہو گیا ۔ ایک شرابی نے مہاجرین کی طرف داری میں زبان کھولی ہی تھی کہ ادھر سے ایک انصاری نے دستر خوان سے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا لی جس سے ایک مہاجر کی ناک زخمی ہو گئی ۔ (اس) تقریب میں ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانے والے انصار و مہاجر باہم دست و گریبان ہو گئے ۔ کئی مسلمان زخمی ہوئے اور بعد میں دونوں (انصار و مہاجرین) کے دلوں میں کینہ پکنے لگا ، حالانکہ اس سے

پہلے دونوں ایک دوسرے کے دوست اور جان نثار تھے۔ اس واقعہ پر شراب کی قطعی حرمت نازل ہوئی -

یاایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون -

مسلمانو! بلاشبہ شراب، جؤا، معبودان باطل کے نشان اور پانسے ، شیطانی کاموں کی گندگی ہے تو ان سے اجتناب کرو تا کہ تم کامیاب ہو -

انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون - (۵ : ۹۰-۹۱) -

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے اور تمہیں خدا کے ذکر اور نماز سے باز رکھے (کیونکہ ان دونوں چیزوں میں پڑنے کا لازمی نتیجہ یہی ہے) - پھر (بتلاؤ! ایسی برائیوں سے بھی) تم باز رہنے والے ہو یا نہیں -

اور شراب پانی کی طرح بہا دی گئی : آیت (مذکورۃ الصدر) اس وقت نازل ہوئی جب حضرت انس شراب کی بزم میں ساقی بنے بیٹھے تھے- اتنے ہی میں حرمت شراب کی منادی شروع ہوگئی - یہ آواز جناب انس کے کان میں پڑی تو انھوں نے شراب پانی کی طرح بہا دی لیکن بعض لوگوں نے اس پر از رہ اعتراض کہا کہ ''اگر یہ (شراب) رجس (گندگی) ہی ہے تو ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جنھوں نے غزوہ بدر اور احد میں بھی شراب پی رکھی تھی ؟'' اور اس (اعتراض) پر یہ آیت نازل ہوئی :

لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا اذا مااتقوا! وآمنوا وعملوا الصلحت ثم اتقوا وآمنوا! ثم اتقوا و احسنوا واللہ یحب المحسنین (۵ : ۹۳) -

جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ جو کچھ (حرمت کے حکم سے پہلے) کھا پی چکے ہیں اس کے لیے ان پر کوئی گناہ نہیں جب کہ وہ (آئندہ کے لیے پرہیزگار ہوگئے اور ایمان لے آئے اور اچھے کام کیے اور (جب انہیں کسی بات سے روکا گیا تو اس سے رک گئے اور (حکم الٰہی پر) ایمان لائے اور اچھے کام کیے- اسی طرح پھر (روکے گئے تو پھر بھی) پرہیز کیا اور (حکم الٰہی پر) ایمان لائے اور اچھے کام کیے - (تو یقیناً ایسے لوگوں سے ان کی سابقہ باتوں کے لیے کوئی مواخذہ نہیں ہو سکتا) - وہ نیک کردار ہیں اور اللہ نیک کرداروں کو دوست رکھتا ہے -

اسلام کی تعلیم نیکی اور حسن عمل ہے : اسلام اپنے پیروؤں کو نیکی ، لطف و کرم اور حسن عمل کی دعوت پیش کرتا ہے - عبادت سے یہی مقصود ہے- اس سے روحانیت میں ترقی اور اخلاقی کمالات کی تکمیل مطلوب ہے جیسا کہ نماز میں رکوع و سجود سے غرور و نخوت کا سر نیچا کرنا مقصود ہے - اسی طرح اسلام اپنی انوکھی ترتیب کے

ساتھ گذشتہ مذاھب کے مقابلہ میں بمراحل طبعی کمالات تک جا پہنچا اور اس میں تمام عالم کے لیے قبول کی استعداد پیدا ھوگئی -

دولت روم و ایران : رسول اللہ کے عہد ظہور میں نواحی ملکوں میں کسریٰ (ایران) و ھرقل (روم) دونوں اس قدر طاقت ور بادشاہ تھے کہ اپنے ملکوں کے سوا قریبی ممالک میں بھی انہی دونوں کی سیاست کار فرما تھی اور دونوں ایک دوسری سلطنت کے حریف بھی تھے - جیسا کہ قارئین پچھلے صفحوں میں ملاحظہ فرما چکے ھیں کہ آن حضرت صلعم کی بعثت سے متصل ھی ایران روم کے خلاف صف آرا ھو کر مصر ، شام او اس کے مذھبی مرکز بیت المقدس پر حملہ کر کے مقدس صلیب تک کو اٹھا کر لے گیا جس مصیبت پر ھرقل نے منت مانی کہ ’اگر مقدس صلیب پہلے کی طرح پھر ھمارے سر پر سایہ فگن ھو جائے تو میں بیت المقدس کی زیارت کے لیے حمص (دارالخلافہ روم) سے پیدل چل کر جاؤں گا‘ اور یہ عیسائی بادشاہ (قیصر روم) اپنے اس ارادہ میں کامیاب ھوگیا

کسریٰ اور ھرقل دونوں میں یہ چپقلش صدیوں سے چلی آ رھی تھی جس میں کبھی وہ غالب اور یہ مغلوب ، کبھی یہ فتح مند اور وہ شکست خوردہ ، لیکن دونوں ملکوں کے گرد و نواح کی سلطنتیں اور باشندے کسریٰ اور ھرقل کے نام سے تھرتھر کانپتے رھتے ، ان سے تعرض کی تو کسے مجال تھی بلکہ ھر ایک ملک ان کی نگہ کرم و رحم کا منتظر رھتا -

عرب کی بے چارگی : یہ تو ایران و شام کے ان نواحی ملکوں کا حال تھا جہاں کسی نہ کسی شکل میں امن قائم تھا ، مگر ان کے مقابلہ میں عربستان کی یہ حالت کہ قبائلی زندگی نے ایک کو دوسرے سے جدا کر رکھا تھا ، جس کی وجہ سے عرب کے باشندے ایران و روم کے رحم و کرم میں دوسرے ملکوں سے زیادہ محتاج تھے خصوص جبکہ عرب کے سب سے بڑے دو خطے یمن و عراق ایران کے زیر نگین اور مصر و شا جیسے وسیع ملک ھرقل کی مملکت میں داخل ھوں - اس وجہ سے حجاز اور جزیرۃ العرب اتنی پرھیبت اور مضبوط سلطنتوں میں گھرا ھوا تھا -

پھر عربوں کا ذریعۂ معاش صرف تجارت ھی ھو اور ان کی جولان گاہ کا ایک کنار یمن اور دوسرا گوشہ شام ھو جس کی وجہ سے عرب کے باشندے کسریٰ ایران او قیصر روم دونوں کے ساتھ دعا سلام رکھنے پر مجبور ھوں - اور جب عرب کے سیاسی انتشار کا یہ عالم ھو کہ بھولے سے کبھی صلح صفائی ھوگئی تو فبہا ورنہ آپس میں سدا جنگ و پیکار ان کا شیوہ ھو - نہ کبھی یہ توفیق ھو سکے کہ منظم ھوکر رھیں او وقت آ پڑے تو قیصر یا کسریٰ کے مقابلہ میں قسمت آزمائی کر سکیں - عرب کے اس انتشار و نکبت اور اس کے مقابلے میں گرد و نواح کے بادشاھوں کی ھیبت و شکوہ کے ھوتے ھوئے محمد رسول اللہ کا قیصر و کسریٰ جیسے طاقت ور بادشاھوں کو اسلام کی طرف دعوت! ادھر بادشاھان غسان و مصر و اسکندریہ اور یمن کے حکمرانوں سے یہی معاملہ کس قدر حیرت افزا ھے! وہ بھی اپنے مستقبل کے اس نتیجہ سے بے نیاز ھو کر کہ مبادا ایسی دعوت کی پاداش میں آپ کے ساتھ تمام عرب کو ان بادشاھوں میں سے کسی کی رعایا ھو کر رھنا پڑے -

کہنا یہ ہے کہ مخاطب بادشاہوں کی شوکت و دبدبہ کے باوجود محمد رسول اللہ نے انہیں دین حق کی دعوت دینے میں تامل نہ فرمایا - ایک روز اپنے رفقاء سے یوں ہم کلام ہوئے:

ایہا الناس ! قد بعثنی اللہ رحمہ" للناس . کافہ" فلا تختلفوا علی کما اختلاف الحواریون علی عیسیٰ ابن مریم -

صاحبو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لیے باعث رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے- مبادا تم لوگ بھی عیسیٰ ابن مریم کے حواریوں کی طرح میری نافرمانی پر اتر آؤ -

صحابہ نے عرض کیا ”اے رسالت پناہ! حضرت عیسیٰ کے حواری کن معنوں میں ان کے خلاف ہو گئے؟“ فرمایا :

دعاھم الی الذی دعوتکم الیہ فاما من بعثہ مبعثا قریباً فرضی وسلم واما من بعثہ مبعثاً بعیداً فکرہ و وجہہ وتثاقل -

ابن مریم نے اپنے حواریوں کے ذریعے یہی پیغام بادشاہوں کو پہنچانا چاہا - ان میں سے جس کو نزدیک کے بادشاہ کے پاس بھیجا اس نے خوشی سے تعمیل کر لی مگر دور بھیجے جانے والوں میں سے بعض کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے اس طرح یہ گروہ اپنے فرائض کی انجام دہی پر پورا نہ اتر سکا -

اس کے بعد فرمایا ”میں تم لوگوں کو اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے (مندرجہ ذیل بادشاہوں اور نوابوں کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں : ہرقل ، کسریٰ ، مقوقس ، حارث الغسانی [امیر صوبہ حیرہ (شام)] ، حارث الحمیری (حکمران یمن) اور نجاشی شہنشاہ حبشہ کی طرف

صحابہ نے خندہ پیشانی سے خدمات پیش کیں- چاندی کی ایک انگشتری بنوائی گئی جس کے نگینے میں محمد رسول اللہ منقش کیا گیا - دعوتی خطوط لکھوائے گئے جن پر یہ نقش چسپاں ہوا - ان میں سے ایک خط کا یہ نمونہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبداللہ و رسولہ الی ہرقل عظیم الروم ! سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد! فانی ادعوک بدعایہ" الاسلام اسلم تسلم! یؤتک اللہ اجرک مرتین ! افان تولیت فانما علیک اثم الاریسیین - یااھل الکتاب تعالوا الی کلمہ سوآء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا الشہدوا بانا مسلمون (۳ : ۶۴) -

بسم اللہ الرحمن الرحیم! از طرف محمد جو خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے بنام ہرقل شہ روم پیرو ہدایت کے لیے سلامتی ہے اور میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں - اگر تم نے اسے قبول کر لیا تو تم بھی سلامت رہو گے اور خدا تعالی اس کا اجر دگنا عنایت فرمائے گا -اگر انکار کردیا تو اہل ملک کا گناہ بھی تمہارے ذمہ ہوگا - (اے پیغمبر!) تم (یہود اور نصاری سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو) اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لیے یکساں طور پر مسلم ہے ،یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں

ہم میں سے کوئی ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنا لیا جائے! پھر اگر یہ لوگ (اس بات سے) روگردانی کریں تو تم کہہ دو گواہ رهنا که (انکار تمهاری طرف سے ہے) اور ہم خدا کے ماننے والے ہیں۔

ان سفیروں کے نام :

۱-	جناب	دحیه بن خلیفه کلبی	بسوئے	هرقل (روم)
۲-	״	عبد الله ابن حذافه	״	کسرئ ایران (خسرو پرویز)
۳-	״	عمرو بن امیه الضمری	״	نجاشئ حبشه (اصحمه)
۴-	״	حاطب بن ابو بلتعه	״	مقوقس (شاه مصر و اسکندریه)،
۵-	״	عمرو بن العاص	״	شاهان عمان (جیفر وعبد پسران الجلندی)
۶-	״	سلیط بن عمرو	״	رئیس یمامه هوذه
۷-	״	علاء بن حضرمی	״	رئیس بحرین (منذر بن ساوی)
۸-	״	شجاع بن وهب اسدی	״	رئیس غسان (حارث بن ابی شمر (الغسانی)
۹-	״	مهاجربن امیه مخزومی	״	رئیس یمن (حارث حمیری)

سفیران رسالت مآب کی مدینه منوره سے روانگی کے متعلق دو روایات ہیں—یک وقت مدینه سے روانه ہوئے اور بعض مورخین کے نزدیک مختلف اوقات میں۔

عہد رسالت میں ایران و روم کی مذهبی نکبت: سوال یه ہے کیا رسول الله صلعم کا اپنے ہم عصر بادشاہوں کی طرف اسلام کی دعوت تعجب انگیز امر نہیں اور اس سے بھی زیادہ یه امر حیرت افزا نہیں که اس دعوت کے بعد تیس سال کی مدت کے اندر یه ممالک بھی اسلام کے زیر نگین ہوگئے اور ان ملکوں کے بیشتر باشندے ابتدا ہی میں مسلمان ہو گئے؟ لیکن عربستان کے ان نواحی ملکوں میں سے اکثر و بیشتر خطوں کا فتح ہونا ہمارے لیے اس قدر تعجب کا سبب بھی نہیں، اس لیے که جب ہم ان خطوں میں سب سے بڑے دو ملکوں یعنی ایران و روم کی قوت اور تمدن کا تصور کرتے ہیں جو ظہور اسلام کے بعد تک بدستور تمام عالم میں ممتاز تھے - ان کا عروج اور ترقی صرف مادی بنیادوں پر قائم تھا - دونوں ملکوں کی بادشاہتیں روحانی قوت کے لحاظ سے دم توڑ چکی تھیں - ایران مذهبی حیثیت سے دو (بت پرست اور مجوس) طبقوں میں منقسم تھا - روم (بزنطیه) میں مسیحیت کا بٹوارہ کئی ٹکڑوں میں ہو چکا تھا جس کی وجه سے ان کے عقیده میں بھی اتنی سکت نه تھی که اس کے بل بوتے پر اس کے ماننے والوں کے دلوں میں قوت و استقامت پیدا ہو سکے۔ اب ان کا مذهب صرف ظاهری رسوم و قواعد کا ملعوبه بن کر ره گیا تھا جس نے اس کے ماننے والوں کی عقل پر چھائیاں سی ڈال رکھی تھیں -

ایران و روم دونوں کا بالمقابل مذہب: ایران کی بت پرستی و مجوسیت اور روم کی مسیحیت کے مقابلہ میں مذہب اسلام کا ظہور ہوا جس کے ترجمان جناب محمد صلعم لوگوں کے سامنے خالص روحانیت کی دعوت پیش کرتے جس کے ثمرہ میں اس (اسلام) کے ماننے والے انسانیت کے اعلیٰ ترین مراتب حاصل کر سکتے تھے اور مسلمات سے ہے کہ مادیت و روحانیت کی آویزش سے جب وقتی خواہشوں کے مقابلہ میں روحانی عیش اور جاودانی نعمتیں صف آرا ہوں تو اول الذکر (وقتی نعمتوں) کو سرنگوں ہونا ہی پڑتا ہے۔

بلاشبہ اس وقت ایران و روم (دونوں) اقتدار و عظمت میں اپنا حریف نہ رکھتے تھے لیکن مصیبت یہ تھی کہ دونوں تجدید و فکر نو کے دشمن اور قدامت و رسوم پرستی کے دلدادہ تھے حتیٰ کہ ہر ایسے نظریہ اور فکر و جدت کو بدعت و ضلالت سمجھتے جو ان کے دقیانوسی رسومات کے خلاف ہو۔ وہ اپنی پرانی اور پر پیچ ڈگر کو ترقی کی شاہراہ سمجھ کر اس پر چکر کاٹ رہے تھے۔ اور دونوں (ایران و روم) نے اپنے اپنے ذہن کے دروازے بند کر رکھے تھے کیونکہ انسانی جماعت بھی فرد بلکہ دوسرے موجودات کی طرح ہر لمحہ ترقی کی ایک منزل طے کرسکتی ہے۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ جماعتوں کو بھی اوج کمال پر پہنچ کر اپنی مزید کوشش کو ترک نہ کر دینا چاہیے۔

ورنہ ایسی ترقی پذیرفتہ جماعت کی مثال اس دولت مند کی سی ہوگی جو اپنے سرمایہ کو کاروبار کی وسعت میں صرف کرنے کی بجائے زندگی کے مصارف میں بہانا شروع کر دے۔ اسی طرح متمدن قوموں کا ترقی کی مزید کاوش چھوڑ کر بیٹھ رہنا گویا صدیوں کی جمع کردہ تہذیب و رفعت کا کھو دینا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک نہ ایک دن قعر مذلت و نکبت میں سرنگوں ہو کر گر پڑتی ہیں اور جو جماعت اس طرح ذلیل و خوار ہو کر رہ جائے اسے کسی ایسے خارجی قوت کے زیر نگیں ہونے کے بغیر چارہ نہیں جس میں زندگی کے آثار نمایاں ہوں۔ جب وہ قوم کسی پس ماندہ قوم کو اپنے دامن میں پناہ دے تو اس (پس ماندہ) قوم کی ترقی کے اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

عہد رسالت مآب کی پس ماندہ اقوام میں یہی ایران اور روم دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتیں تھیں جن کی نشاۃ ثانیہ (نئی زندگی) کے لیے نہ تو چین میں سکت تھی نہ ہندوستان میں مقدرت، اور یہی بے مائیگی وسط یورپ کے ملکوں پر مسلط تھی۔ یہ جوہر تو خود جناب محمد صلعم ہی تھے جن کی دعوت اس کمال تک آ پہنچی کہ اپنے ساتھ ان قوموں کو بھی آگے بڑھا سکیں جو دین کے غلط تصورات اور رسوم پرستی کی وجہ سے سر منزل تھک کر بیٹھ چکی ہوں۔

ایمان کے جس نور نے نفس رسول کو اس قدر مجلیٰ و منور کر دیا اور روحانی قوت اس قدر بخش دی جس کی برابری کا کسی مقابل قوت کو یارا نہ تھا آخر اسی نور ایمان کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے جناب محمد کو ایسے ذرائع پر مائل کیا کہ رسول پاک اپنے مبلغین کے ذریعہ گرد و نواح کے بادشاہوں اور رئیسوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ وہ اسلام جو دین حق اور اپنے اوصاف کی وجہ سے ہر قسم کے روحانی کمالات کا مجموعہ ہے، جس (دین) کے سر پر خدا کا ہاتھ ہے، جو (دین) عقل کو نیک و بد کے پرکھنے کی تاکید اور دلوں کو خیر و شر میں امتیاز کی قوت بخشتا ہے اور جو (دین) اپنے ماننے

والوں کو عقیدہ کے پرکھنے کی بھی ایسی ہی تلقین کرتا ہے جیسے جماعتی نظم و نس
کے لیے قوانین کی ہدایت فرماتا ہے جن سے مادہ اور روح دونوں میں متبادل توا
قائم رہ سکے تاکہ انسان کے لیے جس قدر قدرت و ارتقاء ممکن ہے اسے حاصل کرنے کے
دوران بیں وہ راستے ہی میں تھک کر نہ بیٹھ جائے - یہی قوت ہے جس پر نہ کو
مانع اثر انداز ہو سکتا ہے اور نہ فریب یا دھوکا اس کے راستے میں حائل ہو سکتا ہے
حتی کہ یہ (نکبت زدہ) قوم اس نظام کی دست گیری سے ایسے بلند ترین مقام پر فا
ہو سکتی ہے جو عالم کون و مکان میں حاصل ہونا ممکن ہو -

حالات کا دوسرا رخ : ملک سے یہود کی جلاوطنی کا منصوبہ : یہاں ایک اور سو
پیدا ہوتا ہے - کیا رسول اللہ کا ان بادشاہوں اور نوابوں کی طرف تبلیغی خطوط بھیج
مقتضائے حال کے مطابق تھا ، خصوصاً جب کہ مدینہ سے سمت شمال پر بسنے وا
(یہود) ہر لمحہ خاتم الرسل کے ساتھ فریب اور بدعہدی کرنے کے لیے ادھار کھائے
بیٹھے تھے ؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرارداد حدیبیہ نے رسول اللہ کو نہ صرف قریش بلکہ
اس پوری سمت (جنوبی) سے مطمئن کر دیا تھا - بخلاف اس کے مدینہ سے شمال می
ہٹے والے یہود کی طرف سے ہر وقت خطرہ تھا کہ ہرقل یا کسریٰ ایران خیبر کے
یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف نہ بھڑکا دیں اور یہود کا وہ پرانا ناسور رسنے لگے
ان کے برادران دین بنوقینقاع و بنونضیر کی مدینہ سے جلاوطنی اور بنوقریظہ کے قتل عا
کی صورت میں رونما ہوا - آں حضرت کو یہودیوں کی طینت کا علم تھا کہ وہ کینہ تو
میں قریش سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں، اسی طرح دینی حیثیت سے قریش کے مقابل
میں جامد بھی زیادہ ہیں اور دور اندیشی میں اہل مکہ سے ان کا پلہ بھاری ہے - پ
جب کہ رسول پاک کو ان کے ساتھ حدیبیہ کا سا معاہدہ کرنا گوارا تھا نہ ان
طرف سے اطمینان اور آج سے پہلے فریقین میں مقابلہ بھی ہو چکا تھا جس میں یہود
کو نیچا دیکھنا پڑا - پس اگر انہیں ہرقل کی طرف سے مدد مل سکتی تو مسلمانوں
انتقام لینے میں انہیں کیوں تامل ہوتا ؟ رسول اللہ نے فیصلہ ہی کر لیا کہ یہود
جڑ سے اکھاڑ کر عرب سے دھکیل دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے خلاف یہ خلش ہمیشہ
کے لیے دور ہو جائے - آں حضرت نے اس کے متعلق مناسب کارروائی عمل میں لانے
تہیہ کر لیا - اس میں اور بھی عجلت سے کام لیا تاکہ بنوغطفان یا مسلمانوں کا کوئی
دشمن قبیلہ بروقت یہود کی کمک کے لیے نہ پہنچ سکے -

یہود خیبر پر حملہ کی تیاری : (رسول اللہ نے) یہود خیبر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر
اور حدیبیہ سے واپسی پر پچیس روز یا ایک مہینہ کے بعد (باختلاف روایات) لشکر
کو روانگی کا حکم دیتے ہوئے صرف انہی مسلمانوں کے لیے لشکر میں شریک ہونے
اجازت فرمائی جو حدیبیہ میں شامل تھے اور ان کے سوا دوسرے لوگوں کی شمولیت
انکار تو نہ فرمایا مگر انہیں غنیمت سے مستثنیٰ فرما دیا -

اس لشکر میں سولہ سو مسلمان شامل ہوئے جن میں سواروں کی تعداد صرف
سو تک تھی - ہر ایک مسلمان کے دل میں نصرت خداوندی کا یقین موج زن تھا
حدیبیہ سے واپسی پر سورۂ فتح کی بشارت کی وجہ سے پر امید -

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتأخذوھا ذرونا نتبعکم یریدون ان یبدلوا کلام اللہ قل لن تتبعونا کذالکم قال اللہ من قبل فسیقولون بل تحسدوننا بل کانوا لایفقھون الا قلیلا (۴۸ : ۱۵) -

(مسلمانو!) اب جو تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے کے لیے جانے لگوگے تو جو لوگ تم سے پیچھے رہ گئے تھے (تم سے) کہیں گے ہم کو بھی اپنے ساتھ چلنے دو! (اس سے) ان کا مطلب یہ ہے کہ فرمودۂ خدا کو بدل دیں (نہ ہونے دیں) - (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دو کہ تم ہرگز ساتھ نہیں چلنے پاؤگے - اللہ نے پہلے ہی ایسا فرما دیا ہے - یہ سن کر لوگ کہیں گے کہ (خدا نے تو کیا فرمایا ہوگا) بلکہ (بات یہ ہے کہ تم ہم سے جسد رکھتے ہو - (حسد نہیں) بلکہ یہ لوگ تو اصل مطلب کو بہت ہی کم سمجھتے ہیں (کہ یہ ان کے سفر حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے کی سزا ہے) -

خیبر میں : مسلمان مدینہ سے چل کر تیسرے روز (نماز مغرب کے بعد) خیبر میں آ پہنچے اور شب بھر قلعۂ خیبر ہی کے نیچے پڑے رہے - اہل خیبر کو مسلمانوں کے آنے کی کوئی خبر نہ ہوئی - صبح کے وقت جب کسان پھاوڑے اور ڈلیاں لے کر کھیتوں کی طرف جانا شروع ہوئے تو شہر سے باہر لشکر پڑا ہوا دیکھا - ''یہ تو محمد لشکر لے کر آ پہنچے!'' کہتے ہوئے بستی کی طرف بھاگے - رسول اللہ نے یہ آوازہ سنا تو فرمایا ''خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین'' (خیبر کی تباہی کا وقت آپہنچا - جب ہم کسی قوم پر حملہ کرنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں تو اس قوم کا یہی حشر ہوتا ہے) -

خیبر کے یہودی پہلے سے یہ بھی خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ رسول خدا ان سے ان کے دشمنوں کو پناہ دینے کی وجہ سے جنگ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں - وہ ایسے وقت کے ٹالنے کی تدبیر سے غافل نہ تھے - ان میں سے بعض لوگ جو قبائل میں سے کسی سے استمداد نہ چاہتے تھے (بربنائے حفظ ماتقدم) وادی القریٰ اور تیماء کے یہودیوں سے ساز باز بھی کر چکے تھے - قبل ازیں ان کا ایک گروہ رسول اللہ کے ساتھ معاہدہ کرنے پر بھی مائل تھا تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں جو کینہ حیی ابن اخطب کی طرف سے مدینہ پر بلوہ کی صورت میں رونما ہو چکا ہے اس کی تلافی ہو جائے - اس معاملہ میں یہود خیبر کا میلان انصار (مدینہ) کی طرف اور بھی زیادہ تھا لیکن فریقین کے دل ایک دوسرے کی طرف سے اتنے دور ہو چکے تھے کہ آخر مسلمانوں نے خیبر پر ہلّہ بول ہی دیا اور اس سے قبل مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کے دو بڑے چودھری سلام بن ابوالحقیق اور یسیر ابن ازام بھی قتل کیے جا چکے تھے جس سے متاثر ہو کر انہوں نے بنوغطفان سے رشتۂ مودت جوڑ لیا تھا - یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ کی تیاری کی سن گن

پائی تو غطفان[1] کو فوراً اطلاع کر دی - البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ بنوغطفان ان کی یاوری کرنے کے لیے آئے یا نہیں -[2]

قطع نظر اس کے کہ بنوغطفان یہود خیبر کی مدد کے لیے پہنچے یا اپنی اقامت گاہ تک کو نہ چھوڑا — ادھر رسول اللہ نے بھی ان (غطفان) سے خیبر کی غنیمت میں حصہ کی پیش کش کی یا نہیں — لیکن ارباب سیرت اس پر متفق ہیں کہ خیبر کے یہود عرب میں نہ صرف اپنی ہی قوم میں طاقت ور، فنون جنگ میں مشاق اور تونگر تھا بلکہ ان کے پاس تمام عرب سے زیادہ اسلحہ تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو یقین تھا کہ جب تک یہ گروہ عرب میں موجود ہے دین جدید کے ساتھ ان کی دشمنی دین اسلام کو فروغ حاصل نہ ہونے دے گی - نہ وہ اپنی شرارتوں سے باز رہیں گے اور نہ ان کے اثرات کی وجہ سے اسلام پنپ سکے گا - یہی وجوہ ہیں جن سے گھبرا کر مسلمانوں نے ان کے خلاف بزن بول دیا -

خیبر پر مسلمانوں کے حملے کی خبر بجلی کی طرح تمام عرب میں پھیل گئی - ملک کا ہر شخص نتیجے کے لیے گوش برآواز تھا - خصوصاً قریش نہایت بے تابی کے ساتھ انجام کے منتظر تھے - انھیں امید تھی کہ خیبر کے یہودی اپنی دلاوری، اپنے قلعوں کی سربلندی اور پہاڑوں کی بلند ترین چوٹیوں کی وجہ سے مسلمانوں کا حملہ ناکام کر دیں گے - چنانچہ ان میں سے اکثر نے تو شرط تک بد رکھی تھی -

محاصرہ: مگر یہاں مسلمانوں نے صف بندی سے خیبر کے قلعوں کو چاروں طرف سے محاصرہ میں لے لیا - یہود نے اپنے سرغنہ سلام بن مشکم کے مشورہ سے یہ انتظام کیا کہ مال و اسباب، مستورات اور بچوں کو قلعۂ وطیح و سلام میں پہنچا دیا - اجناس و رسد قلعۂ ناعم میں منتقل کر دی گئیں اور سپاہی اپنے جنگ آزمودہ سپہ سالاروں کی قیادت میں غنیم کے حملے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے (یہود اور ان کے زن و بچے) سب کے سب قلعۂ نطاۃ میں جمع ہو گئے -[3]

---

[1] نقشہ ''بلاد العرب فی حیاۃ محمد'' دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ مدینہ سے خیبر بسمت راست شمالاً واقع ہے - خیبر کے بعد فدک شمال سے ذرا ہٹ کر غرباً اور بنوغطفان خیبر سے بسمت مشرق دور واقع ہے — م -

[2] بنوغطفان آئے مگر مسلمانوں نے ان کی ناکہ بندی کر رکھی تھی - الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے - اسلامی لشکر خیبر میں بنوغطفان ہی کی سمت پر پڑا ہوا تھا — م -

[3] خیبر دس قلعوں کے مجموعہ کا نام تھا جن میں دس ہزار جنگی سپاہی رہتے - پھر یہ قلعے تین حلقوں میں واقع تھے -

(الف) حلقہ نطاۃ: اس میں چار قلعے تھے — ناعم، نطاۃ، صعب ابن معاذ، قلعۂ الزبیر -

(ب) حلقہ — : (تین قلعے) حصن شق، حصن البر، حصن ابی -

(ج) حلقہ کتیبہ: (اس میں بھی تین ہی قلعے تھے) قموص، وطیح، سلام -
بفتحہ و کسرہ دونوں: م:

مقابلہ شروع ہو گیا : سب سے پہلے دونوں لشکر قلعۂ نطاۃ کے نیچے آمنے سامنے ہوئے - معرکۂ قتال دیر تک گرم رہا جس میں مسلمانوں کے پچاس سپاہی زخمی ہوئے - اندازہ کر لیجیے کہ لشکر یہود پر کیا بیتی ہوگی جب کہ ان کا سپہ سالار اعظم سلام بن مشکم بھی مارا گیا جس کے قتل ہو جانے پر (قلعۂ) ناعم کے لشکر کی سپہ سالاری حارث بن ابو زینب کو تفویض ہوئی - بنو خزرج نے اسے رگید کر قلعہ میں دھکیل دیا - مسلمانوں نے پوری قوت کے ساتھ محاصرہ قائم رکھا اور محصورین بھی جانفشانی سے مدافعت میں سرگرم رہے - انھیں یقین تھا کہ محمد کے مقابلہ میں بنواسرائیل کی یہ شکست جزیرۃ العرب سے ہمیشہ کے لیے ان کا استیصال کر دے گی -

قلعۂ ناعم کی فتح : مسلمانوں کو قلعۂ ناعم کا محاصرہ کیے ہوئے کئی روز گذر گئے اور کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا - آخر رسول اللہ نے حضرت ابوبکر کو علم دے کر ناعم کی مہم سپرد فرمائی - انھوں نے جی توڑ کر مقاتلہ کیا مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا - دوسرے روز علم عمر بن الخطاب کو تفویض فرمایا - وہ بھی شام تک مصروف پیکار رہے مگر مہم سر نہ ہو سکی - تیسرے روز رسول پاک نے علی ابن ابی طالب کو پرچم دے کر فرمایا : ’’خذ ھذہ الرأیہ“ فامض بہا حتی یفتح اللہ علیك،، (اے علی! علم لیجیے اور حملہ کر دیجیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے اسے فتح فرمائے!) -

یہودی قلعہ سے نکل کر مقابلہ پر ڈٹ گئے اور ان کے ایک سپاہی کی ضرب سے علی کی سپر ہاتھ سے گر پڑی - اتفاق سے قلعہ کے پاس چوکھٹ کا ایک در پڑا ہوا تھا - علی نے ہاتھ میں لے کر اس سے سپر کا کام لیا اور یہود کے لشکر کو قلعہ میں دھکیلنے کے بعد اسی تختہ سے خندق کا پل بنا لیا جس پر سے گذر کر مسلمان سپاہی قلعہ میں داخل ہو گئے اور یہودی سپہ سالار (حارث بن ابوزینب) کی موت کے بعد مسلمان قلعۂ ناعم پر قابض ہو گئے-

اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہودیوں نے جنگ میں کس بہادری کے ساتھ جان دی او مسلمان ان کے مقابلہ میں کس طرح سینہ سپر ہو کر سرگرم پیکار رہے -

حصن قموص و قلعہ صعب بن معاذ کا محاصرہ اور فتح : مسلمانوں نے حصن قموص کا محاصرہ کیا اور وہ بھی شدید معرکہ کے بعد فتح ہو گیا . لیکن اس نوبت پر آ کر رسد ختم ہو چکی تھی- مسلمانوں نے رسول اللہ کی خدمت میں اطلاع عرض کی مگر آپ سے کوئی مداوا نہ بن آیا - ناچار لشکریوں کو سواری کے گھوڑے ذبح کرنے کی اجازت فرما دی -

اسی اثنا میں یہود کے ایک قلعہ سے بکریوں کا ریوڑ اتر رہا تھا جس میں سے دو بکریاں بچھڑ گئیں اور مسلمانوں نے ان کے گوشت پر اکتفا کیا - اب قلعۂ صعب بن معاذ کا محاصرہ ہوا اور اس میں بھی یہودیوں نے شکست کھائی (یہاں سے اس قدر رسد حاصل ہوئی کہ مسلمانوں نے کھانے پینے کی طرف سے بے فکر ہو کر محصورین کو گھیرنا شروع کر دیا لیکن یہودی اپنی سرزمین کا ایک چپہ تک آسانی سے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے - وہ اپنے ہر قلعہ کی حفاظت میں نہایت دلاوری سے لڑتے اور جب تک پوری طرح بے بس نہ ہو جاتے قبضہ نہ چھوڑتے -

رستم یہود مرحب کی طرف سے مبارزت : اب یہود خیبر کا رستم مرحب پہلوان پوری طرح اسلحہ باندھ کر فخر سے یہ اشعار کہتا ہوا نکلا :

۱ - قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب	خیبر مجھے پہچانتا ہے کہ میں ہتھیار بند بہادر اور مرد میدان مرحب ہوں ۔
۲ - اطعن احیانا وحیناً اضرب اذ اللیوث اقبلت تحرب	جب شیر مجھ پر پھر کر حملہ کرتا ہے تو کبھی اسے نیزہ چبھو دیتا ہوں اور گاہ تلوار سے مضروب کرتا ہوں ۔
۳ - ان حمای للحمی لایقرب یحجم عن صولتی المجرب	میں ایسی چراگاہ کا مالک ہوں جس کے قریب پھٹکنا اپنی موت مول لینا ہے ، میرے آزمودۂ جنگ ہونے کی وجہ سے !

محمد بن مسلمہ کے ہاتھ سے رستم خیبر کا قتل : مرحب کا نعرہ سن کر رسول خدا نے اپنے اصحاب سے فرمایا : ”اس کے مقابلہ کے لیے کون نکلے گا؟“ جناب محمد بن مسلمہ (انصاری) نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! کل اس کے ہاتھ سے میرا بھائی (محمود) شہید ہو چکا ہے!“ اجازت نبوی کے بعد دونوں میں مقابلہ شروع ہوا ۔ مرحب نے ایسا تلا ہوا وار کیا کہ اگر ابن مسلمہ اسے سپر پر نہ روک لیتے تو ان کا کام تمام ہو چکا ہوتا ۔ مگر مرحب کی تلوار ڈھال ہی میں اٹک کر رہ گئی اور وہ محمد بن مسلمہ کی ضربت سے زمین پر لوٹنے لگا ۔

جنگ شدت سے جاری تھی مگر یہود کے مضبوط قلعوں کے تسلسل نے انہیں ڈگمگانے نہ دیا ۔

قلعۂ زبیر کا محاصرہ : اب مسلمانوں نے حصن زبیر پر دھاوا بول دیا ۔ فریقین میں سے ہر ایک نے جی کھول کر داد شجاعت دی ۔ پھر بھی قلعہ کا فتح کرنا مشکل ہو گیا ۔ آخر مسلمانوں نے محصورین کا پانی بند کر دیا جس سے یہود جان پر کھیل کر میدان میں نکل آئے ۔ گھمسان کا رن پڑا اور دشمن جی چھوڑ کر بھاگ نکلا ۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے ایک ایک قلعہ ان کے ہاتھ سے نکلتا گیا ۔

آخری دو قلعوں پر دھاوا — یہود کا اقرار شکست اور اراضی بٹائی پر دینے کا فیصلہ : منطقۂ کتیبہ میں دو قلعے وطیح و سلام باقی رہ گئے تھے لیکن یہود کا تمام مال و اسباب قلعۂ شق و نطاۃ و منطقۂ کتیبہ میں ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا ۔ یہود نے جان بخشی کی شرط پر صلح کی درخواست پیش کی جو رسول اللہ نے قبول فرما لی اور مفتوحہ اراضی کاشت کے لیے ان کے سپرد ہو گئی اور نصف بٹائی مقرر کر کے انہیں آباد رہنے دیا ۔[1]

---

[1] خیبر کی اراضی کے دو حصے ہیں (۱) جنگ سے فتح شدہ ۔ اسے مجاہدین میں تقسیم کر دیا ۔ (۲) صلح سے حاصل شدہ ۔ اور یہ ریاست کی ملکیت ہے ۔ حصہ (۲) آں حضرت نے یہود کو بٹائی پر دے دیا ۔ یوں خیبر میں سب اراضی شامل ہے ۔ اس لیے دونوں قسموں پر لفظ (خیبر) استعمال ہوتا ہے ۔ مزید بحث کے لیے ”زاد المعاد“ ابن القیم جلد اول در تذکرہ خیبر ”فصل ومنہا حرص الثمار“ کے آخری سطور ملاحظہ فرمائیے ۔ م ۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آں حضرت نے یہود کے لیے تو ان کی اراضی پر حق شت قائم رہنے دیا مگر (اس سے قبل) مدینہ کے یہود بنوقینقاع اور بنونضیر کو ان کی اضی سے متمتع ہونے کا موقعہ نہ دیا حتیٰ کہ دونوں قبیلوں کو شہر سے جلا وطن ما دیا - لیکن خیبر کا معاملہ بوجوہ یہود مدینہ سے مختلف ہے ، اس لیے کہ:

الف : فتح خیبر کے بعد یہاں کے یہود کے سر اٹھانے کا خطرہ نہ تھا -
ب : خیبر میں باغات و نخلستان اور اراضی کی اس قدر افراط تھی جس کی نگہداشت اور پیداوار حاصل کرنے کے لیے بڑی کاوش درکار تھی -
ج : مدینہ کے مسلمان زراعت پیشہ تو تھے لیکن خود ان کی ذاتی اراضی ان کے بغیر آباد نہ رہ سکتی تھی - اس لیے انہیں اس غرض کے لیے مدینہ سے خیبر آباد کرنے کا سوال نہ تھا -
د : انصار کی مدینہ کی جنگوں میں ہر وقت ضرورت تھی -
ہ : یہود خیبر کی بساط سیاست الٹ جانے سے ان کے لیے کاشت کاری پر اکتفا بھی بہت غنیمت تھا -

کن افسوس ہے کہ ان کی بدطینتی کی وجہ سے رفتہ رفتہ وہاں کی اراضی بنجر ہوتی گئی ور رسول اللہ نے ان مزید احسانات کے باوجود کہ فتح میں تورات کے کئی نسخے سلمانوں کے قبضہ میں آئے جو ان کی درخواست پر انہیں عنایت کر دیے چہ جائیکہ سیحی روم نے اس کتاب مقدس کو یروشلم فتح کر کے جلا کر ان کی راکھ پیروں تلے وندی - پھر انہی نصرانیوں نے جب یہودیوں کے ہاتھ سے اس کو حاصل کیا تو وہاں ہوں نے بھی کتاب مقدس کی یہی درگت کی -

تقسیم پیداوار پر یہود خیبر کی حیرت: اور یہاں رسول اللہ کی طرف سے ہر سال حضرت د اللہ بن رواحہ پیداوار کی بٹائی کے لیے تشریف لاتے - اجناس کی تمام اقسام دو حصوں ں تقسیم فرما کر مزارعین سے فرماتے کہ ”دونوں میں جونسا ڈھیر پسند ہو اٹھا لو -“ س پر ایک مرتبہ اہل خیبر نے کہا ”اسی عدل پر ارض و سما قائم ہیں“ (از فتوح للدان ــم -)

خیبر کے بعد یہود کے بقیہ تین مراکز :

الف : فدک ــ رسول اللہ نے یہود فدک کی طرف قلعہ وطیح وسلام کے محاصرہ کے وران میں پیغام بھیج دیا کہ ”مسلمان ہو جاؤ تو فبہا ورنہ تمہیں اپنے اموال ہمارے رد کرنا پڑیں گے!“ یہ لوگ خیبر کی خبروں سے متاثر تھے انہوں نے حوالگی میں ریت سمجھی اور نصف پیداوار پر تصفیہ کر لیا -

سرزمین فدک اور خیبر کی اراضی دونوں کی دو مختلف حیثیتیں قرار دی گئیں - اول الذکر ائی سے فتح ہوئی تھی - اس کی اراضی غازیوں میں تقسیم فرما دی گئی - فدک کسی وجہد کے بغیر حاصل ہوا - رسول اللہ نے اسے خالصہ کے طور پر اپنے لیے مختص کر لیا -

ب : وادی القری ــ یہ بستیاں خیبر اور مدینہ کی گذرگاہ پر واقع تھیں - خیبر سے اپسی پر مسلمان وادی القریٰ سے ذرا دور ہی تھے کہ یہود نے تیر برسانا شروع کر دیے جس سے مقابلہ کی نوبت آ پہنچی - رسول اللہ نے صف بندی فرمائی مگر نبرد آزمائی ے پہلے انہیں اسلام پیش کیا - یہود کا ایک ایک پہلوان نکلنا شروع ہوا مگر اس

کی قسمت میں واپس لوٹنا نہ تھا ۔ رسول اللہ ان کے ہر بہادر کے قتل کے بعد ان کے سامنے اسلام پیش کرتے ۔ رات ہوگئی ۔ دوسری صبح یہود نے ازخود اطاعت کا پیام بھیجا ۔ ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گئے ۔ اور انہیں بٹائی پر آراضی و باغات سونپ دئے گئے ۔ وادی القریٰ میں رسول اللہ نے چار روز تک قیام فرمایا ۔

ج: وادیٔ تیماء ــ اسی راہ پر وادیٔ تیماء واقع ہے ۔ اس میں بھی یہود آباد تھے مگر انھوں نے کسی تعرض کے بغیر قبول اطاعت و ادائے جزیہ دونوں شرطیں تسلیم کر لیں ۔

سطوت یہود کا آخری انجام : آج سے عربستان میں صدیوں کی باوقار قوم یہود کا دبدبہ ختم ہوگیا وہ نبی صلعم کی ماتحتی پر مجبور ہوگئے اور جس طرح مدینہ کی جنوبی (مکہ) کی جانب سے صلح حدیبیہ کے بعد خطرات کا انسداد ہوگیا اسی طرح خیبر تک کی فتح نے شمال کی طرف سے فتنوں کا دروازہ بند کر دیا ۔ یہود کے سرنگوں ہو جانے سے ان کے متعلق مسلمان ــ بالخصوص انصار ــ کا غصہ فرو ہوگیا ۔ ان میں سے بعض کی مدینہ میں آبادکاری پر بھی مسلمانوں نے چشم پوشی سے کام لیا ۔ جس وقت مدینہ کے راس المنافقین ابن ابی پر موت نے حملہ کیا یہودی اپنے اس قدیم مربی کی مرگ پر مصروف گریہ تھے اور رسول اللہ اس کے فرزند حضرت عبداللہ بن ابن ابی مذکور کے پاس اس کے باپ کی تعزیت کے لیے تشریف لائے تو یہود سے شانہ ملا کر ایستادہ ہونے میں مضائقہ نہ سمجھا ۔

یہود کے ساتھ مراعات کی وجہ سے حضرت معاذ بن جبل نے رسول اللہ سے درخواست کی کہ انہیں دین موسوی ترک کرنے کے لیے نہ کہا جائے ۔ اسی وقفہ میں خاتم الرسل نے بحرین کے یہود بنوعریض اور بنوغازیہ کے ساتھ اطاعت ، جزیہ اور اپنے دین پر استقرار کی صورت میں معاہدہ کر لیا ۔

الحاصل یہود کو مسلمانوں کے زیر نگیں ہوکر رہنا ہی پڑا ۔ پورے عرب میں ان کے مراکز ٹوٹ چکے تھے ۔ انھیں احساس ذلت کی وجہ سے اس سرزمین کو خیر باد کہنا پڑا جہاں صدیوں سے ان کی سطوت کا ڈنکا بج رہا تھا ــ یہ اور بات ہے کہ اس ملک سے رسول اللہ کی زندگی میں ان کا انخلا کامل ہوا یا آپ حضرت کی وفات کے بعد ۔ (اس میں دو مختلف روایات ہیں ۔)

خیبر اور جزیرۃ العرب کے یہودی اپنی سطوت سے محروم ہونے کے بعد دفعتہً عربستان کو خیرباد کہ کر نہیں چلے گئے بلکہ کچھ مدت تک یہاں آباد رہے لیکن جب تک عرب میں رہے مسلمانوں پر غصے سے دانت پیستے رہے اور جو کچھ ان کے خلاف بن آیا کرتے رہے ۔

زہر آلود گوشت سے رسول اللہ کی ضیافت : یہ واقعہ خیبر میں رونما ہوا ۔ فتح کے بعد لڑائی کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا ۔ فریقین معاہدہ کے پابند ہوگئے ۔ اسی حالت سکون میں یہود کے سرغنہ سلام بن مشکم کی زوجہ زینب (ہمشیرۂ مرحب مقتول) نے رسول خدا اور آپ کے چند رفقاء کی دعوت میں زہر آلودہ گوشت پیش کیا ۔ آپ کے رفیق طعام (بشر ابن البراء) تو مزے لے لے کر کھاتے گئے لیکن رسول اللہ نے پہلا ہی لقمہ چبا کر پھینک دیا اور فرمایا ”ان ھٰذا العظم لیخبرنی انہ مسموم،، (گوشت کے اس

پارے نے مجھے اپنا زھر آلود ھونا بتا دیا ھے) ۔ دریافت پر مجرمه نے اقبال کرتے ھوئے کہا ''آپ نے میری قوم سے جو برتاؤ کیا ھے آپ کو بھی علم ھے ۔ میں نے یه ارتکاب اس لیے کیا ھے که اگر آپ بادشاہ ھیں تو میری قوم کو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ نبی ھیں تو وحی کے ذریعے آپ کو اطلاع ھو جائے گی ۔'' اس اعتراف جرم پر اسے معاف کر دیا گیا یا نہیں اس میں دو مختلف روایتیں ھیں ۔

(۱) اس کے باپ اور شوہر کے مقتول ھو جانے کی وجه سے اسے معاف کر دیا گیا ۔

(۲) حضرت بشر کے انتقال کی بنا پر اسے قتل کر دیا گیا ۔

زینب کی اس کرتوت کی وجه سے مسلمان بہت متاثر ھوئے ۔ انھیں یہود پر کوئی اعتماد نه رھا اور ان کی جمیعت پراگندہ ھونے کے باوجود ان کے شر سے خائف رھنے لگے ۔

بی بی صفیه : خیبر کی ایک بی بی صفیه بھی اسیروں میں آئیں ۔ یه بنونضیر مدینه کے سرغنه حیی بن اخطب کی دختر اور مدینه کے بنوقریظی رئیس اعظم کنانه بن ربیع کی بیوہ تھیں کنانه مذکور مدینه سے جلاوطنی پر چمڑے کے ایک بڑے تھیلے میں نقد و زر بھر کر ھمراہ لے آیا تھا ۔ رسول اللہ نے قرارداد صلح کے مطابق کنانه سے اس تھیلے کا مطالبه کیا تو اس نے قسم کھا کر صاف انکار کر دیا ۔ آں حضرت نے فرمایا '' اگر ثابت ھو جائے که مال تمہاری تحویل میں ھے تو قسم کے عوض میں تمھیں اپنا قتل منظور ھے '' کم بخت نے ازخود اپنے محضر قتل پر دستخط کر دیئے ۔

مسلمانوں میں سے ایک شخص ذرا دیر پہلے کنانه کو ایک کھنڈر میں دیکھ چکا تھا ۔ اس نے یه حکایت رسول اللہ سے بھی عرض کر رکھی تھی ۔ آں حضرت نے کھنڈر کی تلاشی کا حکم دیا تو اس میں سے خزانه برآمد ھوگیا اور کنانه اس کی شرط کے مطابق قتل کرا دیا گیا ۔

کہنا یه تھا که بی بی صفیه کے اسیر ھو کر آنے پر مسلمانوں نے آں حضرت سے عرض کیا ''صفیه سیدة بنی قریظه والنضیر لاتصلح الا لك!'' (اے رسالت پناہ! بی بی صفیه بنوقریظه ونضیر دونوں قبیلوں میں ممتاز ھونے کی وجه سے صرف آپ کے حرم میں شامل ھونے کے شایاں ھیں ۔) یه سن کر آں حضرت نے انھیں آزاد کر کے اپنے حرم میں شمولیت کی عزت سے ممتاز فرما دیا ۔

اس معامله میں آں حضرت کے پیش نظر ان فاتحین و اکابر کا عمل تھا جو مفتوح بادشاھوں کی شہزادیوں کو اپنے محل میں داخل کر کے ان کے دلوں سے شکست کا داغ ھلکا کرتے اور ان کے اعزاز میں اضافه کرتے ۔

شب تزویج میں جناب ابو ایوب خالد الانصاری خیمه رسالت مآب پر ازخود شمشیر برہنه لیے ھوئے پاسبانی کرتے رھے ۔ انھیں خطرہ تھا که مبادا سیدہ صفیه کے دل میں اپنی قوم ، اپنے والد اور شوہر کے قتل ھونے سے کینه ابھر آئے اور رسول اللہ پر وار کر بیٹھیں ۔ اس رات کی صبح ھوئی تو آں حضرت نے انھیں پہرہ پر دیکھ کر سبب دریافت کیا ۔ ابو ایوب نے عرض کیا ۔ ''نبوت مآب! آپ نے بی بی صفیه کے باپ ، شوہر

اور برادری کو قتل کرا دیا - شاید ان کے دل میں کفر کے اثرات پوری طرح مندمل نہ ہوئے ہوں - مجھے بی بی سے آپ کے متعلق یہی خدشہ تھا-،،

نواحي بادشاھوں کی طرف تبلیغی وفود کا زمانہ : یہ تنقیح ضروری ہے کہ رسول اللہ نے ہرقل و کسریٰ اور نجاشی وغیرہ غیر مسلم بادشاھوں کے لیے جو تبلیغی وفود مقرر فرمائے انھیں غزوۂ خیبر سے قبل بھیجا گیا یا اس کے بعد - اس تعیین میں بھی مورخین کا بے حد اختلاف ہے- ظن غالب یہ ہے کہ ان حضرات کو بیک وقت روانہ نہیں کیا گیا اور یہ کہ بعض داعی فتح خیبر سے قبل اور بعض حضرات اس کے بعد بھیجے گئے - ازاں جملہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی ہیں جو خیبر کی لڑائی میں شریک ہوئے اور فتح (خیبر) کے بعد مکتوب رسالت دے کر ہرقل (روم) کے ہاں بھیجے گئے -

ہرقل روم کے دربار میں فرمان رسول : جس وقت ہرقل روم ایران کو شکست دے کر اس صلیب مقدس کو ان سے واپس لانے میں کامیاب ہوگیا جسے کسریٰ ایران بیت المقدس کو فتح کر کے اپنے ہمراہ لے گیا تھا اس نے نذر مانی کہ اگر میں مقدس صلیب کو دوبارہ حاصل کر سکا تو اسے پا پیادہ اٹھاکر بیت المقدس میں نصب کروں گا - جب ہرقل صلیب کو لے کر حمص میں پہنچا تو یہاں اسے مکتوب رسالت ملا لیکن اس واقعہ میں بھی دو قسم کی روایات ہیں :

الف : رسالت مآب کے قاصد جناب دحیہ کلبی نے اپنے رفقائے عرب کی معیت میں ہرقل کے دربار میں تشریف لا کر اپنے ہاتھ سے مکتوب رسالت کو عنایت کیا؟

ب : یا اس کے عامل مقیم بصریٰ کے توسط سے بادشاہ تک پہنچایا ؟

دونوں میں کوئی صورت سہی بہرحال ہرقل نے مکتوب سر دربار پڑھوا کر اس کا ترجمہ سنا جس پر نہ وہ برہم ہوا نہ اس کے بشرے سے کوئی ایسی کیفیت ظاہر ہوئی ، نہ اس نے رسول خدا پر حملہ کرنے کے لیے اپنے دماغ میں کوئی منصوبہ بنایا بلکہ اس نے ایسے مودبانہ انداز سے جواب لکھوا کر حضرت دحیہ کے حوالے کیا کہ بعض موزخین نے غلطی سے اس طرز خطاب کو ہرقل کے مسلمان ہو جانے پر محمول کر لیا -

(حارث غسانی عامل روم) : حارث غسانی (عامل روم) کا قاصد حمص ھی میں ہرقل کے پاس پہنچا جس میں حارث نے رسول خدا کے فرمان کی اطلاع کے ساتھ آپ کے دعویٰ رسالت کی پاداش میں بادشاہ سے آں حضرت پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی - اس کی بجائے ہرقل نے حارث کو حکم دیا کہ بیت المقدس کی زیارت کے موقعہ پر وہ بھی شریک ہو تاکہ مقدس صلیب کے احترام میں اضافہ ہو سکے اور ہرقل نے دین جدید کے مدعی (جناب خاتم الرسل) کے سدباب پر توجہ ضروری نہ سمجھی - اسے یہ خبر نہ تھی کہ چند سال بعد یہی بیت المقدس اور شہنشاہ اعظم کی مملکت (روم) پر اسلام کا پرچم لہرا رہا ہوگا اور اس کا مقبوضہ شہر دمشق حکومت اسلامیہ کا دارالخلافہ بن جائے گا - قیصر کو یہ علم بھی نہ ہو سکتا تھا کہ مسلمان بادشاہ اور روم کی آویزش ترک مسلمانوں کو ۱۰۳۵۳ع میں قسطنطنیہ پر مسلط کر دے گی جہاں کے سب سے بڑے کلیسا کو

مسجد کا مرتبہ نصیب ہوگا جس مسجد کی محراب پر اسی نبی کا اسم گرامی منقش ہوگا، حتی کہ چند صدیاں گذر جانے کے بعد یہی مسجد رومی فن نقش و نگار کا نمونہ قرار پائے گی۔

کسریٰ (شاہ ایران) کے دربار میں فرمان رسالت : جب اس بادشاہ کے سامنے رسول خدا کا دعوتی فرمان پڑھا گیا تو اپنی طرف دعوت اسلام کا پیغام سن کر آگ بھبوکا ہوگیا۔ نامۂ رسول کو چاک کر کے پھینک دیا۔ کسریٰ نے اسی وقت اپنے نائب یمن باذان کی طرف حکم بھیجا کہ آں حضرت صلعم کا سر (مبارک) اس کے حضور پیش کیا جائے۔ غالباً اسے اپنی اس شکست کی تلافی دکھانا مقصود تھی جو اسے ابھی ابھی ھرقل روم کے مقابلہ میں اٹھانا پڑی۔ جب مسلمان قاصد نے ایران سے واپس آ کر رسالت مآب کی خدمت میں کسریٰ کی یہ کرتوت بیان کی تو آں حضرت نے فرمایا "اسی طرح اللہ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کر دے گا۔"

ادھر عامل یمن باذان نے اپنے آقائے ولی نعمت (شہ ایران) کی تعمیل حکم کے لیے اپنے دو آدمی مدینہ بھیج دئے ادھر کسریٰ (ایران) کا فرزند شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے خود تخت پر بیٹھ گیا۔ باذان کے سپاہی رسول اللہ کے سامنے ہوئے تو آں حضرت نے انہیں کسریٰ کے قتل ہو جانے کی خبر سنائی جس سے بذریعۂ وحی آپ کو مطلع کیا گیا تھا۔ رسول اللہ نے باذان کے سپاھیوں سے فرمایا کہ وہ یمن واپس جا کر باذان کو اسلام کی دعوت دیں۔

نائب والیٔ یمن کا قبول اسلام : ھرقل روم کے مقابلہ میں ایران کی ہزیمت اور اس کے اقتدار کا زوال اہل یمن کے سامنے تھا۔ اس کے ساتھ ھی قریش کے مقابلہ میں رسول اللہ کی نصرت اور یہود کا آں حضرت کے ہاتھوں کلی استیصال بھی ان پر منکشف ہو چکا تھا۔ جب اس کے سپاھیوں نے مدینہ سے لوٹ کر رسول خدا کی طرف سے باذان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو اس نے اپنی سعادت کی وجہ سے اسلام قبول کر لیا اور خود کو ایران کی بجائے آں حضرت صلعم کی طرف سے یمن کا عامل تصور کر لیا۔

قارئین! آپ کے نزدیک اس کا حل کیا ھے کہ باذان سے رسول خدا کسی قسم کا مطالبہ (از قسم خراج، عشر و زکوۃ) فرما سکتے تھے جب کہ یمن اور مدینہ کے درمیان ہنوز مکہ حائل تھا؟۔ البتہ یہ وقفہ باذان کے لیے مغتنم تھا کہ وہ ایران کے تسلط سے اپنی گردن نکال کر عرب کی جدید سطوت کی پناہ میں آ جائے اور اس وقفہ میں نہ تو ایران کو کسی قسم کا خراج ادا کرے اور نہ اس سطوت جدید (اسلام) کے حضور۔

شاید باذان اس موقعہ پر یہ اندازہ نہ کر سکا کہ اگر وہ اسی وقت اپنا الحاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیتا تو اس الحاق سے اسلام کی قوت نفوذ کو جزیرۃ العرب میں کس قدر عروج حاصل ہو جاتا، جیسا کہ دو سال بعد باذان پر واضح ہو گیا۔

مقوقس شہنشاہ مصر کے دربار میں فرمان رسالت: قبطیوں کے شہنشاہ اعظم مقوقس کے دربار میں رسول اللہ کے قاصد (جناب حاطب بن ابی بلتعہ) پہنچے۔ بادشاہ نہایت احترام سے پیش آیا۔ بادشاہ نے فرمان رسالت کے جواب میں پورا ادب ملحوظ رکھا کہ "میرے علم کے مطابق بھی ایک نبی آنے والا ھے لیکن اس کا ظہور ملک شام میں ہوگا!" "بہر حال اس نے قاصد کو عزت و تحائف کے ساتھ رخصت کیا اور رسالت مآب کے حضور:

مندرجه ذیل تحایف پیش کیے - دو نوجوان بیبیاں[۱]، سفیدرنگ کا خچر (بار برداری) کے لیے ایک گدھا اورکئی هدایا جن میں مصر کے مصنوعات بھی تھے -

نجاشی (شه حبشی) کے دربار میں مکتوب رسالت : مسلم ہے که حبشه کے بادشاه نجاشی کو مسلمانوں کے ساتھ جس قسم کا میلان تھا اس کا یہی تقاضا تھا که وہ مکتوب رسالت کا جواب سلیقه سے دے گا - بعض روایات میں اس کے مسلمان ہو جانے کا تذکرہ بھی ہے مگر بعض مستشرقین نجاشی کے اسلام سے اس خط کی بنا پر انکار کرتے ہیں جو رسول اللہ نے اس تبلیغی مکتوب کے ماسوا نجاشی کی طرف بھیجا جس میں حبشه کے اندر مقیم مہاجرین کو مدینه لوٹا دینے کا فرمان تھا اور جس خط پر بادشاہ نے انہیں حضرت جعفر بن ابوطالب کی سربراہی میں دو کشتیوں میں سوار کرا دیا - جب بی بی ام حبیبه مدینه تشریف لائیں اور حرم نبوی کی حیثیت سے امہات المومنین کے زمرہ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا، اس تزویج میں مستشرقین کی دو مختلف رائیں ہیں (اور دونوں غلط—م) :

الف : سرغنهٔ قریش ابوسفیان (ام حبیبه کے والد) سے قرابت کی وجه سے اہل مکه کو قرارداد حدیبیه پر قائم رکھنے کے لیے رسول اللہ نے ان سے عقد فرمایا -

ب : ابوسفیان کے بت پرست ہونے کے غصه میں ان کی صاحب زادی کو عقد میں لا کر ایسے شخص کو رنجیدہ کرنے کے لیے!

نوابین عرب کے دربار میں فرمان نبوی :

۱-۲ امیر یمن وعمان دونوں نے فرمان رسالت کے جواب میں بدتمیزی کا مظاہرہ کیا

۳- امیر بحرین (منذر بن ساوی—م) مسلمان ہوگئے -

۴- امیر یمامه (هوذہ بن علی—م) نے اپنی بادشاہت کی شرط منوانے پر اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا جس پر رسول اللہ نے اس کے اس طمع پر اسے لعنت کی اور وہ ایک سال بعد دنیا ہی کو چھوڑ بیٹھا -

سلاطین نے خطوط کا جواب نرمی سے کیوں دیا - یه بادشاہ اور نواب جن کی طرف تبلیغی خطوط بھیجے گئے ان میں سے زیادہ تعداد نے جواب میں رفق و سلیقه کا اظہار کیوں کیا ؟ اس کی کیا وجه ہو سکتی ہے که ان میں سے نه تو کسی نے کسی مبلغ کو قتل کیا نه کسی کو قید و بند میں ڈالا ؛ الا یه که دو ایک کے جوابات میں لہجه ضرور درشت تھا (مثلاً کسریٰ ایران و حارث غسانی) - رہا یه که ان بادشاہوں نے دین جدید کی تبلیغ سے برافروختہ ہوکر صاحب دعوة (حضرت محمد صلعم) کے خلاف

---

[۱] مولف علام نے متن (ص ۳۹۴، س ۱۶) میں صرف "جاریتین" لکھا ہے جس پر فارسی مترجم صاحب "زندگانی محمد" نے "دو کنیز" سے نص فرما کر شاہی خاندان کی شہزادیوں کو باندی ثابت کر دیا حالانکه مقوقس کے خط میں مرقوم ہے "وبعثت الیك بجاریتین لهما مکان فی القبط عظیم" ("زاد المعاد" ابن القیم)—"میں آپ کے لیے دو نوعمر لڑکیاں بھیجتا ہوں جن دونوں کی قبطیوں میں بے حد عظمت ہے -" کنیز کی عظمت کا تو سوال ہی نہیں پھر بادشاہ وقت کی قوم میں ! مگر یه که ناقلین نے رسول اللہ کے حرم میں شاہی خاندان کی شہزادی کو باندی ثابت کرنے میں اپنے سلیقه کے اظہار میں کمی نه رہنے دی—م-

جد وجہد کیوں نہ کی؟ چاہیے تو یہ تھا کہ تمام بادشاہ متحد ہو کر رسول اللہ کو مٹانے کا تہیہ کر لیتے -

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہمارے اس عہد میں مادیت کو توسع حاصل ہے اور اس کے مقابلہ میں روحانیت نقطہٗ لایتجزی تک سمٹ کر آ چکی ہے اسی طرح اس دور میں بھی زندگی عیش و تنعم کا دوسرا نام تھا جب کہ قوموں کی جنگ اپنی برتری قائم رکھنے کے لیے برپا ہوتی یا مادی منافع حاصل کرنا مقصود ہوتا تاکہ ہوس رانی کا دامن ہاتھ سے چھٹنے نہ پائے -

ظاہر ہے کہ ایسے پرآشوب عہد میں جہاں عقیدہ اور ایمان دونوں روحانیت کے مقابلہ میں اس طرح نفس کی بھینٹ چڑھا دیے جائیں کہ بظاہر دین کے شعار و اعمال پوری پابندی کے ساتھ ادا کیے جائیں مگر ان اعمال کی پشت پر یقین و اذعان کا شائبہ تک نہ ہو بلکہ مطمح نظر یہ ہو کہ ایسے لوگ جس صاحب کے اثر و نفوذ کے غلبہ میں جی رہے ہیں وہ ان کے کھانے پہننے کے ساتھ ان کے عیش و تلعب میں بھی ان کی سرپرستی فرما رہا ہے - ان لوگوں کی عزت و دولت مندی بھی اسی کی دست گیری کا صدقہ ہے - ایسے لوگوں کو اپنے شعار و اعمال سے اسی حد تک وابستگی ہو جس کے طفیل ان کے مادی منافع بار آور رہے ہیں -

اور جب ایسے لوگوں کو یہ منافع حاصل نہیں ہوتے تو شعار دین کی اتنی سی ادائیگی میں بھی ان پر درماندگی غالب آ جاتی ہے - ان کی ہمت جواب دے جاتی ہے اور قوت مقاومت سلب ہو جاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ جب ایسے لوگوں نے دین جدید (اسلام) کی حکایت ایمان اور اس کے اثر ونفوذ کے واقعات سنے جن میں انھیں معلوم ہوا کہ اس دین میں تمام انسانوں کو ایک خدا کے سامنے مساوات کا درجہ حاصل ہے، اس کے ماننے والے تنہا ایک ہی خدا کی عبادت کرتے اور اسی سے طالب امداد ہوتے ہیں، جن کا خدا کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ نفع و ضرر کا بلا شرکت غیرے وہی مالک ہے، اس کی رضا و خوشنودی کی ایک شعاع دنیا جہان کے بادشاہوں کی آتش غضب کو ٹھنڈا کر سکتی ہے، اس مالک الملک کا خوف دلوں کو ہلا دیتا ہے اگرچہ ایسے دلوں کو تمام دنیا کے بادشاہوں نے اپنی اپنی نعمتوں اور رضا مندی سے مالا مال کیوں نہ کر رکھا ہو - اور وہ شخص اس ذات مطلق سے مغفرت کا امیدوار ہے جو اس کے حضور اپنی لغزشوں سے توبہ کر کے ایمان اور خالص عمل صالح کی ضمانت پیش کر سکے -

دعوت جدید (اسلام) کے سلسلہ میں لوگوں نے یہ بھی سنا کہ صاحب دعوت کے خلاف ظلم و تعذیب برپا رہنے کے باوجود اس کا اقتدار روز بروز ترقی حاصل کر رہا ہے - ہر قسم کی مادی قوتیں اس کے خلاف حرکت میں رہتے ہوئے بھی وہ دشمنوں پر غالب آ رہا ہے - انھیں یہ اطلاعیں بھی پہنچ گئیں کہ صاحب دعوت بچپنے میں یتیم تھا اور بلوغت کے زمانہ میں بے مال و زر، مگر اس نے کبھی دوسروں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا - اس پر بھی اس کے اثر و نفوذ کا یہ عالم ہے کہ نہ صرف اس کے مولد (مکہ) بلکہ تمام عرب میں آج تک اس کے سوا کوئی بادشاہ بھی اس قدر طاقت ور نہیں گذرا جس کے سامنے سارے ملک کی گردنیں جھکی رہیں - دنیا اس کی آواز پر کان لگائے

کھڑی رہے - دل اس کی محبت سے لبریز ہوں جیسے وہ مسیحا ہے کہ اس کے بغیر زندہ رہنا ناممکن ہو جائے -

اور یہ جو کچھ لوگ ابھی تک حقیقت سے دور تھے اگر ان کی راہ میں خوف و شبہ شامل نہ ہوتا تو وہ بھی اسی چشمۂ جاودان سے حیات نو حاصل کرتے اور انہیں وجوہ کی بنا پر ان بادشاہوں نے ختم الرسل کی دعوت کے جواب میں نرمی اور سلیقہ ظاہر کیا جس سے مسلمانوں کے ایمان و سکون میں اور اضافہ ہوا

مہاجرین حبشہ ، دعوتی وفود کی واپسی اور عمرۃ القضا کی ادائیگی کے بعد : ادھر رسول خدا خیبر سے مدینہ واپس تشریف لے آئے - اسی وقفہ میں حضرت جعفر بن ابوطالب اپنے مسلمان ہمراہی مہاجرین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ وارد ہوئے — اور آن حضرت نے جو تبلیغی وفود بادشاہوں کی طرف بھیجے تھے وہ بھی لوٹ کر آ گئے- برسوں کے بچھڑے ہوئے دوست گلے ملے- مسلمان تمادی حدیبیہ ختم ہونے کے لیے- ایک ایک گھڑی شمار کرنے لگے تاکہ سال گذشتہ عمرۃ القضا ادا کرنے کا جو وعدہ زبان وحی نے فرمایا تھا (یعنی :)

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیاء بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین محلقین رءوسکم ومقصرین لاتخافون (۴۸ : ۲۷) -

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو واقعی سچا خواب دکھایا تھا کہ انشاء اللہ تم (مسلمان) مسجد حرام میں کسی خوف و خطر کے بغیر باطمینان (تمام) داخل ہوگے (وہاں جا کر) تم (کچھ تو) اپنا سر منڈواؤگے (اور کچھ فقط) بال ہی کترواؤگے -

مسلمان اس (عمرۃ القضاء) سے بہرہ یاب ہوں اور حضرت جعفر بن ابو طالب کے ورود مدینہ سے رسول اللہ کو جس قدر مسرت حاصل ہوئی — فرط خوشی سے فرمایا ”میں نہیں بتا سکتا کہ مجھے خیبر فتح ہونے کی خوشی زیادہ ہوئی ہے یا جعفر کے خیریت سے واپس آ جانے جانے کی!“

واقعۂ سحر : کہا جاتا ہے کہ یہودیوں نے اس وقفے میں لبید نامی ساحر کے ذریعے رسول اللہ پر جادو کرا دیا جس کا اثر آپ پر یہاں تک ہوا کہ ایک کام جو آن حضرت نے ابھی کیا تھا ذرا دیر بعد خیال گذرا کہ اسے نہیں کیا — لیکن واقعۂ سحر کی روایات میں اس قدر اضطراب ہے کہ جو[۳۳] لوگ نفس واقعہ کے منکر ہیں ان کی تائید سے مفر نہیں-

اس دوران میں مسلمان مدینہ میں رہ کر سکون و طمانیت کے ساتھ فضل خداوندی اور اس کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتے رہے اور کسی بڑی لڑائی سے انہیں سابقہ نہیں الا یہ کہ گاہ بگاہ ان گروہ بندوں کے خلاف فوجی دستے بھیجنا پڑتے جو مسلمانوں کی جان و مال پر دستبرد کی تیاری میں مستغرق ہو جاتے -

جب صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد (ماہ) ذیقعد لوٹ کر آیا تو رسول اللہ اپنے ہمراہ دو ہزار مسلمانوں کو لے کر عمرۃ القضا کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ حدیبیہ کی قرارداد کے مطابق زیارت و طواف سے اپنی روحوں کو مستمند کر سکیں -

۲۲

عُمرۃ القضا سے لے کر خالدؓ بن ولید کے اسلام لانے تک

صادق امین عبداللہ حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

صفی اللہ حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی رحمۃ یتیم

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۲۲

عمرۃ القضاء سے لے کر خالدؓ بن ولید کے اسلام لانے تک

عمرۃ القضاء : قرارداد حدیبیہ کے مطابق ایک سال گذر جانے کے بعد آں حضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کے لیے مکہ جانے کا وقت آ گیا ۔ آپ نے مسلمانوں کو عمرۃ القضاء کی تیاری کا حکم دیا جس سے مسلمانوں کو گذشتہ سال (حدیبیہ میں) روک دیا گیا تھا ' یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ رسول اللہ کے اس اعلان پر مسلمانوں نے کس خوشی سے لبیک کہا ۔ ان میں مہاجرین مکہ بھی تھے جو کئی سال سے وطن کی صورت دیکھنے کے لیے ترس رہے تھے ۔ مسلمانوں کے اسی اشتیاق کا نتیجہ ہے کہ سال گذشتہ زیارت کعبہ و ادائے عمرہ جس کے لیے چودہ سو افراد مدینہ سے نکلے تھے آج اس کے لیے دو ہزار مسلمان پا بہ رکاب ہیں ۔

پابندیٔ شرائط کے احترام کی وجہ سے کسی مسلمان نے تلوار کے سوا کوئی اور اسلحہ اپنے ساتھ نہیں لیا ۔ اگرچہ رسول خدا اہل مکہ کی بے وفائی سے خائف بھی تھے اس لیے بربنائے احتیاط ایک سو مسلمانوں کا دستہ محمد بن مسلمہ کی سپہ سالاری میں پہلے سے روانہ کر دیا مگر انہیں تاکید فرما دی کہ حرم مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ (مقام) مر الظہران (متصل حرم) میں پڑاؤ کر لیں ۔

مدینہ سے روانگی کا نظارہ : مدینہ سے روانگی کے وقت مسلمانوں کے ہمراہ ساٹھ ہدی (قربانی کے جانور) تھیں ۔ سید المرسلین اپنی ناقہ قصواء پر سوار آگے آگے تھے ۔ زائرین کے دل میں مکہ معظمہ کی زیارت اور بیت اللہ کا طواف کرنے کی مسرت جوش مار رہی تھی ۔ مہاجرین اور بھی بے تاب کہ جس بستی میں انہوں نے آنکھیں کھولیں اسے دیکھنا بھی نصیب ہوگا ! جس شہر کی دیواروں کے سائے میں جوان ہوئے ان سے مس کرتے ہوئے شہر کی گلیوں میں گشت کریں گے ! جن دوستوں کے ساتھ زندگی کا طویل عرصہ گذارا انہیں دیکھ کر آنکھوں کو طراوت نصیب ہوگی ! وطن کی خوشگوار ہوا سے مشام جاں معطر ہوگا ! اور اس مبارک بستی کی خاک سرمۂ چشم بنے گی جہاں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور جس سرزمین میں خدا کی پہلی وحی کا نزول ہوا ۔

دو ہزار مسلمانوں کی فوج اسی جوش و خروش کے ساتھ گام زن تھی ۔ ان کے دل فرط خوشی سے بلیوں اچھل رہے تھے تصورات میں یہ نقشے تھے کہ جونہی اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر شہر میں داخل ہوں گے ' (دوستوں سے مل کر) زندگی کے اس دور کی یاد تازہ کریں گے جس کی آخری گھڑیوں میں قضا و قدر نے انہیں گھر سے بے گھر کر کے نکال دیا تھا ' ان احباب کا تذکرہ ہوگا جنہیں مکہ سے جلاوطن ہوتے وقت زندہ چھوڑ گئے تھے اور اس کے بعد وہ آسودۂ لحد ہو گئے ! عزیزوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے اس مال و اسباب کی لوٹ اور غارت کی داستان بھی دریافت کی جائے گی جس سے خدا کی راہ میں ہجرت کے موقعہ پر ہاتھ دھو کر روانہ ہو گئے تھے ۔

اور یہ تصور بھی ان کے دماغ میں کروٹیں لے رہا تھا کہ جس ایمان نے ان کی زندگی میں یہ انقلاب پیدا کر دیا ہے وہ انہیں کس انداز سے خدا کے گھر کی طرف لے آیا ہے۔ جو گھر بنی نوع آدم کے لیے امن و سلامتی کا ضامن ہے بفحوائے: واذ جعلنا البیت مثابه للناس وآمناً (۲ : ۱۲۵) (اے پیغمبر)! بنی اسرائیل کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور امن کی جگہ ٹھہرا دیا) -

ابھی تک وہ منظر بھی ان کی نظر سے اوجھل نہ ہوا تھا جب انہیں اس مقدس فرض کے ادا کرنے سے سالہا سال سے رد کر دیا گیا - آج وہ کس قدر خوش تھے کہ ذرا دیر بعد اس متبرک سرزمین میں امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہوں گے!

ان شاء الله آمنین محلقین انشاء اللہ تم مسلمان مسجد حرام میں کسی
رؤسکم ومقصرین لاتخافون (۴۸ : ۲۷) - خوف و خطر کے بغیر باطمینان تمام داخل ہو گے
(وہاں جا کر) تم (کچھ تو) اپنا سر منڈاؤگے
اور (کچھ فقط) بال ہی کتراؤگے -

مکہ سے قریش کی روپوشی : مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو اس سے پہلے قریش مکہ سے روپوش ہو گئے - کسی نے (قریبی) پہاڑیوں میں خیمے نصب کر لیے، کوئی درختوں کی آڑ میں جا چھپا - بعض کوہ ابوقبیس پر چڑھ گئے ' کسی نے حرا میں پڑاؤ ڈال لیا- الغرض سب مرد و زن ندامت سے منہ چھپانے کے لیے گرد و نواح کی پہاڑیوں میں دبک گئے -

روپوشی کے ساتھ قریش کا ہر فرد مسلمانوں کی طرف تاک لگائے دیکھ رہا تھا کہ جن لوگوں کو دھتکار کر مکہ سے نکال دیا تھا آج وہ اس شان و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہو رہے ہیں -

مکہ میں مسلمانوں کا داخلہ : جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کی مشایعت میں مکہ کی شمالی سمت سے شہر میں داخل ہوئے - آپ کی ناقہ (قصواء) کی مہار حضرت عبداللہ بن رواحہ ہاتھ میں لیے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے- پیدل اور سوار دونوں قسم کے رفقا آں حضرت کو دائیں بائیں اور پشت کی جانب سے حلقہ میں لیے ہوئے - کعبہ نظر آیا اور تمام مسلمانوں نے بیک زبان لبیک لبیک پکارا - ان کے دل اور روح دونوں خدائے ذوالجلال کی طرف راغب اور فرط عقیدت و جذبۂ محبت سے خدا کے اس رسول کے ارد گرد حلقہ بنے ہوئے "جسے خدا نے ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے -" تاریخ عالم میں اس منظر کی مثال تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتی - اس نظارہ نے ان سنگ دل مشرکوں کے دل بھی اپنی طرف کھینچ لیے جن کا رواں رواں بتوں کی بندگی کے لیے وقف تھا - ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں ! لبیک! لبیک! (حاضر! حاضر!) کی گونج کانوں کے پردوں سے چھن کر دلوں میں اتر گئی اور استعجاب و حیرت میں ڈوب گئے -

بیت اللہ میں تشریف آوری : قصواء بیت اللہ کے دروازہ پر آ پہنچی- رسول اللہ چوکھٹ پر تشریف لائے تو ردائے احرام کا ایک پلہ دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر رکھ لیا اور یہ دعا پڑھی :

اللهم ارحم امرأ اراهم الیوم یااللہ! اس شخص پر رحم فرمائیو جو دشمن
من نفسه قوة! کے سامنے وقار سے آئے -

عمره کے اعمال: آنحضرت صلوات اللہ علیه نے رکن یمانی سے مس فرمانے کے بعد حجر اسود کو بوسه دیا پھر کعبه کے سات طواف کیے جن میں پہلے تین طواف میں تیز رفتار اور مابقی چار طواف معمولی رفتار کے ساتھ - ابتدا میں آنحضرت کے دو ہزار رفقا اسی طرح قدم به قدم ادائے اعمال میں مصروف تھے - قریش کوہ ابوقبیس پر کھڑے ہوئے جھانک رہے تھے اور اس منظر سے حیران - ذرا دیر پہلے انھوں نے آپس میں یہ گفتگو کی تھی که ''(جناب) محمد اور آپ کے اصحاب تھکے ماندے سے ہیں!'' لیکن جب طواف میں ان کی پھرتی (''تیز رفتاری'') دیکھی تو ان کے دل سے پہلا خیال دور ہو گیا -

عمره کے موقعه پر رزمیه اشعار پر تادیب : مکه میں داخل ہونے کے موقعه پر ناقهٔ نبی صلعم کے ساربان حضرت عبداللہ بن رواحه نے رزمیه اشعار پڑھنا شروع کر دیے (جس سے) پہلے حضرت عمر نے انہیں روکا اور جب رسول اللہ نے سنا تو فرمایا :

مهلاً یا بن رواحه و قل لا اللہ الا اللہ وحده نصر عبده و اعز جنده و خذل الاحزاب وحده -

اے ابن رواحه! ان شعروں کی بجائے یه کہو '' ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں - اسی نے اپنے بندے (رسالت مآب صلعم) کی نصرت فرمائی ، اس کے لشکر کو عزت بخشی اور غزوهٔ خندق میں عرب فوجوں کو شرم سار کر کے ناکام واپس فرمایا -''

سید نا ابن رواحه کے ساتھ مسلمانوں نے بھی یه کلمات دهرائے - ان کی آواز سے دشت و جبل گونج اٹھے اور پہاڑ میں دبکے ہوئے مشرکوں کے دل ہیبت سے کانپ اٹھے -

تکمیل عمره : رسول اللہ اور آپ کے رفقا طواف کعبه سے فارغ ہو کر کوہ صفا پر تشریف لائے - صفا و مروه کے درمیان بحسب دستور سات مرتبه گردش (سعی) فرمائی - مروه کے قریب قربانی ذبح کر کے سر کے بال منڈوائے اور عمره سے فراغ حاصل ہوا -

سقف کعبه پر اذان: دوسرے روز بیت اللہ میں تشریف لائے - کعبه میں بدستور بت موجود تھے - بایں همه حضرت بلال نے کعبه کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہی اور رسول اللہ نے اپنے دو ہزار صحابه سمیت ظہر کی نماز ادا کی - یہی کعبه ہے جس میں انھیں سات برس تک عبادت کرنے سے روک دیا گیا تھا -

قرار داد حدیبیه کے مطابق تین روز تک مکه میں قیام فرمایا - قریش روپوش ہو کر پہاڑوں میں دبکے ہوئے تھے - مسلمان شہر کے ہر گلی کوچے میں چلتے پھرتے اور کوئی شخص ان سے معترض نه ہوتا - مہاجرین اپنے چھوڑے ہوئے گھروں کو دیکھنے کے لیے انصار کو بھی اپنے همراه لے جاتے جو ان کے ساتھ اسی طرح شہر میں گھومتے جیسے وہ بھی مکه ہی کے رہنے والے ہیں -

مسلمانوں میں سے ہر ایک کا چلن اسلامی سیرت کا نمونه تھا - نمازیں ادا کر رہے ہیں جن سے نفس کا غرور دب رہا ہے - ان میں سے تنومند اپنے ضعیف بھائی کو سہارا دے رہا ہے - تونگر محتاج کی مدد کر رہا ہے - رسول خدا شفیق باپ کی مانند ان کے درمیان آ جا رہے ہیں ، کسی سے مسکرا کر بات ہو رہی ہے ، کسی کے ساتھ مزاح فرمایا جا رہا ہے اور مذاق بھی حقیقت کے خلاف نہیں - قریش اپنے دوسرے مکی یاران طریقت کے ساتھ پہاڑوں کی چوٹیوں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے ہیں - تاریخ عالم کا یه

حیرت ناک منظر! اهل مکه مسلمانوں کے طور طریقے دیکھ رہے ھیں که نه شراب پی رہے ھیں، نه برائی کا ارتکاب کر رہے ھیں، نه خور و نوش کی کوئی شے انهیں فریب میں ڈال رھی ھے۔ کوئی فتنه ان پر قابو نهیں پا سکتا۔ وہ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی نهیں کرتے بلکه فرمان الٰهی کی تعمیل ان کا شعار و دثار ھے۔ جن مناظر میں مخالفین کی جذب و کشش کا یه سامان هو ایسے منظر تکمیل انسانیت کا حسین مرقع ہونے کی وجه سے دیکھنے والوں کے دل میں واقعی کوئی اثر پیدا نهیں کر سکتے۔

سیده میمونه کے لیے شرف تزویج: سیده میمونه نے مسلمانوں کے اسی حسن کردار سے متاثر هو کر رسول الله سے عقد کا تهیه کر لیا۔ یه بی‌بی سیده ام الفضل زوجهٔ سیدنا عباس بن عبدالمطلب کی همشیره اور خالد بن ولید کی خاله تهیں۔ ام الفضل نے وکالت حضرت عباس هی کو سپرد کی جسے رسول الله نے قبول فرما کر بعوض چار سو درهم (مساوی یک صد روپیه سکه حالیه پاکستان ــــم) بمد حق مهر عقد فرما لیا۔

آج قرارداد حدیبیه کے مطابق مکه میں قیام کے تین روز ختم هو چکے تهے۔ رسول الله نے قریش کو اپنے قریب، لانے کے لیے دعوت (طعام) کرنا چاهی۔ جب قریش کے وکیل سهیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزی یه پیغام لے کر آئے که ”آپ کی میعاد ختم هو چکی هے اب شهر خالی کر دیجیے“ تو رسول خدا نے ان سے فرمایا:

”میں آپ لوگوں کی شمولیت کی امید پر دعوت ولیمه کرنا چاهتا هوں۔“

سهیل: همارے شهر سے نکل جائیے همیں آپ کی دعوت منظور نهیں۔“

ادائے عمره کے دوران میں مسلمانوں کے اعمال و کردار نے اهل مکه پر جو اثر پیدا کیا تها اور جس سے ان کا غصه ایک حد تک ٹهنڈا پڑ گیا تها، آن حضرت انهیں اپنے ساتھ دعوت میں شریک فرما کر اس میں اور اضافه کرنا چاهتے تهے۔

قضائے عمره کے بعد مکه سے مراجعت: رسول خدا نے احترام معاهده کی غرض سے وکلائے قریش کے اس مطالبه پر کوئی اعتراض نه فرمایا۔ مسلمانوں کو مراجعت کا حکم دیا اور جس انداز سے مکه میں داخل هوئے تهے اسی شان سے رخصت هوئے۔ آگے آگے رسول خدا قصواء (ناقه) پر سوار هیں۔ مشایعت میں دو هزار مسلمانوں کا جم غفیر ھے۔ (اپنے غلام) ابو رافع سے فرمایا که ام المومنین میمونه کو همراه لائیں۔ پهلی شب (مقام) سرف میں گذاری۔ یه مقام مکه معظمه سے چند میل کے فاصله پر ھے اور ازواج مطهرات میں سیده میمونه آخری حرم هیں جو آن حضرت کی رحلت کے پچاس سال بعد تک زنده رهیں اور وفات سے قبل سرف (مقام مذکور) هی میں اپنی تدفین کی وصیت فرمائی۔

رسول خدا مکه سے مراجعت پر ام المومنین میمونه کی دو بهنوں کو بهی اپنے همراه مدینه لائے — ایک کا نام سلمٰی ھے (سید الشهداء) حمزه کی بیوه اور دوسری عماره (جو ابهی ناکتخدا تهیں)۔

ورود مدینه: مسلمان (مکه سے) واپس لوٹ کر مدینه میں آ پهنچے اور امن و سلامتی کے ساتھ رهنے لگے۔ رسول الله کو ان محرکات کی تاثیر میں کوئی شک نه تها جو عمرة القضاء نے قریش اور اهل مکه کے دلوں میں پیدا کیے، نه اس میں شبه که ذرا هی دیر بعد اس کے نتائج برآمد هونے کو هیں۔

در اسلام خالد بن ولید: اور عمرة القضاء کے تاثرات کا نتیجہ رسول اللہ کے مکہ سے مراجعت فرما ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ قریش کے جانباز خالد بن ولید جنھوں نے غزوۂ احد میں لڑائی کا نقشہ بدل دیا تھا آج انھوں نے قریش کے مجمع میں اعلان فرما دیا:

لقد استبان لكل ذى عقل	عقل مندوں پر واضح ہو چکا ہے کہ جناب
ان محمداً ليس بساحر ولا شاعر	محمد نہ شاعر ہیں نہ جادوگر ہیں۔ ان کا کلام
و ان كلامه كلام رب العٰلمين	رب العالمین ہی کی وحی ہے اور آپ کی اطاعت
فحق على كل ذى لب ان يتبعه -	ہر شخص پر واجب ہے۔

اس مجمع میں عکرمہ (فرزند ابوجہل) بھی موجود تھے۔ انھوں نے خالد کی تردید میں کہا: ''تم نے ستارہ پرستوں کا مذہب اختیار کر لیا ہے'' اور دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی:

خالد. : بلکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔
عکرمہ : بخدا! قریش کو یہ توقع نہیں کہ تم اسلام اختیار کر لوگے۔
خالد : آخر قریش کو میرے مسلمان ہو جانے کی توقع میں کیا مانع ہے؟
عکرمہ : (جناب) محمد نے تمھارے والد (ولید) کو قتل کرایا، تمھارے چچا اور اور عم زاد برادر (انہی) مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ بخدا! اگر میں تمھاری جگہ ہوتا تو نہ اسلام قبول کرتا نہ ایسی گفتگو۔
خالد : یہ جاہلیت کی پرستاری ہے۔ مجھ پر حقیقت منکشف ہو چکی ہے اور میں مسلمان ہو گیا ہوں۔

اور حضرت خالد بن ولید نے رسول خدا کے حضور اپنے اسلام کی اطلاع اور تحفہ میں کئی گھوڑے مکہ سے روانہ کیے۔

حضرت خالد اور ابوسفیان کا مکالمہ: ابوسفیان نے جناب خالد کے اسلام کی خبر سنی تو انھیں اپنے ہاں بلا کر دریافت کیا:

ابو سفیان: (غضب ناک ہو کر) لات و عزی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ صحیح ہے تو میں (جناب) محمد سے پہلے تجھ سے فیصلہ کروں گا۔
خالد : کسی کو بھلی لگے یا بری معلوم ہو، یہ خبر بالکل صحیح ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔

ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر خالد پر پل پڑا۔ اتفاق سے عکرمہ بن ابوجہل بھی موجود تھے۔ انھوں نے ابوسفیان کا دامن کھینچتے ہوئے کہا: ''اے ابوسفیان! بخدا! جس خطرہ سے تم ڈر رہے ہو اس سے میں بھی خائف ہوں ورنہ خالد ہی کی مانند میں بھی کہتا اور اس کا دین قبول کر لیتا۔ اے ابوسفیان! مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایک سال کے اندر اندر تمام مکہ والے یہی دین قبول نہ کر لیں۔''

عمرو بن العاص اور کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ کا قبول اسلام: حضرت خالد کے بعد عمرو بن العاص او عثمانؓ بن طلحہ بھی اسلام لے آئے۔ عثمان کعبہ کے کلید بردار تھے۔ ان دونوں حضرات کے سوا اہل مکہ میں سے بہت سے اور خوش نصیب حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے جس سے اسلام کی شوکت میں اضافہ ہو گیا اور شہر (مکہ) نے خاتم الرسل کے فاتحانہ داخلہ کے لیے اپنے دروازے کھول دیے جس میں کوئی امر مانع نہ تھا۔

صادق امین عبدالله حیات محمد ﷺ کلیم الله حبیب الله نجی الله

صفی الله حبیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطهر مشرف قریب خلیل

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

مدعو جواد خاتم عادل شهیر شهید اول آخر ظاهر باطن نبی رحمة [illegible]

٢٣

غزوہ موتہ و غزوہ ذات السلاسل اور دیگر غزوات اور سرایا

صادق امین عبدالله محمد کلیم الله حبیب الله نجی الله

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۲۳

غزوۂ موتہ و غزوۂ سلاسل اور دیگر غزوات اور سرایا

رسول اللہ کو مکہ فتح کرنے کی عجلت بھی نہ تھی - آپ پر واضح ہو چکا تھا کہ اس معاملہ میں خود زمانہ آپ کی مساعدت کر رہا ہے - علاوہ ازیں صلح حدیبیہ کو پورا ایک سال منقضی ہو جانے کے باوجود نہ تو مسلمانوں کی طرف سے کوئی ناگوار حادثہ وقوع میں آیا ، نہ رسول اللہ کے انداز سے یہ مترشح ہو سکا ، اور کیسے ہو سکتا تھا ؛ آں حضرت اپنی ذات سے اس قدر پابند وفا تھے کہ قول یا عمل دونوں میں کسی ایک سے بھی وعدہ کے خلاف عمل نہ فرماتے -

عمرۃ القضاء سے واپسی پر کئی مہینے گذر گئے - اس دوران میں مندرجہ ذیل مناقشات رونما ہوئے :

۱ : سریہ بنو سلیم : رسول اللہ نے پچاس مسلمانوں کا ایک وفد قبیلۂ بنوسلیم کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجا اور اہل قبیلہ نے دھوکہ سے مسلمانوں کو قتل کر دیا - حسن اتفاق سے صرف ایک صاحب زندہ بچ کر آئے اور انھوں نے روئداد پیش کی -

۲ : سریہ بنواللیث : مسلمان فتح یاب ہو کر کچھ غنیمت بھی ہمراہ لائے -

۳ : سریہ بنومرہ : اس قبیلہ کی بدعہدی کی وجہ سے -

۴ : سریہ ذات طلح : اس قبیلہ کی طرف تبلیغ کے لیے پندرہ مسلمان بھیجے گئے - اہل قبیلہ نے رئیس وفد کے سوا تمام مسلمانوں کو شہید کر دیا (یہ مقام ملک شام کی حدود میں واقع ہے) -

ملک شام کی طرف تبلیغ پر توجہ گرامی : صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ مدینہ سے جنوبی سمت یعنی قریش مکہ کے افراد سے مطمئن ہو گئے - ادھر باذن عامل یمن کے اسلام قبول کر لینے سے جنوب کی طرف سے خطرات اور بھی کم ہو گئے - اب توجہ گرامی (مدینہ سے) شمال (صوبۂ شام) میں اسلام پھیلانے پر مرکوز تھی -

غزوۂ موتہ اور اس کے اسباب : عمرۃ القضاء سے واپسی کے بعد مدینہ میں چند ماہ قیام کے دوران میں دو حادثے پیش آئے :

الف : رسول اللہ نے موضع ذات طلح میں جن پندرہ مسلمانوں کو تبلیغ کے لیے بھیجا ان میں سے ایک کے سوا تمام حضرات کو شہید کر دیا گیا (ان کا نام کعب بن عمیر ہے) -

ب : اسی وقفہ میں آں حضرت نے قیصر روم ہرقل (یا اس کے عامل) شرجیل بن عمرو غسانی کی طرف (بُصری) میں جناب حارث بن عمیر ازدی کو دعوت اسلام

کے لیے بھیجا جنھیں عامل نے نہایت بے رحمی سے قتل کرا دیا (ان کے سوا رسول اللہ کے کسی اور سفیر کو قتل نہیں کیا گیا ۔ ''زاد المعاد'': م) ۔

ظاہر ہے کہ نہ تو عامل بصری سے قصاص طلب کیے بغیر مفر تھا نہ ذات طلح کے مشرکوں سے ۔ رسول اللہ نے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کے لیے متعین فرمایا ۔ یہ معرکہ شام کے موضع موتہ (''نہایہ'' ابن اثیر ــ م) میں پیش آیا جہاں مقابلہ میں لشکر کفار ایک لاکھ (بروایت دیگر دو لاکھ) کی تعداد میں تھا ۔

• عجیب معاملہ ہے کہ جس طرح حدیبیہ کی قرار داد مفاہمت عمرۃ القضاء کے وسیلہ سے فتح مکہ کا مقدمہ ثابت ہوئی اسی طرح موتہ کی (یہ) لڑائی غزوۂ تبوک (در حیات رسالت مآب صلعم) کا مقدمہ ثابت ہونے کی وجہ سے پورے ملک شام کی فتح (بعہد عمر بن الخطاب) پر منتج ہوئی ۔

بہرحال اس غزوہ (موتہ) کی علت عامل بُصری (شرجیل) کے ہاتھ سے رسول اللہ کے مبلغ (حارث بن عمیر) کا قتل ہو یا ذات طلح میں کافروں کے ہاتھ سے چودہ مبلغین اسلام کی شہادت ، دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں اسباب سہی ۔ آں حضرت صلعم نے تین ہزار منتخب روزگار مسلمانوں کا لشکر مرتب فرمایا جسے ماہ جمادی الاولی ۸ھ (۶۲۹ع) میں حضرت زید بن حارثہ کی سپردگی میں دے کر فرمایا کہ ''اگر زید کام آ جائیں تو سپہ سالاری جعفر (طیار) بن ابوطالب کے سپرد ہو ۔ یہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ افسر اعلیٰ مقرر ہوں ۔ خالد بن ولید بھی اسی فوج میں تھے اور اپنے حسن اسلام کو حسن کردار سے ثابت کرنے کے لیے موقعہ کے منتظر ۔

لشکریوں کو ہدایات: رسول اللہ امرائے جیش اور لشکر دونوں کو ہدایات فرماتے ہوئے شہر سے باہر (ثنیۃ الوداع : باضافہ ــ م) تک تشریف لے آئے ۔ یہاں پہنچ کر تمام لشکریوں کو متنبہ فرمایا کہ عورتوں ، نابالغ و کم سن بچوں اور اندھوں کو قتل نہ کیا جائے ، نہ کوئی مکان منہدم ہونے پائے اور نہ درخت کاٹے جائیں[1] روانگی کے وقت آں حضرت صلعم اور مسلمانوں نے مل کر دعا کی ۔ آخر میں رسول پاک نے ان کلمات کے ساتھ الوداع فرمایا :

صبحکم اللہ ودفع عنکم وردکم الینا المسلمین ۔	اللہ تمہاری مدد کرے ! تم سے ضرر دور رکھے اور صحیح و سالم واپس لائے!

لشکریوں نے اہل شام پر اچانک حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا جیسا کہ رسول اللہ کا طریق تھا تاکہ فتح اور غنیمت دونوں حاصل ہوں ۔

مسلمان مقام معان (شام) پر پہنچے تو غیر متوقع طور پر شرجیل (عامل بُصری) کے لشکر جرار کے ساتھ آنے کی خبر سنی ۔ اسے بھی مسلمانوں کے آنے کی خبر مل چکی تھی ۔ یہ فوج شرجیل نے اپنے نواحی قبائل سے جمع کی تھی ۔ ادھر سے ہرقل نے یونانی اور عرب فوجیں ریل دیں ۔

---

[1] قال رسول اللہ صلعم : اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ لا تغزوا ولاتغلوا ولاتقتلوا ولیداً ولا امرأۃ ولا کبیراً فانیاً ولا منعزلا بصومعہ ولا تقربوا نخلا ولا شجرۃ ولا تھد موابناء : متن ۔

بعض روایات کے مطابق خود ہرقل کا آنا ثابت ہے اور اس کے ہمراہ ایک لاکھ رومی سپاہ کے علاوہ بنی لخم و بنی جذام و القین و بہرا و بلی قبیلوں کے ایک لاکھ سپاہی تھے اور ہرقل نے (علاقہ) بلقا کے مقام مآب میں ڈیرے ڈال دیے۔ ایک اور روایت کے مطابق (ہرقل کی بجائے) اس کے بھائی تیودور نے یہ لشکر جمع کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کی تقریر: بہر حال جب مسلمانوں نے معان میں پہنچ کر دشمن کا ٹڈی دل دیکھا تو دو روز تک گو مگو میں پڑے رہے کہ اتنے بڑے لشکر سے کس طرح عہدہ برآ ہوا جائے۔ ایک مسلمان نے یہ تجویز پیش کی کہ صورت حال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا جائے تاکہ کمک کے طور پر کچھ اور فوج بھجوائیں ورنہ جو حکم ہو تعمیل کی جائے۔ فوج اس تجویز پر کاربند ہونے کو تیار تھی کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ جو دلاوری میں یکتا اور فصاحت میں فرد روزگار تھے بول اٹھے: ”صاحبو! عجیب بات ہے کہ شہادت کے لیے آپ لوگ یہاں تشریف لائے اور اسی سے دور بھاگ رہے ہیں۔ دوستو! ہماری جمعیت تعداد و قوت پر منحصر نہیں بلکہ اس دین پر موقوف ہے جس دین سے اللہ نے ہمیں دنیا میں ممتاز فرمایا ہے۔ اٹھو اور دشمن پر یلغار کر دو! فتح نہ ہوگی تو شہادت ہی کیا کم نعمت ہے!،،

مقاتلہ: بلند ہمت شاعر کی تقریر نے تمام لشکر میں روح پھونک دی۔ سننے والے بیک زبان پکار اٹھے ”بخدا! ابن رواحہ نے بہت صحیح فرمایا ہے!،، مسلمان آگے بڑھے۔ بلقا کی سرحد پر پہنچے تو دیکھا کہ قریہ مشارف کی وادی میں ہرقل کی رومی اور عربی فوجیں ڈیرے ڈالے پڑی ہیں۔ مسلمان موضع موتہ کی وادی کو مشارف سے محفوظ سمجھ کر ادھر ہٹ آئے اور معرکہ شروع ہو گیا۔ تین ہزار کا ایک یا دو لاکھ سے مقابلہ! جنگ کے شعلے پوری قوت کے ساتھ بھڑک اٹھے۔ مگر ایمان کی قوت اور دبدبہ ملاحظہ ہو کہ حضرت زید بن حارثہ (سپہ سالار) نبی صلعم کا تفویض کردہ علم لیے ہوئے دشمن کی صفوں میں پیرنے لگے۔ انھیں یقین تھا کہ موت سے مفر نہیں لیکن وہ اس موت کو شہادت فی سبیل اللہ سمجھتے اور مومن کی نظر میں موت کا درجہ فتح و کامرانی سے کم نہیں۔ حضرت زید اسی طرح موت سے کھیلتے ہوئے دشمن کے تیروں کی آماج گاہ بن گئے اور راہ خدا میں شہادت سے فائز ہوئے۔

جعفر طیار کی شجاعت: یہ دیکھ کر جعفر بن ابوطالب آگے بڑھے۔ علم اٹھا لیا۔ آج ان کا سن تینتیس سال کا تھا۔ قوی ہیکل نوجوان جس کا شباب اور ہیبت دونوں ایک سے ایک زیادہ! غنیم کی فوجوں میں دراتے ہوئے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد دشمنوں نے نرغے میں لے لیا۔ حضرت جعفر یہ دیکھ کر اپنے گھوڑے سے اتر پڑے۔ پہلے اس کی کونچیں کاٹیں، پھر تلوار سونت کر چومکھی لڑائی شروع کر دی۔ دشمنوں کے سر گاجر مولی کی طرح اڑانے لگے۔ علم ان کے دائیں ہاتھ میں تھا جسے دشمنوں نے قلم کر دیا۔ جعفر نے اسے بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ کافروں نے یہ ہاتھ بھی کاٹ کر علیحدہ کر دیا۔ تب انھوں نے علم اپنے بازوؤں میں دبا کر سینے سے چمٹا لیا لیکن تا بہ کے! حضرت جعفر شہید ہو گئے اور دشمن نے ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت: حضرت عبداللہ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر علم تھام لیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے۔ گھوڑے سے

اترتے اترتے کسی گہری سوچ میں پڑ گئے، مگر ذرا دیر بعد سنبھلے تو یہ شعر پڑھتے ہوئے مقابلہ پر ڈٹ گئے :

اقسمت یا نفس لتنزلنه   لتنزلن   او   لتکرهنه
ان اجلب الناس وشد والرنه   مالی اراك تکرهین الجنه [1]

اور شہید ہوگئے ۔

خدا اور رسول کی راہ میں شہید ہونا : تینوں سپہ سالار زید ، جعفر اور ابن رواحہ ایک ہی وقفہ میں یکے بعد دیگرے راہ خدا میں شہید ہو گئے ۔ اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ تک پہنچی تو جعفر اور زید کی وفات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا ’’مجھے رویا میں تینوں حضرات کو سونے کے تختوں پر استراحت فرماتے ہوئے دکھایا گیا ہے، البتہ ابن رواحہ کا تخت ایک طرف ذرا سا جھکا ہوا سا دیکھا گیا!،، عرض ہوا ’’یا رسول اللہ! یہ کیوں؟،، فرمایا ’’زید اور جعفر بغیر تردد جنگ میں کود پڑے اور عبداللہ بن رواحہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد آگے قدم بڑھایا ۔،،

قارئین، اس درس عبرت اور ’’موعظہ حسنہ،، پر غور فرمائیے ۔ رسول اللہ کا منشا یہ تھا کہ مومن کے لیے خدا کی راہ میں موت سے ڈرنا جائز نہیں ۔ اس کا فرض یہ ہے کہ جس بات پر اسے یقین ہو اور اس میں خدا کی رضا یا اس کے اپنے وطن کی بھلائی ہو تو ادنیٰ تامل کے بغیر جان ہتھیلی پر رکھ لے اور جو شخص اس کی راہ میں حائل ہو اسے دور کرنے کی کوشش کرے ۔ کامیابی کی صورت میں اس نے خدا یا وطن کا حق ادا کر دیا اور شہید ہو جانے پر اس کی یاد ان لوگوں کی مانند ہے جو اس کی وفات کے بعد دنیا میں زندہ ہیں ۔ ایسے اشخاص کی شہادت کے بعد ان کی یاد کا زندہ رہنا ان کی عظمت کی دلیل ہے ۔

خدا کی راہ یا وطن کی بھلائی کے لیے جان دینے کے مقابلہ میں زندہ رہنے کی کوئی قیمت نہیں اور انسانیت کی سب سے زیادہ مذمت ہر قیمت پر زندہ رہنے کے جتن کی وجہ سے ہے ۔ ایسی زندگی موت سے بدتر اور ایسے شخص کی موت کے بعد اس کے ذکر خیر کے کوئی معنی نہیں ۔

اسی طرح جو شخص کسی ادنیٰ غرض کے لیے اپنی جان کو خطرہ میں مبتلا کر دے وہ اپنی جان ناحق کھو بیٹھتا ہے، لیکن جب داعی برحق باطل کو مٹانے کی غرض سے پکارے اور سننے والے اپنی جان بچانے کے لیے منہ چھپاتے پھریں تو ایسے لوگوں کی زندگی موت سے زیادہ ننگ و عار کا موجب ہے ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی طرف دیکھیے ۔ ایک لمحہ تامل کیا اور ان کے مقابلہ میں جناب زید و حضرت جعفر ہیں جنھوں نے تردد کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا ۔ درجۂ شہادت جناب ابن رواحہ کو بھی نصیب ہوا اور حضرت زید و جعفر کو بھی لیکن ابن رواحہ کے لمحہ بھر تامل اور زید و جعفر کے بلا تردد پیش قدمی کرنے سے درجات میں کس قدر تفاوت پیدا ہو گیا ۔

---

[1] میں بقسم کہتا ہوں! اے نفس تو پسند کرے یا ناپسند کرے تجھے میدان میں اترنا ہی پڑے گا ۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ دوست جوش و خروش سے آگے بڑھیں اور تو جنت میں جانے سے پہلو تہی کرے!

ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کو کیا کہیے جو جاہ و مال اور زندگی کے دوسرے مقاصد کے طمع میں ہمیشہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں ۔ ایسے لوگ ناچیز و حقیر کیڑے ہیں، اگرچہ عوام میں ان کی کتنی ہی عزت کیوں نہ ہو اور مال و دولت میں قارون کی برابری کیوں نہ حاصل ہو جائے ۔ انسان کے لیے اس سے زیادہ مسرت اور عزت اس میں ہے کہ جس امر کو وہ حق سمجھتا ہو اس کے برقرار رکھنے کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے حتیٰ کہ جان نثار کرنے میں بھی اسے تامل نہ ہو یا اپنے مقصد ہی میں کامیاب ہو جائے ۔

خالد بن ولید کی سپہ سالاری : حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شہید ہو جانے پر قبیلہ بنو عجلان کے نامور جناب زید بن ثابت نے علم لیا اور زبان سے فرمایا ”اے مسلمانو! کس شخص کو اس منصب کے لیے منتخب کرتے ہو؟“ سامعین نے کہا ”آپ ہی مناسب ہیں!“ زید کے انکار پر مسلمانوں نے (سیف اللہ) خالد بن ولید کو تجویز کیا ۔ خالد سے مسلمانوں کی قلت تعداد اور ضعف قوت پوشیدہ نہ تھی لیکن خالد فوج کو لڑانے کے ماہر اور رزم گاہ کے نشیب و فراز کے سمجھنے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے ۔ از سر نو فوج کو مرتب کیا ۔ غروب آفتاب تک انہیں دشمن سے لڑاتے رہے مگر معمولی جھڑپیں، اور رات سر پر آ گئی ۔

شب کے وقت حضرت خالد نے جنگی چال چلی ۔ فوج کی بھاری تعداد کو رزم گاہ سے دور چھپا دیا ۔ یہ دستہ صبح ہوتے ہی نعرے لگاتا ہوا میدان جنگ میں آ کر مسلمانوں سے مل گیا ۔ دشمن کے تصور میں یہ نبی صلعم کی طرف سے تازہ کمک تھی ۔ ان کے دل دھل گئے کہ مسلمانوں کی تین ہزار فوج نے کل کس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کے کتنے آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے ۔ اب تو انہیں اور کمک پہنچ گئی ہے! کہیں انہیں شکست سے دوچار نہ ہونا پڑے! مگر اصلی راز کافروں میں سے کسی کو معلوم نہ ہو سکا ۔

جنگ کا خاتمہ : رومی فوجیں خالد بن ولید کے داؤ پیچ سے گھبرا اٹھیں ۔ انہیں حملہ کرنے کی جرات نہ رہی ۔ وہ جہاں کھڑے تھے بھچکے سے وہیں کھڑے رہے ۔ مسلمانوں نے دیکھا دشمن آگے نہیں بڑھتا اور انہوں نے وقار و تحمل کے ساتھ مدینہ کی طرف اپنا رخ پھیر دیا ۔ بیشک مسلمانوں کو فتح حاصل نہ ہوئی مگر دشمن بھی کامیاب ہو کر نہ لوٹا ۔

رزم گاہ موتہ کے غازی مدینہ میں : حضرت خالد فوج کے ہمراہ مدینہ پہنچے ۔ رسول اللہ اور مسلمانوں سے ملاقات ہوئی ۔ آں حضرت نے شہید معرکہ حضرت جعفر کے (کم سن) صاحب زادے عبداللہ کو ان کے گھر سے بلا کر گود میں اٹھا لیا ۔ ادھر بعض جوشیلے مسلمانوں نے لشکریوں کے منہ پر دھول پھینک کر کہا ”اے مفرورین (فرارین)! تم جہاد فی سبیل اللہ سے بھاگ آئے!“ رسول خدا نے سنا تو فرمایا ”یہ فرار نہیں بلکہ کرار ہیں انشاء اللہ!“ رسول اللہ کی طرف سے اظہار اطمینان کے باوجود واپس آنے والے مسلمانوں کے متعلق مسلمان یہی سمجھتے رہے کہ وہ بہت بڑے قصور وار ہیں یہاں تک کہ (جناب) سلمہ ابن ہشام نے اسی طعن (یا فرارا! فررتم فی سبیل اللہ!) سے ڈر کر مسجد میں آنا ترک کر دیا ۔ اگر شرکائے موتہ کو اپنی شجاعت اور ان کے

سپه سالار خالد کو اپنی دلاوری اور حسن تدبیر پر ناز نه هوتا تو انهیں فراری کا طعنه اپنے حق میں تسلیم کرنا پڑتا -

رسول خدا کا حزن و ملال: حضرت زید اور جعفر کی موت سے رسول خدا غم میں ڈوب گئے اور یه خلش آپ کے دل میں پیوست هو هی گئی - جعفر کے هاں تشریف لائے - ان کی اهلیه (جناب) اساء (بنت عمیس) آٹا گوندھ رهی تهیں - بچوں کو نہلا دهلا کر ان کے بالوں میں تیل لگا رکھا تھا - آں حضرت نے بچوں کو پیار کر کے انهیں سینے سے لگا لیا - آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا - اساء چونک اٹھیں - عرض کیا ''میرے ماں باپ نثار هوں یا رسول اللہ! کهیں جعفر اور ان کے دوستوں کے متعلق کوئی خبر تو نہیں آئی؟،، فرمایا ''وہ شهید هو گئے!،، اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے! بی بی (اساء) نے گریه و بکا سے آسمان سر پر اٹھا لیا - عورتیں جمع هو گئیں - رسول خدا صلی اللہ علیه وسلم دولت خانه پر تشریف لے آئے اور اهل بیت سے فرمایا ''جعفر کا انتقال هو گیا هے اور آل جعفر رونے دهونے میں مصروف هیں - ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کرو-،،

اسی اثنا میں حضرت زید بن حارثه کی صاحب زادی آ پہنچیں - رسول اللہ کے بازوؤں پر هاتھ رکھ کر رونا شروع کر دیا - شهدائے موته پر آں حضرت کی گریه و زاری دیکھ کر مسلمان بھی متاثر هوئے بغیر نه رہ سکے - رسول اللہ نے اس مفهوم کا ایک جمله ارشاد فرمایا ''یه رونا اپنے گم شده رفیق کے فراق میں هے-،،

ایک روایت میں منقول هے که حضرت جعفر کی لاش مدینه میں لائی گئی - خالد اور مسلمانوں کے مدینه واپس آ جانے سے تین روز بعد دفن کیے گئے - اب آں حضرت نے لوگوں کو گریه و بکا سے منع کرتے هوئے فرمایا که جعفر کو ان کے دو بازوؤں کے عوض میں دو پردار بازو دیے گئے هیں جن سے وہ جنت میں اڑ کر سیر کر رهے هیں [انهی پروں کی مناسبت سے حضرت جعفر ''طیار،، (یعنی پرواز کرنے والے) کے لقب سے مشهور هوئے-م] -

غزوۂ ذات سلاسل: حضرت خالد بن ولید کی غزوۂ موته سے واپسی کو چند هفتے گذر گئے - رسول خدا نے شمالی عرب (شام) میں مسلمانوں کی از سر نو دھاک بٹھانے کے لیے عمرو بن العاص کو بھیج کر حکم دیا که راستے میں اهل عرب کو اپنی امداد کی غرض سے همراہ لے لیں اس توقع پر که حضرت عمرو (سپه سالار دسته) کی والده کے میکے اسی نواح میں تھے - اس رشته کی وجه سے اس خطه کے باشندے (غیر مسلم بھی-م) مسلمانوں کی اعانت پر آماده هو سکتے تھے - لیکن جونهی مسلمان جذام کے ایک چشمے سلسل (نام) پر پہنچے حضرت عمرو ڈر گئے اور کمک کے لیے رسول اللہ کی خدمت میں قاصد روانه کیا جس پر نبی صلعم نے جناب ابوعبیده الجراح کی سپه سالاری میں مهاجرین کا ایک دسته بھیج دیا - حضرت ابوبکر اور عمر بن الخطاب بھی اس دسته میں شامل تھے. مبادا عمرو ان (ابوعبیده) سے اختلاف کر بیٹھیں - آں حضرت صلوات اللہ علیه نے ابوعبیده، اور عمرو دونوں کو اختلاف سے منع فرما دیا اور یهی هونے کو تھا که اگر آخر الذکر تحمل نه فرماتے - عمرو بن العاص نے ابوعبیده سے کها ''میں امیر جیشی هوں اور آپ میری اعانت کے لیے تشریف لائے هیں-،، ابوعبیده بہت نرم دل اور بردبار تھے - مناصب

کے بھی طلب گار نہ تھے ۔ عمرو سے فرمایا ''رسول خدا نے ہم دونوں کو اختلاف سے منع فرما دیا ہے ۔ اگر آپ میری اطاعت کرنے پر رضامند نہیں تو میں آپ کی فرمان برداری کے لیے بسر و چشم حاضر ہوں ۔'' نمازوں میں بھی حضرت عمرو ہی امامت فرماتے حتیٰ کہ لشکر آگے بڑھا ۔ اہل شام جو لڑائی کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے منتشر ہو گئے اور ان کے یوں بھاگنے سے گرد و نواح میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ گئی ۔

اس اثنا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کے معاملہ پر بھی غور فرمایا کیے لیکن آپ کے نزدیک صلح حدیبیہ کی پابندی بہت اہم تھی ، جیسا کہ گذشتہ صفحوں میں لکھا جا چکا ہے (جس میں دو سال کی مدت متعین تھی) ۔ اس وقفہ میں دور و نزدیک کے جو گروہ مسلمانوں پر حملہ کی سازش کرتے ان کی سرکوبی کے لیے دستے بھیج دیے جاتے جن میں زیادہ صعوبت نہ تھی ۔

قبائلی وفود کی اطاعت : اسی اثنا میں گرد و نواح سے مختلف قبائل از خود مدینہ حاضر ہوئے اور اپنی اپنی اطاعت کا قبالہ (خدمت رسالت میں) پیش کیا کہ دفعتہً ایک حادثہ رونما ہوا جو فتح مکہ کا مقدمہ بن گیا اور اسلام کے دائمی استقرار و عظمت کا موجب ثابت ہوا ۔

صادق امین عبداللہ حیات محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

صفی اللہ حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن نبی الرحمۃ یتیم

۲۴

فتح مکہ و تطہیر کعبہ

صادق امین عبداللہ یا محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

مدعو جواد حامی عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۲۴

فتح مکہ و تطہیر کعبہ

حضرت خالد بن ولید کی هدایت کے مطابق مسلمانوں کا لشکر غزوۂ موته سے واپس لوٹ آیا ۔ اس جنگ میں فتح هوئی نه شکست ، تاهم مسلمانوں نے اس واپسی کو اپنے حق میں بھلائی سے تعبیر کیا ۔ دوسری طرف حضرت زید (بن حارثه) و جناب جعفر بن ابوطالب اور حضرت عبدالله بن رواحه کی شهادت نے مختلف طبقات پر مختلف اثرات چھوڑے ۔

۱ ۔ اهل روم پر مسلمانوں کی شجاعت کا اثر:

الف : باوجودیکه عیسائی ایک (یا دو) لاکھ کی تعداد میں تھے اور مسلمانوں کی تعداد صرف تین هزار تک تھی ، لیکن رومیوں نے مسلمانوں کی طرف سے جنگ سے دست برداری کو اپنے حق میں بے حد غنیمت سمجھا ۔

ب : یا شاید اس لیے که مسلمانوں کے چوتھے سپه سالار (خالد بن ولید) کے هاتھوں میں نو تلواریں ٹوٹیں اور اس پر بھی ان کی همت میں فرق نه آیا ۔

ج : یا شاید اس لیے که لڑائی کے دوسرے روز حضرت خالد نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں منقسم کر کے رومیوں کے دل میں یه خوف پیدا کر دیا که ان کے حریف کے لیے مدینه سے مزید کمک آ گئی هے ۔

د : یا شاید اس لیے که شام کے نواحی قبائل بھی مسلمانوں کی شجاعت دیکھ کر دنگ ره گئے ۔

: یا شاید اس لیے که قیصر روم کے ماتحت عرب فوجوں کے سپه سالار فزوه بن عمرو (الجذامی) مسلمان هو گئے جنهیں بادشاه کے فرمان سے خیانت کے الزام میں حراست میں لے لیا گیا اور هرقل نے انهیں دوباره مسیحی مذهب اختیار کر لینے پر بدستور منصب و جاه پر فائز رهنے کا موقعه دے دیا لیکن جناب فزوه اس سودے پر راضی نه هو سکے اور انهیں قتل کرا دیا گیا ۔

و : اور یا شاید اس لیے که صوبهٔ نجد میں جو عراق و شام کی سرحد پر واقع اور هرقل کے ماتحت تھا اسلام کا اثر و نفوذ شروع هو گیا ۔

رومیوں کے تاثرات کا محور یه اسباب (از الف تا و) یا ان میں سے کوئی ایک یا اور زائد امور تھے ۔۔ البته وه عرب جو هرقل کے ماتحت مشرق روم میں آباد تھے ان کے اسلام کی طرف مائل هونے کا دوسرا سبب هے ۔ هوا یه که رومی فوج میں جو عرب رضاکارانه شامل هو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جمع هو گئے تھے ایک موقعه پر رسد تقسیم کرنے والے رومی اهل کار نے اعلان کر دیا که ''رضا کار فوج سے نکل جائیں ۔ بادشاه سلامت کی طرف سے صرف سرکاری فوج کے لیے راشن هے حتیٰ که سرکار کے پالتو کتوں کے لیے بھی کچھ مہیا نہیں کیا جا سکتا!،، اس سے رضار کار بدگمان هو گئے اور رومی لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی ۔

عجب نہیں کہ جس وقت یہ لوگ قیصر سے بد دل ہو کر اس کے لشکر سے نکلے ہوں اس لمحہ میں دین جدید کی روشنی نے ان کی رہنمائی کی ہو اور حقیقت ان کی دست گیری کرکے انھیں منزل مقصود پر لے آئی ہو ، کیونکہ اسی وقفہ میں مندرجہ ذیل قبائل میں سے ہزاروں خوش نصیب دولت اسلام سے مالا مال ہوئے: (۱) قبیلۂ بنو سلیم اپنے سردار عباس بن مرداس کی رہبری میں، (۲) قبیلہ اشجع ، (۳) یہود کے حلیف بنوغطفان جن کے مسلمان ہو جانے سے خیبر میں مقیم یہودیوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ، (۴) قبیلۂ بنو عبس ، (۵) قبیلہ ذبیان اور (۶) قبیلہ بنوفزارہ -

غزوۂ موتہ عرب کے شمال میں تا بہ (ملک) شام مسلمانوں کے اثر و نفوذ کا سبب ثابت ہوا جس سے اسلام کی قوت و شوکت میں اور اضافہ ہو گیا -

۲ - اور اہل مدینہ پر مسلمان فوجوں کا فتح کے بغیر لوٹنے کا اثر: رومیوں پر جو اثر ہوا اس کے خلاف مسلمانوں اور ان کے سپہ سالار حضرت خالد کے سرحد شام سے فتح کے بغیر لوٹ آنے کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے برملا (لوٹنے والوں سے) ”یا فرار! فررتم فی سبیل اللہ!،، (اے مفرورین! تم جہاد فی سبیل اللہ سے بھاگ آئے!) کہنا شروع کر دیا جس سے لشکر کے کچھ دلاور بھی شرمندہ ہو کر گھروں میں چھپ گئے تا کہ کم عمر اور نوجوان مسلمانوں سے فرار کا طعنہ نہ سنیں -

۳ - اور قریش پر غزوۂ موتہ کے نتائج کا اثر: انھوں نے اس حد تک اسے مسلمانوں کی شکست اور ذلت سے تعبیر کیا کہ ان میں سے کسی شخص کو مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کا پاس نہ رہا - قریش اس پر بھی آمادہ ہو گئے کہ ہو سکے تو عمرۃ القضاء کے پہلے کی فضا قائم کر لی جائے بلکہ صلح حدیبیہ ہی کو پس پشت ڈال کر بلا خوف قصاص (جناب) محمدؐ اور آپ کے حلیف قبیلوں پر یلغار شروع کر دی جائے -

قریش کی طرف سے قرار داد حدیبیہ کا خلاف: صلح حدیبیہ کی ایک شرط میں تھا کہ ”اہل عرب فریقین میں سے جس فریق کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں دوسرا فریق اس میں حائل نہ ہوگا،، - اس قرار داد کے مطابق بنو خزاعہ نے رسول اللہ کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور قبیلۂ بنوبکر قریش کے حلیف بن گئے لیکن بنوخزاعہ او بنوبکر دونوں کے درمیان پشتینی عداوت چلی آ رہی تھی جو صلح حدیبیہ کے بعد بظاہر ٹھنڈی پڑ گئی اور دونوں فریق ایک دوسرے سے قریب نظر آنے لگے لیکن غزوۂ موتہ نے جہاں قریش کے دل میں مسلمانوں کی شکست کا خیال پیدا کر دیا وہاں بنوبکر کے دل میں بھی یہی گرہ لگا دی اور بنوخزاعہ کے متعلق ان کی پشتینی عداوت کا ناسور بہ نکلا - وہ موقعہ غنیمت سمجھ کر بنوخزاعہ سے انتقام پر تل گئے - قریش مکہ میں سے عکرمہ بن ابوجہل نے انھیں شہ دی (بلکہ بھیس بدل کر ان کے ساتھ حملہ میں شریک ہوئےـم) - قریش کے بعض سرغنوں نے بنوبکر کی مدد اسلحہ سے کی اور ایک شب کو جب بنوخزاعہ کے بہت سے افراد وتیر نامی گھاٹ پر نیند میں ڈوبے ہوئے تھے بنوبکر کی شاخ بنی الدئل نے ان پر شب خون مار کے ان کے کئی آدمی موت کے پہلو میں سلا دیے - جو بچ گئے بھاگ کر مکہ میں بدیل بن ورقا کے گھر میں آ چھپے اور ان سے کہا کہ قریش اور بنوبکر دونوں نے (جناب) محمدؐ سے معاہدہ ختم کر دیا ہے -

قبیلہ بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن سالم فوراً مدینہ پہنچا۔ رسول اللہ مسجد کے اندر مسلمانوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ وہ بنوبکر کی بدعہدی اور حملہ کا ماجرا بیان کرنے کے بعد امداد کا طلب گار ہوا۔ رسول خدا نے اسے فرمایا ”اے عمرو! تمھاری امداد کی ہی جائے گی!“ عمرو بن سالم خزاعی کے بعد بدیل بن ورقا نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ میں آ کر قریش کی بنوبکر کو خفیہ امداد کا تذکرہ عرض کیا۔ آخر رسول خدا نے یہ رائے قائم کر لی کہ قریش کی طرف سے قرار داد حدیبیہ کے نقض کی تلافی مکہ فتح کیے بغیر نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ نے نزدیک اور دور کے مسلمانوں کی طرف یہ پیغام بھیج دیا کہ ”ہر شخص جہاد کے لیے کمربستہ رہ کر دوسرے حکم کا انتظار کرے۔“ لیکن آں حضرت نے اپنی یہ رائے کسی پر ظاہر نہ ہونے دی کہ چڑھائی کہاں ہوگی۔

قریش کے دل میں خطرہ: آخر اس حادثہ کے چند روز بعد مدینہ میں قریش کو عکرمہ اور اس کے نوجوان ہمراہیوں کی غلطی کے احساس نے اپنی طرف سے صلح کے خلاف ارتکاب کرنے کی بنا پر پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ ان پر ثابت ہو چکا تھا کہ عرب میں رسول اللہ کا اثر و نفوذ عام ہو چکا ہے۔ اس تصور نے ان کے خوف میں اور بھی اضافہ کر دیا اور وہ اس فکر میں پڑ گئے کہ اب انھیں کیا کرنا چاہیے۔ ان کے مدبرین نے طے کیا کہ ابوسفیان کو وفد کے ہمراہ مدینہ بھیجا جائے تاکہ حدیبیہ کی دو سالہ میعاد کو دس سال تک بڑھایا جا سکے۔

ابوسفیان (مقام) عسفان میں پہنچے تو بدیل ابن ورقا سے ملاقات ہوئی۔ ابوسفیان کے دل میں یہ بات کھٹک گئی کہ ہو نہ ہو بدیل (جناب) محمد ہی کے ہاں سے آ رہا ہو۔ اس نے مکہ کا تمام ماجرا انھیں سنا دیا ہوگا! یہ تو غضب ہوگیا، مگر بدیل صاف مکر گئے۔ ابوسفیان نے ان کی ناقہ کی مینگنی سے پہچان لیا کہ وہ مدینہ ہی سے آ رہے ہیں۔

ابوسفیان اپنی صاحب زادی ام المومنین ام حبیبہ کے دولت خانہ پر: ابوسفیان مدینہ پہنچے تو سیدھے رسول خدا سے گفتگو کرنے کی بجائے ادھر ادھر کی سن گن لینے کا منصوبہ بنا کر اپنی دختر ام المومنین حضرت ام حبیبہ کے دولت خانہ پر آئے۔ قریش کے معاملہ میں رسول اللہ کے رجحانات کا اندازہ ام المومنین کو بھی تھا لیکن آں حضرت کے ارادہ پر اطلاع نہ تھی۔ اپنے والد کو آتا دیکھ کر ام المومنین نے رسول اللہ کا بستر سمیٹ لیا۔ ابوسفیان نے کہا ”کیا یہ بستر تمھارے باپ کے شایاں نہیں یا تمھارا باپ اس بستر پر بیٹھنے کے قابل نہیں؟“ فرمایا ”یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ آپ مشرک نجس ہیں۔ مجھے گوارا نہیں کہ آپ اس بستر سے مس کریں!“ ابوسفیان جھلا کر بولے ”بیٹی! میرے بعد تمھیں شر سے دوچار ہونا پڑے گا۔“ غضب ناک ہو کر ام المومنین کے دولت خانہ سے باہر آئے اور رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر مدت صلح میں توسیع کی استدعا کی، مگر رسول اللہ نے مثبت یا منفی کوئی جواب نہ دیا۔

ابوسفیان حضرت ابوبکر کے ہاں باریاب ہوئے کہ ان سے سفارش کرائیں۔ انھوں نے بھی انکار فرما دیا۔ یہاں سے جناب عمر بن الخطاب کے ہاں پہنچے۔ انھوں نے فرمایا ”میں اور تمھارے لیے سفارش! البتہ تمھارے ساتھ جنگ کرنے میں برائے نام فائدہ کی توقع بھی ہو تو میں اس سے دریغ نہ کروں گا۔“

ابوسفیان دولت کدۂ علی بن ابی طالب میں : سیدۂ فاطمہ بھی تشریف فرما تھیں۔ ابوسفیان کی اسی درخواست پر بی بی نے نہایت نرم انداز میں فرمایا ''رسول اللہ جب کسی کام کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس سے کوئی شخص آپ کو نہیں روک سکتا۔''

ابو سفیان : مجھے حسن (بن علی) کی پناہ میں دے دیا جائے۔
سیدۃ الزھرا : رسول اللہ کے خلاف کوئی شخص کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔
علی : ابوسفیان تمھارے لیے کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ چونکہ تم بنو کنانہ کے سردار ہو مدینہ کے کسی مناسب مقام پر کھڑے ہو کر اعلان کر دو کہ ''صلح قائم ہے'' اور اس کے بعد فوراً واپس چلے جاؤ۔

ابوسفیان کا ازخود توسیع صلح کا اعلان : ابوسفیان مسجد نبوی میں پہنچے اور کھڑے کھڑے یہ کہ کر کہ ''صلح قائم ہے'' مکہ کی راہ لی۔ لیکن ان کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ خصوصاً اپنی صاحب زادی جناب ام حبیبہ کے برتاؤ سے۔ ابوسفیان کو یہ ندامت بھی کھائے جا رہی تھی کہ مکہ سے ھجرت کرنے سے قبل جو لوگ ان کی رضا و کرم کے منتظر تھے وہ لوگ آج کس طرح پیش آئے۔

ابوسفیان مکہ میں : مکہ پہنچ کر ابوسفیان نے مدینہ کی سرگزشت من و عن بیان کر دی لیکن جب مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اپنی طرف سے توسیع صلح کے اعلان کا تذکرہ کیا تو ان کے حواریوں نے کہا ''تم سمجھے نہیں، علی نے تمھارے ساتھ مذاق کیا۔'' اس کے بعد مدبرین قریش آیندہ کے لیے تدبیر کار پر غور کرنے بیٹھ گئے۔

رسول اللہ کا طرز عمل اور فتح مکہ کی تیاری : باوجودیکہ آں حضرت صلعم کو اپنی قوت اور اللہ کی طرف سے نصرت کا بھروسہ تھا پھر بھی آپ نے قریش مکہ کو مہلت دینا مناسب نہ سمجھا تاکہ وہ مقابلے کے لیے اس طرح تیاری نہ کر سکیں جس کی مدافعت دوبھر ہو جائے حتیٰ کہ قریش مقابلہ کے بغیر ہتھیار ڈال دیں۔

پہلے آپ نے صرف جہاد کے لیے تیار ہو جانے کا حکم فرمایا۔ دوسرے درجہ میں اعلان فرما دیا کہ ''مکہ پر چڑھائی ہے۔ مسلمانو! تیزی سے بڑھے چلو!'' اور اللہ سے دعا کی کہ اھل مکہ کو مسلمانوں کے آنے کی خبر نہ ہونے پائے۔

حاطب بن ابی بلتعہ (مہاجر) کی طرف سے مخبری : جب مسلمان کوچ کی تیاری کر رہے تھے حضرت حاطب بن ابوبلتعہ مہاجر مکی نے قریش کی طرف خط لکھ کر سارہ (نام) کنیز کے حوالے کیا۔ یہ بنو عبدالمطلب کے ایک صاحب کی باندی تھیں۔ حاطب نے ان (کنیز) کا معاوضہ بھی متعین کر دیا۔ اس خط میں رسول اللہ کی طرف سے مکہ پر چڑھائی کی مخبری تھی۔ جناب حاطب سرکردہ مسلمانوں میں سے تھے لیکن انسان ہی تو ہے جو کبھی ایسے ادنیٰ مقاصد کے لیے کھو جاتا ہے کہ اگر وہی کام کوئی اور شخص کرے تو اسے بھلا معلوم نہیں ہوتا۔

کسی طرح رسول اللہ کو بھی حاطب کی مخبری کی اطلاع مل گئی۔ آں حضرت صلعم نے جناب علی اور زبیر دونوں کو (خبر رساں) سارہ کے تعاقب کا حکم دے کر فرمایا ''جاؤ! اور اس سے خط حاصل کرو!'' سارہ کی گرفتاری پر اس کے سامان سے خط برآمد نہ ہوا تو حضرت علی نے دھمکا کر فرمایا ''اگر خط ھمارے حوالے نہ کیا گیا

تو ھم جامہ تلاشی لینے پر مجبور ھو جائیں گے -'' سارہ نے گھبرا کر علی سے ادھر کی طرف منہ پھیر لینے کی استدعا کی اور خط اپنی مینڈھیوں سے نکال کر ان کے حوالے کر دیا -

دونوں حضرات اطلاع نامہ لے کر مدینہ پہنچے - رسول اللہ نے حاطب کو بلا کر جواب طلب فرمایا - حاطب نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! میرا ایمان خدا اور اس کے رسول پر جس طرح سے تھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ھوئی - صرف یہ کہ میرے بال بچے ابھی تک مکہ میں گھرے ھوئے ھیں اور وھاں میرا کوئی عزیز و قرابت دار نہیں!''
(باضافہ: اس اطلاع سے صرف اپنے اھل و عیال کے لیے قریش کی ھمدردی مطلوب تھی— 'زادالمعاد'' ابن القیم—م) -

حضرت عمر نے استدعا کی ''یا رسول اللہ! حاطب منافق ھوگیا ھے - مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت فرمائی جائے -''

رسول خدا: ''اے عمر! حاطب غزوۂ بدر میں شریک تھے اور اللہ نے شرکائے بدر کے گناھوں پر قلم عفو کھینچ دیا ھے -''اس واقعہ پر یہ وحی نازل ھوئی:

یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودة (۶۰ : ۱) -

مسلمانو! اگر ھماری راہ میں جہاد کرنے اور ھماری رضامندی ڈھونڈھنے کی غرض سے (اپنے وطن چھوڑ کر نکلے) تو ھمارے اور اپنے دشمنوں (یعنی کافروں) کو دوست مت بناؤ کہ لگو ان کی طرف دوستی (کے نامہ و پیام) دوڑانے -

مکہ کی طرف کوچ: اسلامی لشکر نے (مدینہ سے) کوچ کر دیا تا کہ مکہ فتح کر کے اس گھر کی زیارت کا اذن عام کر دے جسے خدا نے ازل سے امن و پناہ کا گہوارہ قرار دے رکھا ھے - مدینہ کے رھنے والوں نے کبھی اتنی تعداد میں فوج نہ دیکھی تھی - اس لشکر میں مہاجرین و انصار کے سوا بنوسلیم تھے، بنومزینہ اور غطفان کا جم غفیر تھا - ان کے علاوہ اور لوگ بھی شامل تھے - چمکیلی زرھیں پہنے ھوئے انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ھوئے سمندر نے صحرا کی سطح پر عجیب نظارہ پیدا کر دیا - ریگستان میں جہاں خیمے نصب ھوتے دیکھنے والوں کی نظر زمین پر نہ پڑ سکتی - ھزاروں کی تعداد میں فوج تیز رفتاری سے مکہ کی طرف چلی جا رھی تھی - جوں جوں آگے بڑھتے آس پاس کے مسلمان قبائل بھی لشکر میں شامل ھوتے جاتے - قدم قدم پر تعداد میں اضافہ ھو رھا تھا - ھر ایک کے دل میں یقین تھا کہ اللہ کے سوا انھیں کوئی مغلوب نہیں کر سکتا -

فوج کے آگے (جناب) محمد اپنی سواری پر تشریف فرما تھے، اس فکر میں ڈوبے ھوئے کہ خداوندا! کسی طرح خون کا ایک قطرہ بہانے کے بغیر ھم بیت اللہ میں داخل ھو جائیں -

اسلامی لشکر نے (مقام) مرالظہران (مکہ سے ایک منزل دور) میں پڑاؤ کیا تو ان کی تعداد دس ہزار تک پہنچ چکی تھی - قریش ان کی آمد سے محض بے خبر تھے - وہ ابھی تک یہ فیصلہ بھی نہ کر سکے کہ محمد (صلعم) کی دشمنی کا مداوا کیوں کر کیا جائے -

سیدنا عباس کا قبول اسلام: حضرت عباس قریش کو اسی ضغطے میں چھوڑ کر اپنے چند قبیلہ داروں کے ہمراہ مقام جحفہ (مکہ سے تراسی میل) میں آں حضرت کی خدمت میں

حاضر ہوئے[1] جبکه بنوهاشم کو آں حضرت کی آمد پر پہلے سے اطلاع تھی ۔ بنوهاشم هر قیمت پر مسلمانوں کی یلغار سے خود کو بچانا چاهتے تھے ۔ اسی طرح ابوسفیان بن حارث (رسول خدا کے عم زاد برادر) اور ابوسفیان- و رسول اللہ دونوں کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابو امیه بن مغیرہ هر دو نے نبق العقاب (نام مقام) پر رسول اللہ کی خدمت میں باریابی کی التجا کی ، لیکن آں حضرت نے انکار فرما دیا ۔ عبداللہ ام المومنین ام سلمه کے برادر حقیقی تھے ۔ سیدہ ممدوحه اس سفر میں رسول خدا کی مشایعت میں تھیں ۔ عرض کیا ”یا رسول اللہ! ابوسفیان (بن حارث) آپ کے برادر عم زاد هیں ۔ عبداللہ سے آپ کا دوهرا ناتا هے ۔ وہ میرے بھائی اور آپ کے پھوپھی زاد هیں ۔“ فرمایا ”میرے عم زاد برادر نے میری تذلیل میں کوئی کمی رهنے دی؟ اور اس پھوپھی زاد نے مکه میں مجھے کیسا رسوا کیا! بی بی تم رهنے دو ، میں ان سے درگذرا ۔“ ابوسفیان نے رسول اللہ کی برهمی کا حال سن کر کہا :

والله لیوذنن لی او لاخذن بید بنیی هذا ثم لنذهبن فی الارض حتی نموت عطشاً وجوعاً ۔

بخدا! اگر آج آں حضرت نے مجھے باریابی کا موقعه نه دیا تو میں اپنے اس بچے کا هاتھ پکڑ کر صحرا میں نکل جاؤں گا اور بھوکا پیاسا مر جانے کو ترجیح دوں گا ۔

ابوسفیان کی رقت کا ماجرا سن کر آں حضرت کا دل بھر آیا ۔ دونوں کو شرف باریابی بخشا ، دونوں کا جرم معاف فرما دیا اور دونوں مسلمان هو گئے ۔

سیدنا عباس کی اهل مکه کے لیے سفارش عفو : حضرت عباس اپنے عالی منزلت برادر زادہ کی فوجی قوت اور ولوله سے بے حد متاثر هوئے ۔ اگرچه وہ خود اسلام لا چکے تھے مگر (انهوں نے) غازیوں کی کثرت سے اندازہ کر لیا که پورے عربستان میں جس لشکر کے مقابله کی کسی کو تاب نہیں اهل مکه اس سے کیوں کر عهدہ برآ هو سکتے هیں ۔

---

[1] عباس کے اسلام لانے کے معامله میں دو مختلف خیال هیں :

الف : سیر نویسوں کا ایک گروہ : اس ملاقات کی کڑی (مقام) رابغ سے ملاتا هے ۔ رابغ یا جحفه دونوں میں سے کوئی مقام سهی ، ان حضرات کے نزدیک حضرت عباس اسی وقفه میں اسلام لائے ۔

ب : دوسرا گروہ : جناب عباس فتح مکه سے پہلے مدینه تشریف لے گئے اور اسلام لانے کے ساتھ هی اس لشکر کے همراہ مکه آئے ۔

لیکن (ب) کی تردید میں کہا جاتا هے که یه روایت خلفائے عباسیه کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وضع کی گئی ۔ فریق (ب) کی اس حمایت کی پشت پر یه دلیل بھی هے که قبل از هجرت ان کا مکه میں رسول اللہ کی پاس داری ان کے مسلمان هونے کی وجه سے تھی ۔ لیکن حضرت عباس اپنے اسلام کا اظهار اور مکه سے هجرت اس لیے نه کر سکے که مبادا ان کی تجارت اور سودی لین دین تباہ هو جائے ۔ اس بارے میں فریق (ب) کا یه بھی دعویٰ هے که اگر عباس کا فتح مکه سے قبل مسلمان هونا تسلیم کر لیا جائے تو وہ اس وفد میں ضرور شامل هوتے جو صلح حدیبیه کی توسیع کے لیے مدینه میں حاضر هوا تھا ۔

عباس اس سے چند ھی ساعت قبل مکہ سے آئے تھے جہاں ان کے اھل و عیال اور دوست احباب سب موجود تھے ۔ انھیں پوری طرح یقین تھا کہ اسلام اپنے مقابلہ میں کمزور اشخاص سے قطع کرنے کا روادار نہیں ۔ عباس نے اھل مکہ کے متعلق اپنا اضطراب ظاھر کرتے ھوئے عرض کیا ''اگر قریش طالب امان ھوں ؟'' ممکن ھے کہ ان کے برادر زادہ کو اپنے عم بزرگوار کی تقدیم کلام پسند آئی ھو ۔

اس موقعہ پر آں حضرت صلعم نے جناب عباس کے متعلق یہ غور فرمایا کہ انھیں بطور سفیر قریش کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ اس حد تک قریش کو مرعوب کر لیں کہ کشت و خون کے بغیر پر امن طور سے مکہ پر قبضہ ھو جائے اور وہ جس طرح ازل سے امن و سلامتی کا گہوارہ چلا آ رھا ھے آج بھی اس کی سلامتی میں خلل نہ آنے پائے ۔ جناب عباس حضرت رسالت مآب کی ناقہ بیضا پر سوار ھوئے اور گذرگاہ اراک پر ھو کر مکہ کی طرف روانہ ھوئے ۔ ان کا (عباس کے ارشاد کے مطابق) اس راہ سے آنے کا منشا یہ تھا کہ اگر کوئی لکڑھارا یا شیر فروش یا کوئی شخص مکہ میں جانے والا نظر آ جائے تو اس کے دل میں ایسے انداز سے مسلمان فوجوں کی کثرت اور ولولہ کا یقین پیدا کیا جائے جس سے وہ شخص از خود اھل مکہ کو ڈرا دے اور شہر پر حملہ ھونے سے قبل قریش رسول خدا کی خدمت میں حاضر ھو کر امن کی درخواست پیش کریں ۔ (جناب عباس کو علم تھا کہ) جب سے مسلمانوں نے (مقام) مرالظھران پر ڈیرے ڈالے ھیں قریش اس اطلاع کے بغیر اپنے مستقبل سے گھبرا رھے ھیں کہ ان کے خیال میں خطرات ان کے قریب آ چکے ھیں ۔

قریش کا وفد رسالت مآب کے حضور : قریش نے پیش قدمی کرتے ھوئے اپنے تین نامور مدبروں کا وفد رسول خدا کی خدمت میں بھیجا : (۱) ابوسفیان بن حرب اموی ، (۲) بدیل بن ورقاء ، (۳) حکیم بن حزام (تینوں حضرات ام المومنین خدیجہ کے قرابت دار تھے)۔ راستے میں بھی یہ لوگ مسلمانوں کی خبریں سننے کے لیے گوش بر آواز تھے اور خطرہ کی وجہ سے ان کے دل بھی بیٹھے جا رھے تھے ۔ حضرت عباس نے راستہ چلتے ھوئے ان کی یہ گفتگو سن لی ۔

ابوسفیان : آج رات میں نے اس قدر روشنی اور اتنی فوج دیکھی کہ اس سے قبل کبھی یہ اتفاق نہ ھوا تھا ۔

بدیل : قسم کھا کر کہتا ھوں کہ یہ بنوخزاعہ ھیں جو لڑائی کے لیے آئے ھیں ۔

ابوسفیان : بنوخزاعہ کی کیا حقیقت ھے ۔ نہ وہ اتنی فوج جمع کر سکتے ھیں نہ ایسی آگ روشن کر سکتے ھیں ۔

وفد قریش کی حضرت عباس سے اتفاقیہ ملاقات : سیدنا عباس نے ابوسفیان کو ان کی آواز سے پہچان لیا اور انھیں ان کی کنیت ''ابوحنظلہ'' سے پکارکر فرمایا : ''تمہارا برا ھو! رسول اللہ لشکر جرار لے کر آ پہنچے ۔ اگر کل دن چڑھے مکہ میں داخل ھو گئے تو تمہارا کیا حشر ھوگا!''

ابوسفیان : اے عباس! میرے باپ تم پر نثار! کوئی تدبیر؟

سیدنا عباس نے بدیل و حکیم دونوں کو مکہ واپس لوٹا دیا اور ابوسفیان کو اپنے ساتھ رسول خدا صلوات اللہ علیہ کی ناقہ پر سوار کر کے اسلامی لشکر کی طرف روانہ ھوئے ۔

مسلمان ناقه کے اعزاز میں خود بخود راسته بناتے گئے۔ دونوں (سوار) دس هزار لشکر کے درمیان سے هوتے هوئے نکلے۔ مسلمانوں نے اهل مکه کو مرعوب کرنے کے لیے آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن کر رکھے تھے۔ جب حضرت عمر کے الاؤ کے قریب سے گذرے، انهوں نے دونوں کو دیکھ کر اندازه کیا که ابوسفیان جناب عباس کی پناه میں هیں تو ان سے تعرض کرنے کی بجائے رسول الله کے خیمے میں حاضر هوئے اور ابوسفیان کے قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عباس نے عرض کیا ''یا رسول الله! ابوسفیان کو میں اپنی ضمانت پر لایا هوں۔'' آدهی رات کا وقت تھا۔ عباس اور عمر دونوں میں تیز گفتگو هو رهی تھی۔ رسول خدا نے عباس سے فرمایا ''اس وقت انهیں اپنے خیمے میں لے جائیے اور صبح کے وقت پیش کیجیے۔''

رسول خدا اور ابوسفیان کی گفتگو: صبح هوتے هی مجرم پیش هوا۔ مهاجرین و انصار دونوں گروه موجود تھے۔ آں حضرت نے فرمایا ''ابوسفیان! ابھی تک تیرے لیے خدائے وحده لاشریک پر ایمان لانے کا وقت نهیں آیا؟''

ابوسفیان : جناب پر میرے ماں باپ نثار! اس ذات برحق کی قسم جس نے آپ کی ذات میں تحمل و کرم اور صلهٔ رحم جیسے صفات سمو دیے هیں، اگر ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا هوتا تو آج وه کچھ نه کچھ تو میری حمایت کرتا!

رسول کریم : ابھی وه وقت نهیں آیا که تو مجھے خدا کا رسول تسلیم کر سکے؟

ابوسفیان : جناب پر میرے ماں باپ نثار! اس ذات برحق کی قسم جس نے آپ کی ذات میں تحمل و کرم اور صلهٔ رحم جیسے صفات سمو دیے هیں۔ میں آپ کو اس کا رسول تسلیم کرنے میں ابھی تک متامل هوں۔

اس موقعه پر حضرت عباس نے سبقت فرما کر ابوسفیان کو زجر کی اور فرمایا ''ابوسفیان! قیل و قال چھوڑ کر لا اله الا الله محمد الرسول الله کا اقرار کر لو، ورنه تمهاری گردن مار دی جائے گی'' اور ابوسفیان اسلام لے آئے۔ اس مرحله پر حضرت عباس نے رسول پاک سے درخواست کی ''یا رسول الله! ابوسفیان کو اس پر فخر کا موقعه مل جائے گا اگر ان کے اعزاز میں کچھ فرما دیا جائے۔'' رسول خدا نے فرمایا ''کیوں نهیں! جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناه گزین هو جائے یا اپنے هی گھر کا دروازه بند کر کے اندر چھپ جائے یا بیت الله میں داخل هو جائے، ان میں سے کسی شخص سے تعرض نه کیا جائے گا۔''

کیا مذکورة الصدر واقعات اتفاق سے پیش آئے؟: مورخین اور سیر نویس ان واقعات کے ظهور پر متفق هیں۔ البته بعض اهل تاریخ فرماتے هیں که ان واقعات کو حسن اتفاق کی بجائے پهلے سے طے شده کیوں نه سمجھ لیا جائے؟

الف: کیا حضرت عباس واقعی اپنے گھر (مکه) سے مدینه جانے کے اراده سے نکلے اور (مقام) جحفه میں آں حضرت سے ان کی ملاقات حسن اتفاق سے هو گئی؟

ب: آج وهی بدیل بن ورقاء جو چند هفته قبل مدینه گئے تھے تاکه رسول خدا کو بنوخزاعه کی سرگذشت سنا کر آپ کی نصرت حاصل کر سکیں اپنے (بنوخزاعه) کے دشمن ابوسفیان کے شامل مسلمانوں کی جاسوسی کے لیے بھی آئے؟

ج : کیا ابوسفیان کو آں حضرت کے اس ارادے کا علم نہ تھا کہ یہ لشکر مکہ فتح کرنے کے لیے لائے ہیں ؟

د : کیا عباس و ابوسفیان دونوں نے پہلے سے اس موقعہ پر ملاقات کا منصوبہ بنا رکھا تھا جہاں بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام کے ساتھ عباس کی مڈبھیڑ ہوئی کہ ادھر وہ (عباس) آں حضرت سے ملاقات کر کے آ جائیں گے اور ادھر (مکہ کی طرف سے) ابوسفیان آ کر انہیں اسی راہ میں ملیں گے ؟

دوسرا احتمال (ب) صحیح ہونے کی صورت میں ممکن ہے کہ جب ابوسفیان میعاد صلح کی توسیع کے لیے مدینہ گئے مگر پذیرائی نہ ہوئی تو انہیں پوری طرح یقین ہو گیا کہ قریش مکہ کا (جناب) محمد پر غالب آنے کا دور ختم ہو چکا ہے ۔ آج ابوسفیان نے رسول خدا کے ہاتھوں مکہ فتح ہونے کا یقین کر لیا اور اس کے ساتھ ہی انہوں (ابوسفیان) نے مکہ میں اپنی سیادت قائم رکھنے کا منصوبہ بھی سوچ لیا ۔

آج ابوسفیان نے محسوس کر لیا کہ رسول اللہ نے مکہ پر چڑھائی کا ارادہ اپنے ان یاران وفادار کے سوا کسی پر منکشف نہیں ہونے دیا جو آں حضرت کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانا اپنے لیے حیات جاوید سمجھتے ہیں ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس موقعہ پر جب وہ (ابوسفیان) عباس کے ہمراہ رسول اللہ کے حضور حاضر ہوئے تو سیدنا عمر نے ان کے قتل کرنے کا تہیہ کر لیا ۔ مگر ان واقعات کے متعلق دونوں قسم کی روایات موجود ہیں ، اس لیے دونوں جہتوں میں سے قطعیت کے ساتھ کسی ایک کی تائید اور دوسری کی تردید میں کچھ کہا نہیں جا سکتا ۔ البتہ یہ امر حتمی ہے کہ مذکورۃ الصدر تمام حوادث اتفاق سے رونما ہوئے ہوں یا ان میں سے بعض از روئے اتفاق اور بعض سوچی سمجھی تجویز کے مطابق یا علی السبیل التنزل اس سلسلہ کی کوئی کڑی (جناب) محمد اور ابوسفیان کے کسی خفیہ سمجھوتہ کے مطابق منسلک ہوئی ہو ۔ دونوں میں سے کوئی حیثیت سہی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فتح مکہ جیسی اہم ترین کامیابی جو کسی خونریزی یا مقابلہ کے بغیر وقوع میں آئی تاریخ کے ان اہم ترین حوادث میں سے ہے جن سے حضرت محمد کی کمال مہارت اور زیرکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

داخلۂ مکہ پر حسن تدبیر: بیشک نصرت و کامیابی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ”یوتیہ من یشاء“[1] لیکن خدا بھی اسی کی مدد کرتا ہے جو حسن تدبیر و موقع شناسی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے ۔ رسول اللہ نے مکہ پر قابض ہونے کے لیے صرف ابوسفیان کے مسلمان ہو جانے پر کفایت نہیں فرمائی بلکہ ہر قسم کی پیش بندی و احتیاط کو مدنظر رکھا — یہ کہ رسول اللہ نے ابوسفیان کو اس تنگ درہ پر روک کر کھڑے رہنے کا حکم دیا جہاں سے اسلامی لشکر کو گذرنا تھا تاکہ مسلمانوں کی تعداد و قوت سے خود متاثر ہونے کے ساتھ اپنی قوم کو بھی ان سے ڈرائیں اور اہل مکہ میں سے کسی کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی جرات نہ رہے ۔

ابوسفیان کے سامنے سے ہو کر مسلمانوں کے ایک ایک قبیلہ کا دستہ گذرتا گیا لیکن انہوں نے صرف ایک دستے کے متعلق دریافت کیا جس کا علم سبز رنگ کے کپڑے سے بنا ہوا تھا ۔ اس دستہ میں مہاجرین و انصار دونوں کے شمشیر زن شامل تھے ۔ ان

---

[1] جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے مالا مال کر دیتا ہے ۔

میں سے ہر سپاہی ایسی زرہ اور خود میں لپٹا ہوا تھا کہ آنکھوں کے سوا بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آتا۔

ابوسفیان نے مسلمانوں کا یہ کر و فر دیکھ کر سیدنا عباس سے عرض کیا ”اے عباس! آج کسی کو اس لشکر کے مقابلہ کی تاب نہیں۔ یہ خدا کی شان ہے، اے ابوالفضل! تمہارے برادر زادہ کی بادشاہت قائم ہو ہی گئی!“ یہ کہہ کر ابوسفیان قریش کی طرف بڑھے اور ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا[1]:

یا معشر قریش! هذا محمد قد جاءکم فی مالا قبل لکم به۔	اے قریش! (جناب) محمد ایسا لشکر جرار لے کر پہنچے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔

البته!

من دخل دار ابی سفیان فهو آمن ومن اغلق علیه الباب فهو آمن ومن دخل المسجد فهو آمن!	جو شخص ابوسفیان کے گھر میں جا چھپے، جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اس کے اندر چھپ جائے اور جو شخص بیت اللہ میں پناہ گزین ہو، ان دونوں کے لیے بھی معافی ہے۔

رسول خدا لشکر ہمراہ لے کر آگے بڑھے۔ (مقام) ذی طویٰ میں پہنچ کر دیکھا کہ اہل مکہ کو مقابلہ میں آنے کی ہمت نہیں۔ فوج کو توقف کا حکم فرما کر خود سواری ہی پر حضور خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے رسول کے لیے اول مہبط وحی کے دروازے کھلوا دیے اور مومنین کے لیے اطمینان و سکون کے ساتھ بیت اللہ میں آ جانے کی راہ پیدا کر دی۔

ابوبکر کے والد ابوقحافہ کا واقعہ : ابوقحافہ نے جو ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے اور کبرسنی کے باعث بینائی سے بھی محروم ہو چکے تھے اس موقعہ پر اپنی نواسی سے کہا ”بیٹی! میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کوہ ابوقبیس پر لے چلو۔“ جب دونوں پہاڑ پر آ پہنچے تو صاحب زادی ایک طرف غور سے دیکھنے لگیں۔ ابوقحافہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے بچی اس سمت میں کوئی اجنبی شے دیکھ رہی ہے۔ دریافت پر صاحب زادی نے عرض کیا ”کچھ سیاہی سی نظر آ رہی ہے۔“ ابوقحافہ نے کہا ”سیاہی تھوڑی ہے، یہ تو لشکر ہے!“ لڑکی نے دیکھا تو سیاہی غائب ہو چکی تھی۔ عرض کیا ”ارے سیاہی کیا ہوئی؟“

ابوقحافہ : وہ لشکر تھا جو مکہ میں داخل ہو گیا۔ اے بیٹی! خدا را مجھے جلدی گھر پہنچا دو۔

ابوقحافہ کے گھر پہنچنے سے قبل لشکر مکہ میں داخل ہو گیا۔ اسی مقام پر رسول خدا نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

لیکن ان آثار فتح کے ساتھ آں حضرت نے ہر قسم کی احتیاط و تدابیر کو اس طرح مدنظر رکھا کہ پہلے تو لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرمان عام کے طور پر سمجھا دیا کہ مجبوری و اضطرار کے سوا (مدافعت کے طور پر) نہ کسی پر حملہ کیا جائے نہ کسی کی خون ریزی روا رکھی جائے۔

---

[1] حضرت عباس نے فرمایا: ”بات یہی ہے جو تم نے کہی لیکن ابوسفیان! یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے“ (”زاد المعاد“ ابن القیم فصل فی الفتح العظیم: م)۔

اور لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد اس ترتیب سے داخلہ کا فرمان صادر ہوا:

(۱) مکہ کے شمالی دروازے سے	حضرت زبیر بن العوام: میسرہ کو ہمراہ لے کر
(۲) پائین شہر سے	جناب خالد بن ولید: میمنہ کے ساتھ
(۳) غربی سمت سے	سیدنا سعد بن عبادہ (انصاری): اہل مدینہ کو لے کر
(۴) جبل ہند کے سامنے والی راہ سے	حضرت ابوعبیدہ جراح کو پیادہ اور نہتے مہاجرین کی سپہ سالاری دے کر۔ خاتم الرسل بھی اسی دستہ کے ہمراہ تھے۔

نعرۂ قتال پر سعد بن عبادہ کی معزولی: دستوں کی روانگی کے ساتھ ہی حضرت سعد بن عبادہ کی زبان سے جوش انتقام میں آ کر یہ جملہ نکل گیا:

الیوم یوم الملحمہ! الیوم! تستحل الحرمہ!	آج گھمسان کا رن پڑنے کو ہے جس میں کعبہ کی حرمت بھی بالائے طاق رکھ دی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ سعد بن عبادہ کے نعرہ کا مفہوم رسول اللہ کے اس فرمان کا نقیض تھا کہ "مسلمان اضطرار کے بغیر نہ تو اہل مکہ میں سے کسی پر ہتھیار اٹھائیں نہ خون ریزی ہونے پائے۔" رسول خدا نے حکم صادر فرمایا کہ "سعد سے علم ضبط کر کے ان کے فرزند قیس کو تفویض ہو۔"

جناب قیس (ابن سعد) قوی ہیکل ہونے کے ساتھ بردباد بھی تھے۔

اہل مکہ کا ایک دستہ پر حملہ: اسلامی لشکر کے تین دستے کسی تعرض کے بغیر اپنے اپنے مقررہ راستوں سے شہر میں داخل ہو گئے مگر حضرت خالد کے دستہ کو دفاع کے بغیر چارہ نہ رہا۔ پائین شہر میں داخل ہونے والے پہلے ہی سے مورچہ سنبھالے بیٹھے تھے۔ یہ بدنصیب مکہ کے دوسرے لوگوں کے مقابلہ پر رسول خدا کی دشمنی میں بہت زیادہ دیوانے واقع ہوئے تھے۔ انہی لوگوں نے مسلمانوں کے حلیف (قبیلہ) بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کی حمایت کا ارتکاب کیا تھا۔ آج انہوں نے اپنے سردار ابوسفیان کے اعلان اطاعت کو پس پشت ڈال کر مقاتلہ کی تیاری کر لی۔ محلہ کے چند آدمی ادھر ادھر کترا گئے مگر ان کی کثیر تعداد مورچہ پر جم کر موقعہ کا انتظار کرنے لگی۔ ان کے سرغنہ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل تھے۔ جونہی حضرت خالد کا دستہ قریب پہنچا انہوں نے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی لیکن خالد بن ولید کے جوابی حملے سے لمحہ بھر میں تیرہ (اور بروایت دیگر اٹھارہ) مقتول چھوڑ کر تتر بتر ہو گئے۔ مسلمانوں کے دو ایسے آدمی شہید ہوئے جو دستہ سے بچھڑ جانے کی وجہ سے کفار میں گھر گئے تھے۔ سپہ سالاران کفار صفوان و سہیل اور عکرمہ نے خود کو خالد کے نرغے میں دیکھا تو ان کی جنگی مہارت اور شجاعت کے خوف سے اپنی اپنی جان بچا کر ادھر ادھر سرک گئے اور اپنے جن ہمراہیوں کے بل بوتے پر مسلمانوں کو تیروں کے نشانے پر رکھ لیا تھا انہیں اسلام کے بطل عظیم خالد بن ولید کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

رسول اللہ کا اضطراب: ادھر رسول خدا جبل ہندی کی برابر والی پہاڑی پر مہاجرین کے دستہ کی معیت میں تشریف فرما ہوئے اور اس تصور سے نہایت مسرور تھے کہ بارے

مکهٔ معظمه امن و سلامتی سے سر هو گیا ، لیکن جونہی شہر کی طرف دیکھا تو پائین مکه میں تلواریں چمک رهی تهیں جن کے سنائے میں خالد کا دسته خود کو دشمن سے بچا رها تها ۔ رسول خدا غم میں ڈوب گئے ۔ ”ارے! میں نے تمهیں قتال سے منع کر دیا مگر تم نے وهی کر دکھایا!،، جب اصل واقعه سے آگہی کے بعد سکون حاصل هوا تب فرمایا ”شاید اس میں بهی خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی مصلحت هی هو!“

نصب خیمه : رسول اکرم صلعم جبل هندی کے سامنے والے دره ”اعلیٰ مکه“ (نام) سے شهر میں داخل هوئے (جس کے متصل ام المومنین سیده خدیجه اور جناب ابوطالب دونوں کے مزار هیں) ۔ سید البشر صلوات الله علیه کے لیے اسی کے قریب خیمه نصب کیا گیا لیکن شهر میں داخل هونے سے قبل عرض هوا ”یا رسول الله! اپنے آبائی دولت کده پر استراحت فرمائی کا قصد هو تو اس کا انتظام کیا جائے۔“ فرمایا ”نه میں آبائی گهر میں اترنا چاهتا هوں نه میرے قدردانوں نے اسے میرے لیے باقی هی رهنے دیا ۔“ یه فرمانے کے بعد اپنے مختصر سے خیمے میں تشریف لے گئے، قلب نے بے حد مسرور اور هر بن مو زبان حال سے شکر خداوندی میں رطب اللسان ،که ”جو شهر میرے لیے سراسر محن تها ، جس کے رهنے والوں کو جلا وطن هونے پر مجبور کیا گیا ، آج مجهے اس شهر میں ان مظلومین کی معیت میں فاتحانه غلبه کی توفیق عنایت فرمائی!“

ختم الرسل نے وادی پر نگاه دوڑائی ، ارد گرد کے پهاڑوں کی طرف دیکھا تو شعب ابوطالب پر نظر رک گئی جهاں قریش نے آں حضرت هی کی وجه سے بنوهاشم کا مقاطعه کر کے انهیں دهکیل دیا تها ۔ یهاں سے نظر اچٹی تو کوه ابوقبیس پر آ کر رکی ۔ اسی پهاڑ کے ایک غار میں برسوں گوشه نشینی کے کیف و کم میں محو رهے اور اسی پهاڑ کے غار (حرا) میں وه پهلی وحی نازل هوئی :

اقراء باسم ربك الذی خلق - خلق الانسان من علق - اقراء و ربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (۹۶ : ۱ تا ۴) ۔

(اے پیغمبر! قرآن جو وقتاً فوقتاً تم پر نازل هوگا اس کو) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھ چلو جس نے مخلوق کو پیدا کیا ، (جس نے) آدمی کو گوشت کے لوتهڑے سے بنایا ۔ (قرآن) پڑھ چلو اور خدا پر بهروسه رکهو که تمهارا پروردگار بڑا کریم هے (جس نے) آدمی کو قلم کے ذریعے سے علم سکهایا (اس نے وحی کے ذریعے سے بهی) انسان کو وه باتیں سکهائیں جو اس کو معلوم نه تهیں ۔

ان پهاڑوں کے سلسله اور جابجا بکهری هوئی وادیوں کے وسط میں شهر (مکه) کی تو بر تو حویلیوں کے درمیان بیت الله پر آ کر نظر رکی تو ذات باری کے کرم و رحمت کے تصور سے رقت طاری هو گئی ۔ حضور خداوندی میں جذبهٔ اظهار سپاس و تشکر کی وجه سے آنسو بهر آئے ۔ ذهن میں گذرا که ”بے شک! خدائے برحق هی کے ساتھ هر امر کی ابتدا و انتها هے۔“

شهر میں داخله اور اعمال مبارک: اس امر پر انعطاف توجه هوا که ”اسلامی فوجوں کی مهم ختم هو چکی“ اور خیمه میں زیاده دیر تک استراحت فرما رهنے کی بجائے

باهر تشریف لائے۔ (اپنی) ناقه (قصواء) پر سوار هوکر بیت الله میں داخل هوئے۔ سواری هی پر کعبه کے سات طواف کیے۔ اپنی خم دار موٹھ والی چھڑی کی نوک رکن یمانی سے لگا کر چھڑی هی کے ذریعے استلام (بوسه دهی—م) پر اکتفا فرمایا۔ کلید بردار کعبه عثمان بن طلحه کو طلب فرما کر کعبه کا دروازه کھلوایا اور خود (رسالت مآب صلی الله علیه وسلم) دروازه سے باهر تشریف فرما رهے۔ بیت الله کے وسیع ترین صحن میں لوگوں کی بھیڑ لگی هوئی تھی۔ آں حضرت نے تقریر فرمائی[1] جس میں یه آیهٔ مبارکه پڑھی:

یا ایها الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقاکم ان الله علیم خبیر (۴۹ : ۱۳)۔

لوگو! هم نے تم (سب) کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا اور پھر تمهاری ذاتیں اور برادریاں ٹھهرائیں تاکه ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (ورنه) الله کے نزدیک تم میں بڑا شریف وهی هے جو تم میں بڑا پرهیزگار هے۔ بیشک الله جاننے والا باخبر هے۔

مجرموں کے عفو عام کا اعلان: خطبه کے بعد حاضرین مجلس (بیت الله) سے دریافت فرمایا:

یا معشر قریش ماترون انی فاعل بکم؟

اے قریش! میری طرف سے تمهیں اپنے لیے کس سلوک کی توقع هے؟

(باضافه: اهل مکه کے وکیل حدیبیه سهیل بن عمرو) نے جواب میں عرض کیا:

خیراً! اخ کریم وابن اخ کریم!

آپ همارے شفیق برادر اور مهربان برادر کے فرزند هیں۔ همیں آپ سے بھلائی هی کی توقع هے:

فرمایا فاذهبوا! فانتم الطلقاء: جهاں جی چاهے رهیے۔ آپ لوگ آزاد هیں۔

---

[1] تقریر:

لا اله الا الله وحده لا شریك له صدق وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده، لا! کل ماثرة اودم اومال یدعی فهو تحت قدمی هاتین الا سدانه" البیت وسقایه" الحاج الا وقتل الخطاء شبه العمد!

ذات واحد کے سوا کوئی قابل پرستش نهیں۔ آج اس نے اپنا وعده پورا کر دکھایا جو اپنے بندے (رسالت مآب صلعم) کو ظفریاب کیا اور دوسرے گروهوں کو شکست دلوائی۔
هاں سنو! آج سے قبل اسلام کے تمام مالی اور فوجداری مطالبات کے دعاوی ناقابل سماعت هونے کی وجه سے میرے پیروں تلے روند کر رکھ دیے ماسوائے بیت الله کی کلید برداری اور حاجیوں کے لیے پانی فراهم کرنے کی خدمت کے۔ هاں! آج قتل خطا کی دیت بھی قتل شبه عمد کے مساوی هوگی۔

یا معشر قریش ان الله قد ذهب عنکم نخوة الجاهلیه" وتعظمها بالآباء الناس من آدم وآدم من تراب ثم تلا هذه الآیه" یا ایها الناس انا خلقناکم —الخ

اے دوستان قریش! آج سے الله نے جاهلیت کی نخوت و برتری ختم کر دی۔ حسب و نسب کا غرور رخصت کر دیا۔ سنو! هر انسان آدم کی اولاد هے اور آدم کو مٹی سے خلق کیا گیا۔

آخر میں آپ نے آیهٔ یا ایها الناس انا خلقنکم پڑھی (—م)۔

دوستو! ایک ہی کلمہ قریش اور اہل مکہ کی جان بخشی کا سبب بن گیا۔ یہ عفو عام اور دشمنوں پر پوری قدرت حاصل ہونے کے باوجود! ہر قسم کے جذبۂ انتقام اور حسد و کینہ سے دامن بچا کر!

آج رسول کے ان ازلی دشمنوں کی جان آپ کی مٹھی میں ہے۔ جلو میں دس ہزار مسلح جاں نثاروں کا لشکر! ایک لفظ ''بزن،، سے سب کے سر تن سے جدا ہو سکتے ہیں اور دوسرے لفظ سے لمحہ بھر میں دشمنوں کی اس کمین گاہ کے سربفلک محل زمین سے پیوست! لیکن یہ وجود گرامی انسان کا دشمن نہیں۔ یہ صاحب قابل صد مدحت محمد ہیں خدا کے نبی! اخبار الٰہی کے مبین! پروردگار عالم کے رسول! اور بندوں کو احکم الحاکمین کے احکام پہنچانے پر نام زد! آپ ان لوگوں میں سے نہیں جن کے دل میں لمحہ بھر کے لیے بھی بنی نوع بشر کے ساتھ دشمنی یا انتقام کا جذبہ ابھر سکے! نہ سخت گیر اور نہ متکبر! بے شک آج اللہ نے آپؐ کو آپ کے قدیم دشمنوں پر غالب فرما دیا لیکن آپ نے ان پر پورے اختیار و قدرت کے باوجود انھیں معاف فرما کر تمام عالم کے سامنے عفو و احسان کی ایسی مثال پیش کر دی جس کی دوسری نظیر ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی! ابن آدم میں اس کردار کا دوسرا نمونہ کہاں پائیے گا!

تطہیر کعبہ: رسول اللہ کعبہ میں تشریف لے گئے۔ ہر طرف بتوں کی بھرمار دیکھنے میں آئی۔ دیواروں پر ملائکہ اور نبیوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ الصلواۃ کے ہاتھ میں فال کے تیر دکھائے گئے تھے۔ گویا خدا کے فرستادہ پیغبر بھی فال ہی کے سہارے نبوت کی تبلیغ فرماتے ہیں! کاٹھ کا کبوتر بھی پرستش کے لیے موجود ہے جسے آں حضرت نے زمین پر پٹک کر توڑ ڈالا اور جناب ابراہیم کی تصویر پر کچھ دیر تک نظر جمائے رکھنے کے بعد فرمایا ''اِن پر خدا کی مار! انبیا کے جد اعلیٰ کو فال پرست ٹھہرا دیا،، حضرت ابراہیم اور تیروں سے تفاول! (پھر فرمایا:)

ما کان ابراھیم یہودیاً ولا نصرانیاً ولکن کان حنیفاً مسلماً وما کان من المشرکین (۳: ٦۷)۔	ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ہمارے ایک فرمان بردار (بندے) تھے اور مشرکوں سے (بھی) نہ تھے۔

ملائکہ کی تصویروں پر نظر ڈالی تو پری جمال نازنینوں کے روپ میں جلوہ بار ہیں۔ فرمایا ''ارے! یہ غضب فرشتے تو مرد ہیں نہ عورت،، ان کے مٹا دینے کا حکم فرما کر جب اوپر نظر اٹھائی تو محراب کعبہ کے ہر طرف بت رکھے ہوئے دیکھے جنھیں دیوار کے ساتھ چونے سے جما دیا گیا تھا۔ ہبل وسط خانہ میں دھرا ہوا تھا۔ رسول اللہ ہر ایک بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کرتے ہوئے یہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور بت منہ کے بل زمین پر گرتے جا رہے تھے:

قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً (۱۷: ۸۱)	اے پیغمبر! لوگوں سے کہ دو (بس دین) بر حق آیا اور (دین) باطل نیست و نابود ہوا اور (دین) باطل تو نیست و نابود ہونے والا ہی تھا۔

رسول خدا آج سے بیس سال قبل جس مقصد کے لیے دعوت دے رہے تھے اور قریش جن بتوں کی حمایت میں اس پوری مدت تک سینہ سپر رہے آج ان جھوٹے خداؤں، ان کی تصویروں اور مجسموں سے خدا کا گھر پاک ہو گیا۔ لوگوں کے سامنے ان کے معبودوں

کی تصویریں کھرچ دی گئیں اور ان کے بالمواجہہ ان کے معبود اکبر ہبل اور اس کے حاشیہ بردار بتوں کے مجسمے اٹھوا کر باہر پھنکوا دیے گئے۔ قریش حیران تھے کہ انہیں تو وہ اور ان کے بڑے بوڑھے حاجت روا سمجھے ہوئے تھے انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنی ذات سے بھی آفت کو دور نہیں کر سکے۔

انصار کو خدشہ: رسول اللہ کے مدنی رفقاء ہر موقعہ پر شریک اور ہر منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جب بیت اللہ کی تطہیر کے بعد آں حضرت نے (کوہ) صفا پر کھڑے ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو انصار کے دل میں یہ خیال ابھر آیا کہ رسول اللہ نے اپنے مولد پر فتح حاصل کر ہی لی ہے اب آپ مدینہ کیوں جانے لگے۔ حتی کہ ان میں سے دو ایک حضرات نے آپس میں ایسی گفتگو بھی کی: ''آپ کی کیا رائے ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مولد پر فتح حاصل کر لی ہے۔ آپ مدینہ تشریف لے جائیں گے یا مکہ ہی میں قیام فرمائیں گے؟،، ان کے اس خدشہ کے لیے بظاہر اسباب کی کمی نہ تھی کہ آپ خدا کے رسول ہیں اور مکہ خدا کا گھر ہے۔ مگر رسول اللہ نے دعا ختم کرنے کے بعد (انصار سے) دریافت کیا، پھر ان کے اظہار تردد پر فرمایا ''معاذ اللہ! تم لوگ کیا سمجھ رہے ہو؟ میرا ارادہ یہ ہو سکتا ہے! جس کی زندگی اور موت دونوں تمہارے ساتھ وابستہ ہیں۔،، آں حضرت کا یہ اشارہ بیعت عقبہ کی طرف تھا جس میں انصار کے ساتھ عہد و پیمان ہوئے تھے اور انصار نے بھی اپنی طرف سے وفاداری کا یقین دلا دیا تھا۔ وہ عہد و پیمان جنہیں وطن اور اہل و عیال ایک طرف مکہ جیسے مامن کی خاطر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

بیت اللہ میں اذان صلوٰۃ: تطہیر (کعبہ) کے بعد رسول خدا نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ سقف کعبہ پر جا کر اذان کہیں۔ اذان کے بعد مسلمانوں نے آپ کے اقتداء میں نماز ادا کی جو چودہ سو سال سے اسی بیت اللہ میں بلا انقطاع ادا کی جا رہی ہے۔ بلال کی طرح ان کے قائم مقام موذن اور ان کے نائبین اپنے اپنے زمانہ میں یہ اذان پکار رہے ہیں۔ اسی بیت اللہ کے اندر دن رات میں پانچ مرتبہ مسجد الحرام کے مکبر پر سروقد کھڑے ہو کر اسی طرح نہ صرف جوار بیت اللہ بلکہ ہر جگہ کے رہنے والے مسلمان اللہ کی طرف سے عائد شدہ فریضۂ صلوٰۃ اور رسول صلعم پر درود پڑھنے میں عمل پیرا ہیں اور اسی ''بیت اللہ الحرام،، کی طرف منہ کر کے بارگہ خداوندی میں خشوع و خضوع کے ساتھ، جس گھر کو خدا کے رسول نے مکہ فتح کرنے پر بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا۔

قریش مکہ کی سراسیمگی: قریش نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگرچہ رسول اللہ کی شفقت و کرم نے انہیں اپنی جانوں اور مال کے معاملہ میں پوری طرح مطمئن رکھا مگر انہیں اپنے سابقہ رویہ سے آں حضرت اور مسلمانوں کی طرف سے خوف کھائے جا رہا تھا۔

ناقابل معافی مجرموں کے لیے اذن قتل: قریش میں سترہ ایسے مجرم بھی تھے جنہیں آں حضرت نے اپنی شفقت سے محروم کر کے واجب القتل قرار دیتے ہوئے فرما دیا کہ اگر ان میں سے کوئی شخص غلاف کعبہ کے نیچے چھپا ہوا ملے تب بھی اسے معاف نہ کیا جائے۔

جن لوگوں کے متعلق فرمان قتل نافذ ہوا ان میں سے بعض لوگ ادھر ادھر روپوش ہو گئے، بعض بھاگ کر مکہ سے دور چلے گئے، لیکن ان مجرموں کے ساتھ یہ برتاؤ کسی

کینہ یا برہمی کی وجہ سے نہ تھا ۔ رسول اللہ ایسے ذمائم (برے) اخلاق سے مبرا تھے بلکہ ان بدنصیبوں نے خود اپنے اعمال کی وجہ سے یہ روز بد دیکھا ۔ ان مجرموں میں مندرجہ ذیل اشخاص تھے :

١ : عبداللہ ابن سعد تھے جو مسلمان ہو جانے کے بعد کاتب وحی کے منصب پ فائز ہوئے اور ان کی طبیعت رنگ لائے بغیر نہ رہی ۔ ترک اسلام کر کے قریش کے ہاں چلے آئے اور یہاں آ کر یہ ڈینگیں مارنے لگے کہ میں قرآن میں کمی بیشی کرتا رہا ہوں ۔

٢ : عبداللہ ابن خطل ۔ یہ بھی اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گئے اور مرتد ہونے کے بعد اپنے بے گناہ غلام کو قتل کر دیا ۔ اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنی دو کنیزوں سے رسول اللہ کی ہجو کے قصائد سوز میں سننے سنانے کا مشغلہ بنا لیا ۔

٣و۴ : مذکورۃ الصدر دونوں کنچنیوں کے لیے ۔

٥ : عکرمہ بن ابوجہل ۔ رسول اللہ اور مسلمانوں سے حسد و دشمنی میں حد سے گذرے ہوئے ۔ فتح مکہ کے زمانے میں بھی حضرت خالد بن ولید کے دستے پ حملہ کر دیا ۔

٦ : صفوان بن امیہ ۔

٧ : حویرث بن نقیذ : جناب زینب بنت رسول اللہ کی ہجرت کے موقعہ پر سیدہ کے درپے آزار ہوئے ۔ بی بی کی سواری کے جانور کو اس زور سے کونچا دیا کہ سواری بے تحاشا بھاگ اٹھی ۔ سیدہ زمین پر گر پڑیں اور اسقاط ہو گیا ۔

٨ : مقیس بن حبابہ ۔ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو کر مشرکوں کا ناصر و معین بن گیا ۔

٩ : ہبار بن اسود ۔

١٠ : ہند بنت عتبہ (زوجۂ ابوسفیان) ۔ سید الشہداء (عم رسول خدا) حضرت حمزہ کا کلیجہ چبانے والی ۔

ان میں چار اشخاص کیفر کردار کو پہنچ گئے : ابن اخطل ، اس کی کنیز قریبہ ، مقیس ، حویرث ۔

باقیوں کی سرگذشت یہ ہے :

(١) عبداللہ بن سعد : (نمبر ایک) حضرت عثمان کے سوتیلے رضاعی بھائی تھے ۔ ممدوح اسے ہمراہ لائے ۔ جاں بخشی کی سفارش پیش کی ۔ رسول خدا نے کچھ دیر سکوت کے بعد معاف فرما دیا ۔۔

(٢) عکرمہ بن ابوجہل (نمبر ٥) کی اہلیہ سیدہ ام حکیم بنت الحارث اسلام لے آئی تھیں ۔ عکرمہ فرمان قتل سن کر یمن کی طرف بھاگ گئے ۔ ام حکیم نے اپنے شوہر کی جاں بخشی کی التجا کی اور قبول عرض کے بعد بی بی خود یمن کی طرف گئیں ۔

(٣) صفوان بن امیہ (نمبر ٦) بھی عکرمہ کے ہمراہ تھے ۔ دونوں ایک کشتی میں سوار ہو کر یمن کی طرف جانے کے لیے پتوار کھول رہے تھے کہ بی بی ام حکیم جا پہنچیں اور جاں بخشی کا مژدہ سنا کر دونوں کو مکہ واپس لے آئیں ۔

(۴) سیدہ ہند (نمبر ١٠) زوجۂ ابوسفیان ۔

فتح مکہ کا دوسرا خطبہ : فتح کے دوسرے روز بنوخزاعہ نے قبیلہ بدیل کے ایک مشرک کو اپنی سابقہ دشمنی کی بنا پر قتل کر دیا ۔ یہ خبر رسول خدا تک پہنچی تو آپ نے مجمع عام میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا :

یا ایھا الناس ان اللہ حرم مکہ یوم خلق السموات و الارض فھی من حرام الی یوم القیامہ لا یحل لامرء یومن باللہ والیوم الاٰخر ان یسفك فیھا دماً او یعضد فیھا شجراً لم تحلل لاحد کان قبلی ولا تحل لاحد یکون بعدی، ولم تحلل لی الا ھذہ الساعہ غضباً علی اھلھا ثم رجعت کحرمتھا بالامس فلیبلغ الشاھد الغائب فمن قال لکم ان رسول اللہ قد قاتل فیھا فقولوا ان اللہ قد احلھا الرسولہ ولم یحللھا لکم ۔

دوستو! اللہ نے ازل ھی سے مکہ کی حرمت فرما دی اور تابہ قیامت بحال رکھی ۔ جو شخص خداوند عالم اور آخرت پر ایمان رکھتا ھو اسے مکہ کے حدود میں کسی کو قتل نہ کرنا چاھیے بلکہ یہاں کا درخت تک نہ کاٹنا چاھیے ۔ مجھ سے قبل اور میرے بعد کسی کے لیے مکہ کی یہ حرمت ختم کرنا حلال نہیں اور میرے لیے بھی ایک ھی ساعت کے لیے روا ھوئی ۔ وہ بھی اھل مکہ نے خود پر خدا کو ناراض کر دیا ۔ تو فقط اس برھمی کی بنا پر اور اتنی ھی دیر کے لیے جس کے بعد یہ حرمت پہلے ھی کی مانند پھر لوٹ آئی ۔ دوستو! جو لوگ یہاں موجود نہیں انہیں بھی یہ مسائل بتا دیجیے ۔ خیال رہے اگر کوئی شخص کہے کہ رسول اللہ نے حرم مکہ کے حدود میں جنگ کی تو جواب میں کہنا یہ تو اللہ نے صرف اپنے رسول کے لیے حلال کیا تھا مگر تمہارے لیے یہ اجازت نہیں ۔

خزاعہ سے خطاب :

یا معشر الخزاعہ! ارفعوا ایدیکم عن القتل فلقد کثر ان نفع ، بعد قتلتم قتیلا لادینہ فمن قتل بعد مقالتی ھذا فاھلہ بخیر النظرین ان شاؤا فدم قاتلہ وان شاؤا فعقلہ ۔

اور اے دوستان خزاعہ! قتال سے ھاتھ روک لو ، اگرچہ تمہارے لیے اس میں کوئی منفعت ھی سہی ۔ میں یہی فیصلہ کرتا ھوں کہ تمہارے ھاتھ سے جو شخص قتل ھوا ھے اس کے عوض میں قاتلوں کو اپنی طرف سے خون بہا دے دیتا ھوں لیکن آیندہ کے لیے مقتول کے وارثوں کو اختیار دیتا ھوں کہ اپنے قتیل کا خون بہا لیں یا قصاص ، انہیں اختیار ھے ۔

اور قتیل کی دیت (خون بہا) اس کے وارثوں کو اپنی طرف سے ادا کر کے تنازعہ ختم کر دیا ۔

اھل مکہ پر اثر : آں حضرت صلعم کے طرز خطاب اور انداز کرم نے اھل مکہ کے دلوں کو اپنی طرف اس طرح مائل کر لیا کہ دنیا جہاں کی دولت اور بادشاھت بھی انہیں اس طرح متوجہ نہ کر سکتی ۔ جوق در جوق اسلام کی طرف بڑھے ۔ تب آں حضرت نے اعلان فرمایا ”جس کسی کا ایمان خدا اور آخرت پر ھے اگر اس کے گھر میں صنم ھو تو اسے توڑ کر پھینک دے ۔“

سنگ میل حرم کی مرمت : بنو خزاعہ سے فرمایا کہ حرم کے سنگ میل (بارہ پتھر) میں سے جو برجی مرمت کے قابل ھو اس کی تعمیر کرا دیں جن سے اھل مکہ کے دلوں

پر نقش ہو گیا کہ (جناب) محمد کے نزدیک حرم بیت اللہ کی تقدیس و محبت کس حد تک راسخ ہے۔

اہل مکہ کی فریفتگی: اسی لمحہ اہل مکہ سے فرمایا ”آپ لوگ دنیا جہان کی بہتر جماعت سے ہیں۔ مجھے تم سے بے حد محبت ہے۔ میں تمہیں چھوڑ کر مدینہ نہ جاتا اور کسی کو تمہارے ہم پلہ نہ ٹھہراتا مگر کیا کروں تم ہی نے تو مجھے جلا وطن کیا!“ آں حضرت کی زبان سے اپنے متعلق یہ کلمات سن کر اہل مکہ آپ پر اور بھی فریفتہ ہو گئے۔

شیخ نابینا پر شفقت: اور اسی وقفہ میں (جناب) ابوبکر نے اپنے والد ماجد ابوقحافہ کو حاضر کیا۔ آں حضرت نے فرمایا ”اے ابوبکر! یہ ضعیف ہیں، میں خود ہی ان کے ہاں چلا جاتا۔ آپ نے انہیں یہاں آنے کی زحمت کیوں دی؟“

ابوبکر: ”یا رسول اللہ! یہ ان کا فرض تھا، نہ کہ آپ تکلیف فرماتے!“

آں حضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کے نابینا باپ کو اپنے سامنے بٹھا کر ان کا سینہ مس کرنے کے بعد فرمایا ”اے شیخ! اسلام قبول کیجیے۔“ ابوقحافہ نے کلمہ ' لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھا اور جب تک زندہ رہے اسلام کو اپنے حسن کردار سے مزین کرتے رہے۔ آج آں حضرت نے اپنے پیغمبرانہ خلق عظیم کے وسیلہ سے ان لوگوں کو اپنی محبت کا وارفتہ بنا لیا۔ جو کل تک خون آشام بھیڑیوں کی مانند ختم الرسل کے تعاقب میں مارے مارے پھرتے وہی لوگ آج رحمت عالم کے احترام و تقدیس کی وظیفہ خوانی اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتے ہیں۔ رسول اکرم کی طرف سے عوام و خواص، قاتل و مقتول، عبادت گاہیں و عباد اور بیت اللہ و حرم مکہ کا تقدس دیکھ کر مکہ کے زن و مرد از خود آپ کی بیعت کا قلاوہ گلے میں ڈال کر زبان قال و حال سے:

شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

کہ رہے ہیں۔

رسول خدا نے اپنے رفقاء کے ہمراہ مکہ معظمہ میں پندرہ روز تک قیام فرمایا۔ اس دوران میں (مکہ کے ریاست اسلامی میں داخل ہو جانے کی وجہ سے: باضافہ) وہاں کے نظم و نسق کی ترتیب اور جدید الاسلام لوگوں کی تربیت میں ان کی رہنمائی فرماتے رہے۔

یہاں متعدد وفود (بصورت دستہ) اسلام کی دعوت کے لیے غیر مسلم قبائل میں بھیجے جنہیں تاکید فرما دی کہ جہاں بت نظر آئیں انہیں تہس نہس کر دیا جائے لیکن خونریزی سے بچ کر۔

اس سے قبل حضرت خالد ابن ولید مقام نخلہ میں بت (عزیٰ) کے توڑنے کی غرض سے (باضافہ: تیس سپاہیوں کی مشایعت میں۔ سم) تشریف لے گئے۔ (عزیٰ کے پجاری بنوشیبان تھے۔)

حضرت خالد کے ہاتھوں بے گناہ مسلمانوں کا قتل اور رسول خدا کا تبرا: جناب خالد عزیٰ کو ختم کرنے کے بعد قبیلۂ بنوجزیمہ کی طرف بڑھ گئے۔ اہل قبیلہ نے انہیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو مسلح ہو کر نکل آئے۔ حضرت خالد نے ہتھیار ڈالنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ دوسرے لوگ تو مسلمان ہو گئے ہیں۔ قبیلہ کے ایک شخص نے ان سے کہا ”ارے! یہ خالد ہیں۔ اگر تم نے ہتھیار ڈال دیے تو یہ تمہیں گرفتار کر لیں گے اور قید کر لینے کے بعد تمہاری گردنیں اڑا دیں گے۔“ اس کے جواب میں

قبیلہ کے چند اشخاص نے اپنے (اس) صلاح کار سے کہا ''آپ ہمیں قتل کرانا چاہتے ہیں۔ دوسرے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں ۔ لڑائی مٹ چکی ہے ۔ ہر طرف امن و امان کا پہرہ ہے!'' آخر ایک ایک نے ہتھیار ڈال دیے مگر اس کے بعد حضرت خالد نے وہی کیا جو ان کے اس ناصح نے آن سے کہا تھا ۔ ان کی مشکیں بندھوا دی گئیں اور قتل گاہ میں لے جا کر (۹۵ آدمی : باضافہ—م) تہ تیغ کرا دیے ۔

مقتولین بنو جزیمہ پر رسول اللہ کا حزن اور ادائے دیت! رسول اللہ نے سنا تو فرط غم سے بے قرار ہو گئے اور دونوں ہاتھ پھیلا کر حضور خداوندی میں التجا کی :

اللهم انی ابرأمن ما صنع خالد بن ولید ۔	یا اللہ! میں خالد کی اس کرتوت سے بری الذمہ ہوں ۔

اور حضرت علی کو بہت سا مال و زر دے کر مظلومین کی طرف بھیجا تاکہ ان کی تعداد کے مطابق دیت ادا کی جائے اور جناب علی کو تاکید فرما دی کہ ''ضیاع نفوس و اموال کے معاملہ میں جاہلیت کی ناپ تول کو اپنے قدموں تلے روند دیجیے!''

حضرت علی نے فراخ دلی کے ساتھ دیت اور اموال کا تاوان ادا کیا اور ادائے دیت کے بعد جو رقم بچی وہ بھی احتیاطاً انہیں عطا فرما دی تاکہ اگر کسی اور قسم کے ضیاع کا انکشاف نہیں ہوا تو اس کی تلافی ہو جائے۔ قیام مکہ کے اس پندھرواڑے میں رسول خدا نے شہر اور گرد و نواح سے بتوں کا ایک ایک مٹھ زمین کے برابر کر دیا اور بیت اللہ کے مناصب میں صرف دو عہدے برقرار رکھے ۔

مناصب کعبہ :

(۱) کلید برداری : جناب عثمان بن طلحہ کو نسلاً بعد نسلٍ (ان کے خاندان میں) یہ فرمانے کے ساتھ کہ ''ان سے یہ چابی ظالم کے سوا دوسرا لینے کی جرات نہ کرے!''

(۲) سقایت : (زائرین بیت اللہ کو پانی پلانا) نسلاً بعد نسلٍ سیدنا عباس بن عبدالمطلب کے لیے ۔

(باضافہ : عثمان اور سیدنا عباس دونوں کے خاندان نسلاً بعد نسلٍ ان مناصب پر پہلے سے فائز تھے) ۔

آج سے مکہ اور اس کا حرم از سر نو امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئے جہاں سے نور توحید کی درخشندہ رو اٹھ کر آسمان سے ٹکرائی —وہ رو جس کی ضیاء نے چودہ سو سال سے تمام عالم کو منور کر رکھا ہے ۔

صادق امین عبداللہ محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۲۵

غزوہ ہوازن و طائف

صادق امین عبداللہ حیات محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۲۵

غزوہ ہوازن طائف

ہوازن اور ان کے حلیف قبائل کا مکہ پر حملہ کے لیے اجتماع : فتح مکہ کے بعد مسلمان چند روز تک یہیں مقیم رہے - خدا کی دین پر شاداں و سکر گذار اور اتنی بڑی فتح میں قتل عام سے اپنا دامن پاک رکھنے پر خوش! بلال اذان کہتے اور ٹھٹھ کے ٹھٹھ مسرت و شادمانی کےساتھ بیت اللہ میں نماز کے لیے جمع ہو جاتے - رسول خدا شہر اور نواح میں جہاں تشریف لاتے مشایعت میں مہاجرین و انصار موجود ہوتے - مہاجرین اپنی متروکہ حویلیوں میں جاتے تو ان میں بسنے والوں سے مل کر (دونوں فریق) خوشی کا اظہار کرتے کہ اللہ نے اس فتح کی بدولت انہیں بھی ہدایت فرمائی - اس خوشی میں فاتح اور مفتوح دونوں شریک ہوتے کہ البلد الامین (مکہ) میں اسلام کو نفوذ و استقرار حاصل ہوا - مسلمانوں کے مکہ فتح کرنے کا یہ خوش گوار نتیجہ مرتب ہوا - یہ پندھرواڑہ اسی طرح گذرا -

اتنے میں مکہ کے قریبی جنوب مشرق پہاڑوں میں قبیلۂ ہوازن اور ان کے حلیفوں کے اجتماع کی خبر پہنچی جو مکہ پر حملہ کی تیاری میں مصروف تھے - ان کا خیال تھا کہ فتح مکہ اور وہاں کے بتوں کو ملیا میٹ کرنے کے بعد ممکن ہے مسلمان ان پر ھلہ بول دیں - انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنی طرف سے مدافعت کرنے کی بجائے خود ہی مکہ پر دھاوا بول دیا جائے ورنہ (جناب) محمد کے ساتھی جنھیں قدر اندازی میں بلا کی مہارت ہے اور اپنی جمعیت و مشق جہاد کے غرور میں عربستان کے تمام قبائل کو رشتۂ اسلام میں منسلک کرنے پر تلے بیٹھے ہیں وہ انہیں بھی ان کے حال پر نہ رہنے دیں گے - یہ تھا ہوازن کا منصوبہ جس کے لیے ان کے نوجوان اور دلاورسردار مالک بن عوف نے (جو بعد میں مسلمان ہو گئے — م) اپنے قبیلہ کے ہمراہ بنو ثقیف اور (قبیلہ) بنونصر و جشم کو بھی شامل کر لیا (صرف ہوازن کی دو شاخوں قبیلۂ کعب و کلاب نے شرکت سے انکار کیا) -

قبیلۂ جشم کے جنگ آزمودہ مرد پیر کا مشورہ: قبیلۂ جشم کے کہنہ مشق میدان کارزار کے تجربہ کار درید بن صمہ بھی شریک کر لیے گئے - مگر آج وہ شیخ فانی کے درجہ پر آ پہنچے تھے - انہیں صرف جنگ میں مشورہ دینے کے لیے اٹھا کر لایا گیا پلنگ پر!

شرکائے جنگ اپنے اموال و مویشی اور زن و بچہ تک کو ہمراہ لے آئے - میدان کے ایک کونے کی طرف سے اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں آ رہی تھیں - گدھوں کی ہنہناھٹ سے فضا مکدر تھی - بکریوں کی ممیاھٹ کانوں کے پردے چیر رہی تھی - بچوں کی چیخ پکار سے دشت و جبل گونج رہے تھے - یہ مختلف آوازیں سن کر درید نے سپہ سالار ہوازن (مالک بن عوف) سے دریافت کیا کہ مویشی اور زن و بچے ہمراہ لانے میں کیا مصلحت ہے -

مالک : تاکہ دلاوران بیشۂ جنگ لڑائی سے منہ نہ موڑیں اور انہیں دیکھ کر جی توڑ کر مقابلہ پر ڈٹے رہیں-

درید : یہ چیزیں فوج کے آ کھڑے ہوئے قدم نہیں جما سکتیں۔ ایسے موقعہ پر صرف فوج ، تلوار اور تیر کام آتے ہیں ۔ اے مالک! اگر جنگ شروع ہونے سے پہلے انہیں یہاں سے علیحدہ نہ کیا تو بے حد ندامت کا سامنا ہوگا۔

لیکن مالک بن عوف نے اس مرد پیر کی رائے پر عمل نہ کیا اور لشکر نے بھی درید کی بجائے اپنے تیس سالہ نوجوان سپہ سالار کی اطاعت کو ترجیح دی جو ان کے نزدیک عزم و ارادہ اور شجاعت میں بے مثل تھا ۔ درید بن صمہ نے اپنے مدت العمر کے تجربہ کے خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر خاموشی اختیار کر لی ۔

کفار کی مورچہ بندی : مالک بن عوف نے اپنی فوج کو حنین کی چوٹی اور پہاڑ کے تنگ دروں کے بالائی کناروں پر تعینات کر کے تاکید کر دی کہ جوں ہی مسلمان ادھر سے وادی میں اتریں یک دم بزن بول دیا جائے تاکہ اُن کی صفوں میں ایسے شگاف پیدا ہو جائیں کہ گھبراہٹ میں خود ہی ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں ، انہیں بھاگنے کے بغیر چارہ نہ رہے اور ان کے دماغ سے فتح کا نشہ ہرن ہو جائے ۔ عربستان میں کفار کی دلاوری کی دھاک بیٹھ جائے کہ حنین میں ایسی قوت کو پارہ پارہ کر دیا گیا جس نے تمام عرب کو سرنگوں کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا ۔

ان کی فوجوں نے مالک بن عوف کے ارشاد کی تعمیل میں ذرا پس و پیش نہ کیا اور ہر ایک جتھہ نے اپنے سپہ سالار کی ہدایت کے مطابق مورچہ سنبھال لیا ۔

مسلمانوں کی حنین کی طرف پیش قدمی : مکہ میں قیام کو دو ہفتے گذر چکے تھے ۔ مسلمانوں نے جناب رسالت مآب کی سپہ سالاری میں حنین کا رخ کیا ۔ اس فوج میں ان کی تعداد پہلے سے زیادہ تھی اور اس کا مقصد قبیلۂ ہوازن اور ان کے حلیفوں کے مکہ پر حملہ کا انسداد تھا ۔ اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی جن میں دس ہزار وہ فوج تھی جو مدینہ سے مکہ کے لیے آئی تھی اور دو ہزار جدید الاسلام قریش مکہ سے شامل ہو گئے جن میں ابوسفیان بن حرب بھی شریک غزوہ تھے ۔ مسلمان سپاہیوں کی زرہوں کی چمک دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی ۔ مقدمہ فوج میں گھڑ سواروں کا دستہ تھا جس کی نگرانی میں رسد کے بار بردار اونٹ بھی تھے ۔ عرب نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہ دیکھا تھا ۔

ہر ایک قبیلہ کا دستہ اپنا اپنا علم سنبھالے ہوئے اور ہر ایک سپاہی اپنی فوج کی کثرت پر اس قدر نازاں کہ ان میں سے بعض افراد نے ایک دوسرے سے گفتگو میں یہاں تک کہ دیا کہ ”اتنی کثیر التعداد فوج کو کون شکست دے سکتا ہے!،، یہ فوجیں غروب آفتاب کے بعد حنین میں جا پہنچیں اور رات سر پر آ جانے کی وجہ سے درے سے ادھر میدان میں پڑاؤ ڈال لیا ۔ دوسرے روز پوپھٹنے سے ذرا پہلے آگے بڑھے ۔ رسول خدا اپنی سپید رنگ ناقہ پر سوار سب کے آگے تشریف لیے جا رہے تھے ۔

دشمنوں کی یلغار پر اسلامی فوجوں میں کھلبلی : آں حضرت صلوات اللہ علیہ کے عقب میں خالد بن ولید کی سپہ سالاری میں بنوسلیم کا دستہ مقدمہ الجیش میں تھا ۔ ان کے ہاتھ میں علم بھی تھا ۔ جونہی یہ دستہ تہامہ کا میدان طے کر کے حنین کی تنگ گھاٹی سے گذرا دشمن کی فوجوں نے جو درہ کی چوٹی پر گھات لگائے بیٹھی تھیں اپنے سپہ سالار مالک بن عوف کی ہدایت کے مطابق پے بہ پے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی ۔ ادھر یہ مصیبت

که دن کا اجالا بھی پوری طرح نه ابھرا تھا که مسلمانوں میں خلفشار پڑ گیا - دشمن کے حملے سے گھبرا کر ادھر ادھر چھٹ گئے ، بعض بھاگ ھی نکلے ، جن کی بد دلی پر ابوسفیان نے ان لوگوں کے متعلق جنھوں نے کِل مکه جیسا مورچه فتح کیا تھا کہا ''ان کے طور طریقوں سے معلوم ھوتا ھے که یه سمندر[1] سے ادھر نہیں رک سکتے،، اس وقت ابوسفیان کے چہرے پر تعجب کے آثار تھے - تکلم کے وقت ان کے دونوں ھونٹ کھل گئے اور دانت نظر آنے لگے -

اسلامی فوج کے ایک سپاھی (شیبه بن عثمان بن ابوطلحه جن کا باپ احد میں مسلمانوں کے ھاتھ سے قتل ھوا تھا) کی زبان سے نکل گیا ''آج میں بھی اپنے باپ کے خون کا بدله (جناب) محمد سے لے کر رھوں گا!،، اسی لشکر میں سے کلده بن حنبل نے کہا ''آج سحر باطل ھو گیا !،، کلده کی بات صفوان کے کانوں میں پڑی تو اس نے ڈانٹ کر (کلده سے) کہا ''تیرے منه میں آگ پڑے! بخدا! مجھے خود پر ھوازن کی حکومت سے مرد قریش کی فرماں روائی زیاده محبوب ھے،، (باضافه : اور صفوان اس وقت تک مسلمان بھی نه ھوئے تھے :اصابه ابن حجر —م) -

اور ھوازن کی ضرب سے مسلمانوں میں بری طرح ابتری پھیل گئی - رسول خدا راحله پر تشریف فرما تھے - فوج کے شکست خورده سپاھی آں حضرت کے قریب سے گذرتے اور بھگدڑ میں رسول الله کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی نوبت نه آتی -

رسول الله کا ثبات و قوت عزیمت: اس نازک ساعت میں کیا چارۂ کار تھا؟ کیا خاتم الرسل کی مسلسل بیس ساله قربانی کا ثمره اسی لمحه میں تلف ھونے کو ھے، یعنی آج کے دن کی فجر کی تاریکی میں؟ اور ان کے ''رب،، نے اپنا دامن ان کے ھاتھ سے جھٹک کر انھیں ھمیشه کے لیے اپنی نصرت سے محروم فرما دیا ھے، نہیں! یه ایسی نازک ساعت تھی جس کے پیش آنے سے قبل ایک قوم یا تو اپنے مقابل کو ملیامیٹ کر سکتی ھے یا خود کو فنا! ولکل امة اجل واذا جاء اجلھم لایستأخرون ساعة ولا یستقدمون -[2]

مسلمان رن میں لوٹ آئے: لوٹنے والوں کی تعداد لمحه به لمحه بڑھتی گئی - ایک دوسرے کو یوں واپس آتا ھوا دیکھ کر مسلمانوں کے قدم پھر سے جم گئے - کبھی انصار نے اپنے آدمیوں کو ''اے انصار!،، کہه کر پکارا اور گاھے ''اے خزرج!،، سے انھیں لڑائی جاری کرنے کے لیے بلایا - اسی طرح رسول الله مسلمانوں کی کار کردگی کے نظاره میں مصروف تھے - ذرا دیر میں گھمسان کا رن آ پڑا - اب مسلمان دشمنوں کو رگید رھے ھیں - آں حضرت نے بآواز بلند پکار کر فرمایا ''مسلمانو ! ھمت نه ھارنا - لڑائی نے زور پکڑ لیا ھے - الله نے اپنے رسول سے نصرت کا جو وعده فرمایا ھے وه پورا ھو کر رھے گا -،،

عباس کے ھاتھ سے کنکری لے کر دشمن کی طرف پھینکنا: آں حضرت نے عباس سے فرمایا ''کنکریوں کی ایک مٹھی مجھے دو ،، اور دست مبارک میں لے کر ''شاھت الوجوه،،

---

[1] وادیٔ حنین مکه سے جنوب مشرق کی طرف ھے اور حنین و مکه دونوں سے سمندر عین مغرب کی سمت! یہی بحرۂ احمر ھے (نقشۂ عرب)—م -

[2] ۷ : ۳۴—اور ھر ایک قوم کے مٹنے کا ایک وقت مقرر ھے - پھر جب ان کا وقت آ پہنچتا ھے تو اس سے نه ایک گھڑی پیچھے نه ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ھیں -

کہ کر دشمنوں کی طرف پھینکیں ۔ مسلمان موت سے نڈر ہو کر داد شجاعت دے رہے تھے ۔ انھیں یقین تھا کہ آج کے شہید اپنے بعد زندہ رہنے والوں سے بہتر ہوں گے ۔

ہوازن کی شکست: لڑائی نے ہول ناک صورت اختیار کر لی ۔ ہوازن بنوثقیف اور ان کے رفیقوں نے یہ سمجھ کر جی چھوڑ دیا کہ مقابلہ پر ڈٹے رہنے کا نتیجہ موت کے سوا کچھ نہیں ۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے ۔

مال غنیمت کی مقدار: دشمن نے میدان میں عورتیں، بچے اور سویشی بکثرت چھوڑے جن کی تعداد یہ ہے:

شتر	۲۲۰۰	چاندی	۴۰۰۰۰ (اوقیہ)[1]
بکری	۴۰۰۰۰	عورتیں اور بچے	۶۰۰۰

مسلمان اموال غنیمت جعرانہ میں پہنچا کر خود مفرورین کے تعاقب میں لگ گئے ۔ رسول خدا نے اس موقعہ پر اعلان فرمایا کہ اصل قاتل اپنے مقتول کی سواری ، اسلحہ وغیرہ کا حق دار ہے،، جس سے مسلمانوں کا ولولہ اور زیادہ ہو گیا ۔

حضرت ربیعہ اور درید بن صمہ کا قتل: ربیعہ ابن دغنہ نے بڑھ کر ایک شتر گرفتار کیا جس پر ہودج کی بجائے پلنگ تھا ۔ ربیعہ سمجھے کہ اس پر کسی امیر کی عورت ہوگی جس سے بہت سا مال و زر حاصل ہوگا مگر پلنگ پر ایک ضعیف عمر مرد لیٹا ہوا تھا جسے ربیعہ پہچان نہ سکے ۔ یہ ہوازن کا جنگی مشیر درید بن صمہ تھا ۔ درید نے ربیعہ سے ان کا مقصد دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا ”میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں ۔،، اس کے ساتھ ہی تلوار کا ہاتھ تول کر مارا جو خالی گیا ۔ درید نے ان سے کہا ”ربیعہ! تمھاری ماں نے تمھیں ناکارہ تلوار دے کر بھیجا ہے ۔ میری پشت کی طرف جو شمشیر رکھی ہے اس سے کام لو اور دیکھو! مغز و استخوان مغز سے لے کر ذرا نیچے (یعنی گلے پر ۔ م)—اے ربیعہ! میں بہادروں کو اسی طرح قتل کرتا رہا ہوں ۔

”اور ہاں! اے ربیعہ! اپنے گھر لوٹ کر اپنی ماں کو بتا دینا کہ تم نے درید بن صمہ کو قتل کیا ہے ۔ ارے میں نے تو تمھارے قبیلہ کی کئی عورتوں کو ان کے دشمنوں سے بچایا تھا ۔،،

حضرت ربیعہ نے یہ واقعہ اپنی والدہ سے بیان کیا تو اس نے کہا ”تو نے کیا ستم ڈھایا! درید کا تجھ پر یہ احسان کہ اس نے تیرے قبیلہ کی تین عورتوں تیری ماں ، نانی اور دادی کو دشمنوں سے بچایا اور تو نے اسے قتل کر دیا!،،

مسلمانوں نے (مقام) اوطاس تک تعاقب جاری رکھا اور یہاں آ کر کفار کو نرغہ میں لے لیا ۔ ایک مرتبہ پھر جنگ کے شعلے تیزی سے بھڑک اٹھے مگر کفار بھاگ کھڑے ہوئے اور حنین میں سے جو عورتیں اور بچے اور اموال ہمراہ لائے تھے وہ بھی چھوڑتے گئے جنھیں مسلمان سمیٹ کر رسول اللہ کے پاس (جعرانہ میں) لے آئے اور اب سے ہوازن کی شکست پر مہر لگ گئی ۔

۱- فی اوقیہ بمساوی ۱۰ تولہ (پاکستانی) ”ارجح الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل“ مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی) ۔ اس حساب سے ۴۰۰۰۰ اوقیہ کا وزن ۴ لاکھ ۲۰ ہزار تولہ

مالک بن عوف (سپه سالار هوازن): مشرکین هوازن کے سپه سالار مالک بن عوف بهی اپنے مغرور دوستوں کے ساتھ اوطاس میں گهر گئے تهے لیکن وه بهاگنے میں کامیاب هو گئے اور اپنے چند سپاهیوں کے همراه (مقام) نخله (از ملحقات طائف) میں جا چهپے۔

دوستو، یه هے کفار هوازن کی داستان شکست جس کا ایک روح فرسا حصه یه هے که مسلمان آخر شب کی تاریکی میں مشرکوں کے حمله کی تاب نه لا کر منتشر هونے پر مجبور هو گئے۔ دوسرا یه که آخر حضرت رسولِ کریم کا ثباتِ قدم کامیاب هو کر رها جن کے ساتھ صرف گنتی کے چند آدمی ره گئے تهے اور رسالت مآب صلی اللہ علیه وسلم هی کے رسوخ قدم کے صدقه میں مسلمانوں کو فتح اور دشمنوں کو شکست هوئی جس کی حکایت میں یه آیتیں نازل هوئیں:

ولقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرة ویوم حنین اذ اعجبتکم فلن تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔	(مسلمانو!) اللہ بهت سے مواقع پر تمهاری مدد کر چکا هے اور (خاص کر) حنین (کی لڑائی) کے دن جب که تمهاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تها (که هم بهت هیں) تو وه (کثرت) تمهارے کچھ کام نه آئی اور (اتنی بڑی) زمین باوجود وسعت لگی تم پر تنگی کرنے۔ پهر تم پیٹھ پهیر کر بهاگ نکلے۔
ثم انزل اللہ سکینته علی رسوله وعلی المومنین وانزل جنوداً لم تروها وعذب الذین کفروا و ذالك جزاء الکافرین۔	پهر اللہ نے اپنے رسول پر اور (نیز) مسلمانوں پر (اپنی طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (تمهاری مدد کو) فرشتوں کے ایسے لشکر بهیجے جو تم کو دکهائی نهیں دیتے تهے اور (آخر کار) کافروں کو بڑی سخت مار دی اور کافروں کی یهی سزا هے۔
ثم یتوب اللہ من بعد ذالك علی من یشاء واللہ غفور رحیم۔	پهر اس کے بعد خدا جس کو چاهے توبه نصیب کرے اور اللہ بخشنے والا مهربان هے۔
یا ایها الذین آمنوا! انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا و ان خفتم عیلة یغنیکم اللہ من فضله ان شاء ان اللہ علیم حکیم (۹: ۲۵ تا ۲۸)۔	مسلمانو! مشرک تو نرے گندے هیں۔ اس برس کے بعد ادب و حرمت والی مسجد (یعنی خانهٔ کعبه) کے پاس بهی نه پهٹکنے پائیں اور اگر (ان کے ساتھ لین دین بند هو جانے سے) تم کو مفلسی کا اندیشه هو تو (خدا پر بهروسه رکهو)، وه چاهے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بیشک خدا (سب کی نیتوں کو) جانتا (اور) حکمت والا هے۔

لیکن فتح حنین کی قیمت: مسلمانوں کو یه فتح سستے داموں نه پڑی اور انهوں نے اس کی بهت زیاده قیمت ادا کی۔ البته اگر اس صبح کے حمله میں انهیں شکست کا منه نه دیکهنا پڑتا اور مسلمان اس طرح میدان چهوڑ کر نه بهاگتے جس پر ابوسفیان کو بهی کهنا پڑا! "ان کے طور طریقوں سے معلوم هوتا هے که یه سمندر سے ادهر نهیں رکیں گے"، تو ان کے اتنے دلاور شهید نه هوتے۔

آہ! حنین میں مسلمانوں کا یوں تہ تیغ ہونا تاریخ پوری طرح ان کی تعداد بتانے سے قاصر ہے، ماسوائے ازیں کہ ان کے دو قبیلے یا تو بالکل ختم ہوگئے یا ان میں سے معدودے چند حضرات زندہ رہے اور شہدائے حنین کے لیے رسول اللہ نے دعائے مغفرت فرمائی۔

تاہم اس غزوہ میں مسلمان ہی فتح یاب ہوئے۔ انھوں نے دشمن پر پوری طرح قابو پا لیا اور ان کے ہاتھ جس قدر مال اور اسیر آئے اس سے قبل انھیں اس قدر غنیمت کبھی دستیاب نہ ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر یہ وضاحت بھی ضروری تھی کہ لڑائی سے اصل مقصد ایسی فتح یابی ہے جس میں اگر شرافت کا لحاظ بھی رکھا جائے تو ایسی فتح کی جس قدر قیمت لگائیے ع۔۔''بحمد اللہ! بسے ارزاں خریدم،، کی مصداق ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو اس فتح پر بے حد مسرت حاصل ہوئی اور اب وہ تقسیم غنائم کے خواہاں تھے۔

طائف کا محاصرہ: اس فتح میں درخشندہ پہلو مشرکین کے سپہ سالار اعظم مالک بن عوف نصری کا ماجرا ہے جس نے اپنے دامن سے اس آگ کو مشتعل کیا اور جب مغلوب ہوا تو اپنے ہمراہ قبیلہ ثقیف کے بقیہ السیف اشخاص کو لے کر طائف (کے قلعہ) میں چھپ کر پناہ لی جس سے مسلمانوں کو ایسی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا (کہ اگر وہ مالک سے اغماض کرتے ہیں تو یہ خطرہ ہے کہ مبادا وہ اس چنگاری کو پھر ہوا دے اور انھیں طائف کا معاملہ یک سو کیے بغیر مفر نہ رہا۔۔م۔)

رسول خدا کے طریقہ جنگ میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ کسی بڑے معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد در پردہ دوسرے دشمنوں کا محاصرہ فرماتے جیسا کہ احد سے واپس تشریف لانے کے بعد یہود خیبر کو گھیر لیا اور غزوۂ خندق سے فارغ ہو کر مدینہ کے یہود بنوقریظہ کو حصار میں لے لیا۔

محاصرۂ طائف کے متعلق مولف علام کا دوسرا تصور: (م۔۔اور محض مفروضہ!) طائف کے محاصرہ کا محرک کہیں قبل از ہجرت کا حادثہ نہ ہو کہ جب رسول خدا یہاں تبلیغ کے لیے تشریف لائے تو پہلے یاران شہر نے خوب کھل کر آں حضرت کا تمسخر اڑایا۔ پھر شہر کے نوعمر لڑکوں کو بھڑکایا جنھوں نے جی بھر کر آں حضرت پر پتھراؤ کیا۔ آں حضرت لہو لہان ہو کر انگوروں کی بیل کے سائے میں جا بیٹھے۔ آج شاید اپنی اس ناتوانی کا تصور ذہن میں آگیا ہو جس موقعہ پر بجز ذات وحدہ لاشریک کی امداد کے کوئی سہارا نہ تھا یا اس قوت ایمانی کا آسرا جس سے قلب مبارک مسحور تھا اور یہ ایسی قوت ہے جو پہاڑ کو بھی ریزہ ریزہ کر سکتی ہے۔

آج خاتم الرسل طائف پر ایسی کوہ پیکر فوج کے ساتھ یلغار کرنے کو ہیں جس کی سی قوت اور تعداد جزیرۃ العرب نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

طائف کے ارد گرد عرب کے دوسرے مشہور شہروں کی طرح چاروں طرف سربفلک فصیل کھڑی تھی اور شہر میں آمد و رفت کے لیے ہر طرف ایک صدر دروازہ۔ شہر کے باشندے فنون حرب کے ماہر، ملک کے بڑے سرمایہ داروں نے شہر کی حفاظت کے لیے قلعوں کا ایک جال پھیلا رکھا تھا۔

حملہ: رسول خدا نے طائف کے لیہ نامی قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم فرما دیا جس میں مالک بن عوف اپنے ثقفی ساتھیوں کے ساتھ چھپا بیٹھا تھا۔ مسلمانوں نے قلعہ تک

پہنچنے سے قبل بنوثقیف کی حفاظتی دیوار کو زمین کے برابر کر کے قلعه مسمار کر دیا اور طائف کے قریب جا پہنچے مگر آگے بڑھنے کی بجائے آں حضرت کی ہدایت کے مطابق شہر سے ادھر ایک مقام پر رک گئے ۔ رسول خدا کا مقصد یه تھا که یہاں جمع ہو کر مشورہ کیا جائے ۔ ادھر بنوثقیف بھی تاک میں تھے انھوں نے قلعه کی ایک بلند دیوار پر کھڑے ہو کر اس زور سے تیروں کی باڑھ ماری جس سے کئی مسلمان شہید ہوگئے۔ رسول اللہ نے از سر نو جنگ کے طریقے پر غور ضروری سمجھا ۔ یه که بنوقریظه و یہود خیبر کا سا محاصرہ کارگر ثابت ہوگا اور بنوثقیف بھی قلت رسد سے گھبرا کر شہر حوالے کرنے پر مجبور ہو جائیں گے ، یا اگر وہ مقابلہ کرنے کے لیے شہر سے باہر نکل آئیں تو مسلمانوں کے لیے اپنی کثیر التعداد فوج سے انھیں جلد از جلد مغلوب کر لینا آسان ہوگا۔ اس قسم کی مختلف صورتیں زیر غور تھیں ۔ ضروری سمجھا که دشمنوں کے تیروں کی زد سے دور ہٹ کر مشورہ کیا جائے ۔

آں حضرت کی تجویز کے مطابق اسلامی فوجیں پہلے مقام سے ہٹ کر وہاں جمع ہو جائیں جہاں اہل طائف نے شکست تسلیم کرنے اور قبول اسلام کے بعد مسجد تعمیر کرائی (کیونکه) پہلے مقام (مشاورت گاہ) پر کفار کے تیروں سے اٹھارہ مسلمان شہید ہو چکے تھے جن میں حضرت ابوبکر کے ایک صاحب زادے بھی تھے ۔ آں حضرت کے حرم مطہرات میں سے ام المومنین ام سلمه و زینب بنت جحش بھی ہمراہ تھیں ۔ دونوں کے لیے دو علیحدہ علیحدہ خیمے سرخ چمڑے کے نصب کیے گئے جن کے وسط میں رسول پاک نے نماز ادا فرمائی جو اس مقام پر تعمیر مسجد کی تمہید تھی ۔

مسلمان چشم براہ تھے که دیکھیے اب پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے اور دشمن کون سا پہلو اختیار کرے گا۔ اسی وقفه میں ایک بدو[1] ادھر آ نکلا ۔ اس نے رسول پاک سے عرض کیا ”بنوثقیف اپنے قلعوں میں اس طرح دبک گئے ہیں جس طرح لومڑی بھٹ میں۔ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو وہ کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی ۔“

لیکن آں حضرت کے لیے ناکام لوٹنا شاق تھا ۔ آپ کو خیال گذرا که پائین مکه کے رہنے والے قبیله بنودوس منجنیق اور دبابه کے فن سے آگاہ ہیں ۔ ان کے رئیس طفیل (بن عمرو الدوسی) اس محاصرہ میں رسول اللہ کے ہم رکاب تھے ۔ وہ غزوۂ خیبر میں بھی آں حضرت کے ہم رکاب تھے ۔ آپ نے طفیل سے فرمایا اور وہ مکه جا کر اپنے قبیله کے چند ایسے دلاوروں کو ہمراہ لے آئے جو اسی قسم کے آتش گیر گولے اور دبابے (ٹینک) ساتھ لائے تھے ۔ یه لوگ مسلمانوں کے محاصرہ کرنے سے چار روز بعد طائف پہنچے ۔ مسلمان ان کی کمان میں منجنیق اور آتشیں گولے لے کر قلعه کی دیوار میں شگاف کرنے کے لیے دبابوں میں چھپ کر آگے بڑھے ۔ لیکن اہل طائف بھی فنون سپه گری میں کچھ کم نه تھے ۔ انھوں نے گرم لوہے کے گولے غلیل میں رکھ کر پھینکنا شروع کیے جن سے کئی مسلمان شہید ہو گئے اور مسلمان مورچه چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے ۔ مسلمانوں کا یه وار بھی خالی گیا اور طائف کے قلعوں کا مسخر کرنا محال ہو گیا ۔

---

[1] نوفل بن معاویه دئلی جو فتح مکه کے روز اسلام لائے (” زاد المعاد “ ابن قیم و ”اصابه“ ابن حجر) ۔

رسول خدا نے پھر غور فرمایا تو اپنے ہاتھوں بنونضیر کے باغات جلوانے کا نقشہ ذہن میں گھومنے لگا جس سے عاجز آ کر انھوں نے از خود جلا وطن ہونے پر آمادگی ظاہر کی۔ ''ہاں ہاں! طائف میں انگوروں کے باغات تو بنونضیر (مدینہ) کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بیش قیمت ہیں اور یہاں کے انگور تمام عرب میں مشہور ہیں۔ اہل طائف کو اپنی اسی دولت پر ناز ہے۔ طائف کو انگور کا شہر ہونے کی وجہ ہی سے تو صحرا کا بہشت سمجھا جاتا ہے۔'' آں حضرت کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ ان کے باغات پر دست برد ہوئے بغیر یہ لوگ راہ پر نہ آئیں گے۔ آپ نے فیصلہ کر ہی اور مسلمانوں کو حکم دیا ''(ہمارے جن دشمنوں نے مالک بن عوف کو اپنی بغل میں چھپا رکھا ہے—م) ان کے سرسبز و شاداب باغات پھونک دیے جائیں اور جن بودوں پر آگ اثر نہ کر سکے انھیں قلم کر کے پھینک دو!'' طائف کو اپنی جس دولت پر ناز تھا چشم زدن میں پامال ہونے کو ہے۔ وہ تھرا اٹھے اور فوراً پیغام بھیجا کہ ''ایسی نعمت خورد برد کرنے کی بجائے اسے اپنے لیے برقرار رکھیے تو ہمیں تعرض نہ ہوگا اور ہمارے ہی لیے رہنے دیجیے تو یہ کرم مزید ہوگا۔ آخر بنوثقیف سے آپ کی قرابت داری[1] بھی تو ہے؟'' رسول اللہ نے مسلمانوں سے منع فرما دیا (لیکن یہ معاہدۂ صلح نہ تھا، نہ اہل طائف سے جنگ کرنا مقصود۔ یہ تو صرف مالک بن عوف کو پناہ دینے پر انھیں متنبہ کرنا تھا)۔ آں حضرت نے اعلان فرما دیا ''طائف کے غلاموں میں سے جو کوئی ہمارے لشکر میں آ جائے وہ آزاد ہے۔'' اس منادی پر تقریباً بیس اشخاص طائف سے بھاگ کر رسول اللہ کی خدمت میں باریاب ہوئے جنھوں نے مخبری میں عرض کیا کہ اہل طائف کے پاس رسد کا اس قدر ذخیرہ ہے جو مدت تک کافی ہو سکتا ہے۔

لیکن آں حضرت نے محاصرہ کو طول دینا پسند نہ فرمایا۔ ادھر لشکری بھی تقسیم اموال (غنائم) کے لیے بے قرار تھے۔ مبادا ان کے صبر و استقامت میں تزلزل آ رہا ہو۔ حرمت والا مہینہ (ذوالقعدہ) آ رہا ہے جس میں قتال و جہاد جائز نہیں۔ رسول خدا (طائف کا) ایک ماہ تک محاصرہ کرنے کے بعد مراجعت فرمائے جعرانہ ہوئے ہی تھے کہ ماہ ذوالقعدہ شروع ہو گیا تھا اور آں حضرت نے اپنے لشکر سمیت عمرہ کا احرام زیب تن فرما لیا۔ بعض راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ طائف سے مراجعت کے موقعہ پر آں حضرت نے ماہ محرم ختم ہو جانے کے بعد پھر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

اموال ہوازن کی تقسیم: رسول اللہ مسلمانوں کو مشایعت میں لے کر طائف سے (بارادۂ عمرہ) مراجعت فرما ہوئے اور راستے میں جعرانہ رکنا پڑا تا کہ اموال و اسیران ہوازن کی تقسیم کر دی جائے۔

آں حضرت نے خمس رسول (صلعم) علیحدہ کر کے مابقی اموال اور اسیر لشکریوں میں تقسیم فرما دیے۔

وفد ہوازن برائے واپسی اموال و نفوس: اتنے میں ہوازن کے ان حضرات کا ایک وفد حاضر ہوا جو مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ اپنے مال اور ان افراد کی واپسی پر مصر ہوئے جو

---

[1] بوجہ رضاعت سیدہ حلیمہ سعدیہ جن کی صاحب زادی جناب شیماء غزوۂ اوطاس میں گرفتار ہوئیں۔ اس رضاعت کی وجہ سے جناب عبداللہ و انیسہ اور حذیفہ ابنائے حارث از بطن حلیمہ آں حضرت کے عم بزرگ وار کے رشتہ میں تھے (''اصابہ'' ابن حجر در تذکرۂ بی شیماء —م)۔

کئی روز سے ان سے جدا ہو چکے تھے اور ان کی مفارقت کا ملال انہیں کھائے جا رہا تھا۔ وفد کے ایک رکن نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! انما فی الحظائر عماتك وخالاتك وحواضنك اللواتی کن یکفلنك ولو انا ملحنا للحارث بن ابی شمر او لنعمان بن المنذر ثم نزل منا بمثل الذی نزلت به رجو نا عطفه وعائدته علینا وانت خیر المکفولین۔

یا رسول اللہ! ان اسیروں میں بعض عورتیں آپ کی پھپھی ہوتی ہیں، بعض خالہ کے رشتہ میں ہیں اور کوئی آپ کی کھلائی ہے۔ اے صاحب! اگر ہماری اسیر بیبیوں میں سے کسی نے حارث بن ابو شمر یا نعمان بن منذر امیر غسان کو اپنا دودھ پلایا ہوتا اور وہ آپ ہی کی طرح ہم پر غالب آ جاتا۔ پھر ہم اس سے اپنی عورتوں کی واپسی کا مطالبہ کرتے تو ناممکن تھا وہ ہماری استدعا کو مسترد کرتا اور آپ تو دنیا بھر کے مربیوں سے بہتر ہیں۔

رسول اللہ کی رضاعی بہن شیماء کی شکایت: اسیروں میں بی بی شیماء بنت حارث (جناب حلیمہ کی صاحب زادی—م) بھی تھیں جنہیں گرفتار کرتے وقت مسلمانوں نے جنگی سختی سے کام لیا۔ بی بی شیماء کہولت کی حدود سے گذر رہی تھیں۔ انہوں نے لشکریوں سے فرمایا:

تعلموا واللہ انی لاخت صاحبکم من الرضاعة۔

جانتے نہیں ہو، میں تمہارے صاحب کی رضاعی بہن ہوں؟ میرے ساتھ ادب سے بات کرو۔

لیکن سپاہیوں کو یقین نہ آیا۔ انہیں آنحضرت کی خدمت میں لے آئے۔ رسول اللہ نے دیکھا یہ تو شیماء ہیں (حارث بن عبدالعزی کی صاحبزادی)۔ ختم المرسلین نے ردائے پاک کا فرش بی بی شیماء کے بیٹھنے کے لیے بچھا دیا اور فرمایا ”اے بہن! تم میرے ہاں رہنا چاہو تو تمہارا گھر ہے اور واپس تشریف لے جانا منظور ہو تب بھی مجھے اصرار نہیں۔“ سیدہ شیماء نے اپنے قبیلہ میں جانے کو ترجیح دی (مگر اسی روز مسلمان ہوگئیں۔ آں حضرت نے انہیں غلام و اموال خمس میں سے دے کر رخصت فرمایا—”اصابہ“—م)۔

سیدۂ شیماء کے ساتھ صلۂ رحمی میں ہوازن کے امیال و عواطف: ہوازن نے بی بی شیماء کی یہ منزلت دیکھی کہ رسول اللہ نے ان پر شفقت فرما کر صلۂ رحمی کا پاس دکھایا تو ہوازن کی ڈھارس بندھ گئی اور اس سرکار میں ہمیشہ یہی ہوا کہ جس کسی نے قرابت یا محبت کا واسطہ پیش کیا رسول اللہ نے اس کی طرف سبقت کرنے میں کوتاہی کو دخل انداز نہ ہونے دیا۔ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک آپ کی طینت ہی میں تھا۔ ہوازن کی درخواست پر فرمایا ”آپ لوگوں کو اپنے زن و بچے زیادہ محبوب ہیں یا مویشی اور مال و اسباب؟“

وفد: ”یا رسول اللہ! جب آپ نے ہی ہمیں دونوں چیزوں میں سے کسی ایک شے کے لیے ترجیح کا اختیار عطا فرمایا ہے تو ہمیں اپنے بال بچے زیادہ محبوب ہیں۔“

رسول اللہ: ”بہت خوب! خمس اور بنو عبدالمطلب کا حصہ دونوں مدوں کی عورتیں، مرد اور بچے واپس کر دیے جائیں گے۔ رہے وہ اشخاص جنہیں میں آپ سے پہلے دوسروں

کو تقسیم کر چکا ہوں تو نماز ظہر ادا کرنے کے بعد آپ مجھ سے میرے تمام رفقاء کے بالمواجہہ ان لفظوں میں استدعا کیجیے :

انا نستشفع برسول الله الی المسلمین وبالمسلمین الی رسول الله فی ابناءنا ونساءنا ۔	اے صاحبو! ہم لوگ رسول اللہ کے توسل سے آپ لوگوں سے ملتجی ہیں اور آپ حضرات کے وسیلہ سے آں حضرت کی خدمت میں مستدعی کہ ہماری عورتیں اور بچے ہمیں واپس فرما دیجیے

اس لمحہ میں میں اپنا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ واپس کر دوں گا اور مسلمانوں سے بھی واپسی کے لیے آپ لوگوں کی سفارش کروں گا ۔''

نماز ظہر ادا کرنے کے بعد ان ہی قدموں پر ہوازن نے فرمودۂ رسول کے مطابق اپنی درخواست مسلمانوں کے سامنے پیش کی جس پر رسول پاک نے سبقت کرتے ہوئے فرمایا :

''دوستو! میں اپنا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ واپس کرتا ہوں ۔''

مہاجرین و انصار کا ایک ہی سا جواب تھا ''ما کان لنا فهو لرسول الله صلی الله علیه وسلم'' (رسول اللہ ہمارے حصے کے بھی مختار ہیں) ۔

ابتدا میں فاتحین میں سے ذیل کے تین حضرات نے اپنے اپنے حصہ کے اسیر واپس کرنے سے انکار کر دیا :

(۱) اقرع بن حابس نے ۔

(۲) عیینہ بن حصن نے ۔

(۳) عباس بن مرداس ، لیکن اپنے قبیلہ داروں کے اصرار سے عباس بن مرداس بھی اسیروں کی واپسی پر رضامند ہو گئے (''م—اور اقرع و عیینہ نے بھی برضا و رغبت اپنے حصہ کے اسیر واپس کر دیے—''زاد المعاد'')

رسول اللہ نے فرمایا ''جو حصہ دار اپنا حصہ واپس کر دیں انھیں میں پہلی غنیمت پر ایک غلام کے عوض میں چھ غلام عطا کر دوں گا ۔''

یہ تقریب ہے ہوازن کے زن و بچہ واپس ہونے کی ۔

مالک بن عوف کی حوالگی: اس موقعہ پر رسول خدا نے وفد (ہوازن) سے مالک بن عوف (مفرور سپہ سالار ہوازن) کے متعلق دریافت فرمایا تو انھوں نے عرض کیا ''مالک ابھی تک طائف میں بنوثقیف کے ہاں پڑا ہے ۔ آں حضرت نے فرمایا ''مالک بن عوف اگر از خود مطیع ہو کر آ جائے تو اس کے تمام اہل و عیال اور تمام مال و اسباب کے علاوہ اسے ایک سو شتر اور عطا ہوں گے ۔''

مالک نے اپنے متعلق یہ مژدہ سنا تو بنوثقیف سے چھپ کر اپنے اسپ پر زین کسی اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور ان کے زن و بچہ اور حسب فرمان یک صد شتر عطا ہوئے ۔

تقسیم عطایا اور بعض شرکا کی بے حوصلگی: عطایا کی یہ بارش دیکھ کر بعض لشکری گھبرا اٹھے اور ایک دوسرے سے کانا پھوسی شروع کر دی کہ اگر نوواردان اسلام کے لیے داد و دہش کا یہی عالم ہے تو ان لیے کیا باقی رہ جائے گا! شدہ شدہ یہ بات آں حضرت صلعم تک جا پہنچی ۔ آپ ایک شتر کے قریب تشریف لائے اور اس کے بدن سے چند بال اچٹا کر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

ايها الناس ! والله مالى من فيئكم ولا هذا الوبرة الا الخمس! والخمس مردود عليكم ۔

بخدا! مجھے تمہارے اموال غنیمت میں ان بالوں کے برابر بھی طمع نہیں ! رہا میرے حصے کا خمس تو اسے بھی آپ لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ۔

اور فرمایا کہ جو چیز جس کی تحویل میں ہو اسے مال خانے میں جمع کرا دیا جائے تاکہ عدل کے ساتھ تقسیم ہو سکے ۔ (اور فرمایا) :

فمن اخذ شيئاً فى غير عدل ولو كان ابرة كان على اهله عار و نار وشنار الى يوم القيامه ۔

جو شخص از خود کسی شے پر قابض رہے اگرچہ وہ سوئی ھی کیوں نہ ہو قیامت کے دن اس کے خاندان کے لیے ملامت کا باعث ہوگا اور اس کے لیے ندامت و تعذیب کا موجب ۔

یہ تنبیہ اس برہمی کی وجہ سے فرمائی جب ایک مسلمان آپ کے اوڑھنے کی ردا آپ کے کندھے پر سے جھپٹ کر لے گیا اور آپ نے مسلمانوں نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

ردوا الى ردائي ايها الناس فوالله! لو ان لكم بعد شجر و تهامه نعماً لقسمته عليكم ثم ما الفتيمونى بخيلا ولا جبانا ولا كذاباً ۔

ارے! میری ردا مجھے واپس کرو! بخدا! اگر آپ لوگوں کو غنیمت میں وادیٔ تہامہ کے پودوں کی تعداد میں بکریوں کے ریوڑ ہاتھ آئیں تو میری تقسیم پر تم مجھے نہ تو کسی سے ڈر کر کم و بیش حصہ دینے والا دیکھوگے نہ بخیل اور نہ دروغ گو ۔

ابوسفیان بن حرب ، معاویہ پسر ابوسفیان ، حارث بن حارث بن کلدہ ، حارث بن ہشام ۔ سہیل بن عمرو ، حویطب بن عبد العزیٰ ہر ایک نووارد اسلام کو ایک ایک سو شتر دیے گئے ۔

اور ان حضرات سے دوسرے درجہ کے اشراف و روسائے مکہ جن کو فی کس پچاس شتر عنایت فرمائے جن کی تعداد دس سے زائد تھی آنحضرت نے جس خندہ پیشانی سے عطا و بخشش فرمائی کل کے دشمن جی کھول کر ستایش کرنے لگے بلکہ جس نے جس قدر طلب کیا اسے عنایت فرما دیا (ازاں جملہ ابوسفیان نے اپنے فرزند معاویہ کے لیے ا) اور عباس بن مرداس بھی جو اپنے حصہ سے مطمن نہ تھے ان کی زبان سے نکل گیا ”عیینہ و اقرع کو مجھ پر ترجیح ۔ جب آں حضرت نے سنا تو فرمایا ”انہیں علیحدہ لے جاؤ اور جس شے سے یہ خوش ہوں انہیں دے کر ان کی زبان بند کر دو ۔“ آخر عباس کو اس طریق سے مطمئن کیا گیا ۔

انصار کا گلہ : جیسا کہ معلوم ہے رسول خدا نے متذکرۃ الصدر افراد کو ان کی تالیف قلب کے لیے جو بخشش فرمائی انصار مدینہ کو بھی گوارا نہ ہو سکی حتیٰ کہ ان کے بعض نوجوانوں کی زبان سے نکل ھی گیا کہ ”رسول خدا نے اپنے قبیلہ کی کس قدر پاس داری فرمائی !“ یہ اطلاع حضرت سعد بن عبادہ (انصاری) کے ذریعے خود ان کی تائید کے ساتھ رسول اللہ کے حضور پہنچی ۔ آں حضرت نے سعد سے فرمایا ”آپ انصار کو اس باغیچہ میں جمع کیجیے ۔ میں ابھی آتا ہوں“ اور مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی :

انصار اور آں حضرت صلوات اللہ علیہ کا باہم گلہ شکوہ: آں حضرت نے خطبہ پڑھا۔ پھر فرمایا۔

یا معشر الانصار! ما قالۃ بلغتی عنکم وجدۃ وجدتموہ فی انفسکم الم آتکم ضلالا فھداکم اللہ و عالۃ فاغناکم اللہ واعداء فالف اللہ بین قلوبکم۔

اے دوستان انصار! آپ حضرات نے یہ کیسی بات پیدا کر دی؟ دلوں میں کوئی گرہ تو نہیں پڑ گئی؟ کیا آپ لوگ بھول گئے کہ آپ راہ ہدایت سے ناواقف تھے اور میری وجہ سے اللہ نے آپ لوگوں کو سیدھی راہ پر چلایا، میرے ہی صدقے میں آپ کی ناداری تونگری سے متبدل ہوئی، آپس میں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے اور خداوند تعالیٰ نے میری برکت سے آپ کو ایک دوسرے کا ہمدرد بنا دیا؟

انصار:

بل اللہ و رسولہ امن وافضل۔

بیشک خدا اور رسول کے ہم پر بے حد احسان ہوئے!

رسول اللہ:

الا تجیبونی یا معشر الانصار؟

برادران انصار! آپ لوگ مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟

انصار:

بماذا نجیبک یا رسول اللہ! للہ ولرسولہ المن والفضل۔

یا رسول اللہ ہمارا کیا منہ ہے جو آپ پر اپنا کوئی احسان جتائیں جبکہ خدا اور رسول کے احسانات سے ہم سبک دوش نہیں ہو سکتے۔

رسول اللہ:

اما واللہ لوشئتم لقلتم فلتصدقتم ولصدقتم آتیتنا مکذباً فصدقناک! ومخذولا فنصرناک وطریداً فاویناک وعائلاً فآسیناک! یا معشر الانصار! فی بضاعہ من الدنیا تألفت بہا قوماً لیسلموا و وکلتکم الی اسلامکم۔

بخدا! تم یہ بھی کہ سکتے ہو اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ ”آپ دوسروں سے اپنی تکذیب کرانے کے بعد ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم نے آپ کی تصدیق کی، اوروں نے آپ کو ستایا اور انصار نے آپ کی حمایت کی، آپ کے ہم وطنوں نے آپ کو جلا وطن کیا اور ہم نے آپ کے لیے اپنے دروازے کھول دیے، آپ ہمارے ہاں بے یار و مددگار تشریف لائے اور ہم نے اپنی آنکھیں آپ کے قدموں تلے بچھا دیں۔“

الا ترضون یا معشر الانصار ان یذھب الناس بالشاۃ والبعیر وترجعوا برسول اللہ الی رحالکم! فوالذی نفس محمد بیدہ لو لا الھجرۃ لکنت امرأ من الانصار! ولوسلک الناس شعباً لسلکت شعب الانصار۔

اے یاران انصار! جو چیزیں میں دوسروں کو بخش رہا ہوں دنیا کی معمولی سی دولت ہے اور اس لیے کہ وہ لوگ اسلام پر پختہ ہو جائیں۔ مگر اس دولت کے مقابلہ میں جس نعمت سے تم مالا مال ہو کیا دونوں برابر ہیں یعنی اسلام سے؟ دوستان انصار! تمہیں یہ پسند نہیں کہ دوسرے

اللهم ارحم الانصار وابناء الانصار! وابناء ابناء الانصار۔

لوگ یہاں سے لوٹیں تو اونٹ اور بکریاں همراہ لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں خدا کے رسول کو همراہ لے کر جاؤ۔ قسم ذات کبریا کی جس کے قبضهٔ قدرت میں محمد (صلعم) کی جان ہے، اگر مہاجر ہونے کا ثواب نہ ہوتا تو میں خود کو لفظ انصار ہی سے منسوب کرتا۔ دوسرے لوگ اگر یک جا ہو کر ایک راستے سے چلیں اور انصار دوسری راہ پر گام زن ہوں تو میں انصار کے همراہ چلنا گوارا کروں گا۔ یا اللہ! انصار اور ان کی اولاد و احفاد پر رحم فرمائیو!

انصار کا اظہار تاسف: رسول اللہ نے یہ واردات جس رقت اور دل سوزی کے ساتھ بیان فرمائے ان کی تاثیر کا عالم تھا کہ انصار جو بیعت کرنے کے بعد آپ کی حمایت میں ہر وقت سربکف رہے اور کسی وقت آپ کی تعظیم و تکریم کا خیال دل سے محو نہ ہوئے دیا جذب محبت سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ سب کے سب رو پڑے اور بیک زبان عرض کیا ''رضینا برسول اللہ قسماً وحظاً،، (ہمارے لیے سب سے بڑی دولت خود رسول خدا ہی ہیں)۔

رسول اللہ نے حنین کی بے پایاں دولت سے اپنی بے رغبتی کا ثبوت کس حکمت و فراست سے پیش کیا اور دوسری طرف اس دولت کو کس طرح نوواردان اسلام کی تالیف قلب کا وسیلہ بنا دیا جو آج سے تین چار ہفتہ قبل اسلام میں داخل ہوئے تھے، یہ جتانے کی غرض سے کہ اسلام لانے میں آخرت اور دنیا دونوں کی بھلائی ہے۔

اتنے کثیر مال کی عطاء و بخشش پر مسلمانوں کے دل میں بھی خلش ابھر آئی اور قدیم الاسلام مسلمانوں نے اہل مکہ پر تقسیم شدہ مال کے بارے میں نکتہ چینی سے دریغ نہ کیا، لیکن آں حضرت نے جدید الاسلام اہل مکہ کے دل اس طرح مٹھی میں لے لیے کہ جود و سخا سے متاثر ہو کر یہ لوگ بھی خدا کی راہ میں سر کٹانے کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔

عمرۃ الجعرانہ: رسول خدا جعرانہ (محل تقسیم غنائم ہوازن) سے بقصد عمرہ مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ ادائے عمرہ کے بعد عتاب بن اسید کو مکہ کی خلافت تفویض فرمائی۔ جناب معاذ بن جبل کو معلم دین کی حیثیت سے مکہ میں رہنے کا حکم دیا اور خود مہاجرین و انصار کی معیت میں مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے تاکہ اپنے مولود نو ابراہیم کی دید سے آنکھوں کو ٹھنڈا کریں اور کچھ مدت آرام فرمانے کے بعد ان مسیحی دشمنان اسلام کا سد باب کریں جو تبوک میں جمع ہو کر اسلام کو مٹانا چاہتے تھے۔

محمد احمد حامد محمود قاسم عاقب

۲۶

محمد حبیب مدینہ

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

صادق امین عبد الله محمد صلی الله علیه وسلم کلیم الله حبیب الله نجی الله

صفی الله حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطهر مشرف قریب خلیل

مدعو جواد خاتم عادل شهیر شهید اول آخر ظاهر باطن نبی الرحمة یتیم

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۲۶

مراجعت مدینه

مراجعت مدینه: مکه کی فتح اور طائف کا (طویل) محاصره کرنے کے بعد رسول خدا اپنے رفقاء کی معیت میں مراجعت فرمائے مدینه هوئے ۔ اب پورے جزیرة العرب میں نه تو کسی کو یه همت تھی که آں حضرت کا مقابله کر سکے نه کسی میں اتنی سکت که (پہلے کی طرح) رسول الله کے متعلق طعن و تشنیع کے لیے زبان کو جنبش دے ۔ مہاجرین اور انصار دونوں (طبقے) اس خوشی سے پھولے نه سماتے تھے که الله نے اپنے نبی کو مسجد الحرام پر قبضه کرنے کی توفیق بخشی ، اهل مکه نے اسلام قبول کیا ، قبائل عرب جوق در جوق اسلام کے سامنے جھکنا شروع هو گئے اور رسول الله کو کچھ مدت عافیت و یک سوئی کے ساتھ مدینه میں رهنے کا موقعه نصیب هو گیا ۔

عتاب بن اسید کی تقرری: الغرض مسلمان مدینه واپس آ گئے که سکون کے ساتھ زندگی کے دن بسر هوں ۔ عتاب بن اسید کو مکه پر نائب مقرر فرماتے آئے اور حضرت معاذ بن جبل کو اهل مکه کا دینی معلم ، تاکه نوواردوں کی تربیت سے یک سوئی هو جائے ۔

مکه و حنین کی تسخیر نے تمام عرب پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی ۔ کل تک ملک کے جو ”اکابر مجرمیہا“ یه سودا لیے پڑے تھے که ان کے مقابله میں (جناب) محمد کے لیے اثر و نفوذ حاصل کرنے کی کوئی گنجایش هے ، نه ان کے جدید دین میں پذیرائی کی صلاحیت ، جن کے شعراء دین جدید کی هجو میں اپنے سرغنوں کی خوشنودیٔ مزاج کے لیے بلاغت و فصاحت کے دریا بہا دیتے وہ خود هی اسلام لے آئے ۔

تغیر احوال: قبائل جو صحرائی زندگی کے مقابله میں بہتر سے بہتر نظم و نسق کو ترجیح دیتے اور اپنے اس طرز بود و ماند کو کسی قیمت پر هاتھ سے دینا گوارا نه کرتے اپنی آزادی کی حفاظت کے لیے جان نثار کر دینا اپنا فخر سمجھتے، ان میں سے بے شمار لوگ اسلام میں داخل هو چکے تھے اور جو اس نعمت سے مستمند هوئے وه جناب محمد کی ظفرمندی اور اسلام کا نفوذ و پذیرائی دیکھ کر جامے میں پھولے نہیں سماتے ۔ تسخیر مکه سے گھر گھر خوشی کے شادیانے بجنے لگے ۔ کل تک جو شاعر آں حضرت اور دین جدید کی منقصت میں داد سخن دیتے تھے اور ملک میں جو چند اکابر و قبائل ایسے ره گئے جنھیں نه تو رسول خدا اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق هوا اور نه ابھی تک وه اسلام میں داخل هوئے تھے وه اپنی جگه کھوئے کھوئے پھر رهے تھے که اب ان کا موقف کیا هوگا ۔

ان شعرائے قادحین رسول صلعم میں کعب بن زهیر بھی پیش پیش رهتے مگر مکه فتح هو جانے سے قریش کے سرغنه هی سرنگوں هو گئے تو خالی الفاظ و حروف سے مقابله کرنے والوں کی پرسش کیا تھی! یه سماں کعب (مذکور) کے برادر حقیقی حضرت بجیر بن زهیر نے مکه میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جب ممدوح (بجیر) رسول خدا کی مشایعت میں طائف سے مکه واپس تشریف لائے تو انھوں نے کعب کی طرف خط لکھا که جن

لوگوں نے آں حضرت کو ایذائیں پہنچائیں یا آپ کی ہجو میں سبقت کی ان کی گردنیں ماری جا رہی ہیں اور جو لوگ گرفت سے بچ گئے ہیں وہ ادھر اُدھر سر چھپاتے پھرتے ہیں۔ بجیر نے کعب کو تاکید کی کہ جس قدر جلدی ہو سکے مدینه پہنچ کر معافی نامه پیش کرے۔ رسول الله ایسے لوگوں کو معاف کرنے میں ذرا تامل نہیں فرماتے۔ یه نہیں کر سکتے تو کسی دور دراز ملک میں نکل جائے۔

بجیر نے صحیح لکھا تھا که تسخیر مکه کے بعد رسول خدا نے چار ایسے اشخاص کو قتل کرایا جن میں ایک شاعر بھی تھا جو آں حضرت کی ہجو کرنے میں پیش پیش رہتا اور وہ شخص بھی تھا جس نے سیدۂ زینب بنت نبی صلعم کی تذلیل کی جب ممدوحه اپنے شوہر کی اجازت سے اپنے باپ (صلی الله علیه وسلم) کی ملاقات کے لیے جادہ پیما تھیں۔

بانت سعد: کعب اپنے بھائی کی نصیحت کے مطابق مدینه پہنچے اور شب کو اپنے ایک دوست کے ہاں پناہ لی اور فجر کی نماز کے بعد رسول خدا کی خدمت میں باریاب ہوئے اور جان بخشی کے بعد دربار رسالت میں قصیدہ پڑھا جس کا پہلا شعر ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول   متیم اثرها لم یغد مکبول

رسول الله نے کعب کو معاف فرما دیا۔ بعد میں انہوں نے مسلمان ہو کر خود کو حسن عمل سے ستودہ کر دکھایا۔

وفود

اب اسلام کا اثر قبائل تک نفوذ کرنے لگا۔ ہر طرف سے (ان کے) وفود امڈ کر (مدینه میں) رسول خدا کے سامنے خراج عقیدت پیش کر کے اعتراف اسلام کرنے لگے۔

قبیلۂ بنو طے کا وفد: ان کے امیر ''زید الخیل،، (نامی) تھے۔ آں حضرت صلوات الله علیه نے ان کے استقبال میں بے حد اہتمام فرمایا۔ ''زید الخیل،، کمالات معنوی کے ساتھ خوش کلام بھی تھے۔ (ان کی گفتگو) پر فرمایا ''اب تک عرب کے جن جن ارباب کمال کا تذکرہ میرے سامنے کیا گیا ان سے ملاقات پر میں نے انہیں بہت کم مرتبه پایا لیکن 'زید الخیل، کی خوبیاں ان کی شہرت کے مقابله میں بہت زیادہ دیکھنے میں آئیں!،، اور آں حضرت نے ان کا لقب (''زید الخیل'' کی بجائے) ''زید الخیر'' سے تبدیل فرما دیا۔

حاتم طائی کے فرزند و دختر کا قبول اسلام: عرب کے شہرہ آفاق حاتم طائی کے فرزند عدی (نام) مذہباً عیسائی تھے جو رسول خدا سے بے حد متنفر تھے۔ ملک میں آں حضرت کے اثر اور اسلام کی پذیرائی دیکھ کر تاب نه لا سکے اور بال بچے معه سامان و شتر ہمراہ لے کر شام میں منتقل ہو گئے جہاں ان کے ہم مذہب رہتے تھے۔ یه واقعه اس وقت رونما ہوا جب رسول خدا نے حضرت علی بن ابی طالب کو ۸ھ میں پچاس سپاہیوں کے ایک دستہ کے ہمراہ بھیجا که قبیلۂ طے کا صنم ''نابت'' نامی توڑ دیا جائے جہاں کے اسیروں میں حاتم طائی کی صاحب زادی بھی قید کر کے مدینه میں لائی گئیں۔

قیدی مسجد نبوی کے سامنے والے باغیچے میں نظر بند کیے گئے۔ حاتم کی صاحب زادی نے رسول خدا کو دیکھ کر واویلا شروع کر دیا:

یا رسول الله! غاب الرافد وانقطع الوالد وانا عجوز کبیرة مابی خدمه	یا رسول الله! میرا سرپرست روپوش ہے اور والد وفات پا چکے! میں کبرسنی کی وجه سے کام

فمن علی! من الله علیك - کاج کے قابل نہیں رہی - مجھ پر احسان فرمائیے- اللہ آپ پر کرم فرمائے گا -

رسول اللہ : تمہارا سرپرست کون تھا؟

بی‌بی : میرے سرپرست حاتم طائی کے فرزند عدی تھے جو خدا اور اس کے رسول سے بھاگ کر روپوش ہو گئے ہیں -

بی‌بی نے اپنے والد حاتم کی جود و سخا کا تذکرہ بھی کیا - رسول اللہ نے حضرت علی سے فرمایا ''انھیں خلعت و زاد راہ اور سواری کے لیے اونٹنی دے کر جو قافلہ سب سے پہلے جانے والا ہو اس کے ہمراہ واپس بھیج دیجیے!'' بی‌بی فرماتی ہیں ''شام میں جا کر یہ واقعہ میں نے اپنے بھائی کو سنایا تو وہ ازخود مدینہ جا کر رسول اللہ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئے -''

اسی طرح مکہ و حنین کی فتح اور طائف کے محاصرہ سے مدینہ واپس تشریف لے آنے کے بعد وفود کا تانتا بندھ گیا - یہ لوگ آتے اور رسالت مآب کی تصدیق و قبول اسلام سے مشرف ہوتے - آں حضرت اس وقفہ میں نہایت صبر و سکون کے ساتھ زندگی بسر فرما رہے تھے -

بنت نبی سیدۂ زینب کی وفات: لیکن سدا ایک سا وقت نہیں رہتا - رسول اللہ کی مسرت و شادمانی کا یہ دور بھی جلدی غم سے مبدل ہونے پر آ گیا -

جگر گوشۂ رسول سیدۂ زینب (علیہا السلام) عرصہ سے بستر علالت پر دن گذار رہی تھیں - گذشتہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب ممدوحہ نے سفر ہجرت کیا تھا تو حویرث و ہبار نے سیدہؑ کی سواری کو کونچا دے کر چمکا دیا تھا جس کی وجہ سے بی‌بی سواری سے گر پڑی تھیں اور جنین ہو گیا - اس صدمہ کی وجہ سے دن بدن ان کی صحت گرتی ہی گئی اور اسی مرض میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا -

رسولؐ خدا پر اولاد کے صدموں کی حد ہو گئی - سیدۂ زینب سے قبل بی‌بی ام کلثوم اور تیسری صاحب زادی سیدۂ رقیہ رحلت فرما چکی تھیں جن کے بعد اب صرف ایک صاحب زادی سیدۂ فاطمہ باقی رہ گئیں -

سیدۂ زینب کے شوہر (ابو العاص بن ربیع) بدر میں مسلمانوں کے خلاف نبرد آزمائی کے بعد اسیر کر لیے گئے - جب زینب نے سنا تو ان کے فدیہ کے لیے گلے کا ہار پیش کر دیا - رسول خدا اپنی صاحب زادی کا ان کے شوہر کے ساتھ حسن سلوک کا تذکرہ فرما کر زار زار رو دیتے کہ زینب نے خود مسلمان ہونے کے باوجود اپنے کافر شوہر کی وفاداری کا کیسا نمونہ پیش کیا ہے - یہی شوہر ہے جس نے زینب کے والد کے خلاف قتال میں حصہ لیا - تصور تو کیجیے اگر ابو العاص کی طرح خاتم الرسل کافروں کے ہاتھ میں گرفتار ہو جاتے تو وہ لوگ آں حضرت کو زندہ چھوڑ سکتے تھے؟

جگر گوشۂ رسول جناب زینبؑ نے سفر ہجرت میں جو صعوبتیں برداشت فرمائیں آں حضرت کبھی انھیں دھراتے کبھی صاحب زادی کے دین و تقویٰ کا سراپا بیان فرماتے، کبھی ان کے شدت مرض کا المیہ سناتے اور مرحومہ کی ایک ایک تکلیف کا بیان فرمانے کے بعد رو دیتے -

یہ تو جگر گوشہ ہی تھیں ، رسول خدا کا دل دوسروں کی مصیبت پر بھی اسی طرح پسیج آتا ۔ کسی کے بیمار پڑ جانے کی خبر سنتے تو کشاں کشاں اس کے ہاں تشریف لاتے ، ناداروں کی دست گیری شب و روز کا مشغلہ تھا اور مصیبت زدوں کے غم میں انہیں تشفی دینا گویا فریضہ بنا رکھا تھا ۔

آہ! صدموں کا یہ عالم! زینب نے آپ کے سامنے کراہ کر جان دی ۔ اس سے قبل ان کی دو بہنیں سیدۂ ام کلثوم و رقیہ قبر میں جا سوئیں ۔ بعثت سے قبل دو فرزند (از بطن سیدہ خدیجہ) آنکھیں بند کر کے موت کی گود میں چلے گئے ۔ یہ پیہم صدمے!

سیدنا ابراہیم کی ولادت: بارے غم کا بوجھ ہلکا ہونے کا وقت بھی آ گیا ۔ دن بدلنے کا انتظار زیادہ مدت تک نہ کرنا پڑا ۔ سیدۂ ماریہ (قبطیہ) کے بطن سے فرزند پیدا ہوا جس کا نام حضرت جدالانبیاء کے اسم مبارک کی برکت حاصل کرنے کے لیے ابراہیم رکھا گیا ۔

یاد رہے کہ ام المومنین ماریہ والئ مصر (مقوقس) کی طرف سے پیش کی گئی تھیں ۔ سید البشر نے بی بی کو تولید فرزند تک کنیز کے درجہ میں رکھا ۔ دوسری ازواج کی طرح ان کے لیے مسجد کے قرب میں حجرہ بنوانے کی بجائے مدینہ سے باہر ایک قریہ میں مکان مہیا فرما دیا جو آج بھی مشربۂ ابراہیم کے نام سے مشہور ہے ۔ اس گھر کو چاروں طرف سے انگور کی بیل نے گھیر رکھا تھا ۔

رسول اللہ یہاں اسی طرح تشریف لاتے جیسے کوئی اپنی باندی کے ہاں آتا ہو ۔ یہ بھی نقل ہو چکا ہے کہ بی بی ماریہ کے ہمراہ ان کی دوسری بہن تھیں سیرین نام جنہیں آں حضرت نے حسان بن ثابت کی زوجیت کے لیے عنایت فرما دیا ۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ سیدۂ خدیجہ کی رحلت کے بعد آں حضرت نے جن بیبیوں کو شرف مناکحت سے ممتاز فرمایا ان میں بعض نوجوان اور بعض ایسی ادھیڑ عمر بھی تھیں جن کے ہاں ان کے پہلے شوہر کی صلب سے اولاد بھی پیدا ہوئی لیکن حرم رسول میں منسلک ہونے کے بعد ان کی کوکھ خالی ہی رہی ۔

کہنا یہ ہے کہ آں حضرت کو بی بی ماریہ کی گود بھری ہوئی دیکھ کر کس قدر مسرت حاصل ہوئی اور اس عالم میں کہ سن مبارک ساٹھویں برس میں آ پہنچا ۔ اتنے بلند انسان کے قلب میں اولاد کی خوشی سماتی نہ تھی ۔ سیدۂ ماریہ جو کنیز کی حیثیت سے پیش ہوئی تھیں آج سے آں حضرت صلعم کی نگاہ میں دوسرے حرم کے مساوی بلکہ ان سے بھی زیادہ موقر رہنے لگیں ۔

ازواج رسول صلوات اللہ علیہا میں کسی کے بطن سے اولاد نہ تھی ۔ ماریہ ابراہیم کی ماں بن جانے کی وجہ سے اپنی تمام سوکنوں کے رشک کا مورد بن گئیں اور اس میں دن بدن شدت بڑھتی گئی ۔ مولود (ابراہیم) پر رسالت مآب کی نظر محبت لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگی جس سے حرم رسول کے ان رجحانات میں اور تلاطم بڑھتا گیا ۔

قابلہ کی خدمت بی بی سلمیٰ (زوجۂ ابو رافع) نے سرانجام دی ۔ مولود نو کے موئے فرق کے ہم وزن چاندی خیرات فرمائی ۔ ام سیف کو بچے کی رضاعت تفویض ہوئی جس کے لیے سات بکریاں عنایت ہوئیں ۔

رسالت مآب صلوات اللہ علیہ ہر روز مشربہ (دولت کدۂ ماریہ) میں تشریف لاتے اور اپنے فرزند کے حسن و جمال و معصوم تبسم کو دیکھ کر اپنا دل بہلاتے مگر یہ امور ان

ازواج رسول اللہ کے لیے طبعاً رشک کا باعث تھے جن کے بطن سے رسول خدا کے عقد میں آنے کے بعد کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی -

اسی دوران میں ایک مرتبہ آں حضرت صلعم ابراہیم کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے بی بی عائشہ کے ہاں تشریف لائے اور محبت پدری سے مولود کی طرف دیکھ کر ام المومنین سے فرمایا ''عائشہ! دیکھ رہی ہو، ہم دونوں میں کس قدر مشابہت ہے!،، ام المومنین نے ابراہیم کی طرف دیکھ کر عرض کیا ''آپ کے خد و خال اور ان کے چہرہ مہرہ میں تو بہت فرق نظر آتا ہے!،، ام المومنین نے جب یہ دیکھا کہ آں حضرت فرزند کو دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو رہے ہیں تو رشک میں اور شدت پیدا ہو گئی - عرض کیا ''ہر بچہ اسی طرح دودھ پی کر پنپتا آتا ہے، ابراہیم ہی پر کیا منحصر ہے - یہ تو ابھی کچھ بھی نہیں -،،

رسول خدا کے دوسرے حرم کو بھی ابراہیم کا وجود کھل گیا - ہر ایک کی زبان اور عمل سے آئے دن اسی قسم کی حرکات کا ظہور ہوتا رہا - ان واقعات نے اسلام اور رسول اللہ کی تاریخ میں بھی اپنا اثر پیدا کر لیا بلکہ قرآن مجید میں بھی یہ ذکر موجود ہے -

ایلا اور ازواج سے برہمی: ان واقعات کی وجہ سے ازواج اور آں حضرت کے درمیان شکر رنجی لازمی تھی جو اس حد تک رونما ہوئی کہ تاریخ اسلام کا ایک جزو بن گئی -

واضح رہے کہ رسول خدا نے ازواج کو جو تفوق بخشا اس کی نظیر قبل از اسلام عرب میں ملنا ناممکن تھا جیسا کہ حضرت عمر فرماتے ہیں: ''قبل از اسلام ہمارے معاشرہ میں عورت کی حیثیت پر کاہ کے برابر نہ تھی حتیٰ کہ اللہ نے ان کے لیے وحی قرآنی کے ذریعہ تفوق و برتری پر احکام نازل فرما دیے، جیسا کہ میں اپنے گھر میں ایک معاملہ میں کچھ مشورہ کر رہا تھا کہ میری بیوی مجھ سے پوچھے گچھے بغیر مجھے صلاح دینے لگیں - مجھے بے حد ناگوار گذرا - ان سے کہا 'میں نے تو آپ کو مشاورت کی تکلیف دی نہیں آپ دخل در معقولات فرمانے والی کون ہوتی ہیں؟' میری اہلیہ نے جواب دیا 'آپ کے معاملہ میں مجھے لب تک ہلانے کی جرات نہ ہو مگر جناب کی صاحب زادی نے رسول خدا کو اس قدر زچ کر رکھا ہے کہ آں حضرت کے خفا ہونے میں بھی کمی اٹھا نہیں رکھی!'، میں نے یہ سنتے ہی (اپنی) چادر کندھے پر رکھی اور (ام المومنین) حفصہ کے ہاں پہنچ کر کہا 'صاحب زادی! تم نے رسول اللہ کے ساتھ مناقشہ کر کے آں حضرت کو خود پر خفا کر رکھا ہے؟'

بی بی حفصہ: ہم نے ایسا ہی کیا ہے - آپ کو اس سے کیا غرض ہے؟

میں: اے حفصہ! میں تمھیں رسول خدا کے غصہ اور اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں مبادا تم اپنی ہم عصر (م—مراد از ام المومنین عائشہ) کے نقش قدم پر چلو! ان پر تو آں حضرت کی نظر لطف سب حرم کے مقابلہ میں بیش از بیش ہے -

میں یہاں سے نکل کر ام المومنین ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوا جو میری قرابت دار تھیں - ان سے یہ تذکرہ کیا تو (انھوں نے) اور زیادہ تنبیہ فرمائی کہ 'اے ابن الخطاب! تم رسول خدا کے ہر معاملہ میں دخل دینے لگے! آں حضرت کے گھریلو معاملات تک میں!'

مجھے سیدہ ام سلمہ کے زجر سے بے حد احساس ہوا اور میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا!،،

دوسری روایت: صحیح مسلم میں حضرت عمر بن الخطاب سے (دوسری روایت) مروی ہے کہ:

”میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر تھا - اتنے میں ابوبکر اجازت لے کر باریاب ہوئے - آں حضرت فرط غم سے سر جھکائے ہوئے خاموش بیٹھے تھے - تمام ازواج جمع تھیں اور سب کی سب مہر بہ لب -

”خیال گذرا کہ رسول اللہ کو ہنسنے پر مائل کیا جائے- میں نے عرض کیا 'یا رسول اللہ! اگر بنت خارجہ (اہلیۂ عمر) مجھ سے (ایسے) نفقہ کا مطالبہ کریں تو اس زور کی پٹخنی دوں کہ سر کے بل زمین پر گر پڑیں -، رسول خدا ہنسی ضبط نہ کر سکے اور فرمایا 'دیکھو! یہ سب مجھے اسی قسم کے مطالبہ میں گھیرے بیٹھی ہیں -،

”(یہ سن کر) ابوبکر اٹھے اور اپنی صاحب زادی جناب عائشہ کی گردن پر طمانچہ رسید کر کے فرمایا ”تم رسول خدا سے وہ شے طلب کرتی ہو جو آپ کے قبضہ میں نہیں -“ عمر نے اپنی دختر (سیدۂ) حفصہ کے تھپڑ مارا اور یہی فرمایا کہ ”تم رسول خدا سے وہ شے طلب کرتی ہو جو آپ کے قبضہ میں نہیں -“

عائشہ و حفصہ دونوں نے بیک زبان وعدہ کیا کہ ”اب سے ہم آپ سے کوئی ایسی چیز طلب نہ کریں گی جس پر آپ کو قدرت نہ ہو!“

اس موقعہ پر ابوبکر و عمر کے آں حضرت کے در دولت پر حاضر ہونے کا موجب یہ تھا کہ اذان ہو جانے کے باوجود رسول اللہ مسجد میں تشریف نہ لاسکے جو مسلمانوں کے لیے پریشانی کا باعث بن گئی -

حضرت ابوبکر اور عمر دونوں کے اس واقعہ سے جس کا تعلق (من جملہ مابقی امہات کے—م) ام المومنین عائشہ و حفصہ (ہر دو) سے بھی ہے یہ آیات نازل ہوئیں:

یا ایھا النبی قل لازواجك ان كنتن تردن الحیوٰة الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلاً وان كنتن تردن اللہ ورسوله والدار الآخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجراً عظیماً (۳۳ : ۲۸-۲۹) -

اے پیغمبر! اپنی بیبیوں سے کہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمھیں (کچھ) دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کروں اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور عاقبت کے گھر کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکو کار ہیں ان کے لیے خدا نے بڑے بڑے اجر تیار کر رکھے ہیں -

دوسرا واقعہ در بارۂ اکل شہد: (جیسا کہ لکھا جا چکا ہے— م) تمام حرم رسول مولود نو کی وجہ سے جناب ماریہ کے معاملہ میں متفق ہو چکی تھیں - اسی دوران مین یہ واقعہ رونما ہوا -

معمول مبارک یہ تھا کہ رسول پاک نماز عصر کے بعد حرم میں سے ہر ایک بی بی کے حجرہ میں ذرا دیر کے لیے تشریف لاتے - ایک روز سیدۂ حفصہ (وبروایت دیگر سیدہ زینب بنت جحش لیکن روایت ہذا کا تعلق اول الذکر سے ہے—م) ہاں تشریف لے گئے اور معمول سے زیادہ دیر لگا دی جس سے دوسری حرم رشک سے بے تاب ہو گئیں - ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں ”میں اور حفصہ دونوں اس پر متفق ہو گئیں کہ حضرت جس کے ہاں تشریف لائیں وہ عرض کرے 'یا رسول اللہ! دھن مبارک سے یہ مغافیر

کی سی بو کیسے آ رہی ہے؟ آپ نے کہیں مغافیر تناول تو نہیں فرما لیا؟'' (مغافیر کھانے میں شیریں مگر اس کی بو سے کراہیت پیدا ہوتی ہے) - رسول خدا کو بدبو سے بے حد نفرت تھی -

چنانچہ یکے بعد دیگرے دونوں کے ہاں تشریف لائے - بحسب قرار داد دونوں نے مغافیر کھانے کا شبہ ظاہر کیا اور آں حضرت نے دونوں سے فرمایا ''نہیں! میں تو زینب کے ہاں سے شہد کھا کر آیا ہوں - اگر یہی بات ہے تو آج سے شہد استعال نہ کروں گا -''

بروایت ام المومنین سودہؓ جو اس تجویز میں جناب عائشہ سے متحد تھیں ''آں حضرت میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے عرض کیا 'یا رسول اللہ! شاید آپ نے مغافیر کے پھل عرفط کا شہد استعال فرما لیا ہے!' اسی طرح جناب عائشہ نے عرض کیا جب ان کے ہاں قدم رنجہ فرمایا، اور سیدۂ صفیہ کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے بھی اسی طرح شبہ ظاہر کیا جس سے رسول اللہ نے متاثر ہوکر خود پر شہد کا استعال ہی حرام کر دیا -'' اس کامیابی پر سودہ نے فخر سے کہا ''سبحان اللہ! ہم کامیاب ہو گئیں -''، مگر بی بی عائشہ نے معنی خیز نظر سے دیکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا اور وہ چپ ہو گئیں -

یہ بیبیاں جن کا درجہ اب تک عرب کی عام عورتوں کا سا تھا کہ جو اپنے حقوق طلب کرنے میں مردوں کے سامنے زبان کھولنے کی جرات نہ کر سکتی تھیں لیکن پیغمبر خدا نے اپنے حرم کا درجہ ملک کی دوسری عورتوں کے مقابلہ میں بہت بلند فرما دیا تھا جس سے بیبیاں آں حضرت ہی کے معاملہ میں حد سے تجاوز کرنے لگیں کہ ایک پورا دن آں حضرت غم و رنج میں ڈوبے رہے - حرم میں سے ایک بی بی نے رسول پاک کے بالمواجہہ گفتگو ہی اس انداز سے کی جس سے آپ رنجیدہ ہو جائیں - اس سے قبل بارہا ایسا ہوتا رہا کہ بیبیوں میں سے جب کسی نے باہمی سوتیاپے کے اثر سے مزاج اقدس کے خلاف گفتگو کی تو آپ نے ان کے متعلق ظاہری ملاطفت کے دامن کا پھیلاؤ ذرا کم کر دیا تاکہ حدود ادب سے تجاوز نہ ہونے پائے، لیکن ابراہیم کی ولادت سے تمام ازواج کا رشک ناخوش گوار حد تک ابھر آیا - بی بی عائشہ نے رسول اللہ کے ساتھ مولود کی مشابہت تک سے انکار فرما دیا جس کا منشا شاید بی بی ماریہ (والدۂ ابراہیم) کو گناہ سے ملوث کرنا ہو -

ازواج کا آں حضرت سے گلہ شکوہ: اسی طرح ایک روز بی بی حفصہ اپنے والد حضرت عمر کے ہاں تشریف لے گئیں - ان کی موجودگی میں سیدۂ ماریہ حرم سرائے نبوی میں آئیں - رسول خدا اس موقعہ پر جناب حفصہ کے حجرہ میں رونق فرما تھے - بی بی ماریہ اسی حجرہ میں آ بیٹھیں - ذرا دیر بعد سیدۂ حفصہ واپس آئیں - بی بی ماریہ ابھی تک ان کے حجرہ میں موجود تھیں - حفصہ رشک سے بے قابو ہوگئیں - جونہی ماریہ ان کے حجرہ سے نکلیں سیدۂ (حفصہ) نے حجرہ میں پہنچ کر رسول خدا سے کہا ''میں نے ماریہ کو اپنے حجرہ میں دیکھ لیا ہے - آپ کے نزدیک میری ذرا برابر منزلت بھی ہوتی تو آپ مجھے اس کی وجہ سے اتنا ذلیل نہ فرماتے -'' رسول خدا حیران تھے کہیں یہ (حفصہ) عائشہ یا دوسری بیبیوں کے سامنے بھی میرا راز افشا نہ کر دیں - آں حضرت نے حفصہ کو مطمئن کرنے کے لیے ماریہ کو خود پر حرام کر دیا اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس واقعہ کا تذکرہ عائشہ سے نہ کریں - (سیدہ) حفصہ نے زبان سے یہ شرط تسلیم کر لی لیکن کسی انداز سے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ آپ کا یہ راز سب کے سامنے افشا کرنے کے بعد ہی حاضر ہوئی ہیں -

رسول خدا کو بارہا خیال گذرا کہیں یہ معاملہ عائشہ سے گذر کر دوسری بیبیوں تک نہ پہنچ گیا ہو۔ ممکن ہے کہ اسی وجہ سے سب یک زبان ہو رہی ہوں۔

اگرچہ واقعہ اہم نہ تھا۔ میاں بیوی کے درمیان مناقشات ہو ہی جاتے ہیں۔ اسی طرح آقا اور اس کنیز میں بھی باہم شکر رنجی پیدا ہو سکتی ہے جو اپنے آقا کے لیے (بمصداق و ما ملکت ایمانکم[1] — ۴ : ۲۸ —م) حلال ہو مگر سیدنا ابوبکر و حضرت عمر کی صاحب زادیوں کے شایاں نہ تھا کہ رسول خدا اور ماریہ کے معاملہ میں خود پر اس قدر کاوش گوارا فرما لیں، اگرچہ اس سے قبل بھی چند مرتبہ آں حضرت اور آپ کے حرم کے درمیان زندگی کے بعض مصارف یا سیدۂ زینب (بنت جحش) کے ہاں سے شہد تناول فرمانے پر مناقشہ ہو چکا تھا یا دوسرے دوسرے امور مثلاً سیدۂ عائشہ کی طرف مابقی حرم کے مقابلہ میں زیادہ انعطاف اور اسی طرح ماریہ پر مزید کرم و لطف کی وجہ سے۔

سیدۂ زینب بنت جحش اور بی‌بی عائشہ کا مناقشہ: اتنے ہی میں جناب زینب دوسرے حرم کو اپنے ساتھ ملا کر آں حضرت کی خدمت میں گلہ گذار ہوئیں کہ آپ نے (بی‌بی) عائشہ کو ہم سب پر ترجیح دے رکھی ہے چہ جائے کہ شوہر کو سب بیویوں کے ساتھ مساوی برتاؤ کرنا چاہیے۔ استدعا یہ ہے کہ اپنے ہر ایک حرم کے لیے ایک ایک دن کو نوبت مقرر فرما دیجیے۔ اس وفد میں یہ واقعہ بھی رونما ہوا کہ ام المومنین جنہیں اپنی ذات کی طرف رسول خدا کی کم رغبتی کا احساس تھا انہوں نے آں حضرت کی ”استرضاء“ کے لیے اپنی نوبت بی‌بی عائشہ کو تفویض فرما دی۔

اس موقعہ پر ایک اور حادثہ بھی رونما ہوا۔ سیدۂ زینب بنت جحش جو دوسرے حرم کو اپنے ساتھ شامل کر کے حاضر ہوئی تھیں ان سے بی‌بی عائشہ کے معاملہ میں بے جا شکر رنجی کا اظہار ہو گیا جس کے جواب کے لیے سیدۂ عائشہ کو آمادہ دیکھ کر آں حضرت نے انہیں (اشارے سے) منع فرما دیا لیکن سیدۂ زینب خود پر قابو نہ رکھ سکیں۔ بی‌بی عائشہ کی تحقیر میں اور زیادہ جرات پر اتر آئیں۔ آں حضرت ان کی یہ جرات دیکھ کر اس طرح خاموش ہو گئے جیسے آپ ہی نے (سیدۂ) عائشہ کو دفاع کے لیے متوجہ فرما دیا ہو۔ بی‌بی عائشہ نے حضرت زینب کو مغلوب کر لیا جس سے رسول خدا کی مسرت پھر لوٹ آئی۔

امہات المومنین کے باہمی رشک و رقابت کا نتیجہ (ایلا): امہات المومنین کی باہمی مناقشت و رقابت اس حد تک بڑھ گئی کہ انہیں آں حضرت کی طرف سے ایک دوسری کے ساتھ مدارات و عنایات تک کا تحمل دشوار ہو گیا۔ ان منازعات کا اثر یہ ہوا کہ آں حضرت کو ان میں سے بعض کو طلاق دے کر یک طرف کر دینے پر غور فرمانے کی نوبت آ گئی اور ابراہیم کی ولادت نے تو انہیں اور بھی زیادہ بے قرار کر رکھا تھا جس میں سب سے پیش پیش جناب عائشہ تھیں۔ بات یہ ہے کہ آں حضرت کے لطف و کرم ہی نے سیدۂ ممدوحہ کو اس قدر دلیر کر رکھا تھا۔

ادھر ختم المرسلین کے مشاغل اس قسم کے نہ تھے کہ رسالت جیسے فریضہ سے دامن بچا کر اس قسم کے مناقشات کو سلجھانے میں عمر ختم کر دیں۔ ضروری تھا کہ حرم کی تادیب و تنبیہ کا راستہ تجویز کیا جائے تاکہ خدا کی طرف سے عائد کردہ فرض کی تبلیغ یک سوئی سے فرما سکیں۔ لہٰذا خاتم الرسل نے اپنی تمام ازواج سے عارضی علیحدگی (یعنی

---

[1] ہاں (لڑائی کے قیدیوں میں سے) جو عورتیں تمہارے قبضہ میں آ گئی ہوں۔

یلا—م) کا ارادہ کر لیا ۔ اگر بیبیاں اپنی روش میں قطعی تبدیلی کر لیں تو فبہا ، ورنہ ان سے برملا فرما دیا جائے ”فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلا“ (۳۳ : ۲۸) (”اے میرے حرم! آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں“) ۔

آں حضرت صلعم پورا ایک مہینہ (تمام) ازواج سے کامل طور پر علیحدہ رہے ۔ ان کا ذکر کرنے سے بھی اجتناب تھا ۔ اصحاب میں سے کسی کو یہ جرات نہ تھی کہ اس وقفہ میں آپ کے پاس آئیں اور اس بارے میں گفتگو کر سکیں ۔ آخر نصف ماہ کے قریب توجہ گرامی اس امر پر منعطف ہوئی کہ مسلمانوں کو جزیرۂ عرب سے باہر دعوت اسلام ور اپنا وقار کس انداز سے قائم کرنا چاہیے ۔ اس طرف آں حضرت کو یہ فکر دامن گیر ور ادھر جناب ابوبکر و عمر اور وہ لوگ جن کے ساتھ رسول اللہ کی انہی دونوں کی سی قرابت تھی سب کے سب امہات المومنین کے معاملہ میں خوف زدہ کہ انہوں نے رسول خدا کو خود پر ناراض کرنے میں کس قدر غلطی کی ہے۔ مبادا انہیں خدا ، اس کے رسول ور ملائکہ کے غضب سے دوچار ہونا پڑے!

ایک روز تو یہاں تک افواہ اڑ گئی کہ رسول خدا نے حضرت عمر کی صاحب زادی کو یسے راز کے افشا کرنے کی وجہ سے طلاق ہی فرما دی ہے جس کے مخفی رکھنے کی انہیں (سیدہٗ حفصہ کو) تاکید فرمائی گئی تھی ۔ اس خبر کی وجہ سے مسلمانوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں ۔ بعض کی زبان سے یہ بھی نکل گیا کہ اب تو رسول خدا تمام بیویوں ہی کو طلاق دے کے رہیں گے ۔

ازواج اپنی جگہ بے قرار و نادم کہ ہم نے ایسے مہربان شوہر کو کیوں ستایا جو ہماری زندگی اور موت ہر حالت میں باپ ، بھائی اور بیٹے تک کے حصہ کا سلوک کرنے میں بھی پس و پیش نہ فرماتے ۔

اس زمانہ میں رسول خدا (مسجد میں نمازیں گذارنے کے سوا—م) پورے اوقات اپنے بالا خانے میں صرف کرتے جو ایک بلند مقام پر (حجرہ ہائے حرم—م) کے قریب تھا ۔ رباح نامی غلام دھلیز پر دربانی کرتے ۔ بالاخانے میں تشریف لانے کے لیے زینہ نہ تھا بلکہ کھجور کے خشک تنے کے سہارے اترتے اور اوپر تشریف لے جاتے جس میں آں حضرت کو بے حد زحمت برداشت کرنا پڑتی ۔

حضرت عمر کی طرف سے سعیٔ استرضاء: اسی انداز سے رسول اللہ نے اپنے بالا خانے میں وہ پورا ایک مہینہ گذار دیا جس میں آپ نے اپنے حرم سے علیحدہ رہنے کا التزام فرمایا تھا۔ س مہینہ کے آخری روز مسلمان مسجد میں غمگین بیٹھے ، سر جھکائے ہوئے مین کرید رہے ہیں ۔ ہر شخص اپنے دل میں غم لیے بیٹھا ہے کہ رسول خدا نے اپنے حرم کو طلاق فرما ہی دی ۔ سب کے چہروں پر ہوایاں اڑی ہوئیں ! ان میں حضرت عمر بھی تھے جنھوں نے آں حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد کر لیا ۔ رباح (دربان) کے ذریعے اجازت طلب کی مگر وہ (رباح) اس طرح گم سم کھڑے رہے جیسے رسول اللہ کی طرف سے اجازت طلب کرنے کا اذن بھی نہ ہو۔ جناب عمر کے دوسری مرتبہ اصرار پر بھی رباح اسی طرح کھڑے رہے ۔ تیسری نوبت پر عمر نے چلا کر کہا ”اے رباح! رسول اللہ سے میرے لیے اجازت طلب کیجیے ۔ شاید آں حضرت نے آپ کو اس لیے منع کر دیا ہو کہ میں اپنی صاحب زادی حفصہ کی سفارش کرنا چاہتا ہوں ۔ حاشا و کلا! اگر آں حضرت

مجھے حفصه کی گردن اڑا دینے کا حکم فرمائیں تو میں ایک لمحه کے لیے تامل نه کروں ۔،، اس پر اذن حاضری ھوا ۔

حضرت عمر بالا خانے میں بیٹھتے ھی رو دیے ۔ رسول خدا نے سبب گریه دریافت فرمایا ۔ بات یه ھے که حضرت عمر کو بالا خانے کے اسباب معیشت نے متاثر کر دیا تھا جس میں چار ھی قسم کی اشیاء تھیں :

(۱) سونے کے لیے ایک چٹائی جس کے نشان آں حضرت کے پہلو پر دکھائی دے رھے تھے۔
(۲) کس (چمڑا رنگنے کی چھال) ۔
(۳) ایک کھال ۔
(۴) مٹھی بھر جو۔

یه تھی رسول اللہ کی کل کائنات جسے دیکھ کر حضرت عمر ضبط نه کر سکے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا ۔

رسول خدا نے باعث گریه سننے کے بعد انھیں دنیا کی نعمتوں سے استغناء و طمانیت کی خوبیوں سے آگاہ فرمایا ۔ اس کے بعد عمر نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! آپ ازواج کے معامله میں اس قدر پریشان ھیں ۔ اگر آپ نے واقعی انھیں مطلقه قرار دے دیا ھے تو سہی! اللہ تعالیٰ آپ کا والی ھے ۔ اس کے فرشتے آپ کے نگہبان ھیں ۔ جبرئیل و میکائیل آپ کی حفاظت میں مامور ھیں ۔ میں آپ کی نصرت کے لیے سربکف ھوں ، ابوبکر آپ پر جان و مال سے نثار ھیں اور تمام مسلمان آپ کے مددگار و معین ھیں ۔ کس کی مجال ھے جو آپ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ سکے !''

اس کے بعد حضرت عمر نے رسول اللہ کے دل کا بوجھ ھلکا کرنے کے لیے کچھ اس انداز سے بات شروع کی جس سے ذرا دیر میں خفگی زائل ھو گئی اور آپ بے ساخته ھنس پڑے ۔ عمر نے یه کیفیت دیکھ کر سبقت کی ''یا رسول اللہ! مسلمانوں کا برا حال ھو رھا ھے ۔ وہ غم میں ڈوبے ھوئے ھیں اور مسجد سے نہیں اٹھتے که آپ نے ازواج کو طلاق دے دی ھے ۔ میں انھیں یه مژدہ سنانے جاتا ھوں که طلاق نہیں دی گئی ۔'' یه که کر حضرت عمر بالاخانے سے اتر کر مسجد میں آئے اور باآواز بلند پکار کر کہا که رسول خدا نے ازواج کو طلاق نہیں دی ۔ اس واقعه پر مندرجه ذیل آیتیں نازل ھوئیں:

(۱) یا ایها النبی لم تحرم ما احل اللہ لك تبتغی مرضات ازواجك واللہ غفور الرحیم (۶۶:۱) ۔	اے پیغمبر! جو چیزیں خدا نے تمھارے لیے حلال کی ھیں تم نے اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیوں حرام کر دیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ھے ۔
(۲) قد فرض اللہ لکم تحلة ایمانکم واللہ مولاکم وھو العلیم الحکیم (۶۶:۲) ۔	تم مسلمانوں کے لیے خدا نے تمھاری قسموں کے توڑ ڈالنے کا (بھی) ٹھہراؤ کر دیا ھے اور اللہ ھی تمھارا مددگار ھے اور (وہ) سب کے حال سے واقف (اور) حکمت والا ھے ۔
(۳) واذ اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثاً فلما نبات به واظھرہ اللہ علیه عرف بعضه واعرض عن	اور جب پیغمبر نے اپنی بیویوں میں سے کسی سے ایک بات چپکے سے کہی تو (اتفاق سے بات کا بتنگڑ بن گیا که ان بی بی نے دوسری بی بی کو

بعض فلما نباها به قالت من انباک هذا! قال نبانی العلیم الخبیر (٦٦: ٣)	اس کی خبر کر دی اور) جب انہوں نے اس کی خبر کر دی اور خدا نے پیغمبر پر اس کو ظاہر کر دیا تو پیغمبر نے کچھ (تو ان بی بی کو) جتایا اورکچھ ٹال دیا - پس جب پیغمبر نے جس قدر جتانا منظور تھا ان (بی بی) کو جتایا تو ان بی بی نے (حیران ہو کر پیغمبر سے) پوچھا کہ آپ کو یہ (سب) خبر کس نے دی؟ پیغمبر نے جواب دیا کہ مجھ کو خبر دی اس (خدا) نے جو سب کچھ جانتا (اور ہر طرح کی) خبر رکھتا ہے -
(٤) ان تتوبا الی الله فقد صغت قلوبکما وان تظاهرا علیه فان الله هو مولٰه وجبریل وصالح المومنین والملائکة بعد ذالك وظهیر (٦٦: ٤) -	سو (پیغمبر کی دونوں بیبیو!) اس حرکت سے خدا کی جناب میں توبہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے کیوں کہ تم دونوں نے کج راہی اختیار کی ہے اور اگر پیغمبر کے خلاف سازشیں کروگی تو ان کا (حامی و مددگار) الله ہے اور جبریل علیه السلام اور (اچھے) نیک مسلمان اور ان کا پروردگار ان کے علاوہ (دوسرے) فرشتے (بھی) پیغمبر کے (حامی و) مددگار ہیں -
(٥) عسی ربه ان طلقکن ان یبدله ازواجاً خیراً منکن مسلمات مومنات قانتات تائبات عابدات صالحات ثیبات وابکاراً (٦٦: ٥) -	اگر پیغمبر تم (عورتوں) کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار ان کے لیے تمہارے بدلے تم سے بہتر بیبیاں بہم پہنچاوے فرماں بردار (باایمان) نمازی (خدا کی جناب میں) توبہ کرنے والیاں ، عبادت گزار ، روزے دار ، دوھاجنیں اور کنواریاں -

ازواج رسول (صلی الله علیه وسلم) کی آنکھیں کھل گئیں - معاملات یوں آ کر سلجھ سکے- اب سے رسول خدا کے لیے ہر بی بی صافی القلب اور مطیع فرمان ہو کر پیش آنے لگی اور آں حضرت ہمیشه کی طرح ان خانگی وظائف پر متوجه ہو گئے جن کے بغیر کسی انسان کو مفر نہیں -

دوستو! راقم مولف نے اس سلسله میں امور ذیل کی ترتیب پوری وضاحت سے نقل کر دی، یعنی:

(الف) آنحضرت صلوات الله علیه کا اپنے ازواج سے ایلا (علیحدگی) -
(ب) آپ کا بحکم خداوندی ازواج کو تخییر طلاق -
(ج) ان حوادث اور ان کی دوسری کڑیوں کے مقدمات و نتائج -

اور ان حوادث کے متعلق ہر اس صحیح روایت کو مسطور کر دیا ہے جو حدیث و تفسیر یا سیرت کی کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں ، ایک دوسری (روایت) سے مربوط و اور باہم دگر موید - ماسوائے ازیں که اس سلسله کے تمام مرویات نه تو کسی ایک جگه منقول ہیں اور نه اس ترتیب کے ساتھ منسطور جس صورت میں انہیں ہم نے نقل کیا ہے -

ہمارے لیے یہ مشکل قدم قدم پر سد راہ بن گئی کہ بعض مسلمان سیرنگار حضرات ان حوادث پر صرف ایک نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گئے اس لیے کہ انھیں ترتیب و مقدمہ و نتیجہ میں ناقابل برداشت کاوش کا سامنا کرنا پڑتا اور بعض مسلمان سیرت نویس ایلا (علیحدگی) کا سبب عسل و مغافیر کو بیان کرنے کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ گئے ۔ یہ جامعین حضرت حفصہ و ماریہ کے واقعات پر توجہ بھی نہ کر سکے ۔

حضرت حفصہ و ماریہ کے قضیہ پر مستشرقین کی غمازی: مسلمان مورخین کے برخلاف بعض مستشرقین نے اس راہ میں ایک نئی چال اختیار کر لی کہ انھوں نے رسول خدا کی علیحدگی (ایلا) کا مبنیٰ صرف جناب حفصہ و ماریہ کے واقعہ کو ثابت کرنے کی کوشش میں اپنی تمام عمر ختم کر دی—یہ کہ رسول خدا نے حفصہ سے کس لجاجت کے ساتھ ماریہ کا معاملہ عائشہ سے چھپانے کا وعدہ لیا اور بی بی (حفصہ) سے فرمایا کہ اب سے میں خود پر ماریہ کو حرام کرتا ہوں ۔

اسلام کے ان مہربان مستشرقین نے ایلا (علیحدگی) کے مقدمات میں سے صرف اسی ایک واقعہ پر اپنی توجہ مرکوز رکھی تاکہ اپنے مسیحی ہم مذہبوں کے سامنے ثابت کر سکیں کہ رسول آخر الزماں کی عظمت قائم نہ ہو سکے۔ اللہ رے انصاف!

تاریخ دنیا کے بلند پایہ انسانوں میں سے کسی کے متعلق اس قسم کی لغزش ثابت نہیں کر سکی چہ جائیکہ (جناب) محمد جیسی شخصیت ، ہر یگانہ و بے گانہ کے مونس و غم خوار محمد ، ہمہ وقت بنی نوع بشر کی محبت کے نشہ میں سرشار، ان تمام صفات سے متصف جنھیں محققین نے آن حضرت کی ذات میں تسلیم کیا ہے ۔ کیا یہ جلیل القدر انسان صرف اس بات پر اپنے تمام ازواج سے علائق قطع کر سکتا ہے کہ خود آپ ہی کی مملوکہ کنیز کے ساتھ آپ کو ان کی ایک منکوحہ حرم نے خلوت میں دیکھ کر اپنی دوسری ہم عصر (جناب عائشہ) کو بھی بتا دیا؟ عجیب ! اور کیا یہ ممکن ہے اتنا رفیع المنزلت انسان اتنی سی بات پر اپنے حرم سے یوں کنارہ کشی اختیار کر لے اور انھیں طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے؟

اگر ان واقعات کو ایمان دارانہ ترتیب کے ساتھ باہم منسلک کیا جائے تب ایسے صحیح نتائج کا استنباط ممکن ہے جو عقل صریح اور علم صحیح کے معیار پر پورا اتر سکیں جیسا کہ ہم نے ان حوادث کی تنقیح کا فریضہ سرانجام دیا ہے جو حضرت محمد جیسی بے بدل شخصیت کی عظمت و شان کے مطابق ہے ۔

مستشرقین کی حرف گیری کا جواب: سورۂ تحریم کی جو آیات نقل کی گئی ہیں بعض مستشرقین انہی آیتوں کو اپنے اعتراضات کا ذریعہ بنا کر فرماتے ہیں ”قرآن کے ماسوا دوسری آسمانی کتابوں میں کسی نبی کے متعلق اس قسم کا حادثہ منقول نہیں“، لیکن اگر ہم :

(۱) آسمانی کتابوں سے جن میں قرآن بھی شامل ہے قوم لوط کے جنسی مشاغل کا اقتباس پیش کریں جنھیں ہر شخص جانتا بھی ہے؟

(۲) نبی اللہ حضرت لوط کے ان دو مہمانوں کی سرگذشت جو حقیقت میں فرشتے تھے مگر خوش رو بلند بالا قامت امرد لڑکوں کے روپ میں حضرت لوط کے ہاں اجنبی مہمان بن کر آئے اور۔۔۔ ہا ! یہ تذکرہ تورات ہی میں منقول ہے ۔

۱- تورات: پیدایش باب ۱۹ آیت : ۱ تا ۲۵—م-

(۳) تورات ہی میں نبی اللہ حضرت لوط کی بیوی کی وہ داستان بھی مسطور ہے جس کی پاداش میں وہ اپنی بدچلن قوم کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہوئیں۔

(۴) اور تورات ہی میں نبی اللہ جناب لوط اور ان کی دونوں صلبی صاحب زادیوں کے شرم ناک اختلاط کی حکایات بھی درج ہیں۔ جب رات کو ایک صاحب زادی نے اپنے باپ کو دھوکے سے شراب پلا دی اور جب وہ ہوش کھو بیٹھے تو ان سے ---! اسی طرح دوسری دختر نے خدا کے پیغمبر حضرت لوط کو جو اس کے حقیقی باپ بھی تھے شراب پلا کر مدھوش دیکھا تو یہ بھی ان سے ---! حضرت لوط کی دونوں صاحب زادیوں نے اس لیے اپنے باپ سے نطفہ حاصل کیا کہ ان کی قوم عذاب آ جانے سے فنا ہو چکی تھی۔ انہیں فکر لاحق ہوئی کہ مبادا قوم ختم ہو جائے، وہ اپنے باپ ہی کے نطفے سے تناسل[۱] کا انتظام کیوں نہ کر لیں۔

ہر آسمانی کتاب انبیاء کے واقعات دوسروں کی عبرت کے لیے پیش کرتی ہے اور قرآن میں بھی ایسے واقعات منقول ہیں جنہیں خداوند عالم نے احسن پیرایہ میں بیان فرمایا۔ جناب محمد بھی دوسرے پیغمبروں کی مانند خدا کے رسول ہیں جن کا یہ قصہ قرآن مجید میں منقول ہے۔

پس اگر قرآن کسی واقعہ کو نقل کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے بیان کرنے سے مسلمانوں کے سامنے رسول خدا کی سیرت میں سے ایک مثال پیش کرنا مقصود ہے تاکہ ان کے پیرو اس مثال سے اپنے لیے مشعل راہ کا کام لے سکیں۔ کتب سماوی میں انبیاء کے واقعات بیان کرنے میں یہی حکمت کار فرما ہے۔ اس لیے اگر انبیائے کرام میں سے کسی نبی کی سیرت کا تذکرہ قرآن مجید میں منقول ہے یا کسی اور سماوی کتاب میں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

---

[۱] اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیوں کہ اسے ضغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ! ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو انہوں نے اسی روز اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی! اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ آؤ! آج رات بھی اسے مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی۔ پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام موآب رکھا۔ وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا اور اس کا نام بن عمی رکھا۔ وہی بنی عمون کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں (پیدائش باب ۱۹ از ۳۰ تا ۳۸)۔

رسول خدا کا اپنے حرم سے ایلا کسی ایک واقعه پر موقوف نہیں نه اس پر مبنی که حضرت رسالت مآب کا اپنے حرم سے ایلا کسی ایک واقعه پر موقوف هے نه اس پر مبنی که حضرتؐ حفصه نے آں حضرت کو بی بی ماریه کے ساتھ خلوت میں دیکھ کر اپنی هم عصر بی بی عائشه کے سامنے بیان کر دیا ۔ کیا خاوند کا اپنی اهلیه یا آقا کا اپنی کنیز سے یه تعلق رکھنا جرم هے؟

قارئین نے مستشرقین کے ان اتهامات کا مطالعه کر لیا ، تاریخی حیثیت سے جس کی کوئی حقیقت نہیں ۔ نه وه سابقه آسانی کتب ان کی موید هیں جن میں انبیاء کے حرف و حکایات اور سیرت کے واقعات جا بجا منقول هیں ۔

۲۷

غزوۂ تبوک اور وفاتِ ابراہیمؓ

صادق امین عبداللہ حیات محمد کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

خلیل قریب مشرف مطہر مذکر مبشر قوی مقتصد شکور مجیب حسیب صفی اللہ

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول اخر ظاہر باطن نبی رحمۃ یتیم

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۲۷

غزوۂ تبوک اور وفات ابراہیم

یہ خانگی حوادث جو رسول اللہ اور آپ کی ازواج کے درمیان رونما ہوئے معمولات کی عام رفتار پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ مکہ فتح ہو جانے سے اسلام کی اہمیت میں اضافہ ہو گیا۔ قبائل عرب میں اس کی عظمت قائم ہو گئی۔ بیت اللہ جو سدا سے عرب میں زیارات و حج کا مرجع تھا اس کے مختلف مناصب از قسم کلید بزداری و سبیل اور دوسرے دوسرے امور کی تقسیم و اعطاء اب کلیہ" جناب محمد صلعم کے اختیار میں تھی جس میں اسلام کے دستور پر عمل فرمایا جاتا۔ بیت اللہ اور کعبہ پر مسلمانوں کے قبضہ نے ان کے مشاغل میں اور اضافہ کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو ریاست میں خرچ کرنے کے لیے محاصل (آمدنی) کی فکر ہوئی۔ انہیں یقین تھا کہ جزیرۃ العرب کا چپہ چپہ اسلام کے زیر نگیں ہونے کو ہے۔ تجویز ہوا کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ اور غیر مسلم (عرب) پر خراج مقرر کیا جائے۔ آخر الذکر طبقہ کو بار خاطر تو ہوا لیکن مسلمانوں کے اقتدار کے سامنے انہیں سرتابی کی جرات نہ ہو سکتی تھی۔

تحصیل داران وصول زکوٰۃ: مکہ فتح کر لینے کے تھوڑی مدت بعد پیغمبر خدا نے وصول زکوٰۃ کے لیے تحصیل دار نام زد فرمائے جنہیں ہر اس قبیلہ کی طرف بھیجا گیا جو اسلام لا چکا تھا۔ انہوں نے نہایت خندہ روئی اور اطاعت کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور پوری فراخ دلی کے ساتھ اپنے اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کی ماسوائے دو قبیلوں (بنوتمیم کی شاخ بنوعنبر اور بنومصطلق) کے۔

بنوتمیم کی طرف سے تحصیل داران زکوٰۃ پر اچانک حملہ: محصلین زکوٰۃ کے تقاضا کرنے سے قبل ان لوگوں نے زہ کمان پر چڑھا لی اور مسلمانوں پر تیروں کی باڑھ چلانا شروع کر دی۔ مسلمان جنگ کے لیے تو گئے ہی نہ تھے واپس لوٹ آئے۔ یہ ماجرا رسول اللہ نے سنا تو عیینہ بن حصن کی سپہ سالاری میں پچاس سپاہیوں کا دستہ بنوعنبر کی سرزنش کے لیے بھیجا جن کے حملہ کی تاب نہ لا کر وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان ان کے پچاس سے زیادہ اسیر لے کر مدینہ واپس لوٹ آئے جنہیں نظر بندی میں دے دیا گیا۔

وفد بنوتمیم کی آمد اور مفاخرہ: ہر چند بنوتمیم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور فتح مکہ و حنین میں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے مگر ان کا ایک حصہ ابھی تک کفر پر قائم تھا۔

آخر الذکر گروہ کا وفد مدینہ آیا اور مسجد میں پہنچ کر رسول اللہ کے دولت خانہ کے سامنے آ کر باآواز بلند ”یامحمد! یامحمد!“ کہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ کو ان کا یہ طرز خطاب پسند نہ آیا۔ اگر نماز ظہر کے لیے مسجد میں تشریف لانا ضروری نہ ہوتا تو آں حضرت ایسے لوگوں کو باریاب نہ ہونے دیتے۔ ادائے ظہر کے بعد انہوں نے اپنا حال کہنا شروع کیا کہ عیینہ نے کس طرح انہیں گھیرے میں لے کر ان کے

آدمی اسیر کر لیے ، فتح مکہ میں اپنے قبیلہ کی شرکت کا تذکرہ ، ملک میں اپنے مرتبہ کی حکایت—الغرض اپنے لیے جو کچھ مناسب سمجھا پیش کرنے کے بعد کہا ''اے صاحب! ہم لوگ آپ کے ساتھ مفاخرہ کرنے کے لیے آئے ہیں - اپنے ان شعراء اور خطیبوں کو بلا لیجیے جو ہمارے شاعر اور خطیب سے مفاخرہ کر سکیں -''

رسول خدا نے ان کا یہ مطالبہ بھی منظور فرما لیا - بنوتمیم کی طرف سے ان کے خطیب عطارد بن حاجب اٹھے اور مجلس کے سامنے اپنا خطبہ بیان کیا - ان کے بعد مسلمانوں کی طرف سے جناب ثابت بن قیس حلقہ میں تشریف لائے اور عطارد کے مقابلہ میں خطبہ دیا -

شاعری میں مفاخرہ پر بنوتمیم کی جانب سے زبرقان بن بدر حلقہ میں آئے اور اپنے قبیلہ کے محاسن پر داد سخن سے مجلس کو گرما دیا - ان کے جواب میں حضرت حسان بن ثابت نکلے جنھوں نے اسلام کے محاسن پر اس قسم کا قصیدہ پڑھا جس پر بنوتمیم کے ایک سردار اقرع بن حابس نے اعتراف شکست میں یہ الفاظ کہے ''ہمارے حریف کی پشت پر کوئی غیبی قوت کار فرما ہے - ان کے خطیب ہمارے خطیب کے مقابلہ میں زیادہ فصیح ہیں - ان کے شاعر ہمارے شعراء کے سامنے کہیں زیادہ بلیغ ہیں - اُن کے خطیب اور شاعروں کی آواز ہمارے خطیب و شعراء سے بلند اور خوش گوار ہے'' اور اس کے بعد سب نے اسلام کا اقرار کر لیا - رسول خدا نے ان کے تمام زن و بچے رہا کر کے انھیں عزت و احترام کے ساتھ واپس فرمایا -

دوسرا سرکش گروہ (بنومصطلق): جونہی انھوں نے فرستادگان رسالت پناہ کو اپنی طرف آتے دیکھا دھن سائی اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے مگر جب کچھ دور جانے کے بعد ہوش ٹھکانے آئے تو رسول اللہ کی خدمت میں یہی عذر گناہ پیش کیا کہ ''آپ کے فرستادوں کو دیکھتے ہی ہمارے حواس گم ہو گئے اور ہم اسی بدحواسی میں بھاگ اٹھے - یا رسول اللہ ہمیں معاف فرما دیجیے'' اور انھیں معاف فرما دیا گیا -

چار دانگ عرب میں اسلام کا طنطنہ: ملک کے چپہ چپہ پر حضرت محمد کی ہیبت چھائی جا رہی تھی - جو قبیلہ آپ کے خلاف سر اٹھاتا رسول خدا اس کی سرکوبی کے لیے تھوڑی بہت فوج بھجوا دیتے - جو ان میں سے اپنے سابق دین پر رہنا چاہتا اسے خراج کا پابند کر کے چھوڑ دیا جاتا اور جو اسلام قبول کر لیتا اسے ادائے زکوٰۃ کا مکلف ہونا پڑتا -

روم کی مسیحی حکومت کا جنگی اقدام: اس وقفہ میں رسول خدا کی تمام تر توجہ عربستان پر اسلامی اقتدار مسلم ہونے میں اس طرح منعطف تھی کہ ملک کے کسی حصہ میں اسلام کے کسی دشمن کو سر اٹھانے کی جرات نہ ہو سکے - اتنے ہی میں یہ خبر سننے میں آئی کہ روم کا مسیحی بادشاہ (ہرقل—''زاد المعاد'') عرب کے شمال میں لشکر جرار جمع کر رہا ہے تاکہ (مقام) موتہ میں مسلمانوں نے عیسائیوں کے مقابلہ میں جس پامردی سے جم کر مقابلہ کر کے عرب میں اپنی دھاک بٹھا دی اور ان سے پہلے ایرانیوں نے حیرہ میں عیسائیوں کو مغلوب کر کے اہل عرب سے اپنی بہادری کی سند حاصل کر لی دونوں (مسلمان اور مجوس) کا طنطنہ ملک سے محو کر دیا جائے -

رومیوں کی تیاری کی خبریں بجلی کی طرح اطراف ملک میں پھیل گئیں - رسول خدا ہمہ تن اس پر متوجہ ہو گئے اور اپنی سپہ سالاری میں اس غزوہ کا اعلان فرما دیا - آں حضرت نے تہیہ کر لیا کہ مسیحیت پر ایسی ضرب لگائی جائے جس سے ان کے منہ پھر جائیں اور پھر کبھی انھیں مسلمانوں کے سامنے آنے کی جرات نہ ہو -

لیکن موسم کا یہ حال کہ گویا دوزخ نے منہ کھول رکھا ہے۔ دشت و جبل کرۂ نار بنے ہوئے تھے۔ بلا کی ھمس' ۔ قدم قدم پر جان کنی کا خطرہ۔ اس پر مدینہ سے لے کر تبوک تک طویل مسافت جس کے لیے ہمت کے ساتھ زاد راہ اور پانی کی ضرورت تھی۔

رسول خدا نے ارادہ فرما لیا اور اس مرتبہ ھمیشہ سے مختلف انداز میں اعلان فرما دیا کہ یہ سفر کس مقام کا ہے۔ ورنہ آن حضرت ایسے موقع پر اخفاء سا فرماتے تاکہ دشمن کو مسلمانوں کے آنے کی خبر نہ ہونے پائے۔ مگر اس مرتبہ اظہار سے مقصد یہ تھا کہ مسلمان پوری طرن سے تیاری کر لیں۔

رسول خدا نے ملک میں چاروں طرف قاصد دوڑا دیے تاکہ مسلمان پوری جمعیت کے ساتھ مسیحی ٹڈی دل کی مضرت سے بچنے کے لیے نکلیں اور اپنے سفیروں کو تاکید فرما دی کہ ھر مسلمان اپنی مقدرت کے مطابق مال و اسباب بھی اسی راہ مین پیش کرے تاکہ مسیحی فوجیں جنھیں اپنی کثرت پر اس قدر فخر ہے مسلمانوں کی جمعیت اور کثرت دیکھ کر متاثر ہو سکیں۔

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایسی مشقت میں پڑنے سے کیا حاصل تھا جس کی وجہ سے انھیں اپنے زن و بچہ سے علیحدہ ھونا پڑتا۔ مال و دولت سے چشم پوشی کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ شدید گرمی اور بے آب و گیاہ صحرا کی طویل منزلیں طے کرنا پڑتیں پھر ایسے قوی دشمن کے خلاف صف آرائی جس سے کل موتہ میں مقابلہ ہوا تو مسلمان اسے شکست دیے بغیر واپس لوٹ آئے؟ اس سے بھی کہیں سوا دشواریاں تھیں لیکن مسلمانوں کا اللہ پر ایمان، اس کے رسول کے ساتھ محبت اور دین الٰہی سے لگاؤ نے ان کے جذبۂ شوق و محبت میں ایسا تلاطم پیدا کر دیا کہ صحرا اپنی وسعت کے باوجود ان کی کثرت کے سامنے عاجز آ گیا۔ وہ اموال اور گلہ ھائے شتر جن کی کشش انھیں آگے قدم بڑھانے سے روک سکتی تھی انھوں نے اس مال مویشی ھی کو اپنے ساتھ لے لیا۔

مسلمان مسلح ہو کر چمکتی ہوئی زرھیں پہنے ہوئے اس انداز سے نکلے کہ ان کے طمطراق کی خبر سن کر دشمن میں مقابلہ کرنے کی ھمت نہ رہے۔ ایسے بہادروں کے لیے منزل کی صعوبت، گرمی کی شدت، بھوک اور پیاس کی دقت کیوں کر دخل انداز ہو سکتی ہے!

غزوۂ تبوک کے زمانے میں مسلمانوں کے دو گروہ تھے:

(الف) کامل الایمان، قلوب نور ھدایت سے منور رواں رواں ایمان کی روشنی سے پر ضیا۔

(ب) طمع اور خوف کی وجہ سے اسلام کا اقرار کرنے والے! لالچ تھا اس مال سے حصہ لینے کا جو ان قبائل سے حاصل ھوتا جنھوں نے نہ تو اسلام قبول کیا تھا نہ انھیں مسلمانوں کے سامنے دم مارنے کی ھمت تھی، اور آخر ناچار انھیں جزیہ دینا پڑتا۔ اور خوف تھا اس قسم کے (نام نہاد) کلمہ گویوں کو خالص مسلمانوں کی اس سطوت کا جس کی وجہ سے عرب کا کوئی قبیلہ ان کے مقابلہ پر صف آرا نہ ھونا چاھتا (یعنی مدینہ کے یہ منافق اب تک اس لیے ظاھری اسلام اور باطنی کفر پر جمے ہوئے تھے کہ اگر اسلام سے انکار کرتے ھیں تو مسلمانوں کی آمدنی میں سے حصہ ایک طرف الٹا جزیہ دینا پڑتا ہے اور مقابلہ کرتے ھیں تو مدینہ کے یہودیوں کی طرح استیصال ہوتا ہے ــــ م)۔

مسلمانوں کے پہلے گروہ (الف) نے رسول خدا کی غزوۂ تبوک کی دعوت پر بلا تامل لبیک کہا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان میں سے بعض حضرات ناداری کے ھاتھوں اتنے

طویل سفر کے لیے اپنے لیے سواری کے انتظام سے قاصر تھے۔ اگرچہ ان میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے رضا و رغبت کے ساتھ اپنے اموال میں سے کثیر حصہ پیش کر دیا۔ ان لوگوں کے مدنظر راہ خدا میں فائز بہ شہادت ہو کر اللہ تعالیٰ کا قرب اور حضوری تھا۔

مگر دوسرا حریص و طامع گروہ جہاد کے نام سے جن کے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا رسول اللہ کی اس دعوت پر حیلہ سازی پر اتر آیا۔ باہم سرگوشیاں کرنے لگے۔ موسم گرما اور بعد مسافت کی وجہ سے جہاد پر تمسخر اڑانا شروع کر دیا۔ یہ منافقوں کا طائفہ تھا۔ ان کے اسی معاملہ پر سورۂ توبہ نازل ہوئی جس میں ایک طرف جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت و اصابت اور اس کا دوسرا پہلو مسلمان کہلا کر رسول کی اس دعوت سے انکار پر تعذیب کا خوف دلانا مقصود تھا۔

اس دعوت کے موقعہ پر منافقین نے ایک دوسرے سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ”ایسی گرمی میں گھر سے نہ نکلنا“، یعنی ”لا تنفروا فی الحر (۹ : ۸۲) جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وقالوا لاتنفروا فی الحر! قل نار جہنم اشد حراً لو کانوا یفقھون۔ فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیراً جزاء بما کانوا یکسبون (۹ : ۸۱-۸۲)۔

اور لوگوں کو بھی سمجھانے لگے کہ ایسی گرمی میں (گھر سے) نہ نکنا! اے پیغمبر! (ان لوگوں سے) کہو کہ گرمی تو آتش دوزخ کی بہت زیادہ ہے۔ اے کاش! ان کو اتنی شمجھ ہوتی۔ تو (ایک دن ہوگا کہ) یہ لوگ ہنسیں گے کم اور روئیں گے بہت (اور یہ) بدلہ (ہوگا) ان اعمال کا جو (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

ان منافقوں ہی میں سے جد بن قیس (از قبیلہٴ بنوسلمہ) سے رسول خدا نے فرمایا:

”تم بنواصفر (رومی عیسائی) کے ساتھ جہاد کے لیے نہیں چلوگے؟“

جد: یا رسول اللہ! مجھے اپنے ہمراہ نہ لے چلیے۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کے معاملہ میں کس قدر حواس باختہ ہوں۔ بنواصفر کی عورتیں حسن و جمال میں شہرہ آفاق ہیں۔ انہیں دیکھ کر میں خود پر قابو نہ پا سکوں گا۔

آں حضرت صلعم نے جد کی طرف پشت مبارک فرما دی۔ بعد میں اسی کے جواب پر یہ آیت نازل ہوئی:

ومنھم من یقول ائذن لی ولا تفتنی الا فی الفتنۃ سقطوا و ان جہنم لمحیطۃ بالکافرین (۹ : ۴۹)۔

اور ان (ہی منافقوں) میں وہ نابکار بھی ہے جو تم سے درخواست کرتا ہے کہ مجھ کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دیجیے اور مجھ کو (حسینان روم) کی بلا میں نہ پھنسائیے۔ سنو جی! یہ لوگ بلائیں تو (آ ہی) گرے (حسینان روم) کی بلا نہ سہی نافرمانیٴ خدا کی بلا سہی اور بے شک جہنم (سب) کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

منافقین نے عوام و خواص کو ورغلانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کیں مگر رسول اللہ نے بھی ان لوگوں کے محاسبہ میں فروگذاشت نہ ہونے دی اور ایسے غداروں پر گرفت کا پورا تہیہ فرمالیا۔

یہودی کے گھر میں آتش زنی: جونہی اطلاع پیش ہوئی کہ سویلم یہودی کے ہاں کچھ لوگ جمع ہیں جو لوگوں کو شرکت غزوہ سے روکنے کی سازش کر رہے ہیں آن حضرت صلعم نے جناب طلحہ بن عبیداللہ کی سربراہی میں چند مسلمانوں کو بھجوا کر سویلم کے گھر میں آگ لگوا دی۔ آگ کے شعلوں سے گھبرا کر ایک فتنہ جو چھت سے کود پڑا اور اپنا پاؤں توڑ بیٹھا۔ باقی لوگ بھاگ نکلے۔ اس واقعہ کے بعد کسی منافق و دشمن کو زبان سے بات نکالنے کی جرات نہ ہوئی۔ رسول اللہ کی ایک ہی گرفت نے سب کے حواس درست کر دیے۔

جیش عسرہ (یا تبوک) کے لیے مال و اسباب کی فراہمی: رسول اللہ کی نگہداشت سے ہر یگانہ و بیگانہ کو موقعہ کی اہمیت کا احساس ہوگیا۔ (آن حضرت صلعم کی تحریک پر) دولت مند مسلمانوں نے جی کھول کر مالی امداد پیش کی۔ حضرت عثمان بن عفان نے ایک ہزار درہم نقد اور تین سو اونٹ بمعہ پالان و نکیل (”زادالمعاد“—م) پیش کیے۔ چند حضرات نے اپنا پورا اثاث البیت حاضر کر دیا (صرف ابوبکر صدیق نے—م)۔ بیشتر مسلمانوں نے اس معاملہ میں اپنی مقدرت کے مطابق سبقت کی۔ لیکن جو مسلمان اپنی عسرت کی وجہ سے اپنے لیے بھی سواری کا انتظام کرنے سے قاصر تھے انھوں نے رسول اللہ سے استدعا کی۔ تو جس کے لیے ہو سکا اپنی طرف سے سواری فراہم کر دی اور بقیہ سے معذرت جس پر انھوں نے زار و نزار رونا شروع کر دیا اور ان کے شدت گریہ و بکا کی وجہ سے ان کا لقب ”بکائین،، پڑ گیا۔ اس جیش میں تیس ہزار مسلمان تھے۔

اسلامی لشکر مدینہ سے باہر جمع ہوا۔ جب تک رسول اللہ شہر کے انتظام کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے، نماز میں حضرت ابوبکر نے امامت کے فرائض ادا کیے۔ آن حضرت نے اپنے بعد محمد بن مسلمہ کو مدینہ کی نیابت تفویض فرمائی اور اپنے اہل و عیال کی نگرانی کے لیے حضرت علی (بن ابی طالب) کو مناسب ہدایات فرما کر لشکر گاہ میں تشریف لائے۔ یہاں سب سے پہلا کام عبداللہ بن ابی (مشہور منافق) کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ فوج سے باہر دھکیل دینا تھا۔

مدینہ سے جیش کی روانگی: کوچ کا نقارہ بجنے کے ساتھ ہی لشکر میں حرکت پیدا ہوئی۔ ذرا دیر میں ہر طرف غبار اڑ رہا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ (شہر کی) عورتیں اپنی اپنی چھتوں پر سے اس کوہ پیکر لشکر کا نظارہ دیکھنے لگیں جو صحرا کو پامال کرتا ہوا شام جیسے دور و دراز ملک کی طرف جا رہا ہے۔ خداوندا! اس لشکر کا جذبۂ جہاد و شہادت! انھیں گرمی کا خوف ہے نہ بھوک اور پیاس کا خطرہ!

متخلفین: جن لوگوں نے سائے اور عیش و تنعم کو ایمان و رضائے الٰہی پر ترجیح دی وہ گھروں میں بیٹھے رہے (م—اور قرآنی اصطلاح میں ان کا لقب ”متخلفین،، ہے)۔ دس ہزار سواروں کا دستہ لشکر کے آگے آگے چل رہا تھا۔ مدینہ کی چھتوں پر عورتوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ کھڑے ہوئے جو اس لشکر کی قوت و جلال سے متاثر ہو رہی تھیں لیکن دوسری طرف ان عورتوں کے نظارہ نے بعض ایسے مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کر لیا جو رسول اللہ کی دعوت سے متاثر ہونے کی بجائے گھروں میں بیٹھے رہے۔ انھی میں ابوخثیمہ بھی ہیں جو اس منظر کو دیکھنے کے بعد اپنے گھر واپس لوٹے تو ان کی دونوں

بیویاں اپنے اپنے دالان اور آنگن سجائے زمین پر چھڑکاؤ کیا ہوا اور شوہر کے لیے کھانا تیار کیے بیٹھی تھیں ۔ ابوخثیمہ نے یہ اہتمام دیکھ کر فرمایا ”رسول خدا دھوپ کی شدت اور گرم لو کے تھپیڑوں سے دوچار ہوں اور ابوخثیمہ پربہار سایہ ، خوش ذائقہ خوان اور حسین و ماہ پارا بیویوں کے جھرمٹ میں داد عیش دے ۔ ایسا نہیں ہو سکتا! میرے لیے زاد راہ تیار کرو اور چشم زدن میں رسول اللہ کے نقش قدم پر روانہ ہو گئے (ابوخثیمہ تبوک میں لشکر سے جا ملے—م) ۔

متخلفین کو جب چاروں طرف سے ندامت اور رسوائی نے گھیر لیا تو شاید ان میں سے کچھ اور حضرات بھی رسول خدا کی روانگی کے بعد ابوخثیمہ کے تتبع میں تبوک کی طرف روانہ ہوئے ہوں ۔

وادیٔ حجر (ثمود) میں پڑاؤ اور مسلمانوں کے لیے تنبیہ: اسلامی لشکر (مقام) حجر میں پہنچا جو قوم ثمود کی آبادی تھی ۔ وہ لوگ پتھر کھود کر گھر بنایا کرتے ۔ ایسے پتھر ابھی تک وہاں بکھرے ہوئے تھے ۔ آں حضرت نے اسی جگہ پڑاؤ کا حکم فرمایا مگر یہ تاکید بھی فرما دی : ”نہ تو کوئی شخص اس وادی کا پانی پیے نہ اس سے وضو کیا جائے ۔ اگر کسی نے پکانے کے لیے آٹا گوندھ لیا ہے تو اسے اونٹوں کو کھلا دیا جائے ۔ کوئی شخص ایسے آٹے کی روٹی پکا کر نہ کھائے ۔ نہ کوئی شخص لشکر گاہ سے اکیلا باہر نکلے ۔ بعض اوقات اس وادی میں ایسی ہوائیں چلتی ہیں جن کے جلو میں ریت کے پہاڑ ہوتے ہیں جو انسان بلکہ اونٹ کو بھی اپنے دامن میں چھپا لیتے ہیں ۔“

بدقسمتی سے دو مسلمان (علیحدہ علیحدہ) شب کے وقت لشکر گاہ سے باہر چلے گئے ۔ ایک کو ہوا جھپٹ کر لے گئی اور دوسرا ریت کے نیچے دب گیا ۔ صبح ہوئی تو جس کنویں کے پانی سے رسول اللہ نے منع فرمایا تھا من تک ریت سے اٹا ہوا تھا ۔

مسلمان پانی نہ ملنے سے خوف زدہ ہو رہے تھے ۔ کالے کوسوں کا یہ سفر پانی کے بغیر طے ہوگا! دیکھتے ہی دیکھتے ابر کا ایک چھوٹا سا لکہ نمودار ہوا اور چشم زدن میں جل تھل کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا ۔ لشکر نے شکم سیر ہو کر پانی پیا ۔ زاد راہ کے لیے چھاگلیں بھر لیں ۔ خوشی کی حد نہ تھی ۔ ایک گروہ نے اسے رسول اللہ کے معجزہ سے تعبیر کیا ۔ دوسروں نے کہا ”نہیں ! یہ تو غیر موسمی مینہ تھا“ ۔ اطلاع ملی کہ عیسائیوں کا جو لشکر سرحد پر پڑا ہوا تھا اسے شام میں واپس لے جایا گیا ہے ۔ رسول خدا نے اس گریز سے ان کے خوف و ہراس کا اندازہ تو کر لیا لیکن ان کا تعاقب غیر ضروری سمجھنے کے باوجود عرب و شام کی اس سرحد پر پڑاؤ ڈال دیا ۔ یہ ایک قسم کی مبارزت ہے کہ اگر رومیوں کو مقابلہ کرنا ہی ہو تو

همین میدان! هم چوگان! هم گو !

اور اس درمیانی سرحد کو مضبوط کرنے کا انصرام فرمایا تاکہ آئندہ کے لیے اس راہ سے عرب میں آنے کی ہمت نہ ہو (مگر حفاظت کی صورت معلوم نہیں ہو سکی) ۔

بادشاہ ایلہ کی طرف سے قبول اطاعت کا قبالہ: اس سرحد پر بادشاہ ایلہ ابن روبہ کی حکومت تھی ۔ رسول خدا نے ان کی طرف سفیر بھیجا کہ ”اگر ہماری اطاعت منظور ہے تو فبہا ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ ۔“ رئیس ایلہ یوحنا خود حاضر ہوا ۔ اس کے سینے پر سونے کی صلیب لٹک رہی تھی اور نذر گذارنے کے لیے قسم قسم کے تحائف ہمراہ ۔

یوحنا نے ادائے جزیہ منظور کر لیا ۔ اسی طرح قریہ جربا اور اذرح کے حکم رانوں نے اطاعت کے لیے سر جھکا دیے جن (تینوں) کے لیے رسول خدا نے تحریری معافی نامے لکھوا کر ہر ایک کے حوالے کر دیے ۔ ان میں سے یوحنا کے معافی نامے کا متن یہ ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ هذه امنة من الله و محمد النبی رسول الله لیوحنة ابن رؤبة ، سفنهم و سیارتهم فی البر و البحر لهم ذمة الله ! و محمد النبی ! ومن کان معهم من اهل الشام واهل الیمن واهل البحر فمن احدث منهم حدثا فانه لا یحول ماله دون نفسه وانه طیب لمحمد اخذه من الناس وانه لا یحل ان یمنعوه ماء یردونه ولا طریقاً یریدونه من بر او بحر ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم : یہ معافی نامہ ہے خدا اور محمد نبی کی طرف سے جو اس کے رسول ہیں یوحنا ابن روبہ کے لیے (ـــم مشتمل بر مراعات) ذیل :)

(الف) یوحنا کے کسی دشمن کی طرف سے ان کے بحری و بری نقصان کی ذمہ داری اللہ اور اس کے نبی محمد پر عائد ہوگی بشمول ان لوگوں کے جو حلیف ہوں جو شام و یمن اور ساحل سمندر کے رہنے والے ہیں ۔

(ب) اور اگر ان کا کوئی آدمی ہمارے ساتھ بدعہدی کرے گا تو اس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا جائے گا اور ایسا مال محمد (صلعم) کے لیے مباح ہوگا البتہ مالی نقصانات کے عوض کسی کی جان سے تعرض نہ کیا جائے گا ۔

(د) یوحنا اور ان کے دوسرے حلیفوں کو ان دریاؤں کا پانی بند کرنے کا مجاز نہ ہوگا جو اب تک ان کے علاقوں سے گذر کر مسلمانوں کی آراضی سیراب کر رہے ہیں ۔

(د) یوحنا اور ان کے حلیفوں کو ہمارے ان راستوں کی ناکہ بندی کا مجاز نہ ہوگا جو خشکی یا سمندر میں ہماری گذر گاہ ہیں ۔

رسول خدا نے معافی نامہ کی مزید توثیق کے طور پر یوحنا کو اپنی یمنی ردائے مبارک عطاء فرمائی ۔ مدارات و تواضع سے اسے ہر طرح آرام پہنچایا اور جزیہ میں تین سو دینار سالانہ ادا کرنا قرار پایا ۔

غزوۂ دومہ : رسول خدا نے جب یہ محسوس فرمایا کہ رومی از خود اپنی فوجیں واپس لے گئے ہیں اور سرحدی امراء نے اطاعت قبول کر لی ہے، اب کسی کے ساتھ جنگ کے لیے یہاں پڑاؤ ڈالے رہنا ضروری نہیں ۔ البتہ اکیدر بن عبدالملک (نصرانی) امیر دومہ کی طرف سے یہ اندیشہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر ہرقل روم ہی پھر کسی وقت سر اٹھائے تو وہ (اکیدر) بھی اس کی کمک کے لیے نہ نکل آئے ۔ اس لیے آں حضرت صلعم نے اکیدر کی سرکوبی ضروری سمجھ کر خالد بن ولید کو پانچ سو سپاہیوں کے ہمراہ دومہ جانے کا حکم فرمایا ۔ خالد کچھ اس انداز سے بڑھے کہ اکیدر کو ان کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی ۔ اکیدر نے اس شب کی چاندنی کو غنیمت سمجھ کر اپنے بھائی حسان کو ہمراہ لیا اور دونوں نیل گائے کے شکار کے لیے قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے ۔ حضرت خالد کی نظر پڑ گئی ۔ انہوں نے حسان، کو قتل کر کے اکیدر کی جان بخشی اس شرط پر منظور فرمائی

کہ وہ مسلمانوں کے لیے شہر کے دروازے کھول دیے گا اور اہل شہر نے اپنے امیر کے فدیہ میں اسے قبول کر لیا۔ حضرت خالد نے یہاں سے مندرجہ ذیل غنیمت حاصل کی: اونٹ (۱۰۰۰)، بکری (۸۳۰۰)، گندم (۴۰۰ وسق)، زرہیں (۴۰۰) اور حضرت خالد سالماً غانماً اکیدر کو ہمراہ لیے ہوئے باریاب ہوئے۔ وہ (اکیدر) حاضر ہونے کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور آج سے بحیثیت حلیف اپنے علاقہ دومہ پر بدستور حکمران بنا دیا گیا (م۔اور وہ بعد میں مرتد ہو گیا۔ ''اصابہ'' در تذکرہ اکیدر و بجیر ابن بجیر)۔

تبوک سے مراجعت: لیکن رسول اللہ کے لیے اتنی دور سے جیش العسرۃ کی اس کثیر تعداد کو خوش و خرم لے کر واپس مدینۃ تشریف لانا آسان نہ تھا کہ ان مسلمانوں ہی میں سے اکثر حضرات امیر ایلہ اور جربا و اذرح سے معاهدوں کی افادیت کو نہ سمجھ سکے، نہ ان کے نزدیک شام و عرب کی سرحدوں کی حفاظت اس قدر اہم تھی۔ انھیں ملال تھا کہ اس طویل مسافت میں انھوں نے کیسی کیسی سختیاں برداشت کیں لیکن نہ کہیں غنیمت حاصل ہوئی نہ قیدی دست یاب ہوئے۔ اور تو اور ان کی تلواریں بھی میان ہی میں پڑی رہیں۔ ادھر وہ مدینہ کے موسمی میووں سے بھی محروم ہو گئے۔

لشکر میں چھپے ہوئے منافق ان باتوں سے شہ پا کر رسول اللہ کے خلاف زبان درازی اور استہزاء پر اتر آئے۔ مخلص مؤمنین ان کی باتیں آں حضرت کے سامنے پیش کرنے لگے جس سے منافق ذرا احتیاط سے زبان کھولتے، لیکن باز نہ رہ سکے۔ آں حضرت نے (فوج کو) واپسی کا حکم دیا۔ راستے میں اہل لشکر پر اس قسم کی باتوں پر نگرانی رکھی۔ بارے امن و سلامتی کے ساتھ مدینہ وارد ہوئے اور ان سے چند روز بعد حضرت خالد دومہ کی غنیمت لے کر باریاب ہوئے۔ خالد کی کمند میں دومہ کا امیر اکیدر تھا، زربفت کی بیش قیمت چادر کندھے پر ڈالے ہوئے۔ اہل مدینہ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

متخلفین تبوک: (مدینہ سے تبوک کی طرف روانگی کے بعد جو مسلمان گھروں میں بیٹھے رہے وہ قرآن کی اصطلاح میں ''متخلفین،، ہیں—م): یہ (متخلفین) ندامت سے سر چھپا رہے تھے اور منافقین خوف کے مارے پشیمان! طلبی پر ایک ایک متخلف پیش ہوا اور ان میں کعب بن مالک و مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ (تین حضرات) کے سوا باقی (متخلفین) نے جھوٹے سچے عذر پیش کر کے بریت حاصل کر لی لیکن کعب و مرارہ اور ہلال نے جب اپنا اپنا جرم تسلیم کر لیا تو رسول خدا نے ان سے مقاطعہ کا فرمان صادر فرما دیا۔ مسلمانوں نے سلام و کلام کے ساتھ ان کے ہاتھوں خرید و فروخت بھی ترک کر دی باوجودیکہ ہر سہ حضرات عذر خواہی میں راست گو تھے۔ آخر اللہ نے ان پر کرم فرما کر معاف کر دیا:

لقد تاب اللہ علی النبی والمهاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منهم ثم تاب علیهم انہ بهم رؤف رحیم۔	البتہ خدا نے پیغمبر پر بڑا ہی فضل کیا اور (نیز) مہاجرین اور انصار پر جنھوں نے تنگ دستی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا جب کہ ان میں سے بعض کے دل ڈگمگا چلے تھے۔ پھر اس نے ان پر بھی اپنا فضل کیا (کہ ان کو سنبھال لیا)۔ اس میں شک نہیں کہ خدا ان سب پر نہایت درجہ مہربان اور ان کے حال پر اپنی مہر رکھتا ہے۔

وعلی الثلاثة الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت علیهم انفسهم وظنوا ان لا ملجاء من الله الا الیه ثم تاب علیهم لیتوبوا۔ ان الله هو التواب الرحیم (۹: ۱۱۸)۔

اور (علی هذاالقیاس) ان تینوں شخصوں پر بھی جو (بانتظار امر خدا) ملتوی رکھے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے اور سمجھ گئے کہ خدا کی گرفت سے سوا اس کے اور کہیں پناہ نہیں۔ پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی (تاکہ قبول توبہ کے شکریے میں آیندہ کے لیے بھی) توبہ کیے رہیں۔ بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

منافقین پر گرفت: تبوک سے واپس تشریف لانے کے بعد رسول اللہ نے منافقوں پر پہلے سے زیادہ گرفت شروع کر دی، اس لیے بھی کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو جانے سے ان کی طرف سے مزید ریشہ دوانی کا خطرہ بڑھ گیا۔ آں حضرت نے منافقوں کا استیصال ضروری سمجھا۔ پھر خدا تعالیٰ نے اپنے رسول سے دین کی نصرت اور سربلندی کا وعدہ بھی فرما دیا جس سے آں حضرت کو دن بدن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کا یقین بڑھ گیا۔ منافق جو پہلے ہی فتنہ انگیزی سے باز نہ رہ سکتے تھے، آیندہ ان کے اس کاروبار کا اندیشہ اور زیادہ ہونے لگا کیوں کہ ابھی تو اسلام مدینہ اور اس کے گرد و نواح ہی میں محصور تھا۔ رسول اللہ نے غور فرمایا کہ جب اسلام تمام عرب میں مقبول ہونے کے بعد بیرونی ممالک تک اپنا اثر و نفوذ قائم کر لے گا تو یہ (منافق) کیا کیا ستم برپا نہ کریں گے۔ اب ان کے بارے میں تغافل برتنا اسلام کا انجام خراب کرنا ہے۔ ان کے جرائم تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

مسجد ضرار کا احراق: منافقین نے مدینہ سے ملحقہ بستی ذواوان میں ایک علیحدہ مسجد تعمیر کر لی۔ ان کا مقصد نماز کے بہانے اسلام کی تحریف تھا تاکہ مسلمانوں کے اندر مسائل بازی سے تفریق پیدا کی جائے۔ یہ مقام شہر سے ایک ساعت سفر کے فاصلہ پر تھا۔ مسجد کے بانیوں نے رسول خدا سے درخواست کی کہ پہلی نماز آپ پڑھا کر افتتاح فرما دیجیے (غزوۂ تبوک میں روانہ ہونے سے قبل منافقین نے یہ تجویز رسول پاک کے حضور پیش کی تھی جسے آں حضرت نے واپسی پر ملتوی فرما دیا اور اب یہ مسئلہ دوبارہ پیش ہوا)۔ اس مسجد کی حقیقت تعمیر واضح ہو چکی تھی۔ رسول خدا نے اس کے جلانے کا فرمان صادر فرما دیا اور جب یہ جلا دی گئی تو منافقوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ عبداللہ ابن ابی (راس المنافقین) کے ماسوا ایسے تمام اشخاص مہر بہ لب ہو کر رہ گئے۔

مسجد ضرار کے مسمار کرا دینے کے بعد یہ بدنصیب بھی دو ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ جس دل میں مسلمانوں کے کینہ کی آگ ان کے ورود مدینہ سے سلگ رہی تھی آج وہ دل ہی نہ رہا۔ اس پر بھی رسول خدا نے مسلمانوں کو ابن ابی کی مذمت کرنے سے منع فرما دیا اور جب اس کے فرزند جناب عبداللہ نے آں حضرت سے اپنے باپ کی لاش پر نماز جنازہ ادا کرنے کی درخواست کی تو رسول خدا نے اس سے بھی انکار نہ فرمایا ور جب تک اس کی لاش دفن نہ ہوئی آں حضرت قبر کے سرہانے تشریف فرما رہے۔

عبداللہ بن ابی کی موت سے منافقت کا ستون پاش پاش ہو گیا۔ اس کے ہم زاد اسلام کی طرف بڑھے اور صدق دل سے توبہ کر کے مخلصین میں شمار ہونے لگے۔

مدینہ میں دائمی امن و امان کا دور دورہ: سفر تبوک کے بعد تمام عرب میں اسلام کا اثر و نفوذ بڑھ گیا۔ رسول اللہ مسلمانوں کے دشمنوں کی طرف سے خالی الذہن ہو گئے۔ قبائل میں جو خاندان تاہنوز مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے اپنے رؤسا کی معرفت رسول اللہ کے حضور قبول اسلام کا تحفہ پیش کرنے کے لیے چاروں طرف سے وفود کی صورت میں امڈ آئے۔

تبوک آخری غزوہ تھا جس کے بعد آں حضرت صلعم خدا کی اس دین پر سکون و طمانیت کے ساتھ مدینہ میں فروکش رہے۔

لخت جگر ابراہیم سے شغف: آں حضرت نے اپنے فرزند ابراہیم کے ساتھ اپنی توجہ بڑھا دی۔ اس موقعہ پر ان کا سن سولہ یا اٹھارہ ماہ سے متجاوز نہ تھا۔ وفود سے فراغ اور مسلمانوں کو خدا و رسول کی طرف سے ہدایات دینے کے بعد جس قدر مہلت ملتی اپنے نور نظر سے دل بہلانے میں صرف فرماتے۔ ابراہیم دن بدن توانا ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی کھلائی ام سیف کو رسول خدا نے جو بکریاں عطا فرمائی تھیں وہ ان کا دودھ پلا کر انہیں سیر رکھتیں۔ ابراہیم کی شکل و شباہت اپنے رفیعؐ المنزلت والد جناب رسالت مآب سے ملتی جلتی تھی۔ اس وجہ سے بھی آں حضرت کو ان کے ساتھ زیادہ میلان تھا۔

مگر اپنے فرزند ابراہیم کے ساتھ یہ تعلق نہ تو رسالت کا مقتضی تھا نہ اس پر مبنی کہ رسول خدا اپنے بعد انہیں اپنے دنیوی ترکہ کا وارث بنانا چاہتے تھے۔ آں حضرت کو خدا کی ذات اور اپنی رسالت پر اس قدر یقین و ایمان تھا کہ اپنی اولاد کی توریث کی بجائے فرمایا :

نحن معاشر الانبیاء لانرث ولا نورث ما ترکناہ صدقہ۔	(ہم) جماعت انبیاء کا یہ دستور ہے کہ نہ خود ترکہ کے وارث بنتے ہیں نہ کسی کو اپنے ترکہ کا وارث بناتے ہیں۔

صاحب زادہ کے ساتھ آں حضرت کا یہ جذبہ اس شفقت پدری کی بنا پر تھا جس سے تمام والدین یکساں بہرہ مند ہیں۔ البتہ رسول خدا کی ذات میں یہ شفقت تمام بنی آدم سے بیش تر تھی۔ یہ جذبہ ہر عربی نژاد میں بھی تھا کہ اس کے بعد اس کی نسل کسی طرح قائم رہے اور رسول اللہ صلعم بھی اس جذبہ سے محروم نہ تھے۔

پھر اس سے قبل آں حضرت کے دو صاحب زادے (قاسم و طاہر) جو سیدہؑ خدیجہ کے بطن سے تھے آپ کے سامنے طعمہؑ اجل ہو چکے تھے۔ اپنی تین صاحب اولاد اور شوہر والی صاحب زادیوں کو (یکے بعد دیگرے) اپنے ہاتھوں سپرد خاک فرما چکے تھے جن کے بعد بسیدہؑ فاطمہ باقی رہ گئی تھیں۔ اپنے سامنے اولاد کی دائمی مفارقت سے آں حضرت صلعم کے دل میں جو گھاؤ ہو چکا تھا ابراہیم اس کا مداوا تھے۔ رسول خدا کے دل میں ان کی وجہ سے انبساط و خوشی موج زن تھی اور صاحب زادہ کے وجود پر آپ کا فخر بے محل نہ تھا۔

پسر نبی علیہ السلام (ابراہیم) کی علالت و وفات: لیکن رسالت مآب کے لیے اپنے نور نظر سے آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا یہ دور صرف سولہ یا اٹھارہ مہینے تک رہا۔ صاحب زادے

ایسے علیل ہوئے کہ زندگی کی امیدیں منقطع ہو گئیں ۔ رسول اللہ کے فرمان سے ان کی کھلائی ام سیف کے ہاں سے اپنی والدۂ عالیہ (سیدۂ ماریہ) کے ہاں ”مشربہ“ ام ابراہیم“ کے ہاں منتقل کر دیے گئے ۔ جناب ماریہ اور ان کی ہمشیرہ سیدہ“ سیرین دونوں تیمار داری فرمانے لگیں، لیکن علالت نے شدت اختیار کر لی ۔ مریض کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ کے حضور اطلاع بھیجی گئی ۔ سنتے ہی دل بیٹھ گیا ۔ عبدالرحمان بن عوف کے کندھے کا سہارا لیے ہوئے تشریف لائے ۔ بچہ اس وقت دم توڑ رہا تھا ۔ آں حضرت نے اٹھا کر اپنی گود میں دم توڑتے ہوئے دیکھ کر فرمایا :

انا یا ابراهیم لا تغنی عنك من الله شیئاً !

ابراہیم! میں قضائے الٰہی کو تجھ سے روک نہیں سکتا!

آں حضرت اپنا سر مبارک جھکائے ہی رہے ۔ صاحب زادے پر جان کنی کا صدمہ طاری تھا ۔ اس کی والدہ اور خالہ دونوں گریہ و بکا میں مصروف! آں حضرت نے انہیں منع نہ فرمایا ۔ بچے کے دم توڑنے کے ساتھ رسول اللہ کے دل کی جوت جو کئی مہینوں سے خوشی کا اجالا کر رہی تھی ہمیشہ کے لیے گل ہو گئی ۔ آنکھوں نے آنسوؤں کا تار باندھ رکھا تھا اور زبان پر یہ کلمات جاری :

یا ابراهیم! لولا انه امر حق و وعد صدق وان آخرنا سیلحق باولنا لحزنا علیك اشد من هذا!

اے ابراہیم! اگر موت برحق نہ ہوتی اور خدا کا وعدہ سچا نہ ہوتا تو ہم تمہاری موت پر زیادہ بے قرار ہوتے لیکن مرنے والوں کی ملاقات کے لیے ہمیں بھی ایک نہ ایک دن ان کے پاس پہنچنا ہی ہے!

(اس کے بعد) رسول اللہ سنبھل کر بیٹھ گئے اور زبان مبارک سے فرمایا :

تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول الا ما یرضی الرب وانا یا ابراهیم لمحزونون ۔

چشم اشک بار اور دل مبتلائے غم ہے لیکن زبان سے ہم ایسا کلمہ نکالیں گے جو ہمارے پروردگار کی خوشنودی کا باعث ہو! اے ابراہیم! میں تیری موت کے صدمے سے بے حد مغموم ہوں!

رسول خدا کے گریہ و ملال سے مسلمان بے حد متاثر تھے ۔ دو ایک دانش مندوں نے آں حضرت کو تلقین کرتے ہوئے عرض کیا ”یا رسول اللہ! گریہ و ملال سے تو آپ دوسروں کو منع فرماتے ہیں ۔“ فرمایا :

ما عن الحزن نهیت وانما نهیت عن الحزن بالبكاء وان ماترون بی اثر ما فی القلب من محبة“ ورحمه“ ومن لم یبد الرحمه“ لم یبد غیره علیه الرحمه“ ۔

میں نے حزن و غم سے کسی کو نہیں روکا ۔ بین و نوحہ سے منع کیا ہے ۔ میرے حزن و غم کا سبب محبت قلبی و شفقت پدری ہے ۔ جو شخص دوسروں پر شفقت و رحمت نہیں کرتا وہ بھی اوروں کی مہربانی و لطف سے محروم رہ جاتا ہے ۔

(یہ فرمانے کے بعد) جب اپنے جذبات غم کو چھپانے پر میلان ہوا تو سیدۂ ماریہ اور سیرین کی طرف مہر کی نظر سے دیکھ کر دونوں کو تسکین دیتے ہوئے فرمایا :

ان له لمرضعاً فی الجنه“!

ابراہیم کے لیے جنت میں ایک دائی موجود ہے!

مرحوم کی لاش کو بی بی ام بردہ (اور بروایت دیگر سیدنا عباس کے صاحب زادے جناب فضل) نے غسل دیا ۔ کھٹولے پر نعش رکھ لی گئی ۔ آں حضرت کے عم بزرگوار

اور مسلمان میت کی مشایعت میں اسے (گورستان) بقیع میں لے گئے ۔ رسول خدا نے نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد فرمایا ”قبر میں دراڑیں نہ رہ جائیں ۔“ درستی کرنے کے بعد دست مبارک سے تربت بنا کر پانی چھڑکا اور علم کے طور پر قبر کے سرھانے پتھر رکھ دیا ۔ آخر میں یہ کلمات ارشاد فرمائے:

انها لا تضر ولا تنفع ولكنها تقرعين الحی وان العبد اذا عمل عملا احب الله ان يتقنه ۔ قبر کی ساخت پر میت کے نفع و ضرر کا مدار نہیں ۔ اس سے زندوں کو تسکین سی ہو جاتی ہے ۔ دوسرے یہ کہ اللہ ایسے شخص کا دوست دار ہے جو کسی شے کو ادھورا نہ چھوڑے ۔

ابراھیم کی موت کے بعد سورج گرھن کا اتفاقی حادثہ : ابراھیم کی وفات کے روز ہی سورج کو گرھن لگ گیا جسے بعض سادہ لوح مسلمان رسول اللہ کے معجزہ سے تعبیر کرنے لگے کہ ”آپ کے صاحب زادہ کی وفات پر آفتاب غم سے کالا پڑ گیا ھے ۔“ یہ خبر آں حضرت صلعم تک جا پہنچی ۔ رسالت مآب اپنے صاحب زادہ کی موت پر جس طرح غم سے بے تاب ہو رھے تھے مسلمانوں کا یہ قیاس آں حضرت کی تسکین قلب میں مددگار نہ ہو سکتا تھا ۔ یہ خبر سن کر آں حضرت خاموش ہی رھے اور کم فہم عوام کے ایک اتفاقی حادثہ کو معجزہ قرار دینے پر چشم پوشی میں کیا تکلف تھا؟ مگر نہیں! ایسے نازک مواقع عوام کی طرف سے اور اس قسم کے خلاف واقعہ قیاسات ہی تو انھیں حقیقت سے دور کر دیتے ہیں ۔ یہ نہ ہو تو نفس واقعہ ان کے مزید حزن و ملال کا سبب بن جائے! عوام کے ایسے دور از حقیقت قیاسات پر مرد دانا سکوت نہیں کر سکتا چہ جائے کہ ایک عظیم المرتبت رسول! یہی مصالح تھے جن کے پیش نظر آپ حضرت نے سورج گرھن پر عوام کو اپنے صاحب زادے (ابراھیم) کی وفات کے صدمہ سے بے تعلق ثابت کرنا چاھا اور مسلمانوں کے مجمع میں خطبہ کے دوران میں فرمایا:

ان الشمس والقمر آيات من آيات الله لاتخسفان لموت احد ولا لحياته! فاذا رأيتم ذالك فافزعوا الى ذكر الله بالصلوة! یہ سورج اور چاند بھی ہستی باری تعالیٰ کے دلائل میں سے دو ثبوت ہیں ۔ انہیں کسی کی موت یا زندگی پر گرھن کیوں لگنے لگا! البتہ گرھن کے موقع پر اے مسلمانو! اداے نماز سے اللہ کی یاد تازہ کیا کرو ۔

رسالت کے لیے اس سے زیادہ واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ھے کہ آں حضرت ایسے غم و اندوہ میں مبتلا ہیں مگر تبلیغ رسالت کے فریضہ میں سرمو فرق نہیں آنے پاتا ۔ مستشرقین کو بھی اس واقعہ پر آپ کی عظمت و برتری کا اعتراف کرنا پڑا اور ان کے قلم سے بے ساختہ نکل گیا کہ یہ صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نازک ترین موقعوں پر بھی حق و صداقت کا دامن ھاتھ سے نہیں چھوڑتے ۔

یہ امر بھی قابل غور ھے کہ جب رسول اللہ کی بیویوں نے آں حضرت صلعم کو ابراھیم کی جدائی میں اس قدر مغموم دیکھا تو ان پر کیا اثر ہوا ہوگا ۔

عام الوفود : اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آں حضرت صلعم بدستور فرائض رسالت کی ادائیگی میں مصروف اور اسلام کی ترویج میں منہمک رھے ۔ اس وقفہ میں اطراف سے بکثرت وفود حاضر ہوئے جن کی وجہ سے اس سال کا لقب عام الوفود ہو گیا اور اسی سال آں حضرت صلعم کے ارشاد پر حضرت ابوبکر نے کعبہ کا حج کیا ۔ یہ ۹ھ تھا ۔

۲۸

سالِ وُفود

صادق امین عبد الله محمد کلیم الله حبیب الله نجی الله

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۲۸

سالِ وفود

نتیجۂ تبوک: غزوۂ تبوک کا نتیجہ تمام جزیرۂ عرب میں اسلام کے اثر و نفوذ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ رسول خدا کو دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے یک سوئی ہو گئی اور مدینہ میں سکون و طمانیت کے ساتھ زندگی کے دن گذارنے کا موقع حاصل ہوا۔

جو قبائل اب تک اپنے قدیم مسلک شرک پر قائم تھے کسی تدبیر یا شرارت کی بجائے تبوک میں مسلمانوں کی کامیابی دیکھ کر اپنے مستقبل کی فکر میں ڈوب گئے۔ مسلمان جنھیں رسول اللہ کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا اور اس غزوہ میں شریک تھے اپنی جگہ شکوہ سنج کہ شام جیسا طویل و پرصعوبت سفر اختیار کیا جس میں گرمی کی شدت اور لو کے تھپیڑوں کے ساتھ پانی نہ ملنے کی وجہ سے قدم قدم پر ہلاکت کا خطرہ تھا۔ رومی اپنی فوجیں میدان سے ہٹا کر اندرون ملک کے قلعوں میں جا دبکے اور جنگ نہ ہونے کی وجہ سے غنیمت بھی نہ مل سکی۔ دوسری طرف ان قبائل کے دل پر بے حد اثر قائم کر دیا۔ عرب کے ان منتشر قبائل کے علاوہ ملک کی جنوبی سمت یمن و حضر موت اور عمان تک رومیوں کی پسپائی سے حیران رہ گئے۔ کل کی بات تھی یہی رومی ایران جیسی عظیم الشان مملکت کو تہ و بالا کر کے اپنی مقدس صلیب ان سے واپس لے آئے تھے جسے انھوں نے جم غفیر کی مشایعت میں بیت المقدس میں اس کے اصلی مقام پر نصب کیا۔ وہی ایران ہے جس کے زیر نگیں یمن جیسا وسیع ملک اور دوسرے عربی صوبے (اس کے) باج گذار تھے۔

عام الوفود: نہ صرف یمن اور اس کے قرب و جوار بلکہ ملک کے ہر خطہ میں اسلام کا اثر ہو چکا تھا۔ جو قبیلے اب تک مسلمان نہ ہوئے تھے ان کے لیے اس سے بہتر کیا تھا کہ وہ خود کو آں حضرت صلعم کے علم کے سائے میں لے آئیں جس سے انھیں روم اور ایران جیسے خونخوار شہنشاہوں کے مظالم سے نجات مل جائے۔ بدیں وجوہ ایسے قبائل جو رسول خدا کے حضور تحفۂ اسلام پیش کرتے ان کے لیے پس و پیش کا سوال نہ تھا۔ آں حضرت قبائل کے سرداروں کو ان کے عہدوں پر بدستور قائم رکھتے۔ ایسے قبائل چاروں طرف سے جوق در جوق مدینہ آنا شروع ہو گئے جو خود کو قبول اسلام کی خلعت سے مزین کر کے واپس ہوتے۔ وفود اس کثرت سے آئے کہ یہ سن (۱۰ھ) ''عام الوفود'' کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ اب تک تبلیغ اسلام میں مکہ اور حنین کی فتح اور طائف کے محاصرہ کا اثر غالب تھا لیکن آج سے تبوک میں مسلمانوں کی لشکر کشی کی ہیبت سے رومیوں کا میدان جنگ سے لڑائی کے بغیر واپس لوٹ جانا کہیں زیادہ موثر ثابت ہوا۔

عروہ ابن مسعود طائفی کا قبول اسلام اور شہادت: ان اتفاقات میں اہل طائف کا معاملہ حیرت انگیز ہے۔ رسول اللہ غزوۂ حنین کے بعد ان کا محاصرہ کرنے پر مجبور ہو گئے

مگر مقاتلہ و فتح کیے بغیر یہ محاصرہ ترک کرنا پڑا۔ حسن اتفاق یہ کہ رسول خدا کی تبوک سے مراجعت کے بعد سب سے پہلے اہل طائف نے اپنی اطاعت کا اعلان کیا، باوجودیکہ وہ عرصہ سے شش و پنج میں تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ ہوا یہ کہ اہل طائف کے سردار عروہ بن مسعود جو محاصرۂ طائف کے زمانہ میں (وطن سے دور) یمن گئے ہوئے تھے اس دوران میں جب یمن سے واپس آئے تو واقعۂ تبوک سے متاثر ہو کر مدینہ حاضر ہوئے۔ خود اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی قوم کو مشرف بہ دین کرنے کے لیے بعجلت واپسی پر مصر ہوئے۔

جناب عروہ (ابن مسعود) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے ناآشنا نہ تھے۔ حدیبیہ کے موقع پر قریش کی طرف سے وکیل ہو کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں سے لوٹ کر اہل مکہ کو تلقین فرمائی تھی۔

حضرت عروہ کو اپنی قوم میں عزیمت دعوت کے ارادہ کا احساس رسول خدا کو بھی ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی آں حضرت صلعم کو بنوثقیف کی اپنے معبود لات کے بارے میں عصبیت سے بھی خطرہ تھا۔ رسول اللہ نے عروہ کو اس نزاکت کی وجہ سے ان میں تبلیغ سے منع کرتے ہوئے فرمایا ''اگر تم نے بنوثقیف میں تبلیغ کی تو کہیں وہ تمہیں قتل نہ کر دیں!،، لیکن عروہ کو اپنے متعلق بنوثقیف میں احترام کی وجہ سے یہ خطرہ نہ تھا۔ عرض کیا ''یا رسول اللہ! مجھے تو بنوثقیف اپنی آنکھ کا تارا سمجھتے ہیں!،، آخر وہ طائف پہنچے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت پیش کی۔ یاران شہر نے چھپ کر مشورہ کیا جس سے عروہ کو آگاہ نہ ہونے دیا۔ صبح ہوئی تو عروہ نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر بنو ثقیف کو نماز کے لیے جمع ہونے کا حکم دیا۔ اس موقعہ پر رسول خدا کی فراست ظاہر ہوئی۔ چاروں طرف سے ان کا محاصرہ کر کے تیر برسانا شروع کر دیے گئے۔ ایک تیر سے جناب عروہ جان بحق ہوئے۔ یہ دیکھ کر ان کے اہل و عیال جمع ہو گئے۔ ہنوز زندگی کی رمق باقی تھی۔ حضرت عروہ نے آخری الفاظ میں فرمایا:

كرامة اكرمني الله بها وشهادة یہ (اسلام) خدا کی دین ہے جو مجھے عطا ہوئی
ساقها الله الی فليس مني الا ما فی اور یہ موت شہادت ہے جو میرے مقدر میں تھی۔
الشهداء الذين قتلوا مع رسول الله صلی میں بھی ان ہی شہیدوں کی طرح ہوں جو (قبل
الله عليه وسلم قبل ان يرتحل عنكم ازیں) رسول خدا کی معیت میں کفار سے لڑتے
ہوئے شہید ہوئے۔

جناب عروہ نے وصیت میں فرمایا کہ انہیں ان لوگوں کے ساتھ دفن کیا جائے جو محاصرۂ طائف میں شہید ہوئے تھے۔

لیکن عروہ کا خون رائیگاں نہ جا سکتا تھا۔ طائف کے نواحی باشندے جو مسلمان ہو چکے تھے انہیں اپنے سردار (عروہ) کے قتل کا بے حد ملال تھا۔ بنوثقیف نے حضرت عروہ کو شہید تو کر دیا لیکن اب وہ پشیمان تھے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ان کا حشر کیا ہوگا! وہ تو جیسے دیکھ لیں گے قتل کیے بغیر نہ رہیں گے۔ انہیں مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو پھر موت ہی ان کا مداوا کر سکے گی!

بنوثقیف نے مشورہ کر کے عبد یالیل کو اپنی طرف سے، صلح کے لیے نام زد کیا جس نے (رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے سے) بدیں وجہ انکار کر دیا کہ اس کا حشر

بھی کہیں عروہ ہی کی طرح نه هو۔ مزید اصرار پر اس نے اپنے همراہ چار اور اشخاص کو شامل کر لیا که اگر یاران شہر پہلے کی طرح برافروختہ ہوئے تو ہم سب کے قبیلہ دار انہیں سمجھا بجھا کر فتنه سے روک سکیں گے۔

بنوثقیف بحضور نبی : وفد مدینه پہنچا تو سب سے پہلے جناب مغیرہ بن شعبه نے دیکھا اور رسول الله کے حضور بشارت کی غرض سے روانه ہوئے ۔ راستے میں حضرت ابوبکر نے مغیرہ کو اس طرح رواں دواں جاتے ہوئے دیکھ کر سبب دریافت کیا تو مغیرہ سے یه خبر سن کر خود رسول الله کی خدمت میں عبدیالیل کے آنے کی خوش خبری پیش کی۔

اهل طائف مدینه کی گلیوں سے گذرتے ہوئے کھوے سے کھوا ملا کر چل رہے تھے اور رسول خدا کے محاصرۂ طائف اور اس سے دست کش هو کر تشریف لے آنے کا ذکر اذکار زبانوں پر تھا ۔ حضرت مغیرہ نے انھیں اسلامی طریق پر ملاقات و سلام کے آداب اور الفاظ بتائے لیکن انھوں نے ان آداب پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور باریابی کے موقعه پر جاهلیت هی کے انداز سے آداب و سلام بجا لائے ۔

وفد بنوثقیف کا خیمه مسجد نبوی میں : رسول کریم صلوات الله کے حکم سے بنوثقیف کے لیے مسجد نبوی کے صحن میں خیمه نصب هوا مگر طائفی بهر صورت (اپنے متعلق) مسلمانوں سے خائف تھے ۔ شرائط مصالحت میں حضرت خالد بن سعید بن العاص وکیل تھے جو رسول خدا اور ارباب طائف کے درمیان پیام بری کرتے ۔ خالد هی ان کے لیے خوان لاتے لیکن بنوثقیف حضرت خالد کو اپنے سامنے اس خوان میں سے تھوڑا بہت چکھائے بغیر کھانے میں هاتھ نه ڈالتے ۔ بنوثقیف نے ایک پیغام میں کہلا بھیجا که ”ہمارے معبود لات کو تین سال تک منہدم نه کیا جائے اور فی الحال ہمیں نماز کی تکلیف سے بھی بری رکھا جائے ،، مگر رسول الله نے کوئی شرط تسلیم نه کی حتیٰ که اپنے معبود لات کے لیے ایک ماہ کی مہلت مانگی ۔ رسول الله نے اس سے بھی انکار فرما دیا اور آں حضرت صلعم کا یه انکار ایسی قطعیت کے ساتھ تھا جس میں کسی استثناء یا ترمیم و اضافه کی گنجائش نه تھی ۔ مامور من الله جو خدائے واحد القهار کے دین کی دعوت کے لیے مبعوث هوا اور جس نے کبھی کسی صنم کی بقا گوارا نه کی هو آج وہ ایک قبیله کی خاطر استثناء کا روادار کیسے هو سکتا هے ۔ اس لیے بنوثقیف کے لیے آج ایک اور رعایت فرما دی جائے که کل اسی قوم کے محاصرہ (طائف) پر خدا کے نبی نے ان سے درگذر کر کے محاصرہ ترک کر دیا تھا؟ نہیں نہیں! انسان ایمان لا سکتا هے یا ایمان نہیں لا سکتا! ایمان اور عدم ایمان کے درمیان ارتیاب و شک کے سوا کوئی اور مقام نہیں لیکن جس طرح ایمان اور کفر یکجا نہیں هو سکتے اسی طرح ایمان بالله اور شرک دونوں ایک جگه نہیں رہ سکتے ۔ بنوثقیف کی طرف سے بقائے لات کا مطلب یه تھا که وہ خدائے بزرگ و برتر اور لات دونوں کو مساوی مقام دینا چاهتے تھے ۔ یہی تو شرک هے! ”وان الله لایغفر ان یشرک به“ (۴ : ۵۱) ۔

جب بنوثقیف نے نماز سے استثناء کی شرط پیش کی تو آں حضرت نے فرمایا :

انه لاخیر فی دین لاصلوة فیها! جس دین میں عبادت نه هو اس میں اور کیا بھلائی هو سکتی هے ؟

(م—باضافہ: امیر وفد عبدیالیل نے عرض کیا ''ہمارے ہاں تجرد کی رسم عام ہے اور تجرد کی وجہ سے --- میں شغف،، فرمایا):

هو عليكم حرام فان الله يقول: ولا تقربو الزنا انه كان فاحشة" (۱۷: ۳۴)۔	یہ --- تم پر حرام ہوگیا ہے خدا فرماتا ہے کہ زنا کے پاس (ہو کر بھی) نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور (بہت ہی) برا چلن ہے۔

ربا کے استثناء پر عرض ہوا ''ہماری معیشت سود خواری ہی پر موقوف ہے،، فرمایا:

لكم رؤس اموالكم ان الله يقول يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وذرو مابقي من الربا ان كنتم مؤمنين (۲: ۲۷۸)۔	جس قدر سود تمہارے مقروضوں کے ذمے ہے ''مسلمانو! اگر فی الحقیقت تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو اس سے ڈرو! اور جس قدر سود مقروضوں کے ذمے باقی ہے اسے چھوڑ دو! اگر تم ایمان دار ہو۔

انھوں نے شراب نوشی کی اجازت طلب کی کہ ''یہ ہمارے خطہ کی سوغات ہے، تو فرمایا: ''اللہ تعالی نے اسے حرام فرمایا ہے،، اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

يا ايها الذين آمنوا انما الخمر والميسر—رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه (۵: ۹۳)۔	مسلمانو! بلاشبہ شراب اور جوا سب شیطانی کاموں کی گندگی ہے۔ ان سے اجتناب کرو!

بنوثقیف نے دیکھا کہ واقعی اسلام کے ساتھ ان امور کی کوئی نسبت نہیں۔ درخواست پیش کی ''ہمارے ھاتھ سے ہمارے بتوں کو نہ تڑوایا جائے،، کیونکہ وہ ابھی نئے نئے ایمان لائے تھے۔ ادھر ان کے وطن (طائف) میں ان کے مدینہ سے واپس آنے کا انتظار ہو رہا تھا۔ رسول اللہ نے ان کی یہ درخواست تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا۔ مقصود بتوں کا توڑنا ہے، اہل طائف خود اپنے ھاتھ سے توڑیں یا کوئی اور، دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی ہے۔ اس میں آں حضرت نے کسی قسم کی پابندی نہ لگائی۔ یہی سہی لات کو جلدی توڑ دیا جائے گا اور طائف میں اللہ کی عبادت کا دور دورہ شروع ہو جائے گا! فرمایا ''تمہارے ھاتھ سے تمہارے بتوں کو توڑنے کی شرط نہیں۔،،

ان کی دینی تربیت کے لیے جناب عثمان بن ابوالعاص کا تقرر ہوا۔ ان کا ابھی عنفوان شباب ہی تھا۔ عثمان مسائل دین اور قرآن پڑھنے کے بڑے دلدادہ تھے جیسا کہ حضرت ابوبکر اور دوسرے مہاجرین اولین کی (عثمان کے متعلق) شہادت سے معلوم ہوتا ہے۔

وفد ثقیف آخر رمضان تک مدینہ میں رہا۔ رسول اللہ کے ساتھ روزے بھی رکھے۔ افطاری اور سحری دونوں وقت کا کھانا آں حضرت کی محل سرائے سے جاتا اور مدینہ سے ان کی مراجعت کے موقعہ پر رسول اللہ نے عثمان سے فرمایا:

تجاوز فی الصلوة واقدر الناس ضعفهم فان فيهم الكبير والصغير والضعيف وذوالحاجه۔	باجماعت نمازوں میں قیام و سجود میں طول مت دو۔ مقتدیوں میں کم زور اور ضعیف عمر کی رعایت کرو! جن میں بوڑھے، بچے، ناتوان اور کاروباری لوگ ہوتے ہیں۔

انہدام لات: ارباب وفد (ثقیف) اپنے وطن کی طرف لوٹے تو ان کے ہمراہ ابوسفیان (بن حرب) اور مغیرہ بن شعبہ کو طائف بھیج دیا۔ دونوں حضرات بنوثقیف کی قرابت اور مودت میں دوسروں سے زیادہ قریب تھے۔ طائف وارد ہوئے تو من جملہ اور شرائط کے لات کے انہدام کا تذکرہ بھی ہوا۔ ابوسفیان اور مغیرہ ھاتھوں میں کدالیں لیے ہوئے

لات کے صنم کدہ کی طرف جا رہے تھے۔ شہر کی عورتیں چھتوں پر بہ حسرت و یاس ان کی طرف تک رہی تھیں۔ جونہی لات پر ضرب لگائی اور یہ آواز لوگوں کے کان میں پہنچی عورتوں نے نالہ و شیون سے زمین آسمان ایک کر دیے لیکن وفد کے ساتھ معاہدہ کی وجہ سے کسی نے مغیرہ کا ہاتھ پکڑنے کی جرات نہ کی۔ لات کے چڑھاوے میں جو مال و زر اور زیور جمع تھا حضرت مغیرہ نے جناب عروہ بن مسعود اور ان کے والد مسعود دونوں کا قرض ادا کر دیا جیسا کہ رسول اللہ نے مغیرہ سے فرما دیا تھا اور ابوسفیان بھی اس سے متفق ہو گئے۔

لات کے انہدام اور اہل طائف کے قبول اسلام کی ہیبت سے حجاز کے باقی قبائل اور قریے بھی مسلمان ہو گئے۔ آج سے جناب محمد کی سطوت کا شہرہ شام میں روم کی دیواروں تک ٹکرایا تو جنوب میں یہ غلغلہ یمن و حضرموت تک جا پہنچا۔

حج ابوبکر صدیق: اس دوران میں اطراف ملک سے پے بہ پے وفود برائے اظہار و قبول اسلام آنا شروع ہوئے۔ ایک مہینہ گذرنے کے بعد حج کا موسم آ پہنچا۔ رسول خدا نے آج تک پورے شروط کے ساتھ بیت اللہ کا حج نہ کیا تھا اور روم پر (بر موقعہ تبوک) نصرت حاصل کرنے، طائف کے مطیع۔ مسلمان ہو جانے اور ملک کے دور و دراز سے وفود کے حلقہ بگوش اسلام ہو کر آنے کے شکریہ میں واجب نہ تھا کہ آں حضرت اس سال (سنہ ۹ ھ) میں حج کے لیے شدر حال فرماتے؟ لیکن ابھی بعض مواقع باقی تھے۔ ملک میں خال خال قبیلے تاہنوز کفر سے وابستہ تھے۔ یہود و نصاریٰ بھی کہیں کہیں باقی رہ گئے تھے۔ کفار ابھی تک ادب والے مہینوں (م—رجب، ذی قعد، ذوالحجہ، محرم) میں عمرہ و حج کے لیے آتے۔ یہ لوگ کفریہ عقائد کی وجہ سے ”نجس“ تھے۔ جب تک عرب کے چپہ چپہ پر ہر فرد کے دل میں کلمہ اللہ (اسلام) کا نفوذ نہ ہو آں حضرت کا مدینہ میں قیام ضروری تھا۔ پھر جب تک اللہ کی طرف سے اذن نہ ہو آں حضرت حج کا قصد نہ فرما سکتے تھے۔ اس لیے ابوبکر کو حج کے لیے مبعوث فرمایا جن کے ہمراہ تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ بھی تھا۔

یوں بعثت نبوی سے لے کر اب تک اور پہلے ہی کی طرح مشرکین ہمیشہ سے بیت اللہ کا حج و زیارت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس سال بھی انہیں بحسب معمول آنا ہی تھا کیونکہ رسول اللہ اور ایسے لوگوں (مشرکین) کے درمیان وقت کی تحدید پر کوئی معاہدہ نہ تھا جس کی رو سے ان لوگوں پر نہ آنے کی پابندی عائد ہو سکے۔ پھر وہی ادب والے چار مہینوں میں سفر کی سہولتیں جس میں کسی رہگذر کو رہزن کا خطرہ نہ تھا۔ دوسرے معنوں میں حج بیت اللہ کے لیے آنے کی ہر عقیدہ و عمل کے افراد کو اجازت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ نے حضرت عتاب بن اسید کو مکہ معظمہ کا امیر مقرر فرما دیا، باوجودیکہ کعبہ کے باہر اندر اور شہر و نواحی کے تمام بت اور صنم کدے مسمار ہو چکے تھے لیکن غیر مسلم اشخاص مناسک کے رسوم اپنے پرانے طریق ہی پر ادا کرتے جن پر رسول اللہ کے نائب (مکہ) کی طرف سے کوئی قدغن نہ تھی۔ یہی دستور بیت المقدس کے زائرین میں رائج تھا کہ یہود اس کے ”ارض موعود“ اور نصاریٰ اس کے مولد مسیح ہونے کی وجہ سے وہاں جاتے مگر شرک و بت

پرستی کی کون سی رسم تھی جو بیت المقدس میں ادا نہ ہوتی ۔ قدیم کعبہ کی طرح یہاں بھی تو اصنام ہی کی جلوہ گری تھی ۔

اہل کتاب اور مسلمانوں کا شریعت میں عملی فرق: لیکن بیت اللہ الحرام میں اہل اسلام اور بت پرستوں کا ایسا اجتماع جس میں مسلمان اپنے طریق پر مناسک ادا کریں اور مشرکین بت پرستانہ رسوم کے مطابق، ناقابل برداشت اور فہم و فراست سے دور تھا ۔ ضروری تھا کہ جس طرح مشرکین کے خداؤں کو کعبہ سے نکال دیا گیا ان (بتوں) کے پرستاروں کو بھی یہاں آنے سے روک دیا جائے ۔ سورۂ براۃ بھی اس معاملہ میں حرف آخر کے طور پر نازل ہوئی ۔ موسم حج میں ایک مہینہ (ذی قعدہ) رہ گیا تھا ۔ مشرکین نزدیک و دور سے چل کر حرم کعبہ میں پہنچ چکے تھے ۔ مشیت خداوندی نے فیصلہ ہی کر لیا کہ اس سال (سنہ ۹ھ) عوام و خواص کے اجتماع میں اعلان کر دیا جائے کہ شرک و ایمان یک جا نہیں رہ سکتے ۔ دین کے کسی معاملہ میں دونوں کا اتحاد ممکن نہیں ہے ۔ ہاں اگر کسی سے معاہدہ ہوا ہو تو مسلمانوں پر اس کی پابندی واجب ہے ۔

حضرت علی کی نیابت: معلوم ہے کہ ابوبکر صدیق کو رسول اللہ نے حج کے لیے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی ۔ ان کے بعد آں حضرت نے علی ابن ابی طالب کو ان کے قدموں پر بھیجا تاکہ عرفہ کے روز مجمع عام میں لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کا حکم سنائیں ۔ اسی روز حضرت علی پہنچے ۔ لوگ عرفات کی طرف آ رہے تھے ۔ حضرت ابوبکر نے علی کو دیکھتے ہی فرمایا ”آپ کو امیر کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے یا ماتحت کے طور پر؟“ علی نے عرض کیا ”ماتحت کے طور پر!“ آنے کی وجہ بیان کی: ”سورۃ براۃ کی عام منادی کے لیے بھیجا گیا ہے“ اور رسول اللہ نے علی پر یہ اعتماد ان کے اہل بیت ہونے کی وجہ سے کیا ۔

مجمع عام میں اعلام براۃ: ادائے مناسک کے بعد جب لوگ منیٰ میں جمع ہوئے تو حضرت علی نے سورۂ براۃ کی مندرجہ ذیل ابتدائی آیتیں باآواز بلند پڑھ کر سنائیں:

(۱) براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین ۔	(۱) (مسلمانو!) جن مشرکوں کے ساتھ تم نے (صلح و امن) کا معاہدہ کیا تھا اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بری الذمہ ہونے کا ان کے لیے اعلان ہے کہ:
(۲) فسیحوا فی الارض اربعہ اشھر و اعلموا انکم غیر معجزی اللہ و ان اللہ مخزی الکفرین ۔	(۲) چار مہینے تک ملک میں پھرو (کوئی روک ٹوک نہیں اس کے بعد جنگ کی حالت قائم ہو جائے گی) اور یاد رکھو تم کبھی اللہ کو عاجز نہ کر سکوگے اور اللہ منکروں کو (پیروان حق کے ہاتھوں) ذلیل کرنے والا ہے ۔
(۳) واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریء من المشرکین ورسولہ فان تبتم فھو خیر لکم وان تولیتم فاعلموا	(۳) اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن منادی کی جاتی ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی (یعنی اب کوئی معاہدہ اللہ کے نزدیک باقی نہیں رہا اور

انکم غیر معجزی اللہ وبشر الذین کفروا بعذاب الیم ۔

نہ اس کا رسول کسی معاہدہ کے لیے ذمہ دار ہے) پس اگر تم (اب بھی ظلم و شرارت سے) توبہ کرلو تو تمہارے لیے اس میں بہتری ہے۔ اگر نہ مانوگے تو جان رکھو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر کی راہ چل رہے ہیں انہیں عذاب درد ناک کی خوش خبری سنا دو۔

(۴) الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئاً ولم یظاھروا علیکم احداً فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین ۔

(۴) ہاں مشرکوں میں سے وہ لوگ کہ تم نے ان سے معاہدہ کیا تھا ، پھر انہوں نے (قول و قرار نباہنے میں) کسی طرح کمی نہیں کی اور نہ ایسا کیا کہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی ہو ، اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ پس چاہیے کہ ان کے ساتھ جتنی مدت کے لیے عہد ہوا ہے اتنی مدت تک اسے پورا کیا جائے۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو (ہر بات میں) متقی ہوتے ہیں۔

(۵) فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ان اللہ غفور رحیم ۔

(۵) پھر جب حرمت کے مہینے گذر جائیں (تو جنگ کی حالت قائم ہو گئی) مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور جہاں کہیں ملیں گرفتار کر لو۔ نیز ان کا محاصرہ کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ وہ باز آ جائیں ، نماز قائم کریں اوز زکواۃ ادا کریں تو ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کیا جائے۔ بلاشبہ اللہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے۔

(۶) وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتیٰ یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مأمنہ ذالک بانھم قوم لا یعلمون۔

(۶) اور (اے پیغمبر!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آدمی آئے اوز تم سے امان مانگے تو اسے ضرور امان دو یہاں تک کہ (وہ اچھی طرح) اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے (بامن) اس کے ٹھکانے پہنچا دو۔ یہ بات اس لیے ضروری ہوئی کہ یہ لوگ (دعوت حق کی حقیقت کا) علم نہیں رکھتے۔

(۷) کیف یکون للمشرکین عھد عند اللہ وعند رسولہ الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا

(۷) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ (ان) مشرکین کا عہد اللہ اور اس کے رسول سے نہ ہو؟ ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے

لکم فاستقیموا لهم ان الله یحب المتقین ۔	قریب (حدیبیه میں) عهد و پیمان باندھا تها (اور انهوں نے اسے نہیں توڑا) تو ان کا عهد ضرور عهد ہے اور) جب تک وے تمهارے ساتھ اپنے عهد پر قائم رہیں تم بهی ان کے ساتھ (اپنے عهد پر) قائم رہو۔ الله انهیں دوست رکھتا ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) متقی ہوتے ہیں ۔
(۸) کیف وان یظهروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا ولا ذمة یرضونکم بافواههم وتأبی قلوبهم واکثرهم فاسقون ۔	(۸) ان مشرکوں کا عهد کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر آج تم پر غلبہ پا جائیں تو نہ تمهارے لیے قرابت کا کا پاس کریں نہ کسی عهد و پیمان کا؟ وہ اپنی باتوں سے تمهیں راضی کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے دلوں کا فیصلہ اس کے خلاف ہے اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں (یعنی راست بازی کے تمام طریقوں اور پابندیوں سے باہر ہو چکے ہیں)۔
(۹) اشتروا بایات الله ثمناً قلیلاً فصدوا عن سبیله انهم ساء ما کانوا یعملون ۔	(۹) ان لوگوں نے الله کی آیتیں ایک بہت ہی حقیر قیمت پر بیچ ڈالیں (یعنی ہوائے نفس کے تابع ہو گئے اور الله کی آیتوں پر یقین نہیں کیا)۔ پس اس کی راہ سے لوگوں کو روکنے لگے (افسوس ان پر) کیا ہی برا ہے جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔
(۱۰) لا یرقبون فی مؤمن الا ولا ذمه واولئك هم المعتدون ۔	(۱۰) کسی مومن کے لیے نہ تو قرابت کا پاس کرتے ہیں نہ عهد (اقرار) کا۔ یہی لوگ ہیں کہ ظلم میں حد سے گذر گئے ہیں۔
(۱۱) فان تابوا واقاموا الصلواة وآتوا الزکواة فاخوانکم فی الدین و نفصل الآیات لقوم یعلمون ۔	(۱۱) بهر حال اگر یہ باز آئیں، نماز قائم کریں، زکواة ادا کریں تو (پھر ان کے خلاف تمهارا هاتھ نہیں اٹھنا چاہیے وہ) تمهارے دینی بھائی ہو گئے ۔ ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں ۔
(۱۲) وان نکثوا ایمانهم من بعد ایمانهم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون ۔	(۱۲) اور اگر یہ اپنے عهد و پیمان جو خود کر چکے ہیں توڑ ڈالیں اور تمهارے دین کو برا بھلا کہیں تو پھر (اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان) کفر کے سرداروں سے جنگ کرو۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی سوگند سوگند نہیں (اور تمهیں جنگ اس لیے کرنی

چاہیے) تاکہ یہ (ظلم و بد عہدی سے) باز آ جائیں۔

(۱۳) الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدؤکم اول مرة اتخشونهم فالله احق ان تخشوه ان کنتم مؤمنین۔

(۱۳) (مسلمانو!) کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنھوں نے اپنے عہد و پیمان کی قسمیں توڑ ڈالیں جنھوں نے اللہ کے رسول کو اس کے وطن سے نکال باہر کرنے کے منصوبے کیے اور پھر تمھارے برخلاف لڑائی میں پہل بھی ان ہی کی طرف سے ہوئی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (اگر ڈرتے ہو تو تم مومن نہیں کیونکہ) اگر مومن ہو تو اللہ اس بات کا زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا ڈر تمھارے دلوں میں بسا ہو۔

(۱۴) قاتلوهم یعذبهم الله بایدیکم ویخزهم وینصرکم علیهم ویشف صدور قوم مؤمنین۔

(۱۴) (مسلمانو!) ان سے بلا تامل جنگ کرو۔ اللہ تمھارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا، انہیں رسوائی میں ڈالے گا، ان پر تمہیں فتح مند کرے گا اور جماعت مومنین کے دلوں کے سارے دکھ دور کر دے گا۔

(۱۵) ویذهب غیظ قلوبهم ویتوب الله علی من یشاء والله علیم حکیم۔

(۱۵) اور ان کے دلوں کی جلن باقی نہیں رہے گی اور پھر جس پر چاہے گا اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور (اپنی ہر بات میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

(۱۶) ام حسبتم ان تترکوا ولما یعلم الله الذین جاهدوا منکم ولم یتخذوا من دون الله ولیجة والله خبیر بما تعملون۔

(۱۶) (مسلمانو!) کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ تم اتنے ہی میں چھوڑ دیے جاؤگے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ان لوگوں کو پوری طرح آزمایش میں ڈالا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور اللہ اس کے رسول اور مومنوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا پوشیدہ دوست نہیں بنایا ہے؟ (یاد رکھو) جیسے کچھ بھی تمھارے اعمال ہیں خدا ان سب کی خبر رکھنے والا ہے۔

(۱۷) ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد الله شاهدین علی انفسهم بالکفر اولئك حبطت اعمالهم و فی النار هم خالدون۔

(۱۷) مشرکوں کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں ایسی حالت میں کہ وہ اپنے کفر کا عتراف کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سارے عمل اکارت گئے اور وہ عذاب آتش میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

(۱۸) انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ فعسیٰ اولئك ان یکونوا من المهتدین ۔	(۱۸) فی الحقیقت مسجدوں کو آباد کرنے والا تو وہ ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا ، نماز قائم کی ، زکواۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی اور کا ڈر نہ مانا۔ جو لوگ ایسے ہیں ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ (سعادت و کامیابی کی) راہ پانے والے ثابت ہوں گے ۔
(۱۹) اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ والیوم الآخر وجاهد فی سبیل اللہ لا یستوون عند اللہ واللہ لا یهدی القوم الظلمین ۔	(۱۹) کیا تم نے یہ ٹھہرا رکھا ہے کہ حاجیوں کے لیے سبیل لگا دینا اور مسجد حرام کو آباد رکھنا اس درجہ کا کام ہے جیسے اس شخص کا کام جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں اور اللہ (کا قانون ہے کہ وہ) ظلم کرنے والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا ۔
(۲۰) الذین آمنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل اللہ باموالهم وانفسهم اعظم درجۃ عند اللہ واولئك هم الفائزون ۔	(۲۰) جو لوگ ایمان لائے ، ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یقیناً اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔ اور وہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔
(۲۱-۲۲) یبشرهم ربهم برحمۃ منه ورضوان وجنات لهم فیها نعیم مقیم خالدین فیها ابداً ان اللہ عنده اجر عظیم ۔	(۲۱-۲۲) ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت دیتا ہے ۔ نیز ایسے باغوں کی جہاں ان کے لیے ہمیشگی کی نعمت ہوگی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس (نیک کرداروں کے لیے) بہت بڑا اجر ہے ۔
(۲۳) یاایها الذین آمنوا لا تتخذوا آباءکم واخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان ومن یتولهم منکم فاولئك هم الظالمون ۔	(۲۳) مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں تو انہیں اپنا رفیق و کارساز نہ بناؤ اور جو کوئی بنائے گا تو یہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔
(۲۴) قل ان کان آباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ناقترفتموها وتجارۃ تخشون کسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من اللہ ورسوله وجهاد فی سبیله فتربصوا	(۲۴) (اے پیغمبر!) مسلمانوں سے کہ دے کہ اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہاری برادری، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے ، تمہاری سوداگری جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو ، تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس

حتیٰ یأتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین۔

قدر پسند ہیں کہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے ، اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو (کلمۂ حق تمہارا محتاج نہیں)۔ انتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ کا (مقررہ) قانون ہے کہ وہ فاسقوں پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا۔

(٢٥) ولقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔

(٢٥) (مسلمانو!) یہ واقعہ ہے کہ اللہ بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کر چکا ہے (جبکہ تمہیں اپنی قلت و کمزوری سے کامیابی کی امید نہ تھی) اور جنگ حنین کے موقعہ پر بھی جب کہ تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے اور سمجھتے تھے کہ محض اپنی کثرت سے میدان مار لوگے) تو دیکھو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی ساری وسعت پر بھی تمہارے لیے تنگ ہوگئی۔ بالآخر ایسا ہوا کہ تم میدان سے پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگے۔

(٢٦) ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین وانزل جنوداً لم تروھا وعذب الذین کفروا وذالک جزاء الکافرین۔

(٢٦) پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی جانب سے دل کا سکون و قرار نازل فرمایا اور ایسی فوجیں اتاریں جو تمہیں نظر نہ آتی تھیں اور (اس طرح) ان لوگوں کو عذاب دیا جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور یہی جزا ہے ان لوگوں کی جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں (یعنی ان کی بدعملی کا لازمی نتیجہ یہی ہے)۔

(٢٧) ثم یتوب اللہ من بعد ذالک علی من یشاء واللہ غفور رحیم۔

(٢٧) پھر اس کے بعد اللہ جس پر چاہے گا اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا (یعنی توبہ قبول کر لے گا) اور اللہ بڑا ہی بخشش والا ہے۔

(٢٨) یاایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا وان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شاء ان اللہ علیم حکیم۔

(٢٨) مسلمانو! حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مشرک نجس ہیں (یعنی شرک نے ان کے دلوں کی پاکی سلب کر لی ہے)۔ پس چاہیے کہ اس برس کے بعد سے (یعنی ۹ ھ کے بعد سے) مسجد حرام کے نزدیک نہ آئیں اور اگر تم کو ان کی آمد و رفت کے بند ہو جانے سے فقر و فاقہ کا اندیشہ ہو (کہ وہ

ھر طرح کی ضروری چیزیں باھر سے لاتے اور تجارت کرتے ھیں) تو گھبراؤ نہیں اللہ چاھے گا تو عنقریب تمھیں توانگر کر دے گا ۔ اللہ سب کچھ جانتا ھے اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ھے ۔

(۲۹) قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ و لا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یعطوا الجزیہ عن ید وھم صاغرون ۔

(۲۹) اھل کتاب میں سے جن لوگوں کا یہ حال ھے کہ نہ تو خدا پر (سچا) ایمان رکھتے ھیں ، نہ آخرت کے دن پر ، نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ھیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرا دیا ھے اور نہ سچے دین ھی پر عمل پیرا ھیں ۔ تو (مسلمانو!) ان سے بھی جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ھو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ھو ۔

(۳۰) وقالت الیھود عزیر ابن اللہ و قالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ ذالک قولھم بافواھھم یضاھئون قول الذین کفروا من قبل قاتلھم اللہ انی یؤفکون ۔

(۳۰) اور یہودیوں نے کہا عزیز اللہ کا بیٹا ھے ۔ اورعیسائیوں نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ھے ۔ یہ ان کی باتیں ھیں محض ان کی زبان سے نکالی ھوئی (ورنہ سمجھ بوجھ کر کوئی ایسی بات نہیں کہ سکتا) ۔ ان لوگوں نے بھی انھی کی سی بات کہی جو ان سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ھیں ۔ ان پر اللہ کی لعنت! یہ کدھر کو بھٹکے جا رھے ھیں؟

(۳۱) اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ والمسیح ابن مریم وما امروا الا لیعبدوا الٰھاً واحداً لا الہ الا ھو سبحنہ عما یشرکون یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویأبی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون ۔

(۳۱) ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو پروردگار بنا لیا اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی! حالانکہ انھیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک خدا کی بندگی کرو ، کوئی معبود نہیں ھے مگر وھی ، اس کی پاکی ھو اس ساجھے سے جو یہ اس کی ذات میں لگا رھے ھیں ۔ یہ لوگ چاھتے ھیں کہ اللہ کی روشنی پھونکوں سے بجھا دیں ، حالانکہ اللہ یہ روشنی پوری کیے بغیر رھنے والا نہیں اگرچہ کافروں کو یہ پسند نہ آئے ۔

(۳۳) ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین

(۳۳) (ھاں!) وھی ھے جس نے اپنے رسول کو حقیقی ھدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا

كله ولو كره المشركون ۔	تا کہ اس دین کو تمام (ٹھہرائے ہوئے) دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو ایسا ہونا پسند نہ آئے۔
(۳۴) يايها الذين آمنوا ان كثيراً من الاحبار والرهبان ليأكلون اموال الناس بالباطل ويصدون عن سبيل الله والذين يكنزون الذهب والفضه ولا ينفقونها فى سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم ۔	(۳۴) مسلمانو! یاد رکھو! (یہودیوں اور عیسائیوں کے) علما و مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق ناروا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں اور جو لوگ چاندی اور سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو عذاب درد ناک کی خوش خبری سنا دو۔
(۳۵) يوم يحمىٰ عليها فى نار جهنم فتكوىٰ بها جباههم وجنوبهم و ظهورهم هذا ما كنزتم لانفسكم فذوقوا ما كنتم تكنزون ۔	(۳۵) عذاب درد ناک کا وہ دن (جب کہ ان کا جمع کیا ہوا) سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اس وقت کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا تھا۔ سو جو کچھ ذخیرہ کر کے جمع کرتے رہے اس کا مزا آج چکھ لو۔
(۳۶) ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً فى كتاب الله يوم خلق السموات والارض منها اربعة حرم ذالك الدين القيم فلا تظلموا فيهن انفسكم وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة واعلموا ان الله مع المتقين۔	(۳۶) اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے کی ہے۔ اللہ کی کتاب میں ایسا ہی لکھا گیا۔ جس دن آسمانوں کو اور زمین کو اس نے پیدا کیا (یعنی جب سے اجرام سماویہ بنے ہیں خدا کا ٹھہرایا ہوا حساب یہی ہے)۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت کے مہینے ہوئے (یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم) کہ امن کے مہینے سمجھے جاتے تھے اور لڑائی ممنوع تھی۔ دین کی سیدھی راہ یہ ہے پس ان حرمت کے مہینوں میں (جنگ و خونریزی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور چاہیے کہ تمام مشرکوں سے بلا استثناء جنگ کرو جس طرح وہ تم سب سے بلا استثناء جنگ کرتے ہیں اور ساتھ ہی یاد رکھو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو (ہر حال میں) تقویٰ والے ہیں۔

سورۂ توبہ کی یہ آیات جنہیں ہم نے نقل کر دیا ہے جو (مقام) منیٰ پر علی نے باآواز بلند سنائیں ان کے ساتھ مندرجہ ذیل چار امور کا اعلان (مزید) بھی فرمایا:

ایها الناس!	اے لوگو! سن لو کہ
(۱) انه لا یدخل الجنه" کافر	(۱) جنت کافر کے لیے نہیں۔
(۲) ولا یحج بعد العام مشرک	(۲) آج کے بعد مشرک بیت اللہ کا حج نہیں کر سکتا۔
(۳) ولا یطوف بالبیت عریاناً	(۳) کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کعبہ نہیں کر سکتا۔
(۴) ومن کان له عند رسول الله صلی الله علیه وسلم عهد فهو الی مدته۔	(۴) جس شخص سے آں حضرت کا جس مدت تک کے لیے وعدۂ امان ہو اس کے لیے معاہدہ کی پابندی کی جائے گی۔

علی بن ابی طالب نے اس اعلام کے بعد فرمایا ''آج کے بعد چار مہینہ کی مہلت ہے''، مقصد یہ تھا کہ جو لوگ دور دراز سے حج کے لیے آئے ہیں وہ امن و سلامتی کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جائیں۔

دولت اسلامیہ کا یوم تاسیس: آج (یوم عرفہ ۹ ھ) دولت اسلامیہ کی تاسیس کا دن ہے، جس دن کے متعلق ہم نے سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات نقل کر دیں۔ رسول خدا کے قاصد جناب علی کے مدنظر یہی امر تھا جیسا کہ معتمد روایات میں منقول ہے کہ ابن ابی طالب نے مدینہ سے سفر کے بعد ان آیات کا مذکور منیٰ ہی پر منحصر نہ رہنے دیا بلکہ بیت اللہ سے مراجعت کے بعد ان آیتوں کو ہر منزل پر دوسروں کے سامنے دہرایا (بحسب روایات متعددہ)۔ اگر سورۂ براۃ کی ابتدائی آیتوں کو بنظر امعان مطالعہ کیجیے تو بین طور پر واضح ہوگا کہ ان کے مفہوم میں جدید سلطنت کی تشکیل کا اشارہ ہے۔

اور معلوم ہے کہ سورۂ براۃ دشمنان دین کے پیدا کردہ جنگی ہنگاموں سے پوری طرح فارغ ہونے کے بعد نازل ہوئی حتیٰ کہ اہل طائف جیسے سرکش باشندے اسلام کے ساتھ وابستگی کو اپنے لیے فخر سمجھ کر اس میں منضم ہو گئے جب کہ تمام حجاز نے اسلام قبول کر لیا اور تہامہ (عربستان) میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ جب نجد پر اسلام کا جھنڈا لہرانا شروع ہوا اور عرب کے خانہ بدوش قبائل نے اپنے سرداروں کے ماتحت وفود مدینہ بھیج کر حضرت محمد کی اطاعت اور اسلام کو بحیثیت دین اختیار کر لیا۔

وقت آ گیا کہ دولت نوزائیدۂ اسلام ان آیات کے پرتو میں متشکل ہو اور قوت و سطوت کا مصدر ہو، جس کے تمام پیرو ایک ہی عقیدہ میں منسلک ہوں وہ اس عقیدہ کے سہارے دین اور دین کے پیرووں پر ظلم کرنے والوں کا استیصال کر سکیں۔ ادنیٰ فکر سے واضح ہے کہ ایمان کے مقابلہ میں کوئی قوت ایسی نہیں جس کے سایے میں ظالموں کے جور و ستم کو روکا جا سکے اور ایسے ایمان سے بڑھ کر کون سا عقیدہ ہے جس میں خدائے وحدہٗ لاشریک پر یقین کامل ہو اور اس سے بہتر عقیدہ کیا ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی روح کو ایک ایسی برتر از ہمہ ہستی کے ساتھ وابستہ سمجھے جس کی ہمسری کسی کے لیے ممکن نہیں اور اس عقیدہ کے نتائج میں اس کا یہ بھی یقین ہو کہ نہ تو اس پر خدائے واحد القہار کے سوا کوئی اور غالب آ سکتا ہے اور نہ اس کے ضمیر پر کسی کو قبضہ کرنے کی قدرت ہے؟

اور جو لوگ اس عقیدہ کے متوازی عقیدہ وضع کر لیں اور نہ صرف یہی بلکہ اس عقیدہ پر جدید حکومت کی بنیاد رکھنے کا قصد بھی رکھتے ہوں تو: اولئك هم الفاسقون[1] (۱۹:۵۹) ۔ یہ لوگ عادی معصیت کوش ہیں جو بنی نوع انسان کے اندر فتنہ پردازی اور خون ریزی کے داعی ہیں ۔ ریاست کی طرف سے ایسے لوگوں کے لیے مراعات ایک طرف ، ایسے لوگوں کے لیے ''فسیحوا فی الارض اربعه اشهر واعلموا انکم غیر معجزی الله وان الله مخزی الکافرین''[2] (۹ : ۲) کی مہلت دے کر ان کے ساتھ مقاتلہ تک واجب ہے ۔ پھر ایسے سرکش فاسق اگر کسی قوم کے اجتماعی عقیدہ کے خلاف ریشہ دوانی کریں تو انہیں باڑھ پر رکھ کر اطاعت کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے ۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو کسی قوم کے اجتماعی عقیدہ کے دشمن تو ضرور ہوتے ہیں لیکن اس عقیدہ کے خلاف نہ وہ ریشہ دوانی کرتے ہیں اور نہ ایسے وسائل اختیار کرتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کی مثال مثلاً اہل کتاب ہیں ۔ ان لوگوں سے مقاتلہ کی بجائے انہیں ادائے جزیہ پر مجبور کیا جائے گا ۔

ان (ہر دو) قسموں کی مثال اس ایک ہی آیہ میں بیان فرما دی گئی:

قاتلوا الذین لا یؤمنون بالله ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم الله ورسوله ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یعطوا الجزیه عن ید وهم صاغرون (۹ : ۲۹) ۔

اہل کتاب میں سے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ نہ تو خدا پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت کے دن پر، نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرا دیا ہے اور نہ سچے دین ہی پر عمل پیرا ہیں تو (مسلمانو!) ان سے بھی جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو ۔

تاریخی اور اجتماعی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے بعد سورۂ براۃ کی ان آیات کے مطابق ہم ایسے نتائج پر پہنچ سکتے ہیں جو انصاف پسند مصنف کی تحقیق کا ماحصل ہوں ، لیکن ان دیدہ وروں کی کوتاہ نظری کا ماتم کہاں تک کیجیے جو بہر حال اسلام اور رسول اللہ پر نکتہ چینی کرنا تحقیق و تدقیق کا لازمہ سمجھتے ہیں ۔ یہ لوگ ان آیات (براۃ) کی روح میں ایسی عصبیت ثابت کرنا چاہتے ہیں جس کی تصدیق ان کا قابل صد فخر عہد حاضرہ کا تمدن تو نہیں کر سکتا ۔ ان کی تحقیق کے مطابق سورۂ براۃ مشرکوں کے بے رحمانہ قتل کی محرض ہے کہ مسلمان انہیں جہاں بھی دیکھ لیں کسی رافت یا نرمی کے بغیر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں ۔ یہ آیتیں ان مدعیان تنقید کے نقطۂ نظر سے دعوت اسلام کو ہیبت و جبروت سے منوانے کی ترغیب دیتی ہیں جیسا کہ مستشرقین میں سے اکثر اہل قلم کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے ۔

۱- یہی لوگ تو بڑے نافرمان ہیں ۔

۲- اے مشرکو! امن کے چار مہینے (ذی قعدۃ ، ذی الحج ، محرم ، رجب) ملک میں چلو پھرو! اور جانے رہو کہ تم اللہ کو کسی طرح بھی ہرا نہیں سکتے اور (یہ کہ آخر کار) اللہ کافروں کو (مسلمانوں کے ہاتھ سے) رسوا کرنے والا ہے۔

مغربی مدرسۂ تحقیق و تنقید کے یہ استاد اسلام کے خلاف اس طرح مقدمات اور نتائج مرتب کرتے ہیں کہ خود مسلمانوں میں جو لوگ فن نقد و بحث سے ناواقف ہیں ان کی تحریروں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، حالانکہ ان (مستشرقین) کا طرز استدلال فنی اور تنقید تاریخی و اجتماعی لحاظ سے مجذوب کی بڑ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ ان (مستشرقین) کی طرف سے سورۂ توبہ اور قرآن مجید کے دوسرے ایسے حصوں کی تفسیریں خود رسالت مآب ہی کے اس اسلوب زندگی کے منافی ہیں جو آں حضرت کے اوائل بعثت سے لے کر سفر آخرت تک ظہور میں آیا۔

موجودہ تمدن کے خد و خال: آئیے، سب سے پہلے عہد حاضر ہی کے تمدن کے حسن و زیبائی کی طرف دیکھیں اور اس (تمدن) کا موازنہ (جناب) محمد کی روحانی دعوت کے ساتھ کریں۔

آج کے تمدن کی بنیاد حریت رائے پر بتائی جاتی ہے جس حریت رائے کی کوئی نہ حد ہے نہ اس کی ایک یا دو بلکہ عدد آخر تک کوئی معین تعریف، الا یہ کہ قانون وقت خود اس (حریت رائے) کی تعریف متعین کرے۔

کہنے کے لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''آزادیٔ رائے ہی کے بل بوتے پر کمزور کو طاقت ور کے غلبے سے بچایا جا سکتا ہے، اسی لیے تو اس عقیدہ (آزادیٔ رائے) کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت ایثار و قربانی کی جاتی ہے، اس کے حدود و تعریفات کا تجزیہ اور تحقیق جاری رہتی ہے، اسے برقرار رکھنے کے لیے جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جست لگائی جاتی ہے اور قوم کے جن اسلاف نے آزادیٔ رائے کی حفاظت پر مصائب برداشت کرنے سے گریز نہیں کیا ان پر فخر کیا جاتا ہے۔''

جن مستشرقین کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے اسی آزادیٔ رائے کے غرور و تمکنت پر فرماتے ہیں ''اسلامی عقیدہ کے مطابق جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان نہ لائیں ان کے خلاف جنگ کرنا ایسا تعصب ہے جو عقیدہ کی آزادی کے خلاف ہے۔''

لیکن مستشرقین کا یہ مغالطہ سراسر بے بنیاد ہے کیونکہ عقیدہ کی جس آزادی کے خلاف ارتکاب کو وہ (مستشرقین) مسلمانوں کے سر تھوپتے ہیں خود ان کے گھر میں اس آزادیٔ رائے پر شمہ بھر بھی تو عمل نہیں ہوتا۔

دوسری طرف اسلام ہے جو ایسے مشرکین کے ساتھ کسی قسم کے تعرض کا روادار نہیں جو حکومت مسلمہ کی اطاعت کے بعد کسی شرک کی تبلیغ نہ کریں نہ خود کسی قسم کے علانیہ رسوم عبادت (م ـ مثلاً ''ولا یطوف بالبیت عریاناً''۔۔۔نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کعبہ کر سکتا ہے) بجا لا سکتے ہیں۔

اس بارہ میں عہد حاضر کا تمدن ملاحظہ ہو جس میں ریاست کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ سختی کی جاتی ہے جو مسلمانوں نے مشرکین پر روا رکھی، مثلاً اسلام نے رعایا کے اہل کتاب سے جزیہ ہی تو لیا۔ [باضافہ آیتے از مترجم ــ من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یؤتواہ الجزیہ عن ید وھم صاغرون[1] (۹: ۲۹)]، لیکن تمدن حاضرہ نے اپنے خلاف عقیدہ پر جزیہ سے ہزارہا گنا زیادہ بار ڈال رکھا ہے۔

ہم یورپ کی ان جنگوں کو رفع الزام کے لیے پیش کرنا نہیں چاہتے جو انہوں نے بردہ فروشی کے خلاف لڑیں کہ غلاموں کی تجارت کو ان کے بعض یاران وطن ہی مذہبی

---

[1] اہل کتاب سے بھی جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو۔

حیثیت سے جائز قرار دیتے ہیں مبادا مسیحان یورپ اور ان کے حاشیہ بردار اسلام پر اپنی طرف سے عائد کردہ تہمت کو دہرا دیں کہ اسلام نے بھی غلامی کو جائز رکھا ہے ۔

بلکہ آج کا یورپ جو تہذیب و تمدن کا مرغزار بنا ہوا ہے اور جس کی پشت پناہی کے لیے امریکہ جیسا حریت نواز ملک کمر بستہ ہے اور جنوب میں پورا ایشیا اور مشرق اقصیٰ اس کی کمک کے لیے سربکف، جن سب نے مل کر بولشویک روس سے وہ جنگ لڑی جس کی ہلاکت آفرینی کے سامنے شاید صور اسرافیل بھی گرد ہو کر مہر بہ لب رہ جائے ۔ اتنی بڑی لڑائی صرف روس کے اس عقیدہ کو کچلنے کے لیے نہ تھی کہ تقسیم اموال میں بولشویک کا نظریہ یورپ و امریکہ کے ان مدعیان تہذیب کے عقیدۂ سرمایہ داری کے خلاف ہے یا اس کے سوا کوئی اور بنائے مخاصمت ہے ۔

میں کہتا ہوں کیا اسلام کی مشرکین کے ساتھ جنگ یورپ و امریکہ کی بولشویک کے ساتھ لڑائی سے زیادہ تعصب انگیز اور حریت رائے کے منافی تھی؟ کیا بولشویک کے خلاف ترکتاز کی یہ ہمہ ہمی ان کے اس برائے نیت اجتماعی نظام کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے نہ تھی جو تقسیم دولت میں ان (امریکہ و یورپ) کے عقیدے کے خلاف ایسا نظام پیش کرتا ہے جس کی بار آوری کے بعد ان مدعیان حفظ حریت رائے کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے؟

مغرب میں برہنہ رہنے کی منظم انجمنیں: یورپ کے کئی شہروں میں ایسی منظم جماعتیں ہیں جن کا ایمان یہ ہے کہ جس طرح عقیدہ کی آزادی پر کوئی پابندی نہیں اسی طرح جسم کی آزادی بھی ہر محاسبہ اور پابندی سے آزاد رہنے کی مستحق ہے ۔ ان لوگوں کی تحقیق میں جنسیت کا اسراف معیوب ترین عادت ہے اور اس عادت کا محرک جسم انسانی پر لباس کا غلاف ہے ۔ یہ غلاف جس قدر تو بہ تو ہوتا جائے گا شہوانیت اسی قدر فراوان ہوتی جائے گی ۔ اس لیے جنسیت کا بے جا استعمال صرف عریانی ہی سے رک سکتا ہے ۔

ان جماعتوں نے بعض شہروں میں (اسی مقصد کے لیے) خاص قسم کے محل تعمیر کرائے جہاں اس گروہ کے زن و مرد پوری عریانی کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے آنے جانے لگے ۔ ان محلوں کے نئے داخلے پر خاص طریقوں سے شرم و حیا کا دامن چاک کرنے کی تربیت ہوتی ہے ۔ اب حریت رائے کے محافظین کا عمل ملاحظہ ہو ۔ کچھ دنوں تک تو ان لوگوں کی اس رفتار پر اغماض کرتے رہے لیکن جب دیکھا کہ یہ جماعتیں اپنے عقیدہ و عمل دونوں کا پرچار کرنے پر تل آئی ہیں تو تہذیب حاضرہ کے مدعیوں اور تحفظ عقیدہ کے سرغنوں نے اسے تہذیب و تمدن کے خلاف قرار دے کر ان کی تربیت گاہوں کو مقفل کر دیا اور ان طائفوں کو اس حد تک مغلوب کیا کہ اس عقیدہ کو قانون تمدن کے خلاف قرار دیا ۔

مسلم ہے کہ اگر کسی قوم میں ایسا عقیدہ عملاً عام ہو جائے تو دوسری قومیں اس قوم کے خلاف جنگ کرنے کا حق رکھتی ہیں، اس لیے کہ فی نفسہ یہ عقیدہ کمالات انسانی کی توہین کا سبب ہے جیسا کہ مغرب میں سفید فام باشندوں کی خرید و فروخت اور گھربار والی عورتوں کے بیوپار پر خوں ریز جنگیں ہوئیں، اور یہ کیوں ہوتا رہا؟ اس لیے کہ عقیدہ کی آزادی اس وقت تک برداشت کی جا سکتی ہے جب تک اس کی مضرت سے معاشرہ کو ضرر نہ پہنچے یعنی کیسا عقیدہ بھی سہی مگر انفرادی طور پر قابل عمل

ہو سکتا ہے لیکن جب ایسا عقیدہ عام معاشرہ پر اثر انداز ہونے لگے (م— جیسے بردہ فروشی، خصوصاً گھریلو عورتوں کی تجارت) تو ایسے عقیدہ کے خلاف جنگ کرنا لازم ہے، عام اس سے کہ وہ محض اخلاق پر اثر انداز ہو سکتا ہے یا اس سے اجتماعی سیاست کے متاثر ہونے کا خطرہ ہو یا اس سے ملک کے اقتصادی حالات پر دخل اندازی کا ذریعہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ عہد حاضر کا دستور اجتماعی اور قانون مدن بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اگر گنجایش ہو تو ہم مختلف قوموں میں سے ایسے نظائر پیش کر سکتے ہیں مگر قطع نظر اس کے صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ جو عقائد اجتماعیت، وطنی معاشیات اور ملکی سیاسیات کے منافی ہوں گے ملک کا قانون ایسے عقائد کے خلاف ہر قسم کی سختی اور پابندی کرنے پر حق بجانب ہوگا۔

پس اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے میں اسلام کا حکم برمحل ہے یا ناروا تو سب سے پہلے ہمیں بت پرستی اور اس کے نتائج پر غور کرنا چاہیے۔

اس حیثیت سے گذشتہ تاریخ پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ شرک کا عقیدہ مختلف زمانوں میں واقعی طور پر معاشرہ کے لیے ضرر کا موجب ثابت ہوا ہے تو تسلیم کر لینا چاہیے کہ مشرکین کے خلاف اسلام کی نبرد آزمائی جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔

جس عہد میں خاتم المرسلینؐ نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز فرمایا (تا بہ نزول سورۂ توبہ—م) شرک محض بتوں کی پرستش ہی کی شکل میں جلوہ آرا نہ تھا اور اگر یہ معاملہ اس حد تک ہوتا تب بھی اس کے خلاف جہاد کرنا واجب ہو جاتا کہ آخر انسان پتھر کے حضور جبہہ سائی کر کے فطرت انسانی کو متہم کرنے والا کون ہوتا ہے؟ لیکن رسول اللہ کے زمانے میں شرک اپنے جیب و داماں میں عقائد و اعمال کے گوناگوں عجائبات لیے ہوئے صنم کدوں میں براجمان تھا، ایسے عمل و عقیدہ کے ساتھ جو نہ صرف بردہ فروشی کے مقابلہ میں پست ترین ہیں اور بولشویک عقیدۂ تقسیم دولت کے سامنے حقیر و ذلیل نظر آتے ہیں، بلکہ موجودہ بیسویں صدی کے اس دور (اواخر) کے بعض دوسرے مجلسی نظام کے مقابلہ میں بدترین عقائد و اعمال سے زیادہ گھناؤنے دکھائی دیتے ہیں، جس شرک کا ایک شاخسانہ زندہ دختروں کو دفن کر دینا تھا، دوسری شاخ بیویوں کی کثرت تھی۔ کسی کے محل میں تیس حرم ہیں، بعض کے تصرف میں چالیس نازنینائیں ہیں، کسی کی حویلی میں یک صد اور ایسے دولت مند بھی موجود ہیں جن کی زندگی تین سو بیویوں کے بغیر بسر نہیں ہوتی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اسی شرک کا ثمرہ سود در سود کا دیو ہے جسے سرمایہ داروں نے غریب الحال لوگوں پر مسلط کر رکھا تھا اور اسی طرح کوچہ و بازار میں علانیہ دنائت و پستیٔ اخلاق کی نمایشی معاشرہ کا حسن سمجھا جاتا۔ رسول خدا کے دور میں عرب کے یہ باشندے ہر لحاظ سے دنیا کی پست ترین اقوام سے تھے۔

کیا فرماتے ہیں دور حاضرہ کے ارباب فکر و نظر کہ اگر آج کے معاشرہ کے کسی جزو یا کل میں دختروں کا زندہ در گور کرنا ضروری بلکہ جائز قرار دیا جائے، تعدد ازدواج کی وسعت بیان کردہ حدود کے مطابق یا اس کے مقابلہ میں جزواً ہی سہی اجازت دے دی جائے، بردہ فروشی قحط یا کسی اور سبب پر مبنی سہی، سود خوری اسی بہیمانہ طریق پر رائج ہو اور ریاست ان کے قلع قمع پر اتر آئے تو ریاست کا یہ اقدام اس کے تعصب اور دوسروں کے عقیدہ کی آزادی پر ضرب سمجھا جائے گا؟

بالفرض ایک قوم ایسے برے اخلاق کو معاشرت کا جزو قرار دے چکی ہے اور اب ان کے یہ اخلاق دوسری قوموں پر اپنا دامن پھیلانے کے لیے بے تاب ہو رہے ہیں۔ اگر ارباب اختیار ایسی قوم کے خلاف اعلان جنگ کر دیں تو کیا ان کا یہ اعلان ناجائز ہوگا؟ اور یہ جنگ اس عالم گیر لڑائی کے مقابلہ میں زیادہ مکروہ ہوگی جس میں کروڑوں انسان صرف ارباب سیاست کی ہوس استعمار پر نچھاور کر دیے گئے ہیں؟

خاتمۂ بحث در بارۂ اعلان جنگ در سورۂ توبہ: سورۂ برات کی ابتدائی آیات پر مستشرقین کی گرفت کس حد تک ناکارہ ہے اور اسلام جیسی موحدانہ دعوت کے مقابلہ میں شرک اور مشرکین جو ایک فطری نظام کے اندر اس کے مخالف نظم و نسق کا تداخل کرنے کے مجرم ہوں ان کے خلاف اعلان جنگ کس حد تک حق بجانب!

زمانۂ رسالت پناہ میں ملک (عرب) میں جو نظام شرک و بت پرستی کے پرتو میں قائم تھا تاریخ اس پر گواہ ہے اور اس نظام (شرکیہ) کے مقابلہ میں حضرت خاتم الرسل کی پوری زندگی کے معمولات پر بھی تاریخ شاہد۔ اس میں وہ مدت بھی شامل ہے جب آں حضرت مکہ معظمہ میں بعثت کے ابتدائی تیرہ سال بلا انقطاع تبلیغ فرماتے رہے مگر اس عرصہ میں نہ تو براہین و دلائل کا دامن ہاتھ سے چھوڑا نہ گفتگو میں احسن طریق سے ہٹ کر کبھی کوئی لفظ زبان مبارک پر آنے پایا۔

یہی طرز عمل جنگوں میں تھا جن میں کبھی جارحانہ اقدام کا موقعہ پیدا نہ ہونے دیا بلکہ جب کہیں مسلمانوں پر ظلم و تشدد کیا گیا تو اس کی مدافعت کے لیے ناچار ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ مسلمانوں کی طرف سے یہ مدافعت اپنے اس عقیدہ و دعوت کی محافظت تھی جس پر وہ (مسلمان) ایمان لائے اور اس کے لیے قدم قدم پر قربانیاں دیں۔ پھر یہی دعوت (اسلام) پوری قوت سے مشرکین کے ساتھ ان کے عقیدۂ شرک کی نجاست کی وجہ سے مبارزت میں بھی استعمال ہوئی اور اس تحدی کے ساتھ کہ اگر وہ شرک سے ہاتھ نہ روکیں تو ان کے لیے کسی قسم کے عہد و پیمان کی ذمہ داری نہیں: ''کیف وان یظھروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا ولا نعمه''[1] یعنی اس لیے کہ یہ رسم بھی انہی کی ایجاد ہے کہ جب کبھی انہیں مومنین پر قابو حاصل ہوا انہیں ان کے ساتھ کسی رواداری یا پناہ دہی پر میلان نہ ہو سکا (م۔حتیٰ کہ ''وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ''[2])۔

الغرض سورۂ براۃ تمام غزوات کے بعد (تا بہ خاتمۂ غزوہ تبوک) نازل ہوئی۔ اب مثلاً عرب ھی میں ایک ایسا شہر ہے جس کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں اور اسی شہر کے رہنے والوں میں ابھی تک بے شمار اشخاص شرک کی نجاست سے آلودہ ہیں یہاں تک کہ مسلمانوں نے شہر میں اس اجتماعی و اقتصادی نظام کے جاری کرنے کا تہیہ کر لیا ہے جو رسول اللہ کی بعثت سے لے کر اب تک عرب کے قدیم مشرکانہ نظام کو

---

[1] مشرکین کا عہد کیسے معتبر ہو سکتا ہے؟ ان کا حال یہ ہے کہ اگر یہ لوگ تم مسلمانوں پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس ملحوظ رکھیں اور نہ عہد و پیمان کا (۹: ۸)۔

[2] اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا اور تم سے چھیڑ خانی بھی اول انہوں ھی نے شروع کی (۹: ۱۳)۔

تہس نہس کرتا چلا آ رہا ہے ۔ جب نووارد مسلمانوں نے وہاں کے مشرکوں کے سامنے اسلام (کا جدید نظام) پیش کیا ، ان میں خدا کی طرف سے حلال شدہ اور حرام کردہ دونوں قسم کے امور کی تبلیغ کی ، تو انھوں نے اسے قبول کرنے کی بجائے استحقار سے ٹھکرا دیا ۔ کیا انصاف پسند طبائع کے نزدیک ایسے (منکرین) لوگوں کے خلاف طاقت کا استعمال ناروا ہے؟ اور اگر ایسے لوگ معمولی طاقت کی نمایش سے ریاست کے دستور اخلاق پر عمل پیرا ہونے کو تسلیم نہ کریں تو اس وقت تک ان کے خلاف جنگ کرنے میں تامل ہو سکتا ہے جب تک وہ کلمہ" الحق کی تعمیل سے گریز کریں تا آنکہ ویکون الدین کلہ للہ[1] (۸ : ۴۰) ۔

یہی باعث ہوا حضرت علی کے اعلام (براۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین فسیحوا فی الارض اربعہ اشھر—م) کے بعد اس موقعہ پر مندرجہ ذیل قوانین ریاست بیان کرنے کا کہ :

(۱) لا یدخل الجنہ" کافر	کافر جنت میں داخل نہ ہوں گے ۔
(۲) لا یحج بعد العام مشرک	شرک کرنے والا حج نہیں کر سکتا ۔
(۳) ولا یطوف بالبیت عریاناً	برہنہ ہو کر طواف کعبہ نہیں کیا جا سکتا ۔

جس کا نتیجہ ریاست میں یک جہتی کے لیے بے حد امید افزا ثابت ہوا ۔ قبائل میں جو لوگ ابھی تک اسلام قبول کرنے میں متردد تھے ان کے شکوک رفع ہوگئے اور اعلام کے بعد یمن ، مہرہ ، بحرین اور یمامہ کے وہ لوگ بھی اسلام میں داخل ہو گئے جو ابھی تک ایک طرف کھڑے ہوئے انجام کا انتظار کر رہے تھے ۔

عامر بن طفیل کا حشر : ماسوا معدودے چند منکرین کے جنھیں ان کے غرور بے جا نے بہکا رکھا تھا اور اپنی جاہلی نخوت و تمکنت کے سہارے اپنی سیادت کے پرتو میں جی رہے تھے—ان میں ایک متکبر عامر بن طفیل ہے جو روسائے قبیلہ (اربد بن قیس و خالد بن جعفر اور حیان بن مسلم بن مالک—م) کے چوتھا رئیس تھا ، یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے رسول خدا کی خدمت میں باریاب ہوئے—لیکن جب عامر بن طفیل آں حضرت کے سامنے پیش ہوا تو بدنصیب مکابرہ پر اتر آیا ۔ اور تو اور ریاست میں اپنے وقار پر وثیقہ طلب کرنے لگا ۔ رسول خدا نے تلقین میں کوئی کمی نہ رکھی لیکن اس کے برے دن آ چکے تھے ۔ یہ کہتا ہوا واپس لوٹا کہ ”دیکھنا اس شہر کو پیدل اور سوار فوج سے کس طرح کھنڈر کیے دیتا ہوں!“ رسول اللہ نے خدا سے التجا کی ”خداوندا! مجھے عامر کے شر سے محفوظ رکھیو!“

عامر مدینہ ہی میں سے گذرتا ہوا بیمار پڑ گیا ۔ گردن پر طاعون کا پھوڑا نکل آیا ۔ راستے میں بنوسلول کی ایک عورت کے گھر میں آ گرا اور اسی گھر میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کے چنگل میں الجھ گیا ۔ مرتے وقت اس کی زبان پر یہ کلمہ تھا ”اے برادران بنوعامر! یہ پھوڑا تو اونٹ کی گردن پر نکلا کرتا تھا ۔ میرے مقدر میں بھی اسی سے مرنا لکھا ہے!“

قبیلہ بنوعامر کا دوسرا متکبر اربد بن قیس بجلی گرنے سے ہلاک : یہ بھی اسی وفد (بنوعامر) میں شریک تھا جو اسلام سے روگرداں ہو کر واپس لوٹا ۔ ایک روز جب وہ اپنا اونٹ بیچنے کے لیے گھر سے نکلا تو بجلی گری اور اربد کو جلا کر بھسم کر گئی ۔ لیکن عامر اور اربد ان دونوں قبیلوں کو اسلام لانے سے نہ روک سکے ۔

---

[1] اور دھائی ساری خدا ہی کی ہو ۔

مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب کی متوازی وحی: عامر بن طفیل اور اربد بن قیس دونوں سے زیادہ بدانجام اور آفت رسیدہ مسیلمہ بن حبیب تھا جو یمامہ سے بنوحنیفہ کے وفد میں آیا لیکن خود شہر سے باہر اپنے همراهیوں کے سامان کی چوکیداری کے لیے رہ گیا ۔ دوسرے افراد رسول خدا کی خدمت میں باریاب ہوئے اور سب کے سب اسلام سے مشرف ہوگئے۔ آں حضرت صلعم نے انھیں انعامات سے سرفراز فرمایا ۔

بنوحنیفہ نے رسول خدا سے اپنے رفیق وفد مسیلمہ کا تذکرہ کیا تو آپ نے اس کے لیے بھی ان کے برابر عطیہ بخشا اور فرمایا ”وہ بھی مرتبہ میں تم لوگوں کے مساوی ھے اس لیے کہ قوم کے سامان کی چوکیداری مرتبہ میں کمی کا موجب نہیں ہو سکتی“ لیکن جب مسیلمہ نے اپنے متعلق رسول اللہ کا یہ قول سنا تو اس نے متوازی نبوت اور وحی کا دعویٰ کرتے ہوئے خود کو رسول اللہ کے ساتھ رسالت میں شراکت کا پیغام بھیج دیا اور اپنی وحی کے نمونہ میں یہ جملے زبان سے ادا کیے :

لقد انعم اللہ علی الحبلی اخرج منها	اللہ نے زن حاملہ کو کیا نعمت عطا فرمائی ۔
نسمہ تسعیٰ من بین صفاق وحشاء۔	اس کے بطن سے زندہ بچہ پیدا ہوا جو چلنے پھرنے لگا ۔

مسیلمہ کی شریعت : شراب اور زنا حلال مگر نماز حرام ھے جس کی طرف اس نے لوگوں کو آنے کی دعوت دی ۔

وفود : رسالت مآب کے حضور ملک کے چاروں طرف سے وفود آنا شروع ہوئے جن کا امیر قبیلہ کا معزز سردار ہوتا — مثلاً جناب عدی بن حاتم اور حضرت عمرو بن معدی کرب ۔ البتہ حمیر کے نوابوں نے اپنی طرف سے قبول اسلام کا تحریری وثیقہ اپنے سفیر کے توسل سے پیش کیا جسے رسول خدا نے تسلیم فرما کر ضروری ھدایات و احکام شریعت بھی تحریری بھجوا دیے ۔ یہ جنوب ملک (یمن) کے سفیر ھیں ۔ جب پورے یمن میں اسلام پھیل گیا تب آں حضرت نے سابقین الاسلام میں سے ان لوگوں کو یمن بھیجا جو نوواردان اسلام کو عقائد و مسائل کی تلقین سے آراستہ کر سکیں ۔

صرف وفود عرب کے قبیلوں کے نام : وفود آتے رہے ۔ ان میں سے ہر ایک کی حکایت طوالت کا باعث ہوگی جیسا کہ دوسرے سیر نویس حضرات نے کیا اور ابن سعد نے تو (”طبقات،، نام کتاب) میں بڑی تقطیع کے پچاس صفحات اسی تذکرہ میں مزین کر دیے ۔ لہٰذا ھم اس موقعہ پر صرف قبائل اور ان کی شاخوں کے ناموں پر اکتفا کرتے ھیں ۔

مزینہ ، اسد ، تمیم ، عبس ، فزارہ ، مرہ ، ثعلبہ ، محارب ، سعد بن بکر ، کلاب ، رؤاس بن کلاب ، عقیل بن کعب ، جعدہ ، قشیر بن کعب ، بنی البکا ، کنانہ ، اشجع ، باھلہ ، سلیم ، ھلال بن عامر ، عامر بن صعصعہ ، ثقیف ۔

از ربیعہ : عبدالقیس ، بکر بن وائل ، تغلب ، حنیفہ ، شیبان ۔

از خطۂ یمن : طے ، تجیب ، خولان ، جعفیٰ ، صداء ، مراد ، زبید ، کندہ ، صدف ، خشین ، سعدھذیم ، بلیٰ ، براء ، عذرہ ، سلامان ، جھینہ ، کلب ، جرم ، ازد ، غسان ، حارث بن کعب ، ھمدان ، سعدالعشیرہ ، عنس ، الداریین ، الرھاویین ۔

از بنومذحج : غامد ، نخع ، بجیلہ ، خثعم ، اشعریین ، حضرموت ، ازدعمان ، غافق ، بارق ، دوس ، ثمالہ ، حدان ، اسلم ، جذام ، مھرہ ، حمیر ، نجران ، جیشان ۔

جزیرہ نمائے عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس نے بت پرستی کے بعد اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ عرب کے مشرکین بت پرستی چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے گئے تا آنکہ تمام ملک بتوں کی پرستش سے بے نیاز ہو کر خدائے یکتا کی عبادت پر کاربند ہو گیا۔ یہ اتفاق تبوک کے بعد ہوا۔ مدینہ میں جو وفد آیا کسی جبر و تحکم کے بغیر آیا اور از خود اطاعت گذارانہ حیثیت سے آیا۔ نہ کسی قبیلہ پر دباؤ ڈالا گیا اور نہ کسی کے معاملہ میں کشت و خون کی نوبت آنے پائی۔

مشرکین کے قبول اسلام کے بعد یہود اور نصاریٰ کا معاملہ باقی رہ گیا کہ ان کے ساتھ رسول اللہ نے کیا سلوک کیا۔

اسے انتیسویں فصل میں ملاحظہ فرمائیے۔

۲۹

عرب کے اہل کتاب سے لے کر خطبہ حجۃ الوداع تک

صادق امین عبداللہ محمد ﷺ کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اول آخر ظاہر باطن [illegible] یتیم

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۲۹

عرب کے اہل کتاب سے لے کر خطبۂ حجۃ الوداع تک

حضرت ابوبکر صدیق کے زمانۂ حج (۹ھ) میں جناب علی بن ابی طالب نیابتاً سورۂ براۃ کی جو آیتیں اعلاماً سنانے آئے تھے ممدوح نے منیٰ میں یہ آیات سنانے کے بعد اعلان فرمایا کہ ''نہ تو کافر کے لیے جنت میں جگہ (مقام) ھے نہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج ادا کرنے کے لیے بیت اللہ میں قدم رکھ سکتا ھے، نہ کوئی زائر برہنگی کی حالت میں کعبہ کا طواف کرنے کا مجاز ہوگا۔ اور جس کسی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا وثیقہ موجود ہو وہ آیندہ کی پابندیوں سے پوری طرح آزاد متصور ہوگا۔''

اس اعلان پر مشرکین کو یقین ہو گیا کہ آج سے بتوں کی خدائی تسلیم کرنے کے لیے کوئی سبیل نہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے ایسا کیا تو اس کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سمجھا جائے گا۔ اس ساعت تک عرب کے جنوبی گوشہ یمن و حضرموت میں ایسے لوگ باقی رہ گئے تھے جو بت پرستی پر قائم تھے۔ ان کے سوا حجاز اور اس کے ملحقہ گرد و نواح خصوصاً عرب کے شمالی حصے میں بسنے والے مشرکین اسلام قبول کر چکے تھے اور یہ کہ ان جنوبی (علاقۂ یمن کے) باشندوں میں بت پرستوں کے ساتھ نصاریٰ بھی ہنوز قدیم مذہب پر جمے ہوئے تھے۔

عرب کے ان علاقوں سے مشرکین کے وفود مدینہ آتے جو بطیب خاطر اسلام قبول کرتے اور دین و دولت دونوں سے مالا مال ہو کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے۔ بیشتر وفود کے سرداروں کو ان کے مناصب دنیوی پر بحال رکھا جاتا جس سے انہیں اسلام کی رواداری اور زیادہ متاثر کرتی۔

اہل کتاب اور بت پرستوں میں امتیاز: اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے متعلق سورۂ براۃ کی آیات جو حضرت علی نے حج ابوبکر کے زمانے میں سنائیں مندرجہ ذیل ہیں:

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتیٰ یعطوا الجزیہ عن ید وھم صاغرون (۹ : ۲۹)۔	اہل کتاب میں سے جن لوگوں کا یہ حال ھے کہ نہ تو خدا پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت کے دن پر، نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرا دیا ھے اور نہ سچے دین ہی پر عمل پیرا ہیں، تو (مسلمانو!) ان سے بھی جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ جائے۔
(تا بہ آیۂ) یاایہا الذین آمنوا ان کثیراً من الاحبار والرہبان لیاکلوا	—مسلمانو! یاد رکھو (یہودیوں اور عیسائیوں کے) علما اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے

اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ والذین یکنزون الذھب و الفضہ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون (۹ : ۳۴ - ۳۵) -

لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق و ناروا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں- اور جو لوگ چاندی سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو عذاب درد ناک کی خوش خبری سنا دو (عذاب درد ناک کا وہ دن) جب کہ (ان کا جمع کیا ہوا) سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اس وقت کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا تھا- سو جو کچھ ذخیرہ کرکے جمع کرتے رہے اس کا مزا آج چکھ لو-

بیشتر مسیحی مؤرخین سورۂ برأت کی آیات متذکرہ الصدر کے مطابق اعتراض کرتے ہیں کہ (جناب) محمد نے اہل کتاب کے متعلق اب (آخر میں آ کر) اس دستور کے خلاف حکم تو نہیں دیا جو سورۂ برأت نازل ہونے سے دو سال قبل آپ کا معمول تھا- بعض مستشرقین یہاں تک کھل کھیلے ہیں کہ آج (سورۂ براۃ کے نزول پر) آں حضرت نے مشرکین اور اہل کتاب دونوں کو ایک صف میں لا کر کھڑا کر دیا ہے - یہی یہود و نصاریٰ ہیں جن کے بل بوتے پر (جناب) محمد صلعم نے مشرکین پر غلبہ حاصل کیا تھا جیسا کہ اپنی رسالت کے دور اول میں بسلسل کئی سال تک فرمایا کیے کہ ''آپ دین عیسوی و مسلک موسیٰ و مشرب ابراہیمی اور ان انبیاء کے طریق تجدید و تبشیر کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جو ان سے قبل دنیا میں تشریف لائے-'' اس سے کچھ عرصہ بعد جب یہودیوں کی طرف سے عداوت ظاہر ہونے پر ان کے قلع قمع پر متوجہ ہوئے تو نصاریٰ سے امداد حاصل کرنے کے لیے ان کے ایمان و دوستی کی تعریف میں (آں حضرت پر) یہ آیہ نازل ہوئی :

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا ولتجدن اقربھم مودۃ للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ذالك بان منھم قسیسین و رھباناً وانھم لا یستکبرون (۵ : ۸۲) -

(اے پیغمبر!) تم ایمان والوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہودیوں کو پاؤ گے نیز (عرب کے) مشرکوں کو- اور ایمان والوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ''ہم نصاریٰ ہیں'' اس لیے کہ ان میں پادری اور رہبان ہیں (یعنی عالم اور تارک دنیا فقیر ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں) اور اس لیے کہ ان میں گھمنڈ اور خود پرستی نہیں-

''لیکن آج سے عیسائیوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جا رہا ہے جو کل تک یہودیوں کے ساتھ ہوا بلکہ یہاں تک کہ نصاریٰ کو ان لوگوں کے درجہ پر لایا جا رہا ہے جو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ قیامت کو- یہی نصاریٰ ہیں کہ جب حضرت محمد کے مسلمان پیرو مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تو ان کے عیسائی بادشاہ (نجاشی) نے اپنی سلطنت

میں انہیں پوری آزادی کے ساتھ رہنے کی اجازت دی۔ انہی مسیحوں کے نجرانی اور دوسرے دوسرے قبائل کو جناب محمد نے نہ صرف ان کے سابقہ دین بلکہ رسومات پر بھی پہلے کی طرح عمل کرنے میں تعرض نہ کیا حتیٰ کہ ان میں جو جس کا منصب یا اعزاز تھا اسے بھی بحال رہنے دیا۔،،

نتیجۂ بحث در بارۂ نصاریٰ: رسول خدا صلوات اللہ علیہ پر نصاریٰ کے اس حد تک احسانات شمار کرنے کے بعد ان کے ہم مسلک مستشرقین فرماتے ہیں ’’آج انہی نصاریٰ کے ساتھ حضرت محمد کا برتاؤ اس قدر مختلف ہو رہا ہے کہ جس سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان دشمنی کی خلیج حائل ہو سکتی ہے جس کی بنا پر تابعین مسیح اور پیروان محمد (صلوات اللہ علیہما وسلم) میں باہم یک جہتی کے امکانات اگر محال نہیں، تاہم مشکل ضرور ہیں۔،،

از روئے قرآن مسیح ابن مریم کی منزلت: بظاہر مستشرقین کا یہ نقض ان لوگوں کے لیے سرمایۂ تسکین ہو سکتا ہے جن کے سامنے مسئلہ کی دوسری حیثیت نہ ہو لیکن اگر تاریخی تتبع کے ساتھ ان آیات قرآنی کی ترتیب اور ان کے اسباب نزول پر غور کیا جائے تو قطعیت سے کہا جا سکتا ہے کہ آغاز بعثت سے لے کر رحلت تک رسول اللہ کا موقف اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) دونوں کے متعلق ایک ہی رہا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

چنانچہ قرآن کے مطابق ’’مریم کا بیٹا مسیح اس کے کلمۂ بشارت کا ظہور ہے جو مریم پر القا کیا گیا تھا۔ اور مسیح ابن مریم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جس نے انہیں سراپائے نبوت عطا فرمایا اور وہ جہاں کہیں رہیں انہیں سبب برکت ٹھہرایا اور انہیں ادائے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب جب وہ دنیا میں رہیں،، اور ’’اللہ ایک ہی ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ کوئی اس کے برابر ہے۔،، اول یوم سے لے کر دنیا جہان کی بقا تک اسی بنیاد پر اسلام کی روح قائم ہے اور یہ روح اسی طرح ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے منفک نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ مسئلہ زیر بحث کے متعلق واضح ہے کہ مستشرقین کے مورد اعتراضات سورۂ برأۃ میں مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کی تنبیہ سے بہت پہلے کا واقعہ ہے جب کہ نجران کے عیسائی رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مناظرانہ طریق پر آں حضرت سے یہ سوال کیا کہ ’’خیر! عیسیٰ کی ماں تو مریم تھیں ہی، مگر ان کے باپ؟،، اسی موقعہ پر مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن! فیکون۔	اللہ کے نزدیک تو عیسیٰ ایسا ہی ہے جیسے آدم جسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس کی بناوٹ کے لیے حکم فرمایا کہ ہو جاؤ (اور جیسا کچھ خدا کا ارادہ تھا اسی کے مطابق) ہو گیا۔
الحق من ربک فلا تکن من المترین۔	(اے پیغمبر! مسیح کے انسان ہونے کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے تو) یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے امر حق ہے (اور جو بات خدا کی طرف سے حق ہو وہ ثابت اور اٹل حقیقت ہے کبھی نہ مٹنے والی نہیں) تو دیکھو! ایسا نہ ہو کہ شک و شبہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ!

فمن حاجک فیه من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله علی الکاذبین۔	پھر جو کوئی تم سے اس بارے میں جھگڑا کرے حالانکہ علم و یقین تمہارے سامنے آ چکا ہے تو تم اس سے کہو (میرے پاس مسیح کے انسان ہونے کے لیے علم و یقین موجود ہے اگر تم بھی اس کی خدائی کے لیے ویسا ہی علم و یقین رکھتے ہو تو) آؤ! (یوں فیصلہ کر لیں کہ) ہم دونوں فریق میدان میں نکلیں اور اپنے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں اور خود بھی شریک ہوں پھر عجز و نیاز کے ساتھ حضور خداوندی میں التجا کریں (ہم دونوں میں سے جس کا دعویٰ جھوٹا ہو) تو جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار!
ان هذا لهو القصص الحق وما من اله الا الله وان الله لهو العزیز الحکیم۔	اے پیغمبر! یہ جو کچھ بیان کیا گیا بلاشبہ بیان حق ہے اور کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اللہ کی ذات یگانہ اور یقیناً اسی کی ذات ہے جو سب پر غالب اور (اپنے کاموں میں) حکمت رکھنے والی ہے۔
فان تولوا فان الله علیم بالمفسدین۔	پھر اگر یہ لوگ (فیصلہ کا یہ طریقہ) قبول نہ کریں (اور مباہلہ سے گریز کر جائیں) تو اللہ مفسدوں کا حال خوب جانتا ہے۔
قل یا اهل الکتاب! تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون (۳ : ۵۹ - ۶۴)۔	(اے پیغمبر!) تم (یہود اور نصاریٰ سے) کہ دو کہ اے اہل کتاب! (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو) اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لیے یکساں طور پر مسلم ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں کسی کی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنا لیا ہے! پھر اگر یہ لوگ اس بات سے رو گردانی کریں تو تم کہ دو ”گواہ رہنا کہ (انکار تمہاری طرف سے ہے) اور ہم خدا کے ماننے والے ہیں!“

یہ آیتیں سورۂ آل عمران میں سے ہیں جن میں ذات خداوندی نے نصاریٰ (بشمول یہود) ہر دو پر عتاب فرمایا کہ ”تم دوسروں کو بھی خدا پر ایمان لانے سے منع کرنے میں خدا

سے نہیں ڈرتے،،۱ — اور ”خود بھی اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہو،،۲ اور اسی طرح (سورۂ) آل عمران میں وہ احکامات بیان ہیں جو خدا کی طرف سے حضرت عیسیٰ و جناب موسیٰ اور ابراہیم پر نازل ہوئے مگر یہود و نصاریٰ دونوں کے گٹھ جوڑ نے ان احکامات میں تحریف کرکے انہیں دنیوی اغراض کا آلہ بنا لیا اور جس طرح (سورۂ) آل عمران میں یہ آیات ملتی ہیں اسی طرح قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں بھی یہ احکام بکثرت پائے جاتے ہیں ازاں جملہ سورۂ مائدہ میں!

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ وما من الہ الا الہ واحد وان لم ینتھوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منھم عذاب الیم۔	یقیناً وہ لوگ (حق سے) منکر ہوئے جنھوں نے کہا ”خدا تین میں ایک ہے،، (یعنی باپ بیٹا اور روح القدس) حالانکہ کوئی معبود نہیں مگر وہی معبود یگانہ۔ اور (دیکھو) جو کچھ یہ کہتے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے انکار کیا ہے انہیں عذاب درد ناک پیش آئے گا!
افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہٗ واللہ غفور رحیم	انہیں کیا ہوگیا کہ اللہ کی طرف نہیں لوٹتے اور اس سے بخشش طلب نہیں کرتے حالانکہ وہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے۔
ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانا یاکلان الطعام انظر کیف نبین لھم الایات ثم انظر انی یؤفکون (۵ : ۷۲ تا ۷۵)۔	مریم کا بیٹا مسیح اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کا ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی کتنے رسول (اپنے اپنے وقتوں میں ہو چکے ہیں) اور اس کی ماں (بھی اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ) صدیقہ تھی (یعنی بڑی ہی راست باز انسان تھی)۔ یہ دونوں تمام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے (یعنی غذا کی احتیاج رکھتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ جسے زندہ رہنے کے لیے غذا کی احتیاج ہو اس میں ماورائے بشریت کوئی بات کیونکر ہو سکتی ہے)۔ دیکھو، کس طرح ہم ان لوگوں کے لیے دلیلیں واضح کر دیتے ہیں اور پھر دیکھو کس طرف کو یہ لوگ پھرے ہوئے جا رہے ہیں (کہ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے)۔

سورۂ مائدہ ہی میں یہ آیت بھی ہے:

واذ قال اللہ یا عیسیٰ ابن مریم	اور پھر جب ایسا ہوگا کہ اللہ کہے گا ”اے

۱- بمطابق مفہوم مولف: یعنی ”قل یا اھل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ من آمن—،، (۳ : ۹۹)—م۔

۲- و ایضاً بمطابق مفہوم مولف: یعنی قل یا اھل الکتاب لم تکفرون بآیات اللہ،، (۳ : ۹۳)—م۔

۳- بمطابق مفہوم مولف: یعنی قل آمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم واسمعیل ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ الخ (۹ : ۷۸)—م۔

اانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ قال سبحانک ما یکون لی ان اقول مہ الیس لی بحق (۵: ۱۱٦) ۔

مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو!،، عیسیٰ جواب میں عرض کرے گا ''تیرے لیے پاکی ہو۔ بھلا مجھ سے یہ بات کیسے ہو سکتی ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں ؟،،

مسیحی مورخین سورۂ مائدہ ہی کی آیات سے اپنے موافق یہ استدلال کرتے ہیں کہ اوائل میں تو حضرت محمد نصاریٰ کے ساتھ حسن مراعات سے پیش آتے رہے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت سے ثابت ہے :

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا و لتجدن اقربھم مودۃ للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ذالک بان منھم قسیسین ورھباناً وانھم لا یستکبرون (۵: ۸۲) ۔

(اے پیغمبر!) تم ایمان والوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہودیوں کو پاؤگے نیز (عرب کے) مشرکوں کو، اور ایمان والوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤگے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں اس لیے کہ ان میں پادری اور رہبان ہیں (یعنی عالم اور تارک دنیا فقیر ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں) اور اس لیے کہ ان میں گھمنڈ اور خود پرستی نہیں ہے ۔

اب رہیں سورۂ براۃ کی وہ آیتیں [م—جن میں نصاریٰ کو (بشمول یہود) جزیہ ادا کرنے کا پابند کر دیا یعنی : یعطوا الجزیہ عن ید وھم صاغرون (۹: ۲۹)] تو یہ عتاب ان کے حضرت عیسیٰ بن مریم (علیھما السلام) پر ایمان لانے کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے شرک باللہ ، ایک دوسرے کا مال دھوکے سے بٹورنے ، سرمایہ داری کی کثرت سے شکم کو دولت کا تندور بنانے اور خدا کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینے کی وجہ سے ہے جسے اسلام عیسوی دین کے خلاف اعلان جنگ سمجھتا ہے ۔ یہ ان لوگوں کا وطیرہ ہو سکتا ہے جن کا نہ تو خدا پر ایمان ہو نہ آخرت پر یقین ۔

بایں تہدید انہی نصاریٰ کے حق میں اسلام کی رواداری اور حسن مراعات کا یہ عالم ہے کہ ان کی ایسی برائیوں کے باوجود اسلام نے انہیں نہ تو اہل ایمان کے زمرہ سے مطلقاً خارج کیا نہ ان کے ساتھ بت پرستوں کا سلوک روا رکھا [م—جن بت پرستوں کے خلاف لسلام نے قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر[1] (۹: ۲۹) سے اعلان جنگ فرما دیا)] بلکہ اسلام نے تو ان (نصاریٰ) کے ''ان اللہ ثالث ثلثہ (۵: ۷۷) خدا تین میں ایک ہے،، پر عقیدہ رکھنے اور (م—انجیل کی تعلیم کے مطابق) خدا کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینے کے باوجود (اعلان جنگ کی بجائے) صرف ادائے جزیہ تک کا مکلف رہنے دیا ۔

وفد کندہ: جیسا کہ اٹھائیسویں فصل میں نقل ہو چکا ہے کہ حج ابوبکر کے موقع پر حضرت علی کے اعلان کے اثر سے جنوب کے عرب قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل

---

[1] (مشرک—م) جو نہ خدا کو مانتے ہیں (جیسا کہ ماننے کا حق ہے) اور نہ آخرت کو—ان لوگوں سے بھی لڑو ۔

ہونے لگے اور مدینہ میں متواتر ان کے وفود آنا شروع ہو گئے ۔ ان میں مشرکین اور اہل کتاب دونوں قسم کے لوگ شامل تھے ۔ رسول اللہ ان کی بیش از بیش تکریم فرماتے اور ان کے سرداروں کو ان کے سابقہ مناصب پر فائز رکھنے میں کوئی تامل نہ فرماتے ۔

جب بنو کندہ کا وفد جس میں اسی افراد شامل تھے حاضر ہوا تو اس موقعہ پر رسول اللہ مسجد میں تشریف فرما تھے ۔ ارباب وفد بڑے طمطراق کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے ۔ کندھوں پر لٹیں بکھری ہوئیں ، آنکھوں میں سرمے کی تحریر ، ریشمیں استر سے منڈھے ہوئے یمنی جفر کے پٹکے گلوں میں حائل ۔ انہیں دیکھتے ہی آں حضرت نے فرمایا ۔

''کیا تم لوگ مسلمان نہیں ؟''

اشعث کندی : یا رسول اللہ ! کیوں نہیں ، ہم مسلمان ہیں ۔

فرمایا : مسلمان ہونے کے باوجود ریشمیں استر کے پٹکے گلے میں حائل کرنے کے کیا معنی ہیں ؟

ارباب وفد نے سنتے ہی پٹکے چاک کر کے پھینک دیے ۔

امیر وفد اشعث بن قیس نے مزاحاً عرض کیا ''ہم لوگ بنی آکل المرار ہیں اور جناب ص بھی !'' یہ سن کر آں[۱] حضرت صلعم مسکرا دیے اور فرمایا ''بنی آکل المرار ہوں گے تو عباس اور ربیعہ بن حارث ہوں گے ، میں بنی آکل المرار کیوں ہونے لگا''

وائل بن حجر اور معاویہ ابن ابوسفیان : اس وفد میں کندہ ہی کے ایک نواب وائل بن حجر بھی شریک تھے ۔ یہ حضرموت کے ساحلی شہروں اور بستیوں کے سردار تھے ۔ مسلمان ہو گئے اور آں حضرت صلعم نے انہیں اس شرط کے ساتھ ان کے منصب پر فائز

---

[۱] اسلاف کندہ میں حرث بن عمرو تھے جن کی اہلیہ ام اناس بنت عوف سے لقب ''بنی آکل المرار'' منسوب ہے ۔ مرار پیلو کا درخت ہے ۔ بی بی ام اناس نے یہ کلمہ ایسے موقعہ پر استعمال کیا جس کی وجہ سے ان کی عظمت میں چار چاند لگ گئے ، ۔ ہوا یہ کہ قریش (مکہ) کے نانیہال میں کلاب بن مرہ کی ماں — اسی خاندان (حرث بن عمرو) سے تھیں ۔ بنو کندہ کے خاندان میں کئی پشتوں سے بادشاہت بھی تھی ۔ عرب اپنے فخر کے لیے ہر شے کا سہارا لیتے ۔ حضرت عباس (بن عبدالمطلب) اور ربیعہ کے باپ (حارث) دونوں عبدالمطلب ہی کے فرزند تھے لیکن جدی نسب ماں کی جانب سے بنو کندہ سے ملتا تھا ۔ عباس اور ان کے برادر زادہ ربیعہ بن حارث تجارت کے لیے نکلے اور کسی نے ان کا نسب دریافت کیا تو انہوں نے اپنے فخر کی وجہ سے اپنی والدہ ام کلاب سے منسوب کرتے ہوئے ''نحن بنو آکل المرار'' بتا دیا اور شدہ شدہ یہ بات تمام ملک میں پھیل گئی ۔ قریش مکہ کی عظمت کی وجہ سے بنو کندۂ یمن کو بھی اپنے ساتھ ان کی نسبت پر فخر تھا ۔ یہ ہے پس منظر اشعث بن قیس کے عرض کرنے کا کہ ''یا رسول اللہ بنو کندہ اور قریش دونوں بنو آکل المرار ہیں !'' لیکن رسول خدا الحاق نسب کے معاملہ میں والدہ کی بجائے باپ کے نسب کو مناسب تصور فرماتے ۔ (آں حضرت نے) فرمایا ''نحن بنونضر بن کنانہ لا نققؤ أمنا ولا ثقفی من ابینا'' (ہم قبیلہ بنونضر بن کنانہ سے ہیں ۔ ہمیں اپنا الحاق ماؤں کے نسب سے منظور نہیں کہ اپنے باپ کے نسب کو ترک کر دیں (اور نضر کنانہ کے باپ ہیں) (ابن ہشام — م) ۔

رکھا کہ اپنے زیر اثر علاقہ سے عشر (زکوۃ) وصول کر کے محصلین کو سونپ دیا کریں ۔ وائل نے منظور کر لیا ۔

ان کے ہمراہ معاویہ بن ابوسفیان کو وہاں کے مسلمانوں کی تربیت کے لیے بھجوایا ۔ راستے میں معاویہ نے ان سے ان کی ردیف میں بیٹھ جانے کی درخواست کی ۔ وائل نے ردیف میں جگہ دینا تو درکنار فرمایا ”اگر دھوپ سے بچاؤ کے لیے میرے جوتے کی پوائی بھی طلب کرو تو مجھے گوارا نہیں ۔ البتہ تم میرے اونٹ کے سائے میں چل سکتے ہو ۔“ معاویہ نے یہ تصور کرتے ہوئے کہ اسلامی تعلیم نے مسلمانوں میں اس قسم کے مراتب کا کوئی امتیاز نہیں رہنے دیا حتیٰ کہ انہیں ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا وائل کی اس بے مہری کو نظر انداز کر دیا تاکہ ان کے ذریعے وہ اور اس کی قوم اسلام سے بہرہ مند ہو سکے ۔

اہل یمن کی دینی تعلیم کے لیے معاذ کا تقرر اور ہدایات : یمن میں ہر طرف اسلام پھیل گیا اور رسول خدا نے وہاں کے مسلمانوں کی تربیت کی غرض سے حضرت معاذ کی قیادت میں معلمین کا وفد روانہ فرماتے ہوئے امیر وفد کو تلقین فرمائی :

یسر ولا تعسر وبشر ولا تنفر وانك ستقوم علی قوم من اهل الکتاب یسئلونك ”ما مفتاح الجنه“ فقل شهادة ان لا اله الا الله وحده لا شریک له ۔	اے معاذ! سہولت مدنظر رہے ، نہ کہ سختی ۔ لوگوں کو اپنے ساتھ مانوس رکھنا ، مبادا انہیں خود سے دور کر دو اور (وہاں) اہل کتاب سے تمہاری ملاقات ہوگی جو تم سے جنت کی کلید معلوم کرنا چاہیں گے تو انہیں جواب دینا کہ جنت کی چابی لا الہ الا اللہ ہے اور اللہ وہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ۔

رسول خدا نے حضرت معاذ کے ہمراہ مسلمانوں کی ایک جماعت تعینات کر دی جو اہل یمن کی تربیت کے ساتھ ان کے مقدمات کا فیصلہ حکم خدا و رسول کے ساتھ کرے ۔

جزیرۂ عرب میں شمال سے لے کر جنوب اور مشرق سے لے کر مغرب تک اسلام پھیل چکا تھا ۔ ملک کے تمام باشندے ”امہ واحدہ“ بن گئے جو ایک علم کے سائے میں رہنے لگے اور یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تھا ۔ سب کا ایک دین اور ایک ہی اسلام تھا ۔ سب کے دل ایک ہی رخ پر مائل ۔ اور یہ رخ خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت تھی ۔

یہی قبائل ہیں جو آج سے بیس سال پہلے ایک دوسرے سے متنفر اور ایک دوسرے کے مال و آبرو کے دشمن تھے مگر اسلام کے جھنڈے تلے آتے ہی ان کے دل سے بت پرستی کی نجاست دور ہو گئی ۔ خدائے دو جہاں کی پرستاری کا جذبہ ابھر آیا ، باہمی عناد اور گلے شکوے ختم ہو گئے اور ایک دوسرے سے جنگ و جدل کی راہیں مسدود ہو گئیں ۔ جس تلوار کی کاٹ کا امتحان اہل وطن کے حلقوم پر ہوتا اب سے دشمنان وطن اور اعدائے دین کی شہ رگ پر ہونے لگا ۔

مابقی مسیحان نجران کا قبول اسلام : نجران کے عیسائیوں میں ایک ہی قبیلہ (بنو حارث) تھا جس کی اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی مگر ایک حصہ ابھی تک اپنے قدیم مسلک پر مصر تھا ۔ رسول خدا نے خالد بن ولید کو ان کی تلقین کے لیے مقرر فرمایا

اور انھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا ۔ حضرت خالد نے ان کا وفد آں حضرت صلوات اللہ علیہ کے حضور مدینہ بھیجا جس کی تکریم و تواضع رسول خدا نے بحسب عادت گرامی مروت و خندہ پیشانی کے ساتھ فرمائی ۔

اور مابقی اہل یمن کا قبول اسلام: یمن میں بھی قبیلۂ نخع ابھی تک اسلام سے بھاگ رہا تھا ۔ انھیں غرور تھا کہ اسلام کا ظہور اس ملک (حجاز) میں ہوا جو کل تک ان کا باجگذار تھا ۔ اہل حجاز کا مذہب قبول کر لینا اہل یمن کے نزدیک خود کو حجاز کا باجگذار بنانے کے مترادف تھا ۔ آں حضرت صلعم نے حضرت علی کو ایک سو مسلمانوں کا دستہ ان کے ہمراہ کر کے یمن بھیجا ۔ یہ لوگ بھی مقابلہ پر اتر آئے مگر علی ابن ابی طالب نے اپنی کم سنی کے باوجود انھیں بھگا دیا ۔ وہ دوسری مرتبہ پھر سمٹ کر پل پڑے اور صف بندی کر کے سامنا کیا ۔ اس مرتبہ حضرت علی نے انھیں گھیرے میں لے لیا ۔ محصورین نے عاجز آ کر ہتھیار ڈالنے کے ساتھ اسلام بھی قبول کر لیا اور اپنے حسن عمل و خلوص سے اسلام کا بول بالا کر دکھایا ۔ وہ لوگ بھی حضرت معاذ اور ان کے رفقاء کی تعلیم و تلقین سے مستفید ہوئے ۔ یہ آخری وفد تھا جو رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا (اس وفد کا عنوان وفد نخع ہے ۔ زرارہ بن عمرو نخعی اس وفد میں شریک تھے) ۔

حج اکبر کا اہتمام: جس موقعہ پر علی ابن ابی طالب یمن سے مراجعت فرمائے مکہ ہونے کا اہتمام فرما رہے تھے اسی وقفہ میں رسول خدا صلوات اللہ علیہ و آلہ حج اکبر کے انصرام میں مشغول تھے ۔ اس سال کے اکثر مہینے نکل چکے تھے ۔ ذی قعد کا بھی دوسرا پندرواڑہ شروع ہو چکا تھا ۔ اب تک آں حضرت صلعم نے حج اصغر یعنی عمرہ تو دو مرتبہ ادا فرما لیا تھا لیکن حج اکبر ادا کرنے کا ابھی تک اتفاق نہ ہوا تھا ۔ یہ بھی پیش نظر تھا کہ خود تشریف لے جا کر مسلمانوں کو اعمال حج سے آگاہ فرمایا جائے ۔

(آپ کے) اس عزم کا افشا ہوتے ہی یہ خبر تمام ملک میں پھیل گئی ۔ صحرا کے بادیہ نشین ، پہاڑوں کی گھاٹیوں پر بسنے والے ، دیہات اور شہروں کے باشندے نزدیک و دور ہر طرف سے امنڈ کر مدینہ میں سمٹ آئے ، مدینہ سے باہر خیموں کا نیا شہر آباد ہو گیا ۔ ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ تعداد میں لوگ جمع ہو گئے جنھوں نے مسلمانوں کی دعوت پر لبیک کہا تھا ۔ یہی لوگ ہیں جو چند سال پہلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے مگر آج مودت و اخوت کے صدقے میں باہم بھائیوں کا سا برتاؤ کر رہے ہیں ۔ ہزاروں نووارد مسلمانوں کا مدینہ کی گلیوں میں مٹر گشت ، ہر بشر خندہ رو ، چہرے سے مسرت و خوشی آشکار ، جن کی باہمی محبت حق کی داد رسی اور نور اسلام کے پھیلاؤ کا باعث ہوئی اور باہم اس قدر متحد گویا کانھم بنیان مرصوص[1] (۶۱ : ۴) ۔

حج بیت اللہ کے لیے شد رحال: ختم المرسلین نے ۲۵ ماہ ذیقعد سنہ ۱۰ کے روز مدینہ سے حج بیت اللہ کے لیے شد رحال فرمایا ۔ تمام حرم مشایعت میں تھیں ۔ سب سے آگے رسول اللہ کی سواری تھی ۔ امہات المومنین اپنے اپنے ہودج میں تشریف فرما ، زائرین آں حضرت اور امہات المومنین کے پیچھے پیچھے ۔ ان کی تعداد ستر ہزار اور بروایت دیگر ایک لاکھ دس ہزار منقول ہے ۔ مسلمانوں کے اس سفر کی محرک ان کی قوت ایمان

---

[1] وہ گویا ایک دیوار ہیں جس میں سیسہ پلا دیا گیا ہے ۔

تھی ۔ خانۂ خدا کی زیارت اور حج کی خوشی سے دل بلیوں اچھل رہے تھے ۔ ذوالحلیفه (میقات اهل مدینه—م) پر پہنچے اور شب بھر قیام فرمایا ۔ دوسرے روز نبوت مآب صلوات الله علیه اور تمام مسلمانوں نے احرام حج باندھا ۔ ایک ته بند اور ایک چادر سب کی پوشاک یکساں اور یک رنگ ۔ گویا مساوات کا ایک نادر روزگار نمونه پیش کیا ۔

تلبیۂ حج : رسول الله خلوص قلب سے رب العالمین کی طرف مائل تھے ۔ زبان سے تکبیرات حج ادا فرمائیں اور مسلمان بھی آپ کے هم آواز هوئے ۔

لبیک! اللهم لک لبیک! لبیک لا شریک لک لبیک! الحمد والنعمه" و الشکر لک لبیک! لبیک لا شریک لک لبیک!	خداوندا! هم تیرے حضور میں حاضر هیں دل و جان سے! تیرا کوئی شریک نہیں! تو هی حمد کا سزاوار هے! عطائے نعمت تیرے هی کرم پر منحصر هے اور تیرے هی حضور شکر واجب! اے خدائے وحده لاشریک! هم تیرے حضور حاضر هیں ۔

اس آواز سے دشت و صحرا گونج اٹھے ۔ موجودات کے ذره ذره نے مسلمانوں کے ساتھ هم آهنگی سے خدائے واحد کی ربوبیت کا اعتراف کیا ۔ مدینة" الرسول او
الله (مکه)
کی درمیانی راهوں میں زائرین کوسوں میں پھیلے هوئے هیں
آ گیا
سب مل کر حضور خداوندی میں سر بسجود هو گ
الله کی
اطاعت اور تشکر کا اظهار کیا ۔ هر شخ
تھیں
خانۂ خدا کی زیارت کب
ان
بھی اتنے بڑے مجمع
ر
شخصیت دیکھنے میں

حج عمره اور حل احر

راسته پر واقع هے تو رسو
لیے صرف عمره کی نیت ک
ان کے لیے حج کی نیت واج

مکه معظمه میں : زائرین
رسول خدا اور آپ کے رفقا
تمام مسلمانوں نے حجر اسود کو
پہلے چار تیز قدمی اور مابقی
کوه صفا پر تشریف لائے اور صفا
"جس زائر کے ساتھ هدی نه هو
تامل کیا جس پر رسول خدا نے خشم

ما امرکم فافعلوه!

اور برهمی کی حالت میں اپنے خیمه می
دریافت کیا "یا رسول الله! مزاج گرامی

مالی لا اغضب وانا آمر امراً فلا یتبع ۔

صحابہ میں سے ایک صاحب حاضر ہوئے اور رسول خدا کو خشمگیں پا کر عرض کیا ''یا رسول اللہ! آپ کو ناراض کرنے والے کو خدا تعالیٰ دوزخ میں جھونک دے گا۔'' فرمایا ''آپ نے محسوس نہیں کیا کہ جو انہیں حکم دیا گیا (یہ لوگ) اس کی تعمیل میں متامل ھیں ۔ اگر مجھے حج قران کی مشکلات کا اندازہ ھوتا تو میں ھدی کے جانور خرید کر ھمراہ نہ لاتا اور احرام کھول دیتا'' جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ھے ۔''

جب مسلمانوں کو آپ کی برھمی کا علم ھوا تو ایسے زائرین نے ندامت کے ساتھ احرام کھول دیے جن کے ھمراہ ھدی نہ تھیں ۔ ازواج مطہرات اور رسول خدا کی صاحبزادی فاطمہ نے بھی احرام کھول دیا ، ماسوائے ان حضرات کے جن کے ھمراہ قربانی کے جانور موجود تھے ۔

حضرت علی کی یمن سے مراجعت: اسی دوران میں جناب علی یمن سے تشریف لے آئے اور جب انہوں نے سنا کہ آں حضرت نے احرام حج زیب تن فرما رکھا ھے تو خود بھی اقتدائے رسول میں احرام حج باندھ لیا مگر جب فاطمہ کو احرام کے بغیر دیکھ کر (علی نے) دریافت فرمایا تو سیدہ نے عرض کیا کہ ''رسول اللہ نے عمرہ کی نیت کرنے کا حکم دے کر احرام اتار دینے کا ارشاد فرما دیا اس پر ھم نے احرام کھول دیے ۔''

جناب علی حضرت رسول صلعم کی خدمت میں باریاب ھوئے اور یمن کے حالات عرض کیے۔ یہ گفتگو ختم ھو جانے کے بعد آں حضرت نے علی سے کعبہ کا طواف کرنے اور دوسرے مسلمانوں کی مانند احرام اتار دینے کا ارشاد فرمایا ۔ علی ابن ابی طالب نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! احرام باندھنے کے موقعہ پر میں ان الفاظ میں نیت کر چکا ھوں :

اللھم انی اھل بما اھل بہ نبیک و عبدک ورسولک محمد ۔	یااللہ! میرا تلبیہ[1] انہی لفظوں میں ھے جن سے تیرے نبی، عبد اور رسول (جناب) محمد صلعم نے فرمایا ۔

جب رسول اللہ نے دیکھا کہ علی کے ساتھ ان کی ھدی نہیں تو ان کے الفاظ کی وجہ سے علی کو اپنی قربانیوں میں شریک فرما لیا اور جناب علی بدستور محرم ھی رھے تا آں کہ مناسک حج کی تکمیل ھوئی۔

مناسک حج کی ابتدا: نویں ذوالحجہ (ترویہ)[2] کے روز منیٰ پر اپنے خیمہ کے اندر تشریف لے آئے ۔ اس دن کے معمولات عبادت ادا فرمانے کے بعد شب کو خیمہ ھی میں قیام فرمایا ۔ صبح ھوئی ۔ نماز فجر ادا فرمائی اور آفتاب نکل آنے کے بعد اپنی ناقہ (قصواء نام) پر سوار ھو کر (میدان) عرفات کا قصد فرمایا یہ ۹ ذوالحجہ ھی کا دن تھا ۔ ایک لاکھ زائرین مشایعت میں ھیں ۔ عرفات نامی پہاڑی پر تشریف لائے تو سب مسلمان گرد و پیش بکھرے ھوئے

---

[1] تلبیہ بمعنی لبیک! لبیک!—م ۔

[2] ترویہ بمعنی کلمہ اللہ اکبر! اللہ اکبر! لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ الحمد! اور یہ کلمہ تین تین مرتبہ ایام حج میں آٹھویں ذوالحجہ کی نماز فجر سے لے کر ھر نماز کے بعد باواز بلند بعد سلام فرض پڑھنا۔ تا بہ تیرھویں ماہ ذوالحجہ عصر تک ۔ حاجی اور اھلی دونوں کے لیے! ھم اور آپ بھی اپنے اپنے ھاں اسی طرح ترویہ کہیں گے—م ۔

هیں ۔ ان میں بعض تلبیه پکار رهے تھے بعض تکبیرات۔

آں حضرت صلعم نے تلبیه و تکبیر کهنے والوں میں سے کسی سے تعرض نه فرمایا۔ عرفات کی شرق سمت نمره نامی بستی کے قریب (آپ کی منشا کے مطابق) پہلے سے خیمه نصب تها جس میں استراحت فرمائی۔ زوال شمس کے بعد (ناقه) قصواء پر عرق گیر اور کاٹھی کسنے کا حکم دیا۔ سوار هو کر (میدان) عرفات کے وسط میں تشریف لائے اور سواری هی پر بیٹھے هوئے خطبه بآواز بلند ارشاد فرمایا جس میں هر جمله کے بعد توقف فرماتے۔ اسی لمحے میں جناب ربیعه بن امیه (بن خلف) انهی الفاظ کا اعاده (بآواز بلند) فرماتے۔

حج اکبر کا خطبه: (حمد و ثنائے باری تعالیٰ کے بعد فرمایا)

یا ایها الناس! اسمعوا قولی! فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی هذا بهذا الموقف ابداً!	اے لوگو! میں جو کچھ کہوں اسے غور سے سنو۔ شاید آئنده سال اور اس کے بعد پھر کبھی یہاں تم سے ملاقات نه هو سکے۔

انسانی جان کی حرمت

یا ایها الناس! ان دماءکم و اموالکم علیکم حرام الی ان تلقوا ربکم۔ کحرمة یومکم هذا وکحرمة شهرکم هذا۔	اے لوگو! تم پر ایک دوسرے کی جان و مال تا قیامت حرام هیں جس طرح آج کے دن اور اس مهینه ذوالحجه میں ایک دوسرے کی بے حرمتی نهیں کرتے۔

ادائے امانت:

فمن کانت عنده امانة فلیؤدها الی من ائتمنهٗ علیها۔	جس کسی کے پاس دوسرے کی امانت جمع هو اس کے مالک کو لوٹا دی جائے۔

سود کی حرمت:

وان کل رباً موضوع! ولکن لکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون قضی الله انه لا رباً۔	آج سے هر قسم کا سود ختم کیا جاتا هے رأس المال کے سوا! نه تم ایک دوسرے پر ظلم کرو، نه قیامت ک [illegible] ارے ساتھ ظلم کیا جائے گا۔ خدا [illegible] کو ممنوع فرما دیا هے۔
وان ربا عباس بن مطلب موض [illegible] کله۔	[illegible] وسروں کے ذمۃ واجب الادا [illegible] تا هے۔

جاهلیت کے قتل و [illegible]

وان کل [illegible] موضوع [illegible]	[illegible] ودیت دونوں کالعدم [illegible] میں هی بنوهاشم [illegible] عبدالمطلب کے [illegible] ں۔
[illegible] ام [illegible] الشیطان بارضکم هد [illegible]	[illegible] پرستش [illegible] اگر [illegible] وه

سوی ذلک فقد رضی به مما تحقرون من اعمالکم فاحذروه علی دینکم۔

بہت خوش ہوگا۔ اس لیے دینی امور میں شیطانی وساوس کو اپنے قریب نہ آنے دو۔

مذہب میں خارجی رسوم کا دخل منع ہے

ایها الناس! ان النسیٔ زیادة فی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاماً و یحرمونه عاماً لیواطئوا عدة ما حرم الله فیحلوا ما حرم الله۔ ویحرموا ما احل الله۔

اے لوگو! ادب والے مہینوں کا غیر ادب والے دنوں سے ادل بدل کر لینا کفر ہے جس میں مومن آلودہ نہیں ہو سکتا مگر کافر کا اس سے بچنا محال ہے جو اس سال ان چار مہینوں میں ایک مہینہ آیندہ سال کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اور آنے والے سال میں اسے بدستور اپنے محل پر رکھتے ہیں۔ یہ بھی خدا کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینا اور حلال شدہ امور کو حرام کر لینا ہی ہے۔[1]

وان الزمان قد استدار کهیئة یوم خلق السموات والارض وان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً منها اربعه حرم۔ ثلاثه متوالیه و رجب مفرد الذی بین جمادیٰ و شعبان۔

"(اور دیکھو!) جب خدا نے ابتداء میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھرا کر آج پھر اسی نقطہ پر آ گیا۔" چار ادب والے مہینے ہیں یعنی تین متواتر ہیں (از ذی قعدہ تا بہ محرم) اور ایک مفرد یعنی رجب کہ جمادی اُولیٰ و آخریٰ اور شعبان دونوں کا درمیانی مہینہ ہے۔

شوہر و زوجہ کے باہمی حقوق کا تحفظ:

اما بعد! ایها الناس! فان لکم علی نسائکم حقاً و ان لهن علیکم حقاً! لکم علیهن الا یوطئن فرشکم احداً تکرهونه۔

اس کے بعد مجھے بتانا ہے کہ زن و شوہر دونوں ایک دوسرے کے سامنے جواب دہ ہیں ازاں ازاں جملہ یہ کہ کسی عورت کے لیے غیر مرد کو اپنے قریب کرنے کا حق نہیں ورنہ شوہر کے تن بدن میں آگ لگ جائے گی۔

اگر بیویاں فحش کا ارتکاب کر بیٹھیں

وعلیهن الا یاتین بفاحشة مبینه! فان فعلن فان الله قد اذن لکم ان تهجروهن فی المضاجع و تضربوهن ضرباً غیر مبرح۔

اور یہ کہ عورتوں کو بے حیائی کے ارتکاب سے مطلقاً کنارہ کش رہنا چاہیے۔ اگر ان سے یہ قصور ہو جائے تو ان کے شوہر انہیں بدنی سزا دے سکتے ہیں مگر وہ سزا ضرب شدید کی حد کے قریب نہ پہنچ جائے۔

فان انتهن فلهن رزقهن و کسوتهن بالمعروف فاسترضوا بالنساء خیراً فانهم عندکم عوان لا یملکن

اگر عورتیں ایسا لاابالی پن چھوڑ دیں تو دستور عام کے مطابق ان کے خور و نوش اور ان کے لباس کا پورا لحاظ رکھو اور ان کے معاملہ میں حسن

---

[1] رسول کریم صلعم کا یہ اشارہ سورۂ توبہ کی آیت "انما النسیٔ زیادة فی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاماً ویحرمونه عاماً لیواطئوا عدة ما حرم الله فیحلوا ما حرم الله" (۹: ۲۹) کی طرف ہے۔

لانفسھن شیئاً وانکم انما اخذتموھن بامانہ اللہ واستحللتم فروجھن بکلمات اللہ۔

سلوک سے ہاتھ نہ کھینچو۔ وہ تمہارے نکاح میں آ جانے سے تمہاری پابند ہو جاتی ہیں اور (ان معنوں میں) اپنے نفس کی مالک نہیں رہتیں لیکن تم بھی خیال رکھو کہ آخر کلمہ ایجاب و قبول کے ساتھ ہی تو تم نے اللہ کی اس امانت کو اپنی تحویل میں لیا ہے اور انہی کلمات کے ساتھ انہیں خود پر حلال کیا ہے۔

فاعقلوا ایھا الناس قولی! فانی قد بلغت وقد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلو ابداً امراً بیناً کتاب اللہ و سنہ رسولہ

(اے لوگو!) غور سے سنو! جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں اس کی تبیین کے لیے جو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہوگے تو کبھی ٹھوکر نہ کھاؤگے۔ وہ چیز بجائے خود نہایت واضح ہے اور وہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔

ایھا الناس! اسمعوا قولی واعقلوہ تعلمن ان کل مسلم اخ للمسلم وان المسلمین اخوۃ فلا یحل لامرئی من اخیہ الا ما اعطاہ عن طیب نفس منہ فلا تظلمن انفسکم انفسکم۔

اے لوگو! میری بات گوش ہوش سے سنو! دیکھو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اس رشتہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی کی کسی شے پر اس کی اجازت کے بغیر تصرف روا نہیں۔ ورنہ یہ ایک دوسرے پر ظلم ہو جائےگا۔

اللھم ھل بلغت۔

خداوندا! تو سن رہا ہے کہ میں نے اپنا یہ فرض بھی ادا کر دیا۔

نیابت خطبہ: (خطبہ میں) آں حضرت ہر جملہ پر توقف فرماتے اور اس وقفہ کی تکرار باواز بلند ربیعہ کرتے۔ رسول خدا نے ربیعہ کو تا[illegible] دی کہ حاضرین کو ان مطالب کے ذہن میں رکھنے کی تاکید فرما دیں۔ بع[illegible] حضرت صلعم ربیعہ سے فرماتے کہ وہ حاضرین سے اس کا جواب بھی [illegible]

س: ھل تدرون ای یوم [illegible] یہ کونسا دن ہے؟

ج: یوم الحج الاکبر [illegible]

حاضرین کے اس [illegible]

ان اللہ قد [illegible] ے کی جان اور اسی

اموال [illegible] ہے جیسا کہ

یو [illegible] سی قسم کی

اس [illegible] نے اپنا

فرض ادا [illegible] میں

گواهی دیتا [illegible]

تکمیل دین کی بشارت: ارشاد خطبه کے بعد قصواء (ناقه) سے اتر کر زمین پر فروکش هوئے۔ تھوڑی دور پا پیاده چلنے کے بعد ظهر و عصر دونوں اوقات کی نماز در صورت جمع عرفه هی میں ادا فرمائی۔ پھر ناقه پر سوار هوئے اور مقام صخرات میں نزول اجلال فرمایا جهاں یه آیت تکمیل دین نازل هوئی:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً (۵: ۳)۔	آج کے دن میں نے تمهارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمهارے لیے پسند کر لیا که دین اسلام هو۔

آیۂ تکمیل دین پر حضرت ابوبکر کا گریه: جناب صدیق (ابوبکرؓ) تکمیل دین و اتمام رسالت کو آں حضرت صلی الله علیه وسلم کے دنیا سے وفات یاب هونے کا مترادف سمجھ کر گریه فرمانے لگے۔

حج کے بقیه اعمال کی تکمیل: ختم المرسلین نے عرفات سے مراجعت فرمائے مکه معظمه هوتے هوئے سر راه مقام مزدلفه میں منزل فرمائی۔ یه شب بسر فرمانے کے بعد ادائے نماز فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان یهاں سے شد رحال فرمایا اور اس راه میں ''جمره'' پر رمی فرماتے هوئے منیٰ میں اپنے خیمه میں فروکش هوئے۔

ذبیحۂ قربانی: اور ذرا وقفه کے بعد (دسویں تاریخ هی کو) من جمله ایک سو شتر کے جو مدینه سے قربانی کے لیے همراه لائے تھے تریسٹھ اونٹ اپنی طرف سے اپنے سن مبارک کے هر سال کے عوض میں ایک کے حساب سے قربانی میں ذبح کیے اور مابقی سینتیس شتر حضرت علی نے ذبح کیے جس کے بعد مناسک کا آخری عمل موئے سر منڈانا باقی ره گیا۔ اس سے فارغ هو کر احرام کھول دیا۔

رسول خدا کے اس حج کو تین مختلف عنوان سے موسوم کیا گیا:

(الف) حج الوداع: بمعنی مکه معظمه اور بیت الله کی آخری زیارت کی وجه سے۔

(ب) حج البلاغ: بمعنی الله کی جانب سے اس کے احکام کے آخری ابلاغ کی بنا پر۔

(ج) حج اسلام: بمعنی اس حج میں تکمیل دین کی بشارت (بمطابق آیه ۵: ۳) کے باعث۔ یعنی الیوم اکملت لکم دینکم الخ که رسول الله صلعم خداوند عالم کی جانب سے مبشر و منذر دونوں حیثیات سے مبعوث هوئے تھے۔

لانفسهن شیئاً وانکم انما اخذتموهن بامانه الله واستحللتم فروجهن بکلمات الله ۔

سلوک سے ہاتھ نہ کھینچو ۔ وہ تمہارے نکاح میں آ جانے سے تمہاری پابند ہو جاتی ہیں اور (ان معنوں میں) اپنے نفس کی مالک نہیں رہتیں لیکن تم بھی خیال رکھو کہ آخر کلمہ ایجاب و قبول کے ساتھ ہی تو تم نے اللہ کی اس امانت کو اپنی تحویل میں لیا ہے اور انہی کلمات کے ساتھ انہیں خود پر حلال کیا ہے ۔

فاعقلوا ایها الناس قولی! فانی قد بلغت وقد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلو ابداً امراً بیناً "کتاب الله و سنه" رسوله

(اے لوگو! غور سے سنو! جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں اس کی تبیین کے لیے جو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہوگے تو کبھی ٹھوکر نہ کھاؤگے ۔ وہ چیز بجائے خود نہایت واضح ہے اور وہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے ۔

ایها الناس! اسمعوا قولی واعقلوه تعلمن ان کل مسلم اخ للمسلم وان المسلمین اخوة فلا یحل لامرئی من اخیه الا ما اعطاه عن طیب نفس منه فلا تظلمن انفسکم انفسکم ۔

اے لوگو! میری بات گوش ہوش سے سنو! دیکھو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اس رشتہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی کی کسی شے پر اس کی اجازت کے بغیر تصرف روا نہیں ۔ ورنہ یہ ایک دوسرے پر ظلم ہو جائے گا ۔

اللهم هل بلغت ۔

خداوندا! تو سن رہا ہے کہ میں نے اپنا یہ فرض بھی ادا کر دیا ۔

نیابت خطبہ: (خطبہ میں) آں حضرت ہر جملہ پر توقف فرماتے اور اس وقفہ کی تکرار بآواز بلند ربیعہ کرتے ۔ رسول خدا نے ربیعہ کو تاکید فرما دی کہ حاضرین کو ان مطالب کے ذہن میں رکھنے کی تاکید فرما دیں ۔ بعض جملوں پر آں حضرت صلعم ربیعہ سے فرماتے کہ وہ حاضرین سے اس کا جواب بھی طلب کریں مثلاً:

س: هل تدرون ای یوم هذا؟

تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے؟

ج: یوم الحج الاکبر!

یہ حج اکبر کا روز ہے ۔

حاضرین کے اس جواب پر فرمایا!

ان الله قد حرم علیکم دماءکم و اموالکم الی ان تلقوا ربکم! کحرمة یومکم هذا ۔

اے لوگو تم پر ایک دوسرے کی جان اور اسی طرح مال ہر ایک تابہ قیامت حرام ہے جیسا کہ آج کے دن اور اس مہینہ میں تم کسی قسم کی بے حرمتی نہیں کر سکتے ۔

اس جملہ کے بعد فرمایا ''اللهم بلغت،، (خداوندا! تو سن رہا ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ۔ اور ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں ''اللهم اشهد!'' (یا اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ نے اپنا فرض ادا فرما دیا!)

تکمیل دین کی بشارت: ارشاد خطبہ کے بعد قصواء (ناقہ) سے اتر کر زمین پر فروکش ہوئے۔ تھوڑی دور پا پیادہ چلنے کے بعد ظہر و عصر دونوں اوقات کی نماز در صورت جمع عرفہ ھی میں ادا فرمائی۔ پھر ناقہ پر سوار ہوئے اور مقام صخرات میں نزول اجلال فرمایا جہاں یہ آیت تکمیل دین نازل ہوئی:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً (٥: ٣)۔	آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے پسند کر لیا کہ دین اسلام ہو۔

آیۂ تکمیل دین پر حضرت ابوبکر کا گریہ: جناب صدیق (ابوبکرؓ) تکمیل دین و اتمام رسالت کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے وفات یاب ہونے کا مترادف سمجھ کر گریہ فرمانے لگے۔

حج کے بقیہ اعمال کی تکمیل: ختم المرسلین نے عرفات سے مراجعت فرمائے مکہ معظمہ ہوتے ہوئے سر راہ مقام مزدلفہ میں منزل فرمائی۔ یہ شب بسر فرمانے کے بعد ادائے نماز فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان یہاں سے شد رحال فرمایا اور اس راہ میں ''جمرہ'' پر رمی فرماتے ہوئے منیٰ میں اپنے خیمہ میں فروکش ہوئے۔

ذبیحۂ قربانی: اور ذرا وقفہ کے بعد (دسویں تاریخ ھی کو) من جملہ ایک سو شتر کے جو مدینہ سے قربانی کے لیے ہمراہ لائے تھے تریسٹھ اونٹ اپنی طرف سے اپنے سن مبارک کے ہر سال کے عوض میں ایک کے حساب سے قربانی میں ذبح کیے اور مابقی سینتیس شتر حضرت علی نے ذبح کیے جس کے بعد مناسک کا آخری عمل موئے سر منڈانا باقی رہ گیا۔ اس سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا۔

رسول خدا کے اس حج کو تین مختلف عنوان سے موسوم کیا گیا:

(الف) حج الوداع: یعنی مکہ معظمہ اور بیت اللہ کی آخری زیارت کی وجہ سے۔

(ب) حج البلاغ: یعنی اللہ کی جانب سے اس کے احکام کے آخری ابلاغ کی بنا پر۔

(ج) حج اسلام: یعنی اس حج میں تکمیل دین کی بشارت (بمطابق آیہ ٥: ٣) کے باعث۔ یعنی الیوم اکملت لکم دینکم الخ کہ رسول اللہ صلعم خداوند عالم کی جانب سے مبشر و منذر دونوں حیثیات سے مبعوث ہوئے تھے۔

صادق امین عبداللہ

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

۳۰

از علالت تا به ارتحال

۳۰

از علالت تا بہ ارتحال

تکمیل مناسک کے بعد یہ (لاکھوں) زائرین اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹنا شروع ہوئے۔ ساکنان حضرموت و یمن نے اپنے وطن کی راہ لی۔ یاران نجد اپنے ملک کی طرف گام زن ہوئے تہامہ میں بسنے والے اپنے دیس کی ڈگر پر چل دیے اور خاتم المرسلین اپنے مدنی رفقاء کی مشایعت میں مدینہ کی جانب مراجعت فرما ہوئے۔ یہاں پہنچ کر محسوس ہوا کہ اب سے جزیرہ نمائے عرب میں مسلمانوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں تاہم عرب کے نواحی ممالک روم و ایران اور شام و مصر و عراق کی طرف سے ریشہ دوانی کا خدشہ باقی ہے۔

اھل عرب کا یہ معاملہ ظاہر ہے کہ ملک کے اطراف و اکناف میں بسنے والے فوج در فوج دین میں شامل ہوچکے تھے۔ وفود پے بہ پے مدینہ حاضر ہوتے اور اپنے قبول اسلام کا وثیقہ پیش کر کے علم اسلام کے سایے میں رہنے کی سعادت حاصل کرتے۔ یہ لوگ حجۃ الوداع میں بھی شریک تھے۔ رسول خدا نے وفود کے سرداروں کی ان کے قبائل کی سیادت میں رد و بدل نہ فرمایا جیسا کہ بدھان ہے جو مملکت ایران کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ جب اس نے اسلام قبول کر کے عرب کی وحدت کو قائم رکھا اور آتش کدہ پر پانی پھیر دیا تو رسول کریم نے بدھان کو اس کے سابقہ منصب پر فائز رکھنے میں ادنیٰ سا تامل بھی نہ فرمایا۔ بلاشبہ ابھی تک خال خال ایسے سرپھرے بھی موجود تھے جو رسول خدا کا مقابلہ کرنے کے سودا میں پگھل رہے تھے لیکن اب آن حضرت کو ایسے بے مایہ اشرار کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ آپ کی سلطانی ملک بھر سے خراج وصول کر چکی تھی۔ عرب کے پشتینی بت پرستوں نے اصنام کی بندگی سے منہ موڑ کر خدائے حی و قیوم کے حضور سر نیاز جھکا دیا اور ان کے دلوں میں ''اللہ الواحد القہار'' پر یقین و اذعان بس چکا تھا۔

مدعیان نبوت کاذبہ: یہی وجہ ہے کہ خاتم المرسلین نے کسی مدعی نبوت کو در خور اعتنا نہ سمجھا۔ ایسے دعویداروں کی بود و باش بھی مدینہ منورہ سے بہت دور تھی۔ ان کے ادعا کی وجہ یہ تھی کہ جونہی انھوں نے رسالت مآب کی بعثت کا چرچا سنا اپنی نبوت کا سوانگ رچا کر نمودار ہو گئے! ان مدعیان نبوت کی قبولیت کا دائرہ ان کے قبیلہ سے متجاوز نہ ہو سکا۔ ان کے دماغوں میں یہ سودا کھول رہا تھا کہ جس طرح قریش مکہ نے اپنے قبیلہ کے پیغمبر کی وجہ سے تمام عرب میں نام پیدا کر لیا ہے وہ بھی اپنے نبی کے جلو میں ملک کے اندر شہرت حاصل کر لیں۔

نبوت کے ایسے مدعی اور ان کے قبیلہ دار اسلام کے مولد (مکہ) سے بعد مسافت کی بنا پر دین اور اس کی شہرت کے اسباب سے بے بہرہ تھے۔ انھیں یہ احساس نہ ہو سکا کہ اسلام جو تمام ملک میں مقبول ہو چکا ہے اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ حضرت محمد

نے اس راہ میں جو صعوبتیں برداشت کیں ان کے چرچے ملک کے گھر گھر میں ہونے لگے اور ان مدعیان نبوت کاذبہ کے ذہن میں یہ بات نہ آ سکی کہ ایسے مصائب اور سختیوں کا تحمل پسر عبداللہ کے سوا کسی کے بس کا نہیں۔ خصوصاً وہ بدنصیب جن کے اس دعویٰ کی بنیاد افترا و بہتان محض پر ہو انہیں کیونکر فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔

طلیحہ (مدعی نبوت): قبیلہ بنواسد کا سردار، عرب بھر میں مشہور جنگ آزمودہ دلاور اور اپنے صوبہ (نجد) میں صاحب اقتدار و سیاست۔ بدنصیب اپنے نبی ہونے کے وہم میں مبتلا ہو گیا جس پر مندرجہ ذیل اتفاقی حادثہ نے طلیحہ کو اور بھی مبہوت کر دیا۔ ہوا یہ کہ وہ اپنی قوم کے ہمراہ سفر میں تھا کہ راستے میں پانی نہ ملنے کی وجہ سے سب کی جان لبوں پر آ گئی۔ طلیحہ نے کہا ذرا ہی دور پانی مل جائے گا اور ایسا ہی اتفاق ہوا جسے طلیحہ اپنی نبوت کا کرشمہ قرار دے کر اس پر تحدی سے قائم ہو گیا۔

طلیحہ کو رسول اللہ کی زندگی میں مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہ تھی لیکن آں حضرت کی وفات کے بعد وہ ان کے منہ لگنے سے باز نہ رہ سکا۔ حضرت ابوبکر نے اس کی سرکوبی کے لیے خالد بن ولید کو بھیجا۔ طلیحہ کے شکست کھا جانے کے بعد اس پر اسلام کی عظمت واشگاف ہو گئی۔ طلیحہ دل و جان سے اسلام کا مطیع و منقاد ہو گیا اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا۔

مسیلمہ اور اسود عنسی (مدعیان نبوت): یہ دونوں بھی رسول اللہ کے عہد حیات میں اپنی اپنی نبوت کی بڑ ہانکتے رہے۔ مسیلمہ نے تو آں حضرت کی طرف اپنا سفیر بھیجنے میں بھی کوتاہی نہ کی جس کے ذریعے یہ خط بھیجا:

من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ! اما بعد! فانی قد اشرکت فی الامر معک وان لنا نصف الامر و لقریش نصف الامر ولیس قریش قوماً یعدلون۔

ترجمہ

یہ خط اللہ کے رسول مسیلمہ کی جانب سے محمد رسول خدا کی طرف ہے۔ (مشتمل بر آنکہ) میں اور آپ دونوں امر رسالت میں نصف نصف کے شریک ہیں اگرچہ قریش کی ذات سے عدل کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

(خاتم الرسل کی طرف سے:)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب والسلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد! فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔

ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم! یہ گرامی نامہ (جناب) محمد کی طرف سے ہے جو اللہ کے رسول ہیں بنام مسیلمہ کذاب۔ سلامتی کا مستحق وہ شخص ہے جو صداقت کا پیرو ہو اور ملک سب اللہ کا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ انجام بخیر پرہیزگاری پر ہے۔

مسیلمہ کے دو قاصد تھے۔ رسول اللہ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ”اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا تو میں انہیں زندہ نہ چھوڑتا۔“

اسود عنسی کا حشر: صنعائے یمن کا جادوگر جو بدھان (گورنر یمن) کی وفات کے بعد اس صوبہ پر مسلط ہو گیا اور جادوگری میں ترقی کرتے کرتے اپنی نبوت کے وہم میں

گرفتار ہو کر در پردہ اس کا پرچار شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ اسود عنسی نے اپنے ارد گرد ایسے سرپھروں کی کثیر تعداد جمع کر لی جسے ہمراہ لے کر وہ جنوب کی سمت بڑھا اور یہاں کے مسلمان تحصیلداروں کو بھگا کر اس نے نجران کا رخ کر لیا۔ یمن کے مسلمان گورنر باذان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے (شہر: اصابہ:) اپنے باپ کے منصب پر فائز تھے اور اس وقت وہ نجران میں موجود تھے۔ اسود نے انھیں شہید کر دیا اور ان کی بیوی کو اپنے حرم میں داخل کر کے ہمراہ لے گیا۔

اسود یہ سب کچھ کرتا رہا اور آں حضرت صلعم نے اس کے معاملہ کو اس سے زیادہ اہمیت نہ دی کہ یمن کے عمال حکومت کی طرف اس کی گرفتاری یا قتل (دونوں میں سے جو موقعہ آ جائے) کا فرمان بھیج دیا لیکن اس سہم سے قبل ہی باذان کے فرزند کی مغصوبہ بیوی نے اسود کو قتل کر کے اس کا قصہ پاک کر دیا۔

از روئے قصاص مسیحی سلطنت روم کا تختہ الٹنے کی فکر: جب ختم الرسلؐ حج الوداع سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے تب جنوب کی طرف سے اسلام کے خلاف کسی قسم کی چیرہ دستی کا اندیشہ نہ تھا کہ اس کے آخری خط تک ہر شخص مسلمان ہو چکا تھا لیکن عرب کا شمالی حصہ یعنی شام اور روم جن میں ابھی تک عیسائی سلطنت کا طبل انا و لاغیری بجتا تھا ان کی طرف سے ہر وقت دغدغہ تھا کہ مبادا سر اٹھا لیں اور موتہ کی طرح پھر مسلمانوں کو نرغے میں لے لیں۔ مسیحان روم و شام کے ذمہ ان مسلمانوں کا قصاص بھی تھا: ان کے ہاتھ سے حضرت زید بن حارثہ اور جعفر طیار قتل ہوئے۔ خدا خدا کر کے خالد بن ولید کی جنگی تدبیر سے مسلمان عیسائیوں کے نرغے سے نکل کر واپس لوٹ آئے۔

جنگ موتہ کے موقعہ پر رسول خدا کو ان مسیحی دشمنان اسلام سے یہ خطرہ بھی نہ تھا کہ مبادا عرب کے جلا وطن نصاریٰ جو فلسطین جا کر آباد ہو گئے ہیں اپنے یاران طریقت کے ساتھ ساز باز کر کے دوبارہ اپنے وطن لوٹنے کی حرص میں مبتلا ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج سے قبل (تبوک کے موقعہ پر) جونہی رسول خدا نے سنا کہ روم کے عیسائی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں اپنے ہمراہ لشکر جرار لے کر تبوک کی طرف بڑھے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن مسلمانوں کی ہیبت سے گھبرا کر خود بخود واپس ہو گئے ہیں۔ بایں ہمہ رسول خدا اس مستقبل سے غافل نہ تھے کہ رومی (نصاریٰ) مسلمانوں کے خلاف ہر وقت آمادۂ پیکار ہو سکتے ہیں جن کے ہم مشربوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں بارہا مصیبتیں اٹھائیں۔ ایک گروہ کو ان کی ہیبت سے مرعوب ہو کر تبوک سے اپنی فوجوں کو لوٹانا پڑا اور دوسرے طائفہ کو مسلمانوں ہی کی وجہ سے نجران چھوڑنا پڑا۔ اسی طرح عرب کے دوسرے دوسرے حصوں سے عیسائیوں کے متعدد قبیلے جلا وطن ہوئے۔

جیش اسامہ بن زید: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیش بندیوں کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی حجۃ الوداع سے مراجعت کے بعد (قیام مدینہ کا) زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ رسول خدا نے شام پر چڑھائی کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج جمع ہونے کا حکم جاری فرمایا جس میں مہاجرین اولین تھے۔ ان میں جناب ابوبکر و حضرت عمر جیسے سر برآوردۂ روزگار بطور عسکری مگر لشکر کی سپہ سالاری اسامہ بن زید کو عطا ہوئی جن کا سن ابھی

پچیس برس سے متجاوز نہ ہوا تھا ۔ اگر رسول خدا کی ذات پر مسلمانوں کا دل سے ایمان نہ ہوتا تو مہاجرین سابقین اور دوسرے ممتاز صحابہ کو اسامہ جیسے نوعمر کی سیادت کیوں کر گوارا ہو سکتی! اسامہ کے تقرر میں رسالت مآب کے نزدیک دو امر محرک تھے ۔

(الف) اسامہ کو ان کے والد شہید زید بن حارثہ کا نائب بنانا تھا جو انہی نصاریٰ کے ہاتھوں اسی مقام میں قتل ہوئے تاکہ اسامہ کو ان کے والد کی شہادت کے صلہ میں نصرت کا فخر حاصل ہو سکے ۔

(ب) ریاست کے مہمات پر نوجوانوں کو متعین کر کے انہیں مصائب کے برداشت اور خطرات کا مقابلہ کرنے کا خوگر بنانا ۔

نوجوان سپہ سالار کے لیے ہدایات: رسالت مآب نے نوجوان سپہ سالار (اسامہ) کو تاکید فرما دی کہ فوج کو پیا پے ارض فلسطین کے اس نقطہ پر لے جائیں جہاں بلقاء و روم کی حدیں ملتی ہیں ۔ وہاں مورچہ بندی کیجیے اور اس مقام کے قریب جہاں دشمنوں نے ان کے والد کو قتل کیا تھا اور یہ کہ خدا کے ان دشمنوں اور اپنے اعدا کو صبح کی تاریکی میں گھیر لیا جائے ۔ اگر ضرورت پڑے تو ان کو آگ میں جھونکنے میں بھی کوتاہی نہ کیجیے اور اس انداز سے حملہ کیجیے جس سے دشمن کو کانوں کان خبر نہ ہو اور یہ کہ فتح ہونے کے بعد وہاں پر پڑے رہنے کی بجائے نصرت اور غنیمت کی بشارت کے ساتھ مدینہ واپس لوٹنے میں سبقت کی جائے ۔

آں حضرت کی اچانک علالت اور جیش اسامہ کا التواء: حضرت اسامہ نے لشکر کی کمان سنبھالی ۔ مدینہ سے باہر مقام جرف پر فوجوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ کی شدید علالت کی اطلاع پہنچی جس سے روانگی میں تعویق پیدا ہو گئی ۔ سوال یہ ہے کہ جس لشکر کی روانگی کا حکم رسالت مآب نے اس شد و مد کے ساتھ فرمایا ہو اس میں آں حضرت صلوات اللہ علیہ کے بیمار پڑ جانے کی وجہ سے تعویق کیوں گوارا کر لی گئی ۔

بات یہ تھی کہ شام کا طویل سفر جس میں دشوارگذار صحرا کو عبور کرنا ناگزیر تھا اور قدم قدم پر ہلاکت کا خطرہ در پیش! ادھر نبی صلعم کی شدید علالت اور ایسی گرانمایہ ہستی جو ہر مسلمان کے نزدیک اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو مسلمانوں کے لیے آسان نہ تھا کہ ایسی حالت میں مدینہ کو چھوڑ دیں جب کہ رسول خدا ایسی نازک حالت میں مبتلا ہوں جس کے الم ناک انجام کا پہلو نمایاں نظر آ رہا ہو اور اس سے قبل (ایہ تک) رسالت پناہ صرف دو مرتبہ علیل ہوئے تھے:

(الف) سنہ ۶ھ میں بھوک کی شدت سے گھبرا کر طبیعت ناساز ہو گئی جسے بعض مسلمانوں نے یہود کی طرف سے جادو پر محمول کر لیا ۔

(ب) خیبر میں یہودی عورت کی طرف سے گوشت میں زہر دہی کی وجہ سے جس کے مداوا کے لیے آں حضرت کو پچھنے لگوانے پڑے ۔

مزید برآں یہ کہ آپ کے طرز معاشرت اور دوسروں کی تربیت صحت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آں حضرت اپنی ذات گرامی اور اپنے پیروؤں کو امراض و علالت سے بچانے کے لیے کیا تعلیم فرماتے: تقلیل غذا، لباس و طرز بود و باش میں سادگی، معمولات زندگی کے ہر شعبہ میں بیش از بیش نظافت اور ستھرے پن کا اہتمام، ہر نماز کے لیے

وضو کی فرضیت حتی کہ اگر امت پر بار کا خطرہ نہ ہوتا تو پنجوقتہ وضو کے لیے مسواک کا فرض ہو جانا جو منہ کی نظافت اور دانتوں کی صحت و صفائی کی پوری طرح ضامن ہے، کا امکان بھی تھا ۔ یوں عبادت اور زندگی کے ہر تنعم میں میانہ روی مقدم تصور فرمانے، ہر شے کا لطف حاصل کرنے سے پہلے اس کی نظافت اور اس نعمت سے حاصل ہونے والی صحت کے نتیجہ میں خیال رکھتے ۔ خواہشات (نفس) پامال کرتے ہوئے زندگی اور کائنات کے ساتھ یہ ارتباط! جس شخص میں ایسے صفات مجتمع ہوں ایسے اجسام گرامی تندرست اور علالت سے محفوظ کیوں نہ رہیں! پھر اگر ان جیسے حضرات کے اجسام طبعاً تنومند اور ان کے اعضاء و جوارح پیدایشی طور پر قوی بھی ہوں تو بیماری ان سے از خود دور بھاگتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب (حضرت) محمد جیسے سلیم الفطرت اور قوی الجثہ وجود گرامی کو مرض نے اس طرح گھیر لیا کہ تشخیص مرض محال ہو گئی، تب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست داروں (صحابہ) کا اس حد تک متاثر ہونا محال نہ تھا ۔

انہی صحابہ کے سامنے آپ نے مسلسل بیس سال تک کیسے کیسے جان کاہ مصائب کا مقابلہ فرمایا ۔ (آں حضرت نے) لوگوں سے یہی تو کہا تھا کہ جن بتوں کی پرستش کے لیے تمھارے پاس صرف یہ دلیل ہے کہ تمھارے آبا و اجداد بھی ان کی پوجا کرتے تھے، ان سے منہ موڑ کر خدائے وحدہ لاشریک کی پرستاری کرو ۔ آہ! اس سیدھی اور بدیہی بات پر اہل مکہ نے وہ ظلم برپا کیے جن سے گھبرا کر آپ نے اپنے دوستوں کو وطن سے کالے کوسوں دور حبشہ چلے جانے کا حکم دیا ۔

یہی نہیں، بلکہ قریش مکہ کے دست تظلم نے آپ کو مسلسل تین برس تک شعب ابو طالب میں دھکیل دیا ۔ ستم بالائے ستم یہ کہ انہی قریش کے مظالم سے تنگ آ کر بیعت عقبہ کی تکمیل کی امید میں یثرب منتقل ہو جانے کے لیے مجبور ہو گئے جس کا سفر ایسے پر خطر اور اتنے ہولناک موسم میں ہوا جب قدم قدم پر تپش سے ہلاکت کا خطرہ اور عقب میں قریش کی دوش کا خوف تھا ۔ پھر یہ نہیں معلوم کہ یثرب جا کر کیا پیش آئے جہاں یہود جیسے ہزار شیوہ سرمایہ دار چھائے ہوئے ہیں ۔

اور جب مدینہ میں اقامت گزین ہونے کے بعد (نصرت الٰہی سے) قبائل عرب جوق در جوق مسلمان ہونا شروع ہوئے جن (نوواردان اسلام) میں ابھی چند ھی ایسے بہادر تھے جن کی ہمت اور دلاوری پر بھروسہ کیا جا سکتا لیکن مقابلہ میں جتھہ بند قریش اور ان کے ازلی بھگت جنھوں نے ایک ایک سال میں کئی کئی مرتبہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے شعلے بھڑکائے ۔ ان لڑائیوں میں بعض غزوات پر ایسے روح فرسا حوادث سے دوچار ہونا پڑا کہ اگر یہی صدمات کسی نوجوان پر وارد ہوں تو اسے بوڑھا کر دیں ۔

غزوۂ احد ھی کے تو بر تو صدمات پر نظر ڈالیے جس میں ایک موقعہ پر مسلمانوں کے قدم ھی اکھڑ گئے تھے اور خاتم الرسل وادی سے پہاڑ پر پناہ لینے کے لیے مجبور ہو گئے مگر حملہ آور قریش نے یہاں بھی تعاقب نہ چھوڑا ۔ آہ! دشمنوں کے پتھراؤ سے سامنے کے دو دانت اسی حادثہ میں شہید ہوئے ۔

وہ غزوۂ حنین کی ہولناکی، الامان و الحفیظ! ہنوز صبح پوری طرح نہ چھٹکی تھی کہ دشمن نے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی جس کی تاب نہ لا کر مسلمان بھاگ نکلے ۔ یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان جیسے معرکہ آزمودہ مدبر نے کہا ”ان کے طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمندر سے ادھر نہیں رک سکتے!“

ایسے نازک موقعہ پر بھی رسول خدا کے ثبات و استقلال کا یہ عالم کہ اپنے قدموں سے سر مو پیچھے نہ ہٹے اور اپنے پیروؤں کو بار بار پکارتے رہے کہ ''ارے! تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ واپس لوٹو، میں موجود ہوں!،، جس پر مسلمان میدان میں واپس لوٹ آئے اور بالآخر وہی فتح یاب ہوئے!

بار نبوت کے شدائد: ان ظاہری مصائب کے ماسوا وحی و نبوت کا دشوار ترین سلسلہ، جس کا ایک حلقہ کائنات اور اس کے اسرار سے منسلک اور (سلسلۂ وحی نبوت کا) آخری حلقہ ملائے اعلیٰ سے پیوست، اضداد کے نبھانے کی دشواریاں، جس پر نبوت مآب ھی نے فرمایا

شیبنی ھود و اخواتھا۔[1]	مجھے تو سورۂ ھود اور اس کے دوسرے دوسرے نظائر نے قبل از وقت بوڑھا کر دیا۔

یہ حوادث ایک ایک کر کے مسلمانوں کی نظر سے بھی گذرتے رہے مگر کبھی کسی نے رسول خدا کی ھمت و ثبات میں لغزش نہ دیکھی، نہ ان میں سے کسی حادثہ کی وجہ سے آپ پر کسی مرض کا اچانک حملہ ھوا۔ مگر جب تمام شدائد گذر جانے کے بعد آن حضرت صاحب فراش ھوئے تو اس علالت پر آپ کے پیروؤں اور دوست داروں کا اس حد تک متاثر ھونا محال قرار دیا جائے کہ جس لشکر کو رسول خدا ھی کے ارشاد پر شام کی طرف جانے کے لیے رخصت کیا جائے اور جب وہ (لشکر) مدینہ سے چند میل کی مسافت (مقام جرف) پر پہنچے تو رسول خدا کی اچانک اور شدید ترین علالت کی خبر سن کر اس لیے روانگی میں تعویق کر دے کہ اب ذات کبریا کی طرف سے کیا ظہور میں آتا ھے۔

علالت کی شب اول میں گورستان جنت البقیع میں تشریف آوری: علالت کی پہلی شب میں عجیب اتفاق پیش آیا۔ شدت مرض سے مزاج ماؤف ھو گیا اور آنکھوں سے نیند غائب ھو گئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ اس پر باد نسیم کے خوشگوار جھونکے شہر سے باھر کھلے میدان میں تشریف آوری کا رجحان بڑھ گیا۔ اپنے خدمت گار ابومویہبہ کو مشایعت میں لے کر دولت کدہ سے باھر تشریف لے آئے۔ معلوم ھے آن حضرت نے کس جانب کا رخ فرمایا؟ گورستان بقیع میں تشریف لائے جو شہر (سے باھر) مسلمانوں کی آخری آرام گاہ ھے جس کے وسط میں آ کر اھل قبور سے ان لفظوں میں خطاب فرمایا:

السلام علیکم یا اھل المقابر! لیھنئ لکم ما اصبحتم فیه مما اصبح الناس فیه۔	اے اصحاب قبور، تم پر سلامتی ھو! جو بھی تمھاری حالت ھے اس پر خوش رھنے سے جی نہ چراؤ۔ یہ سب کے ساتھ یکساں ھے۔
اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم یتبع آخرھا اولھا والآخرۃ شر من الاولیٰ۔	دیکھو! فتنے اس طرح تو بہ تو چلے آ رہے ھیں جیسے اندھیری رات میں تاریکی کے پردے۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا جن میں

---

[1] اس پوری حدیث میں سورۂ ''ھود'' کے ساتھ سورۂ ''الحاقہ'' و ''واقعہ'' و ''عم یتساءلون'' اور ''ھل اتاک حدیث الغاشیہ'' بھی ھیں۔ اس حدیث میں لفظ ''شیب'' (بڑھاپا) کی شرح میں بعض حضرات فرماتے ھیں ''سبب شیبه صلی اللہ علیه وسلم من ھذہ السورۃ المذکورۃ فی الحدیث لما فیھا من ذکر القیامه والبعث والجنه والحساب والنار،، (تفسیر خازن در ضمن سورۂ ھود) یہ کہ ان سورتوں میں حشر و نشر اور حساب و بہشت اور دوزخ کا مذکور ھونے کی وجہ سے ایسا فرمایا۔م۔

سے ہر دوسرا پردہ اپنے پہلے سے زیادہ خوفناک ہے ۔

اس روایت میں (جناب) ابومویہبہ (غلام) نے یہ بھی فرمایا کہ جب وہ (آن حضرت کی مشایعت میں) بقیع کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا:

انی امرت ان استغفر لاهل هذا البقیع فانطلق معی ۔	بقیع میں مدفون موتیٰ کے لیے مجھے دعائے مغفرت پیش کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے ۔ اے ابومویہبہ! تم بھی میرے ہمراہ گورستان تک چلو ۔

اور جب اس دعا سے فارغ ہوئے تب ابو مویہبہ سے فرمایا:

انی قد اوتیت مفاتیح خزائن الدنیا والخلد فیھا ثم الجنہ! فخیرت بین ذالك ولقاء ربی والجنہ۔	اللہ نے مجھے دنیا کے خزانے اور زندگانیٔ جاوید ہر دوـــیا ان کے مقابلہ میں جنت! کسی ایک پہلو کے پسند کرنے کا اختیار فرمایا مگر میں نے اس دنیا کے خزانوں اور حیات دائمی کے مقابلہ میں اپنے رب کی ملاقات اور جنت پر اکتفا کر لیا ہے ۔

جس شب میں آن حضرت نے گورستان بقیع میں موتیٰ کے لیے دعا فرمائی اس شب کی صبح کو مرض نے اور شدت اختیار کر لی ۔ مسلمان گھبرا اٹھے اور جیش اسامہ بھی اس افراتفری میں جہاں (مقام جرف میں) تھا وہیں پڑا رہا ۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض مورخین ابومویہبہ کی روایت کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں ۔ ایسے حضرات کا اعتراض یہ ہے کہ جیش اسامہ کے توقف کا سبب آن حضرت صلوات اللہ علیہ کی علالت نہ تھی بلکہ اکابر مہاجرین و انصار اسامہ کی نو عمری کی وجہ سے ان کی قیادت پر خفا تھے ۔ ایسے مورخین کے پیش نظر وہ واقعات ہیں جو فصل ہذا میں قارئین کے ملاحظہ سے گذر چکے ہیں ۔ کہنا یہ ہے کہ اگر ہم ایسے مورخین کی (اس) رائے پر تنقید نہ کریں جس (رائے) کا مبنیٰ ابومویہبہ کی روایت ہے تب بھی جیش اسامہ کے اسباب توقف کو توجہ کا مرکز قرار دینا نامناسب ہے ماسوائے اس ایک وجہ تعویق کے ۔ رسول خدا کا شب کے وقت گورستانٔ بقیع میں تشریف لا کر موتیٰ کے لیے دعائے مغفرت کرنا محض اس بنا پر تھا کہ آن حضرت صلعم کو اپنی وفات کے قریب تر ہونے کا احساس ہو چکا تھا جسے ایسے مورخ نظر انداز کر رہے ہیں ۔

دور حاضرہ میں روحوں کے ساتھ مکالمہ کا جو دروازہ کھل گیا ہے اس علم کے موجد اور عامل ہر دو فریق روحوں کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد دوسروں کو بتاتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ ”ارواح سے مکالمہ کا ادراک مکالمہ کرنے والوں کی روحانی قوت پر مبنی ہے ۔“ یہ عاملین یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ ”مردہ لوگوں کو روحوں کے ساتھ دو ایک سوالات ہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ مکالمات بھی ممکن ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ مکالمات زندہ انسانوں کے ہیں مردہ لوگوں کی روحوں کے درمیان ۔ اور معمولی طریق پر نہیں بلکہ ان مکالمات میں جہاں ماضی و مستقبل دونوں کے ڈانڈے مل جاتے ہیں وہاں زمان و مکان بھی حائل نہیں رہتے ۔“

بایں همه ابھی تک اس علم کے جاننے والے دوسروں کے سامنے علم الارواح کو ایسے واضح طریق پر بیان کرنے سے قاصر ھیں جسے ھر درجه کا انسان سمجھ سکے۔ جب موجوده دور تمدن کی دریافت کا یه حال ھے که ھمارے سامنے اس علم کے مدعی موجود ھیں جن کی تحقیق کی تصدیق دوسرے دوسرے ارباب علم و تنقید نے بھی کر دی ھو لیکن جس علم کی همه گیری و پذیرائی کی یه حالت ھو جو اوپر بیان کی گئی ھے تو پھر ھمارے اس انکار کی کیا وجه ھے جو ابومویہبه روایت کرتے ھیں؟ اگر ان کی روایت کے مطابق تسلیم کر لیا جائے که رسول خدا معنوی اور روحانی ھر دو لحاظ سے دوسروں سے زیاده اسرار کائنات سے آگاه تھے اور یه حقائق مقابلهً آپ پر کہیں زیاده منکشف ھو سکتے تھے تو یه اعتراف کرنا ھی پڑے گا که آں حضرت صلوات الله علیه کے لیے قبل از وقت اپنی وفات پر آگاھی حاصل کرنا مشکل نه تھی۔

حالت مرض میں ام المؤمنین صدیقه کے ساتھ مزاح: شب مذکور کے دوسرے روز رسالت مآب نے ام المؤمنین عائشه کی طرف دیکھا که سر پکڑے ھوئے درد سے کراه رھی ھیں۔ بار بار ”ھائے میرا سر! ھائے میرا سر!“ زبان پر آ رھا ھے۔ حالانکه رسول الله مرض کی شدت سے نڈھال ھوتے جا رھے تھے مگر حضرت عائشه کو اس حال میں دیکھ کر فرمایا:

بل انا والله یا عائشه واراساه۔	بی بی! میں بھی درد سر سے بے حال ھوا جا رھا ھوں!

بیشک آں حضرت کے درد و کرب کا یہی عالم تھا لیکن ابھی تک بستر علالت پر گر جانے کی نوبت نه آئی تھی، نه مرض اس حد تک پہنچا تھا که اپنے اھل و ازواج سے لطف و فکاھات کا دامن سمیٹ لیں! یہی وجه ھے که جب ام المؤمنین حضرت رسول الله کے کراھنے کی آواز سننے پر بھی اپنا واویلا نه روک سکیں تو رسول خدا نے مزاح کے طور پر فرمایا:

وما ضرک لومت قبلی فقمت علیک وکفنتک وصلیت علیک ودفنتک۔	بی بی! اگر ایسا ھی ھو جائے تو تمھیں کیا گھاٹا ھے؟ میں خود تمھاری تجہیز و تکفین کر کے تمھاری میت پر دعا پڑھ کر تمھیں دفن کروں گا۔

ام المؤمنین جنھیں اپنی نوعمری کی وجه سے ابھی اور زنده رھنے کی تمنا تھی اور اپنی ضرب المثل حاضر جوابی کی بدولت اپنے گرامی منزلت شوھر کے مزاح کا جواب مزاح میں عرض کرنے پر مائل! عرض کیا

لکن ذالک حظاً غیری والله لکانی بک لو قد فعلت ذالک لقد جعت الی بیتی فاعرست فیه ببعض نساءک۔	آپ کی خواهش تو یہی ھوگی که جس طرح ھو سکے مجھے سپرد زمین کر دیں اور دولت خانه پر تشریف لا کر میری نوبت میری کسی سوت کو کو ھبه فرما دیں۔

رسول خدا اپنے حرم کے جواب میں تبسم فرما کر خاموش ھو گئے۔ شدت مرض کی وجه سے بھی کسی قسم کی گفتگو کو طول دینا مناسب نه تھا۔

جمله حرم پاک کی طلبی اور حضرت عائشه کے ھاں قیام کی تحریک: کچھ دیر بعد افاقه محسوس ھوا تو سابقه معمول کے مطابق تمام حرم کے ھاں قدم رنجه فرمانے کا اراده ھو گیا لیکن مرض ھے که لحه لحه شدت اختیار کر رھا تھا۔ ام المؤمنین میمونه کے ھاں تشریف

لائے ہی تھے کہ تکلیف سے گھبرا اٹھے اور اپنے لیے تیارداری کے بغیر مفر نہ دیکھا۔ تمام ازواج کو حضرت میمونہ ہی کے ہاں بلا کر فرمایا ”مجھے عائشہ ہی کے ہاں رہنے کی اجازت دی جائے۔“

حرم پاک نے بصدق قلب تسلیم کر لیا۔ حضرت علی ابن ابی طالب اور اپنے عم بزرگوار عباس دونوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے میمونہ کے ہاں سے عائشہ کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔ بے چینی اور نقاہت کی شدت سے سر پر پٹی بندھی ہوئی اور قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

مسجد میں تشریف آوری: علالت نے ابتدائی دنوں میں بلا کی شدت اختیار کر لی جیسے رواں رواں حرارت کا سوتا بن گیا ہو لیکن تپ میں کمی واقع ہوتے ہی مسجد میں تشریف لائے، نماز پڑھائی اور اسی طرح ایک سے زیادہ دنوں تک نمازیں پڑھاتے رہے۔ مگر مسجد میں ہونے والی کسی گفتگو میں شرکت نہ فرمائی، نہ صحابہ سے کسی قسم کا خطاب فرمایا۔ دوسروں کی بات چیت سمع عالی تک پہنچتی رہی جس میں یہاں تک سننے میں آیا کہ ”آخر رسول خدا نے کیا مصلحت دیکھی جو شام کی سہم پر ایک کم سن نوجوان کو اکابر مہاجرین و صحابہ پر سپہ سالار نامزد فرما دیا!“ جوں جوں مرض ترقی کرتا گیا اسامہ کی تقرری کے بارے میں مسلمانوں کو تنبیہ کرنے کا احساس بڑھتا گیا۔ حرم اور متعلقین کو حکم دیا کہ سات کنوؤں سے علیحدہ علیحدہ پانی کے سات برتن منگوا کر یہ پانی آپ کے بدن پر ڈالا جائے۔ غسل کے دوران میں فرمایا ”بس! بس!“ غسل سے فارغ ہو کر پوشاک زیب تن فرمائی اور سر سے پٹی باندھ کر (مسجد میں) منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حمد و ثنا اور شہدائے احد کے لیے دعائے مغفرت کے بعد فرمایا:

جیش اسامہ کی روانگی پر تاکید

یا ایها الناس! انفذوا بعث اسامه فلعمری! لئن قلتم فی امارته لقد قلتم فی امارة ابيه من قبله وانه لخليق للامارة وان كان ابوه لخليقاً لها۔	دوستو! اسامہ کے منصب پر اعتراض نہ کرو! قسم بجان خویش! آج جو تم اسامہ کی امارت پر حرف گیری کر رہے ہو اسامہ کے والد کی امارت پر بھی تم اسی طرح نکتہ چینی کرتے رہے لیکن اسامہ اسی طرح امارت کے لیے خلق ہوا ہے جس طرح اس کے والد زید امارت کے لیے پیدا ہوئے تھے۔

خطبہ میں اپنی وفات کا اشارہ اور ابوبکر کا گریہ و بکا: رسول اللہ ذرا دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا:

ان عبداً من عباد الله خيره الله بين الدنيا والاخرة وبين ما عنده فاختار ما عنده۔	اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا و عقبیٰ اور خدا کی نعمت دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے لیے منتخب کر لے مگر اللہ کے اس بندے نے خدا کی ملاقات کو ترجیح دی ہے۔

یہ فرمانے کے بعد (رسول خدا) پہلے کی طرح پھر خاموش ہو گئے اور حاضرین بھی۔ ابوبکر بات کی تہ تک پہنچ گئے کہ رسول اللہ تو اپنے ہی متعلق فرما رہے ہیں۔ آں حضرت

دنیا چھوڑنے کو ہیں۔" یہ نتیجہ تھا حضرت ابوبکر کے اس وجدان کا جو انہیں آں حضرت صلعم کی صداقت کے بارے میں ازل سے ودیعت تھا۔ ابوبکر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور عرض کیا:

بل نحن نفدیک بانفسنا وابناءنا۔

اے رسول خدا! ہماری جانیں اور اولاد نثار ہو جائیں! آپ ہمیں یہ کیسی سناؤنی سنا رہے ہیں!

آں حضرت صلعم نے ابوبکر کے اس تاثر سے محسوس فرمایا کہ مبادا یہی جذبہ دوسروں کو بھی گریہ و بکا میں مبتلا کر دے۔ ابوبکر کو تلقین ضبط کرتے ہوئے فرمایا "مسجد میں جن لوگوں کے گھروں کے دروازے ہیں ابوبکر کے گھر کے سوا سب کے دروازے موند دیے جائیں!" اور اس کے بعد منبر سے اترتے ہوئے فرمایا:

ابوبکر کی منقبت:

انی لا اعلم احداً کان افضل فی الصحبہ عندی یداً منه و انی لو کنت متخذاً من العباد خلیلاً لا تخذت ابابکر خلیلاً ولکن صحبہ واخاء ایمان حتیٰ یجمع اللہ بینا عندہ۔

میرے دوستوں میں سے مجھ پر کسی کا احسان ابوبکر کے برابر نہیں۔ اگر میں خدا کی طرف سے کسی کو اپنا خلیل بنانے کا مجاز ہوتا تو یہ منزلت ابوبکر کے لیے ہوتی، لیکن از روئے اسلام باہمی رفاقت و اخوت ایمانی تک کا اختیار ہے اور اسی حالت میں خدا کے سامنے حاضری ہے۔

انصار کے حق میں وصیت: مسجد سے حجرۂ عائشہ میں تشریف لانے کا قصد کرتے ہوئے فرمایا:

یا معشر المهاجرین! استوصوا بالانصار خیراً فان الناس یزیدون و الانصار علی ہیئتها لا تزید وانهم کانوا عیبتی التی اویت الیها فاحسنوا الی محسنهم وتجاوزوا عن سیئهم۔

اے یاران مہاجر! انصار کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ ان کے سوا دوسروں کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ انصار میرے ایسے محرم ہیں جن کے دامن میں مجھے پناہ ملی۔ ان کی خوبیوں کی قدر اور ان کی لغرش سے چشم پوشی کرتے رہنا۔

مسجد سے لوٹ کر ام المؤمنین عائشہ ہی کے حجرہ میں فروکش ہوئے۔ آج کی جد و جہد اور مسجد میں تشریف لے جانے سے مرض نے اور تھکا دیا۔ وہ مریض جن کے بدن مبارک پر سات مشکیزے پانی ڈالا جائے، جسے ایسی شدید علالت میں بھی مشاغل سے یکسوئی نصیب نہ ہو—جیش اسامہ کے نتائج کا فکر، ادھر انصار کا غم، اس پر ملت جو ابھی ابھی اسلام سے وابستہ ہوئی ہے اس کا فکر مآل۔ یہی تفکرات دوسرے روز پھر مسجد میں تشریف لانے کے محرک ہوئے لیکن مرض نے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ ارادہ پورا نہ فرما سکے اور نماز کا وقت سر پر آ گیا۔ دوستوں سے فرمایا:

مروا ابابکر فلیصل الناس۔

ابوبکر سے کہو میری بجائے نماز کی امامت وہ کرائیں۔

لیکن ام المؤمنین عائشہ جو دنیا جہان سے زیادہ آپ کو صحت مند دیکھنا چاہتی تھیں عرض کیا: "ابوبکر رقیق القلب ہیں۔ ان کی آواز بھی مدھم ہے اور قرأت میں گریہ پر بھی ضبط نہیں کر سکتے!" اس پر بھی نبی صلعم نے ابوبکر ہی کے لیے امامت صلواۃ کا حکم قائم رکھا۔ ادھر ام المؤمنین نے اپنے پہلے اندازے کے مطابق اپنے والد گرامی کی طرف سے

معذرت کے ارادہ سے پھر اسی بات کو دھرایا مگر اس مرتبہ رسول خدا نے مرض کی سختی کی وجہ سے گفتگو کا یارا نہ ہونے کے باوجود وہی حکم دھراتے ہوئے فرمایا:

ان کن صواحب یوسف مروہ فلیصل الناس۔	تم گویا حضرت یوسف کی ہم جلیس ہو۔ ابوبکر ہی سے کہو کہ میری بجائے وہ نماز کی امامت کرائیں۔

اور ایسا ہی ہوا جس کے بعد ایک موقعہ پر جب حضرت ابوبکر ابھی مسجد میں تشریف نہ لائے تھے کہ بلال نے ان کی بجائے (سیدنا) عمر سے امامت کی درخواست کی۔ عمر کی آواز اس قدر گرج دار تھی کہ رسول اللہ نے حضرت عائشہ کے حجرہ میں سن لی تو فرمایا:

این ابوبکر؟ یابی اللہ ذالک والمسلمون!	ابوبکر کہاں رہ گئے؟ اللہ اور تمام مسلمان ناپسند کرتے ہیں کہ ابوبکر کے سوا کوئی اور نماز پڑھائے!

حضرت ابوبکر کے متعلق رسول خدا کی طرف سے اس تاکید پر بعض مسلمانوں نے سمجھا کہ آں حضرت انہیں اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ نیابت رسالت کا سب سے بڑا "مظہر" نماز کی امامت ہے جس کی تاکید اس شد و مد سے فرمائی جا رہی تھی (م۔خلیفہ رسول کے انتخاب پر ابوبکر کی افضلیت کی یہی دلیل حضرت عمر نے آپ کا نام پیش کرتے ہوئے بیان کی۔

ساعت بساعت مزاج زیادہ ناساز ہوتا گیا، تپ کی شدت بڑھتی گئی، چہرۂ مبارک ردا سے ڈھانک لیا۔ ازواج مطہرات یا دوسرے تیمار دار جبین مبارک پر ردا کے اوپر ہاتھ رکھتے تو حرارت کی شدت محسوس کر کے حیران رہ جاتے۔

سیدۂ فاطمہ سے اپنی وفات کا راز: بضعہ رسول فاطمہ دن میں کئی کئی مرتبہ عیادت کے لیے حاضر ہوتیں۔ اولاد میں تنہا سیدہ (فاطمہ) ہی باقی رہ گئی تھیں۔ رسول خدا ان سے بے حد محبت فرماتے۔ جب تشریف لاتیں استقبال کے ساتھ ان کے ماتھے پر بوسہ دیتے اور اپنی مسند پر نشست کا اعزاز بخشتے۔ سیدہ شدت علالت میں حاضر ہوتیں تب بھی ان معمولات میں فرق نہ آنے پایا۔ اسی دوران میں انہیں پاس بٹھا کر بی بی کے کان میں کوئی بات کہی جس سے وہ رو پڑیں۔ دوسری مرتبہ ان کے کان میں کوئی بات کہی تو سیدہ ہنس پڑیں—ام المؤمنین عائشہ جو وہیں تشریف فرما تھیں سیدہ سے ان کے رونے اور ہنسنے کا سبب دریافت کیا۔ فاطمہ نے فرمایا:

ما کنت لافشی سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات مجھے راز کے طور پر بتائی ہے اس کے افشا کا یہ موقعہ نہیں۔

لیکن رسول خدا کی رحلت کے بعد فاطمہ نے ازخود بتا دیا کہ "اس روز میرے گریہ کا سبب رسول اللہ کا اپنی وفات کی اطلاع تھی اور دوسری مرتبہ جب مجھے یہ بشارت فرمائی کہ خاندان نبوت میں سب سے پہلے مجھے ہی آں حضرت کی ملاقات کا شرف حاصل ہوگا تو میں فرط مسرت سے ہنس پڑی۔"

شدت کرب سے بار بار چہرہ کو تر کرنا: (رسول اللہ کو) تپ کی شدت نے اس قدر نڈھال کر دیا کہ آپ کے فرمانے پر پانی کی لگن بالیں کے قریب لگا دی گئی۔ آں حضرت

پانی میں ہاتھ ڈبوتے اور جبین و چہرہ تر کرتے۔ بار بار غشی کے دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ ذرا افاقہ ہوتا تو شدت کرب سے کراہ اٹھتے۔

فاطمہ کا ''وا ابتاہ'' سے اپنے غم کا اظہار: خاتون جنت اپنے شفیق باپ کی یہ حالت دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئیں کہ بے ساختہ ''واکرب ابتاہ!'' (آہ! میرے باپ کی جان پر کیا بیت رہی ہے!) نکل گیا۔ رسول خدا نے اپنی لخت جگر کی آواز سنی تو فرمایا ''اے بیٹی! آج کے بعد تمہارے باپ پر کوئی بدنی سختی نہ ہوگی'' اشارہ اس طرف تھا کہ آج کسی نہ کسی وقت اس عالم کرب و بلا کی آخری منزل سے آگے بڑھ جانا ہے!

صحابہ نے آپص کا غم غلط کرنے کے لیے عرض کیا ''یا رسول اللہ! دوسرے بیماروں کو تو آپ صبر و تحمل کی تلقین فرماتے رہے؟'' فرمایا ''یہ صحیح ہے مگر میری تکالیف دو مریضوں کے برابر ہے۔''

واقعۂ قرطاس: دولت کدۂ رسول پر تیمارداروں کا ہجوم تھا۔ فرمایا:

ائتونی بداوة وصحیفة" اکتب لکم کتاباً بالاتضلوا ابداً۔	دوات اور کاغذ لے آؤ! میں "تمہاری بہتری کے لیے ایسی تحریر کرا دوں جس سے "تم کج رہی سے بچ سکوگے!

حسبنا کتاب اللہ: حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا (جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر تھے):

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد غلبہ الوجع وعندکم القرآن وحسبنا کتاب اللہ۔	اس وقت رسول اللہ تکلیف سے دوچار ہیں۔ (مسلمانو!) تمہارے پاس قرآن موجود ہے وہی ہمارے لیے کافی ہے۔

بعد میں اس حادثہ پر دو مختلف رائیں قائم ہو گئیں۔ بعض نے اسے ضروری سمجھ کر دوات اور کاغذ پیش کرنے کا مشورہ دیا اور بعضوں نے کتاب اللہ کے کامل ہونے کی بنا پر اسے زیادہ اہمیت نہ دی۔

آں حضرت نے یہ رنگ دیکھ کر فرمایا ''نبی کے سامنے اس قسم کا غوغا نا مناسب ہے۔ آپ حضرات میرے قریب سے ہٹ جائیں۔''

واقعۂ قرطاس پر حضرت عباس و جناب عمر کی رائیں:

جناب ابن عباس کی رائے	جناب عمر ابن الخطاب کی رائے
(م۔۔جن کا سن وفات رسول کے موقعہ پر تیرہ سال تھا) ان لوگوں نے کیسی غفلت برتی جو بیش قیمت نصائح سے محروم رہ گئے! کاش! رسول اللہ کے املا کرانے میں سبقت کرتے!	آں حضرت صلعم کی رحلت کے بعد بھی اپنی اس رائے کی تحسین فرماتے رہے اس لیے کہ قرآن اپنے متعلق ''ما فرطنا من الکتاب من شیء''[۱] (۶ : ۲۸) فرماتا ہے۔

۱- یعنی کائنات کی ہر مخلوق کے لیے جو کچھ ہونا چاہیے تھا وہ سب کچھ اس کے لیے لکھ دیا۔ کسی مخلوق کے لیے بھی فروگذاشت نہیں ہوئی۔

علالت تشویشناک حد تک آ پہنچی اور دور دور تک خبر پہنچ گئی۔ جیش فلسطین (شام) کے سپہ سالار اسامہ بن زید اور ان کے ہمراہی جرف (مقام پڑاؤ) سے سیدۂ عائشہ کے دولت کدہ میں رسول خدا کی تیمار داری کے لیے حاضر ہوئے لیکن اب تاب مقال ختم ہو چکی تھی۔ آں حضرت نے اسامہ کو دیکھا تو آسمان کی طرف دست مبارک اٹھایا پھر وہی ہاتھ اسامہ کے سر پر رکھ دیا گویا اسامہ کے لیے دعا کی علامت تھی۔

معالجہ: یہ حالت دیکھ کر اہل بیت کی توجہ معالجہ کی طرف منعطف ہوئی۔ ام المؤمنین میمونہ کی قرابت دار جناب اسماء نے حبشہ کے زمانۂ ہجرت میں ایسے ہی ایک شربت کے بنانے کی ترکیب معلوم کر رکھی تھی۔ وہی شربت غشی کی حالت میں رسول خدا کے دہن مبارک میں ٹپکایا گیا۔ ذرا افاقہ ہوا تو شربت پلانے کا سبب دریافت فرمایا۔ عباس نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! ذات الجنب کے شبہ کی بنا پر شربت کے چند قطرے دہن مبارک میں ٹپکائے ہیں“ فرمایا ”مجھے تو خدا تعالیٰ نے ذات الجنب میں مبتلا ہونے سے محفوظ فرما لیا ہے!“ پھر فرمایا ”مناسب یہ ہے کہ عباس کے سوا ہر اس شخص کے حلق میں یہ شربت ٹپکایا جائے جو یہاں موجود ہے“ حتیٰ کہ ام المؤمنین میمونہ جو اس روز روزہ دار تھیں ان کا استثنا بھی نہ فرمایا۔

آخری پونجی کا صدقہ: شدت علالت کے موقعہ پر آں حضرت کی ذاتی تحویل میں سات دینار تھے۔ شاید اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام آ جائے اور یہ رقم میرے قبضہ میں رہ جائے۔ اس خیال کے مطابق آں حضرت نے ان کے صدقہ کر دینے کا حکم فرما دیا تھا لیکن اہل بیت تیمار داری میں اس قدر منہمک تھے کہ تعمیل کرنا ذہن سے اتر گیا۔ زندگی کے آخری روز دوشنبہ کو غشی سے افاقہ ہوا اور آپ نے ان دیناروں کا دریافت فرمایا تو ام المؤمنین عائشہ نے معذرت پیش کرتے ہوئے عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھے فرصت نہیں ملی، دینار ابھی تک میری ہی تحویل میں ہیں!“ آں حضرت نے ان سے لے کر فرمایا:

ما ظن محمد بربہ لولقی وعندہ ھذہ؟	اگر یہ دینار میری تحویل میں رہ جائیں تو میں اپنے رب کے متعلق اپنے ساتھ کیا گمان لے کر اس کے سامنے حاضر ہوں گا!

شب نہایت سکون و راحت کے ساتھ بسر فرمائی۔ تپ سے افاقہ نظر آنے لگا۔ سمجھا گیا کہ اسی دوا کا اثر ہے جو اہل بیت نے آپ کو پلائی تھی۔ صبح کے وقت سر سے پٹی باندھے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ علی (ابن ابی طالب) اور فضل (ابن عباس) دونوں کے کندھوں پر ٹیک لگا رکھی تھی۔

ابوبکر کے اقتدا میں ادائے صلوٰۃ: فجر کی نماز شروع ہو چکی تھی۔ ابوبکر امامت فرما رہے تھے۔ جب صحابہ کو آں حضرت کے ورود کا احساس ہوا تو ہر ایک کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور آپ کے مصلیٰ پر تشریف لے جانے کے لیے راستہ بنا دیا۔ رسول اللہ نے ہاتھ کے اشارے سے سمجھا دیا کہ نماز میں خلل نہ آنے پائے اور مسلمانوں کو اس خلوص سے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے۔

ابوبکر کو محسوس ہوا کہ مقتدی رسول اللہ کی تشریف آوری کی وجہ سے آپ کے مصلیٰ تک پہنچنے کے لیے راستہ بنا رہے ہیں تو آں حضرت کے لیے مصلیٰ خالی چھوڑ کر

خود صف میں لوٹ آنے کا قصد کیا لیکن رسول خدا نے ابوبکر کی پشت پر دست مبارک رکھ کر فرمایا ''صل بالناس!،، (اے ابوبکر! آپ ھی امامت کرائیے) اور خود ابوبکر کی اقتدا میں نیت باندھ کر ان کی دائیں طرف بیٹھ کر نماز ادا کی۔

ادائے صلواۃ کے بعد تذکیر: تکمیل (نماز) کے بعد رخ مبارک نمازیوں کی طرف پھیر لیا اور ایسی بلند آواز سے جو مسجد کے باھر بھی سنی گئی فرمایا:

سعرت النار واقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم وانی واللہ! ما تمسکون علی بشیء! انی واللہ لم احل الا ما احل القرآن ولعن قوماً اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔

آگ دھک اٹھی ھے۔ اندھیری رات کی مانند فتنے تو بہ تو امڈے چلے آ رھے ھیں! خدا کی قسم میرے فرمان کے سوا تمھیں کسی اور دستاویز سے تمسک نہ کرنا چاھیے۔ میں اس پر بھی خدا کی قسم کھاتا ھوں کہ میں نے قرآن ھی کی حلال گردہ اشیاء کو حلال کیا اور قرآن ھی کی حرام کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا—اور خدا اس قوم پر لعنت کرے جس نے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

مسلمانوں نے سمجھا کہ رسول خدا صحت یاب ھو گئے۔ وہ اس جذبہ سے بے حد محظوظ ھوئے حتی کہ اسامہ بن زید نے اپنے ماتحت لشکر کو شام لے جانے کی اجازت طلب کی۔ ابوبکر نے عرض کیا ''یا نبی اللہ! خدا کے فضل و کرم سے آپ کی صحت عود کر آئی ھے۔ آج کا دن (ام المؤمنین زینب) بنت خارجہ کی نوبت ھے۔ اجازت ھو تو میں ان سے آپ کی صحت کی بشارت عرض کر دوں؟،، فرمایا ''اجازت ھے!،، حضرت ابوبکر (مقام) سنح (بحوالی مدینہ) ام المومنین کے دولت خانہ پر یہ مژدہ پہنچانے کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عمر اور علی اپنے کام کاج کے لیے روانہ ھوئے۔ اسی طرح دوسرے دوسرے مسلمان شاداں و فرحاں ادھر ادھر چلے گئے۔

لیکن رات ابھی پورے طور پر نہ پڑی تھی کہ مزاج کی ناسازی، تپ کی سختی اور غشی کے دوروں کی خبر اڑنا شروع ھوئی اور رسول اللہ حضرت عائشہ ھی کے حجرہ میں فروکش ھونے پر مجبور ھو گئے۔ مسجد میں جمع شدہ مسلمانوں نے آپ کی صحت عود کر آنے سے جس خوشی کا اظہار کیا تھا اس کے تصور سے آپ کا قلب معمور تھا مگر بیماری کی شدت سے نقاھت حد سے گذر چکی تھی۔

سیدۂ عائشہ کا حزن و ملال: سیدۂ عائشہ جن کا قلب ایسے عظیم المنزلت وجود (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احترام و جلالت سے لبریز تھا آپ کی اس ناتوانی اور ضعف پر چاھتی تھیں کہ اگر ھو سکے تو آنحضرت کی زندگی برقرار رکھنے کے عوض میں اپنی جان تک قربان کر دیں۔ آہ! آں حضرت صلعم کا اس ھمت کے ساتھ مسجد میں تشریف لانا اس سنبھالے کی حالت تھی جو مریض کے لیے افاقہ'' الموت کا مترادف ھو کیونکہ مسجد سے واپس تشریف لے آنے کے بعد نقاھت لمحہ بہ لمحہ بڑھتی گئی۔ کوئی گھڑی جا رھی تھی کہ جان حزیں قالب کو چھوڑ کر اپنی راہ لے۔

اس وقفہ میں ذھن مبارک زندگی کے ان لمحات کا تصور کر رھا تھا جن میں خدا نے آپ کو نبی و ھادی کا مرتبہ بخش کر مبعوث فرمایا؟ یا اس منزل میں جن صعوبتوں سے

واسطہ پڑتا رہا ان کی یاد تازہ ہو رہی تھی؟ یا اللہ کی ان نعمتوں سے سرور حاصل ہو رہا تھا جن سے تبلیغ نبوت کے صدقے میں متمتع ہوئے؟ یا دین حقہ کی قبولیت سے اہل عرب کے دلوں کو جس طرح مسخر فرمایا اس کی خوشی سے مستمند ہو رہے تھے؟ یا زندگی کے ان آخری لمحوں میں حضور خداوندی میں توبہ و انابت کی طرف رجوع فرما تھے جیسا کہ زندگی بھر معمول رہا؟ یا جان کنی کی دشواریوں سے گھبرا کر پوری زندگی کے حوادث کو فراموش کر دیا گیا؟ ہر ایک واقعہ پر روایات کا اختلاف نمایاں ہے۔

ارباب تاریخ کا غالب رجحان یہ ہے کہ ۸ جنوری ۶۳۲ کا دن تھا۔ عرب کی گرمی غضب ڈھا رہی تھی۔ ٹھنڈے پانی کی لگن بالیں کے قریب لگی ہوئی تھی۔ آں حضرت صلوات اللہ علیہ اپنا دست ناتواں تر کر کے چہرۂ مبارک سے مس فرماتے رہے۔

دنیا کا آخری عمل دھن مبارک کی صفائی: اسی اثنا میں ابوبکر کے خاندان کے ایک صاحب ہاتھ میں مسواک لیے ہوئے حضرت عائشہ کے دولت خانہ میں باریاب ہوئے۔ رسول خدا نے ان کی طرف اس انداز سے دیکھا جیسے مسواک کی طلب ہو، ام المومنین نے ان کے ہاتھ سے مسواک لے کر اپنے دھنِ مبارک میں چبائی۔ جب اس کے ریشے نرم ہو گئے تب آں حضرت کی خدمت میں پیش کی جس سے خود دھن مبارک صاف فرمایا۔ جان کنی کی کشمکش آخری مرحلہ پر پہنچ چکی تھی۔ خدا کی طرف متوجہ ہو کر الحاح کیا۔

سکرات الموت:

اللھم اعنی علی سکرات الموت! الٰہی! اس جان کنی میں میری اعانت فرمائیو!

آغوش عائشہ میں دنیا سے رحلت: فرق مبارک ام المؤمنین کی آغوش میں تھا۔ اس حالت کے تذکرہ میں فرماتی ہیں ''دفعۃً محسوس ہوا کہ میری آغوش بوجھ سے دبی جا رہی ہے۔ میں نے چہرۂ مبارک پر نظر ڈالی تو آنکھیں پتھرائی جا رہی تھیں اور زبان پر: 'بل الرفیق الاعلی!' (اپنے رب کے پاس جانا چاہتا ہوں)۔ یہ سن کر میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا 'خدا کی قسم! جس نے آپ کو رسول صادق کا منصب عطا فرمایا۔ جب اس نے آپ کو دنیا و عقبیٰ دونوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا اختیار دیا تو آپ نے عقبیٰ کو ترجیح دی۔'

روح مبارک اسی حالت اور میری ہی گود میں ٹیک لگائے ہوئے رفیق اعلیٰ کی جانب سدھاری۔ ایک وجہ سے یہ بھی میرے لیے اعزاز ہے اور اس اظہار میں مجھے کسی کی توہین بھی مقصود نہیں۔ ایسے ہی ہوا۔ میرا یہ سن اور رسول خدا کا میری گود میں جان بحق ہونا! خداوندا! میری یہ منزلت!

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی داستان ختم ہو جانے کے بعد آپ کے فرق مبارک کے نیچے تکیہ لگا کر ان عورتوں کے مجمع میں شامل ہو گئی جو پریشان گریہ و بکا میں مشغول تھیں مگر میں دوسرے دوسرے خیالات میں سر جھکائے کھڑی رہی۔''

اس لمحہ مسلمانوں میں عجیب اضطراب پیدا ہو گیا۔ بعض حضرات کو آپ کے وفات پانے کا تذکرہ سننا بھی گوارا نہ تھا۔ ایسے لوگوں کا خیال تھا کہ آپ نے وفات نہیں پائی۔ یہ مسئلہ حد نزاع تک پہنچنے کو تھا لیکن خداوند عالم نے جو مسلمانوں کے لیے حسن سلوک کا خواہاں ہے اس فتنہ کا انسداد فرما دیا:

صادق امین عبدالله محمد کلیم الله حبیب الله نجی الله

صفی الله حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطہر مشرف قریب خلیل

عزیز حریص علیکم رؤف رحیم طٰہٰ مجتبیٰ

مدعو جواد خاتم عادل شہیر شہید اوّل آخر ظاہر باطن نبی رحمۃ یٰسین

۳۱

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین

۳۱

رسالت مآب ﷺ کی تدفین

’’نبی علیہ السلام،، ام المومنین کے حجرےمیں اور اس حالت میں ’’رفیق الاعلیٰ،، سے ملاقی ہوں کہ فرق مبارک کی ٹیک ام المومنین کی گود سے لگی ہوئی تھی۔ سیدہ آپ کے فرق مبارک کے نیچے تکیہ لگا کر ان عورتوں کے مجمع میں شامل ہو گئیں جو آں حضرت صلعم کے انتقال کی خبر سنتے ہی پہنچ گئیں اور فرط حزن سے گریہ و بکا میں مشغول ہو گئیں۔ ام المومنین پریشان حال کھوئی کھوئی سی رہ گئیں۔ جو لوگ مسجد میں جمع تھے یہ خبر سن کر حیرت میں ڈوب گئے کہ: ابھی ابھی وہ رسول خدا کو اس حالت میں دیکھ چکے تھے جیسے صحت دوبارہ لوٹ آئی ہو۔ اسی تسکین کی وجہ سے حضرت ابوبکر ام المومنین زینب بنت خارجہ کو بلانے کی غرض سے مقام سنح تشریف لے گئے۔ اسی اطمینان کی بنا پر حضرت عمر دوڑے ہوئے اس حجرےمیں آئے جہاں جسد مبارک ابدی خواب میں محو استراحت تھا۔ اسی وجہ سے عمر کو آپ کی وفات پر یقین نہ ہو سکا۔ رخ انور سے ردائے مبارک ہٹائی تو سانس کی رمق تک نہ ہونے کے باوجود اسے (حضرت عمر نے) غشی پر محمول کیا، یہ سمجھ کر کہ ذرا دیر بعد ہوش میں آجائیں گے۔ حضرت مغیرہ نے ہر چند سمجھایا کہ ’’آپ کس خیال میں ہیں!،، لیکن حضرت عمر کو رسول اللہ کی رحلت کا یقین نہ آیا بلکہ مغیرہ کے اصرار پر انہیں یہ کہ کر جھڑک دیا ’’آپ جھوٹ کہ رہے ہیں کہ رسول خدا کا انتقال ہو گیا ہے۔،،

وفات نبی کے موقعہ پر حضرت عمر کی بے اختیاری اور اس حالت کی تقریر: حضرت عمر کو یہی جذبہ مسجد میں لے آیا (مغیرہ بھی ان کے ہمراہ تھے) اور انہوں نے باآواز بلند اعلان کیا کہ:

ان رجالاً من المنافقین یزعمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد توفی وانہ واللہ مامات ولکنہ ذھب الی ربہ کما ذھب موسیٰ بن عمران! فقد غاب عن قومہ اربعین لیلۃ ثم رجع الیھم بعد ان قیل ’’قدمات!،، و واللہ لیرجعن رسول اللہ کما رجع موسیٰ، فلیقطعن ایدی رجال و ارجلھم زعموا ’’انہ مات!،،

منافق افواہ اڑا رہے ہیں ’’کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے بلکہ موسیٰ بن عمران کی طرح خدا کے حضور تشریف لے گئے ہیں جس طرح موسیٰ بنی اسرائیل سے چالیس روز تک غائب رہنے کے بعد دوبارہ واپس تشریف لے آئے ان کی غیبوبت کے دوران میں اسی طرح بنی اسرائیل نے کہا کہ موسیٰ کی وفات ہو گئی! اسی طرح رسول اللہ بھی رجعت فرما ہوں گے! اور جس جس نے آں حضرت کی وفات کی خبر پھیلائی ہے آں حضرت واپسی پر اس کے ہاتھ پیر قلم کرا دیں گے۔

حضرت عمر کی تقریر پر سامعین کی حیرت: مسلمان حضرت عمر کی تقریر سن کر آں حضرت کی وفات کے متعلق گو مگو میں پڑ گئے۔ کبھی خیال گذرتا کہ اگر رسول اللہ رحلت فرما چکے ہیں تو ہمارے لیے کس قدر افسوس و الم کا حادثہ رونما ہوا۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے آنحضرت کو آپ کی زندگی میں دیکھا، آپ کے حسن تکلم سے بہرہ مند ہوئے، آپ کی تعلیم کے اثر سے خدائے وحدہ لا شریک پر ایمان لانے کا موقعہ حاصل ہوا جس نے آپ کو سچا دین عطا فرما کر انسان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ آج ان (مسلمانوں) کے ذہن میں رسول صادق الامین کی رحلت کا تصور گردش کر رہا ہے اور اس تصور کے مقابلہ میں حضرت عمر کی تقریر تھی لیکن حضرت موسیٰ کی مانند آپ کی رجعت کا انتظار تو اور بھی حیرت انگیز ہے!

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حضرت عمر کے اردگرد جمع ہو گئے اس امر کی تصدیق پر مائل تھے کہ رسول خدا کا واقعی انتقال نہیں ہوا۔ ان کے دماغ میں یہ تصور بھی گردش کر رہا تھا کہ ذرا ہی دیر پہلے انھوں نے آنحضرت کو صحیح و سالم دیکھا، آپ کی گفتگو سنی اور آپ کی زبان مبارک سے دعا و استغفار کے کلمات گوش گذار ہوئے۔ مسلمان یہ بھی سوچ رہے تھے کہ آنحضرت تو خلیل اللہ ہیں، ذات خدا نے اپنی رسالت کے لیے آپ کو منتخب فرما لیا، تمام عرب آپ کے سامنے سرنگوں ہوگیا — ایسی ذات پر بھی موت واقع ہوسکتی ہے! ان کے ذہن میں یہ امر بھی آپ کی وفات کے بارے میں مانع تھا کہ ابھی تک آپ کے مقابلہ میں قیصر و کسریٰ کو تو شکست ہی نہیں ہوئی۔ ان کے ذہن میں یہ خیال بھی چٹکیاں لے رہا تھا کہ جس قوت نے بیس سال کی مدت میں ایک عالم کو اپنے سامنے مطیع و منقاد کر لیا، تاریخ عالم جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایسے وجود گرامی پر موت کا وارد ہونا سمجھ میں آنے کی بات ہی نہیں۔ عورتیں فرط غم سے پریشان حال سر جھکائے ہوئے مصروف گریہ تھیں جس کی وجہ سے آپ کی وفات کا یقین ہوگیا۔ اسی موقعہ پر حضرت عمر مسجد میں بار بار دھرا رہے تھے کہ رسول خدا بھی حضرت موسیٰ کی مانند اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں اور جو لوگ آنحضرت کی رحلت کی افواہ اڑا رہے ہیں وہ منافق ہیں۔ رسول خدا واپس تشریف لا کر ایسے لوگوں کے ہاتھ اور گردنیں کٹوائے بغیر انھیں معاف نہ فرمائیں گے۔

مسلمان دو متضاد خبروں میں سے کس امر کی تصدیق کریں؟ ذرا دیر پہلے آنحضرت کے ارتحال کی خبر سے گھبرا رہے تھے، اب حضرت عمر آپ کے ارتحال کو افواہ سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول پاک زندہ ہیں اوز حضرت موسیٰ کی مانند رجعت فرمائیں گے۔ مسلمان بھی اس خبر کے تسلیم کرنے پر مائل او خود کو بہلا رہے ہیں کہ رسول خدا کی رجعت سے شادماں ہو کر رہیں گے۔

حضرت ابوبکر کی سنح سے واپسی: اسی افراتفری میں ابوبکر سنح سے واپس تشریف لے آئے اور رحلت نبی کی پر آشوب سناونی سے کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت عمر تقریر فرما رہے ہیں اور مسلمان پوری توجہ اور یقین کے ساتھ سن رہے ہیں۔ یہ کوائف دیکھنے کے ساتھ ہی حضرت عائشہ کے حجرہ کا رخ کیا۔ اجازت طلبی پر جواب آیا کہ "آج کوئی شخص طلب اذن کا مکلف نہیں۔" دالان میں

ایک طرف پلنگ پر جسد رسول تھا ، یمن کی خط دار چادر سے چہرہ مبارک ڈھکا ہوا ہے۔ ابوبکر نے دامن ہٹا کر پیشانی کا بوسہ لیا اور زبان سے یہ کلمہ کہا :

ما اطیبک حیا! وما اطیبک میتاً !	آپ کا جسم اطہر زندگی میں بھی کس درجہ عطر بیز رہا اور مرنے کے بعد بھی اس کی شمیم آرائیوں میں کمی نہیں آئی ۔

اپنے دونوں ہاتھ رخ انور کا ہالہ بنائے اور فرق مبارک تکیہ سے ذرا اٹھا کر غور سے دیکھا تو چہرہ کی تنویر جوں کی توں ضیا پاش تھی۔ (ابوبکر نے) کہا :

بابی انت و امی! اما الموتہ" التی کتب اللہ علیک فقد ذقتھا ثم لن تصیبک بعدھا موتہ" ابداً !	میرے ماں باپ نثار! خدا کی طرف سے جو موت آپ کے لیے مقرر تھی واقع ہو چکی ہے۔ اب آپ کے لیے دوبارہ وفات پانے کا کوئی امکان نہیں !

اس کے بعد سر مبارک جس طرح تکیہ سے لگا ہوا تھا اسی طرح رکھ کر چہرہ انور پر ردا کا دامن اوڑھا دیا۔ اب مسجد میں تشریف لائے جہاں حضرت عمر کی تقریر ابھی جاری تھی۔ وہ مسلمانوں کو یقین دلا رہے تھے کہ رسول اللہ پر موت وارد نہیں ہوئی ۔ مجمع نے ابوبکر کے لیے راستہ چھوڑ دیا ۔ انھوں نے عمر کے قریب پہنچ کر انھیں خاموش رہنے اور اپنی تقریر سننے کی ہدایت کی لیکن عمر نے بدستور اپنی تقریر جاری رکھی ۔

حضرت ابوبکر کی تقریر : حضرت ابوبکر نے مجمع کو اشارہ کیا ”میں جو کچھ کہتا ہوں اسے غور سے سنا جائے ۔“ اس مقام پر ابوبکر کا ہم پلہ کون ہو سکتا تھا جو رسول خدا کے ایسے مصدق تھے کہ اگر آنحضرت خلیل بنانے کے مجاز ہوتے تو ابوبکر کے سوا کوئی دوسرا اس عزت کا مستحق نہ ہوتا ۔ اس لیے ان کی آواز کان میں پڑنے کے ساتھ ہی عمر کی طرف سے مجمع کا رخ پھر گیا اور تمام لوگ حضرت ابوبکر کی جانب مائل ہو گئے۔ ممدوح نے تقریر شروع کی اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا :

ایھا الناس! ان من کان یعبد محمداً فان محمد اقدمات و من کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت ۔	لوگو! جو شخص محمد (صلعم) کا عبادت گذار ہے اسے معلوم ہو کہ محمد وفات پا چکے ہیں، اور جو کوئی اللہ کا عبادت گذار ہے (اس پر واضح کیا جاتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر موت وارد نہیں ہو سکتی ۔

(جس کے بعد یہ آیات تلاوت فرمائی :)

من کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت وما محمد الا رسول قدخلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم

وما محمد الا رسول قد حلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً و سیجزی اللہ الشا کرین (۳ : ۱۴۴) ۔	اور محمد اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گذر چکے ہیں (جو اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہوئے اور راہ حق کی دعوت دے کر دنیا سے چلے گئے) ۔ پھر اگر ایسا ہو کہ وہ وفات پائیں اور بہر حال انھیں ایک دن وفات پانا ہی ہے) یا (فرض کرو) ایسا ہو کہ لڑائی

میں قتل ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے (اور ان کے مرنے کے ساتھ ہی تمھاری حق پرستی بھی ختم ہو جائے گی) ؟ اور جو کوئی راہ حق سے الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا ، خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ۔ جو لوگ شکر گذار ہیں (یعنی نعمت کی قدر سمجھنے والے ہیں) وہ وقت دور نہیں کہ خدا انہیں ان کا اجر عطا فرمائے گا ۔

حضرت ابوبکر کی تقریر کا اثر : مجمع کا رخ ابوبکر کی طرف دیکھ کر حضرت عمر خاموشی سے ابوبکر کی تقریر سنتے رہے ۔ جب انہوں نے آیۂ مذکورہ پڑھی، عمر کے پاؤں لڑکھڑا اٹھے ، زمین پر گر پڑے اور انہیں رسول خدا کی وفات کا یقین ہو گیا ۔ جو مجمع ذرا دیر پہلے تک حضرت عمر کا ہم نوا تھا ابوبکر کی زبان سے یہ آیت سننے کے بعد ان کی کیفیت بھی متبدل ہو گئی جیسے یہ آیت انہوں نے آج ہی سنی ہو ۔ ان کے ذہن میں آنحضرت کی وفات کا نقش قائم ہو گیا ۔ ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ رسول خدا نے اپنے لیے ”رفیق اعلیٰ ، ، کی معیت کو ترجیح دی اور خدا تعالیٰ (رفیق اعلیٰ) نے بھی آپ پر اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیا ہے ۔

حضرت عمر کے فہم پر تبصرہ : حضرت عمر جس شدومد کے ساتھ آنحضرت کی وفات سے انکار کر رہے تھے اور دوسروں کو بھی اپنا ہم خیال بنانے میں مصروف تھے کیا اس بارے میں وہ عمداً مبالغہ کر رہے تھے؟ نہیں ! ان کے انکار کی مثال میں کہا جا سکتا ہے کہ جیسے موجودہ دور کے ارباب علم کی تحقیق کے مطابق آفتاب اپنی روشنی اور حرارت دونوں بتدریج کھوتا آ رہا ہے جس کے ہاتھوں ایسا دن آ کر رہے گا کہ جب آج کا مہر عالمتاب کرۂ سیاہ بن کر رہ جائے گا ، لیکن سورج کے یوں پتھرا جانے کو شک کے بغیر تسلیم کرنا بے حد مشکل ہے ۔ ایسے سر چشمۂ نور کے متعلق جس کی روشنی اور حرارت دنیا کے ذروں تک کی بقا کے لیے ضامن ہو اس کے لیے اس قدر بے چارگی کا یقین کہ آفتاب فنا ہو جائے یا اس کا نور تاریکی سے متبدل ہو جائے ! اس پر اہل تحقیق کا یہ طرفہ کہ سورج کے ساتھ اس حادثہ کے بعد بھی دنیا ایک دن اور قائم رہے گی!

میں کہتا ہوں (جناب) محمد نور ہدایت و ایمان اور قوت کے سہ گونہ اوصاف کے ہوتے ہوئے آفتاب عالم تاب سے کم نہ تھے ۔ جس طرح سورج کا پر تو تمام عالم پر ہے ، اسی طرح محمد کی ضیا سے تمام دنیا منور ہے اور جس طرح آفتاب استقرار کائنات کا ذریعہ ہے اسی طرح محمد (اپنی تعلیم کی خوبیوں کے باعث) ربع مسکون کے لیے سبب برکت و یمن ہیں جن کے تذکرہ کے صدقہ میں عالم کون و مکاں کی رونق قائم ہے ۔

پس حضرت عمر کا یہ یقین کر لینا کہ رسول اللہ کی موت ممکن نہیں ان معنوں میں قابل تسلیم ہے ۔ آنحضرت صلعم اپنے صفات کی وجہ سے اس وقت بھی زندہ تھے اور جب تک یہ عالم قائم ہے آپ پر موت وارد نہ ہو سکے گی ۔

جیشِ اسامہ کی جرف سے واپسی : اس دن کی صبح کے وقت جب حضرت اسامہ نے جناب رسالت مآب کو مسجد میں تشریف فرما دیکھا تو انہیں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کی صحت کے عود کرنے کا یقین ہوگیا اور وہ اپنے ہمرہان غزوہ کو ساتھ لے کر (مدینہ سے) جرف (کی سمت) روانہ ہوگئے (جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا) اور فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اتنے ہی میں رسول اللہ کے انتقال کی سناونی آ پہنچی جس کے سنتے ہی اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ لوٹ آئے اور فوج کا علم سیدۂ عائشہ کے دروازہ کے قریب نصب کرکے مسلمانوں کے فیصلہ کے انتظار میں سفر ملتوی کر دیا۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور تاسیس خلافت : مسلمان گونہ پریشان تھے۔ بہر حال حضرت ابوبکر کی تقریر نے انہیں رسول خدا کی وفات کا یقین دلا دیا اور اپنے اپنے گھر لوٹ گئے، مگر ایک گروہ (محلہ) سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت سعد بن عبادہ (انصاری) کے ہاں جمع ہوا۔ مہاجرین میں سے چند حضرات اسید بن حضیر کی معیت میں جناب ابوبکر کے ہاں (محلہ) بنی اشہل کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت علی، زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبیداللہ جناب فاطمہ کے دولت خانہ میں آکر ایک طرف بیٹھ گئے۔

سقیفہ سے آمدہ اطلاع : اتنے میں ایک شخص ابوبکر اور عمر کے پاس بہ خبر لایا کہ سعد بن عبادہ نے سقیفہ میں انصار کا مجمع اگا رکھا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ (دونوں حضرات) کو امت کے مصالح سے تعلق ہے تو انصار کے فیصلہ سے قبل سقیفہ بنو ساعدہ میں پہنچ جائیے۔ ادھر ”رسول اللہ علیہ و سلم“ کا جسد گرامی تجہیز کے بغیر پلنگ پر رکھا تھا۔

حضرت ابوبکر سے عمر کا سقیفہ پہنچنے کا مشورہ : جناب عمر نے حضرت ابوبکر سے عرض کیا ”ہمیں اپنے انصار بھائیوں کے ہاں جا کر دیکھنا چاہیے آخر وہ لوگ کیا کر رہے ہیں“ اور وہ دونوں حضرات سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر سے دو نیک طینت انصار تشریف لا رہے تھے جنہوں نے مہاجرین کا ذکر اذکار کرنے کے بعد سقیفہ میں جمع شدہ لوگوں کی حقیقت بیان کی۔ پھر ان دونوں کا ارادہ دریافت کیا تو ان کے بتانے پر کہا ”آپ کو سقیفہ میں جانے کی بجائے خود اپنی جگہ پر مہاجرین کے مستقبل کا خیال کرنا چاہیے۔“

ان ہر دو انصار نے حضرت ابوبکر و عمر کا ارادہ معلوم کرنے کے بعد پھر عرض کیا ”آپ مہاجر ہیں، آپ کو مہاجرین سے مل کر اپنا معاملہ طے کرنا چاہیے“ لیکن عمر نے اصرار کیا ”واللہ! اب ہم سقیفہ ضرور جائیں گے۔“

سقیفہ اور سعد بن عبادہ : سقیفہ پہنچ کر دیکھا کہ ایک صاحب چادر میں لپٹے ہوئے زمین پر پڑے ہیں۔ حضرت عمر کے دریافت کرنے پر بتایا گیا ”یہ سعد بن عبادہ ہیں اور ان کا مزاج کچھ ناساز ہے۔“

سقیفہ میں ایک انصاری کی تقریر : ”اتنے میں انصار کے ایک خطیب نے تقریر شروع کردی اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ”اے صاحبو، سب کو علم ہے کہ ہم انصار اللہ ہیں اور مسلمانوں میں جنگ آزمودہ بہادر۔ اے یاران مہاجر، آپ لوگوں کو (ہم) انصار کے فوج کا دستہ ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ افسوس ہے کہ آپ لوگوں کی مختصر سی جماعت نے مدینہ میں ہماری جڑیں کاٹ کر ہمیں اپنے ماتحت رکھنے کا منصوبہ بنانا شروع کر دیا۔“

ابوبکر کی تقریر مسالمت : انصار آنحضرت کی زندگی میں بھی اسی طرح سوچ رہے تھے - یہ تقریر سننے کے بعد حضرت عمر نے فتنہ کے سد باب کا تہیہ کر لیا لیکن حضرت ابوبکر نے ان کی سخت کلامی کی وجہ سے انہیں تقریر کرنے سے روک دیا اور خود انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

ایها الناس ! نحن المهاجرون اول الناس اسلاماً و اکرمهم احساباً و اوسطهم داراً و احسنهم و جوهاً و اکثرهم ولادةً فی العرب وامسهم رحماً برسول الله !

اے دوستو ! ہم مہاجر ہیں - سب سے پہلے مشرف به اسلام ہوئے - ملک کے تمام باشندوں میں حسب و نسب کے لحاظ سے مقتدر ! مولد مکہ معظمہ ہے ! عرب کے ہر قریہ و شہر سے ممتاز ! دوسروں کے مقابلہ میں وہ عمدہ ترین خوبیوں کا مجموعہ ہیں - تعداد میں عرب کے تمام قبائل سے زیادہ اور قرابت میں ملک کے ہر خاندان سے آنحضرت سے قریب تر -

اسلمنا قبلکم و قدمنا فی القرآن علیکم فقال تبارک و تعالیٰ : ”و السابقون الاولون من المهاجرین والانصار و الذین اتبعوهم باحسان و السابقون الاولون من المهاجرین و الانصار الذین اتبعو هم باجسان،، (۹ : ۱۰۰) فمن المهاجرون و انتم الانصار اخواننا فی الدین و شرکاؤنا فی الفی و انصارنا علی العدو اماما ذکرتم فیکم من خیر فانتم له اهل وانتم اجدرنا بالثناء من اهل الارض جمیعاً -

اے یاران انصار! ہم نے آپ لوگوں سے پہلے اسلام قبول کیا - قرآن نے بھی ہمیں آپ کے مقابلہ میں حق تقدم مرحمت فرمایا - واضح ہو کہ ہم مہاجر ہیں اور انصار ہمارے دینی بھائی ! جو غنیمتوں میں ہمارے ساتھ حصہ دار ہیں اور جنگوں میں ہمارے معین و انصار ہیں اور جو آپ نے اپنے محاسن کا اظہار فرمایا تو ہمیں بھی اس سے انکار نہیں بلکہ ہم یہاں تک تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا میں آپ لوگ افضل ہیں -

فاما العرب فلن تعرف هذا لامر الا بهذ الحی من قریش ! فما الامراء و منکم الوزراء -

لیکن عرب کا کوئی قبیلہ قریش کے ماسوا کنسی کی امارت پر صاد نہیں کر سکتا - اس لیے امیر قریش میں سے ہوگا اور وزیر انصار میں سے !

انصار کی جوابی تقریر: حضرت ابوبکر کی تقریر ختم ہونے کے بعد ایک انصاری نوجوان [حباب ابن منذر - ”اصابہ،، جلد ۱ نمبر ۱۵۲۷ — م] نے جوش کے ساتھ فرمایا :

انا جذیلها المحکک و عذیقها المرجب ،
منا امیر و منکم امیر
یا معشر قریش !

میں لکڑی کا وہ کندا ہوں جو اونٹوں کے باڑے میں ان کے بدن گھسانے کے لیے گاڑ دیا جاتا ہے اور ایسا درخت ہوں جس کی حفاظت کے لیے اس کے ارد گرد اوتھاولا بنا دیا جاتا ہے (م—یعنی آج کے دن صرف میں ہی خلافت کی پشتیبانی کے لیے موزوں ہوں) -

حضرت ابوبکر نے فرمایا ”جیسا کہ میں پہلے کہ چکا ہوں امیر مہاجرین میں سے منتخب کیا جائے جس کے وزیر انصار ہوں اور اس اصول کے مطابق میں دو مہاجر حضرات کے نام تجویز کرتا ہوں“ (اس موقعہ پر حضرت ابوعبیدہ الجراح بھی وہیں تشریف رکھتے تھے)۔ ابوبکر نے دونوں [حضرت عمر اور ابوعبیدہ الجراح] پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ”ان میں سے جسے سب مسلمان پسند فرمائیں اسے منتخب کر لیا جائے۔“ اس مرحلہ پر ہر طرف سے شور بلند ہوا اور باہم اختلاف کا شبہ بڑھ گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عمر نے بآواز بلند ابوبکر سے درخواست کی کہ ’آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے“ اور حضرت ابوبکر کی بیعت کرتے ہوئے کہا:

الم یامرک النبی بان تصلی انت یا ابابکر بالمسلمین ! فانت خلیفہ و نحن نبایعک ! فنبایع خیر من احب رسول اللہ منا جمیعاً !	کیا رسول اللہ نے یہ نہ فرمایا تھا کہ ”اے ابوبکر ! تم مسلمانوں کو نماز پڑھاؤ“ جس فرمان کے مطابق اے ابوبکر ! آپ رسول کے خلیفہ ہیں اور ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ یقین ہے کہ جس شخص کی بیعت کی جا رہی ہے وہ ہم سب میں رسول اللہ کی نظر میں زیادہ پسندیدہ اور آنحضرت کا محبوب ہے۔“

مسجد نبوی میں تجدید بیعت: اس سے دوسرے روز مسجد نبوی میں اجتماع ہوا۔ حضرت ابوبکر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور جناب عمر نے سبقت فرماتے ہوئے (حمد و ثنا کے بعد) مندرجہ ذیل تقریر کی:

انی قد قلت لکم بالامس مقالہ ما کانت ھا وجدتھا فی کتاب اللہ و لا کانت عہداً عہدہ الی رسول اللہ و لکنی قد کنت اریٰ ان رسول اللہ سیدبر امرنا و یبقی فیکون آخرنا و ان اللہ قد ابقیٰ فیکم کتابہ الذی بہ ھدی اللہ رسولہ ، فان اعتصمتم بہ ھداکم اللہ لما کان ھداہ اللہ وان اللہ قد جمع امرکم علیٰ خیرکم صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ثانی اثنین اذھما فی الغار فقوموا وبایعوہ۔	صاحبو ! کل جو کچھ عرض کیا ، نہ وہ کتاب اللہ میں مذکور ہے نہ رسول اللہ نے ان لفظوں میں میرے سامنے بیان فرمایا۔ میرا خیال تھا کہ رسول اللہ اس امر میں ایک خاص تدبیر فرما سکیں گے اور آپ کی رحلت ہمارے بعد ہوگی۔ دوستو! اللہ نے ہمارے سپرد وہ کتاب فرمائی جس کے ذریعے اپنے رسول (صلعم) کی رہنمائی کی۔ تم نے اس کتاب کے ساتھ تمسک کیا۔ تمہارے لیے بھی کامیابی کی راہ کھلی ہوئی ہے۔ تم میں سے بہتر شخص (ابوبکر) کو اللہ نے تمہارا امر تفویض فرمایا۔ ابوبکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ندیم خاص ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ قرآن ہی میں ارشاد ہے ”و ثانی اثنین اذ ھما فی الغار“ پس اے مسلمانو اٹھو اور ابوبکر کی بیعت میں مسابقت کرو۔

تقریر ختم ہونے کے ساتھ ہی ہر مسلمان نے ایک دوسرے سے سبقت کرکے بیعت شروع کر دی۔ گذشتہ کل کے بعد آج کی بیعت عامہ تھی اور اول الذکر بیعت خاصہ تھی۔

خلیفۂ اول کی پہلی تقریر: اتمام بیعت کے بعد خلیفۂ بلافصل حضرت ابوبکر نے منبر رسول پر تشریف لا کر تقریر ارشاد فرمائی (جسے "آیت حکمت" و "فصل خطاب") کا درجہ حاصل ہے۔

اما بعد! ایھاالناس! فانی قد ولیت علیکم و لست بخیرکم! فان احسنت فاعینونی و ان اسات فقومونی ! الصدق امانہ" والکذب خیانہ"! الضعیف فیکم قوی عندی حتی اریح علیه حقه ان شاء الله! و القوی فیکم ضعیف عندی حتی آخذالحق منه ان شاء الله ولا یدع قوم الجهلا فی سبیل الله الا ضربهم الله بالذل۔	دوستو! مجھے آپ لوگوں کا امیر بنا دیا گیا ہے حالانکہ میں آپ حضرات سے زیادہ لائق نہیں! (یہ آپ کی خوشی!) بھلائی میں میری اعانت کرتے رہیے اور برائی کے موقعہ پر مجھے زجر فرما دیجیے۔ خیال رہے کہ راست گوئی امانت داری میں داخل ہے اور کذب بیانی خیانت ہے۔ جو تم میں کم زور ہے میرے نزدیک قوی ہے جس نے بے کس شخص کا حق تلف کیا انشاء اللہ اس کا حق دلوا دیا جائے گا اور جابر میرے نزدیک کمزور ہے۔ میں ایسے شخص سے مظلوم کا حق دلوا کر رہوں گا! انشاء اللہ!
فان عصیت الله و رسوله فلا طاعه" لی علیکم۔	ہاں! جو قوم دینی اور قومی جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو ذلیل کرنے میں کمی نہیں رکھتا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اگر میں خدا اور اس کے رسول کی بے فرمانی کروں تو اس حالت میں تم پر میری اطاعت کرنا واجب نہیں۔
قوموا ! الی صلاتکم یرحمکم الله۔	اے دوستو! اب نماز ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اللہ تم پر رحم کرے!

تدفین نبی کریم صلعم: مسلمانوں میں خلافت کے متعلق جو کشمکش جاری تھی حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر سقیفۂ بنی ساعدہ اور اس کے بعد مسجد نبوی میں مجمع عام میں (بیعت) ہو جانے پر ختم ہوگئی جس کے بعد جسد مبارک کی تجہیز و تدفین کا اہتمام شروع ہوگیا۔ رسول خدا جس پلنگ پر ابدی نیند میں محو تھے وہ پلنگ بدستور اسی جگہ پر تھا۔ غم زدہ اقربا ارد گرد پریشان حال بیٹھے ہوئے تھے۔ پہلے مدفن کی تعیین پر گفتگو ہوئی جس میں تین مختلف رائیں تھیں:

(الف) مکہ معظمہ میں تدفین ہو جسے آپ کا مولد اور آپ کے اجداد کا وطن ہونے کا فخر حاصل ہے۔

(ب) بیت المقدس۔ انبیائے کرام کی آخری آرام گاہ ہونے کی وجہ سے۔ لیکن مسلمان (ب) پر متفق نہ ہو سکتے تھے کیونکہ ابھی تک بیت المقدس پر نصرانی رومی حکومت کا قبضہ تھا جن کی پشتینی دشمنی نے مسلمانوں کو کبھی چین نہ لینے دیا۔ مسلمانوں کے دل سے جنگ موتہ اور غزوۂ تبوک دونوں کا داغ ابھی تک مندمل نہ ہوا تھا حتیٰ کہ:

ابھی ابھی رسول خدا نے روم سے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کے لیے جیش اسامہ کو اسی فلسطین پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا جس میں شہر بیت المقدس واقع ہے۔

اور مسلمان مکۂ معظمہ کو بھی آپ کا مدفن بنانے پر رضامند نہ ہو سکے۔

(ج) مدینۂ منورہ، جس بستی نے رسول اللہ اور آپ کے رفقاء کے لیے اپنے دروازے کھول دیے، جہاں کے باشندوں نے آنحضرت کی نصرت کی سعادت حاصل کی، جس شہر نے سب سے پہلے اسلام کا علم بلند کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی—اور اس رائے پر تمام مسلمان متفق ہو گئے۔

اب مرقد کے لیے جگہ کی تعیین پر گفتگو ہوئی اور اس میں بھی مختلف رائیں پیش ہوئیں:

(الف) مسجد نبوی میں منبر کی جگہ جہاں رسول خدا تشریف فرما ہو کر خطبہ سناتے۔

(ب) مصلیٰ کی جگہ۔ جہاں پر امامت صلوٰۃ کے لیے قیام فرماتے۔

مرقد کے متعلق یہ دونوں رائیں ام المومنین عائشہ کی اس روایت کی وجہ سے مسترد کر دی گئیں کہ "علالت کے آخری مرحلہ میں جب رسولؐ خدا نے سیاہ رنگ کی ردا اوڑھ رکھی تھی دفعتاً تکلیف بڑھ گئی جس کے اثر سے کبھی ردا کا دامن چہرہ مبارک پر پھیلا دیتے اور کبھی دامن کو رخ انور سے سرکا کو دوسری طرف پھینک دیتے۔ اسی اضطراب میں زبان مبارک سے یہ الفاظ صادر ہوئے:

قاتل اللہ قوماً اتخذوا قبور انبیاء مساجداً	خدا تعالیٰ ایسی قوم کو ہلاک کیے بغیر نہیں رہتا جو نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لے۔

ام المومنین کی اس روایت سے مسجد نبوی کے اندر تدفین کا ارادہ ختم ہو گیا لیکن مرقد کی تعیین کا مرحلہ ابھی باقی تھا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر تشریف لے آئے۔ انہوں نے سن کر فرمایا:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما قبض نبیٔ الا دفن حیث یقبض۔	میں نے رسول اللہ کی زبان مبارک سے سنا کہ نبی کی روح جس مقام پر قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے اس قطعۂ زمین کو ان کے مرقد بننے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

جس کا شرف ام المومنین سیدۂ صدیقہ کے مقدر میں تھا۔ ختم المرسلین کی آخری آرام گاہ بھی آپ کا حجرہ قرار پائے۔ (مرقد کی تعیین کے بعد) پلنگ جس مقام پر لگا ہوا تھا وہیں قبر کھود لی گئی۔

غسل میں صرف قرابت دار شریک تھے۔ جناب علی جسد اطہر کو مل رہے تھے۔ حضرت عباس اور آپ کے ہر دو صاحبزادے (افضل و قثم بشمول شقران) پردہ کیے ہوئے تھے۔ اسامہ ابن زید پانی ڈالنے پر (شقران رسالت مآب کے خدمت گار غلام ہیں)۔ بعض حضرات نے بدن سے قمیص علیحدہ کرنے کا مشورہ دیا، مگر حضرت علی اور ان کے دوسرے رفقا نے اسے مناسب نہ سمجھا۔ غسل کے دوران میں جسد گرامی پر مالش سے خوشبو کی لپٹوں کی وجہ سے در و دیوار مہک اٹھے جس پر علی بن ابی طالب نے کہا:

بابی انت و امی! ما اطیبک حیاً و میتاً!

میرے ماں باپ نثار! زندگی میں بھی اس جسد مبارک سے خوشبو کی مہک آتی رہی اور اس حالت میں بھی۔

خوشبو کے بارے میں مستشرقین کی توجیہ: بعض مستشرقین نے اس کی توجیہ میں لکھا ہے کہ زندگی میں آنحضرت کو جن چیزوں کا اشتیاق تھا ان میں خوشبو کا استعمال غالب تھا جس سے خوشبو بدن کا جزو ہی بن گئی۔

تکفین و تدفین: کفن تین چادروں سے دیا گیا جن میں دو چادریں قریۂ صحار (یمن) کی بنی ہوئی تھیں اور ایک چادر دھاری دار تھی۔ تکفین سے فارغ ہونے کے بعد فی الحال جسد مبارک کو اپنے حال میں چھوڑ کر زیارت کے لیے پردہ ہٹا دیا گیا۔ زائرین مسجد سے گذر کر آخری دیدار کے لیے آنے لگے اور درود و سلام پڑھ کر با دیدۂ حسرت واپس لوٹتے گئے۔

نماز جنازہ میں ابوبکر و عمر کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کی شرکت: ابوبکر و عمر حجرہ میں داخل ہوئے تو زائرین کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ دونوں حضرات نے مسلمانوں کی معیت میں نماز جنازہ (بہ نیت فرادیٰ—م) ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر ہر شخص اپنی جگہ پر خاموش کھڑا ہو گیا۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

السلام علیک یا رسول اللہ! و رحمت اللہ و برکاتہ نشہد ان نبی و رسولہ قد بلغ رسالہ ربہ و جاھد فی سبیلہ حتی اتم اللہ النصر لدینہ وانہ وفی بوعدہ و امر الا نعبد الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔

السلام علیک یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ! ہم سب گواہ ہیں کہ اللہ کے نبی اور رسول نے اپنے پروردگار کی رسالت پہنچا دی۔ اس کی راہ میں اس وقت تک جہاد جاری رکھا کہ جب تک اللہ نے اپنے دین کی نصرت نہ فرما دی۔ ہم اس پر بھی گواہ ہیں کہ خدا کے رسول نے اللہ کے ساتھ جو میثاق کیا تھا اسے حرف بحرف پورا کر دیا اور لوگوں سے فرما دیا کہ ہم خدائے وحدہ لاشریک کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

جناب ابوبکر کے ہر جملہ پر حاضرین صدق زبان سے تائید کرتے اور موقعہ بموقعہ آمین پکارتے۔

مردوں کے حجرہ سے باہر آجانے کے بعد عورتیں آئیں۔ ان کے بعد بچے آئے جو خاتم النبیین کے فراق کی حسرت میں چہرۂ مبارک پر نظر کرتے۔ آپ کی وفات کی وجہ سے ہر زن و بچہ دین کے انجام پر خائف تھا۔

تاریخ کی پر شکوہ گھڑیاں: یہ واقعہ جسے تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے جو تاریخ کا پر شکوہ منظر ہے کہ جب اس کا تصور کرتا ہوں دل پر اس روز کی ہیبت اور دبدبہ سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ کفن میں لپٹا ہوا پیکر حجرہ کے ایک طرف ابدی نیند میں سویا پڑا ہے، یہ جسد گرامی کل سپرد لحد ہو جائے گا۔ گذشتہ کل تک یہی جسم مبارک زندگی نور اور رحمت کا سرچشمہ تھا۔ یہ ایسے بزرگ کا پیکر ہے جو بنی نوع بشر کو ہدایت و حق کی تبلیغ کرتا رہا۔ نیکی کا مصدر، رحمت عالم،

احسان کا منبع ، رفاہ عام کے ہر امر میں سبقت کا خو گر ، ہدایت اور رشد کا سرچشمہ ، سرکشوں سے مظلوم کا حق دلانے میں پیش پیش ۔ آج اس مجموعۂ صفات کے آخری دیدار کی تمنا دل میں لیے ہوئے انسانوں کے دل کے دل چلے آ رہے ہیں ۔ مردوں ، عورتوں اور بچوں کی زبان مدح سرائی میں مصروف ہے اور فرط غم سے نڈھال ہیں کہ ایسا بزرگ ان سے بچھڑ رہا ہے جو ان کے لیے شفیق باپ کا قائم مقام ، مہربان بھائی کا بدل ، مونس و غم خوار دوست ، محبت و وفا کا پیکر اور خدا کا نبی و رسول ہے جو آج اپنے رب کے پاس جا رہا ہے۔

ایسے لوگوں کا احساس کس قدر قابل تعریف ہے جن کے دل ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں ۔ سب خائف ہیں کہ رسول خدا کی وفات کے بعد پردۂ غیب سے کیا ظہور پذیر ہوگا!

جب میں آج سے تیرہ سو سال قبل کے اس منظر کا تصور کرتا ہوں تو حیرت میں کھو جاتا ہوں ۔ روح ایسے پر شکوہ نظارہ کی ہیبت سے متاثر ہو جاتی ہے ، جسے ذہن سے محو کرنے کی کوشش کرنے کے باوجود اس پر قادر نہیں ہوا جا سکتا ۔

مسلمانوں کا یہ ہراس بے سبب نہ تھا کیونکہ رسول خدا کی وفات کی خبر سے اطراف مدینہ کے یہود و نصاریٰ دونوں گروہ سر کشی پر آمادہ ہو گئے ، قبائل میں جو لوگ ضعیف الایمان تھے منافقت پر اتر آئے ۔ اور تو اور مکۂ معظمہ کے مسلمان بھی اسلام سے برگشتہ ہونے پر تل گئے ۔ عامل مکہ حضرت عتاب بن اسید جنہیں رسول خدا ہی نے مقرر فرمایا تھا یہ رنگ دیکھ کر چپ ہوگئے ۔ اس نازک موقعہ پر حضرت سہیل بن عمرو کی فراست آڑے آئی ، جنھوں نے مجمع عام میں رسول اللہ کی رحلت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ’’اس سے ہماری قوت میں ضعف نہیں آسکتا ۔ سن لو ! جس نے اسلام کے خلاف زبان کھولی اس کی گردن اڑا دی جائے گی ۔ ذرا تو سوچو کہ تم تمام لوگوں کے بعد اسلام میں داخل ہوئے مگر اسلام سے برگشتہ ہونے میں سب سے پہلے پیش قدمی کر رہے ہو ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ’’دنیا میں قریش کی برتری قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ان ہی کے ہاتھ سے ان کی نصرت کرائے گا۔‘‘

صورت تدفین: عرب میں لحد کے دو طریقے رائج تھے (۱) بغلی اور (۲) ہودہ ۔ مدینہ میں بغلی لحد کا رواج تھا ، اہل مکہ ہودہ بناتے ۔ حضرت ابوعبیدہ الجراح سردآبہ تیار کرنے کے بعد مکی طریق کے مطابق لحد بناتے اور جناب ابوطلحہ (زید بن سہیل) جو اہل مدینہ میں گویا قبر کن تھے بغلی (لحد) تیار کرتے ۔ سیدنا عباس نے دونوں حضرات کو طلب فرمایا مگر تنہا ابوطلحہ تشریف لائے اور ابوعبیدہ دولت کدہ پر موجود نہ ہونے کی وجہ سے نہ آ سکے ۔ مرقد مبارک اہل مدینہ کی رسم کے مطابق تیار کیا گیا ۔ نصف شب تک جب مسلمان آخری دیدار سے فارغ ہو گئے تو اہل بیت نے تدفین پر توجہ فرمائی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوڑھنے کی سرخ رنگ کی ردا کا فرش بچھایا ۔ جو حضرات غسل میں شریک تھے انہی کے ہاتھ سے جسد مبارک لحد میں رکھا ۔ اسے کچی اینٹوں سے ڈھانک دیا گیا اور سردآبہ میں مٹی ڈال کر قبر بنا دی ۔ ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں کہ نصف شب کے قریب پھاوڑوں سے مٹی کاٹنے کی آواز سن کر اندازہ کیا گیا کہ جسد مبارک دفن ہو رہا ہے (اسی طرح حضرت فاطمہ سے روایت کی جاتی ہے) ۔

تاریخ و یوم تدفین: ۱۴ ربیع الاول بروز چہار شنبہ یوم رحلت سے دو روز بعد -

ام المومنین صدیقہ طاہرہ اور حجرۂ مزار مقدس: ام المومنین عائشہ صدیقہ اسی حجرہ میں اقامت گزیں رہیں جس کے ایک حصے میں رسول خدا کا مرقد مبارک تھا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہمسایگی کو اپنا فخر سمجھتی رہیں - اسی حجرہ میں حضرت ابوبکر (رسول خدا کی دائیں سمت) مدفون ہوئے - ان کے بعد جناب عمر بن الخطاب آنحضرت صلعم کی بائیں طرف - ام المومنین عائشہ ایک روایت میں فرماتی ہیں ”حضرت عمر کے مدفون ہونے سے قبل میں چہرہ پر نقاب اوڑھے بغیر مزار مبارک کی زیارت کے لیے حاضر ہوتی رہی اور ابو بکر کے دفن ہونے پر نقاب کی ضرورت نہ سمجھی ، لیکن حضرت عمر کے دفن ہونے کے بعد نقاب اور پورا پردہ کیے بغیر زیارت کے لیے حاضر نہ ہوتی -“

جیش اسامہ کی روانگی: جسد مبارک کی تدفین کے بعد خلیفۃ المسلمین ابوبکر نے سب سے پہلے اس پر توجہ فرمائی کہ جیش اسامہ کو شام کی طرف روانہ کیا جائے کیونکہ جس طرح مسلمانوں نے رسول اللہ کی علالت کے دوران میں جیش کے معاملہ میں اعتراض کیا تھا مبادا وہی نکتہ چینی پھر ابھر آئے - اس وقت حضرت عمر بھی ان لوگوں کے ہم نوا تھے ، لیکن آج عمر کی رائے مختلف تھی - وہ مصر تھے کہ فی الحال لشکر کی روانگی میں التوا کیا جائے - انھیں رسول اللہ کی وفات کی وجہ سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا - انھیں اس حادثہ سے یہ خطرہ بھی تھا کہ جو لوگ ابھی تک اسلام کے اصولوں سے پوری طرح واقف نہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دین سے پھر جائیں اور لشکر کے موجود ہونے سے فتنہ کا انسداد کیا جا سکتا تھا - لیکن حضرت ابو بکر فرمان رسول کے نفاذ میں ایک لمحہ کی تاخیر کے روادار نہ تھے، نہ مسلمانوں کے اس مشورہ پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کہ سپہ کی کمان نو عمر اسامہ کی بجائے کسی مسن اور تجربہ کار کے ہاتھ میں دی جائے -

اور لشکر اپنی پہلی فرودگاہ (مقام) جرف میں یک جا ہو گیا - حضرت ابو بکر رخصت کرنے کے لیے خود تشریف لائے اور جناب اسامہ سے درخواست کی ”مجھے ہر وقت حضرت عمر کے مشورے کی ضرورت ہے - ہو سکے تو آپ انھیں مدینہ ہی میں رہنے دیجیے“ اور سپہ سالار نے خلیفۃ المسلمین کا مشورہ قبول کر لیا -

جیش اسامہ کی کامیابی: مدینہ سے روانگی کے بعد بیس یوم نہ گذرے تھے کہ بلقائے روم پر مسلمانوں کا حملہ ہو گیا جس میں اسامہ نے عیسائیوں سے غزوۂ موتہ کے مقتول مسلمانوں اور اپنے والد کا قصاص لیا - مسلمان اس لڑائی میں مغلوب دشمنوں پر وار کرتے ہوئے للکار کر کہتے ”اے مفتوحین تم مر کر ہی نجات حاصل کر سکو گے -“

دیکھنا یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور جناب اسامہ دونوں حضرات نے کس خلوص و یگانگت کے ساتھ رسول اللہ کے حکم کی تعمیل کی - جب اسامہ بلقا فتح کر کے مدینہ واپس تشریف لائے تو سواری میں اس دشمن کا گھوڑا تھا جس کے ہاتھ سے آپ کے والد گرامی (حضرت زید) شہید ہوئے تھے اور رسول خدا نے جو علم اپنے دست مبارک سے گوندھ کر اسامہ کو عنایت فرمایا تھا وہ علم گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا تھا -

انبیائے کرام کی توریث: رسول اللہ کی وفات کے بعد آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ خلیفۃ المسلمین (جناب ابوبکر صدیق) کے حضور تشریف لائیں اور آنحضرت صلوات اللہ علیہ و آلہ کے اپنے حصۂ خمس کی جو اراضی فدک و خیبر میں تھی بربنائے حصہ اس (اراضی) کا مطالبہ پیش فرمایا، لیکن خلیفۃ المسلمین نے رسول خدا ہی کے اس فرمان پر سیدہ کے ارشاد کی تعمیل سے مجبوری کا اظہار کر دیا:

نحن معاشر الانبیاء لا تورث ما ترکناہ صدقۃ۔

ہم انبیاء کی جماعت سے ہیں جو اپنے کسی عزیز و قرابت دار کو اپنے متروکہ کا وارث نہیں بناتے۔ ہمارا ترکہ امت کے لیے صدقہ ہے۔

لیکن خلیفۃ المسلمین نے ''احتراماً و اکراماً'' سیدہ سے فرمایا ''اے بی بی، اگر رسول خدا نے یہ اراضی آپ کے لیے ہبہ فرما دی ہو تو میں آپ ہی کے فرمانے سے رسول اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔'' سیدہ نے فرمایا: ''یہ تذکرہ ام ایمن نے مجھ سے کیا ہے کہ رسول اللہ کا آپ کے لیے فدک و خیبر کی اراضی ہبہ کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن میرے والد گرامی (صلعم) نے براہ راست اس معاملہ میں مجھ سے کبھی کوئی اشارہ نہیں فرمایا۔'' سیدہ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سننے کے بعد حضرت ابوبکر نے فدک و خیبر دونوں کی ایسی اراضی بیت المال میں داخل فرما دی جو رسول خدا صلوات اللہ علیہ کے خمس میں سے تھی۔

انبیائے کرام کی میراث معنوی ہے: ختم المرسلین دنیا سے رخصت ہوئے تو مال و زر سے کوئی چیز اپنے وارثوں کے لیے نہ چھوڑی۔ جس طرح دنیا میں تشریف لائے تھے اسی طرح خویش و اقارب کی پابندی اور زر و مال کی محبت کا داغ دل میں لیے بغیر دنیا سے واپس تشریف لے گئے۔ البتہ ورثا بلکہ تمام بنی نوع بشر کے لیے اسلام اور اسلام کے ساتھ ایک ایسا تمدن چھوڑا جس کے سائے میں یہ جہان صدیوں سے خوشی و خرمی کی زندگی بسر کر رہا ہے اور رہتی دنیا تک (اہل جہان) ان دونوں سے فیض یاب رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی (آنحضرت نے) توحید کی بنیاد کو استوار فرمایا، کلمۃ اللہ کو سر بلند اور ''کلمۂ کفر'' کو سرنگوں کیا، بت پرستی اور شرک کی جڑیں پاتال سے کھود کر پھینک دیں، انسان کو ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور محبت سے پیش آنے کی تلقین اور منافرت و کینہ سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی اور اپنے بعد قرآن کو ہدایت و رحمت کے سرمایہ کی حیثیت سے چھوڑا۔

یہ وجود مقدس کہ مظہر کامل اور پیشوائے بزرگ ہیں اپنے کردار کا آخری مرقع کس حیرت انگیز طریق پر ظاہر کیا۔ فرمایا:

ایہاالناس! من کنت جلدتہ لہ ظہراً فہذا ظہری۔

دوستو! تم میں سے جسے میرے ہاتھ سے بدنی ایذا پہنچی ہو قصاص کے لیے میری پشت حاضر ہے۔

و من کنت شتمت لہ عرضاً فہذا عرضی فلیستقدمنہ و من اخذت لہ مالا فہذا مالی فلیستاخذ منہ ولا یخش الشحناء

جس کسی کے حق میں میری زبان سے کوئی ناروا بات نکل گئی ہو وہ شخص اسی طرح مجھ سے اپنا انتقام لے سکتا ہے۔ جس کسی

فھولیست من شائی ۔

کا قرض میرے ذمہ ہو میں ادا کرنے کے لیے تیار ہوں اور ایسے حضرات کے خلاف میرے دل میں کوئی پرخاش نہ ہو گی کیونکہ ایسی چیزوں سے میری طینت مبرا ہے۔

اس پر ایک صاحب نے اپنے تین درہم قرض کا اشارہ کیا جنھیں آنحضرت نے اسی وقت ادا کر دیا۔ اور اس کے بعد آپ نے اپنا وہ روحانی و اخلاقی ترکہ چھوڑ کر دنیا سے منہ موڑ لیا جسے اللہ تعالیٰ ہمیشہ باقی رکھے گا اور اپنے اس دین کو دنیا کے ہر نئے اور پرانے دین کے مقابلہ میں سچا ثابت فرمائے گا۔ ولو کرہ الکافرون (۹ : ۳۲)۔

خاتمہ ۱

خاتمہ ۱

اسلامی تمدن — قرآنی نقطہ نظر سے[۱]

ختم‌الرسل صلی‌اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ایسا عظیم‌الشان تمدن چھوڑا جس نے صدیوں سے عالم کو منور کر رکھا ہے، جس کی صلاحیت اس قدر ہے کہ جب تک دنیا قائم ہے رسول خدا کا متروکہ تمدن اس کے آخری لمحے تک ضیا پاشی کرتا رہے گا۔ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ قرون ماضیہ رسول خدا کی اس میراث کا حقیقی ثمرہ اور اس کے نتائج سے کس حد تک بہرہ یاب ہوئے۔ یہ بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ اس میں مستقبل کو فیض یاب کرنے کی صلاحیت اور بھی زیادہ ہے اس لیے کہ ختم‌المرسلین نے ایسے ”دین قیم“ کی بنیاد رکھی جو تمام کائنات کی خوبیوں کا حامل اور ضامن ہے۔

اسلامی تمدن اور مغربی تہذیب کا امتزاج : اس کے مزاج میں ایک خوبی یہ ہے کہ اگر اسے علم صحیح اور عقل سلیم کی آمیزش اور استقامت کے ساتھ مربوط کیا جائے جس کے ساتھ مغربی تہذیب و تمدن کی ان اشیا سے کام بھی لیا جائے جو اس تمدن (مغربی) کے جزو لاینفک کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں اور اپنی افادیت میں بنی نوع بشر کے لیے ضروری ہیں تو قرآن کی تعلیم کے مطابق اسلامی تمدن اور مغربی تہذیب کا یہ امتزاج خود اسلام کی تقویت کا سبب ہوگا۔ اسلام کی فطرت اس قسم کے غور و فکر اور ایسے قوانین دانش و عقل کے درمیان ایسا رابطہ پیدا کر دیتی ہے جس سے مسلمانوں کی ان دونوں (اسلامی اور مغربی تمدن) کے درمیان مناسب رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہی چاہیے لیکن یہ رابطہ کس طرح پیدا کیا جائے ؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک خاص وضع کے مطابق تمدن کی تعریف اور شرح کرتا ہے اور اسی تمدن کی تعریف و تشریح مغرب دوسرے انداز سے کرتا ہے۔ اس لیے دونوں کے تمدن کا اصل جوہر مختلف ہے۔

مغربی تمدن کا خطرناک پہلو انسانی فکر اور حقیقت صحیحہ کے درمیان تفریق ہے :

مغربی تمدن کے نتائج میں سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس سے انسانی فکر اور حقیقت صحیحہ کے درمیان تفریق کی ایسی خلیج حائل ہو گئی ہے جس کا پر کرنا بظاہر ناممکن نظر آتا ہے اور اس غلطی کا سبب اقتصادی نظام کو اساس قرار دینا ہے جو اہل مغرب کے ہر سیاسی کاروبار میں اولیت اور اولویت کا درجہ رکھتا ہے۔ ان دونوں کا یہ اختلاف ان کے تاریخی اسباب کا نتیجہ ہے جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے مقدمہ طبع اول و مقدمہ ثانی (در طبع ثانی) میں قدرے بسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

هوا یه که جب مغرب میں ریاست اوز کنیسه دونوں کے درمیان فرق رونما هوا تو یه اختلاف اس آخری نقطه پر جا کر رکا جہاں حکومت اور کنیسه دو مختلف گدیاں قرار پائیں کیونکه مغرب کے فکر اور نتائج کی سمتیں بھی متضاد اور مختلف هی تھیں۔ ادھر کلیسا کی یه تمکنت که وه سلطنت پر حاوی هے اور ادھر ریاست کو یه اصرار که پوپ اور حکومت دونوں کے درمیان کوئی مذهبی رابطه نہیں۔ دونوں کی یه کشمکش مغرب کی سیاست کے هر جزو و کل میں پائی جاتی هے۔ مغرب کے ان مفکرین کے نتائج کا ایک مقدمه یه بھی هے که عقل محض (»عقل مجرد«) اور عقل عملی (مادیات) دونوں کے درمیان بعد بعید واقع هے اور (اهل مغرب کے نزدیک) ان کا موجوده تمدن عقل عملی (مادیات) هی کے صدقے میں اس بام عروج تک پہنچ سکا هے۔

مغرب میں اسی مغالطه کی بنا پر متعدد مفکرین نے تسلیم کر لیا هے که نظام عالم بھی اقتصادیات هی کے کھونٹے سے بندھا هوا هے حتیٰ که مغرب کے ان مفکرین میں ایسے افراد بھی پائے جاتے هیں جو مذهب، صنعت و حرفت اور فلسفه و منطق میں سے ایک ایک شعبه کو اقتصادی نظام سے مربوط کرنے کے در پے هیں، تاریخ عالم کے گذرے هوئے واقعات (اور قوموں کے موجوده تصادم کے نتائج فتح و شکست) کو بھی اس دور کے اقتصادی حالات کا کرشمه تصور کرتے هیں۔ ایسے لوگوں کے نزدیک نه صرف تاریخی حوادث معاشی نظام کی برتری و نکبت کا ثمره هیں بلکه قوموں کے اخلاق کا انحصار بھی ان کے معاشی نظام کے خوبی و بدنمائی پر هے۔ ان فلاسفهٔ مغرب نے معاشیات کی اس حد تک همه گیری کو علمی تحقیق کا درجه دے رکھا هے۔

اهل مغرب کے نزدیک روحانیت صرف انفرادی درجه تک قابل قبول هے: مغربی فلاسفه کے نزدیک روحانی علو (جسے دل کی پاکیزگی اور صفات کی برتری سے تعبیر کیجیے) کو اجتماعیت سے کوئی واسطه نہیں۔ وه اسے محض انفرادی مسئله سمجھتے هیں۔ ان کے نزدیک اس کے انفرادی هونے کی وجه سے ریاست کو افراد کے اس پہلو سے کوئی واسطه نہیں۔ مغرب نے اس معامله میں یہاں تک آزادی اختیار کر رکھی هے اور دوسروں کی اس آزادی میں ان کی پاسداری اس حد تک پہنچ چکی هے که وه اپنے اصول کو بھی عقیده کی آزادی دینے پر محمول کرتے هیں اور افراد کو ان کے اختیار پر چھوڑے رکھنا ریاست کے فرائض میں سمجھتے هیں۔ اس پر طره یه که وه (فلاسفه) اس انفرادی مختاریت کو بھی قوم کی اقتصادی برتری هی کا جزو شمار کرتے هیں۔

جو تمدن دوسروں کا حق چھیننے کا حریص هو اس کا انجام معلوم: لیکن میرے (مولف علام کے) عقیده کے مطابق جس تمدن کی بنیاد صرف معاشی اصلاح و بہبود اور ترقی پر قائم هو اس طرح که وه اخلاقیات کو بھی معاشی سود و منافع هی کا ثمره سمجھے، اس کے ساتھ هی اخلاقیات کو اجتماعیت کا جزو لازم قرار دینے کی بجائے اسے انفرادی درجه سے علیحده متصور کرنے کا دعوے دار هو، ناممکن هے که ایسا تمدن انسان کو سعادت اور کامیابی کی حقیقی راه دکھا سکے، بلکه ایسے تمدن کا حصول بالآخر قوم کو مصیبت اور تباهی میں مبتلا کر دے گا جیسا که اهل یورپ کی روز مره زندگی میں نظر آرها هے۔ جب تک ان کا یه شعار رهے گا ان کی جنگوں سے دست برداری اور باهمی صلح و صفائی کا وعظ کوئی ثمره نہیں لا سکتا، کیونکه ان میں

اصل مسئلہ روٹی کا ہے اور وہ بھی ان میں ہر ایک قوم کی اپنی منشاء کے مطابق حل ہونے کا مقتضی - یہی وجہ ہے کہ مغربی اقوام میں سے ہر ایک ملک نے جنگی قوت بھی روٹی ہی کے نام سے بڑھا رکھی ہے لیکن اصل غرض اپنے لیے روٹی نہیں بلکہ دوسروں کے ھاتھ کا لقمہ جھپٹ لینا ہے۔ ان میں سے ہر ایک طاقت اپنے مقابل کی خکومت کو دشمنی کے سوا کسی اور نظر سے دیکھ ہی نہیں سکتی، جیسے باہم انسانیت کا کوئی رشتہ ہی نہیں - ہم گویا انسان بننے کے باوجود حیوانوں کا کردار ادا کر رہے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک قوت کو صرف ذاتی منافع کا احساس باقی رہ گیا ہے اور وہ اخلاقی مبادیات جن پر ایک دوسرے کی مودت و محبت کا انحصار ہے مفقود ہے -

اشتراکیت اور آمریت دونوں ایک چہرہ کے مختلف روپ ہیں: یورپ میں جو حوادث رونما ہو رہے ہیں وہ ہماری اس توجیہ اور دعوی دونوں کا ثبوت ہیں - اقوام مغرب کی موجودہ رقابت اور مبارزت اسی اقتصادی نظام کی غلط روی کا نتیجہ ہے حتیٰ کہ ان کے تمدن کا ماحصل ایک دوسرے سے جنگ اور دشمنی کے سوا اور ہے ہی نہیں - یہ وبا یورپ کے اس طبقہ میں بھی اسی طرح پائی جاتی ہے جو خود کو جدید اشترا کی نظریہ کا عامل بتاتے ہیں اور اس گروہ میں بھی جو اشتراکیت کے دشمن ہیں، یعنی اجارہ داران آمریت -

جیسا کہ یورپ کی یہ دونوں قسمیں (اشتراکیت پسند اور ان کے مخالف گروہ) ایک دوسرے کے ھاتھ کی روٹی کی تاک میں اس طرح لگے ہوئے ہیں جیسے گدھ مردار کی تاک میں ہو، کہ تمدن کے یہ دعویدار ایک دوسرے کی دولت چھیننے کے لیے ہمہ وقت فکر مند - لطف یہ کہ دونوں گروہ خود کو انسانی حقوق کا محافظ اور اپنے کردار کو ان حقوق کے تحفظ کا پاسبان بتانے میں نہیں شرماتے - کاش ان (قوموں) کا یہ رشک و رقابت زندگی کی حفاظت کے لیے ہوتا تو ہم ان کے مبارزہ و رقابت کو بھی طبعی کہتے۔

اسی طرح مختلف اقوام و ملل کا باہمی اختلاف تب اس دلیل کے لیے طبعی اور قابل قبول ہو سکتا ہے جب وہ اپنے مال کی حفاظت کے لیے ہو - اگر ایسا ہوتا تو آمریت و اشتراکیت دونوں عقیدوں کے مطابق جنگ کرنا بھی طبعی قرار دیا جا سکتا - اب یہ سوال حل طلب ہے کہ قوموں کی باہمی صلح قائم رکھنے اور ان کا جنگوں سے اجتناب دونوں حالتیں کیونکر دائمی اور مستحکم ہو سکتی ہیں -

موجودہ صدی (بیسویں) کے ثلث اول (از ۱۹۰۱ تا ۱۹۳۹) میں یورپ کی باہمی جنگوں میں جو حوادث رونما ہوئے، واضح طور پر ثابت ہے کہ جن کی زندگی کا مبنیٰ محض قومیت ہی رہ گیا ہو، ان قوموں میں دائمی صلح اور پائدار دوستی کا استحکام خیالی اور ایسی آرزو ہے جس کا تصور بغایت شیریں مگر نتیجہ نہایت تلخ ہو یا محض سراب جو دور سے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دے رہا ہو لیکن حقیقت میں چمک دار ریتلے ذروں کا لامتناہی سلسلہ ہو۔

اسلامی تمدن کی بنیاد: مغربی تمدن کے خلاف اسلامی تمدن کی بنیاد میں معنوی حسن زیبائی بدرجۂ اتم موجود ہے جو انسان کو ایک دوسرے کے ساتھ رابطۂ ادراک پر آمادہ کرتی ہے اور اس پر متوجہ رکھتی ہے کہ وہ خود کو بھی اپنی نظر سے اوجھل نہ ہونے دے -اس کا یہی ادراک جب ایمان باللہ کی حدود تک جا پہنچتا ہے تب وہ (انسان اپنی

روحانیت کو شائستہ اور قلب کو مزکیٰ کرنے کا سبب صرف اس جذبہ کو بنا لیتا ہے۔ یہی ادراک اس کے لیے عقل و شعور کی ابتدائی غذا مہیا کرتا ہے جس میں فرد خود اخلاقی طور پر سربلند ہو کر اپنے آپ کو انسانی برادری کے ساتھ منسلک اور محبت و احسان و پرہیزگاری کا منبع سمجھنے لگتا ہے جس کے بعد اپنی زندگی کے اقتصادی معاملات کو اسی محبت و احسان اور پرہیزگاری کے مطابق درجۂ کمال تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام میں اس امر کی اجازت نہیں کہ اخلاقی اقدار کو راہ سے ہٹا کر نظام اقتصادی کے لیے راستہ ہموار کیا جائے۔

اسلامی تمدن کا تصور : اسلامی تمدن کا یہ تصور اس قدر جاذب و مفید ہے کہ تمام انسانی کمالات و اوصاف کا کفیل ہو سکتا ہے۔ اگر اسلام کا تمدن دلوں میں بس جائے اور اس کی تنفیذ و اجراء کے لیے بھی وہی ذرائع کام میں لائے جائیں جو مغربی نظام تمدن کی ترویج و اشاعت میں استعمال کیے جا رہے ہیں تو انسانیت کے خد و خال کا نکھار کچھ اور ہی ہو، تمدن کی بنیاد اس انداز سے مستحکم ہو جائے جس سے تمام عالم موجود بحران سے نجات حاصل کر سکتا ہے جو اسے ہر سمت سے گھیرے ہوئے ہیں۔

(موجودہ حالات میں) مشرق و مغرب اس بحران کے استیصال پر ہمہ تن متوجہ ہیں لیکن طریق کار سے بے خبر، اور نہ صرف غیر مسلم ہی بلکہ خود مسلمان بھی ان کے نقشِ قدم پر گام زن اور ان کے جوش اتباع میں منزل کے صحیح رخ سے بے خبر ہیں۔

میں بر ملا کہتا ہوں کہ دنیا کے اس بحران کا حل صرف اسلام کے پاس ہے جس کے لیے اہل مغرب اور مشرق کے رہنے والے ہر طرف نظر دوڑا رہے ہیں، لیکن انہیں اتنا قریب دیکھنے کا موقعہ نہیں ملتا کہ ان کا یہ بحران جو باہمی قتال کا موجب بن رہا ہے نتیجہ ہے ان کی عبادۃ المال کا - اس پر طرفہ یہ کہ جب وہ اس بحران کو اپنے موجودہ مذہب عیسویت کا نتیجہ سمجھ کر کسی دوسرے دین کی تلاش میں نظر دوڑاتے ہیں تو ان کی نگاہ ہندو مت سے ادھر کہیں نہیں رکتی۔ اسلام کہ جغرافیائی حیثیت سے ہندو مت کے گہوارہ (ہندوستان) سے ان (اہل مغرب) کے قریب تر مشرق اقصی میں پھیلا ہوا ہے اہل یورپ اس دین پر توجہ ہی نہیں کرتے جس کے پاس ان کے موجودہ سیاسی و معاشی بحران کا پورا حل بصورت قرآن موجود ہے مع اس شرح کے جو حامل قرآن ”رسول عربی“ کی زندگی کے ہر ہر صفحہ سے ان کی مشکلات میں ان کی رہبر ہو سکتی ہے (یعنی سنت رسول صلعم—م)۔

دوستو! اس مقام پر اسلامی تہذیب و تمدن کی وضاحت مطلوب نہیں۔ یہ مضمون بجائے خود اس طویل بحث کا متقاضی ہے کہ اگر اس پر قلم اٹھایا جائے تو زیر تسوید کتاب (حیات محمد) کے برابر بلکہ اس سے بھی ضخیم دفتر اس کے لیے درکار ہے۔ یہاں (اس نظام اسلامی) کی مجمل سی وضاحت کی جا سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس ضمن میں دعوت محمدیہ کا وہ انداز بھی معرض ذکر میں آ جائے جس میں ایسے مباحث کا آنا ممکن ہے۔ اگر ایسا ہو سکا تو اس سے مزید استفادہ کا مقصد حاصل ہونا ممکن ہے۔

اسلامی نظام تمدن کی مختصر توضیح : اسلامی تاریخ میں کوئی ایسا دور نہیں گذرا جس میں مسیحی مغرب کی طرح کنیسہ اور سلطنت دو مختلف و متضاد طاقتیں تسلیم کی گئی ہوں۔ جانشینان پیغمبر صلعم (خلیفہ ابوبکر سے لے کر آخری خلیفۂ راشد تک)

نے بھی دینی حیثیت سے کوئی ایسا ضابطہ نافذ نہیں کیا جس سے خود کو مستثنیٰ قرار دیا ہو۔ منصب کی وجہ سے خدا کے نزدیک کسی مسلمان کو دوسرے (مسلمان) پر ترجیح نہیں۔ یہاں تقویٰ و پرہیزگاری قربت کا ذریعہ ہے اور نہ کسی ایسے ولی کی اطاعت ایسے امور میں کسی مسلمان پر واجب جس امر سے خداوند عالم کی معصیت کا کوئی پہلو نکلتا ہو جیسا کہ مسلمانوں کے خلیفۂ اول ابوبکر نے عنان خلافت اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے (اپنے پہلے خطبہ میں) فرمایا:

اطیعونی ما اطعت اللہ و رسولہ فان عصیت اللہ و رسولہ فلا طاعۃ لی علیکم ۔

(اے مسلمانو!) جس امر میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دوں اس میں تم پر میری اطاعت واجب ہے۔ جس امر میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی دعوت دوں اس امر میں تم لوگوں پر میری اطاعت واجب نہیں ۔

مگر جب خلافت کی باگ جابر حکمرانوں کے ہاتھ میں آ گئی تو گوناگوں فتنے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ لیکن مسلمانوں کی قوت فکر و عمل پر اس کا کوئی اثر نہ پڑ سکا کیونکہ وہ (مسلمان) آزادیٔ فکر اور قوت عقل کو ہر چیز حتیٰ کہ دین و ایمان میں بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتے جس کا واضح ثبوت مامون الرشید (عباسی) کے دور سے ملتا ہے، جب ایسے حکمرانوں نے خلیفۃ الرسول کی بجائے خود کو خدا کا نائب ظاہر کرتے ہوئے مسلمانوں کی گردنوں کا مالک بنا لیا۔

مامون الرشید کے دور میں عقیدۂ خلق قرآن کی مہم کا تصور کیجیے جس کے خلاف اس نے ہر قسم کے جبر و تشدد کو فرض سمجھ لیا مگر مسلمانوں نے پورے استقلال و جرات کے ساتھ مامون کے اس بدعی اور جبری قانون کی مخالفت کی اور اس راہ میں گوناگوں سختیاں برداشت کرنے سے نہ گھبرائے ۔

اسلام نے عقل کو ہر معاملہ میں حاکم قرار دیا ہے : خدا تعالیٰ نے دین اور ایمان دونوں میں عقل و شعور کو حاکمیت کے مقام پر رکھا ہے قرآن مجید فرماتا ہے :

و مثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء و نداء صم بکم عمی فھم لا یعقلون (۲ : ۱۷۱) ۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کی مثال ایسی ہے (یعنی انہیں کورانہ تقلید کی جگہ عقل کی ہدایت کی دعوت دینا ایسا ہے) جیسے ایک چرواہا چارپائوں کے آگے چیختا چلاتا ہے کہ چارپائے کچھ سنتے ہی نہیں مگر صرف بلانے اور پکارنے کی صدائیں ! وہ بہرے گونگے اندھے ہو کر رہ گئے پس کبھی سوچنے سمجھنے والے نہیں ۔

عقل کی حاکمیت کے بارے میں شیخ محمد عبدہ کی رائے: آیت متذکرۂ الصدر کی تفسیر میں شیخ محمد عبدہ، فرماتے ہیں: ’’قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق سمجھ بوجھ کے بغیر دوسروں کی پیروی کرنا کافروں کا شیوہ ہے ۔ اس لیے جو شخص حقیقت اور صحت حقیقت دونوں امور کو نہیں سمجھ سکتا ایسا شخص مومن نہیں ہو سکتا ۔

ایمان سے یہ مقصود نہیں کہ انسان بھی حیوانوں کی مانند نیکی کی متابعت پر مائل ہو جائے۔ انسانیت کا نتیجہ تو یہ ہے کہ عقل و شعور دونوں کی یک جہتی کے ساتھ علم کی راہ سے ترقی حاصل کرے اس تصور کے ساتھ کہ جس کام کو بہتر سمجھ کر کیا جا رہا ہے وہ (کام) خدا کی رضا کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح اسے ہر اس کام سے نفرت اور اجتناب ہو جس کے بد انجام ہونے کا اسے یقین ہے۔“

شیخ نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا قرآن مجید نے اسے بے شمار آیتوں میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے۔

قرآن میں مظاہر قدرت پر غور کرنے کی ہدایت:

(۱) ان فی خلق السماوات والارض واختلاف الیل والنہار و الفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس و ما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا به الارض بعد موتها و بث فیها من کل دابة و تصریف الریاح و السحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون (۲ : ۱۶۴) ۔	بلا شبہ آسمان اور زمین پیدا کرنے میں اور رات دن ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں اور جہاز میں جو انسان کی کار برآریوں کے لیے سمندر میں چلتا ہے اور برسات میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور اس (کی آب پاشی) سے زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین کے پھیلاؤ میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہواؤں کے (مختلف رخ) پھرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (اپنی مقررہ جگہ کے اندر) بند ہے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھنے والے ہیں اللہ کی ہستی اور اس کے قوانین رحمت کی بڑی ہی نشانیاں ہیں۔
(۲) و آیة لهم الارض المیتة احییناها و اخرجنا منها حبا فمنه یاکلون و جعلنا فیها جنات من نخیل و اعناب و فجرنا فیها من العیون لیاکلوا من ثمره و ما عملته ایدیهم افلا یشکرون سبحان الذی خلق الازواج کلها مما تنبت الارض و من انفسهم و مما لا یعلمون ۔	اور ان (لوگوں) کے (سمجھنے کے) لیے ہماری (قدرت کی) ایک نشانی مری ہوئی (یعنی پڑی ہوئی) زمین ہے کہ ہم نے اس کو پانی برسا کر جلا اٹھایا اور اس سے اناج نکالا کہ اسی میں سے (یہ لوگ بھی اپنی قسمت کا) کھاتے ہیں اور زمین میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور ان میں (پانی کے) چشمے بہائے تا کہ باغ کے پھلوں میں سے یہ لوگ (اپنی اپنی قسمت کا) کھائیں اور (معلوم ہے کہ یہ) (پھل) ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے نہیں، تو کیا (یہ لوگ اس نعمت کا) شکر نہیں کرتے؟ پاک ہے وہ (ذات) جس نے زمین کی روئیدگی کی قسم میں سے اور ان (مخلوقات) کی قسم میں سے جن کو یہ نہیں جانتے ہر قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں۔

(۳) و آیۃ لھم الیل نسلخ منه النھار فاذا ھم مظلمون ۔	اور ان کے (سمجھنے) کے لیے ہماری قدرت کی ایک نشانی رات ہے کہ ہم اس میں سے دن کو کھینچ کر نکال لیتے ہیں تو بس یہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ۔
(۴) و الشمس تجری لمستقر لھا ذالک تقدیر العزیز العلیم ۔	اور آفتاب (ہے) کہ اپنے ایک ٹھکانے کی سمت کو چلا جا رہا ہے ۔ یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست (اور ہر چیز سے آگاہ ہے) ۔
(۵) والقمر قدرناہ منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم ۔	اور چاند ہے کہ اس کے لیے ہم نے منزلیں ٹھہرا دیں یہاں تک کہ (آخر ماہ میں گھٹتے گھٹتے) پھر (ایسا ٹیڑھا اور پتلا) رہ جاتا ہے جیسے (کھجور کی) پرانی ٹہنی ۔
(۶) لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النھار و کل فی فلک یسبحون ۔	نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جا لے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے (اور کیا چاند اور کیا سورج) سب (اپنے) اپنے مدار (یعنی گھیرے) میں (پڑے) تیر رہے ہیں ۔
(۷) و آیۃ لھم انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون و خلقنا لھم من مثله ما یرکبون ان نشا نغرقھم ولا ھم ینقذون الا رحمۃ منا و متاعا الی حین (۳۶ : ۳۳ تا ۴۴) ۔	اور ان (لوگوں کے) سمجھنے کے لیے ہماری قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ ہم ان (آدمیوں) کی نسل کو بھری ہوئی کشتیوں میں اٹھائے پھرتے ہیں اور کشتی کی طرح ہم نے ان کے لیے اور چیزیں (از قسم ڈونگی وغیرہ بھی) پیدا کی ہیں جن پر (یہ دریاؤں میں) سوار ہوتے ہیں اور ہم چاہیں تو ان کو ڈبو دیں۔ پھر نہ تو کوئی ان کا فریاد رس ہو اور نہ یہ کسی طرح ڈوبنے کی مصیبت سے چھڑائے جا سکیں مگر (یہ) ہماری مہربانی ہے اور ایک وقت (خاص) تک (ان کو دنیاوی) فائدے پہنچانے منظور ہیں ۔

قرآن مجید نے یہ مفہوم کئی سورتوں میں ارشاد فرمایا جو انسان کو اسرار پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے، جن کے مطالعہ سے اس پر گوناگوں حقائق منکشف ہو سکتے ہیں اور جو (حقائق) بالآخر خالق کائنات پر ایمان لانے کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں ۔ خداوند عالم اس (انسان) کی قوت عاقلہ کو فکر و تدبر کے لیے پکار رہا ہے تا کہ (وہ) عقل و دلیل کو اپنا رہبر تسلیم کرے نہ کہ اپنے باپ دادا کی رسومات پارینہ کو پیشوا بنائے رکھے ۔

قوت ایمان کا ثمرہ: ایمان کی یہ قسم ان اسلامی تعبیرات کا ماحصل ہے جو (زن) پیر زال کے ایمان سے بالکل مختلف ہے ۔ ایسا ایمان (اول الذکر) اس مرد عاقل کا سا ایمان ہے جو روز روشن میں پرکھا گیا ہو، جس کے جانچنے والے نے اس کا ایک ایک پہلو غور سے

دیکھ کر اس کے کھرے ہونے کا یقین کر لیا ہو۔ ناممکن ہے کہ جو شخص ایسے غور و تعمق کے بعد ایمان کو تسلیم کرے وہ اس کے اپنانے میں لمحہ بھر کی تاخیر بھی گوارا کر سکے!

حقائق کائنات پر غور کرنے کا نتیجہ خدا پر ایمان لانا ہے: جوں جوں انسان زمان و مکان کے اس لامتناہی سلسلہ پر غور کرتا ہے اس کا تصور اس بے تابی کے ساتھ بیدار ہوتا ہے کہ اسے خود کو بھی سلسلہ' کائنات کا ایک جزو تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں رہ سکتا جس کی وجہ سے اس پر ایک مربوط ترتیب کے ساتھ منکشف ہو جاتا ہے کہ اگر وہ کائنات کے ان حقائق کے باوجود ایک ایسی ہستی پر جو حس و عقل سے مافوق الفوق ہے یقین نہ کرے اور ان حقائق کے ساتھ اپنا رشتہ منسلک کرنے سے دور پڑا رہے تو وہ اصل مقصد سے ہٹ کر سراسر نقصان میں گھر جائے گا اور یہی ادراک وہ قوت ہے جسے ایمان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

اور **سرور ایمان کا درجہ:** ایمان ایسا وجدان ہے کہ انسان اپنی ذات کو کائنات کے ساتھ اس طرح مربوط سمجھ سکے کہ عالم کے لامتناہی دائرہ میں خود کو نہ صرف محصور بلکہ کائنات کے اپنی ذات میں منعکس ہونے کا شعور پیدا کر لے جس کی معین رسم کے مطابق وہ اس کائنات کے ساتھ خود کو بھی مصروف گردش محسوس کرنے لگے۔ پھر اگر وہ اپنے اور کائنات دونوں کے کرد گار کی عملی مدح و ثنا کو وظیفہ' زندگی بھی بنا لے تو ایمان کا یہ درجہ اس کے دل کو سرور و انبساط کا خزینہ بنا لیتا ہے۔

کنہ واجب الوجود کی تفتیش: رہا یہ سوال کہ خداوند متعال دنیا میں جلوہ فرما ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو موجودات میں جاری ساری ہے یا ان سے منفصل؟ اس مسئلہ پر بحث و تمحیص ایسا جدل ہے جس کا نقصان بیش از بیش اور منفعت کا شائبہ تک نہیں، مگر نتیجہ گمراہی! ایسا مبحث جس پر جتنی گفتگو کیجیے جہالت میں اور اضافہ ہو۔ اس تفتیش میں اہل قلم اور فلاسفہ نے بے حد کوششیں کیں، آخر تھک کر بیٹھ گئے کہ الوہیت کا مقام ان کے ادراک سے بالاتر اور اس راہ کی ناکامی میں ان کی عقل کی کوتاہی حائل ہے۔

لیکن عقل و فرہنگ کی یہی کوتاہی خدائے متعال پر ایمان کو اور زیادہ استوار کر دیتی ہے۔ جب قلب میں یہ تیقن پوری طرح جاگزیں ہو جائے کہ ذات صمدیت جلوہ فرما ہے اور اس کا علم ہر شے پر حاوی ہے اور تخلیق کائنات اسی کی نگہ کرم کا صدقہ ہے، کائنات کی ہر شے کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے یعنی پہلی حالت میں (اور پہلی حالت ہے! لم یکن شیئا مذکوراً (٧٦ : ١ ــــ م) تب! ازدیاد ایمان کے ساتھ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہم اس کی کنہ ذات سے محض نابلد ہیں کیونکہ آج کے دور میں ذات باری کے ادراک سے ماورا کچھ ایسی چیزیں ہمارے سامنے (موجود) ہیں جن کا احاطہ کرنے سے ہم محض قاصر ہیں، مثلاً کہربا (Electricity) اور ایثر (Ether) جن دونوں کا وجود ظاہر میں دیکھ رہے ہیں اور یہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ آواز اور روشنی دونوں اسی کہربا (Electricity) اور ایثر کی موجوں کے دوش پر ادھر سے اُدھر منتقل ہو رہے ہیں جو ثبوت ہے ان دونوں (کہربا و ایثر) کے وجود اور ان کی قوت کا! لیکن جب ہم ان کی ماہیت دریافت کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں تو ہماری بے مائگی ہمیں پیچھے دھکیل دیتی ہے۔ اسی طرح ہر لمحہ ہم خدا کی صنعت

کے گوناگوں شواھد دیکھتے ھیں لیکن اگر انہی صنعتوں کو اس کی کنہ ذات کی تحقیق میں آلہ کے طور پر استعمال کرنے کا تہیہ کر لیں تو ظاھر ھے کہ یہ کاوش خود ھماری بے فہمی پر منتج ھو گی، اس لیے کہ ذات واجب‌الوجود ھماری حد ادراک و تعیین سے بالاتر ھے اور اس کی کنہ ذات میں منہمک وھی لوگ ھیں جو انسانیت کے حدود و فرائض متعین کرنے سے اپنا دامن سمیٹ کر واجب‌الوجود کی تحقیق ماھیت ان آلات و ادوات سے کرنے بیٹھ جاتے ھیں جو ذرائع (آلات و ادوات) ھماری ھی عقل محدود نے تجویز فرمائے ھیں۔

دوسرا گروہ: واجب‌الوجود کی کنہ حقیقت کا متلاشی دوسرا گروہ وہ ھے جن کی تجسس و ادراک کے ذریعے پہلے گروہ کے آلات و ادوات تحقیق سے مختلف ھیں۔ جب یہ طبقہ اس مسئلہ پر متوجہ ھوتا ھے تو قرآن کی آیت:

یسئلونک عن الروح! قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (۱۷ : ۸۵)

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ھیں تو (ان سے) کہ دو کہ روح (بھی) میرے پروردگار کا حکم ھے! اور تم لوگوں کو (اسرار الٰہی میں سے) بس تھوڑا سا علم دیا گیا ھے

پر پہنچ کر مطمئن ھو جاتا ھے اور خالق روح پر ایمان رکھنے کی بدولت ان کے دل سرور و انبساط سے معمور ھو جاتے ھیں کیونکہ یہ لوگ بے جا قیل و قال سے اپنا دامن بچا کر ایک طرف ھو جاتے ھیں:

مسلمان اور مومن کا فرق: قرآن مجید مسلمان اور مومن دونوں میں ایک قسم کی تفریق کا مبین ھے:

قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا و لما یدخل الایمان فی قلوبکم (۴۹ : ۱۴)۔

عرب کے دیہاتی کہتے ھیں کہ ھم ایمان لائے۔ (اے پیغمبر ان سے) کہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ ھاں (یوں) کہو کہ ھم مسلمان ھو گئے اور ایمان کا تو ھنوز تمہارے لیے گذر تک نہیں ھوا۔

اس (آیت) سے ثابت ھوا کہ اس قسم کا اسلام یا تو خوف و امید کا کرشمہ ھے یا مسلمان کے گھر میں جنم لینے کی وجہ سے اس شخص نے اسلام کو خود پر لازم رکھا یا محض اس کی تقدیس کے خیال سے اسے قبول کر لیا گیا ھے، مگر نہ تو اس کے دل میں اسے جگہ ملی نہ ایسے شخص نے اس کی حقیقت کو سمجھا، نہ اس کے معاملہ میں یقین کے درجہ تک پہنچ سکا۔ قرآن ایسے مسلمانوں کے متعلق فرماتا ھے:

یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا (۲ : ۹، ۱۰)۔

وہ ایمان کا دعویٰ کر کے اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ھیں حالانکہ وہ خود ھی دھوکے میں پڑے ھیں اگرچہ (جہل و سرکشی سے) اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں (انکار کا) روگ ھے۔ پس اللہ نے (دعوت حق کامیاب کر کے) انہیں اور زیادہ روگی کر دیا۔

ایسے لوگ مسلمان تو ھیں مومن نہیں۔ ان کی روح سدا ضعیف، عقیدہ ھمیشہ متزلزل اور قلوب ھر لمحہ غیروں کی اطاعت و فرمان برادری پر مائل رھتے ھیں۔

مگر جو لوگ سمجھ کر ایمان لائے ان کے دل انھیں ایمان صادق پر قائم رکھتے ھیں اور خدا کے سوا کسی کے حکم پر نہیں جھکتے نہ کسی پر اپنے مسلمان ھونے کا احسان ظاھر کرتے ھیں۔

بل اللہ یمن علیکم ان ھذا کم للایمان ان کنتم صادقین (۴۹ : ۱۷)۔

بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ھے کہ اس نے تم کو احسان کا راستہ دکھایا بشرطیکہ تم (دعوئ اسلام میں) سچے ھو۔

ایسے شخص کا اسلام قابل قدر ھے جو صرف اللہ کی رضا طلبی کی خاطر اسے اختیار کرے۔ وھی شخص مومن ھے جسے عاقبت کے روز حزن و ملال سے سابقہ نہ ھو گا اور یہی لوگ ھیں جنھیں دنیا میں محتاجی اور ذلت سے سابقہ نہیں پڑتا کیونکہ ایمان باللہ کا صلہ عزت نفس اور استغنا ھر دو صورت میں حاصل ھوتا ھے۔ ظاھر ھے کہ اللہ اور اس پر ایمان لانے والوں کے لیے سدا عزت ھے اور سعید روحیں ایسے ھی ایمان کی کوشش کرتی ھیں تا کہ خود کو اسرار کائنات کے قریب لے جا کر تقرب خداوندی سے بہرہ مند ھوں۔

اسرار کائنات پر آگہی کا ذریعہ: مخلوق خداوندی کا مطالعہ ایسی دقت نظر سے کیجیے جس کی دعوت علمی طور پر قرآن نے پیش فرمائی ھے، صدر اول کے مسلمانوں کی مانند، جن کے طریق تحقیق سے مقصد وہ نہ تھا جو موجودہ یورپ کے پیش نظر ھے۔ اسلام چاھتا ھے کہ انسان تحقیق کے وسیلے سے اس نظم و روش کو منکشف کرے جو خدا نے کائنات کے لیے مزبور فرمائی تا کہ وہ (انسان) خود کو اس نظم کے تابع کر کے زندگی کی نعمتوں سے بہرہ مند ھو، چہ جائیکہ یورپ کا مقصد قدرت کے انھی حقائق کے انکشاف سے محض دنیوی مفاد کی پرورش ھے۔ مگر اسلام ھر وسیلہ و ذریعہ کو صرف خدا شناسی کے لیے استعمال کرتا ھے اس لیے کہ انسان کو معرفت میں جس قدر وسعت حاصل ھو گی اس کے ایمان و اذعان میں اسی قدر اضافہ ھو گا۔ بالآخر اسی عرفان کی بدولت اسے جماعت کے سود و بہبود کا احساس ھو گا نہ کہ یورپ کی مانند صرف منفعت کا سودا۔

خیال رھے کہ روحانی کمالات کی وسعت انفرادی مصالح کو اپنے دامن میں جگہ نہیں دے سکتی۔ وہ تو مشرق و مغرب حتیٰ کہ چاروں سمتوں کو اپنے احاطہ میں لیے ھوئے ھے۔ اس لیے مادی منافع کو روحانی کمالات پر نثار کر دینا از بس نفع رساں اور ایسے کمالات کے حصول میں ھر جد و جہد مفید ھے۔

مگر ایسی گراں بہا متاع حاصل کرنے کے لیے محض زبانی قیل و قال کافی نہیں، بلکہ علم کے ساتھ قلب و اذھان کو اس عالی مقصد کے حصول پر متوجہ رکھنا ضروری ھے اور یہ نعمت حضور خداوندی میں استمداد اور قلب و روح دونوں کو پروردگار عالم کے لطف و عنایات کا دست نگر کیے بغیر حاصل ھونا ممکن نہیں کیونکہ صرف وھی ذات عبادت کی سزاوار ھے اور اسی کی توجہ سے کائنات کے سر بستہ راز منکشف ھونے اور زندگی کے طریقے معلوم کرنے میں مدد مل سکتی ھے۔ یہی ذریعہ

ہے تقرب خداوندی کا جسے ہم اس کی نعمتوں پر اظہار تشکر کے ساتھ حاصل کرنے کے خواہش مند اور اس کے لطف و کرم کے امیدوار ہیں کہ وہ اس منزل پر فائز المرام ہونے میں ہماری دست گیری فرمائے جس منزل سے ہم دور پڑے ہوئے ہیں۔

بحکم قرآن :

دعا و استعانت :

و اذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی و لیؤمنوا بی لعلهم یرشدون (۲ : ۱۸۶)۔

اور (اے پیغمبر!) جب میرا کوئی بندہ میری نسبت تم سے دریافت کرے (کہ کیونکر مجھ تک پہنچ سکتا ہے) تو تم اسے بتلا دو کہ میں تو اس کے پاس ہوں۔ وہ جب پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا اور اسے قبول کرتا ہوں پس (اگر وہ واقعی میری طلب رکھتے ہیں تو) چاہیے کہ میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ حصول مقصد میں کامیاب ہوں۔

و ایضاً :

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانها لکبیرۃ الا علی الخاشعین الذین یظنون انهم ملاقوا ربهم وانهم الیه راجعون (۲ : ۴۵، ۴۶)۔

اور (دیکھو) صبر اور نماز (کی قوتوں) سے (اپنی اصلاح میں) مدد لو لیکن نماز ایک ایسا فعل ہے (جو انسان کی راحت طلب طبیعت پر) بہت ہی کٹھن گذرتا ہے۔ البتہ جن لوگوں کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو سمجھتے ہیں کہ انھیں اپنے پروردگار سے ملنا اور بالآخر اس کے حضور لوٹنا ہے تو ان پر یہ عمل کٹھن نہیں۔

نماز: نماز جو تعلق باللہ کا دوسرا نام ہے اور مدد و نصرت کی طلب و جستجو سے تعبیر ہے خالی رکوع و سجود اور تلاوت و تکبیر کو نہیں کہتے، بلکہ اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ جس سے دل میں ایمان ابھرے، تقدیس و احترام کے جذبات پیدا ہوں اور عقل و خرد کو اس کی طرف پرواز کے مواقع میسر ہوں۔

لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل المشرق و المغرب و لکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ و الکتاب والنبیین وآتی المال علی حبه ذوی القربی و الیتامی و المساکین و ابن السبیل والسائلین و فی الرقاب و اقام الصلوۃ و آتی الزکوۃ و الموفون بعهدهم اذا عاهدوا والصابرین فی الباساء والضراء و

نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات رسم ریت کی کر لی)۔ نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، آسمانی کتاب پر اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں، خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال رشتہ داروں،

حین الباس اولئک الذین صدقوا و اولئک هم المتقون (۲ : ۱۷۷) -

یتیموں ، مسکینوں ، مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ، اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں ، جب قول و اقرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کرتے رہتے ہیں ، تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت ، ہر حال میں صبر کرنے والے (اور اپنی) راہ میں ثابت قدم ہوتے ہیں - تو بلا شبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہوئے اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں -

صادق الایمان مومن : وہ ہے جو حضور قلب کے ساتھ نماز ادا کرے اور خدا کو اپنے تقویٰ پر گواہ سمجھتے ہوئے وظائف زندگی ادا کرنے کے لیے اس کی اعانت کا طلب گار ہو - اسی ذات سے ہدایت کی استمداد اور خود کے اسرار کائنات پر مطلع ہونے کی التجا کرے اور خدائے برتر پر اس کا ایمان اس درجہ پر ہو کہ ادائے صلوٰۃ کے دوران میں خود کو خدائے برتر و اعلیٰ کے سامنے حقیر محض سمجھے -

جب مومن کا قلب اس درجہ تک پاک ہو جائے کہ نہ صرف نماز بلکہ زندگی کے ہر وظیفہ میں خود کو ذات ذوالجلال کے سامنے حقیر و لاشے سمجھے ، مثلاً ہم طیارہ میں پرواز کرتے کرتے فضا کے بلند ترین منطقہ میں جا پہنچے اور جب نیچے کی طرف نگاہ ڈالی تو سر بلند پہاڑوں ، سینکڑوں میل میں پھیلے ہوئے دریاؤں اور بڑے بڑے شہروں پر سے گذرے جیسے نقشہ پر چھوٹے چھوٹے نشان اور مدھم سے خط کھنچے ہوئے ہیں - سر بفلک پہاڑوں کی بلندی ، ایک نقطہ کی طرح بہتی ہوئی نہریں اور دریا خط کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتے ، کرۂ ارض کا نشیب و فراز ایک ہو کر رہ گئے ، نقطہ نظر آتا ہے یا ذرا سی لکیر! پھر جوں جوں طیارہ بلندی کی طرف بڑھتا جا رہا ہے وہ نقطہ اور یہ خط اور بھی چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں - زمین جو ہزاروں لاکھوں افلاک اور ستاروں کو اپنی گود لیے پڑی ہے وہ بھی ایک موہوم نکتہ یا کلی کی صورت میں دکھائی دینے لگی -

ان مثالوں کے بعد حضرت انسان کو خود اپنی طرف دیکھنا چاہیے جو ان پرشکوہ کروں ، دریاؤں اور پہاڑوں کے مقابلہ میں ذرۂ بے مقدار سے بھی کم درجے پر ہے - خالق کائنات و مدبر ہستی جس کی عظمت و برتری اس (انسان) کے حدود خرد سے بالاتر ہے ایسی ذات گرامی کے سامنے یہ (انسان) کس قدر کم درجہ ہے - پس حضرت انسان جیسی بے مایہ شے کے لیے یہی سزاوار ہے کہ جب وہ خدا کے حضور وظیفۂ نماز کے لیے حاضر ہو تو اپنی قوت و ہدایت کے لیے اس بالا و برتر ذات سے امداد کا طلب گار رہے -

انسان کو یہ نکتہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ وہ خدائے عزوجل کے سامنے حقیر محض ہے اور اس تصغیر کی تلافی نہ تو مال و زر سے ہو سکتی ہے نہ اس کا منصب و جاہ یہ کمی پوری کر سکتے ہیں ، البتہ ایمان خالص اور خضوع الی اللہ جن کے یمین و یسار میں نیکی اور تقوی دونوں ہوں ، ایسا ایمان انسان کی طبعی بے چارگی اور بے مائگی کا مداوا کر سکتا ہے -

یورپ کا قانون جو گذشتہ آخری صدیوں میں منضبط ہوا مساوات اسلامی کے آئین کے مقابلہ میں کس درجہ گھٹیا قانون ہے حتیٰ کہ آج کا یورپ بھی انسانوں میں اصل مساوات سے انکار پر مائل ہے اور وہاں بعض اشخاص کو ابھی تک خاص مراعات دی جاتی ہیں۔

از روئے اسلام نماز کی حالت میں جو مساوات ظاہر طور پر نظر آتی ہے وہ ثبوت ہے اسلام میں عقیدہ کی آزادی کا، مگر یورپ میں انسانی مساوات کا یہ قحط کہ ایک دوسرے کا مال فریب اور منافقت کے ساتھ پوری دیدہ دلیری سے ہتیا لیا جاتا ہے اور قانون ہی کی رعایت سے ایسے ذلیل انسان کو بچا لینا روا سمجھا جاتا ہے۔ اسلامی اور مغربی قانون مساوات میں یہی فرق ہے۔

نماز میں مساوات کا سبق: خدا کے حضور میں یہ مساوات انسانوں کو برادری کی دعوت دے کر انہیں یہ نکتہ سجھاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بھائی اور خالق کی عبادت میں شریک ہیں۔ جانتے ہیں کہ پرستش صرف خدائے واحد کے لیے ہے۔ یہ برادری اس قسم کی ہے جسے قرآن نے یہ دستور تلقین فرمایا ہے اور قرآن کی بدولت انہیں فکر و تدبر کی لازوال نعمت عطا ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ فکر و عمل میں اسلام سے بہتر آزادی، باہمی اخوت و مساوات کوئی اور قوم پیش کر سکتی ہے جس کے ماننے والے ایک ہی صف میں بارگہ ایزدی میں صف بستہ کھڑے ہوں، بیک وقت خشوع و خضوع میں سرشار، تکبیر و رکوع اور سجدہ میں اس طرح متوجہ کہ ایک کو دوسرے پر نہ کسی قسم کی ترجیح حاصل ہے نہ کوئی امتیاز، بلکہ ان میں سے ہر ایک توبہ و استغفار سے طلب اعانت کا خواستگار! خدا کے سامنے نیکی اور تقویٰ کے ماسوا جن کا کوئی اور وسیلہ نہیں! ظاہر ہے کہ جب کوئی برادری اس مرحلہ پر گامزن ہو جاتی ہے تو اس کی عبادت اس کی روح و قلب کو مادی آلائشوں سے پاک کر کے ایسے لوگوں کی قسمت میں چار چاند لگا دیتی ہے جس کی روشنی میں ان پر کائنات کے سربستہ راز منکشف ہو جاتے ہیں۔

روزہ کا فلسفہ: تقویٰ کے اعتبار سے تمام انسان احکام خداوندی بجا لانے میں یکساں نہیں ہو سکتے کہ ہمارے جسم مادیت کی وجہ سے ہماری روحوں پر بھاری رہے آتے ہیں۔ اگر ہم نماز میں رکوع و سجدہ اور قرات پر اکتفا کر کے دلوں کو خدا کی طرف متوجہ نہ کریں تو یہ مادی اجسام روح کو پژمردہ رکھتے ہیں اور بہیمیت انسان پر غالب آ جاتی ہے جس کے لیے ایسے اعمال ضروری ہیں جو روح کو جسم پر غالب اور انسانیت کو بہیمیت پر مستولی کر سکیں۔ اسلام نے یہ صفت بیدار کرنے کے لیے ہمیں روزہ کی تلقین فرما کر اسے ہمارے مدارج میں ترقی اور تقویٰ میں قوت کا سبب قرار دیا:

یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (۲ : ۱۸۳)۔	مسلمانو! جس طرح ان لوگوں پر جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں روزہ فرض کر دیا گیا تھا اسی طرح تم پر فرض کر دیا گیا ہے تا کہ تم میں پرہیزگاری پیدا ہو۔

نیکی اور تقویٰ توام ہیں: اور نیک وہی شخص ہے جو تقویٰ کی نعمت سے بہرہ مند ہے اور خدا پر، روز قیامت پر، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر جس کا ایمان ہے جو آیۂ سابق الذکر کے مطابق حرف بحرف گام زن ہے۔

روزہ شب میں پرخوری سے روکتا ہے: اگر روزہ سے یہ مقصود ہے کہ جسم روح پر بدستور مسلط رہ کو اس کی بہیمیت کر اور مہیمز دتیا رہے جیسا کہ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک حوائج نفسانی سے دست کش رہنا مگر آغاز شب کے ساتھ ھی شکم پری اور دوسری لذتوں کی بے تحاشا پرورش میں انہاک! حاشاللہ، روزہ کا یہ مقصد نہیں - چہ جائے کہ روزہ کے بغیر بھی ان لذتوں کی افراط فساد بدن کا موجب ہے- الٰہی! یہ کیسا روزہ ہے کہ جو انسان دن بھر کھانے پینے سے ھاتھ کھینچے ہوئے تھا جونہی آفتاب غروب ہوا ایک دم ان چیزوں پر جھپٹ پڑا جو دن میں اس نے خود پر حرام کر رکھی تھیں - یہ تو اپنے خلاف خدا کو گواہ بنانے کے مترادف ہے کہ اس نے تزکیۂ نفس اور انسانیت کو سربلند کرنے کے لیے خود پر کھانا پینا حرام نہیں کیا اور ایمان کو مد نظر رکھ کر روزہ دار رہنے کی بجائے ایسا فریضہ ادا کیا کہ عقل جس کی اجازت دینے سے انکار کرتی ہے - اس نے دن بھر ناحق خود پر پابندی رکھی کہ دن کا نور زائل ہوتے ھی اپنی آزادی کا استعمال اس بے جگری سے شروع کر دیا کہ غروب آفتاب تک جن نعمتوں سے محروم تھا رات کا وقت آتے ھی ان چیزوں کا مسرفانہ استعمال ہونے لگا - ایسے شخص کی مثال اس چور کی سی ہے جو سرقہ کرنے سے اس لیے خود کو دور نہیں رکھتا کہ یہ (فعل) انسانیت کے منافی ہے بلکہ قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے چوری کا ارتکاب نہیں کرتا!

روزہ کی حقیقت: روزہ کی حقیقت پر اس جہت سے نظر کرنا کہ یہ صرف چند قسم کی لذتوں سے محرومی کا نام ہے سراسر غلط اور بالکل بے معنی ہے - ایسا روزہ محض بے سود ہے - بلکہ وہ تزکیہ نفس کا ایسا ذریعہ ہے جسے عقل واجب سمجھتی ہے - روزہ دار اپنے اختیار سے خود پر لازم کر لیتا ہے کہ نفس کو ان مادی لذتوں سے دور رکھے جو اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اس وسیلہ سے خود کو بلند ترین منزلت پر پہنچا سکے - فرضیت روزہ سے یہی باری تعالیٰ کے مد نظر ہے جیسا کہ مذکورۃ الصدر آیت (۲ : ۱۸۳) کے ساتھ ھی (دوسری آیت میں) فرمایا:

ایاماً معدودات فمن کان منکم مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایام اخر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیراً فھو خیرلہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون (۲ : ۱۸۴)-

(یہ روزے کے) چند گنتے ہوئے دن ھیں (کوئی بڑی مدت نہیں) - پھر جو کوئی تم میں بیمار ھو یا سفر میں ہے تو اس کے لیے اجازت ہے کہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر روزے کی گنتی پوری کر لے اور جو لوگ ایسے ھوں کہ ان کے لیے روزہ رکھنا ناقابل برداشت ھو (جیسے نہایت بوڑھا آدمی کہ نہ تو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہے نہ یہ توقع رکھتا ہے کہ آگے چل کر قضا کر سکے گا) تو اس کے لیے روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے- پھر اگر کوئی اپنی خوشی سے کچھ زیادہ کر لے (یعنی زیادہ مسکینوں کو کھلائے) تو یہ

اس کے لیے مزید اجر کا موجب ہوگا ، لیکن
اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو سمجھ لو
کہ روزہ رکھنا تمہارے لیے (ہر حال) میں
بہتر ہے۔

روزہ کے اخلاقی فوائد: ہم روزہ کی قوت سے آزادیٔ عزم اور حریت فکر بیش از بیش حاصل کر کے اپنی روحانی زندگی بہتر بنا سکتے ہیں ، مگر ہمارا یہ قول غیروں کے سامنے اس لیے عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہاں سے روحانیت کی بنیادیں کھود کر ایک طرف پھینک دی ہیں اور قصر بادیت کے کنگرے اپنی فوجی قوت کی امداد سے آسمان تک پہنچا رکھے ہیں۔ انسان فکر نو کے مطابق دوسروں کے مال اور نفس پر تصرف کا مستحق نہیں ، صرف اپنی ذات پر اسے اختیار ہے اگرچہ اس کا اختیار عقل اور قانون کے خلاف کیوں نہ استعمال ہو لیکن حقیقت ایسے قانون کے خلاف رہبری کرتی ہے۔

عادت غیر متبدل شے ہے: مثلاً انسان جو عادت کا بندہ بھی ہے جس (عادت) کے مطابق وہ صبح ، چاشت اور شام تین وقتوں میں تناول کا خوگر ہے ، اب اگر اس سے یہ تقاضا کیا جائے کہ صبح کا ناشتہ ترک کر کے صرف چاشت اور شام پر اکتفا کر لے تو اتنا اختصار بھی وہ اپنی عادت پر پابندی عائد کرنا سمجھ بیٹھے گا۔

اسی طرح جن لوگوں کی عادت میں تمباکو نوشی اس طرح مزمن ہو چکی ہے کہ اس کے بغیر وہ ایک لمحہ ضبط نہیں کر سکتے ، اب اگر ایسے لوگوں کو صرف دن میں تمباکو نوشی سے روکا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ اسے اپنی آزادی پر بے محل محاسبہ تصور کریں گے۔

اسی طرح جو لوگ مقررہ اوقات میں قہوہ اور چائے یا کسی خاص قسم کے مشروب کے عادی ہو چکے ہیں ، اگر ایسے حضرات سے محض اوقات میں تبدیلی کا تقاضا کیا جائے تو وہ اسے اپنی آزادی پر ضرب سمجھ کر چلا اٹھیں گے۔ چہ جائے کہ محض وقتوں کی تبدیلی ان کی آزادی پر ضرب نہیں ہو سکتی ، مگر وہ اسے بھی سلب حقوق کے بغیر کسی اور چیز سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

ظاہر ہے کہ ہر مزمن عادت فکر کی سلامتی کے لیے خطرہ سے مبرا نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے ایسے حضرات بھی ہفتہ یا مہینہ میں ایک نہ ایک روز اپنی ایسی عادت میں اعتدال پیدا کرنے کی کوشش جاری رکھتے ہیں۔ ان کی یہ احتیاط بھی تو ایک قسم کی روزہ داری ہی ہے مگر اس کے مقابلہ میں اسلام کا روزہ؟

معین اوقات میں روزہ کی مصلحت: خداوند عالم نے مسلمانوں پر آسانی رکھنے کی غرض سے سال بھر میں مقررہ دنوں کے روزے عائد فرما دیے جن کی پابندی غریب و امیر دونوں پر لازم ہے اور ان کی قضا کے عوض ناتوان پر "فدیہ"، مگر مسافر اور مریض کے ذمے قیام و صحت کی حالت میں قضا واجب ہے۔

صرف متعین دنوں میں روزہ کی پابندی بدنی ریاضت سے قطع نظر باہمی اخوت کا بھی ذریعہ ہے جس میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ مساویانہ حیثیت سے روحانی ریاضت کے ساتھ خداوند عالم کے حضور پیش ہوتا ہے۔ سپیدۂ سحر کی نمود سے لے کر آغاز شب تک

پورا معاشرہ نماز باجماعت کی طرح یکساں انداز میں روزہ دار ہے۔ اس صورت میں ان کے اندر باھمی مساوات میں اسی قسم کا اکمال ھو جائے گا جیسا کہ روزہ داری سے قبل ایک دوسرے کے فرق مراتب میں تفاوت نظر آتا تھا مگر اب وہ تفریق کالعدم ھو جائے گی نماز جماعت کی مانند -

روزہ زندگی کی مشکلات میں دلیل راہ ھے : اسی طرح جب ھم اپنے اختیار سے روزہ رکھتے ھیں تو یہ امر منکشف ھو جاتا ھے کہ عقل اگر اسراز زندگی کے صحیح معنی سمجھ لے تو خدا کے حکم سے روزہ رکھنا بعید از فہم نہیں اور نہ ایسا روزہ عادت ھی پر ضرب ھے - بلکہ وہ عادت کی پابندی سے آزادی دلا کر نہ صرف ھمارے اندر عزم و استقلال اور آزادی کی قوت عطا فرماتا ھے بلکہ اعتراف کرنا پڑتا ھے کہ اگر انسان روحانی کمالات حاصل کرنے کی غرض سے اپنے اختیار کو اپنی کسی عادت کے خلاف استعمال کرے تو اس سے اس کی قوت فکر میں ایسی استقامت پیدا ھو جاتی ھے جس سے ایمان کی طویل منزلیں آسانی سے طے کر سکتا ھے -

تقلیدی روزہ بے معنی ھے : اور جیسا کہ محض تقلیدی ایمان کافی نہیں کہ ایسے ایمان سے بہرہ مندی اس شخص کے مسلمان ھونے کے لیے تو کافی ھے مگر یہ شخص مومن کے درجہ تک نہیں پہنچ سکا - یہی صورت تقلیدی روزہ کی ھے جس کا رکھنے والا یہ گرہ لگائے بیٹھا ھے کہ روزہ اس کے اکل و شرب کی آزادی پر پہرہ ھے - ایسا روزہ دار اس کیف و سرور سے محروم ھے کہ روزہ تو انسان کو عادت کی قید سے آزاد کر کے اس کی روح کو قوی اور طاقتور بنا دیتا ھے -

اور زکوۃ و صدقہ: جب انسان روحانی قوت کی وجہ سے اسرار کائنات کے قریب پہنچ جاتا ھے تو اس پر اپنی اور بنی نوع انسان کی منزلت واضح ھوتی جاتی ھے کہ ھم سب ایک ھی وجود کے مختلف مظاھرات ھیں، تب وہ دوسرے انسان کے ساتھ محبت کرنے کے لیے بے تاب ھو جاتا ھے اور اس کے دل میں احساس ابھر آتا ھے کہ ھم میں سے ھر شخص کو اپنے بھائی کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک سے پیش آنا چاھیے، طاقتور کو ناتواں پر رحم اور تونگر کو نادار کی مالی اعانت کرنا چاھیے - پس یہ امداد اگر مقررہ حد (نصاب) تک ھے تو زکوۃ اور اگر اس حد سے زیادہ ھے تو صدقہ ھے -

نماز کی طرح زکوۃ بھی عبادت میں داخل ھے : قرآن مجید نے کئی مقامات پر یکجا زکوۃ اور نماز کا تذکرہ فرمایا ھے جیسا کہ قارئین آیۂ ذیل کا مطالعہ فرما چکے ھیں :

لیس البرا ان تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب و لکن البر من آمن باللہ و الیوم الآخر والملائکۃ و الکتاب و النبیین و آتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامی و المساکین و ابن السبیل و السائلین و فی الرقاب و اقام الصلوۃ و آتی الزکوۃ (۲ : ۱۷۷) -

نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں ھے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھر لیا یا پچھم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات رسم ریت کی کر لی) - نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ھے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر، اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ھیں، خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں،

مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں ۔

وایضاً :

واقیمو الصلوٰۃ وآتو الذکوٰۃ و ارکعوا مع الراکعین (۲ : ۴۳) ۔

اور نماز ادا کرو (جس کی حقیقت تم نے کھو دی) ، زکوۃ ادا کرو (جس کا تم میں اخلاص باقی نہیں رہا) اور جب اللہ کے حضور جھکنے والے جھکیں تو ان کے ساتھ تم بھی سر نیاز جھکا دو ۔

و ایضاً :

قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم للزکوۃ فاعلون (۲۳ : ۱ تا ۴) ۔

ایمان والے (اپنی) مراد کو پہنچ گئے اور وہ (لوگ ہیں) جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے اور وہ نکمی باتوں کی طرف رخ نہیں کرتے اور وہ جو زکوۃ دیا کرتے ہیں ۔

صدقہ ایمان کا ہم پلہ ہے : قرآن مجید ان دونوں (زکوۃ و صدقہ) کا حکم بار بار ارشاد فرماتا ہے جس میں کہیں صدقہ کو نیک اور مفید امور میں ثواب کامل کا وسیلہ قرار دیا ہے اور کہیں اسے ایمان کا ہم پلہ ٹھہرایا ہے، مثلاً :

خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ ثم فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعاً فاسلکوہ انہ کان لا یؤمن باللہ العظیم ولا یحض علی طعام المسکین (۶۹ : ۳۰ - ۳۴)

پھر ہم اس کی نسبت حکم دیں گے کہ اس کو پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو ۔ پھر (کشاں کشاں لے جا کر) اس کو جہنم میں دھکیل دو ۔ پھر زنجیر سے جس کی ناپ گزوں میں ستر گز ہوگی اس کو خوب جکڑو (کیونکہ) یہ خدائے بزرگ پر ایمان نہیں لایا تھا اور (آپ کھلانا تو درکنار اوروں کو بھی) مسکینوں کے کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا ۔

ایک اور مقام میں:

و بشر المخبتین الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم و الصابرین علی ما اصابھم والمقیمی الصلاۃ و مما رزقناھم ینفقون (۲۲ : ۳۴-۳۵) ۔

(اے پیغمبر) عاجزی کرنے والے بندوں کو (جنت کی) خوشخبری سنا دو (جو ایسے نیک ہیں) کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے ان کے دل لرز اٹھتے ہیں اور جو مصیبت ان پر آ پڑے اس پر صبر کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے ان میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں ۔

اور تیسری جگہ :

صدقہ ہر عقیدہ و عمل سے بر تر ہے :

الذین ینفقون اموالھم باللیل و النھار سرآ وعلانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون (۲ : ۲۷۴) -

جو لوگ رات اور دن چھپے اور ظاہر اپنے مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں (تو ان کے دیے) کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں ان کو ملے گا اور (قیامت میں) ان پر نہ (تو کسی قسم کا) خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہوں گے -

اور قرآن مجید نے صدقہ کا تذکرہ محض ایمان باللہ یا صرف نماز کے اجر و ثواب کا ہم پلہ ہی قرار نہیں دیا بلکہ اس صدقہ کی مدح میں ایسا عجیب پیرایہ اختیار فرمایا کہ گویا صدقہ ہر عقیدہ اور عمل سے بر تر و اعلیٰ ہے :

ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا و تؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم (۲ : ۲۷۱)-

اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا کہ اس سے خیرات کے علاوہ دوسروں کو بھی ترغیب ہوتی ہے اور اگر اس کو چھپاؤ اور حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے (کہ اس میں نام و نمود کا دخل نہیں ہونے پاتا) -

اور یہ کہ :

قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقہ یتبعھا اذی واللہ غنی حلیم (۲ : ۲۶۳) -

نرمی سے جواب دے دینا اور (سائل کے اصرار سے) در گذر کرنا اس خیرات سے بہت بہتر ہے جس کے (دیے) پیچھے (سائل کو کسی طرح کی) ایذا ہو اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے -

یایھا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رئاء الناس (۲ : ۲۶۴) -

مسلمانو! اپنی خیرات کا احسان جتانے اور (سائل کو) ایذا دینے سے اس شخص کی طرح اکارت مت کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے پر خرچ کرتا ہے -

مستحقین صدقہ :

انما الصدقات للفقراء و المساکین والعملین علیھا و المؤلفۃ قلوبھم والغارمین وفی سبیل اللہ و ابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم (۹ : ۶۰)-

خیرات (کا مال) تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں کا جو (مال) خیرات (کے وصول کرنے) پر تعینات ہیں اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے۔ ان مصارف میں مال خیرات یعنی زکوۃ کو خرچ کیا جائے اور نیز قید غلامی سے غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرضے

میں ! اور نیز خدا کی راہ یعنی مجاہدین کے ساز و سامان میں اور مسافروں کے زاد راہ میں۔ یہ حقوق اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں اور اللہ جاننے والا اور صاحب تدبیر ہے۔

زکوۃ اور صدقہ فرائض اسلام میں سے ایک فریضہ اور دین کا ''رکن'' ہے۔ یہ سوال کہ وہ اجزائے عبادت میں سے ہے یا محض اخلاق و تہذیب کا مظاہرہ، حاشاللہ زکوۃ و صدقہ بھی عبادت ہیں اور اس لیے عبادت ہیں کہ تمام مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور مومن کا ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جب اسے دوسرے بھائی کے لیے بھی وہی گوارا ہو جسے اپنے لیے پسند کرتا ہے کیونکہ مومن اللہ کے نور کی روشنی میں اپنے بھائی کے ساتھ محبت کا دیوانہ ہے اور فریضۂ صدقہ و زکوۃ اس اخوت کو قریب تر کرنے کا وہ ذریعہ ہے جو صرف اخلاق اور معاملہ بندی سے مربوط نہیں رہ سکتا اور ایمان اس عمل سے کامل ہو سکتا ہے جو باہمی اخوت کو مستحکم کرے اور جو ایمان باللہ کی تکمیل کا باعث ہو وہ عبادت ہے۔ یہی عمل ہے جس کی بنا پر زکوۃ کو اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا گیا۔

خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر نے زکوۃ کو ایمان کا جزو قرار دیا : اور یہی سبب ہے کہ خلیفۂ رسول جناب ابوبکر نے آنحضرت صلوات اللہ علیہ کی رحلت کے بعد مسلمانوں سے زکوۃ کا مطالبہ فرمایا تو بعض لوگوں کے انکار پر ''خلیفۂ محمد'' نے اس انکار کو ان کے ضعف ایمان پر محمول کرتے ہوئے سمجھا کہ یہ لوگ مال کو ایمان پر ترجیح دے کر اس بغاوت کے مرتکب ہو رہے ہیں جو قرآن کے روحانی نظام سے ارتداد ہے۔ اور حضرت ابوبکر نے ایسے لوگوں کو مرتد قرار دے کر ان کے ساتھ جنگیں کیں جو ''حروب الردہ'' کے نام سے مشہور ہیں، اور خلیفۂ رسول اپنے اس کردار کی بدولت اسلام کی وحدت کو از سر نو مربوط کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

صدقہ کی اہمیت : اسلام نے صدقہ و زکوۃ کو جس جلی عنوان کے ساتھ ایمان کا ایک جزو قرار دیا ہے وہ اپنی ذات میں یہ صلاحیت لیے ہوئے ہے کہ اگر متمدن اقوام اس پر عمل پیرا ہوں تو بنی نوع بشر کے بہبود کا فریضہ خوش اسلوبی سے ادا کر سکتی ہیں۔ بخلاف اس کے مال و زر کو خزانوں میں جمع رکھنے اور دوسروں پر تفوق حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگے رہنے کا ثمرہ نہ صرف عوام کی مذلت بلکہ خونریز لڑائیوں کا منبع ہے جو مادہ پرستی کی نحوست کے سوا کوئی اور نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی کی بدولت اخوت جیسی نعمت بیکراں سے منہ موڑ کر دوسرے بھائی کی دشمنی پر کمر باندھ لی جاتی ہے۔ اگر مادہ پرست غور کریں تو انہیں اخوت انسانی کے سامنے مادیت سے دستبردار ہونے کے بغیر چارہ نہیں رہ سکتا۔ وہ اس مقام پر فائز ہو کر محتاجوں کی دست گیری سے خالق و مخلوق دونوں کی نظر میں ایسے محبوب بن سکتے ہیں جس کے سامنے دولت کے انبار حقیر معلوم ہوں گے۔ کاش! اہل دول خدا پر ایمان لا کر انسانی برادری کا طبعی حق ادا کر سکیں، جس کا اولین مظاہرہ محتاجوں کو افلاس سے بچا کر اور مظلوم کو چیرہ دستیوں کی زد سے ہٹا کر اس کی حرمت بحال کرنا ہے جیسا کہ دور حاضرہ

میں خیراتی شفاخانے اور امدادی ادارے کام کر رہے ہیں جن سے انسانی زندگی کا تحفظ اور مفلوک الحال طبقہ کی اعانت مقصود ہے۔ یہی کام اگر برادری اور تشکر نعمت کی صورت میں کیے جائیں تو انسان کو گونہ سکون حاصل ہو اور اس کا یہ فعل کہیں بلند اور اونچا سمجھا جائے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

و ابتغ فیما اتاک اللہ الدار الآخرۃ ولاتنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین (۲۸ :۷۷)۔

اور یہ جو (ساز و سامان دنیا) تجھ کو خدا نے دے رکھا ہے اس میں (سے کچھ آخرت) کے گھر کا بھی فکر کرتا رہ اور دنیا سے جو تیرا حصہ ہے اسے فراموش نہ کر اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اوروں کے ساتھ احسان کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو (کیونکہ اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا)۔

حج: اسی قسم کی برادری بنی آدم میں محبت کا رشتہ مربوط کر سکتی ہے۔ خیال رہے کہ اسلام نے برادری کو مستحکم اور برقرار رکھنے کے لیے نہ تو وطنیت کو درخور اعتنا سمجھا اور نہ محبت و اخوت کے تقاضوں کو کسی ملک یا کسی قطعۂ زمین میں منحصر جانا۔ اسلام میں محبت حدود نا آشنا ہے۔ چنانچہ اسلامی تعلیم کے مطابق محبت کا دائرہ تمام ربع مسکوں کو اپنے حصار میں لیے ہوئے ہے تاکہ خدا کی رضاجوئی کے جذبہ میں ہر شخص دوسرے کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھائے۔ ایسی محبت ایمان باللہ میں ازدیاد کا ذریعہ ہے اور یہی محبت انسانوں کو دور دراز سے کھینچ کر ایک ایسے میدان میں جمع کرنے پر قادر ہے جو اجتماع کے لیے بے مثل مقام ہے جس میں محبت باہمی کا فوارہ ابل رہا ہے۔ یہ بیت اللہ ہے مکہ معظمہ میں اور مومنوں کا یہ اجتماع حج سے موسوم ہے جس (حج) کے لیے ہر مومن کی زندگی میں ایک مرتبہ شدرحال واجب ہے اس لیے کہ شعائر حج ادا کرنے سے ایمان باللہ میں مزید استقامت پیدا ہو کر انسانی برادری کی قدر و منزلت میں ترقی ہوتی ہے۔

الحج اشہر معلومات فمن فرض فیہن الحج فلارفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج و ما تفعلون من خیر یعلمہ اللہ و تذودوا فان خیر الزاد التقویٰ واتقون یا اولی الالباب (۲ :۱۹۷)۔

حج (کی تیاری) کے مہینے عام طور پر معلوم ہیں۔ پس جس کسی نے ان مہینوں میں حج کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تو (وہ حج کی حالت میں ہو گیا اور) حج کی حالت میں نہ تو عورتوں کی طرف رغبت کرنا ہے نہ گناہ کی کوئی بات کرنی ہے اور نہ لڑائی جھگڑا اور (یاد رکھو) تم نیک عملی کی باتوں میں سے جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ پس (حج کرو تو اس کے) سروسامان کی تیاری بھی کرو اور سب سے بہتر سرو سامان (دل کا سروسامان ہے اور وہ) تقویٰ ہے۔

حج سے برادری کا رشتہ استوار ہوتا ہے: یہاں مومنین حج کے لیے جمع ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے تعارف سے برادری اور مواخات ہ رشتہ اور استوار ہوتا ہے، ایمان میں مزید استقامت حاصل ہو کر فرق مراتب ختم ہو جاتا ہے (اور یوں بھی مومنین میں یہ فرق نہیں)۔ اس سر زمین میں پہنچ کر ان میں یہ احساس اور شدت سے بیدار ہو جاتا ہے کہ خدا کے سامنے ہر ایک مومن کا درجہ یکساں ہے اور یہ کہ انہیں خدا کی دعوت کو صدق دل سے قبول کرنا چاہیے اور یہ ایمان! کہ اس کی وحدانیت پر اور زیادہ متوجہ رہیں! اور یہ کہ اس کی نعمتوں پر شکر مزید ادا کریں، جن میں سب سے بڑی نعمت ایمان ہے جو تمام نیکیوں اور نعمتوں کا مصدر ہے، جس کی روشنی میں تمام اوہام شکست خوردہ ہو کر چھٹ جاتے ہیں، جس ایمان کے سامنے مال، اولاد اور جاہ و منصب زوال پذیر تصورات کی مانند نظر آتے ہیں کیونکہ ایمان ہی کی روشنی میں حقیقت، نیکی اور جماں کا صحیح ادراک ہو سکتا ہے اور کائنات کے غیر متبدل اسرار اس کے پرتو سے مجلیٰ نظر آنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سر زمین مکہ میں حج کے موقعہ پر مومنین کے دل میں اخوت کا وقار اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

اسلام کے یہ اصول و فرائض حضرت محمد علیہ‌السلام پر وحی کی صورت میں نازل ہوئے۔ یہی اصول ایمان کے ارکان ہیں جن کا تذکرہ مذکورۃ‌الصدر آیتوں میں کیا جا چکا ہے اور یہی اصول اسلامی زندگی کی اساس ہیں جن کے بعد ان اخلاق قوانین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن کی بنیاد ایمان ہی ہے جو (اخلاق) ایمان کے شجر میں پھل اور پھول کی شکل میں نمودار ہوئے اور جن کا رنگ و بو دنیا کی کسی متمدن قوم کے ہاں دیکھنے میں نہیں آیا۔

قرآن نے اخلاق رواداری کا جو خاکہ پیش کیا ہے اس پر عمل پیرا ہونے سے انسانیت کا اعلیٰ ترین درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ اصول قرآن کی ایک ہی سورۃ میں نہیں بلکہ متعدد حصوں میں ہیں۔ آپ دنیا کی متمدن سے متمدن قوم کے ہاں اس کا بدل نہ پا سکیں گے بشرطیکہ آپ کے مدنظر یہ ہو کہ جو کردار ایمان باللہ اور تزکیۂ نفس و تعقل کی بدولت حاصل ہو اور جس (اخلاق) سے مادی منفعت مقصود نہ ہو وہ اخلاق انسان کو کس بلندی پر پہنچا سکتا ہے۔

قرآنی اخلاق: اہل قلم نے مختلف زمانوں میں انسانی اخلاق کا نمونہ تحریر کیا ہے اور شعراء و فلاسفہ نے عہد قدیم کے انسان کامل کی تصویر کھینچی۔ ان کی یہ مشق صفحۂ قرطاس پر مسلسل جاری ہے مگر ایسی غیر منقطع مشق کے باوجود کسی قوم کا ایسا نمونہ پیش نہیں کیا گیا جو اپنے خد و خال کی رعنائی میں اس قدر جاذب ہو جیسا کہ قرآن کی سورۂ اسراء (بنی اسرائیل) میں مذکور ہے۔ یہ نمونہ اس حکمت بالغہ کا کرشمہ ہے جو خدا نے وحی کے ذریعے اپنے رسول پر اتاری اور جو کسی گذرے ہوئے دور میں انسان کامل کی حکایت نہیں بلکہ بنی آدم کو اس کے وظیفۂ حیات سے آگاہ کرنا مقصود ہے۔ (فرمایا):

(۱) و قضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ۔	اور تمہارے پروردگار نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ (لوگو!) اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔

(۲) و بالوالدین احساناً اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھر ھما و قل لھما قولاً کریماً و اخفض لھما جناح الذل من الرحمہ و قل رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین فانہ کان للاوابین غفورا ۔	اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ۔ (اے مخاطب) اگر والدین میں کا ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو ان کے سامنے ’’انگلی‘‘ (بہ تصرف مترجم) نہ اٹھانا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے (کچھ) کہنا (سننا) ہو تو ادب کے ساتھ کہنا (سننا) اور محبت سے خاکساری کا پہلو ان کے آگے جھکائے رکھنا اور (ان کے حق میں) دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پرورد گار! جس طرح انھوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے (اور میرے حال پر رحم کرتے رہے ہیں) اسی طرح تو بھی ان پر (اپنا) رحم کیجو ! (لوگو !) تمھارے دل کی بات کو تمھارا پرورد گار خوب جانتا ہے۔ اگر تم (حقیقت میں) سعادت مند ہو (اور تم سے ماں باپ کے حق میں بھولے سے بھی کوئی فروگذاشت ہو گئی ہو) تو وہ تم کو معاف کر دے گا چونکہ وہ توبہ کرنے والوں (کی خطاؤں) کو بخشنے والا ہے ۔
(۳) وآت ذالقربی حقہ والمسکین و ابن السبیل !	اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر (ہر ایک) کو اس کا حق پہنچاتے رہو ۔
(۴) ولا تبذر تبذیراً ، ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا واما تعرضن عنھم ابتغاء رحمہ من ربک ترجوھا فقل لھم قولا میسورا ۔	اور (دولت کو) بے جا مت اڑاؤ (کیونکہ) دولت کے بے جا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پرورد گار کا بڑا ہی ناشکرا ہے اور اگر تم کو اپنے پرورد گار کے فضل کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہو (بمجبوری) ان (غربا) سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے ان کو سمجھا دو !
(۵) ولا تجعل یدک مغلولہ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوماً محسوراً ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر انہ کان بعبادہ خبیراً بصیرا ۔	اور اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ (گویا) گردن میں بندھا ہے اور نہ اس کو بالکل پھیلا ہی دو ۔ (ایسا کروگے) تو تم ایسے ہی بیٹھے رہ جاؤگے اور لوگ تم کو ملامت بھی کریں گے (اور) تم تہی دست ہوگے ۔ (اے پیغبر!) تمھارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے نپی تلی کر دیتا ہے (اور) وہ اپنے بندوں

	(کے حال) سے باخبر (اور ان کی ضرورتوں کا) دیکھنے والا ہے۔
(۶) ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم و ایاکم ان قتلھم کان خطا کبیرا ۔	اور (لوگو!) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ اولاد کا جان سے مارنا بڑا بھاری گناہ ہے۔
(۷) ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا ۔	اور زنا کے پاس (ہو کر بھی) نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور (بہت ہی) برا چلن ۔
(۸) ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق و من قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطاناً فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا ۔	اور کسی کی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے والی (وارث) کو (قاتل سے) قصاص لینے کا اختیار دیا ہے تو اس کو چاہیے کہ خون (کا بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے) کیونکہ (واجبی بدلہ لینے میں بھی) اس کی جیت ہے ۔
(۹) ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ ۔	اور جب تک یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچ لے اس کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسی طرح پر کہ (یتیم کے حق میں بہتر ہو) ۔
(۱۰) و اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا ۔	اور عہد کو پورا کیا کرو کیونکہ (قیامت میں) عہد کی باز پرس ہوگی ۔
(۱۱) و اوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم ذالک خیر و احسن تاویلا ۔	اور جب ناپ کر دو تو پیمانے کو پورا بھر کر دیا کرو اور (تول سے دینا ہو تو) ڈنڈی سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ (معاملے کا) یہ بہتر (طریق) ہے اور (اس کا) انجام بھی اچھا ہے۔
(۱۲) ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا ۔	اور (اے مخاطب) جس بات کا تجھے علم (یقینی) نہیں (اٹکل پچو) اس کے پیچھے نہ ہو لیا کر کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان سب سے (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوتی ہے۔
(۱۳) ولا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض و لن تبلغ الجبال طولا کل ذالک کان سیئہ عند ربک مکروھا (۱۷ : ۲۳ - ۳۸) ۔	اور زمین پر اکڑ کر نہ چلا کر کیونکہ (اس دھاک کے ساتھ چلنے سے) تو زمین کو تو پھاڑ نہیں سکے گا اور نہ (تن کر چلنے سے) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکے گا۔ ان سب باتوں میں جو جو بری ہیں سب ہی تو تمہارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہیں۔

حسنات کی تلقین و فصاحت بیان: کیا انسان کے لیے اس سے بہتر ارتقا و کمال اور تزکیۂ نفس کا درس ممکن ہے؟ ان آیتوں میں شوکت الفاظ و فصاحت بیان و غوامض معانی اور اعجاز تعبیر سب کے سب کس قدر مربوط ہیں کہ پڑھنے والے ان کی تقدیس و تعظیم کے لیے بے اختیار لبیک پکار اٹھیں! اے کاش! فرصت کا دامن وسیع ہوتا تو ان آیات میں جو حقائق سمو دیے گئے ہیں ان کی وضاحت پر مستقل کتاب، بلکہ قرآن نے روحانی اور اخلاقی تربیت کے لیے جو ارشاد فرمایا ہے اگر اس کے ایک کرشمہ کی توضیح بھی کی جائے تو حکایت طویل ہو جائے گی اور کتاب (زیر تسوید) کا ''خاتمہ''، جس نہج سے لکھا جا رہا ہے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اسی قدر کافی ہے کہ نہ تو قرآن کے سوا کوئی اورکتاب انسان کو ایسی نیکی اور شرافت کی ترغیب دیتی ہے اور نہ کوئی دوسرا صحیفہ انسان کے لیۓ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک، رحم و کرم، مواخات و مودہ، باہمی تعاون و رفاقت، صدقہ و خیرات، وفاکیشی و ادائے امانت، خلوص دل اور صدق لہجہ، عدل و عفو، صبر و استقامت، تواضع و انکسار، ہمدردی اور شفقت باہم، امر معروف و نہی عن المنکر کی تلقین اس پیرایہ و اعجاز کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

سیئات سے تنبہ: اور اسی طرح نہ کوئی اور صحیفہ اسے (انسان کو) جبن و نامردی، خوف و حسد، بغض و ظلم، ایک دوسرے پر ظلم و ستم، کذب و چغلی، اسراف و بخل، بہتان و غیبت، بدامنی و فساد، بے وفائی و خیانت، الغرض ہر قسم کے اخلاق ذمیمہ و منکرات سے قرآن کی مانند منع ہی کرتا ہے پھر انداز بیان کی یہ ندرت!

یہ اس وحی الٰہی کا صدقہ ہے جو نبی عربی پر نازل ہوئی۔ قرآن میں کسی ''سورہ'' کا مطالعہ کیجیے نیکی اور امر بالمعروف کی تلقین اور نہی منکرات پر مختلف پیرایوں میں تنبیہ اور کمالات کی جانب ترغیب دیکھنے میں آئے گی جن سے روح از خود کمال و رفعت کی طرف پرواز کرے گی، مثلاً آیۂ ذیل میں:

برائی کے عوض بھلائی:

ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ نحن اعلم بما یصفون (۲۳ : ۹۷)۔	اے پیغمبر! (اگر کوئی تمہارے ساتھ بدی کرے تو) بدی کا دفیعہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ دیکھنے میں بہت ہی اچھا ہو۔
ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم (۴۱ : ۳۴)	اور (اے پیغمبر) نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی۔ برائی کا دفیعہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ (دیکھنے والوں کی نظر میں) بہت ہی اچھا ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو (تم دیکھ لو گے کہ) تم میں اور جس شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے وہ تمہارا گویا دل سوز دوست ہے۔

یہ بھی فراموش نہ کیجیے کہ قرآن کی طرف سے جس عفو کی تلقین ہو رہی ہے وہ (عفو) کسی ضعف و کمزوری کا نتیجہ نہیں بلکہ احسان و مروت کی وجہ سے انسان کو دنائت سے بچانے کے لیے ہدایت فرمائی جا رہی ہے۔

(۱) و اذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا	اور (مسلمانو!) جب تم کو کسی طرح پر

اوردوها (۴ : ۸٦) ۔

سلام کیا جائے تو تم (اس کے جواب میں) اس سے بہتر (طور پر) سلام دیا کرو یا (کم سے کم) ویسا ہی جواب دو ۔

(۲) و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به! و لئن صبرتم لهو خیر للصابرین (۱٦ : ۱۲٦) ۔

اور مسلمانو! دین کی بحث میں مخالفین کے ساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہو اور اگر (لوگوں کی ایذاؤں پر) صبر کرو تو بہرحال صبر کے حق میں صبر بہتر ہے ۔

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح ایک دوسرے کے مظالم و چیرہ دستی سے چشم پوشی کر لینا جبن یا نارسائی کی وجہ سے نہیں بلکہ انسان کو اس کے اس علو کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے جسے فطرت نے اس کے خمیر میں سمو دیا تھا ۔

قرآن نے جس شرف و بزرگی کی تلقین فرمائی اس کی اصل اسلام کے اس پیش کردہ تمدن سے مربوط ہے جو مسلمانوں کو ایک برادری کے رشتہ میں منسلک کرنا چاہتی ہے اور جس رشتہ نے مشرق اور مغرب دونوں کو مربوط کر رکھا ہے۔ اخوت و برادری میں جو عدل و رحمت پر مبنی ہے ، جہاں ضعف و ناتوانائی کے لیے کوئی گنجائش نہیں اس برادری سے مقصد صداقت و بھلائی اور تفضیل میں مساوات کے سوا کوئی اور پہلو نظر نہیں آتا ۔ اس اخوت کے سامنے مستعجل منافع ناقابل قبول ہیں۔ اس معاشرہ کے تمام منسلکین ممدوح ہیں ۔

دوسروں کو خود پر ترجیح : آیه : یوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة[1] (۵۹ : ۹)

صرف خدا کا خوف : آیهٔ : و یخشونه و لا یخشون احداً الا الله[2] (۳۳ : ۳۹)

ایفائے عهد : آیهٔ : والموفون بعهدهم اذا عاهدو[3] (۲ : ۱۷۷)

تکالیف میں ضبط : آیه : والصابرون فی الباساء والضراء وحین الباس[4] (۲ : ۱۷۷)

آیهٔ : الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله و انا الیه راجعون[5] (۲ : ۱۵٦)

۱- ''اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجرین) بھائیوں کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں''۔

۲- '' اور خوف خدا رکھتے تھے اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے''۔

۳- ''اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں۔ جب قول و اقرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کرتے رہتے ہیں''۔

۴- ''تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف ہراس کا وقت ، ہر حال میں صبر کرنے والے اور اپنی راہ میں ثابت قدم ہوتے ہیں''۔

۵- ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی مصیبت ان پر آن پڑتی ہے تو ان کی زبان پر یہ صدا ہوتی ہے کہ ، انا لله و انا الیه راجعون ، (ہماری زندگی اور موت ، رنج و غم جو کچھ بھی ہے سب اللہ ہی کے لیے اور ہم سب کو بالآخر مرنا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے)''۔

گفتگو میں لہجہ کا انداز : جو آیہٴ: و لا تصعرخدک[1] للناس (۳۱ : ۱۸) کو نظر انداز نہیں کرتے ہیں۔

بخل سے اجتناب : آیہ : ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون[2] (۵۹ : ۹) انہی کے حق میں وارد ہے۔

فحش باتوں سے پرہیز: جو آیہ : ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا و الآخرۃ[3] الخ (۲۴ : ۱۹) کےمطابق ایسے مومن ہیں کہ اس فاحش سے اپنے دامن کو آلودہ نہیں ہونے دیتے۔

کبائر سے اجتناب: اور آیہٴ: والذین یجتنبون کبائر الاثم و الفواحش و اذاما غضبواھم یغفرون[4] (۴۲ : ۳۷) کے مطابق نہ صرف لچی باتوں بلکہ دوسرے دوسرے کبائر سے بھی اپنا دامن بچائے رکھتے ہیں۔

عفو و ترحم: اور آیہ: والکاظمین الغیظ و العافین عن الناس (۳ : ۱۳۴) نے انہیں اپنے سایہٴ عفو و رحمت میں لے رکھا ہے۔

ناحق بدظنی: اور جو آیہٴ: اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا! ایحب احد کم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکر ھتموہ[5] (۴۹ : ۱۲) کے مطابق نہ تو ایک دوسرے پر ناحق بدگمان ہوتے ہیں اور نہ ایک دوسرے مسلمان کے اندرون خانہ کی جستجو ان کا شیوہ ہے۔

منع رشوت: اور جو آیہٴ: ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا ابھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال بالاثم[6] (۲ : ۱۸۸) کی ہدایت سے متاثر ہو کر مقدمہ بازی

---

[1] ”اور لوگوں سے بے رخی نہ کر“۔

[2] ” اور بخل تو سب ہی کی طبیعتوں میں ہوتا ہے مگر جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح یاب ہوں گے“۔

[3] ”جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں لچی باتوں کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا میں عذاب دردناک ہے اور آخرت میں (بھی)۔ اور (ایسے لوگوں کو) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے“۔

[4] ”اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جب ان کو غصہ آجاتا ہے تو (لوگوں کی) خطاؤں سے در گذر کرتے ہیں“۔

[5] (”لوگوں کی نسبت) بہت شک کرنے سے بچتے رہو کیونکہ بعض شک (داخل) گناہ ہیں اور ایک دوسرے کی ٹٹول میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں ایک کو ایک پیٹھ پیچھے برا کہے۔ بھلا تم میں سے کوئی (اس بات کو) گوارا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ یہ تو یقینا تم کو گوارا نہیں (تو غیبت کیوں گوارا ہو) کہ یہ بھی ایک قسم کا مردار کھانا ہے“۔

[6] ”اور دیکھو! ایسا نہ کرو کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھاؤ اور نہ ایسا کرو کہ مال و دولت کو حاکموں کے دلوں تک پہنچانے کا (یعنی اپنی طرف مائل کرکے دوسروں کے مال کا کوئی حصہ ناحق حاصل کر لو“۔

مین رشوت دہی سے اپنا حق حاصل کرنے کی سعی نہیں کرتے ۔

ترک حسد: اور جو آیہ ٔ: ولا یغتب بعضکم بعضاً[1] (۴۹ : ۱۲) کی نہی سے متاثر ہو کر ایک دوسرے کا حسد کرنے سے یک طرف ہیں ۔

ترک فریب: اور جو آیہ: ویل للمطففین الذین اذ اکتالوا علی الناس یستوفون و اذا کالو هم اووز نوهم یخسرون[2] (۸۳ : ۱ تا ۳) کے ایسے پابند جو کسی کے ساتھ مکر و فریب سے پیش نہیں آتے

یاوہ گوئی کی مذمت: اور جو آیہ ٔ: عن اللغوهم معرضون[3] (۲۳ : ۳) کے منطوق! اور خود کو ہر قسم کی بے ہودہ گفتگو سے دور رکھتے ہیں۔

ہجو کرنے سے نہی: اور آیہ یا ایهاالذین آمنوا لایسخر قوم من قوم عسی ان یکونواخیراً منهم ولانساء من نساء عسی ان یکن خیراً منهن ولاتلمذو انفسکم ولاتنابزوا بالالقاب ٔ! بئس الاسم الفسوق بعد الایمان! و من لم یتب فاولئک هم الظالمون[4] (۴۹ : ۱۱) کی ہدایت فرمائی سے متاثر ہو کر کبھی مومن کی منفعت نہیں کرتے۔

اسلامی اور تاجرانہ اخلاق میں تفریق: جیسا کہ ابھی ابھی ذکر کیا گیا ہے وہ برگزیدہ صفات جن کا تعلق تہذیب نفس اور حسن کردار کے ساتھ ہے قرآن کے اخلاق نظام نے ان میں سے ایک ایک صفت کو اپنے دامن میں لے رکھا ہے ۔ اس نظام میں ایمان باللہ اساس ہے کیونکہ اخلاق کی نمو و بقا ایمان باللہ کے بغیر نہیں ہو سکتی ۔ اسی ایمان باللہ کے پرتو میں روح (انسانی) آلائشوں سے منزہ ہو کر از خود نیکی کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ بخلاف ازیں اگر انسان کے سامنے محض مادی منافع اور تبادلہ ہو تو ایسا شخص اخلاق کو بھی حسن معاملت کے ساتھ سودا بازی کے طور پر استعمال کرے گا اور جہاں اپنی منفعت میں خسارہ پائے گا دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنے سے اس کا ہاتھ خود بخود رک جائے گا کیونکہ تاجرانہ اخلاق کی تہ میں جلب منفعت کے سوا کوئی اور مقصود نہیں ہوتا ۔ یہی سبب ہے کہ ایسے افراد کے دل اور زبان ایک دوسرے سے متفق نہیں رہ سکتے ۔ زبان پر حفظ امانت اور ادائے حقوق کے قصائد مگر دل میں مقابل کی جیب کتر لینے کے مسودے! ہاتھ میں ایسی ترازو جس کی تول خریدار کے حق میں سراسر خسارہ مگر اپنا نفع ازل سے مد نظر!

اخلاق کا یہ انداز دور حاضرہ کے تمدن میں پوری طرح گھل مل گیا ہے ۔ بارہا سنا جاتا ہے کہ فلاں شہر میں خلفشار پیدا ہو رہا ہے ۔ جب اسباب تلاش کیے

---

[1] ۱۔ ”ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو“۔

[2] ۲۔ ”کم دینے والے کی (بڑی ہی) تباہی ہے کہ لوگوں سے ماپ کر لیں تو پورا پورا لیں اور جب ان کو ماپ کر یا ان کو تول کر دیں تو کم دیں“ ۔

[3] ۳۔ ”اور جو لوگ نکمی باتوں کی طرف رخ نہیں کرتے“۔

[4] ۴۔ ”مرد مردوں پر نہ ہنسیں۔ عجب نہیں کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو ، نہ ایک دوسرے کو نام دھرو۔ ایمان لائے پیچھے بد تہذیبی کا نام ہی برا ہے اور جو (ان حرکات سے) باز نہ آئیں تو وہی (خدا کے نزدیک) ظالم ہیں“۔

جاتے ہیں تو تہ میں صرف مال و دولت اور جاہ و منصب کی کشمکش ہوتی ہے۔ ان فسادات کی ذمہ داری جن افراد کے سر ڈالی جاتی ہے بظاہر وہی لوگ معاشرہ میں ممتاز اور حسن اخلاق میں سند یافتہ سمجھے جاتے ہیں لیکن ان کا یہ رکھ رکھاؤ حقیقت میں محض نمایشی ہوتا ہے کہ جہاں سود و زیاں میں کشمکش دیکھی اخلاق کا دامن جھٹک کر منافع کے انباز پر ڈھیر ہو گئے۔ ان میں بعض افراد ایسے چھپے رستم ہیں جو علانیہ خود کو رسوائی سے بچائے رکھتے ہیں مگر در پردہ برائی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور بعض ایسے زود پشیمان کہ اپنی رسوائی کا چرچا عام ہو جانے کے خوف سے خود کشی کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ موجودہ دور تہذیب میں یہ کردار ہر متمدن قوم پر حاوی ہے۔ جس اخلاق کا پس منظر صرف حصول منفعت ہو جہاں نفع میں زوال دیکھا دولت اخلاق جواب دے گئی۔

اخلاق بر بنائے ایمان: مگر جو اخلاق قرآنی ہدایت کے مطابق ایمان باللہ اور عقیدہ یعنی اخلاق برائے اخلاق پر مبنی ہو اس پر کسی قسم کے خسارے کا خوف موثر نہیں ہو سکتا۔ ایسے افراد کا پس منظر حسن نیت ہے جو نفع و نقصان میں یکساں سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے جو شخص لاٹری کا ٹکٹ اس نیت سے حاصل کرتا ہے کہ اس رقم میں سے ایک چیز خیراتی شفاخانہ کی نذر بھی کر دے گا تو ظاہر ہے کہ اس سودے میں خیرات و احسان پیش نظر نہیں بلکہ اپنی منفعت مقدم ہے، ضمناً اس کا ایک جزو شفا خانے کے لیے بھی سہی!

ایسے شخص کے مقابلہ میں ایک کریم النفس ہے ان لوگوں کی جستجو میں سرگرداں جنھیں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے میں شرم دامن گیر ہے مگر حالات کا تقاضا ان کے حال تباہ کی غمازی کر رہا ہے۔ یہ شخص ان کی دست گیری کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیتا ہے۔ ایسے فرد کی خیرات کس قدر حسن نیت پر مبنی ہے!

اسی طرح جو شخص قانون کی زد سے بچنے کے لیے عدالت کے سامنے جھوٹ بولنے سے گریز کرتا ہے مگر دوسرا فرد صدق مقال کی عصمت قائم رکھنے کی خاطر سچی گواہی دیتا ہے ان دونوں کا فرق ظاہر ہے۔ اس لیے جس اخلاق کی نمایش سود و زیاں کے انداز میں ہو نہ کہ شرف انسانیت کی بقا قائم رکھنے کی غرض پر مبنی تو ظاہر ہے کہ دوسری قسم ایمان باللہ کے بغیر مستحکم نہیں ہو سکتی۔

شراب اور جوئے کی حرمت: قرآن عقل کے صحیح استعمال کا محرک ہونے کی بنا پر ایسے امور سے بہ شدت منع کرتا ہے جو عقل پر اثر انداز ہوتے ہیں اور قرآن ایسے امور سے از راہ ایمان و اعتقاد منع فرماتا ہے۔ ان کاموں میں شراب اور جوا دونوں ایسے موثرات ہیں جنھیں قرآن نے ”ناپاک اور شیطانی عمل“ سے تعبیر فرمایا۔ بظاہر ان دونوں میں منفعت کی جھلک بھی پائی جاتی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے کہیں زیادہ ہے جس کی وجہ سے دونوں سے کلیہ دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جواری کا دھندا ملاحظہ ہو۔ ضیاع اوقات اور اخلاقی قدروں سے تجاوز اس کا نتیجہ ہے۔ اور شرابی کا؟ ادھر نشہ سر پر سوار ہوا ادھر حواس الوداع۔ ہوش میں جن امور کو رذیل سمجھ کر ان کے قریب نہ پھٹکتا تھا وہی کام نشے میں مرغوب خاطر ہیں۔

شراب اور جوا مسلمان کے امہ" وسطاً بننےمیں مانع ھیں: قرآن نے جو اخلاق نظام پیش فرمایا ھے اس میں انسان کے لیے دنیا کی نعمتوں سے کنارہ کشی نہیں ۔ قرآن کا یہ مقصود نہیں کہ انسان کو رھبانیت کے چکر میں گھیر کر اسے اسرار کائنات پر غور و فکر کی نعمت سے محروم کر دے مگر شراب اور جوا انسان کو خواھشوں کا ایسا پرستار بنا دیتے ھیں جس سے ایسے تصورات ان کی لوح فکر سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ھیں ۔ قرآن اعتدال کے ساتھ اخلاق نظام کی دعوت پیش کر رھا ھے تاکہ انسان اپنا صحیح موقف حاصل کر سکے یعنی مسلمان کو ”امہ" وسطیٰ“ بننے کا جو موقعہ دیا گیا ھے اس کے لیے کوشش جاری رکھے جو شراب اور جوئے ایسے دھندوں میں ڈوبا رھنے سے نہیں مل سکتا ۔

قرآن ھمیں کائنات اور مخلوق خدا میں غور و فکر کرنے کی بابار تاکید فرماتا ھے ۔ کبھی ھلال نو پر، کبھی شمس و قمر میں، کبھیں دن اور رات پر، گاھے زمین اور اس کی پیداوار میں، افلاک اور ان کی آرائش ستارگان کی طرف، دریاؤں اور ان کے سینے پر تیرنے والی کشتی اور جہازوں پر جو ھمارے سفر اور تجارت کا ذریعہ ھیں، چوپایوں کی حکایت سے جن پر سواری اور ان میں ھماری شان و شوکت کا سامان ھے اور علوم و فنون میں ۔ الغرض کائنات کی ان گنت نعمتوں کا باربار اعادہ و تکرار تا کہ ان چیزوں پر غور کر کے ھم مادی منافع بھی حاصل کر سکیں ۔

شراب اور جوا اور اقتصادی نظام: اور ان نعمتوں پر خالق ھر دوسرا کا شکریہ بھی ادا کر سکیں جن پر عقل کی رھنمائی کے بغیر دست رس نا ممکن ھے اور بالآخر یہی غور و فکر اور تعقل ھمارے اقتصادی سود و بہبود پر منتج ھو سکتے ھیں ۔

سود کی حرمت: اگر اقتصادی نظام کی اساس اخلاق و شرف پر قائم ھو تو وہ بنی نوع بشر کی آسایش کا صحیح مبنیٰ ھوگی اور انسان کی نحوست کا ستارہ خود بخود ماند پڑ جائے گا ۔ قرآن کا یہ نظریہ انسان کو عقیدہ اور ایمان کی قوت سے فضائل اخلاق کی طرف مائل کرتا ھے تاکہ دنیا بد بختی اور شقاوت سے پاک ھو جائے ۔ جو شخص اس نظریہ پر عمل پیرا ھوگا وہ سود جیسی بے برکت تجارت کو جس کے ھاتھ میں موجودہ اقتصادی نظام کی باگ ڈور ھے ایک لمحہ کے لیے گوارا نہ کرے گا ۔ اسی وجہ سے قرآن نے ربا (جس نے ھر طرف شقاوت پھیلا رکھی ھے) کو قطعاً حرام قرار دیا ھے ۔

سود خوری کا انجام:

الذین یاکلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس (۲:۲۷۵) ۔

جو (لوگ حاجت مندوں کی مدد کرنے کی جگہ (الٹا ان سے) سود لیتے اور اس سے اپنا پیٹ پالتے ھیں (یاد رکھیں ان کے ظلم و ستم کا نتیجہ ان کے آگے آنے والا ھے) ۔ وہ کھڑے نہیں ھو سکیں گے مگر اس آدمی کا سا کھڑا ھونا جیسے شیطان کی چھوت نے باولا کر دیا ھو (یعنی مرگی کا روگی ھو) ۔

ایک اور آیت میں سود اور زکوۃ :

وما آتیتم من ربا لیربوا من اموال الناس فلا یربوا عنداللہ وما آتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون (۳۰ : ۳۹) -

اور (یہ) جو تم لوگ سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں بڑھوتری ہو تو وہ (سود) خدا کے ہاں (پھولتا) پھلتا نہیں (یعنی اس میں برکت نہیں ہوتی) اور (وہ) جو (محض) خدا کی رضا جوئی کے ارادے سے زکوۃ دیتے ہو جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہی اپنے دیے کو خدا کے ہاں بڑھا رہے ہیں۔

سود کی حرمت تمدن کا ایسا رکن ہے جس پر تمام عالم کی آسایش منحصر ہے، مثلاً ربا کی ادنی ترین صورت یہ ہے کہ صاحب مال خود کوئی مشقت کیے بغیر اپنے مدیون کی کمائی سے ایک معین رقم وصول کر لیتا ہے اس لیے کہ اس نے غریب کو چند روپے قرض عنایت فرما دیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ دائن خود کاروبار کرنے کی صلاحیت سے معرا نہ ہوتا تو دوسرے کو اپنی رقم کیوں دیتا (وہ خود کام کر ہی نہیں سکتا) اور کام کی صلاحیت سے محروم ہونے کی وجہ سے اگر اپنا راس المال دوسرے کو سود پر نہ دیتا تو ایسے نکھٹو کی دولت رفتہ رفتہ تلف ہی تو ہوجاتی - بہتر صورت یہ تھی کہ سرمایہ‌دار متعین منافع مقرر کرنے کی بجائے ایسے محنت کش کے ساتھ سود و زیاں دونوں میں حصہ‌دار ہوتا - سود مدیون کے لیے ایسی مصیبت ہے کہ کاروبار میں خسارہ کی صورت میں غریب کو اصل کے ساتھ سودخوار کی مقررہ شرح بھی ادا کرنا پڑتی ہے اور سود کے اسی نقص کی وجہ سے شریعت نے اسے کلیتاً حرام کر دیا -

”اجارہ“ اور سود میں تفریق: اگر معترض یہ کہے کہ روپیہ بھی زمین یا سواری کی طرح ”اجارہ“ پر لیا دیا جا سکتا ہے اور مال دار اس پر جو منافع مقرر کر دے وہ ”اجارہ ہی ہے“، تو یہ اعتراض عقل کے خلاف ہے کہ روپیہ مال ”مثمر“ (یعنی اس کی محض ذات منفعت رساں) نہیں، اسے یا تو خرچ کیا جاسکتا ہے یا اندوختہ، نہ کہ آراضی اور سواری کے جانور وغیرہ کی مانند اس کی ذات نفع رساں ہے، روپیہ کی نسبت اس قسم کا حسن ظن بے وقوف یا مجنوں ہی رکھ سکتے ہیں جو اس کے استعمال سے ناواقف ہیں، البتہ اسے مضاربت پر دیا جا سکتا ہے جس میں نفع اور نقصان دونوں کا امکان ہے مگر روپیہ کے سوا دوسری چیزوں میں خسارہ کا بہت کم احتمال ہے اور یہ احتمال عام دستور کے مطابق مضاربت کا مانع نہیں اور جہاں اس قسم کی صورت رونما ہو ارباب قانون اس پر فریقین کے درمیان مناسب تصفیہ کر دیتے ہیں جس میں صاحب مال اور مستاجر دونوں کو زیر بار کیا جاتا ہے نہ صرف مستاجر کو۔

لیکن سود؟ مثلاً سات یا نو فی صدی یا اس سے کم و بیش پر لین دین ہوا جس کے نتیجہ میں قرضدار ہی گھاٹے میں رہے گا جس میں یہ صورت اور بھی ہولناک ہے کہ خسارہ اصل رقم کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا - مگر مقروض پر واجب ہے کہ مالدار کے حضور اصل رقم اور سود دونوں پیش کرے۔ اخلاقی طور پر یہ صورت کس قدر افسوس ناک ہے جس کا نتیجہ برادری اور باھمی محبت کی بجائے دشمنی اور کینہ جوئی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا اور اسی کی بدولت موجودہ دور نہایت مہلک بحران میں گرفتار ہے -

جب سود کی معمولی نقصان دہ قسم کا یہ ہولناک نتیجہ ہو تو اس کی دوسری اقسام کا اثر کیا ہوگا؟ مثلاً ضرورت مند نے تجارت کے سوا دوسرے اخراجات یا اہل و عیال کے نان و نفقہ کے لیے سودی قرضہ لیا تو اس کی ادائیگی کہاں تک کر سکے گا ما سوائے ازیں کہ غیب سے کشائش کا امیدوار ہے کہ اگر کچھ ہاتھ لگ جائے تو ادا کر دے۔ قرآن نے قرض کی ادائیگی کو فرض بھی قرار دیا ہے لیکن ایسے مقروض کو کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا؟ اس قسم کا یہ سود وحشیانہ تو نہیں؟ سود مردم کشی کا مترادف تو نہیں؟ اس قدر معیوب طریقہ کہ مالدار سود کے نام سے لوگوں کے مال ہتیا لینے کا جرم کرتے ہیں۔ خداوندا! ایسا قبیح سرقہ! قانون پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو چور کی سی سزا دے بلکہ اس سے بھی زیادہ سزا۔

سود اور استعمار: موجودہ دور کی ہمہ گیر اور مشہور ترین گرفت استعمار سود ہی کا ثمرہ ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ سرمایہ دار ملک کسی غریب خطہ کو تاک لیتا ہے اور اپنے لگے بندھوں میں سے دو دو چار چار دولت مندوں کو اس خطہ میں چپ چاپ بھیج دیتا ہے جو وہاں کے نادار باشندوں کو سودی قرضہ دینا شروع کر دیتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کی آمدنی کے ذرائع پر قابض ہو جاتے ہیں۔ جب مقروض طبقہ کروٹ لیتا ہے تو اپنی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ جونہی لوگ ان پیران تسمہ پا سے نجات کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کرتے ہیں، ان کے بھیجنے والی حکومت اپنی رعایا کے ''تحفظ حقوق'' کا نعرہ لگا کر الٹا اس خطہ پر دوڑ پڑتی ہے اور بالآخر ان کا تسلط قائم ہو جاتا ہے۔ اب سے اس خطہ کے باشندے اور قدیم حکمران ان بیاجیوں کو بھیجنے والوں کی رعایا اور وہ ان کے بادشاہ بن جاتے ہیں جس کے بعد ملک کے اصلی باشندوں کی غیرت بے حیائی سے بدل جاتی ہے اور ایمان غفلت کی نذر ہو کر برسوں کے لیے منہ ڈھانکے پڑا رہتا ہے۔ لیکن جو قومیں زوال و نکبت کے مآل کو سمجھتی ہیں وہ سودی قرضہ کا لین دین کرنے سے دور رہ کر اپنے ایمان اور مآل دونوں پر خود ہی قابض اور مسلط رہتی ہیں۔

''استعمار'' جنگوں کا مصدر اور شقاوت کا ایسا بوجھل طومار ہے جس کے بوجھ تلے آج انسانیت سسک سسک کر دم توڑ رہی ہے۔ یہ سود کا پروردہ ہے۔ سود اور یہ دونوں جور و ظلم کی تیغ براں۔ جب تک دونوں میں سے ایک کا ہیولیٰ موجود ہے انسان محبت اور اخوت کا منہ نہیں دیکھ سکتا اور اس کا استیصال اس وقت تک ناممکن ہے جب تک معاشرہ قرآنی بنیادوں پر قائم نہ ہو — وہ قرآن جو وحی کی صورت میں نازل ہوا۔

اسلامی اشتراکیت: قرآن بجائے خود اشتراکیت کا حامی ہے مگر اس کی اشتراکیت کے سائے میں نہ تو جنگوں کی ہاہمی ہے نہ ایٹم اور اکسیجن بموں کی غارت گری، نہ اس کے ہاں اجارہ داری (''استعمار'') میں جکڑنے کے داؤ پیچ ہیں جو مغربی اشتراکیت کا جزو لاینفک ہیں۔ قرآنی اشتراکیت ایسی اخلاق سربلندی ہے جس کے سائے میں مختلف ملکوں کے رہنے والے ایک دوسرے کی اخوت و برادری سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ایک خطہ کے باشندے دوسرے وطن میں رہنے والے مسلمانوں کی کفالت اور دونوں باہم تعاون میں کس قدر پیش پیش رہتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے کے ساتھ اس کی سرکشی اور معصیت میں اعانت کا ہاتھ نہیں بڑھا سکتے (تعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان — ۵ : ۲)۔ قرآنی اشتراکیت کا ایک حرف نظام صدقہ و زکوۃ کی شکل میں ہے جس (زکوۃ) کی ادائیگی اس (قرآن) کے ماننے والوں پر فرض

ہے اور جس (زکوۃ) کا نتیجہ وہ اشتراکیت نہیں جس کے نام پر ایک جماعت ماتحت طبقہ کو اپنی قوت سے بے بس کر دے۔ قرآنی تمدن میں قوم یا فرد دونوں میں سے کسی جزو کو دوسرے جزو پر تفوق نہیں۔ یہاں باہم دگر ایسی برادرانہ مساوات کا درجہ حاصل ہے کہ تمدن حاضرہ کے دربار میں جس کی پذیرائی ناممکن ہے اس لیے کہ وہاں (مغرب میں) وقتی مصالح پر ایمان ہے جن کی پابندی کے بغیر ان (مصالح) کا استحکام محال ہے مگر یہاں ایمان کی متابعت ہے جس کا ثمرہ اخوت و برادری ہے۔ الٰہی! دونوں کا پس منظر کس قدر مختلف ہے!

اور ایسا ایمان جس کی متابعت سے مومن اس قدر جری ہو جاتا ہے کہ اگر بس میں ہو تو ضرورت مند سائل اور سوال کرنے سے اپنا دامن سمیٹے رکھنے والے دونوں قسم کے محتاج کی ضروریات خوراک (م — جسے اشتراکیت کی بولی میں ''روٹی''، کہا جاتا ہے) لباس، رہایش، معالجہ، تعلیم اور رکھ رکھاؤ (یعنی تہذیب) ہر ایک میں ان کی اعانت لازم! اور بغیر تاخیر لازم۔ اور اپنے دل یا زبان سے کسی قسم کا احسان و کرم جتائے بغیر اس کی پابندی کرتا رہے کہ ایسی سبقت خدا کی دین پر اظہار تشکر ہے اور حقیقی عطا کنندہ کا شکریہ اخلاقاً واجب۔ یہ بھی قرآن ہی کی تعلیم ہے بایں مقصد کہ جماعت کے پس ماندہ طبقہ کو اس سطح کے قریب تر لایا جا سکے جس پر زکوۃ عطا کرنے والا فائز ہے۔

قرآنی اشتراکیت میں حق تملیک: قرآنی اشتراکیت حق تملیک پر اس طرح کا قبضہ نہیں کرتی جو کچھ عرصہ تک مغربی اشتراکیت کا مایۂ فخر رہا ہے حتی کہ روسی بالشویک کے اکابر کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ حق تملیک پر کلی تصرف غیر ممکن ہے، البتہ املاک کے منافع و پیداوار میں عوام کا اشتراک ضروری ہے مگر ریاست اس امر کی مجاز نہیں کہ عوام کے منافع کی غرض سے ایسا قانون جاری کرے جس کی رو سے حق تملیک کلیۃً سلب ہو جائے۔

اصحاب نبی میں اشتراکیت کا تصور: ان حضرات میں اس نقطۂ خیال کے مطابق دو مختلف تصورات تھے:

(الف) وہ غالی حضرات جو تملیک کے قطعاً خلاف اور نہ صرف پیداوار بلکہ پیداوار کے مصادر و منابع پر بھی عوام کے تصرف و دخل در آمد کے موید تھے۔

(ب) آراضی پر بھی دوسرے ''عروض''۔ (خرید و فروخت دونوں کے قابل) کی طرح حق تملیک حاصل ہے۔

مگر یہ دونوں فریق اختلاف رائے کے باوجود یورپ کے موجودہ اشتراکی تقسیم اموال کے طریق پر اس انداز سے متفق تھے کہ:

(الف) مشترکہ مفاد کے لیے اموال کا جمع کرنا ہر فرد کا ذمہ ہے۔

(ب) مشترکہ خزائن میں سے معاشرہ کے ہر ضرورت مند کی کفالت نگران بیت المال کے ذمے ہے۔

اس لیے ہر مسلمان کو حق حاصل تھا کہ جب تک خود اپنا تکفل نہیں کر سکتا اس کی ضروریات بیت المال سے پوری ہونا چاہییں اور جو حضرات بیت المال کے منتظم تھے ان پر یہ ذمہ داری کہ ایسے خستہ حال افراد کی کفالت نظر انداز نہ ہونے دیں۔

قرآن کے جس دستور معاشرہ کا ہم نے تذکرہ کیا عقل مند اس کی تکذیب نہیں کر سکتا ۔ نہ یہ دعویٰ صحیح ہے کہ ایسا دستور مسلمانوں کے صدر اول میں تو واقعی مقبول و محمود ہو سکتا تھا لیکن موجودہ دور میں اس کی افادیت موثر نہیں ہو سکتی اور نہ ایسا ادعا قابل تسلیم کہ یہ دستور پورے معاشرہ کا احاطہ نہیں کر سکتا ۔

ایسے معترض ذرا پیچھے مڑ کر دیکھیں کہ صدر اول میں مسلمانوں کے امیر ان کے حالات سے کس حد تک با خبر رہتے، نہ کوئی ضرورت مند ان کی نظر سے اوجھل رہ سکتا اور نہ وہ خستہ حالوں کی پرسش سے بے نیاز رہتے ۔

اسلامی اشتراکیت پر غور کرنے سے احساس ہوتا ہے کہ وہ روسی اشتراکیت کی مانند تقسیم اموال کی سرحد پر پہنچ کر دم نہیں توڑ دیتی ۔ اس (اسلامی) کی اشتراکیت کے ڈانڈے جو اخوت اور روحانی زندگی کی حدوں کو چھو رہے ہیں ان کی برکت و پذیرائی سے انسان اخلاق اور اقتصادی بہبودی دونوں قدروں پر فائز ہو جاتا ہے مثلاً اسلامی دستور اشتراکیت کی یہ شق کہ

حدیث—یحب لاخیه— میں اشتراکیت کی تعلیم :

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه (الحدیث) ۔	شرط ایمان یہ ہے کہ مومن وہی کچھ دوسرے مومن کے لیے پسند کرے جو اسے اپنے لیے پسند ہے ۔

اس کے وہی معنی ہیں کہ اگر مومن اپنا شکم بھرے اور دوسرے بھائی کی ''روٹی'' کا خیال اسے نہ رہے تو ایسا شخص مومن نہیں رہا ۔ اسلامی دستور اشتراکیت کے مطابق یہ شخص جو دوسروں کی ''روٹی'' کی فکر سے بے نیاز ہے قرآنی دستور اشتراکیت کے مطابق اس کے لیے یہ تہدید فرمائی گئی ۔

آیۂ ارایت الذی میں :

ارایت الذی یکذب بالدین فذالک الذی یدع الیتیم ولا یحض علی طعام المسکین (۱۰۷ : ۱ تا ۳) ۔	(اے پیغمبر) بھلا تم نے اس شخص کے حال پر (بھی) نظر کی جو (روز) جزا کو جھوٹ سمجھتا ہے اور (اسی سبب سے) یہ شخص ایسا سنگ دل ہو گیا ہے کہ یتیم کو دھکے دے دیتا ہے اور مسکین کو آپ کھانا کھلانا تو درکنار لوگوں کو بھی اس کے کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا ۔

اور قرآن نہ صرف تقسیم و اعطائے ظاہری بلکہ در پردہ و علانیہ بحسب مصالح ہر دو صورت میں غریبوں کی ''روٹی'' کا خیال رکھتا ہے بمقصد آیاتے :

ان تبدوا الصدقات : الخ ؛

ان تبدوا الصدقات فنعما ھی و ان تخفوھا و توتوھا الفقراء فھو خیر لکم (۲ : ۲۷۱) ۔	اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا (کہ اس سے خیرات کے علاوہ دوسروں کو بھی ترغیب ہوتی ہے) اور اگر اس کو چھپا کر دو اور حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے ۔

و بمطابق !

آیہ : الذین ینفقون اموالھم :

الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا و علانیہ فلھم اجرھم عند ربھم (٢ : ٢٧٥) -

جو لوگ رات اور دن چھپے اور ظاہر اپنے مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں تو ان کے دیے کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں ان کو ملے گا -

اس قسم کی اشتراکیت میں ایثار کی بدولت انسان کا ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے جس کا ثمرہ اسے تقرب و رضائے پروردگار کی صورت میں حاصل ہوتا ہے اور قلب کے سکون و طمانیت سے اسے خود پر رشک آنے لگتا ہے۔

خداوند عالم نے انسان کی کسی حالت اور نعمت کے اعتبار سے ایک دوسرے کا ہم مثل نہیں بنایا - کسی امر میں ایک کو دوسرے پر فوقیت ہے اور اس دوسرے کو کسی وجہ سے پہلے پر تفوق -

اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر (١٣ : ٢٦) -

اللہ جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے نپی تلی کر دیتا ہے۔

بایں سبب درجات میں برابری قائم رکھنے کی غرض سے اسلام نے پابندی عائد فرما دی کہ چھوٹے بڑے دونوں ایک دوسرے کی توقیر نظر انداز نہ ہونے دیں - بزرگ چھوٹوں پر سبقت فرمائیں اور توانگر مفلسوں کی دست گیری کے لیے ہاتھ پھیلائے رکھیں جو خدا کی عطا فرمودہ نعمتوں پر اظہار شکر ہے نہ کہ ایک دوسرے پر احسان و کرم -

قرآن میں ترکہ و وصیہ و معاملات و تجارت کے فوائد : قرآن نے اقتصادی نظام کے مختلف پہلوؤں از قسم ترکہ و وصیہ و معاملات اور تجارت پر جس انداز سے رہنمائی فرمائی ہے اگر ان کے فقہی اور اقتصادی فوائد پر قلم اٹھایا جائے تو ایک مستقل کتاب ہو جائے گی - اتنا کافی ہے کہ ان معنوں میں دنیا کا کوئی قانون اس کے مقابلہ میں پورا نہیں اتر سکتا بلکہ اسلام کے تجارتی اصولوں سے قطع نظر اگر لین دین (قرضۂ محض) کے انداز تحریر و تمسک و شہادات پر نظر کی جائے یا زوجہ و شوہر کے باہم اختلاف پیدا ہو جانے پر دونوں کے تجدید تعلقات کے لیے فریقین کے ایک ایک صاحب فراست کا مل کر انہیں سمجھانا تاکہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ان میں دائمی تفرقہ پیدا نہ ہو جائے ، یا مسلمانوں کے ایسے دو گروہوں کے درمیان جو ایک دوسرے پر تلواریں سونت کر امنڈ پڑنے کے قریب پہنچ چکے ہیں اور مصالحت کی بجائے قتال پر کمر بستہ ہو گئے ہیں صلح و آشتی کی سعی کرنا ، تو امن قائم کرنے کے لیے مظلوم فریق کی نصرت ، قرآن کے یہ اصول پڑھنے سے حیرت ہوتی ہے کہ اس آسمانی صحیفہ نے معاشرہ کے لیے کیسے کیسے مفید قوانین پیش فرمائے ہیں۔

پس اگر ہم اس کتاب سے سود خواری کی مذمت اور اسلامی اشتراکیت کی برتری پیش کرتے ہیں تو کون سا طرفہ ہے جس سے انکار کیا جا سکے جب کہ قرآن میں ایسے قوانین مشرح اور مفصل طریق سے موجود ہی ہوں جن کی قوت و پذیرائی کی صلاحیت کی وجہ سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآن میں انسانیت کے سود و منفعت کا کماحقہ احترام ملحوظ رکھا گیا ہے۔

قرآنی نظام تمدن اور مستشرقین : جیسا کہ ہم نے قرآنی نظام تمدن اور اس کی اساس کی وضاحت کی ہے مستشرقین میں سے بھی بعض اہل قلم اس کی افادیت کے معترف ہیں اگرچہ بعض افراد اس پر اعتراض کرنے میں بھی پیش پیش، مثلاً :

> قرآنی نظام تمدن اس قدر بہتر ہے کہ انسان اپنی فطری پستی کی وجہ سے اس کی پیروی کرنے سے قاصر ہے اس لیے کہ اسے قبول کر لینے کے بعد اس کی زندگی دشوار ہو جائے گی کیونکہ وہ (انسان) امید و بیم اور حرص و ہوا دوگونہ عذاب میں مبتلا ہے۔ آخر وہ حیوان ہی تو ہے۔ اس لیے اسلامی نظام حیات اس کی حیوانیت پر سراسر بار ہے۔ اگر اس میں شبہ کیا جا سکے تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ انسان کو ہوس اور بے جا طمع سے دور رکھنا مقصود ہے تا کہ وہ (انسان) امید و بیم اور حرص سے یک سو زہ کر اپنے لیے اقتصادی منافع حاصل کر سکے جن کے عدم حصول کے نتیجہ کی وجہ سے ایسا نظام قابل قبول نہیں ہو سکتا ۔

اس کی ان حضرات کے سامنے شاید یہ دلیل ہو کہ :

> اسلامی نظام [ہماری پیش کردہ وضاحت کے مطابق] رسول اللہ کے زمانہ اور صدر اول کے بعد خود مسلمانوں کے ہاں جاری نہ رہ سکا ۔ اگر اس میں کماحقہ گہرائی اور پذیرائی ہوتی تو بعد کے ان مسلمانوں میں بھی جاری رہتا جن کی حکومت دنیا کے تمام گوشوں پر قائم ہو گئی لیکن ایسا نہیں ہو سکا بلکہ ان مسلمان حکمرانوں نے اپنے اپنے ہاں جو نظام قائم کیے وہ قرآنی نظام اجتماعیت کے بالکل متضاد تھے اس لیے کہ مسلمانوں کا یہ ادعا کہ قرآنی نظام حیات انسانیت کے لیے کماحقہ نفع رساں ہے خود ان کی تاریخ اس کی تغلیط کر رہی ہے۔

معترض کو تسلیم ہے کہ یہ نظام عہد رسالت اور زمانۂ خلفاء میں کامیاب ثابت ہوا جو اس کے رفع اعتراض پر کافی ہے گویا اس (معترض) کے نزدیک جناب محمد صلعم اپنی ذات میں انسانیت کی رہبری کا کامل نمونہ تھے اور خلفائے راشدین بھی آپ کی پیروی کی بدولت اس درجۂ کمال پر پہنچے کہ عوام ان سے بھی مستفیض ہو گئے۔ کہنا یہ ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد چاروں طرف حسد و کینہ اور عناد و دشمنی کے چشمے ابل پڑے۔ کہیں یہود کی ریشہ دوانیاں ابھر آئیں، کہیں قبائلی عصبیت پھوٹ نکلی جس کی بدولت اس نظام کے اجراء میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ رفتہ رفتہ مسلمانوں پر بھی مادیت نے اپنا تسلط قائم کر لیا اور مسلمان خود اسی حیوانی تغلب کے بوجھ سے دب کر اپنا وقار کھو بیٹھے۔

جناب محمد صلعم اپنی صفات کی وجہ سے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے تمدن و ارتقا کے لیے بہترین رہنما تھے جیسا کہ اس کتاب میں مذکور ہوا کہ آنحضرت نے مسلمانوں میں اخوت کی بنا قائم کر کے انہیں اس راہ پر ڈال دیا ۔ آنحضرت کی مکی زندگی کے مصائب پر نظر ڈالیے جہاں آپ کے ساتھ تمام مسلمان مصائب میں مبتلا تھے اور ان میں رسول اللہ اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوف و ہراس کا ملجا حتی کہ مدینہ میں ہجرت فرمائی جہاں مہاجرین و انصار کے درمیان اس انداز سے بھائی بندی کا رشتہ قائم فرمایا جس کی بدولت دونوں آپس میں یک جان و دو قالب ہو گئے اور اس تمدن کی بنیاد مستحکم ہونے کا وہ مفید ذریعہ جو قرآن نے اجتماعیت

کے طریق پر پیش کیا تھا مسلمانوں میں جاری ہوا۔

مہاجرین و انصار کی مواخات میں ایمان کی قوت نے اور مہمیز دیا۔ حضرت محمد نے جو ''ایمانہ کلہ'' کا مظہر تام تھے غزوۂ بدر میں پروردگار عالم کے حضور جو یہ استدعا پیش کی:

''یا اللہ! تو نے مومنین کی نصرت کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کے پورا کرنے کا یہی دن ہے۔ اے پروردگار عالم! اگر آج وہ شکست کھا بیٹھے تو ان کے بعد تیرا نام کس کی زبان پر آئے گا!''

''بدر'' میں رسول خدا کا یہ کردار خدا کی ذات کے ساتھ دائمی تعلق کر رہا ہے حتی کہ آپ نے یہ تعلق کسی اور غزوہ میں بھی نظر انداز نہ ہونے دیا جو اس امر کا ثبوت ہے کہ آنحضرت کو نزول وحی کے وقفے میں ذات خداوندی سے جس قدر قرب تھا، دوسرے دوسرے اوقات حتی کہ میدان کارزار میں بھی اس کیف و سرور سے محروم نہ رہتے۔ جس دل میں ایمان کی فراوانی ہو اس وجود گرامی پر موت تک کی ہیبت طاری نہیں ہو سکتی۔ ایسے مومنین کے لیے زندگی اور موت دونوں حالتیں یکساں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اک نہ اک روز دنیا چھوڑنا ہی ہے۔ ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہی ہے۔ اگرچہ خود کو بچانے کے لیے کسی چونے گچ کے گنبد میں کیوں نہ بند ہو جائے۔

جناب محمد کے کمال ایمان کا صلہ ہی تو ہے کہ مسلمان حنین (غزوہ) میں دشمن کی یلغار پر ادھر ادھر سہارا ڈھونڈھ رہے تھے۔ جناب محمد صلعم کوہ ہیکل کی مانند اپنی جگہ پر نہ صرف ثابت قدم تھے بلکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی پکار رہے تھے: ''ارے! اس موت کے ڈر سے بھاگ رہے ہو جس سے ایک نہ ایک دن دوچار ہونا ہی ہے!'' اور جناب محمد کے چند ساتھی بھی ان کی مانند آپ کے ساتھ قدم جمائے کھڑے تھے جن کی کمک میں ان کی قوت ایمان کار فرما تھی۔ استدلال یہ ہے کہ معرکۂ قتال کی وحشت ناکی میں یہ رسوخ قدم اسی نیروئے ایمان کا کرشمہ ہے جس کی یاوری سے مرد مومن اپنی تنگ دستی کے عواقب نظر انداز کرکے مفلوک الحال انسان کی کفالت اپنا فریضہ سمجھ لیتا ہے (م—و یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ: ۹:۵۹ کی طرف اشارہ ہے)۔ یہی ایمان لاوارث یتیم کے ساتھ حسن سلوک پر مائل کرتا ہے (م— اشارہ آیۂ: و آتی المال علی حبہ --- والیتمی (۲: ۱۷۲: کی طرف)۔ یہی (ایمان) مرد مومن کو ایسے مسافروں کی آمد آمد پر چشم براہ بنائے رکھتا ہے جن کا زادراہ انھیں جواب دے گیا ہو (آیۂ: و اتی المال علی حبہ --- وابن السبیل: ۲: ۱۷۲: کی طرف اشارہ)۔ یہی ایمان ایسے ضروت مند سائل اور سوال میں حسن طلب (تعفف) کے پابند ناداروں کی کفالت پر آمادہ کرتا ہے (آیۂ و فی اموالھم حق المسائل والمحروم ۵۱: ۱۹ کی طرف اشارہ)۔ جن اعمال کی بدولت مومن کو ''کتاب اللہ'' کی بشارت کے مطابق ترقی کا اعلی مرتبہ نصیب ہوتا ہے (م: آیۂ: ولا تھنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین: ۳: ۱۲۳ کی طرف اشارہ)، جن میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک امر پر بے مثل عمل تھا اور جس کی متابعت میں صدر اول کے مومنین نے حرف بحرف سبقت فرمائی، جس کی بدولت رسول اللہ کی وفات کے بعد کئی سال تک اسلام کا پھریرا ان دور دراز

ملکوں پر بھی لہراتا رہا جہاں کے باشندے صدیوں سے ترک اخوت کی سزا پر ایک دوسرے سے نفاق و عداوت کا شکار ہو کر ضعف نامرادی کا ملجا بنے ہوئے تھے مگر جوں ہی انھوں نے قبول اسلام کے ساتھ ایمان کی روشنی میں اپنی قوت عمل اور سواخات کا رشتہ استوار کیا دنیا کی طاقتور قوموں میں شمار ہوئے کیونکہ اسلام کی رہنمائی انسان کو اسرار کائنات کے قریب لے آتی ہے۔ گذشتہ صدیوں کے ان مسلمانوں کا تمدن عہد حاضر کی ان قوموں کو شرما رہا ہے جو آج اپنے ارتقا کے غرور میں دوسری قوموں کو خاطر میں لانے کے روادار نہیں۔ حالانکہ انھوں نے یہ ارتقاء ایمان بیچ کر مادیت حاصل کرنے کے لیے حاصل کیا ہے جس کی بدولت انھیں بمشکل یہ عارضی فروغ بھی حاصل ہو سکا جس فروغ سے انسانیت ایسے بحران میں مبتلا ہے کہ مغرب کی یہ متمدن قومیں ہر وقت اپنے آپ کو خطرے میں گھرا ہوا پاتی ہیں۔

علمائے سوء کا تسلط : مصیبت یہ آ پڑی کہ تمدن اسلام پر ایک طرف سے خود داخلی عصبیت (قبائلی) اثر انداز ہوئی ، باہر سے اسرائیلیات نے ہلہ بول دیا اور سب سے زیادہ بد نصیبی یہ کہ علمائے اسلام جو انبیا کے وارث تھے ذاتی وجاہت و مناصب کے شوق میں حق گوئی سے کنارہ کش ہو گئے جس میں دوسروں کو گمراہ کرنے کے بغیر (غلط مسائل بتانے) کامیابی حاصل نہ ہو سکتی تھی۔

موجودہ دور میں اسی قسم کے مدعیان علم و ہوس پر علمائے اسلام کی وہ یادگاریں ہیں جن کی بدولت پورا معاشرہ ذلت و نکبت میں گھرا ہوا ہے۔ ایسے علماء شیطان کے حواری ہیں جن سے بروز قیامت دوسرے تمام عاصیوں سے زیادہ پرسش ہوگی۔ اس لیے ہر وہ شخص جو علوم دین پر حاوی ہے اسے سب سے پہلے انہی سے بغاوت کرنا چاہیے تاکہ اسلام ان کی ریشہ دوانیوں سے پاک ہو کر اپنے صحیح اصل پر آ جائے۔ اس قسم کے علما سر زمین مغرب ہی کے لیے مبارک ہیں جہاں مذہب اور علم دونوں ایک دوسرے سے دست بگریباں ہیں نہ کہ اسلامی ممالک میں جہاں تمدن ، علوم ، اور مذہب سب کے سب ایک دوسرے سے غیر منفک رہنے چاہییں کیونکہ علم مذہب کے بغیر اور مذہب علم سے دامن جھٹک کر کفران نعمت شمار ہوتا ہے۔

اسلامی تمدن جیسا کہ قرآن نے فرمایا ان بادشاہوں کے اثر سے بھی محفوظ نہ رہ سکا جو نام کے تو مسلمان تھے لیکن نہ انھیں اسلامی تمدن سے آگہی تھی نہ وہ اسے خود پر لازم ہی کر سکے۔ اگر ایسے مسلمان بادشاہ عوام کو ان قوانین کا پابند نہ کرتے جو اخوت اسلامی کے خلاف تھے اور رعایا کو اسلام کی بجائے اپنی سلطانی میں نہ جکڑ لیتے تو آج کی دنیا کا نقشہ کسی اور صورت میں ہوتا اور بے بس انسان جس کرب و بلا میں پڑا سسک رہا ہے اس سے دوچار نہ ہوتا۔

یقین ہے کہ موجودہ اہل قلم (مغربی) اگر تعصب سے یک طرف ہو جائیں اور دنیا کے سامنے اسلامی تمدن کو اس کے صحیح نقوش کے مطابق پیش کریں تو ساری دنیا ہمارے آپ کے سامنے اس تمدن اسلام کو خود پر لازم کر لے جس کے اندر ذہن و قلب میں اثر و نفوذ کی پوری استعداد موجود ہے مگر اس مصیبت کو کیا کیجیے کہ جہاں کسی قوم نے اسلام پر توجہ کی یاران طریقت (مغربی اہل قلم) نے انھیں ورغلانا شروع کر دیا تاہم جو اہل علم اسلامی تمدن کے دعوے دار ہیں۔ اگر ایمان کامل اور تزکیہ

قلب سے منور ہو کر دوسرں کے سامنے خدا پرستی اور اپنے تمدن کی دعوت پیش کریں تو یقین کامل کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا عہد نبوت ہی کی طرح اسلام کی دعوت سر آنکھوں پر رکھنے کے لیے لبیک پکار اٹھے اور ہر شخص اسلامی اخوت کی نعمت سے مستفید ہو کر فائز المرام ہو۔

اور جیسا کہ ”مقدمۂ کتاب“ میں لکھا گیا ہے کہ عہد نبوت اور صدر اول میں مسلمانوں کو جو عروج حاصل ہوا بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں نے خود کو جن اخلاقی قدروں سے مزین کر لیا اسی انداز کے مطابق اگر آج بھی ان کی تجدید کی جائے تو دنیا کا موجودہ اقتصادی بحران بلا شبہ اپنی اصلی حالت پر آ سکتا ہے۔

مغربی اہل قلم کی نیش زنی دربارۂ مسئلۂ تقدیر: جب بھی مستشرقین اسلامی تمدن کے مد و جزر پر خامہ فرسائی کرتے ہیں تو مبحث سے ہٹ کر کوئی نہ کوئی ایسا شوشہ چھیڑ دیتے ہیں جس سے خلط مبحث ہو کر موضوع کا رخ پلٹ جائے (کہ: یحسبہ الظمان ماء ـــ ٣٩ : ٩ : م) اور پیاسا سراب کو پانی سمجھ کر اس کی طرف دوڑ اٹھے مثلاً یہ لوگ اسلامی تمدن کی ناہمواری کے لیے مسئلۂ تقدیر کو لے بیٹھتے ہیں جس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ تمدن اسلام کی غیر مقبولیت کو تقدیر کے سر منڈھ دیا جائے۔ مسلمان جس (تقدیر) پر قانع رہ کر ترقی کے ذرایع سوچنے کی زحمت ہی نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قوم دنیا میں یوں ذلیل و خوار نظر آتی ہے (مسئلۂ تقدیر پر ہم دوسری فصل میں بحث کریں گے)۔

خاتمہ ۲

اسلامی تمدن اور مستشرقین

صادق امین عبداللہ محمد ﷺ کلیم اللہ حبیب اللہ نجی اللہ

عزیز حریص علیکم رؤف رحیم طٰہٰ مجتبیٰ

خاتمہ ۲

اسلامی تمدن اور مستشرقین

واشنگٹن ارونگ (WASHINGTON IRVING)

انیسویں صدی (ع) کے مشہور امریکی مستشرق واشنگٹن ارونگ ہیں جن کی ذات پر نہ صرف امریکہ بلکہ مسیحی اقوام کو بجا طور پر فخر ہے۔ موصوف نے سیرت رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کتاب لکھی ہے اس کا ایک رخ اگر ایسے انصاف کا پہلو لیے ہوئے ہے جس سے قلوب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تو اس کا دوسرا رخ ایسے مکروہ انداز کو پیش کرنے والا ہے جس سے پہلی کیفیت بھی نفرت سے بدل جائے۔ کتمان حقیقت اور دروغ بافی کا کوئی پہلو قلم انداز نہیں ہونے دیا۔

مستشرقین کا اسلامی نظریۂ تقدیر پر خود ساختہ تصور : مصنف مذکور نے اس کتاب کے خاتمہ میں جن مسائل کو بحث کا معمل بنایا ہے ان میں دین کے عقائد خمسہ—ایمان باللہ، اقرار ملائکہ، تصدیق کتب ساویہ، تسلیم انبیائے مرسلین اور یوم آخرت—پر یقین کے ساتھ اسی نوع میں چھٹا عنصر ایمان بالقدر کو بھی رکھ دیا ہے۔ واشنگٹن کہتا ہے :

> مسلمانوں کے عقائد [اسلام] میں چھٹا عقیدہ ''تقدیر'' ہے جس پر [جناب] محمد کو اس حد تک اعتماد تھا کہ آپ کی جنگوں میں شرکت اور دلاوری کا محور یہی تقدیر تھی۔ انھیں پورا یقین تھا کہ انسانی زندگی میں ہر پیش آنے والا حادثہ پہلے سے خدا کے علم میں ہے اور آفرینش عالم سے قبل لوح محفوظ پر کندہ۔ انسان کے لیے جس ساعت میں مرنا مقدر ہے اس میں ایک لمحہ کا تقدم و تاخر ناممکن ہے۔ اس لیے انسان کو اپنی جان بچانے کے لیے سعی کرنا ہی نہ چاہیے۔ مسلمان اس عقیدہ کے فریب میں آکر شعلہ بار جنگوں کی آگ میں کود پڑتے کہ اگر شہادت نصیب ہوگئی تو جنت کے لطف اٹھائیں گے اور زندگی مقدر میں ہے تو فتح و نصرت کے نقارے بجاتے ہوئے دنیا پر حکمرانی کریں گے۔
>
> بعد میں یہ عقیدہ ایک نئی شکل میں منضبط ہوا اور اس کے عمل پیرا ''جبریہ'' کہلائے۔ وہ کہتے (اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں) کہ ''انسان اپنے اعمال میں مختار نہیں بلکہ مجبور ہے۔ اس سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں اس کی ذات ان کی ذمہ دار نہیں کہ خدا ہر شے پر قادر ہے اور وہی سب کچھ کرتا کراتا ہے۔'' اس عقیدہ کو بعض مسلمانوں نے خدا کے عدل اور اس کی رحمت کے منافی سمجھ کر اس کی تردید میں پوری قوت صرف کر دی مگر اہل سنت کے فرقوں میں ان کا شمار نہیں کیا جاتا۔
>
> تقدیر پر قانع رہنے کی آیات [جناب] محمد پر بدو رسالت ہی سے نازل ہو رہی تھیں جن کی تجدید ہر اہم موقع پر وحی کے ذریعہ بار بار ہوتی رہتی جیسا کہ غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کی ہولناک تباہی رونما ہوئی—جس میں بے شمار مسلمان لشکریوں کے

ساتھ آنحضرت کے عم بزرگوار حمزہ کے شہید ہو جانے سے بقیۃ السیف مسلمانوں پر خوف و ہراس کے بادل چھا گئے تب —[جناب] محمد نے انھیں خدائی قانون کے انداز میں فرمایا کہ: ”موت کے لیے معرکۂ کارزار اور بستر راحت دونوں برابر ہیں۔“

ظاہر ہے کہ عواقب و نتائج سے بے خبر سپاہیوں کے لیے اس سے بہتر تلقین کیا ہو سکتی ہے کہ اگر جنگ کی لپیٹ میں آ گئے تو مر کر جنت کے لطف اٹھائیں گے اور اگر زندگی مقدر میں ہے تو اموال غنیمت سے بہرہ اندوز ہو کر مزے لوٹیں گے۔

مسلمانوں کے اس عقیدہ نے انھیں یہاں تک جری کر دیا کہ ان کا قوی ہیکل دشمن بھی ان پر غلبہ حاصل نہ کر سکتا۔ دوسرا دور آیا۔ یہی تقدیری تصور کچھ عرصہ بعد ان کے لیے زہر قاتل ثابت ہوا اور ان کی سطوت کا جنازہ نکل گیا جب ان کے خلفاء نے اپنی تلوار میان میں کر لی اور مسلمان جنگ جوئی و جہاں بانی کا شیوہ ترک کر کے پاؤں توڑ کر بیٹھ گئے جو عقیدۂ تقدیر ہی کا کرشمہ تھا۔ بے کار بیٹھے رہنے کی وجہ سے استراحت کی طرف میلان ہوا۔ وہ چن نعمتوں سے لپٹ گئے قرآن نے بھی ان کی اباحت کی اجازت دے رکھی تھی جس (اباحت) میں مسیحیت کے قوانین قرآن سے مختلف ہیں جن کے مطابق ”دنیا کی نعمتوں سے اجتناب“ کمال ایمان کا ذریعہ ہے۔

مسلمانوں نے خود کو تقدیر کے حوالے کر کے اس حد تک مصیبت میں ڈال لیا کہ ان کے نزدیک ذاتی جد و جہد تقدیر کے مقابلہ میں محض بےمایہ ہو گئی۔ اگر مسلمان مشہور کلیہ ”اعن نفسک یعنک اللہ“ (اگر تم خود اپنی مدد کرو گے تو خدا بھی تمھاری امداد کرے گا) پر عمل رکھتے تو ان کی یہ درگت نہ بنتی کہ صلیب ہلال پر غالب آ سکتی، بجز اس کے کہ اگر مسیحی، یورپ میں ابھی تک ہلال (ترکوں کا) وجود نظر آ رہا ہے تو وہ بھی اس لیے کہ:

(الف): یہ مسیحی دول یورپ کی مہربانی ہے،

(ب): یا مغرب کی باہمی پھوٹ کا نتیجہ ہے،

(ج): یا اس مشہور قاعدہ کی تصدیق کے طور پر کہ جو شخص زور شمشیر سے حاصل کرے شمشیر ہی کی قوت سے واپس لی جا سکتی ہے۔“

جواب: حیرت ہے اگر واشنگٹن ارونگ جیسا مرد دانا یہ بات کہے کہ گویا وہ ایسا شخص ہے جسے اسلام کی روح اور اس کے تمدن سے کوئی آگہی نہیں!

مسئلۂ تقدید میں خلط مبحث: مذکورالصدر مستشرق نے قضا و قدر اور موت کے آخری لمحے کی تعیین کو زیر بحث لا کر ایسا نتیجہ اخذ کیا جس پر دانش سر پیٹ اٹھے یا ان کا مطالعہ ایسے دفاتر تک ہے جن میں تقدیر کی تعبیر یہی دی گئی ہو۔ لیکن قرآنی ہدایات کے مطابق خود اعتمادی اور اپنی جد و جہد کا وہ نتیجہ جس کی تہ میں حسن نیت بھی ہو ایسے انداز میں ارشاد ہے جس کے سامنے معترض ”اعن نفسک یعنک اللہ“ سے قیاس کرنا کوئی وقعت نہیں رکھتا جو (قرآن) فرماتا ہے کہ:

(۱) یا ایھاالناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہ و من ضل فانما یضل علیھا (۱۰ : ۱۰۹)۔	(اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہ دو) کہ لوگو! (جو) حق بات (تھی وہ تو) تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس آ چکی ہے۔ پھر جس نے راہ راست اختیار کی وہ اپنے ہی

	(فائدے کے) لیے اس کو اختیار کرتا ہے اور جو بھٹکا تو وہ بھٹک کر کچھ اپنا ہی کھوتا ہے۔
(۲) ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ و ما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا (۱۷ : ۱۵)۔	اور کوئی (متنفس کسی) دوسرے متنفس کے بار (گناہ) کو اپنے اوپر نہیں لے گا اور جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کر لیں (کسی کو اس کے گناہ کی) سزا نہیں دیا کرتے۔
(۳) من کان یرید حرث الاٰخرۃ نزد لہ فی حرثہ و من کان یرید حرث الدنیا نوتہ منھا و ما لہ فی الاٰخرۃ من نصیب (۴۲ : ۲۰)۔	جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کی کھیتی میں اس کے لیے برکت دیں گے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم بقدر مناسب اس کو دنیا دیں گے (مگر) پھر آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

اور یہ کہ :

(۴) ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم (۱۳ : ۱۱)۔	جو نعمت کسی قوم کو (خدا کی طرف سے) حاصل ہو جب تک وہ (قوم) اپنی ذاتی صلاحیت کو نہ بدلے خدا اس (نعمت) میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کرتا۔

قرآن میں ارادہ و عمل کی ترغیب : ایسی بے شمار آیات ہیں جن میں قرآن نے بصراحت اپنے پیروؤں کو ارادہ و عمل کے ساتھ فلاح و کامیابی حاصل کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور اسی طرح خدا نے متعدد آیتوں میں انسان کو جہاد فی سبیل اللہ کی تاکید بھی فرمائی ہے جیسا کہ قارئین انہی اوراق میں جابجا مطالعہ فرما چکے ہیں جن سے واشنگٹن اورنگ اور ان کے دوسرے یاران سر پل کے الزام کی تردید ہوتی ہے کہ ” اسلام اپنے ماننے والوں کو ایسے توکل کی تلقین پر زور دیتا ہے جس کے اثر سے انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فوز و کامیابی کا انتظار کیا کرے اور اپنی سعی کو نفع و ضرر میں موثر نہ سمجھے کہ ارادہ اور سعی کا تعلق بھی تو خدا کی مشیت ہی سے ہے، جو (مشیت) مقدر میں نہیں تو ارادہ اور سعی بھی بار آور نہیں ہو سکتے۔ ہم کوشش کریں یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں، مقدر میں ناکامی ہے تو ہماری کوشش بے سود اور اگر تقدیر میں کامیاب ہونا ہے تو سعی کے بغیر بھی سب کچھ ہو سکتا ہے “۔

لیکن قرآن ایسے الزمات کی تردید کرتا ہے جیسا کہ مذکور ہو چکا۔ شاید جو مسلمان اپنی کاہلی کی وجہ سے آخری صدی میں ناکامی اور نامرادی کی زندگی بسر کر رہے تھے یہ معترض انہیں مندرجہ ذیل آیتوں کا مورد نہ سمجھتے ہوئے ان آیتوں کو اپنے استدلال کا مبنیٰ قرار دیتے ہوں :

تقدیر پر پیش کردہ آیات :

(۱) وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتاباً موجلا (۳ : ۱۴۵)۔	اور یاد رکھو! خدا کے حکم کے بغیر کوئی جان مر نہیں سکتی، ہر جان کے لیے ایک خاص

	وقت ٹھہرا دیا گیا ہے (پھر موت کے ڈر سے کیوں تمہارے قدم پیچھے ہٹیں) ۔
(۲) و لکل امۃ اجل فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون (۷ : ۳۴) ۔	اوز ہر ایک قوم (کے مٹنے) کا ایک وقت (مقرر) ہے ۔ پھر جب ان کا وقت آ پہنچتا ہے تو (اس سے) نہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ (ایک گھڑی) آگے بڑھ سکتے ہیں ۔
(۳) وما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذالک علی اللہ یسیر (۵۷ : ۲۲) ۔	لوگو ! جتنی مصیبتیں روئے زمین پر نازل ہوتی ہیں اور جو خود تم پر نازل ہوتی ہیں (وہ سب) ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ رکھی ہیں ۔
(۴) قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولانا و علی اللہ فلیتوکل المومنون (۹ : ۵۱) ۔	اے پیغمبر ! تم (ان لوگوں سے) کہو کہ جو کچھ خدا نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے اس کے سوا (کوئی اور) مصیبت تو ہم کو پہنچ سکتی نہیں ۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ بس اللہ ہی پر بھروسا رکھیں ۔

قرآن اپنے پیروؤں کو جد و جہد کی تلقین کرتا ہے : اگر مستشرقین نے انہی آیات کو اپنے اعتراضات کا معمل بنا رکھا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ان کے مفہوم تک نہیں پہنچ سکے ۔ یہ آیتیں خدا اور بندے کے درمیان کامل رابطہ کی شرح فرما رہی ہیں ، لیکن معترض یہ سمجھتا ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کو کاہلی کی تلقین کرتا ہے چہ جائے کہ وہ اپنے تمدن کے لیے باہمی اخوت اور ایک دوسرے کے حال پر لطف و کرم کی ہدایت فرماتا ہے ۔ اسی طرح اپنے پیروؤں کو جد و جہد ، جان نثاری اور شرف و مجد سے زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے ۔

یہ واقعہ ہے کہ قرآن کی جن آیات میں تقدیر کا ذکر ہے ان میں اس مسئلہ کے اس پہلو کی پوری پوری عکاسی کی گئی ہے جس پر کہ تمام فلاسفۂ مغرب کا اتفاق ہے اور جس کو کہ وہ اپنی اصطلاح میں "جبریت" سے تعبیر کرتے ہیں ، اس فرق کے ساتھ کہ قرآن نے تو کائنات کے نظم و نسق کی استواریوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے علم کی طرف [منسوب کیا ہے اور یہ لوگ اسے قانون فطرت یا زندگی کے تقاضوں کے سر منڈھتے ہیں ۔ اور یہ ایسا تصور ہے جو اسلامی تصور جبریت سے کہیں زیادہ تنگ نظری اور سختی لیے ہوئے ہے ۔

یہ علمی جبریت اس بات کی قائل ہے کہ انسان کو جو با اختیار کیا جاتا ہے تو محض اضافی حیثیت سے ، ورنہ اس کی حدود اختیار بے حد سمٹی ہوئی ہیں اتنا اختیار بھی یہ لوگ اس بناء پر تسلیم کرتے ہیں کہ اجتماعی ضرورتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں ، اس بنا پر نہیں کہ یہ علمی و فلسفیانہ جبریت اس کی اجازت دیتی ہے ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اختیار کی اس مقدار کو بھی انسان میں تسلیم نہ کیا جائے تو معاشرہ کے لیے قانون و تشریع کے نقشوں اور ضابطوں کو قائم رکھنا دشوار ہو جائے اور کسی شخص کو بھی اس کے اعمال پر باز پرس نہ کی جائے ۔

یہ صحیح ہے کہ علماء و فقہاء میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے جزا و سزا کی بنیاد انسانی اختیار میں نہیں رکھی بلکہ اس پر رکھی ہے کہ کسی شخص کی وفات سے معاشرہ پر کیا اثر پڑتا ہے مگر اکثریت نے اختیار کی اہمیتوں کو مانا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جو لوگ مسلوب الاختیار ہیں قانون ان سے بالکل مواخذہ نہیں کرتا ، مثلاً چھوٹا بچہ ، مجنون یا سفیہ اپنے اعمال کے لیے کسی بھی قانون کی رو سے جواب دہ نہیں ۔

لیکن جب ہم ان عملی تقاضوں کا خیال نہ کریں اور مسئلہ کا صرف علمی پہلو سے جائزہ لیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ علمی اور فلسفیانہ جبر ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو فرد جس زمانے میں پیدا ہوا مجبوری کی وجہ سے پیدا ہوا کہ نہ تو مولود کو کسی اور وقت میں پیدا ہونے پر اختیار تھا نہ اسے اپنی جننے والی کے اس فعل (تولید) پر یہ قدرت کہ وہ اس زمانہ میں تقدیم و تاخیر کراسکے ۔ اسی طرح نہ کسی مولود کو اپنے والدین کی حالت فقر و استغنا اور ان کے شرف و مذلت پر اختیار کہ وہ اپنی مرضی سے ان حالتوں میں تغیر و تبدل پر قادر ہو — مولود لڑکی ہے تو واہ واہ! اور لڑکا ہے تو سبحان اللہ! اور نہ اسے اپنے گرد و پیش (ماحول) میں دخل اندازی کی قدرت ! جو ہوا اور جو ہو رہا ہے یا بعد میں جو ہوگا وہ اس میں ذرہ برابر تبدیلی کا مختار نہیں ۔ اسی حقیقت کو فرانسیسی فلسفی ہیبولیٹ نے یوں بیان کیا ہے کہ ”انسان اپنے ماحول کی پیداوار ہے۔“ مزید برآں دوسرے دوسرے فلاسفر یہ بھی مانتے ہیں کہ اگر ہم کوشش کریں تو فرد اور اقوام کے مستقبل پر اس حد تک حکم لگا سکتے ہیں جس حد تک اجرام فلکی کی آئندہ نقل و حرکت اور شمس و قمر میں گرھن کے اوقات (قبل از وقت) کی تعیین پر ہمیں قدرت حاصل ہے ۔ کہنا یہ ہے کہ اس کے باوجود مشرق اور مغرب دونوں سمتوں کے علماء میں سے کسی نے ان مسلمات کے باوجود یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جب فطرت ہی نے موجودات کے ہر فرد کو اپنے [اثر میں جکڑ رکھا ہے تو پھر انسان پر یہ ذمہ داری کیوں عاید کی جاتی ہے کہ وہ اپنی فلاح و بہبود کے لیے سعی جاری رکھے، نہ ان (فلاسفہ) میں سے کسی نے یہ کہا کہ ”جبر فطرت کے سامنے کسی قوم کو اپنا مستقبل درخشندہ کرنے کے لیے جد و جہد کرنا مفید نہیں ہو سکتا ہے“ لیکن یہی مستشرقین ہیں جو مسلمانوں کے تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ان کی زندگی میں جد و جہد کو ایک دوسرے (تقدیر و سعی) کے متضاد قرار دیتے ہیں -

تقدیر بشرط سعی: ایک طرف علمائے مغرب کا یہ محبوب و مسلمہ اجباری قانون فطرت ہے اور دوسری طرف قرآن کا مسئلہٗ تقدیر بشرط سعی۔ خدا کی مشیت کچھ سہی لیکن تمھاری جد و جہد کا ثمرہ مترتب ہو کر رہے گا۔

و ان لیس للانسان الا ما سعی و ان سعیه سوف یری (۵۳ : ۳۹ - ۴۰) -	انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی اس نے کوشش کی اور یہ کہ اس کی کوشش آگے چل کر (قیامت کے دن بھی) دیکھی جائے گی -

دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کا فلسفہٗ تقدیر ان آیات کے پیش نظر زندگی کے لیے کار آمد ہے یا مستشرقین کا تسلیم کردہ اجباری قانون فطرت جس کی سطوت کی قہرمانی کے مقابلہ

میں تقدیر کی مشفقانہ کرم گستری کا یہ عالم ہے کہ وہ انسان کو ہر ممکن جد و جہد سے بھلائی اور وجاہت و شرف حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

بے شک فریقین (اہل مغرب اور مسلمان) اس حد تک متفق ہیں کہ کائنات پر ایک ایسا اٹل قانون مسلط ہے جس کی سرتابی کی گنجائش نہیں اور انسان بھی اسی قانون کی جکڑ بند میں کسا ہوا ہے، لیکن دونوں (اہل مغرب اور مسلمانوں) میں بین فرق بھی ہے۔ اہل مغرب کے تصورات کے مطابق انسان کا اپنے سود و بہبود کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا یا گم صم بیٹھے رہنا دونوں کے نتائج مساوی ہیں۔ لیکن قرآنی تصور تقدیر کے مطابق فرد کو عقل کی یاوری کے ساتھ ساتھ نیک ارادوں کی تکمیل پر توجہ دلاتا ہوا ان سے کہتا ہے کہ محنت کا ثمرہ قطعی ہے۔ اگر تم محنت کرنے سے ہاتھ کھینچ لوگے تو تم دنیا میں کبھی فائزالمرام نہیں ہو سکتے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم:

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم (۱۳ : ۱۱)۔

جو نعمت کسی قوم کو (خدا کی طرف سے حاصل ہو جب تک وہ قوم اپنی ذاتی صلاحیت کو نہ بدلے خدا اس (نعمت) میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کرتا۔

یہ کہ خدا نے انسان پر فکر و تدبر واجب کر دیا جیسا کہ آسمانی کتابوں اور مرسلین نے ہدایت فرمائی اور جس کے مطابق انہیں "سنت اللہ" اور اس کی مشیت دونوں پر غور کرنے کی دعوت دی گئی۔ اس لیے جو خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اس کے قوانین پر متوجہ ہوگا اسے اس کی سعی کا ثمرہ حاصل ہو کر رہے گا۔ اگر اس کے لیے نیکی کی راہ میں جان دینا لکھا ہوا ہے تو اس میں خوف و ہراس کی کون سی بات ہے؟ یہ شخص اور اس کی راہ کے دوسرے سرفروش سب کے سب احیاء عند ربہم یرزقون[1] (۳ : ۶۳) کے مصداق ہیں۔ اگر اسلام نے ایسی شہادت کو برتر از زندگی قرار دیا ہے جو اللہ کی راہ میں حاصل ہو اور یہ دعوت پیش فرمائی ہے تو سبقت اور تکمیل ارادہ کی اس سے بہتر راہ کون سی ہو سکتی ہے؟ آخر اس میں کاہلی اور نامرادی کی کون سی بات ہے؟ جیسا کہ واشنگٹن ارونگ اور ان کے ہم نواؤں کا بھی یہی مقولہ کہ "خدا پر توکل کا نام کاہلی نہیں"۔ توکل کے یہ معنی نہیں کہ خود کو اس کے حکموں کی تعمیل سے ہٹا کر گھر میں دبکا بیٹھا رہے بلکہ توکل ہے اس کے اشارہ پر سرفروشانہ جد و جہد! جیسا کہ آیۂ

عزم و ارادہ توکل کے منافی نہیں:

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (۳ : ۱۵۹)۔

پھر جب ایسا ہو کہ تم نے کسی بات کا عزم کر لیا تو چاہیے کہ خدا پر بھروسہ کرو (اور جو کچھ ٹھان لیا ہے) اس پر کار بند ہو جاؤ

کے مطابق اپنے کام کی تکمیل کر لیں اور نتیجہ میں خدا پر بھروسہ رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ خداوند تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے صدقے میں کامیابی سے

---

[1] وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور اپنی روزی پا رہے ہیں۔

محروم رکھے۔ جس معاملہ میں خدا جوئی کے سوا کوئی اور مقصد نہ ہو اور اس (کام) میں ادھر ادھر کے خوف وہراس کو بھی جگہ نہ دی جائے تو باقتضائے ''سنت اللہ'' جو ازل سے تا بہ ابد غیر متغیر ہے ایسے جفا کوش انسان کی دستگیری کے سامان خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں جس کے ساتھ ہی اس کا اپنی کوشش کے نتیجہ میں فائزالمرام ہونا یا اس تگاپو میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہر دو حالتوں میں مقصد ہی کا حصول تو ہے کہ اگر نتیجہ اس کی منشا کے مطابق ہے تو اسے خدا کی مہربانی سمجھے اور اگر اس کی خواہش سے متغایر ہے تو اسے اپنی کسی لغزش کا مآل سمجھے۔

اور اگر کسی شخص نے خدا کا آسرا چھوڑ کر دوسری دوسری قوتوں کو کامیابی کا ذریعہ متصور کر لیا تو اس راہ میں یہ سب سے بڑی لغزش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نیکی کی نسبت ذات کبریا کے ساتھ اور ہر برائی کا انتساب ابلیسی وسوسہ اور کار شیطانی سے کیا جاتا ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہر حادثہ کے وقوع سے قبل اس کا علم خدا کو ہے:

لایعزب عنه مثقال ذرة فی السموات
ولا فی الارض ولا اصغر من ذالك
ولا اکبر الا فی کتاب مبین (۳۴ : ۳)۔

(— جو عالم الغیب ہے اور) ذرہ بھر (چیز) بھی آسمانوں اور زمینوں میں اس سے پوشیدہ نہیں اور ذرے سے چھوٹی اور ذرے سے بڑی جتنی چیزیں ہیں سب اس کے ہاں کتاب واضح (یعنی لوح محفوظ) میں صاف صاف لکھی ہوئی موجود ہیں

تو اس میں کیا اشکال ہے؟ بے شک ایسا ہی ہے لیکن وہ قادر مطلق کسی کے ارادہ و اختیار کو تو انسان سے منفک نہیں کر لیتا جو اس پر طعن کیا جائے۔

علماء متفق الرائے ہیں کہ اگر علم کی وسعت میں ہوتا کہ وہ اسرار حیات اور اس کے طریقے بیان کر سکے تو وہ اس معاملہ میں کبھی سکوت اختیار نہ کرتا۔ وہ تمام افراد اور قوموں کی فرد عمل کا ایک ایک حرف دھرا دیتا جس طرح ماہر منجم اپنے علم کے زور سے چاند اور سورج میں آنے والے گرہن کی گرہیں کھول کر بتا دیتا ہے۔ ایمان باللہ کے معنی یہی ہیں کہ ذات علام الغیوب پر ہم اس جہت سے بھی ایمان رکھتے ہوں کہ وہ دنیا جہان کے ہر آنے والے حادثہ کو اس کے وقوع سے قبل اسی انداز سے جانتا ہے جس طرح وہ ظہور میں آنے کو ہے۔ جس طرح ایک کامل مہندس کسی عمارت کا نقشہ متعین کرتا ہے تو یہ بھی بتا دیتا ہے کہ یہ محل اتنی مدت تک سلامت رہنے کے بعد خود بخود ڈھے جائے گا اور جس طرح اقتصادیات کا ماہر آنے والے اقتصادی مد و جزر پر قبل از وقت اپنی رائے قائم کر دیتا ہے، خالق کائنات کے علم کو اپنی ہر چھوٹی بڑی مخلوق کے متعلق قاصر سمجھنا ایسی ہی بے انصافی ہے جس سے علم و فرہنگ دونوں بیزار ہیں۔ خدا کے علم میں یہ امر تقدیر کے منافی نہیں کہ انسان اپنے معاملات پر خود بھی غور و خوض کرتا رہے اور جہاں تک اس کی وسعت ہے اس راہ میں اپنی کوشش جاری رکھے، اپنی وسعت کے مطابق صحیح راہ پر گام زن ہو، اگرچہ خدا نے اپنی ذات کو (وکتب علی نفسه الرحمه[۱] : ۶ : ۵۴) رحمت کا مصدر بنا رکھا ہے۔

---

[۱] اس نے (از خود لوگوں پر) مہربانی کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

جو شخص اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرتا ہے (هو الذی یقبل التوبة عن عباده[1] —۴۲ : ۲۴) اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اپنے بندوں کے بہت سے گناہ معاف فرما دیتا ہے (ویعفو عن کثیر[2] —۴۲ : ۲۹) ۔ انسان کا یہ فرض ہے کہ کائنات پر غور و تدبر میں غفلت نہ برتے اور اپنی نیکی کے معاوضہ سے مایوس نہ ہو۔ افسوس ہے ایسے شخص پر جو اپنی منزلت سے بے خبر رہ کر حقیقت کی تلاش اور ہدایات کے حصول سے کنارہ کش ہو رہے ۔ ایسے لوگ خدا کی رحمت کو درخور اعتنا نہ سمجھ کر اس کی ذات سے دشمنی کرتے ہیں ۔ پھر اگر خدا نے ان کے دلوں پر ضلالت کی مہر (ختم الله علی قلوبهم[3] —۲ : ۶) لگا کر انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا ہے (ولهم عذاب عظیم[4] —۲ : ۶) تو اس میں کون سی بے انصافی ہوگئی !

الٰہی ! یہ (مستشرقین) قرآن کے نظریۂ وسعت و ہمہ گیری پر کیوں انصاف نہیں کرتے ؟ قرآنی نظریۂ تقدیر نہ تو کاہلی کا محرک ہے نہ انسان کو جد و جہد سے منع کرتا ہے اور نہ اسے خدا کی رحمت سے مایوس ہو کر گھر میں پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنے کی طرف اشارہ کرتا ہے ، بلکہ جو لوگ اپنی کسی لغزش سے نادم ہوکر خدا کی رحمت اور لطف کے خواستگار ہوں تقدیر ان کی یوں دست گیری کرتی ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے خدا کی رحمت کا دروازہ بند نہیں ہوتا ۔ لیکن مستشرقین کا یہ انصاف ہے کہ ”تقدیر کے اثر سے مسلمان نیک و بد کی فکر سے خالی الذہن ہو کر خود کو اس کے حوالے کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ صدیوں سے ذلت سے دوچار ہے !“ مگر یہ افترا حقیقت سے دور ہے ۔ قرآنی تقدیر انسان کو مسلسل کوشش اور خدا کی رضا طلبی دونوں پر متوجہ رہنے کی دعوت دیتی ہے کہ انسان خدا پر توکل رکھنے کے ساتھ اپنے معاملات کی انجام دہی میں اس انداز سے جد و جہد کرے کہ جس مہم میں اسے آج ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے کل اس کے لیے از سرنو سعی جاری کر دے ۔ اگر اپنی کوشش سے ہاتھ نہ روکے گا تو خداوند عالم اس کی دست گیری فرما کر اس کے کام کی سر انجام دہی میں مدد فرمائے گا ۔

جب اسلامی تقدیر کا یہ تصور ہو تو سعی و جد و جہد کے ساتھ اس کی رضا و عفو کی امید رکھنا تقدیر کا وہ استعمال کیسے ہو گیا جو اسلام کے یہ مہربان متعین کرنا چاہتے ہیں ؟ آخر ہم اسی (ذات کبریا) کی عبادت اور اسی سے استعانت کرتے ہیں (م۔ اشارہ آیۂ : ایاک نعبد و ایاک نستعین ۱ : ۴ - ۵ کی طرف) اور ہر شے کا وہی ماویٰ و ملجا ہے ۔

اس کے ماسوا اور کون سی قوت ہو سکتی ہے جو انسان کو ایسی برتری کی تعلیم دے؟ امید کا اس سے زیادہ روشن افق کون سا ہے جو انسان کے سامنے اس طرح ہویدا ہو کہ اگر تم خدا کی رضا جوئی کے پیش نظر نیکی میں سبقت کرو گے تو اپنی محنت کا حسب خواہش ثمرہ پاؤ گے؟ اور اگر شیطان کے گھراؤ میں آ کر تمہاری سوجھ بوجھ پر حرص و آز کے

---

[1] اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے ۔

[2] اور خدا (تمہارے) بہت سے قصوروں سے در گزر کرتا ہے ۔

[3] خدا نے ان کے دلوں پر اپنی دشمنی کی مہر لگا دی ۔

[4] ان کے لیے سب سے بڑا عذاب ہے ۔

پردے پڑ جائیں اور پھر صراط مستقیم پر آ جاؤ تو خداوند عالم تمہاری توبہ قبول فرما لے گا — اور صراط مستقیم " خدا کا وہ قانون ہے جو کائنات پر جاری و ساری ہے مگر عقل و فرزانگی کے ساتھ اس پر دسترس ناممکن ہے۔ جو شخص ان حقائق کو نظرانداز کر کے کسی اور طاقت کو خدا کا شریک سمجھ لے تو یہ بھی شرک ہے کہ انسان فتنہ پردازی کو اپنی کامیابی تصور کر کے طغیان و سرکشی میں منہمک ہو جائے اور دوسروں سے برادری اور اخوت کا رشتہ پارہ پارہ کر کے صرف ذاتی بھلائی کی تکمیل میں لگ جائے۔ ایسا شخص خدا کے نزدیک عبرت کا نشانہ ہے تاکہ انسان اس کا انجام دیکھ کر نصیحت حاصل کر سکے۔ ایسے سرکشوں کا یہ حشر خدا کا عدل اور رحمت دونوں پر مشتمل ہے کہ بد کرداروں کے لیے اس کی تعزیر کا تازیانہ ہر وقت حرکت میں ہے اور برے اعمال کی سزا ملنا ہی چاہیے و لیکن :

(۱) " موت جو اس کی گھات میں لگی ہوئی ہے جوں ہی وہ گھڑی آ جائے ایک لمحہ کا تقدم تاخر نہ ہونے پائے گا۔ پھر زندگی کے لیے تگ و دو کی کیا مجال ہے ؟

(۲) اور اسی طرح جب بد بختی اور سعادت ازل سے انسان پر مسلط ہو کہ سعید اور شقی دونوں کا نصیبا لوح محفوظ میں مسطور ہے تو اس صورت میں بھی زندگی کے لیے جد و جہد بے سود ؟ اس کا جواب!

اسلامی نظریۂ تقدیر پر اعتراض : مسئلۂ تقدیر پر مستشرقین کے یہ دو اعتراضات اور ہیں جن کا جواب پہلے بھی دیا جا چکا ہے ، جس کے بعد عمداً تکرار مدنظر ہے تاکہ موت کے اسلامی نقطۂ نظر سے مقدر ہونے کا تذکرہ بھی آ ہی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ غیر متبدل صرف ایک شے ہے اور یہ نظام کائنات کا وہ قانون ہے جو تخلیق عالم سے بھی پہلے مقدر (مقرر) تھا :

"کتب ربکم علی نفسه الرحمة" (۶ : ۵۴)۔ تمہارے پروردگار نے بندوں پر مہربانی
کرنا (از خود) اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

اور رحمت ذات باری تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جو ایک حیثیت کے مطابق اس کے قانون ہی کی ایک شق ہے ، نہ یہ کہ خدا نے اسے (رحمت کو) واجب قرار دے لیا ہے ذات کبریا پر کسی امر کا وجوب لازم نہیں ! ۔

و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (۱۷ : ۱۵)۔
اور جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کر لیں (کسی کو اس کے) گناہ کی سزا نہیں دیا کرتے ۔

اس (آیت) کے یہ معنی ہیں کہ جس قوم کی طرف رسول نہ آئے وہ (قوم) ضلالت ہی میں ڈوبی رہے۔ گو خدا کا قانون ہے کہ ایسی قوم کو اس کی ضلالت کے عوض میں عذاب سے دو چار نہ ہونے دے لیکن جو شخص خدائے ہر دوسرا کو مانتا اور اسے خالق ارض و سما تسلیم کرتا ہے اسے یہ بھی اعتراف ہے کہ اس نے اپنی مخلوق پر اپنے قوانین عائد فرمائے ہیں اور وہ شخص ان (قوانین) کے نتائج و عواقب سے بھی باخبر ہے۔ پس اس حیثیت کے مطابق خداوند عالم جب کسی قوم کی طرف اپنا رسول بھیجتا ہے تو اس کا قانون تخلیق اور مشیت تقاضا کرتے ہیں کہ اب بھی جو شخص ضلالت کا

دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے وہ اپنے نفس پر خود ظلم کرتا ہے۔ تب وہ (خدا) ایسے شخص کو دوسروں کی عبرت کے لیے تماشا بنا دیتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''اسلامی عقیدہ کے مطابق جو شخص جرم (گناہ) کرتا ہے اس نے خود پر ظلم کیا ہے، اسے سزا دی جائے گی۔ لیکن دوسری طرف یہ قصور اس کی تقدیر میں بھی ہے۔ ایسا عقیدہ محض سادہ لوحی ہے۔'' ہم کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ ہماری سادہ لوحی نہیں بلکہ معترض کا ایسا تصور کر لینا حقیقت سے چشم پوشی اور خدا کی نعمت پر نا شکری ہے۔ اس لیے کہ ادنیٰ ترین انصاف یہ ہے کہ مجرم خود ارتکاب میں قصوروار ہے اور خدا اس کی سزا دہی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کی مثال میں یہ کافی ہوگا کہ مثلاً باپ اپنے بچے کو آگ کے قریب لے جاتا ہے مگر جونہی بچہ آگ کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ اسے پیچھے کھینچ لیتا ہے۔ مبادا اس کا ہاتھ جل اٹھے۔ باپ کا مقصد بچے کے ذہن میں آگ کی مضرت پیدا کرنا ہے جس کے لیے وہ بار بار اسے آگ کے قریب لے جاتا ہے۔ اب اگر بچہ لپک کر انگارے پر ہاتھ ڈال بیٹھے یا (باپ کی گود سے) ہمک کر آگ میں کود پڑے تو باپ کو قصوروار نہیں گردانا جا سکتا کہ اس نے اپنے لخت جگر کو آگ میں جھونک دیا۔ یہ تو بچے کا اپنا قصور ہے۔ یہی مثال ایسے باپ پر بھی صادق آتی ہے جو اپنے فرزند کو شراب اور جوئے کے نقصانات سے متنبہ کرتا ہے لیکن صاحبزادہ بالغ ہوتے ہی شراب نوشی اور جوئے میں لگ جائے تو باپ ملامت کا سزاوار نہیں، کیونکہ وہ تو اس فرزند کو جوئے اور شراب کے مضرات سے ہمیشہ متنبہ کرتا رہا۔ اب اگر صاحبزادے اپنے کیفر کردار کو پہنچ رہے ہیں اور باپ ان کی مخلصی کے لیے کوشش نہیں کرتا تو اسے ظالم نہیں سمجھا جا سکتا۔ باوجودیکہ وہ (باپ) اسے (فرزند کو) نجات دلا سکتا ہے، خصوصاً جبکہ ایسے بد اطوار جواری و شرابی کی درگت اس کے دوسرے بھائیوں اور دیکھنے والوں کی عبرت کا سبب بن سکے، بلکہ ایسے مجرم کی تعزیر کے وقت زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع کیا جائے تاکہ ایسے اشخاص کو عبرت حاصل ہو جو اس بد بخت (جواری) کی طرح جوئے سے اپنا ہاتھ نہیں روکتے۔ اگر ہو سکے تو یہ وہ نیکی ہوگی جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح تعزیر کے اس سادہ و عام طریقے سے دنیا و جہان کے ان گنت افراد کی اصلاح میں کس قدر مدد حاصل ہو سکے گی؟ البتہ وہ باپ جو اپنی اولاد کو یوں نظر انداز کر دے کہ ''مارا چہ ازیں قصہ! جو ان کے مقدر میں ہے کریں۔ اگر برائی کریں گے تو خود اپنی سزا بھگت لیں گے'' ایسا باپ اپنی اولاد کے حق میں ظالم ہے اس لیے کہ مثلاً ہم پسو کو اس کے کاٹنے سے قبل ختم کر دیتے ہیں یا کسی متعدی مرض کے پھیلاؤ سے پہلے اس کا انسداد ضروری سمجھے ہوئے ہیں، مبادا یہ بنی آدم کی ہلاکت کا ذریعہ بن جائے یا ایسا پتھر جو شاہ راہ پر یا گھر کے آنگن میں پڑا ہے، ٹھوکر سے بچنے کے لیے اسے وہاں سے ہٹا دیتے ہیں یا ہمارے جسم کا ایک عضو اس حد تک ماؤف ہو چکا ہے جس کی وجہ سے دوسرے اعضا کے متاثر ہونے کا خطرہ ہے تو اسے قطع کر کے پھنکوا دیتے ہیں۔ ان چیزوں کو اگر ہم ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ ہمیں کیا ہماری تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ تو پیش آ کر ہی رہے گا مگر ان کی وجہ سے کسی نہ کسی وقت ہمیں تکلیف گھیر سکتی ہے تو یہ ہماری بے سمجھی کا نتیجہ ہے کیونکہ ہمیں خدا نے ان چیزوں کے ضرر سے محفوظ رہنے کے طریقے بتا رکھے ہیں، جس طرح اس نے

گناہ گار کے لیے توبہ کا ذریعہ واضح کر رکھا ہے۔ اگر بے مایہ شخص یہ گرہ لگائے بیٹھا رہے کہ تقدیر اس پر غالب ہے پھر وہ ان کے ضرر سے دوچار ہو جائے تو اس بے فہم منش کی حماقت مسلم ہے۔ وہ تقدیر کا استعمال غلط انداز سے سوچ رہا ہے، اس لیے کہ ہم پسو مارنے، پتھر کو ایک طرف ہٹانے اور عضو فاسد کو القط کرنے کو عین عدل سمجھتے ہیں۔ قانون خداوندی ہمارا رہنما ہے کہ پسو کاٹنے سے باز نہیں رہ سکتے اور یہ کہ متعدی امراض انسان کی ہلاکت کا ذریعہ اور عضو فاسد تمام بدن کو متاثر کر کے رہتا ہے۔ لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ہم تقدیر کے بھروسہ پر خود کو مصیبت میں محصور کر لیں اور ان مضرات کے خلاف اپنی قوت مدافعت کو معطل رکھ کر نہ صرف گرد و پیش بلکہ دوسروں کی زحمت کا ذریعہ قرار پائیں۔ کیا یہ عقیدہ اور عمل ہماری سادہ لوحی اور تن پروری یا کوتاہ اندیشی پر مبنی ہے؟

کائنات کے مقابلہ میں پسو، سنگ گراں حتیٰ کہ انسان کی بساط ہی کیا ہے بلکہ نفس انسانیت بھی اس (کائنات) کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا، جس (کائنات) کی پہنائی کی ابتدا اور انتہا دونوں کا پتہ نہیں چلتا۔ ہمارا تصور جس میں ہم اسے محصور کرنا چاہتے ہیں اس کی دوڑ زمان سے لے کر مکان اور ازل سے لے کر ابد پر آ کر ختم ہو جاتی ہے۔ کائنات کی تعریف میں ہمارے الفاظ گنگ اور تشبیہات بے مایہ ہو کر اپنا منہ چھپا لیتی ہیں۔ ہماری اس بے بسی کی دلیل ہمارے علم کی قلت ہے، تاہم اس تقلیل علم کے باوجود ہماری عقل رہبری کرتی ہے کہ خدا کا وہ قانون جو کائنات پر جاری و ساری ہے عین عدل ہے، اس میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں۔ اگر ہم خود کو اس قانون کے تابع رکھیں تو خدا نے ہماری چشم و گوش اور دل میں دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی جو جو خوبی ودیعت فرمائی ہے اس کے واسطے سے ہم کائنات کی صنعت اور اس کے اسرار کا احاطہ کر کے ذات صانع کو پہچان سکتے ہیں اور اس کے حکموں کی تعمیل میں نیک کاموں کے لیے خود کو آمادہ کر سکتے ہیں اور جب عمل نیک ایمان کی بنیادوں پر مبنی ہو تو (عمل) خرد مند کے نزدیک خدا کی عبادت کا بہترین مظہر ہے۔

موت: جو نام ہے زندگی کے ایک مرحلہ کے اختتام اور اسی کی دوسری منزل کے آغاز کا، جس کے نام سے ان لوگوں کے بدن پر تھرتھری ابھر آتی ہے جن کے جیب و دامان حسن عمل سے خالی ہیں۔ یہ لوگ اپنی بد اعمالیوں کے نتائج سے گھبرا کر موت سے ڈرتے ہیں۔ مومنین جنھوں نے حسن کردار سے دنیا کی زینت میں چار چاند لگا دیے ہیں، موت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

(۱) الذی خلق الموت و الحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً و ھو العزیز الغفور (۶۷ : ۲)	جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔

اور اپنے نبی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

(۲) و ما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افائن مت فھم الخالدون کل نفس ذائقۃ الموت و نبلوکم بالشر و الخیر فتنۃ و الینا ترجعون (۲۱ : ۳۴ : ۳۵)۔	اور (اے پیغبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کے لیے ہمیشگی نہیں رکھی پس اگر تم مر جاؤ گے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں ہر ایک جاندار (ایک نہ

ایک دن) موت (کا مزہ) چکھنے والا ھے اور (لوگو!) ھم تم کو بری اور بھلی حالتوں میں (رکھ کر) آزماتے ھیں اور (آخر کار) تم (سب) کو ھماری طرف لوٹ کر آنا ھے ۔

اور :

(٣) مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا بئس مثل القوم الذین کذبوا بایات اللہ واللہ لا یھدی القوم الظالمین ۔ (٦٢ : ٥)

جن لوگوں (کے سر) پر تورات (حکماً) لادی گئی ۔ پھر انھوں نے اس کو انگیز نہ کیا (یعنی اس پر کاربند نہ ھوئے) ۔ ان کی مثال گدھے کی مثال ھے جس پر کتابیں لدی ھیں ۔ جو لوگ خدا کی آیتوں کو جھٹلایا کرتے ھیں ان کی (بھی کیا ھی) بری کہاوت ھے اور اللہ بے انصاف لوگوں کو ھدایت نہیں دیا کرتا ۔

(٤) قل یایھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولا یتمنونہ ابداً بما قدمت ایدیھم و اللہ علیم بالظالمین (٦٢ : ٦ ـ ٧) ۔

(اے پیغمبر ان یہودیوں سے) کہو کہ اے یہود! اگر تم کو اس بات کا گھمنڈ ھے کہ اور تمام آدمیوں کو چھوڑ کر تم ھی خدا کے چہیتے ھو (اور اپنے اس دعویٰ میں) سچے (بھی) ھو تو موت کی تمنا کرو ۔ مگر یہ لوگ ان (اعمال بد) کے ڈر سے جن کے مرتکب ھو چکے ھیں کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں اور اللہ بے انصاف لوگوں کو خوب جانتا ھے ۔

اور :

(٥) وھو الذی یتوفاکم بالیل و یعلم ما جرحتم بالنھار ثم یبعثکم فیہ لیقضیٰ اجل مسمی ثم الیہ مرجعکم ثم ینبئکم بما کنتم تعملون (٦ : ٦٠) ۔

اور (لوگو!) وھی (قادر مطلق) ھے جو رات کے وقت (نیند میں (ایک طرح پر) تمہاری روحیں قبض کر لیتا ھے اور جو کچھ تم نے دن میں کیا تھا (وہ اس کو بھی) جانتا ھے ۔ پھر دن کے وقت تم کو اٹھا کر کھڑا کرتا ھے تاکہ (رات دن کی آمد و شد سے وہ) میعاد جو (حیات جو اس کے علم میں) مقرر ھے (ایک دن) پوری ھو ۔ پھر (آخر کار) اسی کی طرف (سب) کو لوٹ کر جانا ھے ۔ پھر (اس وقت) جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے رھے ھو وہ تم کو (اس کا برا بھلا) بتا دے گا ۔

متذکرۃ الصدر آیات کس شدت کے ساتھ تقدیر محض پر قانع رہ کر بے عمل زندگی سے روک رھی ھیں! ان ھر پانچ آیات میں پہلی آیت سے یہ مفہوم متبادر ھوتا ھے کہ موت و زیست دونوں کا خالق خدائے برتر ھے ، جو زندگی کے اعمال پر بھی نگران ھے ، کہ دنیا میں رہ

کر کس شخص نے نیکی کی راہ میں کیا قدم اٹھایا ، یعنی زندگی محبت و عمل ہے اور آخرت ان اعمال کے لیے یوم جزا ہے کہ اگر انسان نے زندگی میں کوئی بھلا کام کیا ہے جس میں بحکم آیۂ هو الذی جعل لکم الارض ذلولاً فامشوا فی مناکبها وکلوا من رزقه والیه النشور[1] (۶۷ : ۱۵) اس رزق میں سے جو خدا نے اس کے لیے چاروں طرف پھیلا رکھا ہے جس سے وہ مستفید ہے کیا اس نے دوسروں کی ضروریات کو بھی پورا کیا (بمصداق : و یوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة[2] — ۵۹ : ۹) اگر اس میں غفلت سے کام لیا ہے تو وہ خدا کے نزدیک مجرم ہے ، لیکن دوسرا شخص جس نے ہر نیک کام کے لیے سبقت کی ، اس کا یہ حسن عمل خدا کے نزدیک مقبول اور آخرت میں اس کی بہتر جزا اس کے لیے یقینی ہے۔ خداوند عالم دنیا میں اپنے بندوں کے اعمال خیر و شر کی نگرانی کرتا ہے۔ اس نے ہمیں نیکی اور بدی میں امتیاز کی قوت کے لیے عقل و دانش عنایت فرما دی ہے (و من یعمل مثقال ذرة خیراً یره و من یعمل مثقال ذرة شراً یره[3] — ۹۹ : ۷-۸)۔

بیشک ہمارے مقدر سے زیادہ ہمیں کچھ نہیں مل سکتا۔ لیکن اس میں بجائے خود ہمارے لیے حسنات کی ترغیب ہے کہ : اگر خدا ہمیں زندگی کی جد و جہد کے دوران میں دنیا سے اٹھا لے اور یہ حادثہ ہماری جوانی کے عالم میں رونما ہو یا ہمیں اس ارذل عمر تک زندہ رہنے دے جس میں سوجھ بوجھ اور قوت عمل ایک ایک جواب دے کر یک طرف ہو جاتے — ہمارے لیے دونوں حالتیں برابر ہیں۔ زندگی سال اور مہینوں سے تعبیر نہیں بلکہ زندگی نام ہے اعمال نیک اور باقیات صالحات کا! جو لوگ نیک اعمال کرتے ہوئے دنیا سے گذر جاتے ہیں وہ خدا کے ہاں زندہ ہیں اور یہ اعمال دنیا میں بھی ان کے لیے حیات جاوید کا وسیلہ بنے رہتے ہیں اور ان لوگوں کے نام جریدۂ عالم پر ہمیشہ ثبت رہتے ہیں۔ انہیں دنیا سے منہ موڑے صدیاں گذر گئیں۔ ان کے کارناموں کی وجہ سے ابھی تک ان کی یاد زندہ ہے۔

تفسیر آیۂ فاذاجاء اجلهم لایستاخرون ساعة ولا یستقدمون[4] (۷ : ۳۴) بے شک موت کی گھڑی لمحہ بھر کے لیے آگے یا پیچھے نہیں ہو سکتی جس کی موافقت نظام عالم بھی کہ رہا ہے کہ دنیا میں ہر انسان کی اجل کا وقت مقرر ہے اور اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی دشواری بھی نہیں۔ آخر کسوف شمس و خسف ماهتاب کے لمحے بھی تو انسانی موت ہی کی مانند موقت سمجھے جاتے ہیں جن میں لمحہ بھر کا تقدم و تاخر ناممکن ہے۔

انسان کی اجل کے موقت ہونے اور اس سے وہ ساعت پوشیدہ رکھنے کا یہ مقصد ہے کہ انسان دنیا میں نیکی کے لیے زیادہ سے زیادہ کوشش کر سکے۔ کیونکہ وہ

---

[1] لوگو! وہی (خدا تو ہے) جس نے زمین کو تمہارے لیے نرم (ہموار) کر دیا ہے تاکہ اس کے اطراف و جوانب میں (جدھر چاہو) چلو پھرو اور (نیز) خدا کی (دی ہوئی) روزی جو زمین سے پیدا ہوتی ہے مزے سے کھاؤ پیو اور (آخرکار) قیامت کے دن دوبارہ جی (اٹھ) کر دوبارہ اسی کی طرف پھر چلنا ہے۔

[2] اور اپنے اوپر تنگی کیوں نہ ہو (مہاجرین بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔

[3] جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس (نیکی) کو بچشم خود دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اس (برائی) کو بچشم خود دیکھ لے گا۔

[4] اور پھر جب ان کا وقت آ پہنچتا ہے تو اس سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔

اس گھڑی سے بے خبر ہے جب موت کا فرشتہ اچانک آ کر اس کی روح پر قابض ہو جائے گا جس کے بعد اس کے لیے نیک اعمال کے سوا کوئی توشہ نہ ہوگا۔

ہم شب و روز موت کی ستم ظریفی دیکھ رہے ہیں۔ کسی کو وہ ایک لمحہ علالت کے بغیر دفعۃً جھپٹ لیتی ہے، دوسرا دائم المرض ہے جو بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہر وقت ہاتھ پیر مار رہا ہے اور بستر علالت ہی پر بڑھاپے کی منزل میں جا پہنچتا ہے اور موت اسے نچوڑ نچوڑ کر اپنا آخری رنگ دکھاتی ہے۔

موت کا جرثومہ جسم انسانی میں مضمر ہے: طبی تحقیقات نے انکشاف کیا ہے کہ انسان کی ولادت کے ساتھ اس کے وجود میں موت کا جرثومہ بھی رحم مادر ہی سے توام پیدا ہوتا ہے جو ایک معین مدت پر پہنچ کر انسان کی زندگی ختم کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے (اگر کوشش کی جائے تو دوسرے جراثیم کی طرح اس کی مزید دریافت بھی ممکن ہے اگرچہ آسان نہیں)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موت کا یہ جرثومہ یا تو مادی شکل میں انسان کے اعضائے رئیسہ یا بدن کے کسی اور عضو میں چھپا پڑا ہے یا غیر مادی حالت میں دماغ کے کسی کونے سے لگا ہوا ہے جو دماغ کو انسان کی معینہ موت کے وقت سے پہلے اسے دوسروں پر حملہ یا خود پر حملہ کی مدافعت کے لیے مشتعل کر کے اس کی موت کا محرک بن جاتا ہے۔

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خداوند عالم جس کا علم ذرے ذرے کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے اور جس کے مقرر کردہ نظام عالم میں کسی تغیر و تبدل کا امکان نہیں وہ ذات کبریا ہر انسان کی موت کے لمحوں سے بھی آگاہ ہے۔

پروردگار عالم کا کتنا احسان ہے کہ جب تک وہ کسی قوم کی طرف رسول نہ بھیجے جو انھیں نیکی اور ہدایت کی تلقین کرے اس وقت تک کسی قوم کو اس کے گناہوں پر عذاب سے دوچار نہیں ہونے دیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان ہی کیا دنیا میں ہر ذی روح مستوجب سزا قرار پاتا۔

ولو یواخذ اللہ الناس بظلمهم ما ترک علیها من دابۃ ولکن یوخرهم الی اجل مسمی فاذا جاء اجلهم لا یستأخرون ساعۃ ولا یستقدمون - (۱۶ : ۶۱)

اور اگر خدا بندوں کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے پکڑتا تو روئے زمین پر کسی متنفس کو باقی نہ چھوڑتا مگر (وہ) ایک مقرر (یعنی موت) تک ان کو مہلت دیتا ہے۔ پھر جب ان کا (وہ) وقت آ پہنچتا ہے تو (اس سے) نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

اور اس نے رسولوں سے بار بار تاکید فرمائی کہ اپنی اپنی امت کو سمجھا دیں:

وذر الذین اتخذوا دینهم لعباً ولهواً و غرتهم الحیوٰۃ الدنیا و ذکر بہ (۶ : ۷۰)-

اور جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور دنیا کی زندگی نے انھیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ایسے لوگوں کو (انہی کے حال پر) چھوڑ دو اور (موقع پا کر) قرآن کے ذریعے سے (ان کو) سمجھاتے رہو۔

انبیائے کرام اکابر و دول کے خاندان میں پیدا نہیں ہوتے: نہ تو خدا نے کسی پیغمبر کو بادشاہ کے خاندان میں پیدا کیا نہ کسی دولت مند یا صاحب جاہ و منصب اور خانوادۂ علم و فضل سے مبعوث فرمایا - ہر نبی طبقۂ جمہور میں سے ظہور فرما ہوا - جناب ابراہیم اور ان کے والد دونوں نجار تھے - حضرت عیسیٰ اپنے مولد ناصرہ کے نجار خاندان سے ظہور فرما ہوئے - کئی انبیا بکریاں پالتے تھے - خاتم الرسل (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کا بھی یہی معمول رہا -

نبی کے جمہور میں سے مبعوث ہونے میں یہ مصلحت ہے کہ جمہور دوسرے اوصاف کی طرح حقیقت کو بھی اغنیا و ارباب جاہ ہی میں منحصر نہ سمجھ لیں بلکہ حقیقت کو اس خوش نصیب کی ملکیت سمجھیں جو خود اسے خدا کی رضا طلبی کے لیے استعمال کرے اور دوسروں کے لیے بھی اسے یوں عام کر دے کہ انسان جو کچھ اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لیے پسند کرے—(حدیث نبوی) یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ—اور سمجھ لیا جائے کہ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی - حقیقت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ انسان کا شرف و احترام اس کے حسب و نسب کی بجائے اعمال صالحہ کی بدولت ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (۴۹ : ۱۳) کے مطابق -

و قل اعملوا فسیری اللہ عملکم (۹ : ۱۰۶) -	اور اے پیغمبر ! (ان کو) سمجھا دو کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو - سو ابھی تو اللہ تمھارے عملوں کو دیکھے گا -

اور:

ہل تجزون الا بما کنتم تکسبون (۱۰ : ۵۲)	یہ جو تمھیں سزا دی جا رہی ہے تمھارے اپنے ہی کرتوت کا بدلہ ہے (اور بس) -

خیال رہے کہ توحید باری تعالیٰ حقیقت کبریٰ ہی کا نام ہے -

موت نام ہے زندگی کے ایک مرحلہ کے اختتام اور دوسرے کے آغاز کا: جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ ”موت نام ہے زندگی کے ایک مرحلہ کے اختتام اور اس کی دوسری منزل کے آغاز کا“ بے شک ہم زندگی کے ایک دور سے گذرے ہیں - بایں ہمہ اس (زندگی) کے کاروبار سے اسی حد تک واقفیت ہے جہاں تک ہماری حس و عقل اور شعور ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں -

لیکن آخرت کی زندگی کا معاملہ اس (زندگی) سے کہیں مختلف ہے - اس کے متعلق خدا نے ہمیں جس قدر بتایا اس سے زیادہ نہیں جان سکتے کیونکہ اس (جہان) کی کیفیت ہم سے نہاں اور خدائے برتر پر آشکار ہے - ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے جو اس نے اپنی کتاب میں فرمایا اور ہم اس کے مکلف کہ اس دنیا کے اعمال کی جزا وہاں ملے گی - ہمیں خدائے جل و علا پر توکل رکھتے ہوئے اس سے اپنے اعمال کی عادلانہ جزا کی امید پر نیکی میں سبقت کرنا چاہیے اور اس کے سوا دوسرے معاملات ذات کبریا پر چھوڑ دینا چاہییں -

مستشرقین اور کلیسا کے لیے باعث ندامت: امریکی مستشرق واشنگٹن اور اس کے دوسرے یاران طریقت ، عام اس سے کہ مسند استشراق کے مہرے ہوں یا محض کلیسائی مجاور ، دونوں گروہوں کو اپنی اس غلطی پر نادم ہونا چاہیے کہ انہوں نے اسلامی

نظریۂ تقدیر کے سر کیا کیا منڈھ دیا ہے۔ ہم نے مسئلہ کے سلسلہ میں صرف قرآن ہی پیش کیا ہے، اس لیے کہ ہمارا مقصد نہ علمائے اسلام اور صوفیا کی توجیہات معرض بحث میں لانا منظور ہے نہ فلاسفۂ اسلام کی تنقیحات پیش کرنا۔ واشنگٹن نے تقدیر کی آیات کو غزوۂ احد اور حضرت حمزہ کی شہادت کو شان نزول بتانے میں کلیسائی مجاوروں کی تحقیق سے بھی زیادہ لغزش کا ارتکاب کیا ہے۔ اس موضوع پر ہم نے جو آیات پیش کی ہیں ان میں سے بعض ہجرت سے قبل مکہ میں نازل ہوئیں جب کہ غزوات کا ذکر اذکار تک وجود میں نہ آیا تھا۔

واشنگٹن ارونگ اور ان کے ہم نوا مسیحی اہل قلم کی اس غلطی کا پس منظر یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی نظریۂ تقدیر پر تحقیق کی بجائے اسے مسیحی تصورات کے سانچے میں ڈھال لیا تاکہ پڑھنے والوں کو بلا تکلف اپنا ہم نوا کر لیں۔ کاش! یہ حضرات اسلامی نظریۂ تحقیق کو قرآنی نقطۂ نظر سے پرکھنے کی زحمت فرماتے۔ انہیں اندازہ ہو سکتا کہ وہ عقل و شعور کے ساتھ کس حد تک مطابقت رکھتے ہیں اور جس میں ہر زمانہ کے فلاسفہ نے اسی (اسلامی نظریۂ تقدیر) کے مطابق اپنے اپنے دور کے لیے اسے قبول کیا ہے۔

اگر مستشرقین منصفانہ طریق پر اسلامی مسئلۂ تقدیر کا تجزیہ کر لیں تو انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ تقدیر کا اسلامی تصور اس قدر ارفع و اعلیٰ ہے کہ زندگی کے ان تمام تصورات کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے جو مختلف دوروں کے فلاسفہ نے تقدیر کے متعلق قائم کیے اور ان میں ابتدا سے لے کر اب تک کے تمام تصورات کا بتدریج ارتقا ہوتا رہا۔

اسلامی نظریۂ تقدیر اور اس کے علمی تجزیہ میں تطبیق: اگر مستشرقین اسلامی جبریت کے راز کو پا لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ مصدر کتنا اونچا، کتنا گہرا ہے اور کس درجہ زندگی کے ان تقاضوں کے عین مطابق ہے! تقدیر کے اس تصور کو ان تمام فلسفی و عقلی کوششوں کا نچوڑ قرار دینا چاہیے جو اس سلسلہ میں بروئے کار آتی رہیں۔ یہ تصور اپنی ہیئت و ترتیب کے اعتبار سے بالکل انوکھا ہی نہیں بلکہ در اصل اسے ایک طرح کا امتزاج کہنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نہ تو ایجابیت پسندوں کی علمی جبریت سے متصادم ہے اور نہ شوپنہار کے اس نظریہ سے بر سر پیکار ہے کہ یہ عالم محض ارادوں کی کار فرمائیوں کا کرشمہ ہے اور نہ برگسان کے ارتقائے پیہم ہی سے اس کا تعلق مخاصمانہ ہے۔ اس کے برعکس ان تمام سچائیوں کو یہ اپنی وسعتوں میں لیے ہوئے ہے۔

اختصاراً چند امور بامید غور و توجہ پیش کرتا ہوں، نہ اس لیے کہ مسیحانہ نظریۂ تقدیر پر معارضہ مد نظر ہے۔ بارہا اعادہ کیا جا چکا ہے کہ اسلام حضرت مسیح کے مبادی تعلیم کو بھی اسی طرح تسلیم کرتا ہے جس طرح دوسرے انبیائے سابقین یعنی جناب ابراہیم و موسیٰ وغیرہ کی تعلیم کو، جیسا کہ خود جناب مسیح نے انجیل مقدس میں فرمایا: ”یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے آیا ہوں“۔

اسلام کا مقصد انبیائے سابقین کی تعلیم کو مکمل کرنا ہے: اسلام کا مقصد انبیائے سابقین کی تعلیم کو مکمل کرنا ہے مگر ان کے شارحین کی تحریف میں تصحیح کے ساتھ۔

اس لیے میں اس نظریہ کی جو تعبیر قرآن کی روشنی میں کرنے کو ہوں اس بارے میں پہلے اہل علم بھی میرے شریک ہیں، البتہ اسلوب بیان میں فرق ہوگا ۔ پس اگر توفیق نے یاوری کی اور میں اس مقصد میں کامیاب ہوگیا تو یہ خداوند عالم کے لطف و کرم سے ہوگا ۔ جن ارباب فکر و دانش کو علم کی نعمت عطا ہوئی ہے ان سے متوقع ہوں کہ لغزش پر میری دست گیری فرما کر اس کے عطا کردہ علم و فضل کا شکریہ ادا کریں گے ۔

قرآن کے سامنے سب سے پہلے یہ نظریہ مسلم ہے کہ جہان ایسا مربوط و منظم سلسلہ ہے جس میں کسی تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں اور جہان صرف اس زمین و آسمان یا ستاروں اور سیاروں ہی میں منحصر نہیں جنھیں ہم اپنے گرد و پیش دیکھ رہے ہیں ۔ ان کے سوا بے شمار محسوسات اور بھی ہیں اور ان کے ماسوا بے حساب ایسے غیر محسوس عوالم بھی ہیں، جو ہماری حس و ادراک سے بالا تر ہیں اور یہ سب کے سب ارض و فلک اور ستاروں کے ساتھ مل کر جہان کی تشکیل کا ذریعہ قرار پائے ۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ اس جہان کے متعلق ہمارے معلومات بے حد محدود ہیں، مثلاً ایتھر اور کہربائیہ ہیں ۔ اول الذکر ہمارے اور ستاروں کے درمیان حائل ہے اور کہربائیہ جس نے ایتھر اور زمین دونوں کے درمیان تلاطم برپا کر رکھا ہے ۔ ان (دونوں ایتھر اور کہربائیہ) کی وجہ سے آفتاب اور دوسرے ستاروں سے ہمیں جس قدر بعد ہے اس کے باہمی فاصلہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ ذات خداوندی کے سوا کسی کو اس پر احاطہ ممکن نہیں ۔ لیکن ان (اجرام) کے درمیان اس قدر فاصلہ ہونے کے باوجود سب کے سب ایک ایسے معینہ نظام کے تابع ہیں جس میں تغیر ناممکن ہے ۔ انسانی معلومات کی وسعت کے باوجود ہم اس جہان کی نیرنگیوں سے بہت کم آگاہ ہو پاتے ہیں ۔ حتی کہ جوں جوں ہماری ان معلومات میں ترقی ہوتی جائے گی ہم اصل حقیقت سے اور دور ہوتے جائیں گے ۔ البتہ ہماری معلومات میں ترقی ہوتی جائے گی جس کے مقابلہ میں حقیقت ہمیں نہایت کم زوہر معلوم ہوگی ۔ بایں ہمہ حقیقت کو ہم دوسری دوسری چیزوں سے غیر منفک تسلیم کرتے اور اسی کو اپنی ترقی کی بنیاد سمجھتے ہیں ۔ ہمیں یقین ہے کہ اسی (حقیقت) کے پرتو میں ہم زندگی کے قوانین اور جہان کو بھی محسوب کیے ہوئے ہیں ۔ اگر ہم اس طرح تسلیم کرتے ہوئے اپنے تصور کو دور تک لے جائیں، پھر اس پر گفتگو کرنا چاہیں تو ہمارے لیے یہ میدان اور بھی محدود ہو جائے گا ۔ پس ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

مریخ میں آبادی کی مثال سے سبق : فرض کیا مریخ میں انسان آباد ہے اور اس کے قبضہ میں لاسلکی (تار برق) بھی ہے جو اپنی آواز ایک سو ملین میل تک پھینک سکتی ہے جس کے ذریعے مریخ کے باشندے کرۂ زمین پر رہنے والوں کو اپنے ہاں کے حوادث ٹیلی وزن کے ذریعے سناتے رہتے ہیں ۔ کیا یہ بات ہمارے فہم میں آ سکتی ہے، حالانکہ مریخ ان ستاروں سے قریب تر ہے جو زمین سے لاکھوں میل اور دور واقع ہوئے ہیں ؟

مجھے عرض کرنا ہے کہ جہان حس کے متعلق ہماری قلت علم کا یہ حال ہے کہ اس کی مختصر سے مختصر اطلاعات پر بھی ہمیں احاطہ نہ ہو سکے، دوسری طرف اس (جہان) کی پنہائی و پذیرائی کا یہ عالم کہ اسی کے تاثرات ہماری زمین اور اس پر بسنے والی مخلوقات میں یوں جاری و ساری ہوں ۔ پھر اگر اس جہان کا کوئی ایک کرہ ذرا سا پہلو

بدل لے تو دنیا کا انجام کیا ہو! انسانی زندگی جو دوسرے دوسرے موجودات کے مقابلہ میں ذرہ بے مقدار کے درجے پر ہے، اپنی موجودہ صورت سے تحلیل ہو کر کس حالت میں متبدل ہو کر رہ جائے چہ جائے کہ اگر اس (زندگی) پر کوئی بڑا حادثہ وارد ہو! تب ؟

انسانی اطوار پر خارجی عوامل کے اثرات : ہماری زندگی اپنی اس بے مائیگی کے ساتھ (ان) خارجی تاثرات سے کبھی نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور گاہے نیکی سے دامن سمیٹ کر ایک طرف ہوجاتی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں خارجی عوامل ہی موثر نہیں ہوتے بلکہ جس نفس پر یہ عوامل عارض ہوتے ہیں اس (نفس) کی ذاتی استعداد اور ان تاثرات کا انداز وقوع بھی نیکی کی طرف سبقت یا اس سے دامن سمیٹ لینے، دونوں میں سے کسی ایک کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ایک حادثہ مختلف لوگوں پر مختلف اثرات ظہور پذیر ہونے کا ذریعہ بن گیا۔ ایک فرد اس (حادثہ) کے اثر سے نیکی اور بدی دونوں کے درمیان آہنی فصیل کی شکل میں کھڑا ہو گیا، مگر دوسرے اشخاص نے اس کی بجائے اور اثرات قبول کیے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر یا شر دونوں میں سے جو بھی رونما ہو نتیجہ ہے عوامل خارجی اور انسانی روح دونوں کی باہمی کیفیت امتزاج کے تاثرات کا اور اسی طرح نیکی اور بدی دونوں نتیجہ ہیں قوانین خلقت اور وجود کائنات کے خواص کا جیسا کہ مثبت اور منفی دونوں کہربائیہ کی ایک ہی گرہ میں اکٹھے بندھے پڑے ہیں، جس طرح جسد انسانی کی بقا کے لیے جراثیم بھی اس کے بدن میں پل رہے ہیں۔

فی زمانہ کوئی شے نہ مضر ہے نہ مفید۔ اشیا کا نفع و ضرر ان کے استعمال سے مربوط ہے۔ جو چیز ایک موقعہ پر مہلک ہے وہی دوسرے وقت میں جاں بخش ہے، جیسے برق پاش آلات حرب جو لڑائی میں لکھوکھا انسانوں کا خون چاٹ کر ہنوز سرگرم ہلاکت ہیں، جن کی شعلہ آشامی سر بہ فلک محلوں کو چشم زدن میں پیوند خاک کر دیتی ہے، دیدہ زیب مناظر ایک جھپٹ سے بھیانک نظر آنے لگتے ہیں، مگر یہی آلات حرب! جنگ کے بغیر اپنی افادیت کا دامن یوں پھیلائے رکھتے ہیں جس سے انسان دائمی راحت محسوس کرنے لگے۔ بارود اور اسی قسم کی دوسری آتش بار چیزیں نہ ہوتیں تو پہاڑوں کے جگر میں ریل کی پٹڑی کے لیے شگاف ممکن تھا ؟ اسی (بارود) کی قوت زمین کے قلب سے سونے چاندی کے ذرے اگلوا لیتی ہے، اسی کی بدولت کوہ پیکر چٹانیں ایک طرف ہٹا کر وہ گیسیں نکال لی جاتی ہیں جو لڑائی کے دوران میں انسان پر انسانی خون کی پچکاریاں پھینک کر اسے بھسم کر دیتی ہیں، اور صلح و آشتی کے دور میں یہی (گیسیں) مفید امور میں معاون ـ کوئی انسانی جان بچانے کے لیے اکسیر اور بعض ہمارے استعمالی پانی کو مہلک جراثیم سے پاک کرنے میں مددگار، جہازوں کے مہلک جراثیم کی ہلاکت میں ہماری ممد، جن میں ایسے خطرناک چوہے بس جاتے ہیں کہ اگر گیس نہ ہوتی تو یہ (چوہے) جہازوں میں شگاف ڈال کر انہیں سمندر کی تہ میں پہنچا دیتے۔ اسی طرح ان گیسوں کی بدولت کئی قسم کے جراثیم تباہ کیے جاتے ہیں۔

حشرات الارض میں منافع کا پہلو: آج سے پہلے حشرات الارض اور چرند و پرند کا وجود محض بے مصرف سمجھا جاتا تھا مگر جدید اکتشافات نے جوں ہی پردہ ہٹایا جن جانوروں کو ہم بے مصرف تصور کیے ہوئے تھے ان پر ہماری زندگی کی بقا دیکھنے میں آئی۔ ان جانوروں کے مسئلہ نے بعض ملکوں میں یہاں تک اہمیت حاصل کر لی ہے کہ

ایسے جانوروں کی بقا کے لیے چڑی مار اور شکاریوں کو قانوناً پابند کر لیا گیا ہے اور ماہرین حیوانیات نے تسلیم کر لیا ہے کہ جب تک ایسے ذی روح انسان کے لیے خطرہ کا سبب نہ ہوں ان کی بقا و حفاظت کا انتظام ضروری ہے، ورنہ ایسے جانوروں کی ہلاکت اور بربادی خود انسان کی تباہی کا ذریعہ بن جائے گی۔

فعل کا موقعہ کی اہمیت سے علاقہ : کہنا یہ ہے کہ اس قسم کے ذی روح حیوانات کی مانند انسانی اعمال بھی فی ذاتہ نہ مفید ہیں نہ مضر بلکہ ان کی منفعت و مضرت کا حکم ان کے نتیجہ کے مطابق لگایا جا سکتا ہے، مثلاً از روئے قرآن قتل انسان معصیت بھی ہے اور فعل حرام بھی، لیکن یہی قتل ہے جسے فی ذاتہ ''حق'' سے تعبیر کیا گیا۔ فرمایا :

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق (۶ : ۱۵۱)۔	اور کسی جان کو قتل نہ کرو جسے خدا نے حرام ٹھہرا دیا ہے، ہاں یہ کہ کسی ''حق'' کی بنا پر قتل کرنا پڑے جیسے قصاص میں۔

اس سے ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص اپنے کسی فعل کی وجہ سے مباح الدم ہو جائے تب اس کا قتل کر دینا ''حق'' ہے۔ اسی طرح :

و لکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب (۲ : ۱۷۹)۔	اور اے ارباب دانش! قصاص کے حکم میں (اگرچہ) بظاہر ایک جان کی ہلاکت کے بعد دوسری جان کی ہلاکت گوارا کر لی گئی ہے لیکن فی الحقیقت یہ ہلاکت نہیں ہے۔ تمہارے لیے زندگی ہے۔

ہر قسم کا قاتل موقعہ کی اہمیت سے حق بجانب بھی ہو سکتا ہے : مثلاً جلاد۔ ان ہر دو آیات سے ثابت ہوا کہ :

(۱) وہ جلاد جو مجرم کو قتل کرتا ہے،

(۲) اور جو شخص خود پر سے حملہ آور کی مدافعت میں اسے موت کے گھاٹ اتارتا ہے،

(۳) اور وہ سپاہی جو اپنے وطن کی حفاظت میں مقابل کی گردن بھٹے کی طرح اڑا کر پھینک دیتا ہے،

(۴) اور وہ مومن جو اپنے دین کی حفاظت کے لیے کافر کو فی النار کر کے خود بچ نکلتا ہے،

کسی معصیت یا امر محرم کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے خدا کی طرف سے خود پر عائد کردہ حق کو ادا کیا ہے اور وہ گناہ کی بجائے محسن نیک کردار کے برابر اجر و ثواب کے مستحق قرار پائے ہیں۔

اسی طرح مثلاً ایک شخص اپنے وطن کو وبا سے بچانے کے لیے مہلک جراثیم کی ہلاکت کا جوہر دریافت کر لیتا ہے جو اس وبا کا باعث ہونے کو تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا مقصد نیک ہے۔ اسی طرح وہ تمام ارباب صنعت و حرفت جو ربع مسکون پر آباد ہیں اگر ان کی ایجاد و سعی مفید کاموں میں صرف ہو تو یہ ان کے اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا اور اگر بنی نوع بشر کی بلا وجہ تباہی کے لیے استعمال ہو تو نتیجہ کچھ اور ہوگا۔

قدرتی تقسیم کار: خداوند عالم کا ارادہ اور دنیا میں اس کا قانون (دونوں) کار فرما ہیں۔ اس کی وجہ سے اس نے بنی نوع انسان پر مختلف قسم کی ذمہ داری تقسیم فرما رکھی ہے جس میں ہر شخص کو اس کے سلیقہ کے مطابق کام کرنے کی استطاعت حاصل ہے۔ ایک طبقہ تعمیرات سے دنیا کو آباد کر رہا ہے، دوسرا کھیتی باڑی سے ان کی قوت کا سامان فراہم کرنے میں مشغول ہے، کچھ لوگ صنعت و حرفت کے ذریعے ربع مسکون کی رونق بڑھا رہے ہیں، بعض حضرات علم و ہنر سے جمہور کی ذہنی تربیت میں مصروف ہیں، لیکن جملہ علوم و فنون کے باوجود ان میں سے کوئی طبقہ قانون خداوندی کی تبیین نہیں کر سکتا جس کے لیے اللہ ایک اور طبقہ کو خلعت نبوت سے ممتاز فرما کر انہیں ابلاغ رسالت پر مامور فرما دیتا ہے۔ اسی طرح ایک گروہ کو علم و حکمت کی دولت حاصل ہونے سے انبیا کا ورثہ نصیب ہوتا ہے جو ہمیں کردنی و ناکردنی امور سے آگاہ کرتے ہیں۔ پھر بشر کو فی ذاتہ عقل و تمیز عطا فرمائی گئی ہے جس سے وہ انبیا اور وارثین علوم نبوت کی تعلیم کے مطابق خود کو ناکامی کی ڈگر سے بچا کر کامیابی کی راہ پر لے جا سکیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی چلنے کی دعوت دیں اور اس کے بعد جو شخص غیر مناسب امور کا مرتکب ہو کر گناہ سے باز نہ رہ سکے ریاست کا فرض ہے کہ اپنے مروجہ دستور کے مطابق اس پر تعزیر عاید کرنے میں غفلت سے کام نہ لے تاکہ جرائم کی رفتار میں اضافہ نہ ہو، لیکن خدا کے حضور گناہ گاروں کے لیے توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ جو شخص غلطی سے برائی کرنے کے بعد خدا کے سامنے ندامت کا اظہار کرے اور اس کے بعد اپنے کو گناہ سے پاک کرنے کا ارادہ کر لے، اس کے لیے یہ گنجائش باقی ہے کہ خداوند عالم اس کا یہ گناہ معاف فرما دے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق خدا کی یہ رحمت ہر اس شخص کے لیے ہے جو سچے دل سے گناہ سے سرکشی کا تہیہ کر کے خدا کے سامنے توبہ کر لے۔ تب وہ اس کا گناہ معاف فرما دے گا - فانہ ھوالتواب الرحیم (۲ : ۳۵)۔

قرآن کا یہ فلسفہ جیسے اس کے بعض مخالف مسائل سے مختلف بتاتے ہیں در حقیقت زندگی کے عین مطابق ہے۔ وہ (فلسفۂ قرآنی) ثابت کرتا ہے کہ اشیا کا وجود خداوند عالم کے ارادۂ محض کا نتیجہ ہے:

انما قولنا لشیء اذا اردناہ ان نقول له کن فیکون (۱۶: ۴۰)۔	جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو بس ہمارا کہنا اس کے بارے میں اتنا ہی ہوتا ہے کہ ہم اس کو فرما دیتے ہیں کہ ہو! اور وہ ہو جاتی ہے۔

ہمارے لیے یہ جہان محسوسات و غیر محسوسات دونوں کا سرچشمہ ہے مگر اس کے قوانین غیر متغیر ہیں جن کے ادراک کے لیے ہم اپنی عقل کے مطابق خود مکلف ہیں اور اس کے اس (ادراک و تعقل) کی راہ میں پیش آمدہ مسائل کو عقل و فہم ہی کی قوت سے حل کرنے کے ذمہ دار ہیں جس سے بنفسہ ہمارے ادراک و تعقل میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

(اس) جہان کا قوام خوبی (نیکی) ہے جس سے بدی ہمہ وقت بر سر پیکار ہے۔ کبھی وہ نیکی پر غالب بھی ہو جاتی ہے لیکن جب نیکی بدی پر غالب آ جاتی ہے تو انسان

چشم زدن میں ترقی کی کئی منزلیں آگے نکل جاتا ہے جیسا کہ موجودہ زمانہ میں انسان کو بعض امور میں کمال حاصل ہو چکا ہے۔

عالم کون و مکان کو چھ روز میں پیدا کرنا : ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کا فلسفیانہ مسلک دوسرے مسالک کے مقابلہ میں حصول مراتب کے لیے کہیں بہتر اور اکمل ہے جو اپنی شرح اس انداز سے کر رہا ہے اور جس کی تائید قرآن مجید ہی کے فلسفۂ تخلیق ارض و فلک سے ہو رہی ہے، جس کے مطابق کردگار ہر دوسرا نے زمین اور آسمان کو چھ[1] روز میں خلق فرمایا اور اس کے بعد عرش بریں پر مستوی ہو گیا، مگر ان دنوں کی مقدار ہماری دنیا کے دنوں سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔

وان یوماً عند ربک کالف سنة مما تعدون (۲۲ : ۴۵)۔

اور کچھ شک نہیں کہ تمہارے پروردگار کے ہاں تم لوگوں کی گنتی کے مطابق ہزار برس کے برابر (اخیر فیصلے کا) ایک دن ٹھہرا ہوا ہے۔

مگر یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے لیکن نظریۂ ارتقاء قرآن مجید کے اسی تخلیق عالم کے مطابق قرار دیا جاتا ہے اور اسی کے مطابق حامیان ارتقاء کو وسعت بھی ملتی ہے۔

آدم و حوا کی تخلیق : آخر اس کردگار حقیقی نے آدم اور حوا کو خلق فرمایا اور ملائکہ کو ان کی تعظیم کا حکم دیا جس کی تعمیل ابلیس کے سوا ہر ایک فرشتہ نے کی، اگرچہ وہ (ابلیس) بھی آدم کی فضیلت علمی اور تبحر کا انکار نہ کر سکا۔

ویا آدم اسکن انت و زوجک الجنة وکلا من حیث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتکونا من الظلمین فوسوس لهما الشیطان لیبدی ماوری عنهما من سوآتهما وقال ما نهاکما ربکما عن هذه الشجرة الا ان تکونا ملکین اوتکونا من الخالدین و قاسمهما انی لکما لمن الناصحین فدلهما بغرور فلما ذاق الشجرة بدأت لهما سوآتهما و طفقا یخصفان علیهما من ورق الجنة و نادهما ربهما الم انهکما عن تلکما الشجره و اقل لکما ان الشیطان لکما عدو مبین قال ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین ۔ قال اهبطوا بعضکم لبعض عدو لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین قال فیها تحیون و فیها تموتون ومنها تخرجون ۔

اور ہم نے آدم سے کہا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بی بی (حوا) بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ پیو مگر اس درخت گندم کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ ایسا کرو گے تو تم آپ اپنا نقصان کر لوگے۔ پھر شیطان نے دونوں (میاں بی بی) کو بہکایا تا کہ ان کے پردہ کرنے کی چیزیں جو ان کی نظر سے مخفی تھیں (یعنی ان کا آگا پیچھا) انہیں کھول دکھائے اور ان دونوں سے لگا کہنے کہ تمہارے پروردگار نے جو اس درخت کے پھل کھانے کی تم کو مناہی کر دی ہے تو ہو نہ ہو اس کا سبب یہی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا دونوں ہمیشہ (ہمیشہ) کو جیتے رہو اور ان سے قسمیں کھا کھا کر بیان کیا کہ بلا شبہ میں تمہارا خیر خواہ

---

[1] بمصداق آیه : ان ربکم الذی خلق السموات و الارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش (۷ : ۵۲)۔ (لوگو) بے شک تمہارا پروردگار وہی تو ہے جس نے چھ دن میں زمین و آسمان کو پیدا کیا پھر عرش پر جا براجا۔

یا بنی آدم قد انزلنا الیکم لباساً یواری سواتکم و ریشاً و لباس التقوی ذالک خیرٌ ذالک من آیات الله لعلهم یذکرون۔ یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنہ ینزع عنهما لباسهما لیریهما سوآتهما انه یراکم هو و قبیله من حیث لا ترونهم انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یومنون (۷ : ۲۷ تا ۲۶) ۔

ھوں۔ غرض دھوکے سے ان کو (درخت ممنوع کے کھانے کی طرف) مائل کر لیا۔ تو جونہی انھوں نے درخت کے پھل کو چکھا تو دونوں کو پردہ کرنے کی چیزیں دکھائی دینے لگیں اور لگے بہشت کے پتوں کو اپنے اوپر چپکانے اور ان کے پروردگار نے ان کو ڈانٹا کہ کیا ہم نے تم کو اس درخت کے کھانے کی مناھی نہیں کی تھی اور (کیا) تم سے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ھے؟ (یہ) دونوں کہنے لگے کہ اے ھمارے پروردگار! ھم نے اپنے تئیں آپ تباہ کیا اور اگر تو ھم کو معاف نہیں فرمائے گا اور ھم پر رحم نہیں کرے گا تو ھم بالکل برباد ھو جائیں گے۔ اس پر خدا نے فرمایا کہ تم میاں بی بی اور شیطان تینوں بہشت سے نیچے اتر جاؤ۔ تم میں ایک کا دشمن ایک ھے اور تم (بنی آدم) کو ایک وقت خاص (یعنی مرتے دم) تک زمین پر رھنا (ھوگا) اور (تمھارا) سامان (زیست) بھی وھیں مہیا ھے۔ خدا نے یہ بھی فرمایا کہ زمین ھی میں زندگی بسر کروگے اور اسی میں مروگے اور اسی میں سے (قیامت کے دن دوبارہ) نکال کھڑے کیے جاؤگے۔ اے بنی آدم! ھم نے تمھارے لیے (ایسا) لباس اتارا ھے جو تمھارے پردے کی چیزوں کو چھپائے اور (موجب) زینت (بھی ھو) اور پرھیزگاری کا لباس یہ (سب لباسوں سے) بہتر ھے۔ یہ (یعنی لباس کا ھونا) خدا کی (قدرت کی) نشانیوں (میں) سے ھے تاکہ لوگ اس یات پر غور کریں۔ اے بنی آدم! (کہیں) شیطان تم کو راہ خدا سے بہکا نہ دے جس طرح کہ اس نے تمھارے والدین (آدم اور حوا) کو بہشت سے نکلوایا کہ لگا ان کا (بہشتی) لباس ان سے اتروانے تاکہ ان کے پردہ کرنے کی چیزیں ان پر ظاھر کر دے۔ غرض اغوائے شیطان سے بچتے رھو (کیونکہ وہ اور اس کی ذریات تم کو ادھر سے)

دیکھتے رہتے ھیں جدھر سے تم ان کو نہیں دیکھتے - ہم نے شیطانوں کو ان ھی لوگوں کا یار (ھمدم) بنایا ھے جو ایمان نہیں لاتے -

ھابیل و قابیل : آدم اور حوا بہشت سے نکل آئے اور (باھر آ کر) ان کی اولاد ایک دوسرے کی دشمن ھو گئی - البتہ وھاں سے نکل کر انھوں نے اپنی زندگی بہتر کرنے کے لیے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی - اسی طرح آدم کے اخلاف الاخلاف نے - خداوند عالم نے ان کے متعلق (بعضکم لبعض عدو ـ ۷ : ۲۳) جو انداز بتایا تھا پورا ھوکر رھا - ان کے دنیا میں آجانے پر سب سے پہلے ان کی قساوت و تعصب ھی رونما ھوا۔

واتل علیھم نبابنی آدم بالحق اذ قربا قرباناً فتقبل من احدھا ولم یتقبل من الاخر قال لا قتلنک۔ قال انما یتقبل اللہ من المتقین لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لا قتلک۔ انی اخاف اللہ رب العالمین انی اریدان تبوآ باثمی واثمک فتکون من اصحاب النار و ذالک جزاء الظالمین فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ فقتلہ فاصبح من الخاسرین فبعث اللہ غراباً یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سوات اخیہ قال یا ویلتیٰ اعجزت ان اکون مثل ھذالغراب فاواری سوءۃ اخی فاصبح من النادمین من اجل ذالک کتبنا علی بنی اسرائیل انہ من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً ولقد جاءتھم رسلنا بالبینات ثم ان کثیراً منھم بعد ذالک فی الارض لمسرفون (۵ : ۲۷ تا ۳۲) -

اور (پیغمبر!) ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں (ھابیل اور قابیل) کے واقعی حالات پڑھ کر سناؤ کہ جب دونوں نے (خدا کی جناب میں) نیازیں چڑھائیں تو ان میں سے ایک (یعنی ھابیل) کی قبول ھوئی اور دوسرے (یعنی قابیل) کی قبول نہ ھوئی - تو (قابیل مارے حسد کے) بھائی سے لگا کہنے کہ میں ضرور تجھ کو قتل کرکے رھوں گا - اس نے جواب دیا کہ اللہ تو صرف پرھیزگاروں کی (نیازیں) قبول کرتا ھے - اگر میرے قتل کرنے کے ارادے سے تو مجھ پر اپنا ھاتھ چلائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے تجھ پر اپنا ھاتھ چلانے والا نہیں کیونکہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ھوں - میں تو یہ چاھتا ھوں کہ زیادتی ھو تو تیری ھی طرف سے ھو اور تو میرا اور اپنا (دونوں کا) گناہ سمیٹے اور دوزخیوں میں (جا شامل) ھو اور ظالموں کی یہی سزا ھے - اس پر بھی اس کے (یعنی قابیل کے) نفس نے اس کو اپنے بھائی کے مار ڈالنے پر آمادہ کیا - (چنانچہ) آخرکار اس کو مار ڈالا اور (آپ ھی) گھاٹے میں آ گیا - اس کے بعد اللہ نے ایک کوا بھیجا - وہ زمین کریدنے لگا تاکہ اس کو (یعنی قابیل کو) دکھائے کہ اسے اپنے بھائی کی فضیحت (یعنی اس کی لاش) کو کیونکر چھپانا چاھیے - چنانچہ وہ کوے کو زمین کریدتے دیکھ کر بول اٹھا ھائے میری شامت! کیا میں (ایسا) گیا گذرا ھوا کہ (بلا سے)

اس ۔ کوے ھی جیسا (ھوشیار) ھوتا تو اپنے بھائی کی فضیحت (یعنی لاش) کو تو چھپا دیتا- الغرض وہ (اپنے کیے سے بہت ھی) پشیمان ھوا - اسی (واقعے کی) وجه سے ھم نے بنی اسرائیل کو تحریری حکم دیا که جو کوئی جان کے بدلے یا ملک میں فساد پھیلانے کے طور پر نہیں (بلکه ناحق) کسی کو مار ڈالے گا تو (اس کی نسبت ایسا سمجھا جائے گا که گویا اس نے تمام آدمیوں کی جان لی اور جس نے اس کی جان بچا لی اس نے گویا سب کو بچا لیا، بنی اسرائیل کے پاس ھمارے رسول کھلے کھلے معجزے لے کر آبھی چکے ھیں - پھر اس کے بعد (بھی) ان میں سے بہتیرے (لوگ) ملک میں زیادتیاں کرتے پھرتے ھیں -

ایک بھائی نے دوسرے (بھائی) کو مار ھی ڈالا - یه (قاتل) اپنے حقیقی بھائی کا حاسد ، شقی القلب اور کینه توز تھا - دوسرا بھائی جس کا قلب خوف خداوندی سے معمور تھا جب حمله آور بھائی نے اسے لا قتلنک (۵ : ۳۰) که کر دھمکایا تو قتل ھونے والے نے متقی ھونے کے باوجود اپنے حمله آور بھائی کے لیے مغفرت و عفو کی دعا کی اور اس کے گناہ کے ساتھ اپنے گناہ کا بوجھ بھی اسی کے سر ڈالنے کی طلب ظاھر کی - انی ارید ان تبوء باثمی و اثمک فتکون من اصحاب النار[1] (۵ : ۳۲) -

غور فرمائیے که انسانی کردار میں انتقام اور خشونت کا جذبه عفو و بخشش پر کس قدر حاوی ھے -

حضرت آدم کے بعد انبیاء کا سلسله جاری ھوا : حضرت آدم اور حوا کی تخلیق کے بعد ان کی نسل بڑھتی گئی اور خدا نے انھیں راہ راست پر قائم رکھنے کے لیے انبیاء کا سلسله جاری فرمایا ، جو اولاد آدم کو ان کے کاموں پر فلاح و نجات کی بشارت اور برے کاموں پر بد انجامی سے ڈراتے - لیکن وہ (بنی آدم) نیکی سے دور ھوتے گئے- ان کی روحانی زندگی میں خلا بڑھتا گیا ، ان کے دلوں پر حق کے خلاف پردے پڑ گئے- حتیٰ که خدا نے حضرت نوح کو مبعوث فرمایا جنھوں نے اپنی قوم کو ان لفظوں میں ھدایت فرمائی :

ان لا تعبدوا الا الله انی اخاف علیکم غذاب یوم الیم (۱۱ : ۲۶) -	الله تعالیٰ کے سوا. اور کسی کو نه پوجو کیونکه میں ڈرتا ھوں تم کو تکلیف کے دن (قیامت) کا عذاب نه ھو -

حضرت نوح کی دعوت : ولیکن حضرت نوح کی دعوت معدودے چند مومنین نے قبول کی - ان (حضرت نوح) کے بعد پے در پے یه ظھورات قائم رھے - خدا کے رسول تشریف لاتے اور ایک ایک خدا کی طرف رجوع کرنے کی دعوت فرماتا - مگر عوام پر جو جمود مسلط ھو چکا تھا اس کی وجه سے ان کی عقلیں ادراک حقیقت سے بے بہرہ ھو چکی تھیں

---

[1] اور تو میرا اور اپنا (دونوں کا) گناہ سمیٹے اور دوزخیوں میں جا شامل ھو-

وہ خدائے وحدہ لا شریک کی بجائے محسوس معبودوں کو خدا کے مرتبے پر گھسیٹ لاتے اور:

انکلما جاءکم رسول بما لاتھویٰ انفسکم فریقاً کذبتم و فریقاً تقتلون (۲ : ۸۷) -	جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس ایسے احکام لے کر آیا جن کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو کتنوں کو جھٹلایا اور کتنوں کو لگے قتل کرنے -

رسولوں کی سعی رائیگاں نہیں جاتی: تاہم رسولوں کے پے بہ پے آتے رہنے سے آخر اس جمود میں قدرے کمی ہونے کو آئی - انبیائے کرام کا بویا ہوا تخم دیر ہی سے پھل لاتا ہے لیکن رائیگاں نہیں جاتا - تاخیر سہی ، کلمہ الحق کا بے اثر رہنا ناممکن ہے - بے بیشک بعض اشخاص کا غرور اور خود پسندی انہیں قبول حق سے روکتی ہے اور وہ (لوگ) اصحاب دعوت پر تمسخر اڑانے سے باز نہیں رہتے، لیکن یہی لوگ جب تنہائی میں اپنے دلوں کو ٹٹولتے ہیں تو حقیقت کو اپنی شہ رگ سے قریب پاتے ہیں - اس پر بھی بہت تھوڑے لوگ حقیقت کا تتبع کرتے اور بیشتر اشخاص بدستور عجب و نخوت میں ڈوبے رہتے ہیں -

حضرت موسیٰ کا فرعون سے مطالبہ: مصر کے یہ کاہن خود تو وحدانیت کے مقر تھے لیکن عوام کو دوسرے دوسرے خداؤں پر ایمان لانے کی تلقین کرتے - (ان کا) مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں ان (کاہنوں) کی جو عظمت راسخ ہو چکی تھی اس میں زوال نہ آنے پائے - یہ دور اسی طرح کار فرما تھا کہ حضرت موسیٰ و ہارون کا ظہور ہوا جنھوں نے فرعون کو توحید کی دعوت دی اور اس کے انکار پر اپنی قوم (بنی اسرائیل) کی حوالگی کا مطالبہ فرمایا جسے فرعون اور اس کے اسلاف نے صدیوں سے غلام حلقہ بگوش بنا رکھا تھا - فرعون اس مطالبہ پر الٹا حضرت موسیٰ کے خلاف فوج لے کر ان پر پل پڑا -

قرآن مجید میں بیشتر ایسے انبیاء کا تذکرہ منقول ہے جو یکے بعد دیگرے بنی آدم کو ان کا مقام سمجھانے کے لیے مبعوث ہوئے - یہ سلسلہ صدیوں تک قائم رہا ، لیکن کسی دور میں بھی معدودے چند مومنین کے سوا عوام ان کے ہم نوا نہ بن سکے - انبیاء کی یہ سہم اہل نظر کے لیے بے حد جاذب توجہ ہے - ان حضرات میں اس موقعہ پر صرف حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور خاتم الرسل حضرت محمد علیہم السلام کے عہدوں پر نظر کافی ہے -

انبیائے کرام اور معجزات: ان حضرات کی نبوت سے انکار و قبول دعوت میں صرف ایک نکتہ قابل توجہ ہے جسے عقل صحیح اور معجزات و خوارق کے درمیان حد فاصل کا درجہ حاصل ہے - کردگار حقیقی نے ہر نبی کو گوناگوں معجزات عطا فرمائے تاکہ ان خوارق کی تائید عوام کے لیے ان کی دعوت پر میلان کا ذریعہ بن سکے - لیکن پھر بھی بہت ہی کم لوگ ان کی طرف متوجہ ہو سکے - یہ لوگ تو خدائے برتر و بالا کی بجائے مجسم و محسوس بتوں کی خداوندی کے عادی ہو چکے تھے - ان کا یہ شعور اور عقل خدائے وحدہ لا شریک کی وحدانیت پر ایمان لانے میں کیوں کر رہبری کر سکتا تھا ؟

حضرت موسیٰ کا پہلی مرتبہ مصر سے نکلنا اور مدین سے لوٹ کر پھر مصر: حضرت موسیٰ ہی کا واقعہ ہے - خدا نے چاہا کہ سر زمین مصر میں انہیں دعوت توحید کے لیے مبعوث فرمائے جس کے اہتمام کی غرض سے پہلے جناب موسیٰ کو مصر سے نکلنا پڑا - سفر در سفر کرتے ہوئے قریہ مدین کے چشمہ پر تشریف لائے - آخر اسی مدین میں انہیں

تزوج کا شرف حاصل ہوا جس کے بعد پروردگار عالم نے حضرت موسیٰ کو ان کے وطن (مصر) واپس تشریف لے جانے کا ارشاد فرمایا:۔

فلما اتىها نودى من شاطئ الوادى الايمن فى البقعه" المباركه" من الشجرة ان يا موسىٰ انى انا الله رب العالمين وان الق عصاك فلما راها تهتز كانها جان ولى مدبراً ولم يعقب يا موسىٰ! اقبل ولا تخف انک من الامنين اسلک يد ک فى جيبک تخرج بيضاء من غير سوء واضمم اليک جناحک من الرهب فذانک برهانان من زبک الى فرعون وملائه انهم كانوا قوماً فاسقين (۲۸ : ۳۰-۳۲) ۔

پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو اس مبارک جگہ میں میدان کے داہنے کنارے ایک درخت تھا۔ اس میں سے ان کو آواز آئی کہ ''موسیٰ! یہ تو ہم اللہ ہیں۔ سارے جہاں کے پروردگار'' اور ساتھ ہی یہ بھی آواز آئی کہ ''تم اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دو''۔ تو جب موسیٰ نے لاٹھی کو ڈالا اور اس کو اس طرح چلتے دیکھا کہ گویا وہ زندہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ہم نے فرمایا ''موسیٰ! آگے آؤ اور کسی بات کا خوف نہ کرو۔ تم ہر طرح سے امن میں ہو۔ اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر رکھو اور پھر نکالو۔ تو وہ بغیر کسی روگ کے بھلا چنگا سفید نکلے گا اور رفع خوف کے لیے اپنے بازو اپنی طرف سکیڑ لو۔ غرض عصا اور ید بیضاء یہ دونوں معجزے عطیہ ربانی ہیں جو تمھاری معرفت فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجے جاتے ہیں کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں''۔

حضرت موسیٰ، فرعون مصر اور اس کے مداری : اور حضرت موسیٰ حصول نبوت کے بعد مصر تشریف لے لائے۔ جب تبلیغ فرمائی تو فرعون نے اپنے مداریوں کو ان کے معجزات کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ جلسہ منعقد ہوا جس میں فرعونی مداری اپنی تمام عیاریاں سمیٹ کر حضرت موسیٰ کو ناکام ثابت کرنے کے لیے مقابلہ پر آئے۔ انھیں علم تھا کہ نبی اللہ کا عصا اژدھا بن کر شعلے برسانا شروع کر دیتا ہے۔ اس لیے مداری لا تعداد ٹوٹکے بنا لائے جن میں سانپ کی طرح رینگنے کی قوت بھر دی گئی تھی اور بیک لمحہ انھیں زمین پر بکھیر دیا گیا۔ جونہی حضرت موسیٰ نے اپنا معجزانہ عصا زمین پر رکھا وہ ہیبت ناک اژدھا بن کر مداریوں کے ان سنپولیوں کو نگل گیا جنھوں نے حضرت موسیٰ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ جادوگر یہ منظر دیکھ کر حقیقت کو پا گئے اور آمنا برب ھارون و موسیٰ (۲۰ : ۷۳) (ہم ایمان لائے ھارون اور موسیٰ کے رب پر) کہتے ہوئے خدائے یکتا کے حضور سجدے میں گر پڑے۔

سب کچھ ہوا لیکن بنی اسرائیل جو خدا کی ذات کے لیے بھی پیکر محسوس کے خوگر تھے کچھ عرصہ بعد ان کے شرک کے ناسور پھر پھوٹ نکلے اور انھوں نے خدا کے رسول سے برملا تقاضا کیا:

یا موسیٰ لن نومن لک حتیٰ نری اللہ جهرة (۲ : ۵۵)-	اے موسیٰ! جب تک ہم خدا کو ظاہر میں نہ دیکھ لیں ہم تو کسی طرح تمہارا یقین کرنے والے نہیں -

حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد : جب حضرت موسیٰ نے وفات پائی تو یہی بنی اسرائیل اپنے سابق تصور کے مطابق بچھڑے کی پوجا پر ٹوٹ پڑے اور جب حضرت موسیٰ کے بعد دوسرے انبیاء ظہور فرما ہوئے تو (انہوں نے) کسی کو جھوٹا کہا اور کسی کو قتل کر دیا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد ان (بنی اسرائیل) کی آنکھ کھلی تو ایک ایسے نبی کا انتظار کرنے بیٹھ گئے جس کی معیت میں اپنے دشمنوں سے لڑ کر ان سے ارض موعود واپس لیں۔[1]

حضرت مسیح کا ظہور : تاریخ کے صفحات پر حضرت موسیٰ و بنی اسرائیل اور ان کے کوائف و سوانح کا زمانہ اس قدر پرانا نہیں کہ امتداد مدت نے اسے دھندلا دیا ہو۔ ابھی تک پچیس صدیاں ہی گذری ہیں۔ تاریخ میں اتنا وقفہ ایک لمحہ سے بھی کم شمار ہوتا ہے۔ معلوم ہے کہ اس دور میں عقل پر حس نے غلبہ حاصل کر رکھا تھا جس کی بدولت روحانیت اور معنوی تصورات پر مادی محسوسات و تصورات کو ترجیح حاصل تھی جیسا کہ رسالت مآب سے پانچ چھ سو سال قبل حضرت عیسیٰ ظہور فرمائے عالم ہوئے اور انہوں نے اپنی قوم کے سامنے توحید کی دعوت پیش فرمائی جس میں روح القدس ان کے دست و بازو تھے مگر ان کی قوم نے نہ سنا۔

جناب مسیح نے معجزانہ طور سے پینے پلانے کے لیے پانی سے شراب بنا دکھائی :

جناب مسیح نسلاً یہودی نژاد تھے۔ یہود ان کی دعوت سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے نبی اللہ کو وہ رسول منتظر سمجھا جو انہیں مسیحان روم کی غلامی سے بچا کر پھر ارض موعود (فلسطین) پر غالب ہونے میں رہنمائی فرمائے گا۔ یہود نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ نبی اللہ مسیح صرف عقل ہی سے اپنی رسالت و دعوت اللہ کی نص پیش نہیں کرتے، ان کے ساتھ کئی ایسے معجزات و خوارق بھی ہیں جو ان کے دعویٰ نبوت کا ثبوت ہیں، مثلاً (مسیحی روایات کے مطابق) پہلا معجزہ، مسیح کی برکت سے قانا[2]

---

[1] قرآن مجید میں یہ مضمون سورہٗ بقرہ (آیت نمبر ۲۴۶) لفظ "الم تر الی الملا من بنی اسرائیل" سے لے کر (آیت نمبر ۲۵۲) لفظ لمن المرسلین تک منقول ہے (— م)-

[2] گلیل قریہ کا نام ہے۔ "پھر تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی ہوئی اور یسوع کی ماں وہاں تھی اور یسوع اور اس کے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی اور جب مے ہو چکی تو یسوع کی ماں نے اس سے کہا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی۔ یسوع نے اس سے کہا 'اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام ہے؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔' اس کی ماں نے خادموں سے کہا جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو۔ (وہاں) یہودیوں کی طہارت کے دستور کے موافق پتھر کے چھ مٹکے رکھے تھے اور ان میں دو دو تین تین من کی گنجائش تھی۔ یسوع نے ان سے کہا مٹکوں میں پانی بھر دو۔ پس انہوں نے ان کو لبا لب بھر دیا۔ پھر اس نے ان سے کہا اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وہ لے گئے۔ جب میر مجلس نے وہ پانی چکھا جو مے بن گیا تھا اور جانتا نہ تھا کہ یہ کہاں سے آئی ہے (مگر خادم جنہوں نے پانی بھرا تھا جانتے تھے) تو میر مجلس نے دولھا کو بلا کر اس سے کہا ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے اور ناقص اس وقت جب پی کر بہک جائیں مگر تو نے اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے۔ یہ پہلا معجزہ یسوع نے قانائے گلیل میں دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا اور اس کے شاگرد اس پر ایمان لائے" (یوحنا، ب ۲، ۱ تا ۱۱ — م)-

گلیل کی ایک شادی میں پانی شراب میں متبدل ہو گیا جس کے بعد نان و ماھی کا معجزہ دکھایا، لب گور کو حیات نو بخشی، مردوں کو زندہ کر کھایا۔ (حضرت مسیح نے) اسی طرح تعلیم و منطق کی بجائے تو بہ تو معجزوں سے دلوں کو مسخر کرنے کی داغ بیل ڈالی۔ اگرچہ سابقہ انبیاء کے مقابلہ میں جناب (مسیح) کی تبلیغ جاذب تھی۔ وہ ایک دوسرے پر عفو و عطوفت اور محبت کی تلقین فرماتے، خدا کے ساتھ رغبت کی ھدایت فرماتے، مگر اس تبلیغ کے ساتھ دلیل و منطق کی یاوری نہ تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب لوگوں نے ان کی بات (دعوت) سننے سے انکار کر دیا تو ان کے معجزات میں بوقلمونی اور بڑھ گئی۔ وہ کوڑھ اور جنون کھونے لگے، مردوں کو زندہ کر دکھایا۔ خداوند عالم نے مسیح کو یہ معجزے لوگوں کے ان کی طرف میلان کی غرض سے عنایت فرمائے تھے اور ایسا ہی ہوا مگر ایک طبقہ نے انھیں خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ ابن مریم کو عین ذات تسلیم کر لیا گیا جو انسانی قالب میں خود پر مصائب برداشت کر کے بنی آدم کے گناھوں کا کفارہ ہونے کے لیے دنیا میں آ پہنچا ھے، جو اس امر کی سب سے بڑی دلیل ھے کہ مسیح کے عہد تک منطق و عقل اس حد کمال تک نہ پہنچے تھے کہ حقائق کے واسطہ سے خالق ہر دوسرا کی وحدانیت کو تسلیم کیا جا سکے جو ابویت سے بیگانہ، ابنیت سے بے نیاز اور اس کی برابری کا کسی کو یارا نہیں۔ اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد (۱۱۱ : ۲ تا ۴)۔[1]

فراعنۂ مصر کے علوم و فنون سے یونان و روم میں تبدیلی: جن عہدوں میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ مبعوث ہوئے فراعنۂ مصر کا فلسفہ اور دوسرے علوم و فنون وھاں سے یونان اور روم میں منتقل ہو چکے تھے جنھوں نے ان کو پوری طرح اپنا لیا۔ بعد میں یونان نے فلسفہ و ادب کے دریا بہا دیے جن سے منطق و حجیت کی آبپاشی مصر و فلسطین اور شام میں سب ملکوں سے زیادہ ہوئی۔ جغرافیائی طور پرمسیحیت کا منبع ان ملکوں سے بہت زیادہ قریب تھا۔ ان تینوں ملکوں نے تصدیق نبوت کے لیے خوارق و معجزات کی بجائے دلیل و برہان کو مقدم سمجھا، جیسا کہ ہم اس کتاب کے شروع میں اشارہ کر چکے ہیں۔

رسول اللہ کی دعوت از روئے منطق: بلا شبہ خداوند عالم نے دلیل و منطق کو انسان کے لیے تاج سروری کے طور پر ممتاز کر رکھا ھے، لطیف و پر کیف منطق جو عقل و حجت اور روح تینوں کے امتزاج سے مرکب اور انسان کو ادراک حقائق کا ملکہ عطا فرما سکے۔ خداوند متعال نے بدو عالم یہ منطق پیغمبر اسلام صلعم کے مقدر میں ودیعت کر رکھی تھی کہ جب ”وہ نبی“ ظہور فرمائے عالم ہو گا تو عقل و محبت اور روح کے موالید ثلاثہ جو اس (نبی) کی پشتیبان ہیں لوگوں کو قبول دعوت پر بیش از بیش مائل کرنے میں ان کی مدد کریں گے جس پر نازل شدہ دین کو خدائے برتر اپنے نوشتوں کے ذریعے لوگوں کے لیے کامل کر دے گا اور تکمیل دین کی وجہ سے اس کی امت کے لیے اتمام نعمت ہو گا اور رسالتوں کا (تشریعی و

۱۔ اللہ ایک ھے، اللہ بے نیاز ھے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ھے۔

غیر تشریعی یعنی دونوں قسم کا) سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اسلام حقیقت توحید اور ایمان باللہ کو اساس قرار دے گا۔ اور جس کسی کو اس پر یقین ہو جائے گا اسے دوسرے وظائف دین پر عمل کی ہدایت کرے گا۔

''خاتمہ'' کے فصل اول میں یہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ تکمیل ایمان منحصر ہے کشف و ادراک عالم پر۔ جو لوگ نعمت کشف حقائق کی سعی کرتے ہیں انہیں دنیا میں ایمان نصیب ہوتا ہے۔ خدا کی یہی سنت ہے جو یوم حساب تک جاری رہے گی جب کہ خداوند عالم جملہ بنی نوع بشر کو دوبارہ زندہ کر کے یک جا کرے گا۔ صدر اول کے مسلمانوں کا یہی ایمان اور اسی پر عمل تھا۔ ان کے بعد ایک عرصہ تک مسلمان اسی طرح عمل پیرا رہے یہاں تک کہ حوادث نے انہیں ایسے اہم ترین عمل و سعی سے دور ہٹا دیا۔

اسلام تقدیر پر قانع رکھنے کی بجائے سعی عمل کی دعوت فرماتا ہے: گذشتہ اوراق میں ہم نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ واضح طور پر نشان دیتے ہیں کہ مستشرقین نے تقدیر اسلامی پر قرآن مجید کی جن آیات کو قضا و قدر و نوشتہ لوح اور تعین ازلی و ابدی کے مفروضہ دلائل کے ثبوت میں پیش کیا، یہ ان (اہل قلم) کی جبلی و نسلی و فطری اور سماجی عادت ہے (کہ اسلام کے خلاف مفتریات وضع کرنے میں ان کے خلاف براہین کو سامنے نہیں آنے دیتے ہیں) چہ جائے کہ اسلام ہر شخص کو سعی و عمل کی ترغیب دیتا ہے اور اسے اپنے اعمال کی سزا و جزا مل کر رہے گی۔ خداوند عالم کسی پر ظلم کا روادار نہیں اور نہ جرم کے بغیر سزا دینے پر مائل۔ جو اشخاص سعی اور جدو جہد چھوڑ کر کاہلی و نامرادی کو توکل سمجھ کر ایسے توکل سے رحمت کردگار کے متمنی ہیں خود پر ظلم کرتے ہیں۔

مال و اولاد اور نیکی میں امتیاز: گذشتہ اوراق میں ہم نے اپنا مقصود وضاحت سے ثابت کر دیا ہے تاہم ایک ایسی دلیل سے مفر نہیں جو ان معنوں میں قطعیت کے درجہ پر ہے۔

المال و البنون زنیۃ الحیاۃ الدنیا	مال اور بیٹے آرایش ہیں زندگانی دنیا
و الباقیات الصالحات خیر عند ربک ثواباً	کی اور باقی رہنے والیاں نیکیاں بہتر ہیں
و خیر املاً (۱۸ : ۴۶) -	پروردگار تیرے کے ثواب میں اور بہتر ہیں
	آئندہ رکھنے میں -

انسان کے لیے مال کی طلب اور کسب معاش سے محبوب کوئی مشغلہ نہیں جس میں اکثر و بیشتر اشخاص ہمہ وقت مصروف ہیں اور اپنی ہمت و بساط سے کہیں زیادہ محنت کرتے ہیں۔ سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اس محنت میں کیسی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کس عجلت کے ساتھ وہ اپنا عیش و آرام قربان کر بیٹھتا ہے اور اپنا سکھ تج کر دکھ کے پہاڑ سر پر رکھ لیتا ہے۔ ایک اور شخص ہے جو مال و دولت کی بجائے یہی قربانی اولاد کی خاطر گوارا کر لیتا ہے اور اس راہ میں جان نثار کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتا۔ دونوں کی جدوجہد یعنی جمع مال و زر اور اولاد پر جان نثاری دنیا ہی کی زینت تو ہے جہاں نیکی کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں، نہ کوئی مآل اندیش اسے نیکی کے مقابلے

میں ترجیح دے سکتا ہے ۔ یوں نادان اور کم فہم سے کیا کہئے جو نیکی سے بے بہرہ ہیں یا وہ عورتیں جو چند روزہ جوانی پر آپے سے باہر اور اپنے حسن و جمال کی نمائش بڑھانے کے لیے مال و دولت کو ہر برائی کے عوض حاصل کرنے میں تامل نہیں کرتیں یا وہ سرمستان عہد شباب جو عقل و شرافت کو ٹھکرا کر اپنے ارد گرد خوشامدی مصاحبوں کو جمع کر لیتے ہیں کہ انھیں کھلا پلا کر اپنے اثر و نفوذ میں ان مصاحبوں سے آڑے وقت میں کام لیا جا سکے گا ، چہ جائیکہ ان موسمی پروانوں کے دلوں میں ایسے آقاؤں کی عظمت پرکاہ کے برابر نہیں ہوتی ۔ یہ سب قسمیں ایسے ہوش باختہ دیوانوں پر مشتمل ہیں جو نیکی سے بے خبر ہو کر متاع عقل و خرد کو ظاہر کے پلے باندھے بیٹھے ہیں ، فکر امروز میں فردا کے مآل سے بے خبر! جو لوگ دنیاوی آسائشیں اور ایسے طریقوں سے حاصل کرنے میں منہمک ہوں انھیں دیوانہ نہ کہیے تو پھر دنیا میں اور کون ہے جو دیوانہ ہے ۔

مال و زر اور اولاد سے دنیا میں آسائش حاصل ہونے میں شبہ نہیں لیکن یہ حقیقت تو نہیں کہ انھیں اپنی کوششوں کا محور بنائے رکھیے ۔ حقیقت نام ہے نیکی اور حسن عمل کا جنھیں کبھی فنا نہیں ۔ اس لیے حقیقت تک رسائی کے لیے مال و زر اور اولاد کی ترقی سے زیادہ جدوجہد کرنا چاہیے ۔

اصل منفعت نیکی ہے : آیہ : المال و البنون زینۃ الحیاۃ و الباقیات الصالحات خیر عند ربک ثواباً و خیر املا (۱۸ : ۴۶) مسلمانوں کے سامنے کس قدر مفید تعلیم کا نقشہ پیش فرما رہی ہے کہ جس طرح وہ دنیوی آسائش و استراحت و زینت و جمال کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں انھیں روح اور قلب کو حقیقت و نیکی کی راہ میں اس سے بھی زیادہ متوجہ رہنا چاہیے ۔ دنیوی آسائش اگرچہ نیکی کا ذریعہ ہو سکتی ہے تاہم زندگی نیکی ہی کے لیے صرف کی جائے ۔ مال و دولت ہے تو اس کا مصرف بھی اسی راہ میں ہو ، خدا نے اولاد عطا فرمائی ہے تو اس کی تربیت بھی اسی انداز سے کیجیے جس سے وہ اپنے لیے ، والدین اور عوام کی خاطر نیکی کی راہ میں نثار ہونے پر کمر بستہ رہیں ۔ اسی لیے خدا کے سامنے نیکی کا اجر اور سرور دنیا میں مال و دولت اور اولاد زندگی کے لطف سے کہیں زیادہ ہے ۔ لیکن مسلمانوں کی قوت فکر کس حد تک ناکارہ ہو چکی ہے جو بدیہات اور ایسے خوش آیند منافع سے منہ پھیر کر صرف زینۃ الحیوۃ الدنیا یعنی ''المال والبنون'' کو اپنی دلچسپیوں کا مرکز سمجھ رکھا ہے اور نیکی جیسی نعمت دوام سے یوں پیٹھ پھیر رکھی ہے جیسے دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی سروکار ہی نہیں ۔

زوال المسلمین پر شیخ محمد عبدہ مصری کی رائے : آخر مسلمانوں کی قوت ایسی واضح منطق سے ہٹ کر ان چیزوں کی طرف مائل ہو گئی جنھیں ان کے عقائد سے کوئی واسطہ نہ تھا ۔ ہم نے فصل اول میں اس پر اشارہ سا کیا ہے کہ اس تغییر عقیدہ کا موجب وہ فاتحین ہیں جنھوں نے دور عباسیہ کے آخری ایام میں مسلمانوں کی بستیوں کو تاخت و تاراج کیا اور یہ کہ صدر اول کے بعد نظام حکومت کے لیے شوریٰ کی جگہ جابر بادشاہت نے لے لی جس میں نمایاں کردار اموی بادشاہوں کا ہے ۔ اس کی قدرے وضاحت شیخ الاسلام محمد عبدہ کی مصنفہ کتاب ''الاسلام والنصرانیہ'' سے نقل کی جاتی ہے :

اسلام عرب سے نکلا اور یونانی علوم سے ملوث ہوکر ’’دین عربی‘‘ کی بجائے ’’علم عربی‘‘ سے موسوم ہونے لگا ، حتٰی کہ عباسی خلیفہ سے سیاسی غلطی کا ارتکاب ہوا اور اس نے اسلامی ریاست کو اپنی خاندانی مملکت میں محصور رکھنے کی غرض سے یہ منصوبہ بنایا کہ ’’مبادا عربی نژاد مسلمان سپاہی کسی وقت علوی خلفاء کی حمایت پر کود پڑیں ۔ ان کی بجائے ترک و دیلم اور دوسرے ملکوں کے نوجوان فوج میں کیوں نہ بھرتی کیے جائیں جن میں علوی خاندان سے عقیدت کا وہم تک نہیں کیا جاسکتا ۔ عجمی لشکری میرا کلمہ ہی پڑھیں گے اور میری سطوت سے لرزہ بر اندام رہیں گے ۔ میں انہیں اپنے انعامات سے یوں بھی بس میں کر لوں گا اور یہ بادشاہت تا بہ حشر میرے خاندان کا پانی بھرے گی ۔

اسلامی احکام کے مطابق غیر ملکیوں کو فوج میں بھرتی کرنے کی اجازت پہلے سے موجود تھی ۔ ایسا ہی ہوا ۔ خلیفہ نے عجمی لشکر بنا لیا جس سے رفتہ رفتہ عربی دین میں عجمی بو باس سرایت کر گئی ۔ عباسی خلیفہ نے اپنی سطوت اور اپنے اخلاف کے لیے ’’ملک لا یبلٰی‘‘ (۲۰ : ۱۱۸) (ایسی سلطنت جو کبھی پرانی نہ ہو) کی بنیاد ڈالی جس سے اُمت محمدیہ میں خلفشار اور دین اسلام میں شگاف پڑگیا ۔ عجمی سپاہی اپنے محبوب خلیفہ کی امیدوں کو پامال کرتے ہوئے اس کی سلطنت پر اس طرح سے قابض ہو گئے کہ خلیفہ کو برائے بیت بادشاہ رہنے دیا مگر اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے ۔ ان سپاہیوں اور عجم نژاد عناصر کے دماغ اسلامی تصورات سے بیگانے ، قلوب اسلام کی محبت سے خالی اور اپنے وطن سے خشونت و ظلم کا جو ترکہ اپنے ہمراہ لائے تھے یہاں پہنچ کر اس ترکہ میں اور اضافہ کرلیا ۔ ان (عجمیوں) میں بے شمار ایسے سپاہی اور افسر تھے جو اپنے پیکری خداؤں کو گریبانوں میں ڈال کر سینے سے چپکائے ہوئے تھے ۔ جونہی تخلیہ ملتا ان کی آرتی بجا لاتے ۔ ان عجمی نژاد عناصر کے دخل درآمد کے بعد فتنہ تاتار سر بلند ہوا جس نے عباسیوں کو عدم آباد دھکیل دیا ۔ شروع میں عباسی عہدیداروں میں سے جو اشخاص کلیدی آسامیوں پر قابض ہوئے ان لوگوں کو علم و دین دونوں سے خدا واسطے کی دشمنی تھی ۔ یہ امیر ابتدا ہی سے علمائے حق کے خلاف تھے ۔ کلیدی آسامیاں ملنے پر اور بھی کھل کھیلے ۔ علمائے حق کی تائید و نصرت سے ہاتھ روک لیے اور ان کی بجائے ایسے مدعیان علم و افتا کو مسند علم پر جانشین مقرر کیا جن کے لبادے علمائے حق ہی کے سے تھے ، ان ہی کی سی بول چال اور وہی لب و لہجہ ، لیکن اسلام کی بیخ کنی کا فریضہ ادا کرنے میں ہر لمحہ مصروف عمل ۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح بن سکے مسلمانوں کو صحیح اسلامی تصورات سے بے گانہ کر دیا جائے اور اس میں کامیاب ہوتے گئے ۔ انھوں نے مسلمانوں کو طرح طرح کے فریب میں مبتلا کردیا ۔ کبھی دین کو ناقص ثابت کر کے خود کو اس کا مکمل کرنے والا بتایا ، کبھی دین کو مریض بتا کر خود کو اس کا مسیحا ثابت کیا ، کبھی قصر اسلام کی بنیادیں کھوکھلی ہوگئی ہیں ، ہم انہیں از سر نو مرصوص کر رہے ہیں ۔ یہ افراد اسی طرح کے بہانوں سے دین میں در پردہ نقب زنی کرتے رہے ۔

عوام پہلے سے اس قسم کی تلقینات قبول کرنے کے لیے منفعل تھے۔ نصاریٰ ان کے قرب و جوار میں آباد تھے جن کے مذہبی چلن سے یہ (مسلمان) بھی متاثر تھے۔ انھوں نے نصرانی عقائد کو اسلامی عقائد میں محلول کرنا از بس مفید سمجھ لیا۔ انھیں یہ خیال نہ آ سکا کہ غیر مذہبی عقیدہ کی تحلیل اسلام کے پاکیزہ تصورات میں مسیحیت کے ان ملوثات کو نہ سمو دے جن کا مبنی اصل دین مسیحی کے بجائے ان کے علما و رہبان کی بدعات ہیں، نہ ان کو یہ خیال آیا کہ اس طرح مسلمانوں کے پلے میں اپنا کیا رہ جائے گا، نہ انھیں یہ سجھائی دے سکا کہ نصرانیت کے ایسے تداخل سے مسلمان اپنے ولیوں اور عالموں کی پوجا کرنے سے اپنی وحدت کو پارہ پارہ تو نہ کر دیں گے، نہ وہ یہ سوچ سکے کہ ایک مرتبہ ایسی ضلالت میں گھر جانے کے بعد جب انھیں منع کیا گیا تو وہ برملا کہیں گے کہ 'بعد والوں کو پہلوں کے مسلمات میں رد و بدل کا کیا مجاز ہے'۔ آخر یہ بات ان کے عقیدہ میں داخل ہو گئی اور ان کی فرزانگی پر جہالت کے پردے پڑ ہی گئے۔

یہاں تک اثر و نفوذ حاصل کر لینے کے بعد ان متشبہین بالاسلام (برائے بیت مسلمان) نے اپنے یاران ہمدم کو اسلامی ملکوں میں پھیلا دیا۔ جن کی زبانوں سے مسلمانوں نے نئے نئے عقائد اور عجیب عجیب تصورات کے ذکر اذکار سن کر خود میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی، حتیٰ کہ عجمی تصورات کے ان داعیوں نے مسلمانوں کو متعدد ایسے عقائد پر مستحکم کر دیا، مثلاً:

(۱) کہ از روئے شرع شریف مسلمانوں پر امور سلطنت کے بارے میں کوئی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ بار صرف عمال حکومت کے سر ہے۔

(۲) انسان کی خستہ حالی کا مداوا نہ اس کے اختیار میں ہے نہ ریاست اس کی ذمہ دار۔ اس لیے کسی تباہ حال مسلمان کا اپنی فلاح و بہبود کی سعی کرنا اور نہ کرنا دونوں یکساں ہیں۔

ان کے چالاک داعی مسلمانوں کو اس تباہ حالی پر قناعت کرنے کے لیے کبھی انھیں قرب قیامت کی ان روایات سے متاثر کرتے جن کا نتیجہ ان کے الفاظ میں بجز خستہ حالی کے کچھ نہ ہو سکتا تھا یا ایسی روایات پیش کرتے جن میں تشابہ کا امکان تھا۔ ان کی من مانی تاویلات سے مسلمانوں میں کاہلی اور سستی برقرار رکھنے کی تجویزیں کرتے رہتے۔ اس معاملہ میں وضعی روایات کی باگ ڈور ان ہی داعیوں کے ہاتھ میں تھی۔ جہاں جیسا موقعہ دیکھا ایسی ہی روایت کا جوڑ لگا کر انھیں ٹھنڈا کر دیا۔

ان داعیان علم و تبلیغ کی جعل سازی میں سب سے نمایاں عنوان مسئلہ' قضا و قدر کو حاصل تھا۔ گویا یہ مسئلہ ان کی مٹھی میں تھا جس کی تفصیل سن کر مسلمان یک قلم بے حس ہو کر رہ گئے کہ 'جو مقدر میں ہے'۔

مسلمانوں میں ایسے عقائد ان کی سادگی اور دینی حقائق سے بے خبری کی وجہ سے مقبول ہوتے گئے۔ ایسے نفوذ میں مسلم و غیر مسلم میں تمیز ہی کیا ہے؟ جو قوم حقائق سے تہی دامن ہو کر مضروضات سے جیب بھر لے اسی طرح ناکامی و نامرادی میں گھر جائے گی، جیسا کہ مسلمانوں سے حقیقت نے منہ موڑ کر انھیں دور دھکیل دیا ہے۔ ان پر دین ہی کے نام سے ایسے عقائد مسلط ہو گئے ہیں جو

اسلامی تصورات سے متضاد ہونے کی بنا پر مسلمانوں کی بربادی کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ ان نام نہاد متشبہین بالاسلام کی یہ سیاست ان کی جہالت اور خود پرستی دو گونہ خصائل پر مبنی تھی جس (سیاست) نے اسلام میں ان عقائد کا الحاق کر دیا جن کے ساتھ دین کو دور کا واسطہ بھی نہ تھا، اور پیروان اسلام سے ایسی خوبیاں سلب کرلیں جن کے سہارے وہ افلاک تمدن کی سیر کرسکتے تھے۔ اب ان کی ہمتوں کو یاس و حرماں نے بے دست و پا کر دیا۔ اسلام ہی کے نام پر یہ رسمیں ان میں داخل ہو گئیں، چہ جائیکہ ان پر اسلام کی مہر نہ تھی۔ البتہ مسلمانوں کی نماز، روزہ اور حج ان کی دستبرد سے بچ گئے یا چند اور اقوال جن میں صرف تحریف موثر نہ ہو سکی۔

کہاں تک بیان کیجیے اور کب تک سنیے گا۔ اس غلبہ نے مسلمانوں میں بدعات و خرافات کھڑے کر دیے اور اس عیاری کے ساتھ کہ اسلام کے ماننے والے ان بدعات کو اصل دین سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہوتے گئے (نعوذ باللہ منھم وما یفترون علی اللہ و دینہ)۔ انتہا یہ ہے کہ آج تک جو کچھ اسلام کے نام سے موسوم ہے وہ بھی ان ہی افترا کنندوں کا ہے[۱]۔

متذکرۃ الصدر سطور میں شیخ محمد عبدہ نے جو کچھ فرمایا ہے ظاہر ہے کہ دشمنان دین نے اسلام میں ایسے خرافات شامل کر دیے جنھیں بادی النظر میں خدا اور رسول کا حکم سمجھا گیا۔ سب سے بڑا افترا تقدیر کا تصور ہے جس (تصور) کے خلاف قرآن مجید میں بے شمار آیات موجود ہیں۔ اسلام کے ان مہربانوں نے تقدیر کی تاویلوں کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر کاہلی و نامرادی کی تخم ریزی اس طرح کی کہ ''سعی و تدبیر کو کامیابی سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے واضح صداقت اور کہاں ملے گی؟ کامرانی وفوز کی نبض تقدیر کے ہاتھ میں ہے جس میں انسانی جد و جہد کو ذرہ بھر دخل نہیں۔''

میں پھر اعادہ کرتا ہوں کہ اسلام میں تقدیر کا یہ تصور نہیں۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ مستشرقین نے از راہ حسد و بغض اسے اسلام کے سر منڈھ دیا ہے۔

اسلام پر مادیات سے اجتناب کا افترا: مسیحی مہربانوں کے ہاتھوں تقدیر ہی کا گلہ نہیں۔ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق مادیات سے انتفاع بھی روا نہیں، جیسا کہ یونان کے رواقی فرقہ کا مسلک ہے جو عہد عباسیہ میں مشرق وسطیٰ میں پہنچا اور مسلمانوں کے ایک فرقہ نے اسے اپنا لیا۔ کچھ سہی لیکن قرآن مادیات سے انتفاع کی برملا ترغیب فرماتا ہے۔

قرآن مادیات سے انتفاع کی ترغیب دیتا ہے: ولا تنس نصیبک من الدنیا (۲۸ : ۷۷) (اور دنیا سے جو تیرا حصہ ہے اسے فراموش نہ کر)۔

قرآن مسلمانوں کو ایسے اعتدال و میانہ روی کی تعلیم فرماتا ہے جس میں نہ رواقیت کا سا ترک دنیا ہے اور نہ رندانہ حظ نفس میں استغراق و انہماک! لیکن ارونگ مستشرق یہ دونوں برائیاں تقدیر کے کندھوں پر رکھ کر مسلمانوں کے گلے ڈال رہا ہے کہ ''مسلمانوں کو تقدیر اور ادھر عیش طلبی نے سعی و جد و جہد سے روک کر سدا کے لیے تلپٹ کر دیا جس سے وہ ابھی تک نہیں سنبھل سکے''۔

اس مصنف پر جو اپنی مسیحیت کے دامن میں پاکیزگی و ایثار کے نقش دکھا کر اسلام کے جیب و گریباں کو ان دونوں صفتوں سے معرا ثابت کرنا چاہتا ہے کیا کیا جائے۔

---

[۱] ''الاسلام و النصرانیہ'' از شیخ محمد عبدہ، ص ۱۲۲ تا ۱۲۵ ۔

همیں هی گواره نہیں که علمی نصرانیت اور اسلام کا تقابل اس حیثیت سے کیا جائے ، اس لیے که اصل میں دونوں ایک هیں ۔ اگر هم اس باب میں عملی مسیحیت کا رخ پیش کریں تو ایک حیثیت میں مشاجره کا دروازه کھولنا هے اور همیں یه منظور نہیں ۔ اس میں اسلام یا عیسویت دونوں میں سے کسی کے لیے منفعت نہیں ۔ لیکن انجیل مقدس کی اس آیت کو کیا کیجیے گا جو حضرت مسیح کو رواقی ثابت کرنے کی بجائے انهیں چه جائے که جناب مسیح کو فی الجمله رواقی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی هے ۔ انجیل کی اس آیت کا مفاد یه هے که حضرت مسیح کا سب سے پهلا معجزه یه هے که قانائے گلیل کی ایک شادی میں شراب نه تهی مگر مسیح نے اپنے اعجاز سے پانی کو شراب میں تبدیل کر دیا ۔ طرفه یه که جب یه شراب ختم هو گئی تو ان کے جو ساتهی اس نعمت سے پوری طرح شاد کام نه هوئے تهے حضرت انهیں فریسیوں کے دستر خوان پر لے پهنچے جهاں دوسری نعمتوں کے ساتھ شراب بهی موجود تهی ۔ ثابت هوا که نه تو حضرت مسیح نے دنیاوی نعمتوں سے اپنا دامن سمیٹے رکھا نه اپنے دوستداروں کو یه تلقین فرمائی ۔ البته انهوں نے دولت مندوں کو یه تلقین ضرور کی که وه محتاجوں کی دست گیری کریں ، ان کے ساتھ محبت سے پیش آئیں اور انهیں اپنا احسان نه جتائیں ۔

جناب مسیح کے خلاف حضرت محمد (صلوات اللہ علیہما) کے کردار میں ان معاملات کی رو سے کس قدر اعتدال نظر آتا هے ! اس کی مدحت قرآن مجید نے بهی جابجا فرمائی هے جیسا که هم گذشته اوراق میں زکوۃ و صدقه کے احکام پر چند آیات نقل کر چکے هیں جن کا تکرار تحصیل حاصل هے ۔

مسیحی مفتری اروِنگ (مستشرق) نے اسلام پر رواقیت کا جو افترا باندها هے اس کی تردید کے لیے قرآنی تعلیم میں توسط و اعتدال کی تلقین کافی هے ۔

”جو شخص تلوار کے زور سے کوئی چیز حاصل کرے وه شے اس سے تلوار هی کی قوت سے واپس لی جا سکتی هے“ : اروِنگ نے اسلام کے جسد میں جو تیر و نشتر پیوست کیے هیں ان میں سے ایک (نشتر) مسلمان ترکوں کی یورپ میں حکومت بهی هے ۔ اس میں اروِنگ کہتا هے که اگر مسیحی یورپ میں ابهی تک هلال (ترکوں) کا وجود نظر آ رها هے تو اس لیے که : (ا) یه مسیحی دول یورپ کی مہربانی هے ، (ب) یا مسیحی دول یورپ کی باهمی پهوٹ کا ثمره هے ، (ج) یا ترکوں هی کی همت کا نتیجه هے ۔ اس کلیه کے مطابق که ”جو شخص زور شمشیر سے حاصل کرے شمشیر هی کی قوت سے وه چیز اس سے واپس لی جا سکتی هے“ مگر شمشیر اور واپسی (بمطابق ج) انجیل مقدس کا کلیه هے جسے اروِنگ نے اسلام کے سر ڈال دیا هے ۔ بے چاره اروِنگ معذور بهی تو هے که اس نے یه کتاب انیسویں صدی عیسوی میں لکهی جب تک یورپ کا استعمار یا بقول اروِنگ — استعمار مسیحی موجوده صدی کے مطابق حریص اور شمشیر پر بهروسه کرنے والے نه هوں گے لیکن انیسویں صدی منقضی هوتے هی بیسویں کے آغاز (۱۹۱۸) میں مسیحی یورپ کی شمشیر کی کاٹ دیکھیے که لارڈ ایلن بی اتحادی فوجوں کا ٹڈی دل لے کر بیت المقدس پر حمله آور هیں جهاں یورپ هی کے ترک حکمران هیں ۔ جب ایلن بی اس منصوبے میں کامیاب هو گئے تو سلیمانی هیکل کے حضور کهڑے هو کر فرمایا ”صلیبی جنگیں آج ختم هوئی هیں“ ۔ بیت المقدس کے اسی سقوط

پر پٹرسین ام ۔ سمتھ نے اپنی تصنیف ''سیرت المسیح'' میں لکھا ہے کہ ''سنہ ۱۹۱۸ میں اتحادیوں کا بیت المقدس پر قبضہ آٹھویں صلیبی جنگ تھی جس میں مسیحیت اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکی'' اگرچہ بیت المقدس کا یہ سقوط تنہا مسیحی یورپ کی کوششوں کا ثمرہ نہیں ۔ اتحادیوں نے اس مقصد کے لیے ان یہودیوں کو آلہ کار بنایا جو صدیوں سے ارض موعود (بیت المقدس) میں قدم جمانے کے لیے کوششوں میں لگے ہوئے تھے جن کی آڑ میں (مسیحی یورپ نے) مسلمان ترکوں سے بیت المقدس چھین کر مظلوم مسیح کے قاتلوں کی نذر کر دیا ۔

حضرت مسیح زمین پر آگ بھڑکانے آئے[1]: اس لیے انجیل کا کلیہ :

> میں زمین پر آگ بھڑکانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا، لیکن مجھے بپتسمہ لینا ہے اور جب تک وہ نہ ہو لے میں بہت ہی تنگ رہوں گا ۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں ۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں ! بلکہ جدائی کرانے !

اسلام پر صادق نہیں آ سکتا کہ اس نے کوئی ملک تلوار کے زور سے حاصل ہی نہیں کیا بلکہ یہ وصف ملت مسیح کا خاصہ ہے جس نے گذشتہ صدیوں سے جہاں گیری و جہاں بانی ہی اپنا شیوہ بنا لیا مگر آج اسے پیروان مسیح اسلام کے سر ڈالنا چاہتے ہیں جب کہ آج کا یورپ ہوس استعمار میں سرشار ہو کر ان تاتاریوں کی پیروی کر رہا ہے جنھوں نے اسلام کا لبادہ پہن کر ملک فتح کیے ، لیکن اسلامی تعلیم کا ان (تاتاریوں) پر شمہ بھر اثر نہ تھا ۔ ان کے اس جرم کی سزا میں دوسرے مسلمان بھی خدائی گرفت میں جکڑے گئے ۔

مسیحی یورپ نے بھی اپنے نبی ہی کا اقتدا کیا: پھر دیکھیے یورپ نے جہاں استعمار کی طرح ڈالی ان ملکوں کے باشندے ان کی نیتوں سے جلدی آگاہ ہو گئے ۔ بخلاف ان کے جو ملک مسلمانوں کے زیر نگیں ہوئے ان ملکوں کے غیر مسلم باشندے جوں جوں اسلام کی عظمت اور سادگی و خلوص سے آگاہ ہوئے از خود اسلام قبول کرتے گئے ۔ دونوں (یورپ اور مسلمان حکمرانوں) میں ما بہ الامتیاز پہلے کی ہوس استعمار اور ثانی الذکر کی اس ذوق سے محرومی ہے۔ یورپ کے پیچھے دینی قوت کا شائبہ تک نہیں جس کی بدولت مغرب کی عیسائیت ایسا بے ثمر پودا ہے جس کی قیمت یورپ میں بھی نہیں رہی ۔ اسی بے عملی کی وجہ سے مسلمانوں میں ان کی تبلیغ بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے مگر بخلاف عیسویت اور مغربی استعمار پسندوں کے اسلام کی عظمت اور سادگی عقل و ادراک میں وسعت پیدا کرتی ہے جس کی بنا پر اس کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب کی پذیرائی نہیں ہو سکتی ۔

''من اخذ بالسیف فبالسیف یوخذ'' بلاشبہ مسلمہ ہے لیکن یہ کلیہ مندرجہ ذیل دو طبقوں پر صادق آتا ہے :

(الف) ان مسلمان حکمرانوں پر جنھوں نے مدافعت یا اپنے عقیدہ کی حفاظت سے قطع نظر جہاں بانی کی ہوس میں ملک فتح کیے۔

۱- لوقا ۱۲، آیت ۴۹ تا ۵۱،

(ب) مسیحی مستعمرین یورپ پر جو پس ماندہ اقوام کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لیے ان میں گھس جاتے ہیں۔

صدر اول کے مسلمانوں کی فتوحات کا نتیجہ استعمار نہ تھا: مگر صدر اول کے مسلمان کیا بزمانہ رسالت مآب اور کیا بعہد خلفائے راشدین اور ان سے کچھ مدت بعد کے امرائے اسلام میں سے کسی نے کسی غیر قوم پر محض غلبہ یا ہوس استعمار کی غرض سے حملہ نہیں کیا۔ ان کی جنگوں کا مقصد دشمنوں کی مدافعت یا اپنے عقیدہ کا تحفظ تھا، جیسا کہ جب قریش نے (بعہد نبوت پناہ) مسلمانوں کو ان کے عقیدہ سے لوٹانے کی کوشش کی اور اس معاملہ میں پورا عرب قریش کے ساتھ ہو کر منسلمانوں پر دوڑ پڑا۔ تب مسلمانوں نے انہیں خود پر سے ہٹانے کے لیے جوابی جنگ ضرور کی۔ اسی طرح روم کے مسیحی دشمنان اسلام اور ایران کے مجوسی حاسدان دین حنیفی کا ماجرا ہے جب ان کی طرف سے مسلمانوں کے عقائد کی وجہ سے مداخلت و حملہ پر مسلمانوں نے انہیں سرکوبی کے لیے باڑھ پر رکھ لیا۔ قریش و عرب اور روم و ایران کی جنگوں میں صداقت مسلمانوں کی طرف تھی اور جدھر صداقت ہو فتح ان کے لیے مقدر ہوتی ہے۔ یہی ہوا۔ کہنا یہ ہے کہ ان جنگوں میں مسلمانوں نے فاتح ہونے کے باوجود اپنے کسی مقابل کے عقیدہ میں مداخلت گوارا نہ کی کہ اسلامی تصورات میں کسی کے دین میں مداخلت اکراہ ہے (لا اکراہ فی الدین ۱ — البقرہ—م)۔ ان فاتحین نے یورپ کے مستعمرین کی طرح اپنے مفتوحہ ممالک کو اپنے لیے استعمار کی منڈیاں نہیں بنایا۔ جیسا کہ رسول خدا صلوات اللہ علیہ و آلہ کے انداز سے ثابت ہے کہ ہر مفتوح قبیلہ میں اس کے سابق امیر کو اس کے منصب پر جوں کا توں برقرار رہنے دیا۔ مسلمانوں کو کسی مذہب و ملت کے عقیدہ میں مداخلت کا تحمل ہی نہیں، لیکن یہ ان کے اختیار میں نہ تھا کہ ان کے عقیدہ کی استواری اور اہل عرب کی اہالیان عجم پر عدم ترجیح دیکھ کر مفتوحہ ممالک کے باشندے خود بخود اسلام قبول نہ کر لیں اور ایسے مساواتی عقیدہ اور اس پر عمل سے آنکھیں بند کر کے کون گذر سکتا ہے؟

مسلمان فاتحین کا چلن اسلام کی تبلیغ تھی: جس عقیدہ میں خدائے مطلق کے ماسوا کسی انسان کو کسی انسان پر برتری نہیں۔ جب عرب سے باہر کے رہنے والوں نے ان فاتحین اسلام کے یہ چلن دیکھے تو قبول اسلام کے لیے سبقت کے بغیر چارہ نہ رہا۔

لیکن گذشتہ آخری صدیوں میں یہاں بھی ملوکیت نے ڈیرے ڈال لیے۔ مسلمان بادشاہوں نے جہاں گیری و جہاں بانی کے لیے جنگیں شروع کر دیں اور "اس نوک شمشیر سے ملک فتح کیے جس سے دوبارہ واپس لے لیے جاتے ہیں" لیکن نہ تو اسلام زور شمشیر سے فتح کرنے کا حامی ہے نہ کسی کو اس کے مفتوحات میں بزور شمشیر ملک کا کوئی حصہ واپس لینے کی جرات۔ کیوں؟

اس لیے کہ اسلام ملکوں پر حکمرانی کی بجائے اذہان و قلوب پر قبضہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر غیر مسلم حکومت ان پر غالب آ گئی تو سہی، لیکن انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے میں غلبہ حاصل نہ کر سکی۔ آج جن مسلم ممالک پر عیسائیوں کو تلوار کے زور سے غلبہ حاصل ہے ان پر انجیل کا مقولہ "جو شخص زور شمشیر سے حاصل

۱۔ دین میں زبردستی (کا کچھ) کام نہیں۔

کرے وہ چیز شمشیر ہی کے زور سے واپس لی جاتی ہے“ (انجیل لوقا ، ب ۱۲ء۹ م تا ۵۱)۔
مذکورۃ الصدر تحریر کے مطابق ، حضرت محمد صلوات اللہ علیہ نے مفتوحہ قبائل کے سابق امرا و نوابین کو ان کے مناصب پر بدستور بحال رکھا۔ مسلمانوں کی طرف سے اپنے منصب میں یہ عدم اکراہ دیکھ کر اہل عرب از خود وحدت اسلامی میں منسلک ہوگئے۔ اب تمام ملک میں کوئی راجا تھا نہ پرجا ، حتیٰ کہ قبائل (عرب) مکہ یا مدینہ میں سے بھی کسی کی ماتحتی کے بار سے سرنگوں نہ تھے۔ ان میں ایمان و عمل کی حیثیت مابہ الامتیاز تھی۔ لیکن اس پر بھی سب مسلمان خدا کے سامنے مساوی درجہ پر تھے۔ ایک دوسرے پر برتری اور کمتری کا سوال ہی نہ تھا۔ البتہ جب غیروں میں کوئی ان کی جمعیت کو پراگندہ کرنے یا ان کے عقیدہ و ایمان کی وجہ سے ان پر حملہ یا حملہ کی تیاری کرتا تو سب کے سب مل کر مدافعت کرتے کیونکہ ہر فرد مسلم ملت کا جزو ہے اور ان کا مرکز ان کے خلیفہ کا دارالخلافت ، لیکن خلیفہ اور دارالخلافت دونوں میں سے کسی کو اقتدار و منزلت یا معنوی برتری میں جمہور پر کوئی تفوق نہ تھا۔ اسلام میں یہ برتری صرف احکام الٰہی کو حاصل ہے۔ اسی مساوات کے صدقہ میں مسلمانوں کا ہر بڑا شہر علم و فن اور صنعت و حرفت کا مرکز بنا ہوا تھا جہاں امن و آشتی کا دور دورہ ہوتا ، چاروں طرف سے ہن برستا اور صدیوں تک یہی عالم رہا۔

مسلمان اصول اسلام میں خود ہی تحریف کرکے تباہی میں مبتلا ہو گئے: اب ان کے برے دن آ گئے۔ مسلمانوں نے اصول اسلام میں تحریف شروع کر دی جس کے خود ہی شکار ہوئے۔ باہمی اخوت میں بے اعتنائی برتی اور تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر گئے۔ ایک دوسرے مسلمان کی ضرورتوں پر اپنے اپنے کاموں کو ترجیح دی اور غیروں کے محتاج بن گئے۔ ہر فرد پر خود پرستی غالب آ گئی جس سے وقت نے اپنا رخ بدل لیا۔ دشمن کی تلوار میدان سے نکل آئی۔ شمشیر کے قانون کا جزو اول نافذ ہو گیا اور مسیحی تلوار نے ان کی حکومت کے پرخچے اڑا دیے۔ اب اس شمشیری قانون کے آخری جملہ کے پورے ہونے کا انتظار ہے کہ مسلمانوں کو مسیحی فاتحین سے شمشیر ہی کا قانون ان کا ملک واپس دلائے۔

فاتح ممالک میں مسیحی یورپ کا قانون تلوار ہے: ہوا یہ کہ پندرھویں صدی (ع) کے آغاز میں مسیحیت نے ایسی کروٹ بدلی کہ اگر آپس میں ان کی پھوٹ نہ پڑ جاتی تو ان کا وجود دنیا کے لیے اور بھی مضر ثابت ہوتا۔ مسیحی یورپ کی شمشیر نے ان مسلمانوں کو اپنے نرغے میں لے لیا جو اصول اسلام ترک کر چکے تھے۔ لیکن عیسائیوں نے مسلمانوں پر کس طرح حکومت کی؟ فاتح و مفتوح کے درمیان تلوار رکھ دی گئی۔ اب یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ جہاں شمشیر کے زور سے حکومت کی جائے، ایسے فاتحین سے عقل و علم اور شرافت و محبت بلکہ ایمان اور انسانیت تک رخصت ہو جاتے ہیں۔

مسلمانوں میں باہم جنگ و جدال پر اسلامی قانون: دنیا کا موجودہ اخلاق بحران زور شمشیر ہی کا نتیجہ تو ہے۔ یورپ کی جو بادشاہیاں زور شمشیر سے پس ماندہ ممالک پر حکمران ہیں آج سے بیس سال قبل یہی قومیں دنیا میں امن و آشتی پیدا کرنے کا احساس کر رہی تھیں لیکن ایسی صلح و محبت کا سبق صرف اسلام کے پاس ہے کہ
وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا   اور اگر (تم) مسلمانوں کے دو فرقے آپس

بینهما فان بغت احداها علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓء الی امر الله فان فاءت فاصلحوا بینها بالعدل و اقسطوا ان الله یحب المقسطین انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتقوا الله لعلکم ترحمون (۴۹: ۹ - ۱۰) -

میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں کا ایک (فرقہ) دوسرے پر زیادتی کرے تو جو فرقہ زیادتی کرتا ہے (تم بھی) اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع لائے۔ پھر جب رجوع لے آئے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرا لو اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس (آپس میں) بھائی بھائی ہیں۔ تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا لیا کرو اور خدا (کے غضب) سے ڈرتے رہو تاکہ (خدا کی طرف سے) تم پر رحم کیا جائے۔

مغربی تمدن استعمار پر مبنی ہے: بخلاف اس آیت کے مغربی حکمرانوں کی ایسی کوششیں ابھی تک ناکام ہیں جن کی نحوست کے اثر سے صلح و آشتی کا وجود دنیا کے کسی حصہ میں نہیں پایا جاتا اور کیسے پایا جا سکتا ہے جب کہ مغرب کے تمدن کی بنیاد ہی استعمار پر ہو اور استعمار زیردستوں کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھنے سے تعبیر ہو۔ پھر استعمار میں جکڑے ہوئے پس مالدہ اپنی نجات کے لیے ہاتھ پیر بھی نہ ہلائیں، لیکن جب وہ حرکت کریں گے تو دنیا جنگ کے شعلوں سے کرۂ نار بن کر فنا ہو جائے گی۔ آخر پس ماندہ اقوام ان ابلیسان سیاست کو اپنی گرفت میں لا کر دم لیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب تک دنیا میں ایسا ایک ابلیس باقی ہے جسے ہوس استعمار نے پاگل کر رکھا ہو صلح و آشتی کا برقرار رہنا ناممکن ہے، اگرچہ آئے دن معاہدے کیوں نہ ہوتے رہیں۔ باوجود اس کے نہ تو ان (معاہدین) میں سے کوئی خود کو دوسرے کے حملے سے محفوظ سمجھتا ہے اور نہ موقعہ ملنے پر خود دوسرے پر حملہ آور ہونے میں غافل ہے۔ غریب دنیا والے ان احوال و سوانح میں امن و راحت سے زندگی کیسے بسر کر سکتے ہیں؟

صلح و آشتی کا دور دورہ صرف ایک صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہر قوم اپنی برتری کا سودا سر سے نکال کر باہمی محبت و مساوات کی فکر میں مصروف ہو جائے۔ ہر قوم کا اساسی عقیدہ اسی پر مبنی ہو کہ جب کوئی ملک دوسرے پر حملہ آور ہو تو سب مل کر حملہ آور پر ٹوٹ پڑیں۔

لیکن یہ صورت اس وقت ممکن ہے جب تمدن کی بنیاد استعمار پر نہ ہو اور دنیا پر واضح ہو جائے کہ اب سے طاقتور ملک پس ماندہ قوموں کی کمک پر کمر بستہ ہو جائیں گے۔ حکمران اپنے ماتحتوں کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کریں گے۔ علم دوست بے پڑھوں کی تربیت اپنا فرض سمجھیں گے۔ عقل و دانش کا علم سرفراز ہوگا۔ علم سے بے بہرہ قوموں کو سائنس و فنون کی جھلک سے رام نہ کیا جائے گا، بلکہ ہر حال میں انسانیت کی منزلت کو مقدم رکھا جائے گا۔

اگر تمدن کی بنیاد استعمار کی بجائے اسلامی نظریۂ تہذیب پر قائم کی جائے تو امن و آشتی خود بخود پھیل جائے گی، انسان دلیا کے ہر کونے کو اپنا وطن تصور کرے گا،

ایک دوسرے کو بھائی سمجھ کر اپنی ضروریات اس کی احتیاج پر قربان کرنے لگیں گے ، دلوں میں انسانی محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے پر آجائے گا ۔ جب بر سر اقتدار جماعتیں اپنے لب و لہجہ میں تبدیلی کر لیں گی ، ہر قوم دوسرے فریق کی حرمت خود پر واجب سمجھ لے گی ، باہم دوستانہ مبادلات زندگی کا وظیفہ قرار پائے گا اور یہ تمام اطوار و کردار صرف خدائے برتر کی خوشنودی کے لیے کیے جائیں گے ، پھر کوئی وجہ نہیں کہ صداقت کو فروغ حاصل نہ ہو ، سکون و امن کی حکومت قائم نہ ہونے پائے ۔ خداوند عالم ایسے ہی دور میں اپنے بندوں پر خوش ہوسکتا ہے اور اس کے بندے اسی طرح اپنے خالق کو خوش رکھ سکتے ہیں ۔

اسلام کی اساس عفو و مساوات پر ہے :

ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من آمن باللہ والیوم الآخر و عمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون (۲ : ۶۲) ۔

بیشک مسلمان اور یہودی اور عیسائی اور صابی ، ان میں سے جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے تو ان (کے کیے) کا اجر ان کے پروردگار کے ہاں ملے گا اور ان پر نہ کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہوں گے !

اسلام کے سوا مساوات و باہمی عفو و کرم کی اس سے بہتر اور وسیع افق کون سے آسمان پر تلاش کیجیے گا جس میں خدائے یکتا پر ایمان اور یوم الحساب پر یقین کے ساتھ ساتھ نیک کرداری پر اجر مقدر ہے ، عام اس سے کہ یہ شخص مسلمان ہے یا اسلام کی دعوت نہ پہنچنے کی وجہ سے مرنے تک یہودیت پر قائم رہا ، نصرانیت پر اس کا خاتمہ ہوا یا صابیت کی گود میں بیٹھا ہوا قبر میں جا سویا ۔

وان من اھل الکتاب لمن یومن باللہ وما انزل الیکم ومآانزل الیھم خاشعین للہ لا یشترون بآیات اللہ ثمناً قلیلاً اولٰئک لھم اجرھم عند ربھم ان اللہ سریع الحساب (۳ : ۱۹۹) ۔

اور یقیناً اھل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ھیں جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ھیں اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ان پر نازل ہو چکا ہے سب کے لیے ان کے دل میں یقین ہے ۔ نیز ان کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں ۔ وہ ایسا نہیں کرتے کہ خدا کی آیتیں تھوڑے داموں پر فروخت کر ڈالیں ۔ تو بلاشبہ ایسے لوگوں کے لیے کوئی کھٹکا نہیں ۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے ۔ یقیناً اللہ (کا قانون مکافات) اعمال کے حساب میں سست رفتار نہیں ۔

کیا قرآن مجید کی اس عفو و لطف عام کے مقابلہ میں مغرب کا وہ تمدن پیش کیا جا سکتا ہے جس کی بنا عصبیت اور اس کا اکمال ایک دوسرے سے حسد و باہمی جنگوں پر ہو؟ عفو و صلح کی جو تعلیم قرآن کی اس آیت (۳ : ۱۹۹) میں ہے اس کا پرچار دنیا کے

کونے کونے میں کرنا ہمارا فرض ہے تاکہ ہر انسان اپنا مرتبہ معلوم کر سکے او یہی روح ہے جو ختم المرسلین جناب محمد (صلعم) پر وحی الٰہی کے ذریعے نازل ہوئی۔ انسانی زندگی کے لیے جو لائحہ عمل مرتب کیجیے اس آیت کے پیش نظر کیجیے جس سے روحانی و اخلاقی مسائل کے حل ہونے میں مدد مل سکتی ہے، جن کا تعلق ہماری روزمرہ کی زندگی سے ہے اور جس حل کے لیے اہل علم صدیوں سے سرگرداں ہیں۔

حیات محمد کی عظمت: اس کتاب میں حضرت محمد صلوات اللہ علیہ کی زندگی کے جو نقوش دکھائے گئے ہیں انہیں ایک ایسے انسان کی زندگی کا خاکہ کہیے جو مقام علو و برتری کے تمام درجات طے کر چکا ہو۔ جو لوگ زندگی کے لیے نمونہ و مثل کی جستجو میں ہیں ان کے لیے جناب محمد صلعم کی زندگی ایک ایسا جامع و مانع درس ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی اور جگہ درس کا تلاش کرنا لا حاصل ہے۔ ایسے جاذب نقوش اور کہاں ملیں گے؟ حضرت محمد صلعم بعثت سے قبل بھی تو صداقت و شرافت میں ضرب المثل ہیں اوز نبوت کے بعد آپ مین یہ کمالات پائے جاتے ہیں کہ زندگی کا ہر لمحہ قربانی کے لیے وقف ہے جس کی بدولت بارہا موت کے قریب قریب پہنچ گئے۔ اس پر یہ امتیاز کہ اگر کسی نے جاہ و مال کی جھلک دکھا کر آپ کو زندگی (کے ان کمالات) سے ہٹانا چاہا تو آپ نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

آنحضرت صلعم زندگی کے جس بلند و بالا مرتبہ پر فائز ہیں کسی اور انسان کی وہاں تک رسائی ممکن ہے؟ اور یہ کمالات زندگی کے کسی ایک شعبہ میں نہیں بلکہ حیات کے ہر زاویہ میں یہی تکمیل دیکھیے گا۔ بشر کے لیے اس سے زیادہ برتری کی گنجائش کیسے پیدا کیجیے گا کہ ایک طرف یہ کمالات حاصل ہوں اور دوسری طرف خداوند برتر سے بھی پورا واسطہ جس کا یہ اثر ہے کہ چودھویں صدی ختم ہونے کو آئی مگر

ع ہنوز آن ابر رحمت درفشان ست

جناب (محمد) کی صداقت و نبوت کا سکہ ابھی تک جاری ہے چہ جائے کہ اس طویل عرصہ میں کئی ایسی بلند مرتبہ ہستیاں دنیا میں آئیں جو زندگی کے مناسب مقام پر فائز ہوئیں مگر ان میں کسی کو نبوت و رسالت من اللہ نصیب نہیں ہوئی۔ پھر یہی نبوت جناب خاتم النبین سے پہلے اس قدر عام تھی کہ ہر قوم میں نبی مبعوث ہوتا جو اپنی قوم کو ہدایت کی تلقین کرتا۔ مگر ان بے شمار نبیوں میں سے نہ تو کسی نے خود کو تمام دنیا کے لیے پیش کیا نہ کوئی اپنی ختم المرسلینی کا حرف زبان پر لایا ما سوائے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جنھوں نے اپنی رسالت کا دعویٰ تمام عالم اور رہتی دنیا تک کے لیے پیش کیا اور سننے والوں نے اس دعویٰ کی تصدیق کی۔ کیوں نہ ہوتا، نہ رسالت بدعی امر تھا، نہ آنحضرت صلعم پر نازل شدہ کتاب نیا معاملہ۔

ماکان حدیثاً یفتری و لکن تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل کل شیئی و ھدی و رحمۃ لقوم یومنون (۱۲ : ۱۱۱)۔

یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی بات تو ہے نہیں بلکہ جو (آسمانی کتابیں) اس کے نزول سے پہلے (موجود) ہیں ان کی تصدیق کرتا ہے اور اس میں ان لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہیں ہر چیز کا تفصیلی بیان اور ہدایت اور رحمت ہے۔

حرفِ آخر

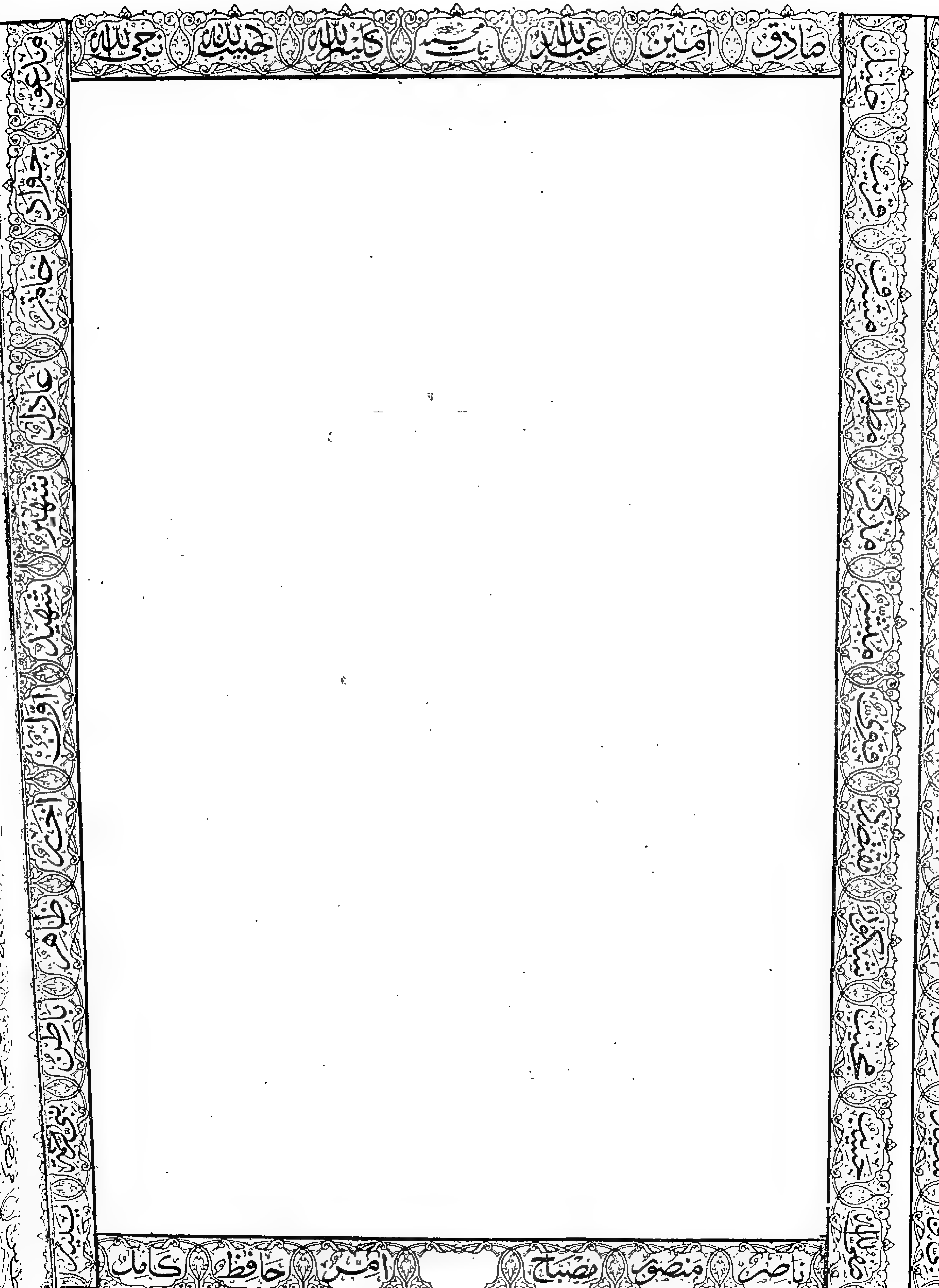
صادق
امین
عبداللہ
محمد
کلیم اللہ
حبیب اللہ
نجی اللہ
ناصر
منصور
مصباح
امر
حافظ
کامل

حرفِ آخر

خدا کے لطف و رحمت سے امید ہے کہ میں نے جس مقصد کے لیے قلم اٹھایا ، جہاں تک میری وسعت تھی اس نے مجھے پوری کامیابی عنایت فرمائی اور

لا یکلف الله نفساً الا وسعها لها ما کسبت و علیها ما اکتسبت ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا ۔	الله کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا ۔ ہر جان کے لیے وہی ہے جیسی کچھ اس کی کمائی ہے ۔ جو کچھ اسے پانا ہے وہ بھی اس کی کمائی سے ہے اور جس کے لیے اسے جواب وہ ہونا ہے وہ بھی اس کی کمائی ۔ (پس ایمان والوں کے صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ) خدایا ! اگر ہم سے (سعی و عمل میں) بھول چوک ہو جائے تو اس کے لیے نہ پکڑیو اور ہمیں بخش دیجیو ۔
ربنا و لا تحمل علینا اصراً کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا و لا تحملنا ما لا طاقة لنا به ۔	خدایا ! ہم پر بندھنوں اور گرفتاریوں کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں ۔ خدایا ! ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوائیو جس کے اٹھانے کی ہم (ناتوانوں) میں سکت نہ ہو ۔
و اعف عنا و اغفرلنا و ارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکفرین (۲ : ۲۸٦) ۔	خدایا ! ہم سے در گذر کر ! خدایا ! ہم پر رحم کر ۔ خدایا ! تو ہی ہمارا مالک و آقا ہے ۔ پس ان (ظالموں) کے گروہ کے مقابلے میں ہماری مدد فرما ۔

و تمت کلمات ربک صدقاً وعدلا

صادق امین عبد الله حیات محمد ﷺ کلیم الله حبیب الله نجی الله

صفی الله حسیب مجیب شکور مقتصد قوی مبشر مذکر مطهر مشرف قریب خلیل

مدعو جواد خاتم عادل شهیر شهید اول آخر ظاهر باطن نبی الرحمة [illegible]

ناصر منصور مصباح امر حافظ کامل

ماخذ

مآخذ

(جن کا تذکرہ مصنف نے متن میں کیا)

(ا)

الابطال—کارلیل
اسباب النزول—الواحدی
الاسلام—اب لامنس
الاسلام الصحیح—استاد محمداسعاف انشاشیبی
الاسلام والنصرانیہ—امام محمد عبدہ

(ب)

البحرالرئق—ابن نجیم
البدایہ" و النہایہ"—ابن کثیر

(ت)

تاریخ ابن کثیر—البدایہ" والنہایہ"
تاریخ ابی الفداء—البدایہ" و النہایہ"
تاریخ الرسل والملوک—طبری
تفسیر الطبری (جامع البیان)
تفصیل آیات القرآن الحکیم

(ح)

حیات محمد—امیل در منجم
حیات محمد—ولیم مویر

(د)

دائرۃ المعارف البریطانیہ
دلائل النبوۃ—ابی نعیم اصبہانی

(ر)

رسالہ" فی تاریخ العرب کوسان دیرسفال
روح الاسلام—سید امیر علی
روح المعانی—آلوسی

(س)

سیرۃ ابن ہشام

(ش)

شرح مسلم—نووی
الشفاء—قاضی عیاض

(ص)

صحیح مسلمؒ

(ط)

الطبری—تاریخ الرسل والملوک
طبقات ابن سعد—ابن سعد

(ف)

فتح العرب لمصر—دکتور بتلر
فجر الاسلام—استاد احمد امین
فی الادب الجاہلی—دکتور طٰہٰ حسین

(ق)

قصص الانبیاء—استاد عبدالوہاب النجار

(ک)

کتاب البخاری (الجامع الصحیح)
کتاب واشنطن ار فنج
کلیات ابی البقاء

(م)

مجلہ" المستشرقین الالمانیہ
مجلہ" المنار
مغازی الواقدی
مفتاح کنوز السنہ"
موسوعہ"—اروس الفرنسیہ"

(ن)

الناسخ والمنسوخ—ابن سلامہ"
النہایہ"—ابن اثیر

(و)

الوحی المحمدی—رشید رضا

(ی)

الیہود فی بلاد العرب—اسرائیل ولفنسن